تاریخ
ناعتِ اسلام

ہوئی ۔ دورِ صحابہؓ اور عہدِ سلاطین میں
ت اسلام کی مفصل اور مستند تاریخ

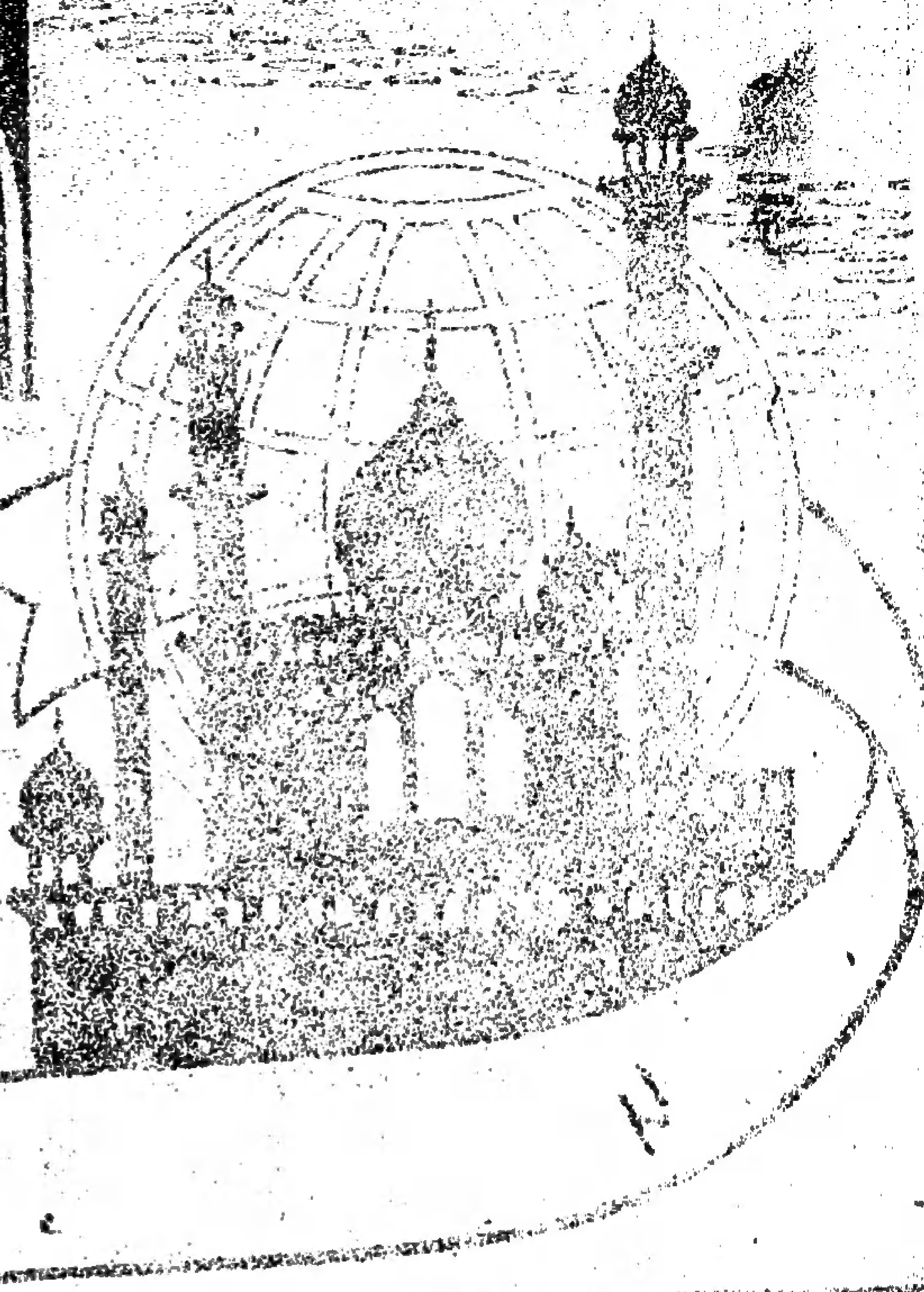
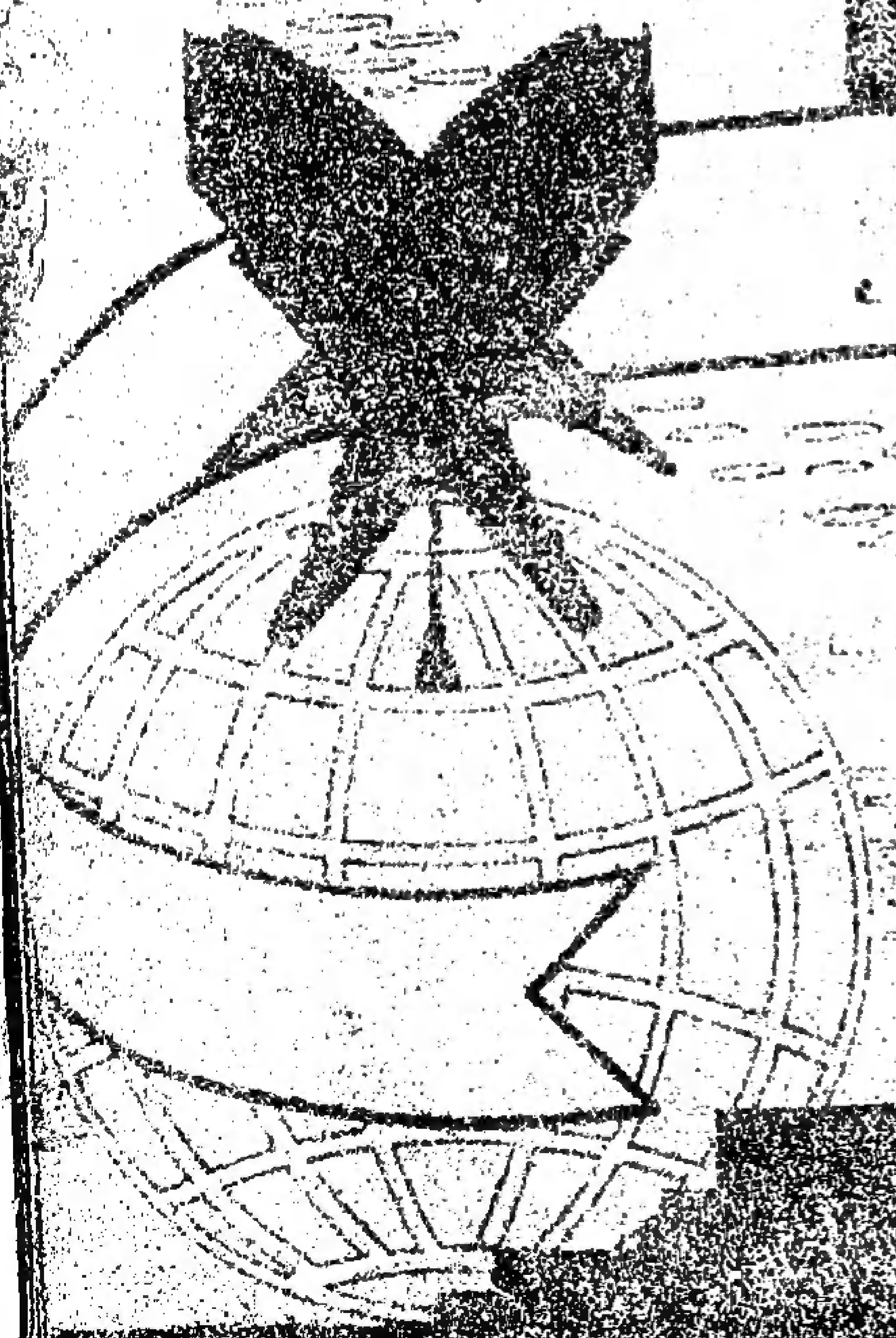
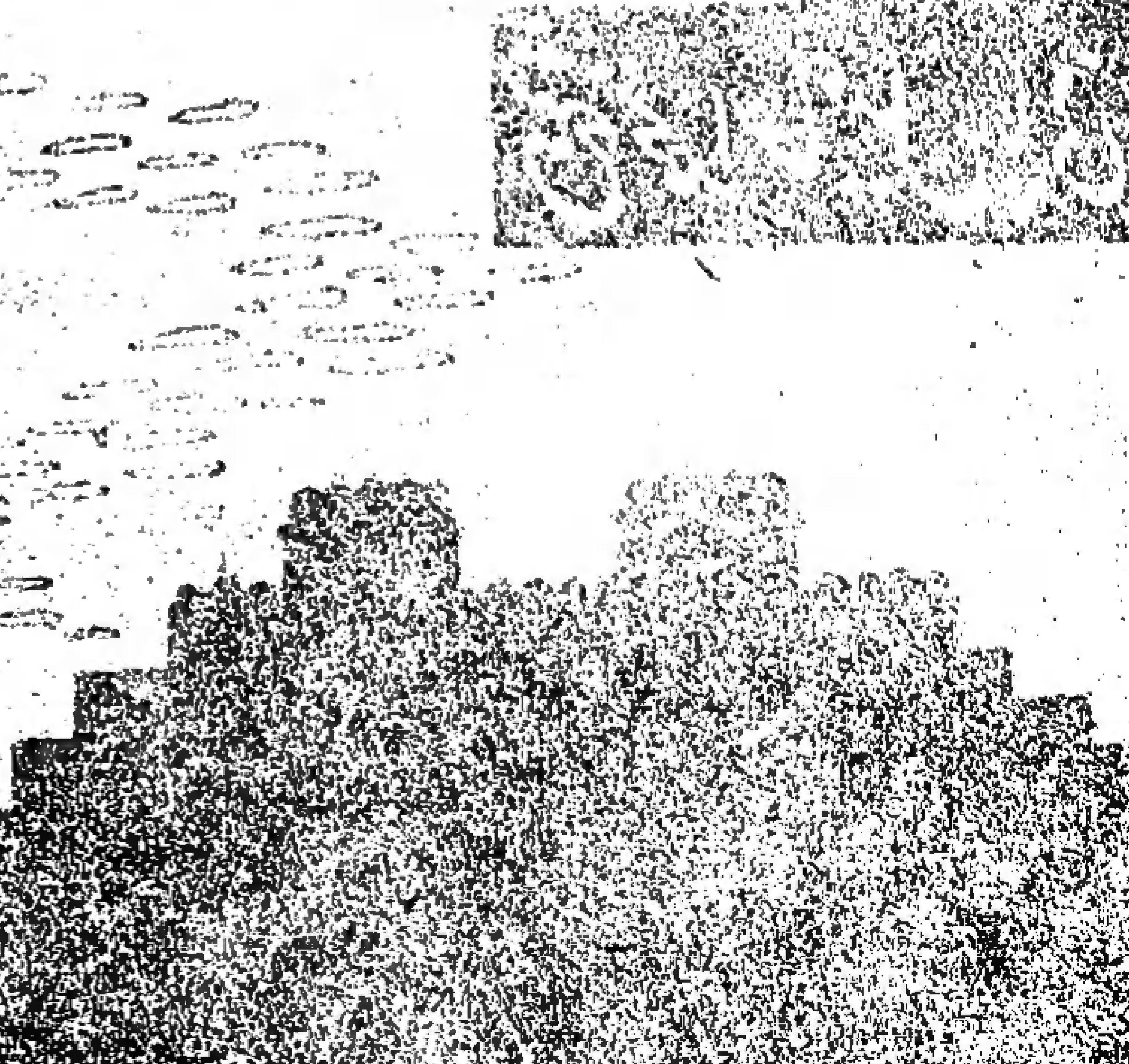


4

شیخ محمد اسماعیل پانی پ

نخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ لاہور۔ پشاور۔ حیدرآباد۔ کراچ



اپنے موضوع پر سب سے پہلی جامع کتاب

تاریخ اشاعتِ اسلام

زمانۂ نبوی۔ دورِ صحابہ اور عہدِ سلاطین

میں

اشاعتِ اسلام کی مفصل اور مستند تاریخ،

اور

ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ میں تبلیغِ اسلام کی تفصیل

دعوتِ اسلام کے وہ مختلف ذریعے جو آنحضرتؐ آپؐ کے صحابہؓ اور بعد میں آنے والے تمام صوفیاء، فقراء، علماء تجّار اور مبلّغین نے ابتداء سے اب تک مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں استعمال کیے

مع ایک مبسوط مقدمہ کے

۱۳۸۰ھ
۱۹۶۲ء

تالیف

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز۔ لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۰۹

ناشر ـــــــ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

طابع ـــــــ شیخ نیاز احمد

مطبع ـــــــ علمی پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت اول ـــــــ سنہ ۱۹۶۲ء

قیمت ـــــــ ۱۳ روپے ۵۰ پیسے

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین

باب دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

پیش لفظ

مسلمانوں نے اپنے زمانۂ عروج میں ہر علم و فن کے متعلق نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں ہیں کسی علم اور کسی فن کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں کتابوں کی معقول تعداد تالیف اور تصنیف نہ کی ہو۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ان کتابوں کی قدیم فہرستیں ہیں جو ہر علم و فن کے متعلق مؤرخین اور مصنفین اسلام نے نہایت کاوش و محنت اور تحقیق و تلاش کے بعد مرتب کیں۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کی بعض فہرستیں مصر سے شائع ہوئیں۔ مثلاً معجم المطبوعات العربیہ اور الکتفاء القنوع نیما ھو مطبوع وغیرہ، مگر یہ دیکھ کر نہایت حیرت ہوتی ہے، کہ اشاعت اسلام کی تاریخ جیسے اہم اور ضروری موضوع کے متعلق تمام عربی لٹریچر میں اور تمام فارسی ذخیرہ کتب میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے ایک بھی کتاب موجود نہیں اور عربی و فارسی کے کسی قدیم مورخ یا کسی جدید مصنف نے اس مضمون پر قلم نہیں اٹھایا۔ اردو کا دامن بھی اس قسم کی کسی کتاب سے تقریباً خالی ہے۔ سوائے بعض معمولی سی کتابوں کے: (اور وہ بھی بہت محدود دائرے میں لکھی گئی ہیں) کوئی بلسوط تالیف تبلیغ اسلام کی تاریخ کے متعلق آج تک شائع نہیں ہوئی۔ لے دے کے انگریزی میں صرف ایک کتاب "پریچنگ آف اسلام" سر سید نے اپنے کالج کے ایک انگریز پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ سے لکھوائی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ سر سید ہی کی فرمائش سے میرے مرحوم دوست مولوی عنایت اللہ دہلوی نے کیا تھا جو "دعوتِ اسلام" کے نام سے سنہ ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا تھا، مگر اس کتاب میں چار بڑے نقائص ہیں:-

۱۔ واقعات بہت ہی مختصر اور تشنہ ہیں خصوصاً ہندوستان کا بیان تو بیحد نامکمل ہے۔ جس کو سب سے

زیادہ مفصل ہونا چاہیئے تھا۔

۲۔ بکثرت بیانات یورپین مصنفین کی کتابوں سے لیے گئے ہیں، جن کی صحت پر پورا اعتماد اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ بالعموم متعصب ہوتے ہیں اور ہر واقعے کو معاندانہ اور متعصبانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اس تعصب کی بنا پر واقعے سے نتیجہ بھی غلط نکالتے ہیں۔ پھر یورپین مصنفین کی یہ کتابیں بھی یہاں بالکل نہیں ملتیں، بلکہ یورپ کے مختلف کتب خانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ اس لیے مقابلہ کرکے نہیں دیکھا جا سکتا کہ نقلیں کہاں تک صحیح ہیں۔

۳۔ مؤلف نے بہت سے ایسے غیر متعلق بیانات کتاب میں درج کر دیئے ہیں، جن کو پڑھتے ہوئے طبیعت کو بڑی الجھن ہوتی ہے۔

۴۔ یہ کتاب اب بہت پرانی ہو چکی ہے اور دنیا نہایت آگے نکل آئی ہے۔ اسی ۶۲ سال کے

۵۔ طویل عرصے میں بہت سے نئے ممالک میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور ہو رہی ہے۔

اسی سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ مختصر اور نامکمل کتاب بھی اب قریباً ناپید ہے[۱] ہندوستان کی بعض لائبریریوں میں اس کا کوئی نسخہ ہو تو ہو، ویسے کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔

اس ایک کتاب کے علاوہ بھی "اشاعتِ اسلام" کے نام سے اُردو میں دو کتابیں شایع ہوئیں۔ ایک کے مصنف مولوی شیر علی مرحوم تھے اور کتاب وکیل ٹریڈنگ ایجنسی امرتسر نے صدی کے شروع میں شایع کی تھی۔ دوسری مولانا حبیب الرحمٰن ناظم دارالعلوم دیوبند کی مصنفہ تھی، مگر اس میں صرف خلفائے راشدین تک کے حالات ہیں اور وہ بھی بہت مختصر۔

مگر یہ دونوں کتب محض اس مقصد کے اظہار کے لیے لکھی گئی تھیں کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ تبلیغ اسلام کی تاریخ سے ان دونوں کتابوں کا کچھ زیادہ تعلق نہیں تھا، اور تاریخ کا حصہ ان دونوں کتابوں میں بہت ہی مختصر تھا جو زمانۂ عہد نبوی اور عہد صحابہ تک محدود تھا۔

"تاریخ تبلیغ اسلام" کے نام سے بھی ایک چھوٹی سی کتاب چھوٹی تقطیع پر تقسیم ملک سے بہت پہلے سوہدرہ سے شایع ہوئی تھی، مگر معلومات کے لحاظ سے بہت ہی سطحی کتاب تھی۔ ظاہر ہے کہ سوا سَو ۱۲۵ صفحات میں ایسے عظیم الشان موضوع کے متعلق معلومات آ بھی کیا سکتی تھیں۔

ان کے علاوہ دو مختصر سے رسالے $\frac{20 \times 30}{16}$ کی تقطیع پر تھوڑا عرصہ ہوا کراچی سے شایع ہوئے

---

[۱] اس کا انگریزی ایڈیشن تو حال میں لاہور سے شایع ہوا ہے مگر اُردو ایڈیشن بدستور ناپید ہے۔

تھے۔ ایک کا نام تھا "اسلام کیسے شروع ہؤا؟" دوسرے کا نام "اسلام کیسے پھیلا؟" یہ دونوں رسالے مولانا عبدالواحد سندھی کی تصنیف تھے مگر اب ختم ہو چکے ہیں اور دوبارہ نہیں چھپے۔ ان میں سے موخرالذکر دو حصّوں میں تھا۔

ان متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ جہاں تک میری واقفیت ہے کوئی اور کتاب اس موضوع پر اُردو میں نہیں لکھی گئی۔ ان حالات میں اشد ضرورت تھی کہ اس اہم مضمون پر ایک جامع، بسیط اور مفصل کتاب لکھی جائے۔ پس یہ کتاب اسی ضرورت کے پیشِ نظر اور اسی مقصد کو مدِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر ہر زمانے اور ہر دور میں جن جن اقوام اور جن جن ممالک میں آج تک اسلام کی تبلیغ ہوئی ہے اس کی تفصیلی تاریخ اس کتاب میں جمع کر دوں۔ میں کہاں تک اپنے مقصد اور مدعا میں کامیاب ہؤا ہوں اس کا فیصلہ اور تصفیہ ناظرین اور قارئینِ کتاب پر چھوڑتا ہوں۔

آخر میں ایک ضروری بات کہہ کر اس تمہید کو ختم کرتا ہوں کہ میں نے اس ساری کتاب کو فرقہ وارانہ تعصب اور دشمنی سے بالکل خالی اور پاک رکھا ہے۔ مسلمانوں کے جس فرقے کے افراد نے بھی تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں کسی زمانے یا کسی ملک میں کوشش اور سعی کی ہے میں نے ہر جگہ بہت فراخدلی اور انصاف کے ساتھ اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔


خاکسار:

محمد اسماعیل پانی پتی

لاہور

یکم جون ۱۹۷۱ء

مقدّمه



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

تاریخ اشاعتِ اسلام

بعثت نبوی کے وقت عرب کی مذہبی حالت

بعثتِ نبوی کے وقت عرب دنیا بھر کے مذاہب، دنیا بھر کے عقائد، ہر قسم کی لایعنی رسوم، ہر قسم کے بیہودہ توہمات، ہر قسم کے الحاد و دہریت، ہر قسم کی اجسام پرستی، ہر قسم کے گناہ، ہر قسم کے عیوب، ہر قسم کے افعال ذمیمہ، ہر قسم کے معاصی، ہر قسم کے جرائم، غرض ہر قسم کی بے راہ روی میں دنیا کا پیشوا اور امام بنا ہوا تھا۔ وہاں ہر قسم کے، ہر قوم کے اور ہر طرح کے عجیب عجیب خدا جمع ہو گئے تھے۔ اپنے بزرگوں کو وہ پوج رہے تھے جنوں بھوتوں اور شیاطین کی وہ پرستش کر رہے تھے۔ ارواح کی وہ عبادت کر رہے تھے۔ چاند، سورج اور اجسام فلکی ان کے نزدیک خدا تھے۔ رعد و برق ان کے معبود تھے۔ مٹی، آگ، پانی اور ہوائیں ان کی مسجود تھیں۔ ملائکہ کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور انہی میں سے بعض وہ تھے جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ انہی کا دوسرا گروہ حضرت مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا بنا رہا تھا۔ رہ گئی بت پرستی تو شاید جزیرہ نمائے عرب میں اتنے افراد آباد نہیں تھے جس قدر بت تھے علاوہ مستقل ہُبل کے ان کے عارضی خدا نہایت کثرت سے ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ جب سفر پر جاتے تو ایک چھوٹا سا پتھر جیب میں ڈال کر لے جاتے وہی پتھر سفر سے واپسی تک ان کا عارضی معبود ہوتا۔ اُن کے ان عارضی معبودوں کا اکثر تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ جب چلتے چلتے راہ میں کوئی اچھا اور خوبصورت پتھر مل جاتا تو پہلے خدا کو جیب سے نکال کر پھینک دیتے اور اُس کی بجائے نئے خدا کی پرستش کرنے لگتے۔ اگر روانگی کے وقت سفر میں اپنے خدا کو ساتھ لے جانا بھول جاتے تو بھی اُن کے

مذہب میں بڑی آسانی تھی۔ منزل پر پہنچ کر چار پتھر تلاش کرتے، تین کا چولہا بناتے، چوتھے کے آگے سجدہ کرتے۔ اگر کبھی اتفاقاً پتھر پوجنے کے لیے نہ ملتے تو بھی اپنا اپنا معبود گھڑ لینے میں ان کو زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑتی۔ جھٹ مٹی اور کنکروں کا ایک ڈھیر جمع کر کے اس پر بکری کا دودھ بہاتے، لیجئے معبود تیار ہے۔ جھٹ اس کے آگے سجدے میں گر پڑتے۔ کچھ ضروری نہ تھا کہ پتھر کے بت ہی اُن کے خدا ہوں۔ لکڑی اور مٹی کے بت بھی خدا اکثر بنا لیا کرتے تھے۔ ایک قبیلہ بنی حنیفہ نے تو کھجوروں کا ایک ڈھیر بنا کر اس کے آگے سجدے کرنے شروع کر دیے تھے۔ اس میں ان کو یہ آسانی ہوئی کہ قحط پڑنے پر سارے قبیلے نے مل کر نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے خدا کو کھا کر ختم کر دیا۔ ایک بھی کھجور باقی نہ چھوڑی۔[۱] ایک قبیلے نے آٹے کا بت بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا تھا۔ کعبہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف خدا واحد کی عبادت کے لیے بنایا تھا، اُسے ان کی ناخلف اولاد نے بت پرستی کا ایک تیرتھ بنا دیا تھا جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے دن رات پج رہے تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے ہر گھر میں کئی کئی خدا حکومت کر رہے تھے۔ باپ کا خدا الگ تھا، بیٹے کا الگ۔ بیوی کا الگ، بہو کا الگ اور بھائی، بھتیجوں اور بھانجوں کا الگ۔ پھر ہر قبیلہ اور ہر خاندان کا بت علیحدہ تھا۔ کئی کئی قبیلے مل کر بھی کسی بت کو اپنا متفقہ معبود تسلیم کر لیتے تھے۔ اور جو کچھ نذر نیاز ہوتی تھی اس کے آگے رکھ کر سجدے میں گر پڑتے تھے۔

عرب کے مختلف خاندانوں، مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں میں جو بت پوجے جاتے تھے علامہ سید سلیمان ندوی نے قدیم عربی کتابوں سے تلاش کر کے ان میں سے بعض کے نام اپنی کتابوں ارض القرآن جلد دوم اور سیرۃ النبی جلد چہارم میں لکھے ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔[۲]

نمبر شمار	نام بت	نام قبائل جن کا وہ بت تھا		نام بت	جن قبائل کا وہ بت تھا
۱	لات	قبیلہ ثقیف	۴	یغوث	بنو مذحج اور اہل جرش
۲	عزیٰ	قریش، بنو شیبان بن جابر	۵	یعوق	بنو ہمدان و اہل خیوان
۳	منات	قبائل اوس و خزرج اور عام عرب	۶	نسر	حمیر

[۱] طبقات الامم تالیف ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی صفحہ ۱۔

[۲] ارض القرآن جلد دوم مولفہ سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۴۶ تا ۱۶۷۔

	نام بت	نام قبائل جن کا وہ بت تھا		نام بت	نام قبائل جن کا وہ بت تھا
۷	ودّ	بنو کلب	۳۱	بس	تبخانۂ غطفان جس میں بہت سے بت رکھے تھے
۸	سواع	بنو لحیان	۳۲	بعیم	لکڑی کا بنا ہوا ایک بت تھا۔
۹	اساف	ان دونوں بتوں پر عرب قبائل ایام	۳۳	بلج	
۱۰	نائلہ	حج میں قربانیاں چڑھاتے تھے۔	۳۴	جبہر	
۱۱	اقیصر	قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ، غطفان	۳۵	جریش	بنی عبد جریش
۱۲	باجہ	ازد طے اور قضاعہ	۳۶	جلسد	
۱۳	ذو الخلصہ	بنو امامہ، خثعم، بجالہ، ازد السراۃ	۳۷	جہار	قبیلہ ہوازن
۱۴	رضاء	علی الترتیب بنو ربیعہ اور بنی حمیر کے	۳۸	دار	بنی عبد الدار
۱۵	رئام	بت خانوں کے نام تھے جہاں بہت سے بت رکھے ہوئے تھے۔	۳۹	دوار	
۱۶	سعد	بنی ملکان بن کنانہ	۴۰	ذو الرجل	حجاز کا ایک بت تھا۔
۱۷	سبحہ		۴۱	شارق	بنی عبد الشارق
۱۸	شعیر	عنزہ	۴۲	شمس	بنو عبد شمس
۱۹	ذو الشریٰ	بنو حارث	۴۳	صدا	عاد
۲۰	عائم	ازد السراۃ	۴۴	صمودا	″
۲۱	عم انس	بنی خولان	۴۵	عنار	قبیلہ عباس بن مرداس سلمی
۲۲	فلس	بنی طے	۴۶	عمیزن	منذر اکبر
۲۳	ذو الکفین	بنو دوس	۴۷	عبعب	قضاعہ
۲۴	منات	قریش	۴۸	عوض	بکر بن وائل
۲۵	نہم	مزینہ	۴۹	عوف	
۲۶	ہبل	قریش	۵۰	غبغب	اس بت پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔
۲۷	لعل	قبائل بنی عدنان	۵۱	فراض	سعد العشیرہ
۲۸	یعبوب	جدیلہ	۵۲	کثریٰ	جدیس و طسم
۲۹	اشہل	بنو عبد الاشہل	۵۳	کسعہ	
۳۰	اوال	بکر و تغلب	۵۴	محرق	بنو بکر بن وائل

	نام بت	نام قبائل جن کا وہ بت تھا		نام بت	نام قبائل جن کا وہ بت تھا
۵۵	مدان	بنو عبد المدان	۵۸	ہبا	عاد
۵۶	مرحب	حضرموت	۵۹	ذات الودع	
۵۷	منہب		۶۰	یالیل	بنو عبد یالیل

ان کے علاوہ یمن اور حجاز میں آثار قدیمہ کے محققین نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں ان میں المقہ[۶۱] عشتار[۶۲]، نکرہ[۶۳] اور قینان[۶۴] وغیرہ بہت سے اور بتوں کے ناموں کا پتہ لگایا ہے[۱]۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس مضمون کو بہت تفصیل و تشریح اور نہایت تحقیق کے ساتھ اپنی بے نظیر تالیف ارض القرآن کی جلد دوم میں بیان کیا ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اس کتاب کے صفحات ۱۵۱ تا ۱۸۸ ملاحظہ فرمائیں۔

بتوں کو پوجنے کے علاوہ فضول رسوم میں مبتلا تھے۔ لایعنی اعتقادات رکھتے تھے۔ جیسی بیہودہ عادتیں ان کی تھیں جس وحشت و بربریت کا وہ شکار تھے۔ اور جیسی بدترین حالت میں وہ لوگ اپنے شب و روز بسر کر رہے تھے۔ اس کی نہایت درجہ افسوسناک اور تفصیلی کیفیت سرسید نے اپنی مشہور کتاب الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ میں بڑے دکھ اور درد کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

(" نہایت بد اخلاقی اور فحش عرب جاہلیت میں پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے ان میں معزز لوگوں اور امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا حال نام لے کر بیان کرتے تھے۔ اور طرح طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بے شرمی اس کو مشتہر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔)

سب لوگ شراب پینے سے بدرجہ غایت اُنس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں اُن سے نہایت خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک ہر دلعزیز کھیل تھا اور اگر کوئی خاص مقام قماربازی کا

---

[۱] سیرۃ النبی جلد چہارم از سید سلیمان ندوی صفحہ ۲۵۵

مشہور ہوتا تھا۔ تو لوگ دور دراز مسافت طے کر کے بھی وہاں جوا کھیلنے جایا کرتے تھے (جو شخص قماربازی کی ان مجلسوں میں شامل نہ ہوتا اُسے بہت ذلیل اور کنجوس سمجھتے تھے اور اس سے رشتہ و ناطہ کرنا بہت ننگ و عار کا موجب خیال کیا جاتا تھا چنانچہ ایک جاہلی شاعر نے اپنی بیوی کو وصیت کی کہ اگر میں مر جاؤں تو میرے بعد کسی ایسے شخص سے شادی نہ کیجیو جو جوا نہ کھیلتا ہو۔ اور قماربازی کی محفلوں میں شریک نہ ہوتا ہو۔[1]

سودخواری کی مذموم اور قبیح عادت بھی ان لوگوں میں عام طور پر نہایت درجہ مروج تھی۔ اور سود خوار بہت بُری طرح غریبوں کا خون چوستے تھے۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں، گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا، اور اُن کے آقاؤں کی طرف سے اُن کو حرام کاری کی کھلی اجازت ہوتی تھی اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ اُن کے آقا بے تکلف اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

رہزنی، لوٹ مار، غارت گری اور قتل ان کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔ انسانوں کا خون وہ بہت بے پروائی سے بہاتے تھے اور لڑائیوں میں جو عورتیں گرفتار ہوتی تھیں وہ لونڈیاں بنالی جاتی تھیں۔ اور اُن سے ہر طرح کی خدمت لی جاتی تھی۔

ٹوٹکوں اور شگونوں پر بے حد اعتقاد رکھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں بڑی عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے کسی کام کے ہونے پر بھیڑ کی قربانی کی منت مانتے تھے مگر جب کام ہو جاتا تھا تو بجائے بھیڑ کے ہرن کو ذبح کر دیتے تھے۔

ان کا اعتقاد تھا کہ اگر اپنے کسی عزیز کے خون کا بدلہ خون سے نہ لیا جائے تو مقتول کے سر میں سے ایک جانور نکلتا ہے جو فضائے آسمانی میں انتقام انتقام کی صدا لگا کر چیختا پھرتا ہے اور جب تک انتقام نہیں لے لیا جاتا اس وقت تک چیختا رہتا ہے۔ اس جانور کو "ہامہ" یا "صدی" کہتے تھے۔ (جب اس کے بدلے میں اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا جاتا تھا، تو پھر اس مقتول کے سر سے "ہامہ" نکلتا تھا اور وہ اس وقت تک چیختا رہتا تھا جب تک اس کا انتقام نہیں لے لیا جاتا تھا۔ اسی طرح یہ سلسلہ برابر چلتا رہتا تھا)

ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کے اُونٹ کو اس کی قبر سے باندھ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ بھوکا پیاسا مر جاتا تھا۔ اس اُونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔

بغیر سُود کے کسی کو قرض نہ دیتے تھے اور اگر وہ وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کرتا تو فوراً قرضے

1۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۹۳۔

کی رقم دگنی ہو جایا کرتی تھی۔

ہر شخص (خواہ وہ بالکل اجنبی یا غیر ہو) دوسرے کے گھر میں درانہ گھس جاتا تھا اور اجازت لیکر داخل ہونے کو اپنی ہتک سمجھتا تھا۔ اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کے ہاں جا کر کھانا کھانے کو معیوب سمجھتے تھے۔ مردوں کو کامل اختیار تھا کہ جس قدر چاہیں بیویاں کر لیں۔ کوئی حد بندی نہ تھی اسی طرح ان کو اس بات کی بھی پوری آزادی تھی کہ عورت کو ہزار بار طلاق دینے کے بعد پھر اپنی زوجیت میں لے لیں۔

عرب جاہلیت میں سب سے زیادہ بے رحمی کی رسم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا ان کو زندہ دفن کر دینا تھی۔

لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ اپنے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کر لیتے تھے۔ عورتوں میں اپنے گھروں سے نکلنے اور مجمع عام میں بغیر پردے اور بغیر حجاب کے آنے کا عام دستور تھا۔ عورتیں اپنے جسم کے کسی حصے کو کھلا رکھنے اور عام لوگوں کو دکھانے میں کسی قسم کی کوئی بے حیائی اور بے شرمی نہیں سمجھتی تھیں۔

روح کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ایک چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور وہاں اپنے آپ کو بڑھاتا رہتا ہے اور جب انسان مرنے کو ہوتا ہے تو اس کے جسم سے نکل جاتا ہے مگر فوراً ہی مر جاتا ہے جب متوفی کی قبر تیار ہوتی ہے تو وہ اس قبر کے گرد چیختا پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک اُلو کے برابر ہو جاتا ہے۔

ان لوگوں نے سینکڑوں، ہزاروں فرضی، وہمی اور خیالی روحیں بنا رکھی تھیں — ان کا اعتقاد تھا کہ وہ آدمیوں کو نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور پہنچاتی ہیں۔ یہ جن، بھوت اور دیو جنگلوں، بیابانوں اور کھنڈروں میں رہتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آدمی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

عرب کے زمانہ جاہلیت کی رسوم اور ان کی عادات کو اس مقام پر ہم نے نہایت سرسری طور پر بیان کیا ہے مگر ہمیں اُمید ہے کہ ان نیم وحشی اور آزاد منش باشندگان عرب کے خانگی اور سوشل عام حالات معلوم ہونے سے ایک منصف مزاج شخص بآسانی اس بات کا فیصلہ کر سکے گا کہ اسلام سے قبل عربوں کا کیا حال تھا اور بعد اسلام کے ان کا کیا حال ہو گیا۔ اور بالعموم ان کے اخلاق کس طرح پر تبدیل ہو گئے۔"

آفتاب ہدایت کا طلوع

تمام دنیا کے مقابلے میں جزیرہ نمائے عرب کی یہ بدترین حالت اس امر کی محرک ہوئی کہ خدا نے ہدایت کا آفتاب اس سرزمین سے طلوع کیا۔ اور دنیا کا نجات دہندہ اسی ملک میں پیدا ہوا جس نے

شرک وکفر، بت پرستی اور اصنام پرستی، دہریت والحاد، ظلم وطغیان، گناہ اور معاصی کے عظیم الشان اور ہولناک طوفان کا زبردست اور کامیاب مقابلہ کیا اور۔ دنیا کے سامنے وہ خالص، بہترین اور اکمل ترین توحید پیش کی جو دنیا سے مفقود اور ناپید ہو چکی تھی۔ اس ہادیٔ کاملؐ نے خلقت کو خدائے واحد لاشریک کا وہ اصلی اور حقیقی چہرہ دکھایا جس سے لوگ ناآشنا ہو چکے تھے۔ آپؐ نے اخلاق فاضلہ اور عادات حسنہ کی ایسی بے نظیر تعلیم دی اور اپنی ذات میں ان کا ایسا بہترین نمونہ دکھایا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ جن نفوس مقدسہ نے آنحضرت صلعم کے پیش کردہ ضابطۂ اخلاق کو اختیار کیا، وہ دنیا کے رہبر، معلم اور مالک بن گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر جس خالص توحید کو پیش کیا جس معبود برحق کی عبادت کی طرف توجہ دلائی، عقائد کی جیسی عمدہ تعلیم دی اعمال کے جیسے عمدہ نمونے پیش کیے، اخلاق کی جو اعلیٰ ترین باتیں تلقین کیں ان کی کوئی نظیر اور کوئی مثال امم سابقہ اور کتب قدیمہ میں نہیں ملتی۔ کسی آسمانی کتاب میں وہ بے نظیر باتیں موجود نہیں جو اس نبی امی نے ہمیں بتائیں، کسی اخلاقی صحیفہ میں وہ نصیحتیں نہیں جو اس انسان کامل نے تلقین کیں۔

یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے ۔۔۔ ایسی حقیقت جو بالکل واضح اور صاف ہے۔ قرآن کے مقابلے میں تمام صحف سماویہ کو رکھ دیں، آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ عقائد واعمال، عبادت و ریاضت معاشرت و اخلاق، مذہب و روحانیت وعظ و تذکیر اور رشد و ہدایت کے متعلق کس کتاب کی تعلیم پُر معارف اور اعلیٰ ترین ہے۔

اپنی تمام تعلیم و تلقین میں اور اپنی تمام تبلیغ و اشاعت میں حضور علیہ السلام نے سب سے مقدم جس امر کو رکھا، وہ خدائے واحد لاشریک کا وجود تھا۔ خدا کو آپؐ نے اس زور و تحدی کے ساتھ دنیا میں پیش کیا اور اس کی وحدانیت کی اس شدت اور سختی کے ساتھ تبلیغ کی کہ اتنی بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کے کسی نبی، کسی رسول، کسی رہنما اور کسی مقتدا نے نہیں کی۔ حضور علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ کا نقطۂ مرکزی خدا تھا جس کے گرد آپ پروانہ وار گھومتے تھے۔ اپنی تمام زندگی میں کوئی بھی موقع آپؐ نے دنیا کے سامنے خدا کو پیش کرنے کا باقی نہیں چھوڑا۔ اس میں آپ کو اتنا شغف اور اتنا انہماک تھا کہ آپؐ کے اشد ترین مخالفین کو بھی حیرت کے ساتھ یہ کہنا پڑا کہ "محمدؐ تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے!"

دنیا کے سامنے خدا اور اس کی وحدانیت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آنحضورؐ نے عقائد واعمال اور اخلاق و عادات کے متعلق جو تبلیغ کی، وہ بھی اپنی جگہ بہترین ہے۔ آپؐ کی ساری عمر اور آپؐ کی زندگی

کا ایک ایک لمحہ اس مقدس فرض کی بجا آوری میں صرف تھا۔ اپنی اس تبلیغ سے آپ اس وقت بھی غافل نہ رہے جب کہ آپ کا دم نکل رہا تھا اور آپ اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں تشریف لیجا رہے تھے یعنی بستر مرگ پر بھی حضورؐ نے دعوت و تبلیغ اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ بند نہ کیا۔ اسی حالت میں جان جان آفرین کو سپرد کر دی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عہدِ نبویؐ میں تبلیغِ اسلام کے اصول

جب دنیا میں ہر طرف ارواح پرستی، اسلاف پرستی، اکابر پرستی، مظاہر پرستی، کواکب پرستی، پتھروں اور پہاڑوں کی پوجا، درختوں، پودوں اور پتوں کی پرستش، رعد و برق اور آب و آتش کی عبادت، ہوا اور مٹی کی پوجا، اعضائے جنسی کی عبادت، حیوان پرستی، مختلف اقسام کے اصنام کی پوجا، دریاؤں، گھاٹوں اور چشموں کی پرستش، بادشاہ پرستی، بھوت، پریت، جن اور شیاطین کی پوجا، آسمان اور زمین کی پرستش، پجاریوں، وادیوں، مقامات اور مکانات کی پوجا، زندہ پادریوں اور مردوں کی قبروں کے آگے سجدے، ارواح خیالی کی پوجا، عورتوں کی پرستش، اپنی متبرک اور مقدس اشیاء کی پرستش اور فرشتوں اور مختلف تماثیل کی عبادت کا دور دورہ تھا اور انسان نے کوئی تعلق حی و قیوم اور ازلی و ابدی خدا سے نہیں رکھا تھا۔ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آکر خدا کی ذات اور اس کی وحدانیت کو قائم کیا اور کلمۂ توحید کی نشر و اشاعت میں اپنے آپ کو ایسا مشغول و منہمک کر دیا کہ آپ کی پاک اور مطہر زندگی کا ایک ایک لمحہ اس مقدس فرض کی بجا آوری کے لیے وقف ہو گیا۔ آپ نے بڑے زور و تحدی سے یہ بات کہی کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ انعام ۱۶۳-۱۶۲ (میری ہر قسم کی عبادت اور میری تمام قربانیاں اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس خدا کا کوئی شریک نہیں۔ اس تبلیغ کا مجھے خدا کی طرف سے حکم دیا گیا ہے اور میں اپنے رب کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا شخص ہوں)

حضور علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ میں اس تڑپ اور اس انہماک کو دیکھ کر آخر خدا کو بھی کہنا پڑا کہ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ شعراء آیت ۳ (یعنی اے محمدؐ! کیا تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے گا کہ لوگ تیرے خدا پر ایمان نہیں لاتے)

حقیقت یہ ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اولوالعزم، باہمت، اَن تھک، مستقل مزاج، اور پہاڑ کی طرح اپنے مؤقف پر قائم رہنے والا، کسی ترغیب اور کسی تحریص سے متاثر نہ ہونے والا۔ اپنے فرض کو کمال تندہی، پوری دیانت داری، نہایت انہماک اور بے انتہا محنت سے انجام دینے والا کسی مشکل سے نہ گھبرانے والا، ہر خطرے کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے والا، اور ہر مصیبت اور آفت کو خوشی اور صبر سے برداشت کرنے والا انسان پیدا نہ ہوتا تو خدا کی توحید جو اس جہان سے معدوم و مفقود ہو چکی تھی کبھی دوبارہ دنیا میں قائم نہ ہوتی۔ اسی لیے خدا نے دنیا بھر میں سے اس اہم اور عظیم الشان فریضے کی انجام دہی کے لیے ایسے مکمل اور کامل انسان کو انتخاب کیا جو اس کے لیے پورے طور پر موزوں تھا۔ خدا کے ہزار در ہزار درود و سلام اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ پر ہوں جس نے عرب میں پیدا ہو کر دنیا بھر کو درس توحید دیا۔

(آپ کا کام نہایت مشکل اور کٹھن تھا۔ یعنی عربوں جیسے وحشی اور خونخوار بھیڑیوں کو انسان اور پھر با اخلاق انسان اور ازاں بعد باخدا انسان بنانا تھا۔ اور من اولہ الی آخرہ۔ اُن کو ہر طرح کی تعلیم اور ہر قسم کی تربیت دینی تھی۔ کیونکہ:۔

۱۔ اُن کے عقائد فاسد اور ان کے خیالات پست تھے۔

۲۔ اُن کی تمام پوجا پاٹ اور اُن کی ساری عبادت و بندگی، لات و منات، عزیٰ و ہبل کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

۳۔ اُن کے اخلاق و عادات بدترین تھے۔ اُن کو نہ بات کرنے کا سلیقہ تھا، نہ کام کرنے کا۔ نہ معاملے کے اچھے تھے، نہ کردار کے۔

اور آپ کو ان سب کی اصلاح اور تربیت کرنی تھی۔

۱۔ عربوں کے عقائد کی اصلاح

جب اللہ تعالیٰ نے اس کام کے انصرام کے لیے آپ کو مبعوث فرمایا تو سب سے پہلے حضور نے اُن کے عقائد کی اصلاح کی جس کی حسب ذیل شقیں تھیں:۔

توحید — آپ نے تمام باطل معبودوں کا ابطال کرتے ہوئے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، یعنی پرستش کے قابل اور عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے اور کوئی نہیں۔ حضور علیہ السلام کی تمام تبلیغ کا نقطۂ مرکزی یہی تھا کہ آپ نے دنیا کے سامنے اس خدا کو پیش کیا جس کو عرصہ ہوا لوگ بھول چکے تھے اور انہوں نے اصلی خدا کو چھوڑ کر ہزارہا فرضی معبود بنا لیے تھے۔

خدا کو پیش کرنے کے بعد رسول خدا نے لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دی یعنی اس امر کی تبلیغ کی کہ خدا اپنی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے لاشریک ہے۔ چنانچہ نہایت جامع اور تفصیل طور پر فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (یعنی اے محمدؐ! تو دنیا والوں سے یہ بات کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اکیلا ہے سب اللہ کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔) ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی تعلیم آنحضورؐ نے امت کو دی۔ مثلاً وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔ وہ مالک الملک اور قادر مطلق ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے بری ہے۔ وہ سلامتی کا سرچشمہ اور بگڑی کا بنانے والا ہے۔ وہ ہمارے اعمال کا محافظ اور اُن کا پورا واقف ہے۔ وہ نہایت قوی اور قاہر ہے۔ وہ نہایت زبردست اور کمال عظمت کا مالک ہے۔ وہ ہر شے کا خالق اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی ستار وغفار اور وہی قہار و وہاب ہے۔ وہی تمام مخلوق کا روزی رساں ہے اور وہی ہر مشکل کا مشکل کشا ہے۔ وہی فراخی دینے والا اور وہی رزق کو محدود کرنے والا ہے۔ وہ اپنے متبعین کو ترقی وعروج دینے والا اور اپنے منکرین کو ذلیل کرنے والا ہے۔ وہ علیم اور خبیر ہے وہ سمیع اور بصیر ہے۔ ساری عزت وذلت اس کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے بڑھا دے جسے چاہے گھٹا دے۔ وہ سب کی سنتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے وہ حاکم اور عادل ہے وہ ہر ظلم سے بری اور سراسر عدل وانصاف ہے۔ وہ لطیف ہے وہ خبیر ہے۔ وہ حلیم ہے وہ عظیم ہے۔ وہ شکور ہے وہ غفور ہے۔ وہ تمام بزرگیوں کا مستحق اور بڑی عظمت والا ہے۔ وہ تمام مخلوقات عالم کا نگہبان اور نگران ہے۔ وہ دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ وہ خالق اشیاء کا پورا علم رکھنے والا اور نہایت درجہ وسیع المعلومات ہے۔ وہ نیک بندوں کو دوست رکھتا اور گنہگاروں کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ مارنے کی بھی طاقت رکھتا ہے اور زندہ کرنے کی بھی۔ نہ اس کی ذات میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا تنزل اس میں پیدا ہو سکتا ہے۔ فنا اور زوال سے وہ پاک ہے۔ ہر قسم کا تصرف اور ہر قسم کی طاقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہمارا کارساز اور ہمدرد ہے۔ وہ قادر و توانا اور زور و قوت والا ہے۔ وہی ہمارا سرپرست اور ولی ہے۔ وہی جلانے والا، وہی پیدا کرنے والا، وہی مارنے والا اور وہی زندگی عطا کرنے والا ہے۔ مرنے کے بعد بھی وہی اٹھائے گا اور زندہ کرے گا۔ وہ خود زندہ ہے اور دوسروں کی زندگی کا باعث ہے۔ وہی سب کا تھامنے والا اور سب کو سنبھالنے والا ہے۔ وہی حی وقیوم ہے، وہی زندگی عطا کرنے والا اور وہی موت دینے والا ہے۔ وہ قادر علیٰ کل شئی ہے۔ وہی نیکوں کو بڑھانے والا اور بدوں کو گرانے والا ہے۔ وہی اوّل ہے۔ وہی آخر ہے۔ وہی سب پر ظاہر بھی ہے اور سب سے چھپا ہوا بھی ہے۔ وہی مقتدر اور

وہی صاحب مقدور ہے۔ وہی تمام عظمت وجبروت اور تمام عزت وجلال کا مالک ہے۔ وہی عزت اور بزرگی والا ہے اور وہی کارخانۂ عالم کو سنبھالنے والا ہے۔ وہ بے پروا اور بے احتیاج ہے! اور وہی تمام مخلوقات کا مرجع ہے۔ وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ وہی اپنے فرمانبرداروں کو معاف کرنے والا اور وہی سرکشوں کو پست کرنے والا ہے۔ وہ نفع پہنچانے والا اور وہی ہدایت دینے والا ہے۔ وہ خود بے نیاز ہے اور دوسروں کو بے نیاز کرنے والا ہے۔ وہ سرتاپا نور ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔ وہی نیکی کی تعلیم دینے والا اور بدی سے روکنے والا ہے۔ وہی خیر وشر کا مالک اور خالق ہے۔ اور وہی اعمال بد کی سزا دینے والا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔ وہ ہی سب کا وارث اور مالک ہے۔ نہ اسے فنا ہے نہ زوال ہے، وہی خلاق عالم اور وہی فاطر السموٰات ہے۔ وہی ہمارا معاون ومددگار اور ناصر ونگہبان ہے۔ وہی ہماری مغفرت کرنے والا اور وہی ہم پر رحمت کرنے والا ہے۔ وہی صاحب عرش عظیم اور وہی ہر بزرگی وبلندی کا مالک ہے۔ وہی برے کاموں کی سخت سزا دینے والا اور وہی گناہوں کا معاف کرنے والا ہے۔ غرض وہی تمام خوبیوں اور تمام بھلائیوں کا جامع اور وہی تمام تعریفوں کا مرجع اور ہر قسم کی حمد وثنا کا مستحق ہے[1]

ان تمام صفات الٰہیہ کی تلقین کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام نے اس امر کی تعلیم بھی دی کہ تم خدا کی ان تمام صفات کو صرف زبان ہی سے تسلیم نہ کرو بلکہ قلب کی سچائی اور دلی جوش کے ساتھ ان پر ایمان لاؤ، تاکہ تم آسمان پر خدا کی جماعت لکھے جاؤ۔ وہ شخص جو خدا کو حقیقی طور پر معبود ومطلوب، واحد یگانہ، قادر مطلق یقین کرتا ہے۔ یہ بات کب ممکن ہے کہ وہ جان بوجھ کر گناہ کا مرتکب ہو اور کوئی عیب اس میں باقی رہے۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو سکھایا کہ خدا کی اطاعت، اس پر کامل بھروسا اور اس کی سچی محبت ہر حالت میں تمہاری زندگی کا نصب العین رہے۔ نہ اس کے سوا کسی سے مرادیں مانگو، نہ کسی کو کسی حالت میں اس کا شریک ٹھہراؤ۔ نہ اس کے سوا کسی پر توکل کرو، نہ اس کے سوا کسی سے ڈرو اور نہ اس کے سوا کسی کو مشکل کشا سمجھو۔ اگر تم اپنی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرو گے، تو تم دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے۔

رسالت

خدا کی ہستی، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت کی تبلیغ کے بعد آنحضور نے اپنی رسالت اور نبوت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد الرسول اللہ کو ماننا بھی ضروری قرار دیا کیونکہ نبوت کو مانے بغیر نہ انسان کا ایمان مکمل ہو سکتا ہے اور نہ وہ نجات پا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر ونواہی

---

[1] خدا تعالیٰ کی یہ تمام صفات وہی ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔ اور جو عام طور پر فرداً فرداً نام کے ساتھ مشہور ہیں۔

احکام اور فرمان نبیوں ہی کے ذریعہ دنیا میں پھیلتے اور اشاعت پاتے ہیں اور وہ اپنی نیکی اور معصومیت کے باعث بندوں کو خدا تک پہنچانے کا ایک ذریعہ واسطہ ہوتے ہیں۔ اگر نبیوں کی صداقت اور سچائی پر ایمان نہ لایا جائے تو خدا کی ذات اور اس کی ہستی پر بھی کوئی دلیل اور برہان قائم نہیں ہو سکتی پس اسی لیے نبیوں پر ایمان اسلام لانے کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کو مدار ایمان اور ذریعہ نجات بتایا گیا ہے جس کو ماننے اور قبول کیے بغیر کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کلمے کے دونوں اجزا کی تبلیغ و اشاعت ساتھ ساتھ کی یعنی جہاں یہ فرمایا کہ خدا معبود برحق اور واحد و یگانہ ہے۔ وہیں یہ بھی فرمایا کہ میں اس کا رسولؐ اور پیغمبر ہوں اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ (من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ) آنحضرت صلعم نے اپنی رسالت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اعلان کیا کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جہاں خدا کا رسول اور ہادی لوگوں کو سمجھانے اور انہیں راہِ راست پر لانے کے لیے نہ آچکا ہو۔ (وان من اُمّۃٍ الّا خلا فیھا نذیر اور ولکلّ قوم ھاد)

۳۔ ملائکہ خدا کا پیغام اس کے رسولؐ تک ملائکہ لاتے ہیں اس لیے ان کی ہستی کو تسلیم کرنا اور ان کے وجود پر ایمان لانا آنحضرت صلعم نے ایمان لانے کے لیے ضروری قرار دیا۔ مگر اس حیثیت کے ساتھ کہ نہ فرشتوں میں بذاتِ خود کوئی طاقت اور قدرت ہے۔ نہ وہ خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور نہ وہ خدا کے کاموں میں اس کے شریک اور ساجھی ہیں، بلکہ وہ خدا کی نہایت تابعدار مخلوق ہیں جو اس کے حکم اور اس کی منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں۔

۴۔ قرآن اور دیگر صحف سماوی خدا کی طرف سے اس کے ملائکہ جو کلام اور پیغام اس کے رسولوں پر لاتے ہیں، اس کے صحیح اور درست ہونے پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خدا اور رسول پر ایمان لانا۔ اگر اس کلام الٰہی پر پختہ یقین نہ ہو تو نہ انسان خدا پر ایمان لا سکتا ہے، نہ اس کے رسولوں پر۔ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ آپ پر جو وحی جبرئیل لاتے تھے، اس پر ایمان لانے کا حکم فرمایا، بلکہ اس بات کو بھی کمال فراخدلی کے ساتھ تسلیم کیا کہ مجھ سے پہلے بھی خدا کی وحی اس کے رسولوں اور پیغمبروں پر نازل ہو چکی ہے۔ اور قرآن پاک ان سب کا موید اور مصدق ہے یہ اسلام کا چوتھا رکن تھا جس کی تبلیغ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کی۔

۵۔ یوم آخرت آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے عقیدہ معاد کو بھی اسلام کا رکن قرار دیا اور اس

پر ایمان لانے کی تاکید کی۔ پس مرنے کے بعد جو شخص سزا و جزا اور اپنے اعمال و افعال کی جواب دہی پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا، وہ خدا اور رسول کے نزدیک ہرگز مسلمان نہیں۔

اعمال کی اصلاح

عقائد کی اعلیٰ ترین تلقین کے بعد حضور علیہ السلام نے اُمت کو خدا کی عبادت اور اُس کے فرائض کو بجالانے کی تعلیم دی چنانچہ :-

۱۔ نماز اس سلسلے میں آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے نماز کی تلقین کی تاکہ اس کے ذریعے سے انسان باطنی پاکیزگی اور خدا کا قرب حاصل کرے۔ اور ہر ایک بے حیائی کے فعل اور ہر ایک بُرے کام سے بچے۔ حضور علیہ السلام نے نماز کو مسلمان کے لیے اتنا ہی ضروری قرار دیا جتنا ضروری کھانا پینا۔ جس طرح غذا کے بغیر کوئی شخص جسمانی طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح روحانی زندگی قائم رکھنے کے لیے بھی نماز ضروری ہے۔

۲۔ روزہ باطنی طہارت کا دوسرا ذریعہ روزہ ہے۔ چنانچہ ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے گئے۔

۳۔ زکوٰۃ نیز زکوٰۃ کا حکم دیا جس کی ادائیگی انسان کے مال کو پاک کرتی ہے اور اپنے غریب بھائیوں کی امداد کا بہترین ذریعہ ہے۔ جو امیروں سے لے کر غریبوں کی ضروریات میں خرچ کی جاتی ہے۔

۴۔ حج حج کی عبادت اس لیے قائم کی تاکہ لوگ مرکزِ توحید سے اپنا تعلق قائم رکھیں اور بالخصوص ایامِ حج میں مکہ معظمہ میں جمع ہو کر قومی بھلائی کے کاموں میں مشورے کریں اور ایک دوسرے کی ضروریات اور ان کے حالات سے باخبر رہیں۔ تاکہ باہمی ہمدردی کا جذبہ ترقی کرے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کے مقدس گھر کے رہنے والوں کو معاشی لحاظ سے آسانیاں اور سہولتیں میسر آسکیں۔

اخلاق و عادات کی اصلاح

تیسری بات اخلاق و عادات کی اصلاح ہے جو حضور علیہ السلام نے اس طرح کی کہ اس سے بڑھ

کہ ممکن نہیں۔ اخلاق کے ہر شعبے کے متعلق جس قدر مفید نصیحتیں قرآن کریم نے کیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں وہ اپنی حیثیت میں بے نظیر ہیں۔ سارا قرآن ان نصائح سے بھرا پڑا ہے۔ اور تمام احادیث اخلاق کے وعظ سے یکسر معمور ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی لحاظ سے عربوں کی ایک ایک بات، ایک ایک خلق، ایک ایک رسم کو لیا اور اس کی کامل اصلاح فرمائی۔ اور قرآن ایسا مکمل ضابطۂ اخلاق اُن کے ہاتھ میں دیا جس پر عمل کر کے اور جس کو اپنا دستور العمل بنا کر وہ دُنیا کے ہادی بن گئے۔

۱۱۰۶۸

تبلیغ کی راہ میں آنحضرت کی مشکلات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ساری دنیا کے لیے بھیجے گئے تھے مگر آپ کے اوّلین مخاطب عرب تھے۔ ان لوگوں کو انسان بنانا آسان کام نہ تھا۔ اصلاح کے اس عظیم الشان کام میں حضورؐ کو قدم قدم پر مشکلات پیش آتی تھیں۔ بت پرستی ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ڈاکے ڈالنا ان کا محبوب کام تھا۔ عیش و عشرت اور عیاشی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ ظاہر ہے کہ وحشت اور بربریت کے اس دور میں قوم کو پیغام حق پہنچانا کتنا مشکل کام تھا۔ وہ لوگ خدا کی الوہیت سے ناواقف اور رسالت کی شان سے بے خبر تھے۔ رسالت کا تصور ان کے ذہن میں یہ تھا کہ رسول کو مافوق العادت قوت کا مالک ہونا چاہیے۔ فرشتوں کی ایک فوج اُن کی پشت پر ہو۔ ایک فرشتہ آگے آگے اس کی نبوت کا اعلان کرتا چلے۔ وہ اُن کی ان میں چشمے بہانے اور فوراً باغ لگا دینے پر قادر ہو۔ سونے، چاندی، کھجوروں اور انگوروں کے ڈھیر اس کے پاس ہوں جن کو وہ لوگوں میں تقسیم کرتا ہو۔ اس کا گھر سونے کا بنا ہوا ہو۔ اور وہ ان کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور وہاں سے لکھی لکھائی ایک کتاب ان کے لیے لے آئے۔ (قرآن بنی اسرائیل اور انعام) ایسے عجیب و غریب تصورات کی موجودگی میں آنحضرت صلعم کی نبوت کو تسلیم کرنا ان کے لیے بہت ہی مشکل کام تھا۔

اس کے علاوہ ان کی توہم پرستی بھی قبول حق کے راستے میں ان کی سدِّ راہ تھی۔ مثلاً یہ کہ اگر فلاں بت کے خلاف ذرا سی بھی لب کشائی کی تو وہ گردن مروڑ کر رکھ دے گا۔ اگر فلاں بت کی خدمت گزاری میں کوئی کمی واقع ہو گئی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا۔ لڑکا پیدا نہ ہوگا۔ باغوں میں پھل نہ آئے گا کھیتوں میں غلہ پیدا نہ ہوگا۔ یہ حالات بھی قبول حق کی راہ میں اُن کے لیے ایک رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

اسلام کی اشاعت میں ایک بڑا مانع عربوں کی آئے دن کی خانہ جنگیاں بھی تھیں جنہوں نے قوموں اور قبیلوں کے درمیان دشمنی اور عداوت کی ایسی آگ بھڑکا دی تھی جو کسی طرح ٹھنڈی ہونے میں نہ آتی تھی۔ اُن کی جنگیں جس وقت شروع ہو جاتی تھیں۔ تو پچاس پچاس برس تک جاری رہتی تھیں ۔۔ ان خانہ جنگیوں میں ہر وقت پھنسے رہنے کے باعث ان کو اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ آنحضرتؐ کے پیغام کی طرف متوجہ ہوں نیز قبائل کے درمیان جو سخت عداوتیں پشت ہا پشت سے چلی آ رہی تھیں وہ بھی ان کے لیے ہاشمی رسولؐ کو قبول کرنے میں بڑی حد تک مانع تھیں۔

بعض اسباب بھی پیدا ہو گئے تھے کہ قریش اور دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے اتنے شدید مخالف تھے جس کی انتہا نہیں۔ اور اس مخالفت اور عداوت کا سلسلہ لا متناہی تھا، ان کی خودداری اور تکبر وغرور پر بڑی کاری ضرب پڑتی تھی اگر وہ بنی ہاشم کے ایک فرد پر ایمان لے آتے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ "اگر نبی پیدا ہونا ہی ہے تو ہمارے قبیلے میں سے ہونا چاہیئے۔ بنی ہاشم کو ہم پر کیا فوقیت ہے؟"

عرب قبائل کی آپس میں رقابت اور دشمنی کے علاوہ ملک میں یہودیوں کی قوم ایک زبردست طاقت تھی جس سے اسلام کا ٹکراؤ ہوا یہ لوگ تمام عرب پر پھیلے ہوئے تھے مالی لحاظ سے نہایت دولت مند سیاسی لحاظ سے بہت طاقت ور، لیکن اخلاقی لحاظ سے نہایت پست تھے۔ بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے مالک تھے۔ زمینیں اور جاگیریں انہوں نے بکثرت حاصل کر لی تھیں۔ فنون جنگ سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اسلحہ جنگ ان کے پاس کافی تھے۔ کھجور کے نخلستانوں پر ان کا قبضہ تھا، عربوں کے تمام مادی ذرائع معاش پر وہ قابض تھے۔ اسلام کے عروج اور ترقی میں ان کو اپنی موت اور ہلاکت نظر آتی تھی۔ اس لیے ملک کے تمام یہودی اسلام کو مٹانے کے لیے مستعد ہو گئے۔ اور انہوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں لگا دیا۔ نہ صرف خود مسلمانوں کا مقابلہ کیا بلکہ دیگر قبائل عرب کو بھی آنحضرتؐ کے خلاف اُبھارا، بغرض یہود اسلام کی ترقی کی راہ میں بڑی سخت رکاوٹ بنے رہے۔ انہوں نے عرصۂ دراز تک مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا اور آئے دن کوئی نہ کوئی شرارت، فساد اور سازش مسلمانوں کے خلاف کرتے رہے۔

عرب کی دو ہمسایہ طاقتیں روم اور ایران کی حکومتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا، عراق، یمن اور بحرین پر ایران قابض تھا اور شام کا ملک قیصر روم کے پاس تھا۔ یہ دونوں طاقتیں کس طرح پسند کر سکتی تھیں کہ عرب میں یہ مذہبی تحریک زور پکڑے۔ لہٰذا انہوں نے شروع ہی سے اس کے استیصال کی عملی کوشش کی۔

ایک بڑی رکاوٹ عربوں کو اسلام قبول کرنے میں یہ تھی کہ تمام بدوی قبائل کا پیشہ بالعموم لوٹ مار، چوری، رہزنی، سرقہ، ٹھگی اور قتل و غارت تھا۔ چونکہ اسلام قبول کرتے وقت اس قسم کے تمام جرائم سے توبہ کرنی پڑتی تھی۔ اس لیے لوگوں کو مسلمان ہونے میں بڑا تامل ہوتا تھا کیونکہ مسلمان ہوجانے کے بعد وہ آمدنی کے ان تمام ذرائع سے محروم ہوجاتے تھے جن کے وہ نہایت شدت کے ساتھ عادی تھے۔ ایسی حالت میں اسلام قبول کرنا ان کے لیے اپنے اوپر ایک آفت اور مصیبت طاری کرنی تھی۔

قریش کا پیشہ اگرچہ لوٹ مار اور رہزنی نہ تھا، بلکہ وہ تجارت کر کے اپنی گزر اوقات کرتے تھے مگر ان کے لیے دوسری قسم کے موانعات اس قدر زیادہ تھے کہ ان کی موجودگی میں ان کے لیے اسلام قبول کرنا بہت محال تھا۔ سب سے اوّل تو ان کو ہزاروں خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرنی پڑتی تھی اپنے بت خانوں کو اپنے ہاتھوں ڈھانا پڑتا تھا۔ اپنے خداؤں کو خود ہی توڑنا پڑتا تھا۔ طائف والوں نے تو مسلمان ہونے کے لیے آنحضرتؐ کے سامنے یہ شرط پیش کی تھی کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھ سے نہیں توڑیں گے۔ پھر قریش کو اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں اپنی موجودہ عزتوں، اپنی بزرگیوں، اپنے تفوق اور اپنی برتری کے تمام خیالات کو خیرباد کہنا پڑتا تھا۔ جو ان کے لیے بیحد مشکل کام تھا کیونکہ ان کا ہر فرد تکبر، غرور، انانیت اور خود پسندی کا مجسمہ تھا اور وہ اپنے برابر اور اپنا ہمسر کسی کو نہ سمجھتے تھے ادھر اسلام کہتا تھا کہ بنی آدم سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کسی نوع کی بڑائی نہیں۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ فخر موجودات، افضل البشر اور شہنشاہِ دو عالم معمولی غلاموں کے ساتھ مسجد کے کچے فرش پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

جو بھاری سود وہ لیتے تھے اسلام لانے کے بعد وہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا تھا بھلا وہ اس نقصانِ عظیم کو کس طرح برداشت کرتے۔

اپنے غلاموں کو جس بدترین حالت میں اور ذلت کے ساتھ وہ رکھتے تھے اسلام لانے پر وہ کیفیت انہیں ختم کرنی پڑتی تھی۔ اپنے غلاموں کو اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کی طرح رکھنا پڑتا تھا۔ جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ اسی لیے مسلمان ہونے سے وہ ہچکچاتے تھے۔ مگر دوسری طرف شاہِ کونین کا سلوک اپنے غلاموں سے یہ تھا کہ آپؐ کا ایک غلام زید بن محمدؐ کہلاتا تھا[1] ایک دوسرے حبشی غلامؓ کے متعلق آپؐ نے اپنے خسر صدیق اکبرؓ سے کہا تھا کہ اگر تم نے بلال کو ناراض کر دیا تو خدا بھی تم سے ناراض ہے[2]

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۲ اور غلامانِ اسلام صفحہ ۲۵ ۔ [2] غلامانِ اسلام صفحہ ۱۱ ۔

ایک تیسرا فارسی غلام تھا جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ سلمان منا اھل البیت[۱] ایک چوتھا رومی غلام تھا جس کے متعلق شہنشاہ عرب وعجم فاروق اعظمؓ نے اپنے آخری وقت میں وصیت کی تھی کہ "میرے جنازہ کی نماز صہیب پڑھائیں۔ اور جب تک نئے خلیفہ کا انتخاب ہو مسجد نبوی میں وہی مسلمانوں کی امامت کیا کریں" اس طرح تین دن تک اس رومی غلام کی اقتداء میں قریش کے تمام معزز سرداروں نے نمازیں ادا کیں[۲]

عیوراور خوددار جباران قریش کی راہ میں اسلام قبول کرنے کے متعلق ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی تھی، کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ اسلام اس ظالمانہ فعل سے اُن کو سختی کے ساتھ روکتا تھا۔

تبلیغِ اسلام کے ذرائع جو آنحضرتؐ نے استعمال فرمائے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بعثت سے لے کر اپنی وفات تک خدا کے دین کی اشاعت اور حق وصداقت کی تبلیغ میں نہایت انہماک کے ساتھ مشغول رہے۔ اس دوران میں حضور علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ اور وعظ وتذکیر کے جو جو ذریعے اور اشاعتِ حق وصداقت کے جو جو طریقے مختلف زمانوں میں استعمال فرمائے ان کے صرف اشارے یہاں لکھے جاتے ہیں تفصیلات اشاعت اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنے اپنے موقعے پر آئیں گی۔

۱۔ سب سے بڑا ذریعہ اشاعتِ اسلام کا آپؐ نے بار بار اور ہر جگہ یہ استعمال کیا کہ لوگوں کو موقع کے مطابق قرآنی آیات سنائیں۔ جن میں دوسرے مذاہب کی تردید بھی تھی اور اس کے دلائل بھی تھے۔ اور وہ دلائل اتنے مضبوط تھے کہ کچھ جواب ان کا مخالف کو سوجھتا نہ تھا۔ کفار مکہ، یہودیان یثرب و نجران کے عیسائیوں کے سامنے آپؐ نے اس قرآن کو ہر موقعے پر پیش کیا۔

(۲) آپؐ نے اپنے صداقت کے دلائل میں اپنی دعویٰ نبوت سے پہلے کی بے داغ اور بے عیب اطہر اور پاک زندگی کو پیش کر کے فرمایا کہ جب میں نے اپنی تمام جوانی اور زندگی کے چالیس برس تم لوگوں کے درمیان رہ کر گزارے ہیں۔ اور تم نے اس عرصے میں بہت اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میری زندگی کتنی بے عیب اور میرا کیریکٹر کتنا پاک وصاف رہا ہے۔ تو اب تمہیں مجھے نبی برحق ماننے

---

[۱] ۔ غلامانِ اسلام صفحہ ۱۹ ۔ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۰

میں کیوں تامل ہے؟ جب میں نے کبھی بندوں سے جھوٹ اور فریب کا معاملہ نہیں کیا تو کیا اب میں بوڑھا ہو کر خدا پر جھوٹ بولوں گا۔؟

۳۔ آپ کی مقدس، مطہر، پاک اور معصوم شکل وصورت بھی تبلیغ اسلام کا ایک ذریعہ تھی یعنی سلیم الفطرت لوگ آپ کی صورت دیکھتے ہی بول اٹھتے تھے کہ "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا"۔

۴۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق بھی تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ اگر آنحضور ؐ نے تبلیغ اسلام کے لیے تلوار استعمال کی ہے تو وہ احسان ومروت کی تلوار تھی۔ جو نہایت تیزی کے ساتھ اپنا وار کرتی تھی۔ اور جس پر پڑتی تھی۔ اس کے کفر وضلالت کا خاتمہ کر دیتی تھی۔

۵۔ میدان جنگ میں فتح پانے کے بعد آپ نے مجرموں، قاتلوں اور اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ جس عفو ورحم، احسان وکرم، اولوالعزمی اور فراخدلی کا اظہار فرمایا، وہ ایک عمدہ ذریعہ تبلیغ اسلام کا بن گیا۔ اور یہ ذریعہ ایسا کارگر اور مفید ثابت ہوا کہ آپ کے بدترین دشمن آپ کے مخلص خادم بن گئے۔

۶۔ آپ کی فیاضی اور دریا دلی بھی اکثر موقعوں پر تبلیغ اسلام کا ذریعہ ثابت ہوئی اور عرب کے بادیہ نشین حضور کی اس عادت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

۷۔ آپ نے اشاعت کا یہ ذریعہ بھی استعمال کیا کہ بازاروں، گلیوں، گزرگاہوں اور پہاڑوں پر لوگوں کو جمع کر کے ان کو پیغام حق سنایا۔

۸۔ لوگوں کو اپنے گھر بلا کر اور ان کی دعوتیں کر کے بھی آپ نے اُن کو دین کی دعوت دی۔

۹۔ دلائل اور براہین کے ذریعے سے بھی آپ نے خدا کے بندوں تک خدا کا پیغام پہنچایا اور دعوت عقلی و فکر دے کر بہت سے سمجھدار لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بنایا۔

۱۰۔ انفرادی طور پر لوگوں کے پاس جا کر یا لوگوں کو اپنے پاس بلا کر آپ نے تبلیغ کی۔

۱۱۔ مکی زندگی میں آپ نے تبلیغ کا یہ طریقہ بھی بکثرت استعمال فرمایا کہ روزانہ شہر سے باہر چلے جاتے اور جو مسافر بھی باہر سے آتا ہوا آپ کو مل جاتا اس کو پیغام حق پہنچاتے۔

۱۲۔ قافلوں کی آپ خاص طور سے فکر میں رہا کرتے تھے۔ جب سنتے کہ کوئی قافلہ مال تجارت لے کر مکہ آرہا ہے۔ فوراً شہر میں داخل ہونے سے قبل اس سے جا کر ملتے اور تبلیغ کرتے۔

۱۳۔ ایام حج میں آپ خاص طور سے نہایت مشغول رہتے اور برابر حجاج میں گشت لگاتے رہتے تاکہ شاید کوئی سعید روح حق کو قبول کر لے۔ مدینہ کے انصار اسی تبلیغ کی یادگار ہیں۔

۱۴۔ تبلیغی دورے بھی آپ کی تبلیغ کا ایک ضروری جز تھے۔

۱۵۔ انفرادی طور پر داعی اور مبلغ بنا کر آپؐ اکثر لوگوں کو مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی آپؐ نے جماعتیں بنا کر مختلف قوموں کی طرف اپنے اصحاب کو بغرض تبلیغ روانہ کیا ہے۔

۱۶۔ مختلف بادشاہوں، امراء اور والیان ممالک کو آپ نے خطوط کے ذریعے تبلیغ اسلام کی ہے۔ یہ خطوط آپؐ ایسے صحابہؓ کے ہاتھ بھیجا کرتے تھے جو دین سے نہایت باخبر اور واقف ہوتے تھے تاکہ اگر ضرورت پیش آجائے تو گفتگو اور بحث کر سکیں۔

مکہ مدینہ اور عرب کے لوگ کس طرح آپؐ پر ایمان لائے؟

۱۔ مدتوں آپؐ کے پاس اور آپؐ کے ساتھ رہنے اور آپؐ کی پاک زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کرنے کے باعث جیسے ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ۔

۲۔ آپؐ سے سابقہ دوستی اور تعلقات کی بنا پر جیسے حضرت ابوبکرؓ،

۳۔ بعض اتفاقی حادثات سے متاثر ہو کر جیسے حضرت عمرؓ،

۴۔ کسی بزرگ صحابی کے سمجھانے سے جیسے حضرت عثمانؓ،

۵۔ آپؐ کی نبوت سے پہلے کی پاک اور مطہر زندگی پر نظر کرتے ہوئے۔

۶۔ آپؐ کے کلام سے متاثر ہو کر،

۷۔ آپؐ سے یا آپؐ کے کسی صحابیؓ سے قرآن کریم کی کوئی آیت سنکر،

۸۔ آپؐ کے پیش کردہ دلائل کی معقولیت کو دیکھ کر،

۹۔ آپؐ کے مقابلے میں اپنے آپ کو عاجز پا کر،

۱۰۔ آپؐ کے حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق پر نظر کر کے،

۱۱۔ مسلمانوں کے عمدہ برتاؤ سے متاثر ہو کر،

۱۲۔ اسلام کے مقابلے میں بتوں کی جھوٹی طاقت اور مصنوعی عظمت سے مایوس ہو کر۔

۱۳۔ بعض صحابہؓ کے زیر تبلیغ رہ کر،

۱۴۔ نشانات اور معجزات دیکھ کر،

۱۵۔ آپؐ کی پیشگوئیاں پوری ہوتی ہوئی مشاہدہ کر کے۔

۱۶۔ اپنے بتوں کی ذلت و خواری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر،

۱۷۔ سابقہ آسمانی کتب میں آپؐ کا ذکر پڑھ کر۔

۱۸۔ آپؐ کے اور آپؐ کے بھیجے ہوئے لشکروں کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد

۱۹۔ فتوحات کی کثرت کو دیکھ کر۔

۲۰۔ مسلمانوں کی تعداد کو تیزی کے ساتھ بڑھنے سے متاثر ہو کر۔

۲۱۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت سے مرعوب ہو کر۔

۲۲۔ مکہ معظمہ کی فتح بھی بہت سے لوگوں کے قبول اسلام کا باعث ہوئی۔

۲۳۔ بعض لوگ تحقیقِ حال کی غرض سے آپؐ کے یا آپؐ کے متبعین کے پاس آئے اور مطمئن ہو کر مسلمان ہو گئے۔

۲۴۔ مختلف شہروں اور قبیلوں سے لوگوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اس نئے مذہب کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لیے مکہ بھیجا، انہوں نے واپس جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے اُن کو آگاہ کیا جس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۲۵۔ مسلمانوں سے میل ملاقات اور تعلقات کے باعث اکثر آدمی اسلام لے آئے۔

۲۶۔ مسلمانوں کے مخلصانہ اعمال، ان کی دین سے محبت اور ان کے اعلیٰ طریق عبادت سے متاثر ہو کر بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔

۲۷۔ اپنے قبیلے کے اکثر افراد کو مسلمان ہوتے دیکھ کر بھی بعض لوگ اس لیے اسلام لے آئے کہ ہم ان کے پیچھے نہ رہیں۔

۲۸۔ بعض لوگ دل سے مسلمان ہو گئے مگر قریش کے ڈر سے اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکتے تھے لیکن صلح حدیبیہ کے باعث یہ روک اُٹھ گئی اور انہوں نے علانیہ اسلام کو قبول کر لیا۔

۲۹۔ مختلف شہروں کے اکثر لوگ اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں محمدؐ کے مقابلے میں قریش کا کیا انجام ہوتا ہے جب مکہ فتح ہو گیا تو مختلف قبیلوں نے اسلام کی طرف پیش قدمی کی۔

۳۰۔ بعض ایسے لوگ بھی اسلام لائے جو سابق میں اسلام کے شدید اور سخت دشمن تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو شہید کرنے، مسلمانوں کو تباہ کرنے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش اور سعی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ حضور علیہ السلام کے خلاف تمام عرب میں آگ لگائی، بارہا قبیلوں کو برانگیختہ کر کے مدینہ پر حملے کیے آپؐ کے خلاف دوسرے بادشاہوں کے دربار میں جا کر زہر اُگلا۔ آپ کے جو مریدین اُن کے قبضے میں آ گئے بہت عذاب دیکر اُن کو مارا۔ غرض دن رات آپؐ کی دشمنی اور مخالفت میں ایک کر دیا مگر جب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے تو فوراً اسلام کا اظہار کر کے اپنی جان بچالی، ورنہ ان کو صاف نظر آرہا تھا کہ اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے باعث یقیناً مارے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا یہ محیر العقول معجزہ تھا کہ ایسے شدید مجرم اور سیہ کار بھی اپنی سزا سے بچ گئے۔

۳۱۔ فتوحات کے دوران میں یہ دیکھ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سخاوت اور دریا دلی سے لوگوں کو مال تقسیم کرتے ہیں، اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

۳۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے مقرر کردہ مبلغین نے وقتاً فوقتاً بادشاہوں، قبیلوں اور بعض معززین کو جو تبلیغی خطوط لکھے وہ بھی اسلام کی طرف لوگوں کو لانے میں ممد اور معاون ثابت ہوئے۔

۳۳۔ پے در پے شکستیں کھانے اور مغلوب ہونے کے بعد جب عربوں کی طاقت، ہمت اور قوت نے بالکل ہی جواب دے دیا اور اُن کو یقین ہو گیا کہ ہم کسی صورت سے بھی محمدؐ پر غالب نہیں آسکتے، اس وقت انھوں نے نہایت مجبور اور لاچار ہو کر اپنی عافیت، بھلائی اور نجات اس میں دیکھی کہ اسلام قبول کر لیں۔

۳۴۔ سب سے بڑا سبب عربوں کے اسلام قبول کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ درد بھری دُعائیں تھیں، جو راتوں کو اُٹھ کر حضورؐ نے اُن کے حق میں مانگیں۔

(3)

مبلّغینِ اسلام کے فرائض اور اُن کا طریقۂ کار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبلیغِ اسلام کے لیے صحابہ کرام کو مختلف قبائل کی طرف بھیجا کرتے تھے، تو روانگی کے وقت اُن کو نہایت مفید اور کار آمد نصیحتیں فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ اُن کو انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کرتے وقت پیشِ نظر رکھیں اور ان کی روشنی میں اشاعتِ اسلام کا مقدس فریضہ انجام دیں۔

آنحضرتؐ نے وقتاً فوقتاً جو نصیحتیں مبلغین اور واعظین اسلام کو کیں، یا جو اسلام کی تبلیغ کے متعلق قرآن کریم میں موجود ہیں، وہ چونکہ اشاعتِ اسلام کی بنیاد ہیں اس لیے ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یہاں درج کیا جاتا ہے:-

۱۔ مبلغین کو تبلیغ کرتے وقت جہاں تک ممکن ہو عقلی دلائل سے کام لے کر باطل کا استیصال کرنا چاہیئے۔ بے دلیل بات قبولیت کا جامہ نہیں پہن سکتی۔

۲۔ انسانی جذبات کو صحیح اور درست طور پر اُبھار کر اُن سے کام لے۔

۳۔ اپنے ایمان، اپنے اسلام اور اپنے اخلاق کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرے، ورنہ اس کی بات میں اثر نہیں ہوگا۔

۴۔ حق بات لوگوں تک پہنچانے میں نہایت دلیر ہو اور کسی مخالفت اور کسی رکاوٹ کی پروا نہ کرے۔

۵۔ تبلیغ اسلام کی کوئی اُجرت نہ لوگوں سے مانگے۔ نہ قبول کرے۔ بلکہ خود کوئی کام کر کے اپنی روزی پیدا کرے۔ اس طرح اس کا وقار قائم رہے گا۔

۶۔ وہ کن یدا ً ولا تکن لسا ناً پر پورے طور پر عامل ہو تاکہ اس کا نیک اثر دوسروں پر پڑے۔

۷۔ لوگوں کا سچا ہمدرد اور بنی نوع کا حقیقی بہی خواہ ہو۔

۸۔ اسلامی اصول اور احکام سے پورے طور پر باخبر ہو۔

۹۔ ظاہری طور پر بھی پاک صاف رہنے والا ہو تاکہ لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے اور ان سے باتیں کرنے میں تامل نہ ہو۔

۱۰۔ خود ستائی اور اپنی تعریفیں کرنے کی اس میں عادت نہ ہو۔

۱۱۔ جو لوگ زیر تبلیغ ہوں۔ ان کی ہدایت کے لیے ہمیشہ دعائیں کرتا رہے۔ اور خدا سے ان کی استقامت کا طالب رہے۔ جو مسلمان ہو چکے ہوں۔

۱۲۔ جو اشخاص یا جو قوم اس کے زیر تبلیغ ہو۔ اسے حق کا پیغام برابر پہنچاتا رہے۔ ایک آدھ مرتبہ تبلیغ کر کے اپنے آپ کو اس فرض سے سبکدوش نہ سمجھے۔

۱۳۔ کسی بھی مرحلے پر مخالف کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمتر خیال نہ کرے۔ جو مبلغ مخالف کے علم، طاقت، یا زور و قوت سے مرعوب ہو گیا وہ آزادی۔ بے خوفی اور دلجمعی کے ساتھ کبھی تبلیغ نہیں کر سکتا۔

۱۴۔ کسی فرد یا قوم کو تبلیغ کرنے سے پہلے لازماً خدا سے تبلیغ کی کامیابی کے لیے دعا مانگ لیا کرے۔ اگر وہ اس نصیحت پر عامل رہے گا تو معارف اور علوم کا ایک چشمہ اس کے دل سے پھوٹ نکلے گا۔

۱۵۔ کبھی اپنے علم کو کامل اور اپنی واقفیت کو مکمل نہ سمجھے جس نے ایسا سمجھا اسی نے تبلیغی میدان میں شکست کھائی اور ناکام رہا۔ غرور اور تکبر خدا کو ناپسند ہیں۔ فروتنی اور عاجزی کرنے والے انسان سے وہ محبت کرتا ہے۔

۱۶۔ حقیر اور معمولی آدمی کو بھی نہایت شرافت اور نہایت اخلاق سے پیغام حق پہنچائے کیونکہ غریب لوگ امیروں کی نسبت حق کے پیغام کو جلدی قبول کر لیتے ہیں اور نسبتاً خدا سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

۱۷۔ لوگوں سے ملنے جلنے والا اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے والا ہو۔ الگ تھلگ آدمی

نہ عوام میں مقبول ہو سکتا ہے اور نہ اپنے مشن میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱۸۔ اس میں خدمت کا شوق اور ایثار کا ذوق ہو۔ یہ دونوں چیزیں مبلغ کو لوگوں کے درمیان کامیاب بنانے میں بڑی معاون ہوتی ہیں۔

۱۹۔ تبلیغ کرتے ہوئے عقلی اور ذوقی دونوں قسم کے دلائل دینے کی قابلیت رکھتا ہو تاکہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق لوگوں کو مطمئن کر سکے۔

۲۰۔ ایسی شگفتہ اور پُر ذوق طبیعت کا مالک ہو کہ ہر بات میں تبلیغ کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال سکے اور اس طرح تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔

۲۱۔ بیہودہ، فضول اور لایعنی بحثوں میں بالکل نہ پڑے۔ نہایت سلامت روی کے ساتھ اصلاحی کام میں خاموشی کے ساتھ لگا رہے۔ کیونکہ بے کار بحثوں میں اُلجھنے سے تبلیغ کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔

۲۲۔ ضروری ہے کہ مبلغ چست و چالاک اور مستعد اور ہوشیار ہو تاکہ فرائض تبلیغ بخوبی ادا کر سکے۔

۲۳۔ جو بات پیش کرے نہایت نرمی، ملائمت اور شیریں زبانی کے ساتھ پیش کرے سختی اور درشتی ہمیشہ تبلیغ کے کام میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے اور درشت مزاج مبلغ سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ نہ کوئی اس کی بات سنتا ہے، نہ قبول کرتا ہے۔

۲۴۔ لوگوں کے استہزاء، بدکلامی اور بداخلاقی کا بُرا نہ مانے اور صبر اور خاموشی کے ساتھ اپنے فرض کی بجا آوری میں لگا رہے۔

۲۵۔ ابتداء میں اگر اسے ناکامیاں پیش آئیں تو ان سے ہرگز نہ گھبرائے۔ بلکہ پورے استقلال، پوری استقامت اور پورے جوش کے ساتھ کام میں لگا رہے۔ کامیابی کا یہی گُر ہے۔

۲۶۔ لوگوں کو خوشخبری سنائے اُن کو نفرت نہ دلائے۔

۲۷۔ جس علاقے میں کئی مبلغ کام کر رہے ہوں وہاں وہ آپس میں نہایت اخلاص و محبت اور اخلاق و مروت سے رہیں تاکہ دوسرے لوگوں پر اچھا اثر پڑے اور اشاعت اسلام میں ترقی ہو۔

۲۸۔ اسلام کے تمام مسائل اور ایمان کے تمام اصول غیر مسلموں کے سامنے یک دفعہ ہی نہیں رکھ دینے چاہئیں، بلکہ ان کو بتدریج اور آہستہ آہستہ سب باتیں بتانی چاہئیں تاکہ لوگوں کی طبیعت پر بار نہ ہو اور وہ جلدی نہ گھبرا جائیں۔

۲۹۔ تبلیغ بہت مختصر الفاظ میں کرنی چاہیئے لمبی بات سننے سے لوگ جلدی اُکتا جاتے ہیں اور تبلیغ کے دوران میں کوئی دل آزار بات ہرگز نہ کہنی چاہیئے۔

۲۰ - بیشتر تبلیغ قرآنی آیات کے ذریعے کی جائے کیونکہ قرآنی الفاظ میں جو نور، اثر اور جذب ہے، وہ انسان کے کلام میں کہاں آسکتا ہے۔

یہی وہ زریں ہدایات ہیں جن پر صحابہ کرام پورے طور پر عمل کرکے پورے طور پر کامیاب ہوئے اور انہی ہدایات پر بعد میں آنے والے مبلغین اسلام نے عمل کیا اور تمام دنیا میں کامیابی کے ساتھ حق کا پیغام پہنچا دیا۔

تبلیغِ اسلام کے متعلق یہ چند اہم اور ابتدائی امور تھے جن کو اسلام کی تبلیغی تاریخ لکھنے سے پہلے بیان کرنا ضروری تھا۔ اب ہم خدا کی نصرت اور اعانت کے ساتھ تاریخ اشاعتِ اسلام کو شروع کرتے ہیں۔

زمانۂ نبوی میں تبلیغِ اسلام کی تاریخ

باب ۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں تبلیغ اسلام کی تاریخ

فصل اوّل

پہلی وحی اور ابتدائی تبلیغ

۱۔ غار حرا میں خلوت نشینی قوم کی خستہ اور زبوں حالت دیکھ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطہر اور پاکیزہ قلب نہایت مغموم اور مضمحل رہتا تھا۔ حضور دن رات سوچتے تھے کہ کون سی ایسی تدبیر کی جائے کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو اور وہ نیک اور شریف انسان بن جائیں۔ مگر کوئی ترکیب حضورؐ کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آپؐ کا دل اس معصیت اور گناہ آلود زندگی سے نہایت نفرت کرنے لگا تھا جس میں اس وقت آپؐ کی ساری قوم مبتلا تھی لہٰذا آپؐ دل برداشتہ ہو کر آپؐ خلوت نشین ہو گئے تھے۔ اس خلوت کا رفیق آپؐ نے ایک پہاڑی غار کو بنایا تھا جو کوہِ حرا پر واقع تھا۔ شہر سے دور اس تنہا اور سنسان مقام پر بیٹھ کر غور و فکر میں آپؐ ایک سکون محسوس فرماتے اور دنیا سے الگ تھلگ رہ کر آپؐ کو ایک گونہ تسلی ہوتی تھی۔

۲۔ سب سے پہلی وحی آخر اسی گوشۂ خلوت میں ایک دن خدا نے آپ کو وحی کی نعمت سے مشرف فرمایا اور آپ کو دنیا کی ہدایت کا منصب جلیلہ مرحمت فرمایا۔ پہلی وحی آپ پر ۲۵ یا ۲۷ رمضان کو نازل ہوئی۔ جبکہ آپ کی عمر شریف چالیس برس کی ہو چکی تھی۔ یہ زمانہ ۶۱۰ء کا تھا[1]۔ اس وحی کے الفاظ یہ تھے۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ[2]

۳۔ تبلیغ کا پہلا حکم پہلی وحی کے بعد کچھ عرصے کے لیے پیغامِ الٰہی کا یہ سلسلہ رکا رہا۔ آخر جب اس واقعے کو چالیس دن ہو چکے تو آپ پر دوبارہ وحی نازل ہوئی۔ جس کی کیفیت صحیح بخاری میں اس طرح لکھی ہے: عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال وھو یحدث عن فترۃ الوحی، فقال فی حدیثہ بینا انا امشی اذ سمعت

---

[1] فضل الباری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳ (حاشیہ) [2] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صوتًا من السماءِ فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراءٍ جالس علی کرسی بین السماءِ والارض فرعبت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ تعالیٰ یاایھا المدثر قم فانذر وربك فکبر وثیابك فطھر والرجز فاھجر فحمی الوحی وتتابع[1]

(یعنی جابر بن عبداللہ انصاری نے فترۃ وحی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جا رہا تھا یکایک میں نے آسمان سے آتی ہوئی ایک آواز سنی۔ میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس سے مرعوب ہو گیا اور جلدی جلدی گھر چلا آیا۔ اور کہا "مجھے کپڑا اڑھا دو۔ مجھے کپڑا اڑھا دو (جس پر میری بیوی نے مجھے چادر اڑھا دی) اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھ پر نزول وحی کیا اور فرمایا "اے چادر اوڑھنے والے! اٹھ اور لوگوں کو آگاہ اور ہوشیار کر۔ اپنے رب کی پاکیزہ صفات کی تعریف کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ۔ اور ہر قسم کی ناپاکی سے دور رہ"۔ اس کے بعد وحی برابر جاری رہی)

۴۔ حکم تبلیغ کی تعمیل اور خدیجہ رض، علی رض اور زید رض کا قبول اسلام

حکم خداوندی کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مستعدی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کی تبلیغ کے لیے فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی باقی ماندہ عمر کے ایک لمحہ میں بھی آپ اپنے اس فرض سے غافل نہ رہے۔ تبلیغ کا جو حق تھا وہ آپ نے پورا کر دیا اور خدا کا پیغام اس کے بندوں تک بڑی خوبی کے ساتھ پہنچا دیا۔ خدا کے ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس ذات اقدس پر۔

جس وقت حضور علیہ السلام کو تبلیغ کا حکم ملا تو اس حکم کی تعمیل سب سے پہلے آپ نے اپنے گھر سے شروع کی۔ اس وقت آپ کا کنبہ تین افراد پر مشتمل تھا۔

(۱) حضرت خدیجہ طاہرہ رض۔ جو آپ کی نہایت غمگسار۔ ہمدرد اور جاں نثار بیوی تھیں۔

(۲) حضرت علی رض۔ جو ابو طالب کے فرزند اور آپ کے چچیرے بھائی۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ ہی کی نگرانی میں اور آپ ہی کے زیر سایہ ہو رہی تھی۔

(۳) حضرت زید رض جو آپ کے غلام تھے۔ اور جن کو اگرچہ آپ نے آزاد کر دیا تھا مگر انہوں نے آپ کی غلامی سے نکلنا نہ چاہا۔ اور ساری عمر انتہائی وفاداری کے ساتھ آپ کے ساتھ رہے۔

پس سب سے اول آپ نے ان تینوں سے اپنی تبلیغ کی ابتدا کی تینوں نے بغیر ایک ذرہ تامل کے نہایت انشراح صدر کے ساتھ آپ کی دعوت پر لبیک کہی۔ بلکہ سچ تو یوں ہے کہ یہ تینوں تبلیغ سے پہلے ہی مسلمان تھے کیونکہ

(۱) حضرت خدیجہ نے پندرہ برس تک آپ کی اعلیٰ نجی زندگی کو نہایت قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ اور آپ کے ایک ایک فعل کو نہایت غور سے دیکھا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کو ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کی صداقت پر شبہ نہیں پڑا[2]

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] سیرت ابن ہشام

(۲) حضرت علیؓ کا بچپن سے لے کر نوجوانی تک کا تمام زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا رہین منت تھا۔ پس ان کی پاک فطرت کس طرح پیغام الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کر سکتی تھی؟ آپ کے متعلق ابن ہشام کے یہ الفاظ ہیں "مردوں میں سے پہلا شخص جو آپ پر ایمان لایا وہ حضرت علی ابن ابی طالب تھے ان کی عمر اس وقت دس سال کی تھی[۱]

(۳) حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہمدردی اور احسان و مروّت کا جو اعلیٰ ترین نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دکھا چکے تھے۔ اس نے ان کو ہمیشہ کے لیے آنحضورؐ کا بندۂ بے دام بنا دیا تھا۔ حضرت زید کے اسلام کے متعلق ابن ہشام لکھتا ہے "زید وہ پہلے شخص ہیں جو حضرت علی کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے[۲]

۵۔ **حضرت ابوبکر کا قبول اسلام** گھر کے آدمیوں کو تبلیغ کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر کے لوگوں تک بھی پیغام حق پہنچانے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے سب سے پہلے اپنے گہرے دوست ابوبکر کو اسلام کی تبلیغ کی۔ ابوبکر کے مسلمان ہونے کی کیفیت مصر کے نامور ادیب محمد حسین ہیکل اپنی کتاب "ابوبکر صدیق" میں اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"ابوبکر کا قیام مکہ کے اس محلے میں تھا جہاں حضرت خدیجہ بنت خویلد اور دوسرے بڑے بڑے تاجر سکونت پذیر تھے۔ اور جن کی تجارت یمن اور شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی محلے میں رہنے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکر کا رابطہ پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپ حضرت خدیجہ سے شادی کرنے کے بعد (ان کے اصرار سے) انہی کے گھر اٹھ آئے تھے۔

ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چند ماہ چھوٹے تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ ہمعمری۔ پیشے میں اشتراک۔ طبائع میں یک جہتی۔ قریش کے بت پرستانہ عقائد سے نفرت اور اخلاقی ذمیمہ سے اجتناب۔ ان سب باتوں نے دونوں دوستوں کے تعلقات محبت کو پروان چڑھانے میں بہت مدد دی۔

مورخوں اور راویوں میں دونوں کی دوستی کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض تو یہ لکھتے ہیں کہ بعثت سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر کی گہری دوستی قائم ہو چکی تھی۔ اور یہی دوستی اور یک جہتی ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محرک ہوئی۔

لیکن اس کے برخلاف بعض مورخین کا بیان ہے کہ دونوں کے تعلقات میں استواری ابوبکر کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہوئی۔ اسلام کے سلسلے میں منسلک ہونے سے پہلے دونوں کے باہمی تعلقات صرف ہمسائیگی اور ذہنی میلانات و رجحانات میں یکسوئی تک محدود تھے۔

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص۱۰۸۔ [۲] سیرۃ ابن ہشام ص۱۰۹

اس متذکرہ بالا دعوے کی دلیل وہ لوگ یہ دیتے ہیں کہ بعثت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تنہائی اور خاموشی کی زندگی گزارتے تھے۔ عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کو پسند فرماتے تھے۔ اور کئی سال سے لوگوں سے میل ملاقات بالکل بند کر دی تھی آبادی سے دور غار حرا میں عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور نبوت کی نعمت سے مشرف فرمایا۔ اور تبلیغ دین کی ہدایت فرمائی تو حضور علیہ السلام کو فوراً خیال آیا کہ ابوبکر کو قدرت نے عقل و خرد اور فہم و فراست سے حصۂ وافر عطا فرمایا ہے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے ان ہی کو حق کا پیغام دیا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اُسے قبول کر لیں۔ اور اسلام لے آئیں۔ یہ سوچتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں خدا کی طرف بلایا۔ جواب میں ابوبکر نے قطعاً کسی تردد یا تذبذب کا اظہار نہیں کیا۔ نہ کچھ پوچھا۔ نہ کوئی سوال کیا۔ اور بلا تامل فوراً ایمان لے آئے۔ اس وقت سے دونوں میں مخلصانہ تعلقات کا آغاز ہوا۔ جن میں زمانہ اور وقت کے استحکام کے ساتھ اور استواری پیدا ہوتی گئی۔

۶۔ اسلام کے ابتدائی اصول اس ابتدائی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں کی تبلیغ لوگوں میں کرتے تھے۔ وہ صرف تین باتیں تھیں۔ الوہیت۔ وحدانیت اور رسالت۔

انہی تین بنیادی باتوں کا جامع کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ (یعنی میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں) یہی وہ باتیں تھیں جن کا اقرار ہر اس شخص سے لیا جاتا ہے جو مسلمان ہونا چاہتا۔ (اور آج بھی یہی طریقہ رائج ہے) اسلام کے دیگر اصول و ارکان کی تعلیم و تلقین بعد کے زمانے میں آہستہ آہستہ بتدریج ہوتی گئی۔

۷۔ نماز کا حکم مذکورہ بالا اصول اسلام بیان کرنے کے بعد سب سے پہلے اسلام کے جس رکن اعظم کی تعلیم و تلقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کی وہ نماز ہے۔

۸۔ آنحضرت کی خفیہ نمازیں دورِ اوّل کی نماز کا ایک خاکہ طبری نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"عفیف سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ میں مکہ آیا اور عباس بن عبدالمطلب کے ہاں ٹھہرا جو میرے دوست تھے۔ وہ یمن سے عطر خرید کر لاتے اور حج کے موسم میں بیچا کرتے تھے (ایام حج میں بھی قریش کعبہ کو مقدس سمجھتے اور اس کا حج کیا کرتے تھے) ہم لوگ عباس کے پاس منیٰ میں تھے کہ یکایک ایک شخص آیا۔ اس نے اطمینان کے ساتھ بہت اچھی طرح وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ فوراً ہی ایک عورت آئی اور وہ بھی وضو کر کے اس پہلے آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے لگی (اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا) معاً ایک لڑکا آیا جو قریب البلوغ تھا۔ وہ بھی وضو کر کے اس کے پہلو میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ ایسا

نظارہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے حیرت کے ساتھ عباس سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟" اس پر عباس نے جواب دیا کہ "یہ شخص محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرا بھتیجا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا میرا دوسرا بھتیجا ہے۔ اس کا نام علی ابن ابی طالب ہے۔ یہ محمدؐ کا پیرو ہوگیا ہے۔ اور یہ عورت خدیجہ بنت خویلد ہے۔ یہ محمدؐ کی بیوی ہے اور اس نے بھی محمدؐ کو رسول مان لیا ہے۔"[1]

اس طرح خفیہ اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھنے کا ایک دوسرا واقعہ طبری نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"ابتدا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کو نماز پڑھنی ہوتی تو آپ اپنے چچا ابوطالب اور دوسرے چچاؤں اور تمام قوم سے چھپ کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے۔ علی ابن طالب آپ کے ساتھ ہوتے۔ وہاں یہ دونوں نمازیں پڑھتے اور شام ہوتے واپس چلے آتے۔ یہ دونوں ایک عرصہ تک اسی طرح کرتے رہے۔ ایک دن ابوطالب اتفاقیہ اُدھر جا نکلے اور ان دونوں کو نماز پڑھتا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے "اے میرے بھتیجے یہ کیا مذہب ہے جس پر تم عمل کر رہے ہو؟" اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چچا جان! یہ اللہ کا۔ اس کے فرشتوں کا اور ہمارے دادا ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔" راوی کہتا ہے کہ پھر آپؐ نے یہ فرمایا کہ "مجھے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اس بات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ میں آپ کے ساتھ خیر خواہی کروں اور آپ کو ہدایت کی طرف دعوت دوں۔ اور آپ پر بھی میرا یہ حق ہے کہ آپ میری دعوت کو قبول کریں اور اس بارے میں میری اعانت کریں"

"اس پر ابوطالب نے کہا "اے میرے بھتیجے! یہ بات تو ممکن نہیں کہ میں اپنے آبائی مذہب اور اپنے بزرگوں کے طریقے کو ترک کر دوں۔ ہاں البتہ اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں تجھے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔"

طبری کہتا ہے کہ اس سلسلے میں یہ بیان بھی کیا گیا ہے کہ ابوطالب نے اپنے بیٹے علیؓ سے کہا کہ یہ کیا دین ہے جو تو نے اختیار کیا؟ انھوں نے کہا "ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ میں ان کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں" اس پر ابوطالب نے کہا "بہرحال محمدؐ تجھے سوائے بھلائی اور خیر کے کسی اور بات کا حکم نہیں دے گا۔ تو اس کے ساتھ رہ۔"[2]

۹۔ دیگر مسلمانوں کی خفیہ نمازیں اس وقت اگرچہ اسلام قبول کرنے والے شخص کے لیے توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے نماز کی تلقین فرماتے تھے۔ اس وقت

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۷۱
[2] " " " " ۷۲

تک نمازوں کے اوقات کا تعین ہوا تھا نہ رکعتوں کی تعداد معین تھی نہ باجماعت نماز کا انتظام تھا اور نہ ہی ایسی کوئی مخصوص جگہ تھی جہاں جمع ہو کر مسلمان فریضہ نماز ادا کرتے ہوں۔ کوئی اپنے گھر میں خاموشی سے پڑھ لیتا کوئی جنگل میں نکل جاتا اور وہاں نماز ادا کرتا کوئی کسی پہاڑ کی گھاٹی میں یا کسی وادی میں جس شخص کا جب دل چاہتا دو چار رکعتیں پڑھ لیتا خواہ اکیلے خواہ دو چار مل کر کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مشرکین مکہ اتفاقاً مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے تو آمادۂ فساد ہو جاتے۔ مگر بالعموم معمولی جھگڑا اور تو تو میں میں ہو کر قصہ ختم ہو جاتا اور بات آگے نہ بڑھتی۔ چنانچہ ابن اثیر لکھتا ہے کہ "اتفاقاً ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاص اور عمار اور ابن مسعود اور خباب اور سعید بن زید ایک گھاٹی میں جمع ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ کچھ مشرکین وہاں آنکلے۔ جن میں ابوسفیان بن حرب اور اخنس بن شریق وغیرہ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکا۔ جس پر باہم جھگڑا ہونے لگا سعد کو غصہ آیا تو انھوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے کھینچ ماری جس سے اس کے خون نکل آیا۔[1] قریب تھا کہ بڑا فساد برپا ہوتا مگر خیر گذری کہ معاملہ جلدی رفع دفع ہو گیا اور مشرک مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

۱۰۔ آنحضرت صلعم کا ابتدائی طرزِ تبلیغ اور اس کا نتیجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی ایام میں انفرادی تبلیغ کا طریقہ اختیار فرمایا۔ یعنی ایک ایک آدمی سے علیحدہ علیحدہ مل کر اسے اسلام کی دعوت دیتے اور اس کام کے لیے ایسے آدمیوں کو منتخب فرماتے جن کے متعلق آپ سمجھتے کہ ان میں حق بات سننے اور اُسے قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہے۔ اس تبلیغ میں آپ دو باتوں کا لحاظ رکھتے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ یہ تمام تبلیغ اور رشد و ہدایت خفیہ اور پوشیدہ ہوتی۔ یہاں تک کہ بالعموم خود مسلمانوں کو بھی اکثر پتہ نہ تھا کہ ہمارے سوا اس وقت تک اور کون کون شخص مسلمان ہوا ہے اور کتنی تعداد اس وقت تک مسلمان ہو چکی ہے؟

۲۔ دوسرے یہ کہ اپنی ابتدائی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی تلقین فرماتے اور بتوں اور دوسرے مصنوعی خداؤں کے متعلق زیادہ توجہ نہ فرماتے تھے۔

۱۱۔ آنحضرتؐ کی ابتدائی تبلیغ کے ثمرات

نبوت کے ابتدائی سالوں میں آپ پوشیدہ تبلیغ کرتے اور خاموشی کے ساتھ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اس عرصے میں بہت سے سعید الفطرت لوگوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہی اور بتوں کو چھوڑ کر خدا کے بندے بن گئے۔ ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور ایسے اشخاص بھی تھے جو بعض دوسرے صحابہ کی تبلیغی مساعی کی بدولت مسلمان ہوئے۔

۱؎ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۹۹

۱۲۔ فہرست سابقون الاولون

اسلام کے وہ روشن ستارے۔ شمع نبوت کے وہ جانباز پروانے۔ ریاض رسول کی وہ بلبلیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ عاشق جن کو سب سے اوّل الہٰی پیغام کو قبول کرنے اور حضور رحمت اللعالمینؐ کی آواز پر لبیک کہنے کا فخر حاصل ہوا۔ بلاشائبہ شک یہ انتہا عزت شرف بزرگی اور عظمت کے مستحق ہیں کیونکہ اُن نفوس مقدسہؓ نے افضل الرسل خیرالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس وقت تصدیق کی جب ساری دنیا حضور علیہ السلام کی تکذیب کر رہی تھی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اسلام کے ان اوّلین شیدائیوں اور خدائے واحد کے ان پہلے پرستاروں کے ناموں اور مختصر حالات سے قارئین کرام کو روشناس کرایا جائے جنھوں نے اپنی عزتوں۔ اپنے مالوں۔ اپنی جانوں اور اپنے عزیزوں کو قربان کرکے اسلام کا بول بالا کیا اور خود ابدی زندگی پائی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ[1]

۱۔ حضرت خدیجہؓ طاہرہ:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ محبوب رفیق حیات دنیا میں سب سے پہلے اسلام کی تصدیق کرنے والی خاتون۔ قریش کی سب سے زیادہ مالدار تاجرہ۔ اور اپنے اپنے مال کا ایک ایک درہم اسلام پر قربان کردینے والی معظمہ۔ ۱۰ نبوی میں وفات پائی۔

۲۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے داماد اور اسلام کے چوتھے خلیفہ۔ روحانیت کے شہنشاہ۔ اماموں کے امام۔ ۴۰ھ ہجری میں شہید ہوئے۔

۳۔ حضرت زیدؓ بن حارث:۔ حضور علیہ السلام کے وہ جاں نثار غلام جنھوں نے والدین کی محبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق پر قربان کردیا۔ ۸ھ میں بموقع جنگ موتہ شہید ہوئے۔

۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ:۔ زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں معزز اور شریف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے پہلے خلیفہ۔ نہایت اولوالعزم اور باہمت فرمانروا۔ سال وفات ۱۳ھ۔

۵۔ حضرت زبیرؓ بن العوام:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی۔ حضرت صفیہ کے صاحبزادے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر کے شوہر۔ بڑے پایہ کے صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ سال شہادت ۳۶ھ۔

۶۔ حضرت عثمانؓ بن عفان:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے شوہر۔ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ اور نہایت ہی نیک۔ مخیر اور سخی بزرگ۔ ذی النورین اور جامع القرآن کے القاب سے ملقب۔ سال شہادت ۳۵ھ۔

۷۔ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف:۔ بلند پایہ صحابی۔ آنحضرت کے خاص جاں نثار۔ تمام غزوات نبوی

---

[1] اس فہرست میں بعض ایسے اصحاب بھی شامل ہیں جو "دارارقم" میں ایمان لائے۔ دارارقم کا حال آگے بیان کیا جائے گا۔

ہیں شامل اور عشرہ مبشرہ میں شریک۔ ۳۲ھ میں وفات پائی۔

۸۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ:۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور جنگ احد میں نہایت بہادری کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر رہے اور ۷۵ زخم کھائے۔ ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔

۹۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص:۔ اسلام کے بڑے مشہور سپہ سالار۔ نہایت بہادر اور شجاع۔ عشرہ مبشرہ میں سے ایک۔ ایران کے فاتح۔ سال وفات ۵۸ھ۔

۱۰۔ حضرت لبابہؓ بنت الحارث:۔ حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلی مسلمان حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور قثم بن عباسؓ کی والدہ۔

۱۱۔ حضرت خبابؓ بن الارت:۔ یہ غلام تھے مسلمان ہو جانے کے باعث کفار مکہ کے ہاتھوں بڑی بڑی سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ لیکن نہایت ثابت قدم رہے۔ ۳۷ھ میں وفات پائی۔

۱۲۔ حضرت سعیدؓ بن زید:۔ بڑے پائے کے صحابی۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے بہنوئی اور عشرہ مبشرہ کے ایک رکن۔ سالِ وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ۔

۱۳۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود:۔ آنحضرتؐ کے نہایت جاں نثار خادم اور بڑے مشہور صحابی ۳۲ھ میں وفات پائی۔

۱۴۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون:۔ یہ تیرہ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف۔ بدر میں شریک تھے۔ ۲ھ میں وفات پائی۔ یہ مہاجرین میں سب سے پہلے شخص ہیں جن کا مدینہ میں انتقال ہوا اور سب سے پہلے شخص ہیں جو بقیع میں دفن ہوئے۔

۱۵۔ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم:۔ ان کا مکان مکہ میں اسلام کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز تھا۔ آنحضرت صلعم کے ہمراہ تمام جنگوں میں شامل رہے۔ ۵۳ھ میں وفات پائی۔

۱۶۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد مخزومی:۔ آنحضرت صلعم کی پھوپھی برہ کے بیٹے۔ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر۔ حبش کی دونوں ہجرتوں میں شامل۔ مدینہ کے سب سے پہلے مہاجر۔ ۴ھ میں انتقال ہوا۔

۱۷۔ حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن عبد اللہ بن الجراح:۔ نہایت مشہور اور بزرگ صحابی ہیں۔ حضرت خالد بن ولید کی معزولی کے بعد حضرت عمرؓ نے انہی کو اسلامی فوج کا سردار بنایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب دیا۔ حضور کی احادیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۸۔ حضرت قدامہؓ بن مظعون:۔ حضرت عثمان بن مظعون کے بھائی اور حضرت عمرؓ کی بہن صفیہ کے شوہر۔ حبش اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی۔ ۳۶ھ میں وفات پائی۔

۱۹۔ حضرت عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب:۔ بنی عبد مناف میں سب سے کم عمر صحابی ہیں جنگ بدر میں زخمی ہو کر وفات پائی۔

۲۰۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علیؓ کے سگے بھائی آپ نے نجاشی شاہِ حبش کے دربار میں ایک زبردست تبلیغی تقریر کی جس کے نتیجے میں نجاشی مسلمان ہو گیا۔ بدن پر ۹۰ زخم کھا کر جنگ موتہ میں ۸ھ ہجری میں شہید ہوئے۔

۲۱۔ حضرت اسماء بنت عمیس:۔ ان کا پہلا بیاہ حضرت جعفر سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر کے عقد میں آئیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علی سے نکاح ہوا۔ ۴۰ھ میں وفات پائی۔

۲۲۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش:۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ حبش اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی غزوہ احد میں شہید ہوئے اور حضرت حمزہ کے ساتھ دفن کیے گئے۔

۲۳۔ حضرت ابو احمدؓ بن جحش:۔ ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی ہیں۔ ابوسفیان کی لڑکی اور حضرت معاویہؓ کی بہن الفارعہ ان کے نکاح میں تھی۔ بدر اور اُحد میں شریک تھے۔ ۲۰ھ ہجری سے قبل وفات پائی۔

۲۴۔ حضرت سائبؓ بن عثمان بن مظعون:۔ صاحب ہجرتین اور اصحاب بدر و احد میں سے ہیں۔ آنحضور نے ایک غزوہ میں جاتے ہوئے ان کو مدینہ کا امیر بھی بنایا تھا۔ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں زخمی ہوئے اور کچھ دن بعد انتقال کیا۔

۲۵۔ حضرت مطلبؓ بن ازہر:۔ قدیم الاسلام صحابی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے چچا کے لڑکے ہیں۔ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے وہیں انتقال ہو گیا۔

۲۶۔ حضرت رملہؓ بنت ابی عوف:۔ حضرت مطلب کی بیوی تھیں اور انہی کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھیں۔

۲۷۔ حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص:۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ بدر میں شہید ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔

۲۸۔ حضرت اسماءؓ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ کی بہن۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت زبیر حواریٔ رسول کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ

نہایت بہادر اور دلیر خاتون ۔۔۔ اسال کی عمر پاکر ۳۷ھ میں وفات پائی۔

۲۹۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ:۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور حضور نبی کریم کی زوجہ مطہرہ۔ بعد حضرت خدیجہ تمام امہات المؤمنین میں خاص شان کی مالک اور علم و فضل کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ خاتون ۵۸ھ ہجری میں وفات پائی۔

۳۰۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ:۔ ابوجہل کے ماں جائے بھائی۔ نہایت مخلص اور متقی پرہیزگار انسان۔ حبش اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی۔ مدینہ سے ابوجہل دھوکا دے کر مکہ لے گیا۔ اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں جن کو انھوں نے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ یرموک یا یمامہ کے معرکے میں شہید ہوئے۔

۳۱۔ حضرت اسمٰاؓ بنت سلامہ:۔ حضرت عیاشؓ کی بیوی اور نہایت مخلص خاتون۔ دونوں ہجرتوں کے وقت شوہر کے ساتھ رہیں۔

۳۲۔ حضرت مسعودؓ بن ربیعہ:۔ بدری صحابی ۳۰ھ ہجری میں انتقال ہوا۔

۳۳۔ حضرت سلیطؓ بن عمرو:۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کے پاس تبلیغی خط دے کر بھیجا تھا۔ بدری صحابی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے عہد میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۳۴۔ حضرت خنیسؓ بن حذافہ:۔ صاحب ہجرتین ہیں۔ بدر میں شریک تھے۔ اُحد میں ایک زخم کھایا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت حفصہ بنت عمر پہلے انہی کی بیوی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا۔

۳۵۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ:۔ صاحب ہجرتین اور اصحاب بدر و احد ہیں۔ بعد کے غزوات میں بھی شریک رہے۔ ۳۲ھ میں انتقال کیا۔

۳۶۔ حضرت حاطبؓ بن الحارث:۔ یہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

۳۷۔ حضرت فاطمہؓ بنت المجلل:۔ یہ حضرت حاطبؓ کی بیوی ہیں اور شوہر کے ساتھ ہی حبش چلی گئی تھیں۔

۳۸۔ حضرت خطابؓ بن الحارث:۔ دعوت اسلام کے ابتدائی ایام میں مسلمان ہوئے۔ مع بیوی بچوں کے حبش کو ہجرت کی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وفات پائی۔

۳۹۔ حضرت فکیہہؓ بنت یسار:۔ یہ حضرت خطابؓ کی بیوی تھیں اور انھوں نے شوہر کے ساتھ ہی ہجرت کی۔

۴۰۔ حضرت معمرؓ بن الحارث:۔ قدیم الاسلام ہیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ تمام غزوات میں

آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون کے بھانجے تھے۔ بزمانہ فاروق اعظم فوت ہوئے۔

۴۱۔ حضرت نعیمؓ بن عبداللہ العدوی المعروف بہ النحام:۔ قدیم الاسلام ہیں۔ یہ اس شان اور اس درجہ کے صحابی ہیں کہ جس وقت اپنے اہل قبیلے کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے ان کو اپنے گلے لگایا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ تمام غزوات میں اپنے آقا کے ساتھ رہے۔ ۱۵ھ میں معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

۴۲۔ حضرت خالدؓ بن سعید:۔ مسلمان ہو جانے پر باپ نے نہایت سخت تکلیفیں دیں۔ بھوکا رکھتا اور لکڑیوں سے خوب پیٹتا۔ آخر تنگ آ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ فتح مکہ، حنین اور طائف کے معرکوں میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ آنحضورؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ فتنہ ارتداد میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مرج صفر کے معرکے میں شہید ہوئے۔

۴۳۔ حضرت امیمہؓ یا ہمینہ:۔ حضرت خالد بن سعید کی بیوی اور نہایت بہادر خاتون تھیں۔ میدانِ جنگ میں شوہر کی شہادت کی خبر سنی تو مردانہ وار تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آئیں اور سات کافروں کو مار کر اپنے شوہر کا بدلہ لے لیا۔

۴۴۔ حضرت حاطبؓ بن عمرو عامری:۔ یہ بہت قدیم الاسلام صحابی اور صاحب ہجرتین ہیں۔ بدر میں شریک تھے اور احد میں بھی شامل تھے۔

۴۵۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ:۔ حضرت امیر معاویہؓ کے ماموں اور صاحب ہجرتین ہیں۔ بدر میں شریک تھے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

۴۶۔ حضرت واقدؓ بن عبداللہ:۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کے ہاتھ سے سریہ نخلہ میں سب سے پہلا کافر (عمرو بن حضرمی) مارا گیا۔ جس کا انتقام لینے کے لیے قریش نے بدر کی لڑائی لڑی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں وفات پائی۔

۴۷۔ حضرت خالدؓ بن حزام:۔ حضرت خدیجۃؓ طاہرہ کے بھائی کے لڑکے ہیں۔ ہجرت کر کے حبش جا رہے تھے کہ راستے میں سانپ کے کاٹنے سے وفات پائی۔

۴۸۔ حضرت عامر بن ابی وقاص:۔ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی اور حضرت امیر معاویہ کے بھانجے ہیں۔ اور اس وقت اسلام لائے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاتی تھی۔ صاحب الہجرتین ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شام میں وفات پائی۔

۴۹۔ حضرت عاقلؓ ۵۰۔ حضرت ایاسؓ

۵۱۔ حضرت خالدؓ ۵۲۔ حضرت عامرؓ

اوپر کے چاروں بھائی ابی بکیر بن عبد یالیل کے لڑکے تھے۔ حضرت ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں قبول اسلام کا آغاز ان ہی چاروں بھائیوں سے ہوا۔ اور ان چاروں نے مع بال بچوں کے ایک ساتھ ہی مدینہ کو ہجرت بھی کی۔ اور چاروں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں برابر کے شریک ہوتے رہے۔ ان میں سے عاقلؓ نے غزوہ بدر میں ۲ھ میں۔ خالدؓ نے سریہ رجیع میں ۴ھ میں۔ عامرؓ نے ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ ایاسؓ نے ۳۴ھ میں انتقال کیا۔

۵۳۔ حضرت عمارؓ بن یاسر:۔ شروع میں اسلام لے آئے تھے۔ مگر چونکہ غلام تھے اس لیے خاص طور سے کفار مکہ کے ظلموں کا نشانہ بنے۔ کوئی عذاب اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو اسلام قبول کر لے کے نتیجے میں کفار نے ان کو نہ دی ہو۔ مگر کوئی بھی ظلم ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکا۔ تنگ آکر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ غزوہ بدر سے جنگ تبوک تک قریباً تمام معرکوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ صدیقی عہد کی اکثر جنگوں میں داد شجاعت دی۔ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی جانب سے لڑتے ہوئے ۹۱ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

۵۴۔ حضرت یاسرؓ:۔ یہ حضرت عمارؓ کے والد تھے۔ کافروں کے ہاتھ سے تکلیفیں سہتے سہتے شہید ہو گئے اور مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے۔

۵۵۔ حضرت عبداللہؓ:۔ یہ حضرت عمارؓ کے بھائی تھے اور اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہو گئے۔

۵۶۔ حضرت سمیہؓ:۔ یہ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں۔ ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقہ پر اپنے نیزے سے ان کو شہید کر دیا۔

۵۷۔ حضرت صہیبؓ بن سنان:۔ عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کفار سے نہایت سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ جب ناقابل برداشت ہو گئیں تو ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ کفار نے آکر گھیر لیا۔ جب انھوں نے اپنا سارا مال ان کو دے دیا۔ تب انھوں نے ان کو جانے دیا۔ بدر۔ احد اور خندق میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کی نماز صہیبؓ پڑھائیں اور جب تک خلیفہ کا فیصلہ ہو وہ برابر مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتے رہیں۔ اس طرح ایک غلام نے تین روز تک تمام معززین قریش کی امامت کی۔ ۳۸ھ میں وفات پائی۔

۵۸۔ حضرت بلالؓ:۔ حبشی غلام تھے۔ اسلام لانے کے باعث سخت سے سخت تکالیف برداشت

لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص خادم اور مؤذن تھے
عہد فاروقی میں انتقال کیا۔

۵۹۔ حضرت ابو فکیہہؓ :۔ یہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے تھے۔ امیہ ان کو پاؤں میں رسی ڈال کر گھسیٹتا۔ تپتی ہوئی ریت پر برہنہ لٹا دیتا۔ ان کا گلا گھونٹتا اور سینے پر بھاری بھاری پتھر رکھ دیتا۔ مگر باوجود ان مصائب کے یہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا یہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ جنگ بدر سے قبل انتقال کیا۔

۶۰۔ حضرت لبینہؓ :۔ یہ ایک لونڈی تھیں۔ جن کو حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے لکڑیوں سے بے حد مارتے اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تو تھوڑی دیر تھم جاتے۔ پھر مارنا شروع کرتے۔ یہی شغل روزانہ جاری رہتا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس ظلم سے چھڑایا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

۶۱۔ حضرت زنیرہؓ :۔ یہ بھی حضرت عمرؓ کے گھرانے کی ایک لونڈی تھیں۔ اور ان کو بھی حضرت عمرؓ اسلام لانے کی وجہ سے بے حد مارتے اور طرح طرح سے ستاتے۔ ابوجہل نے ایک دن ان کو مارتے مارتے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ حضرت ابوبکر نے بے چاری کو اس مصیبت سے چھڑایا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

۶۲۔ حضرت نہدیہؓ :۔ یہ بھی ایک کنیز تھیں۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے "جرم" میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ آخر حضرت ابوبکرؓ کی فیاضی آڑے آئی۔ اور خرید کر آزاد کر دی گئیں۔

۶۳۔ حضرت اُمِ عبیسؓ :۔ یہ بھی کفار کی ایک لونڈی تھیں اور توفیق ایزدی سے شروع ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ مگر قریش کے ظلموں سے نہ بچ سکیں۔ وہ ان پر بے پناہ مظالم توڑتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔

۶۴۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ :۔ یہ بھی اسلام کے بہت ابتدائی جاں نثاروں میں سے ہیں طفیل بن عبداللہ ازدی کے غلام تھے اور وہ ان کو بہت تکلیفیں دیا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت کے وقت غار ثور میں یہی عامرؓ بکریوں کا دودھ دوہ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتے رہے۔ اور ہجرت کے راستے میں ہمراہ رہے۔ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ سریہ بیر معونہ میں بعمر ۴۰ سال ۴ھ میں شہید ہوئے

۶۵۔ حضرت ابوذر غفاریؓ :۔ یہ نہایت قدیم الایام صحابی ہیں۔ حضرت صدیقؓ کے بعد قبول اسلام میں ان کا نمبر پانچواں ہے نہایت فقیر منش بزرگ تھے مال جمع کرنا کفر سمجھتے تھے ۳۲ھ میں بحالت

غربت ربذہ کے مقام پر وفات پائی۔[۵۱]

یہ ہیں وہ سابقون الاولون جن کے نام بہت تلاش کے بعد مختلف کتابوں سے اخذ کر کے ہم نے یہاں درج کیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو اگرچہ ابتدائی زمانے میں اسلام لائے مگر ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ "اس کے بعد کثرت کے ساتھ عورتیں اور مرد اسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ تمام شہر مکّہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔"[۵۲]

---

۵۱ سابقون الاولون کی یہ فہرست مندرجہ ذیل کتب سے انتخاب و اقتباس کے بعد مرتب کی گئی ہے:۔ سیرۃ ابن ہشام، کامل ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون، اکمال فی اسماء الرجال، سیرۃ النبی جلد اول۔ اصح السیر، مہاجرین ہر دو جلد صحابیات نیاز فتحپوری، سیر الصحابیات اور غلامانِ اسلام۔

۵۲ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۸۵

فصل دوم

تبلیغِ نبوی کا دُوسرا دَور

(۱)

خدائی منشاء کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک خفیہ اور پوشیدہ طور پر لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے [۱] اس کی تین صورتیں تھیں:-

(۱) شہر کے جن لوگوں کے متعلق آپ کا یہ اندازہ ہوتا کہ وہ میری بات معقولیت اور توجہ کے ساتھ سن لیں گے۔ آپ ان کے پاس خود تشریف لے جاتے۔ اور انھیں خدا کا پیغام پہنچاتے۔

(۲) شہر کے باہر چلے جاتے اور جو مسافر مکّہ آتا ہوا دکھائی دیتا اُسے حق کی راہ دکھاتے۔

(۳) جو لوگ خود تحقیق حق کی خاطر آپ کے پاس آتے۔ آپ انھیں نہایت عزت کے ساتھ اپنے مکان میں بٹھاتے اور پھر اطمینان اور سکون کے ساتھ انھیں تبلیغ فرماتے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس خاموش تبلیغ کی اطلاع مکّہ کے بت پرستوں کو بھی ہوگئی تھی مگر شروع شروع میں انھوں نے اس معاملے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ نہ کسی خاص مخالفت کا اظہار کیا [۲]۔ البتہ بعض لوگ آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ محمدؐ نے یہ کیا ڈھونگ کھڑا کیا ہے۔ بعض تعجب کرتے کہ یہ محمدؐ جیسے معقول آدمی کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی؟ بعض اسے نوجوانی اور بے فکری کی ایک ترنگ سمجھتے اور خیال کرتے کہ نیا نیا جوش ہے کچھ دن بعد خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ بعض لوگوں نے کچھ مخالفت بھی کی۔ مگر وہ ان کا ذاتی فعل تھا۔ قوم کی طرف سے متحدہ اور منظم طور پر ابھی اس کام کا آغاز نہ ہوا تھا۔ مگر ہاں یہ بات ضرور تھی کہ اگر کبھی کوئی شخص ظاہرہ طور پر اپنے اسلام کا اظہار کر دیتا تھا تو قریش کو بڑا غصہ آتا تھا اور وہ اسے مار مار کر بے ہوش کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ یہی ہوا انھوں نے قبول اسلام کے بعد کعبہ میں کھڑے ہو کر کہا کہ "لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں" تو فوراً لوگوں نے انھیں پکڑ کر پیٹنا شروع کر دیا اور مار مار کر ادھ مؤا کر دیا۔ اتفاقاً حضرت عباسؓ آگئے اور انھوں نے بڑی مشکل سے چھڑایا [۳]

---

[۱] ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں "اسلام کے اخفا کا زمانہ حضور کی بعثت سے تین سال تک رہا" (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۶۸)
[۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۸۵ [۳] بخاری کتاب المناقب۔ باب اسلام ابی ذرؓ

کھلی تبلیغ کا حکم اور اس کی تعمیل

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح تبلیغ کرتے تین سال ہو چکے اور چوتھے سال کا آغاز ہوا، تو خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ کھلے طور پر پیغامِ حق کی تبلیغ کیجیے۔ اس خدائی حکم کے الفاظ یہ تھے:-

وقل انی انا النذیر المبین ۵ کما انزلنا علی المقتسمین ۵ الذین جعلوا القرآن عضین ۵ فوربک لنسئلنهم اجمعین ۵ عما کانوا یعملون ۵ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین ۵ انا کفینک المستهزءین ۵ الذین یجعلون مع اللہ الٰھا اخر فسوف یعلمون ۵ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون ۵ فسبح بحمد ربک وکن من السجدین ۵ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین ۵ (سورہ حجر ۱۵ ربما ۱۴ - آیات ۸۹ تا ۹۹)

(یعنی اے محمدؐ) تو کافروں سے کہہ دے کہ میں نہایت کھلے طور پر تمہارے کفر سے تمہیں آگاہ اور ہوشیار کرنے کے لیے خدا کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں۔ ہم نے اپنا یہ کلام ان لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے جنہوں نے اے محمدؐ تیری دشمنی اور عداوت کے کاموں کو باہم بانٹ لیا ہے۔ یہ کافر اس قرآن کو جو تجھ پر نازل ہو رہا ہے کذب بیانیوں کا ایک مجموعہ سمجھتے ہیں۔ تیرے رب کی قسم! قریب آتا ہے وہ زمانہ جب ہم ان سے ان کی بداعمالیوں کی بازپرس کر کے ان کو سخت سزا دیں گے۔ پس اے رسول! جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے وہ کھول کر اور نہایت صاف طور پر لوگوں تک پہنچا دے اور مشرکین کے کہنے سننے کی قطعاً پروا نہ کر۔ ہم استہزا کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے کافی ہیں۔ جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، عنقریب انہیں پتہ لگ جائے گا کہ وہ غلطی پر تھے۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے اے محمدؐ! تجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہ صرف چند روزہ بات ہے۔ عنقریب شرک مٹ جائے گا اور توحید قائم ہو جائے گی پس تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کر اور اس کے کامل فرمانبرداروں میں سے ہو۔ تو عنقریب یقین (عذاب) کو دیکھ لے گا جو ان لوگوں کو ان کی بدکرداریوں کے نتیجے میں پہنچے گا)

انہی آیات کے قریب قریب دوسری آیات یہ نازل ہوئیں:-

وانذر عشیرتک الاقربین ۵ واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین ۵ فان عصوک فقل انی بریٓءٌ مما تعملون ۵ وتوکل علی العزیز الرحیم (سورہ الشعراء آیات ۲۱۴ تا ۲۱۷)

(یعنی اے محمدؐ! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کے شرک اور بت پرستی کی وجہ سے خدا کے عذاب سے آگاہ اور خبردار کر دے۔ اور جو مومنین تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کر رہے ہیں ان سے نہایت تواضع اور مروت سے پیش آ۔ اور جو لوگ آگاہ کرنے کے باوجود تمہارا کہنا نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں اور خدائے زبردست و مہربان پر پورا بھروسہ رکھو۔ یہ مشرک تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے)

ان احکام خداوندی کی تعمیل میں پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا کہ بقول ابن سعد مکہ کی

نزدیکی پہاڑی مروہ پر چڑھ کر قریش کے مختلف قبیلوں کو پکارا۔

"یا آلِ فہر" (اے آلِ فہر یہاں آؤ) اس آواز پر قریش آکر جمع ہو گئے۔ اس پر آپ کے چچا ابولہب بن عبدالمطلب نے کہا یہ آلِ فہر تیرے سامنے ہیں۔ کہہ۔ کیا کہنا چاہتا ہے؟

پھر آنحضرت سلام اللہ علیہ وبرکاتہ نے فرمایا "یا آلِ غالب!" اس پر حارث و محارب فرزندانِ فہر کی اولاد جمع ہو گئی۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا "یا آلِ لوی بن غالب"۔ اس آواز پر تیم الادرم بن غالب کی اولاد جمع ہو گئی۔

پھر آنحضرت علیہ التحیات نے فرمایا "یا آلِ کعب بن لوی" اس آواز پر عامر بن لوی کی اولاد جمع ہو گئی۔

پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا "یا آلِ مُرّہ بن کعب" اس آواز پر عدی بن کعب کی اولاد اور سہم و جمح ابنائے عمرو بن ہصیص بن کعب کی اولاد جمع ہو گئی۔

پھر آنحضرت برکات اللہ علیہ نے پکارا "یا آلِ کلاب بن مرہ" اس آواز پر مخزوم بن یقظہ بن مرہ اور تیم بن مرہ کی اولاد آ گئی۔

پھر آنحضرت بارک اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا آلِ قصی" اس آواز پر زہرہ بن کلاب کی اولاد چلی آئی۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "یا آلِ عبد مناف" اس آواز پر عبدالدار بن قصی کی اولاد۔ اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی اولاد اور عبد بن قصی کی اولاد جمع ہو گئی۔

جب سب لوگ آ چکے تو ابولہب نے کہا "محمدؐ! یہ سب لوگ تیرے سامنے کھڑے ہیں۔ اب جو کچھ تجھے ان سے کہنا ہو۔ کہہ۔

اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:- ان اللہ قد امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین وانتم الاقربون من قریش وانی لا املک لکم من اللہ حظا ولا من الآخرۃ نصیبا الا ان تقولوا لا الٰہ الا اللہ فاشھد بھا لکم عند ربکم وتدینن لکم بھا العرب و تذل لکم بھا العجم (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں اور رشتہ داروں کو خدا کے غضب اور اس کی ناراضگی سے آگاہ اور خبردار کر دوں۔ چونکہ قریش میں میرے قریب ترین عزیز تم ہی لوگ ہو۔ (لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں کہ) میں خدا کے حضور میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ نہ آخرۃ میں تمہیں اپنا رشتہ دار ہونے کے لحاظ سے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔ البتہ اگر تم اس بات کا اقرار کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر میں تمہارے

پروردگار کے روبرو تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور تمہاری سفارش کروں گا۔ اے قوم قریش! اگر تم نے کلمہ توحید کو قبول کر لیا تو تمام عرب تمہارا ہی دین اختیار کرے گا اور تمہارے ہی طریقے کی پیروی کرے گا۔ اس کے علاوہ تمام عجم بھی تمہارا تابع اور مطیع ہو جائے گا۔[1]

۲۔ حق کی مخالفت میں سب سے پہلی آواز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر کو سن کر اور لوگ تو کچھ نہ بولے۔ مگر آپ کا چچا ابولہب اپنی اس دشمنی اور عناد کو نہ چھپا سکا جو اس کو اسلام سے تھی اور کہنے لگا تبالک الھذا دعوتنا (تیرا ستیاناس ہو جائے کیا اسی غرض کے لیے تو نے ہمیں بلایا تھا)[2] یہ سب سے پہلی آواز تھی جو تبلیغ نبوی کی مخالفت میں اٹھی۔

۳۔ خدا کی طرف سے اس مخالف آواز کا جواب

ابولہب کی اس دشنام دہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاموش ہو رہے۔ مگر خدا خاموش نہیں رہا۔ اس نے بڑے غیظ و غضب سے فرمایا۔

تبت یدا ابی لھب وتب ٥ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب ٥ سیصلی نارا ذات لھب ٥ وامراتہ حمالۃ الحطب ٥ فی جیدھا حبل من مسد[3]

ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ وہ خائب و خاسر ہو کر ہلاک ہوگا۔ نہ اس کا مال ہی اس کے کسی کام آئے گا اور نہ اس کی کمائی اسے کوئی فائدہ دے گی۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ ہی دوزخ میں ہوگی۔ جو لکڑیوں کا گٹھڑ اٹھا کر لاتی ہے (اور راہ میں ڈال دیتی ہے) اس کے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی ہوگی)

۴۔ علانیہ تبلیغ کے متعلق دوسری روایت

علی الاعلان تبلیغ کے متعلق ابن سعد کا بیان آپ نے پڑھ لیا۔ اسی واقعہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصفا فجعل ینادی یا بنی فھر یا بنی عدی لبطون قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یخرج ارسل رسولا لینظر ما ھو فجاء ابولھب وقریش فقال ارأیتکم لو اخبرتکم

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو اول صہ ۲۳

[2] بعض روایات میں آتا ہے کہ ابولہب نے اس روز سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھا کر آنحضرتؐ پر پھینکی جس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ "تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔۔۔۔۔" (حاشیہ ترجمۃ القرآن نذیر احمد صہ ۹۵۹)

[3] یہ ایک زبردست پیشینگوئی تھی جو اپنے وقت پر پوری ہوئی۔ ابولہب جنگ بدر سے ساتویں دن طاعون سے مر گیا اس کی لاش نعش سے بھول گئی۔ کسی رشتہ دار نے اسے ہاتھ نہ لگایا جب محلہ اس کی بدبو سے سڑنے لگا تو لاش پر دور سے پتھر برسا کر اسے چھپا دیا گیا۔ اس کی بیوی آنحضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھانے کے لیے جنگل سے کانٹے لا رہی تھی کہ رسی کا پھندا اس کے گلے میں پڑ گیا جس سے وہ ہلاک ہو گئی (رحمۃ للعالمین جلد دوم صہ ۹۴)

ان خیلا بالوادی ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی؟ قالوا نعم ما جربنا علیک الا صدقا۔ قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابولہب تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا؟ اذ نزلت، تبت ید ابی لہب وتب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب[1]

(یعنی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل کی خاطر کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے آواز دی کہ اے بنی فہر! اے بنی عدی! یہاں تک کہ قریش کے تمام خاندانوں اور قبیلوں کو آپ نے پکارا۔ اس پر جو شخص بھی آسکتا تھا۔ سب آگئے۔ جو آدمی کسی مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا۔ اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ معلوم کرے کہ کیا بات ہے۔ انہی میں آپ کا چچا ابولہب بھی آیا اور سارے قریش بھی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! بتاؤ؟ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ کوہ صفا کی پشت پر وادی میں ایک بڑا لشکر تمہیں لوٹنے اور قتل کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ اس پر سب حاضرین نے متفق ہو کر کہا کہ ہاں بیشک ہم تیری بات کا یقین کریں گے۔ کیونکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ تو نے سچ و صداقت کے سوا کبھی کوئی بات کی ہو یا کبھی جھوٹ بولا ہو۔ قوم کے اس جواب کے بعد آپ نے فرمایا "اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں ایک حقیقی اور واقعی عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم پر عنقریب نازل ہونے والا ہے۔ تم اس عذاب سے صرف اسی صورت میں بچ سکتے ہو کہ خدائے واحد پر ایمان لاؤ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ابی لہب نے کہا "تیرا ستیاناس جائے اور ہر دن تیرے لیے مصیبت کا ہو۔ کیا ایسی فضول باتیں سنانے کے لیے تو نے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟" اس کے بعد اس کے حق میں یہ سورہ اتری "دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں ابی لہب کے۔ وہ عنقریب ہلاک ہوگا۔ نہ اس کا مال کسی کام آئے گا اور نہ اس کی کمائی اسے کوئی فائدہ دے گی۔" امام بخاری کی اس روایت کی تصدیق ابن سعد نے بھی اپنی کتاب طبقات کبیر جزو اول کے صفحہ ۱۳۳ پر کی ہے۔ طبری نے بھی جلد اول حصہ سوم کے صفحہ ۷۰ پر یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں بھی یہی روایت لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جلد ششم صفحہ ۹۹)

۵۔ ایک تبلیغی دعوت | جب اس پہاڑی تبلیغ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آپ نے بعض [illegible] کے مشورے کے بعد آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ تاکہ اس کے بعد آپ ان تک خدائی پیغام پہنچا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔ اس دعوتِ طعام کی کیفیت ابن اثیر نے اس طرح لکھی ہے:-

جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو آپ اس فکر میں تھے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کرنے اور ان تک کلمۂ حق پہنچانے کا کیا طریق اختیار کیا جائے۔ بہت پریشان ہوئے۔ اسی فکر و تردد میں آپ نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔

۱؎ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین

لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ کچھ بیمار ہیں۔ اس لیے آپ کی پھوپھیاں آپ کو پوچھنے آئیں اور دریافت کرنے لگیں کہ آپ کو کیا بیماری ہے؟ آپ نے فرمایا میں کچھ بیمار تو نہیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے قریبی عزیزوں کو تبلیغ کروں۔ اس لیے اس فکر میں ہوں کہ ان تک پیغام حق پہنچانے کا کیا طریقہ اختیار کروں؟ اس پر انھوں نے رائے دی کہ آپ انھیں کھانے پر بلایے اور پھر انھیں تبلیغ کیجیے۔ مگر ابولہب کو نہ بلائیں کیونکہ وہ آپ کا سخت دشمن ہے اور آپ کی بات کو کبھی نہیں مانے گا۔ اگر وہ آیا تو خواہ مخواہ فساد کی باتیں کرے گا اور جو لوگ دعوت میں شریک ہوں گے ان کو ورغلائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اپنے سارے قریبی رشتہ داروں کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے۔ ان میں بنی المطلب بن عبدمناف کے بھی لوگ تھے۔ ان آنے والے لوگوں کی تعداد ۴۵ تھی۔ مگر اس دعوت کا پتہ ابولہب کو بھی کسی طرح ہو گیا۔ اس پر وہ خود ہی بغیر بلائے دوڑا ہوا آیا اور کھانا کھانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہنے لگا کہ "یہ سب لوگ جو آئے ہیں تیرے تمام اور بنی عم ہیں۔ تو جو کچھ چاہے ان سے گفتگو کر مگر جو نیا دین تو نے ایجاد کیا ہے۔ اس کے متعلق ان سے کچھ نہ کہہ اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ تیری قوم والے تیرے لیے تمام عرب سے لڑائی مول نہیں لے سکتے۔ اگر تو ایسی ہی باتیں کرتا رہا اور ایسی ہٹ سے باز نہ آیا۔ تو تیرے بنی اعمام کو آخر کار مجبوراً یہی کرنا پڑے گا کہ تجھے پکڑ کر قید کر دیں کیونکہ تیرا پکڑ لینا اور قید کر دینا انھیں اس بات کی نسبت آسان ہے کہ تیری اشتعال انگیز باتوں کی وجہ سے قریش کے دیگر قبائل تجھ پر جھپٹ پڑیں اور سارے اہل عرب ان کی امداد پر کھڑے ہو جائیں۔ تو نے ایسی ہی بات نکال کر کھڑی کی ہے کہ آج تک اپنے خاندان والوں کے لیے ایسی فساد ڈلوانے والی بات کسی نے نہ کالی ہو گی"

اس گفتگو کے بعد وہ اپنے سب آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ان کو تبلیغ نہ کر سکے آپ نے دوبارہ دعوت کا اہتمام کیا اور ان لوگوں کو بلایا۔ اور کھانے کے بعد فوراً اٹھ کر فرمایا۔

الحمد للہ احمدہ واستعینہ واومن بہ واتوکل علیہ واشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ اے بنی عبدالمطلب میں اللہ کی طرف سے خاصۃً تمہارے لیے اور عامۃً تمام مخلوقات کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم لوگ جس طرح سو جاتے ہو۔ ایک دن اسی طرح مر جاؤ گے اور جیسے تم نیند کے بعد بیدار ہوتے ہو۔ اسی طرح ایک دن اٹھائے جاؤ گے اور جیسے جیسے کام تم نے اپنی دنیوی زندگی میں کیے ہوں گے ان کا حساب دو گے اور جنت و دوزخ میں لوگوں کو اپنے اعمال کے موافق رہنا ہو گا۔ پس جس بات کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اس کو مان لو تاکہ نجات پاؤ۔

حضور کی اس مختصر تقریر کے بعد حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا بھتیجے! تو نے جو کچھ کہا ہم نے سنا۔ جس کام میں جو تو کر رہا ہے۔ تیری امداد اور اعانت کرنی ہمارا فرض ہے۔ اور بیشک میں

چاہیے کہ تیری نصیحتوں کو قبول کریں اور تیری باتوں کی تصدیق کریں۔ یہ لوگ جو اس وقت یہاں موجود ہیں۔ سب کے سب تیرے آباؤ اجداد کی اولاد ہیں۔ انہی میں سے ایک میں بھی ہوں۔ مجھ میں اور ان دوسرے لوگوں میں یہ فرق ہے کہ میں ان باتوں کو پسند کرتا ہوں جن کا خدائے تعالیٰ کے ہاں سے تجھے حکم ہوا ہے پس تو اطمینان سے اپنے کام میں لگا رہ اور کیے جا جو تو کر رہا ہے۔ میں اپنی ذات سے ہر طرح تیری مدد کے لیے تیار ہوں۔ البتہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دوں

اس پر ابولہب بولا: "ابوطالب! تم نے یہ بڑی خطرناک بات کہی۔ تمہیں تو یہ بات چاہیے کہ قبل اس کے کہ دوسرے لوگ آئیں اور تمہارے بھتیجے کو پکڑ کر قید کر دیں یا مار ڈالیں تم خود اسے گرفتار کر کے قید کر دو۔ مگر تم اُلٹی اس کی حمایت کر رہے ہو۔" (۱)

حضرت ابوطالب نے ابولہب کی اس بات کا بڑی سختی سے جواب دیا اور فرمایا: "جب تک ہم زندہ ہیں۔ اُس وقت تک محمدؐ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہم بے شک اس کی حمایت کریں گے اور اس کی امداد کرنے سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔"[لے]

۴۔ تبلیغی دعوت کے متعلق دوسری روایت

اس تبلیغی دعوت کے متعلق بھی دو مختلف روایتیں ہیں۔ پہلی روایت ہم نے بیان کر دی دوسری روایت طبری سے لے کر بجنسہٖ یہاں لکھتے ہیں:-

حضرت علیؓ بن ابی طالب سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے مجھے بلایا اور فرمایا "علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤں۔ میں نے اس حکم کی تعمیل میں چندے اس لیے توقف کیا کہ مبادا وہ لوگ میری نصیحت کو اچھی نظر سے نہ دیکھیں۔ مگر جبریل میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ! اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا۔ پس اے علی! تمام بنی عبدالمطلب کو ضیافت پر بلاؤ۔ تاکہ میں ان سے گفتگو کروں اور خدا کا پیغام اُن تک پہنچاؤں۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق دعوت کا تمام سامان فراہم کیا اور اس کے بعد تمام بنی عبدالمطلب کو بلا لایا۔ اس دن وہ لوگ تعداد میں قریباً چالیس تھے۔ ان لوگوں میں جو دعوت کے لیے بلائے گئے تھے۔ آپ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا لاؤ۔ تو کچھ کھانا پکا تھا۔ وہ سب میں اٹھا لایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے تمام حاضرین سے فرمایا کہ بسم اللہ! آپ صاحبان کھانا تناول فرمائیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ خوب اچھی طرح سیر ہو کر کھا چکے۔ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لے تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۰۱

نے مجھ سے فرمایا کہ ان سب لوگوں کو دودھ پلاؤ۔ میں نے انھیں دودھ پلایا تو وہ سب کے سب سیر ہو گئے۔

کھانے سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ابولہب نے تاڑ لیا کہ آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "بھائیو! خبردار ہو محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ فوراً یہاں سے چل دو" یہ سنتے ہی سب لوگ متفرق ہو کر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تبلیغ نہ کر سکے۔

دوسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا "علیؑ! کل تو ابولہب نے کلام کرنے میں مجھ پر سبقت کی اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں لوگ اٹھ کر چلے گئے تم آج پھر ویسے ہی اور اتنے ہی کھانے کا انتظام کرو۔ اور جن لوگوں کو کل بلایا تھا آج ان کو پھر بلاؤ۔" میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں پھر ویسے ہی کھانے کا اہتمام کیا اور کل والے سب لوگوں کو بلا کر لے آیا۔[۱] جب میں کھانا لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ تمام لوگوں نے وہ کھانا پیٹ بھر کر کھایا اور سیر ہو کر دودھ پیا۔

جب سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم۔ میں جوانان عرب میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ وہ خدا کی طرف سے تمھارے پاس تمھارے دین و دنیا کی ایسی خبر لایا ہو جیسی میں لایا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی طرف بلاؤں پس تم میں سے کون ایسا ہے جو اس کام میں میری مدد اور اعانت کرے؟ وہی شخص میرا بھائی اور تمھارے درمیان میرا خلیفہ ہوگا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر تمام حاضرین خاموش ہو گئے اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے کہا "باوجودیکہ میں سب لوگوں سے چھوٹا ہوں پھر میں آشوب چشم کا مریض بھی ہوں۔ میرا پیٹ بھی بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں بھی پتلی پتلی ہیں۔ اور میں جسمانی حیثیت سے بھی کمزور ہوں۔ مگر یا نبی یا رسول اللہ! میں اس امر میں آپ کی امداد اور اعانت کروں گا۔"

یہ سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر قوم سے خطاب کیا اور فرمایا "یہ تم لوگوں میں میرا بھائی۔ میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

یہ سن کر سارے حاضرین ہنسنے لگے اور (از راہ مذاق) ابوطالب سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ اب تم پر اپنے بیٹے علیؑ کی فرمانبرداری اور اطاعت فرض کر دی گئی ہے تم پر واجب ہے کہ اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔[۲]

---

[۱] غالباً اس مرتبہ ابولہب کو نہیں بلایا گیا ورنہ وہ ضرور آتا اور پھر فساد مچاتا۔ [۲] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ

طبری کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب میں بھی یہ روایت اور وصی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں :-

(۱) تاریخ کامل ابن اثیر (۲) تاریخ ابوالفدا (۳) تاریخ روضۃ الصفا (۴) تاریخ حبیب السیر (۵) تفسیر خازن (۶) تفسیر سراج منیر (۷) تفسیر ثعلبی (۸) تفسیر واحدی (۹) تفسیر ابن مردویہ (۱۰) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱) کنز العمال - (۱۲) دلائل النبوۃ (۱۳) حلیۃ الاولیاء (۱۴) ذخیرۃ المآل عجیلی (۱۵) مختارۃ ضیاء مقدسی (۱۶) تہذیب الآثار طبری (۱۷) کتاب الاکتفاء (۱۸) معارج النبوۃ (۱۹) مدارج النبوۃ (۲۰) ازالۃ الخفاء حضرت شاہ ولی اللہ۔ (مگر یہ سب کتابیں طبری سے بعد کی ہیں۔ اس لیے لازماً یہی خیال ہوتا ہے کہ سب نے یہ روایت طبری سے نقل کی ہے۔ طبری سے پہلے کی کسی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں)[۱]

علاوہ عربی و فارسی مورخین کے بعض عیسائی مصنفین نے بھی اپنی تصنیفات میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جیسے مسٹر جان ڈیون پورٹ۔ واشنگٹن ارونگ اور مسٹر گبن وغیرہ۔ مگر ان سب نے یہ روایت طبری سے لی ہے

اس روایت کو صحیح سمجھنے میں اہل سنت والجماعت کے لیے ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی۔ اور خلیفہ (بلافصل) ماننا خالص شیعہ عقیدہ ہے۔ پس جب بھی کوئی شخص یہ روایت بیان کرتا ہے تو اہل سنت والجماعت یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ شیعہ نقطۂ خیال کی ترجمانی کر رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ روایت صحیح ہے۔ اور سنی نقطہ خیال سے اس کی تشریح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گفتگو دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک پیش گوئی کے رنگ میں تھی جو آگے چل کر اپنے وقت پر بڑی صفائی سے پوری ہوئی۔ یعنی جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ برابر حضور علیہ السلام کے وزیر و مشیر اور معاون و مددگار رہے۔ ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لیٹنے کی وصیت فرمائی اور مدنی زندگی میں ان کو اپنا نائب اور نمائندہ بنا کر بارہا مختلف مہمول اور معرکوں میں روانہ فرمایا اور ان سے تقویت اسلام کے بہت سے کارنامے ظہور میں آئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق آپؓ خلیفہ بھی منتخب ہوئے۔ اس سلسلے میں حضور نے صرف یہ فرمایا تھا کہ "علی میرا خلیفہ ہوگا" یہ نہیں فرمایا تھا کہ پہلا خلیفہ ہوگا یا چوتھا

۷۔ حرم کعبہ میں تبلیغ (علانیہ تبلیغ اسلام کی تیسری کوشش)

اگرچہ پہاڑی وعظ اور تبلیغی دعوت کے نتیجہ میں مکہ کے کسی ایک آدمی نے بھی آپؐ کی آواز پر لبیک کہہ کر اسلام قبول نہیں کیا۔ تاہم حضور علیہ السلام مایوس نہیں ہوئے چونکہ کعبہ قریش کا مرکز تھا۔ اور وہاں قریباً ہر وقت معزز ترین شہر کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے خیال کیا کہ شاید وہاں کوئی سعید روح پیغام حق کو سن کر اسے قبول کرے۔ یہ سوچتے ہوئے آنحضور حرم کعبہ میں تشریف لے

۱؎ سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۲۲۰ ۲؎ سیرۃ الحلبی جلد اول صفحہ ۱۱۶۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ تذکرہ حارث بن ابی ہالہ

گئے اور وہاں مجمع عام میں توحید خداوندی کا اعلان فرمایا۔

۸۔ راہ تبلیغ میں سب سے پہلا شہید | کوہِ صفا کے وعظ کو جباران قریش نے اپنے آپ پر جبر کر کے خاموشی سے سن لیا تھا۔ صرف ابولہب نے مخالفت کی تھی۔ زاں بعد دعوتِ عشیرہ کے موقع پر بھی قوم نے بہت تحمل سے کام لیا۔ اور چپ چاپ لوگ واپس چلے گئے۔ مگر تین سو ساٹھ خداؤں کے درمیان خدائے واحد کی پرستش کا اعلان قریش کی نظر میں حرم کعبہ کی اتنی زبردست توہین تھی کہ اسے یہ پرستارانِ لات وجبل کسی صورت سے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مارے غیظ وغضب کے آپے سے باہر ہو گئے اور انھوں نے فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ حضور علیہ السلام کے ربیب حضرت حارث بن ابی ہالہ اتفاق سے اس وقت گھر پر تھے کسی نے دوڑ کر انھیں خبر کر دی کہ محمدؐ کی جان اس وقت خطرہ میں ہے۔ وہ بدحواس ہو کر فوراً بھاگتے ہوئے آئے۔ اور آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گر پڑے کہ لوگ حضور کو چھوڑ دیں اور ان کی بجائے مجھے مار ڈالیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اس مخلص مسلمان پر کفار قریش کی اتنی تلواریں پڑیں کہ وہیں شہید ہو گئے۔ بعد میں خبر ہونے پر اور مسلمان بھی پہنچ گئے اور انھوں نے کافروں کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھڑایا۔ یہ راہ حق وصداقت میں سب سے پہلی قربانی تھی جو اس مردِ مومن نے نہایت خلوص وعقیدت کے ساتھ پیش کی۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند ابی ہالہ کے لڑکے تھے۔

فصل سوم

اسلام کا پہلا دار التبلیغ

۱۔ ایک تبلیغی مرکز کی ضرورت | تین سال کی مسلسل تبلیغ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کے کام کو نہایت منظم طریق پر کرنے کے لیے ایک تبلیغی مرکز کا قیام بھی ضروری سمجھا۔

۲۔ تبلیغی مرکز کا قیام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ارقم بن ابی ارقم کا مکان تجویز فرمایا۔ اور انھوں نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اپنا مکان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۳۔ دار ارقم | یہ مکان جو مسلمانوں کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز بنا اور اسی وجہ سے دار الاسلام کے نام سے پکارا جاتا تھا مکہ سے کچھ دور جنوب مشرق کی طرف کوہ صفا کے دامن میں ایسے موقع پر واقع تھا کہ جب حج کے سالانہ

---

[1] سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۲۱۴

اجتماع میں لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے تو اس مکان کے آگے سے گزرا کرتے تھے۔

۴۔ دارِ ارقم میں قیام کا زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارالتبلیغ میں تین برس تک قیام فرمایا۔[1] اور سنہ ۶ نبوی کے آخر تک آپ نے یہاں اشاعتِ اسلام اور نومسلموں کی تربیت کا کام انجام دیا۔ یعنی اس اوّلین "دارالتبلیغ" کی عمر تین سال ہوئی۔[1]

۵۔ دارِ ارقم میں پہلا اور آخری مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکان میں قیام فرمانے اور اس کو دارالتبلیغ مقرر کرنے کے بعد سب سے پہلے آپ پر حضرت عاقل رضی بن ابی بکر بن عبد یالیل اور ان کے بھائی ایاس رضی، خالد رضی اور عامر رضی ایمان لائے۔ یعنی یہ اسلام کے اوّلین ثمر ہیں جو اس مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور سب سے آخر اس مکان میں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ دنیا اسے "امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب فاروقِ اعظم" کے نام سے پکارتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی کے قبولِ اسلام کے بعد حضور علیہ السلام نے اس مکان کو چھوڑ دیا۔[2]

۶۔ دارِ ارقم دورِ نبوی میں ہجرت کے موقع پر حضرت ارقم بن ابی ارقم کو اپنا یہ مکان چھوڑنا پڑا۔ لیکن فتح مکہ کے بعد جب یہ مکان دوبارہ اُن کے قبضے میں آیا۔ تو چونکہ اس مکان کی حیثیت ایک مقدس تاریخی یادگار کی ہو چکی تھی اور لوگ اسلام کی اس اوّلین تربیت گاہ کی زیارت کو آتے تھے۔ اس لیے حضرت ارقم نے اس کو وقف علی الاولاد کر دیا۔ تاکہ وراثت اور خرید و فروخت کے مرحلوں سے اس مکان کو نجات مل جائے اور تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ رہے اور اس میں کوئی تغیّر و تبدل سوائے مرمت کے نہ ہو سکے۔ اور جو شخص جب چاہے آسانی کے ساتھ اس کی زیارت کر سکے۔

۷۔ اس مکان کی حیثیت عہدِ صحابہ میں اس تاریخی یادگار کی یہ عظمت و شان خلفائے راشدین نے علیٰ حالہٖ قائم رکھی۔ اور لوگ بلا روک ٹوک اس کی زیارت کرتے رہے۔ اور حضرت ارقم کے فرزند عثمان نے اس کو بالکل اسی طرح قائم رکھا جس طرح وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ قیام میں تھا۔

۸۔ بنی اُمیہ کے زمانہ میں خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ کے بادشاہوں نے بھی اس مکان کی موجودہ حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور وہ اسی طرح قائم رہا۔

۹۔ عباسیوں کے وقت میں جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہو گئی اور عباسی ان کے جانشین ہوئے تو ان کے دوسرے فرمانروا ابوجعفر عبداللہ المنصور دوانیقی (۱۳۶ھ/۷۵۴ء تا ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) نے چاہا کہ اس مکان

---

[1] مصر کے نامور فاضل علامہ عبدالمتعال الصعیدی نے اپنی کتاب السیاسۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ میں دارارقم میں قیام کی مدت چار سال لکھی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ [2] مہاجرین جلد دوم ص ۱۲۵ بحوالہ ابن سعد

پر قبضہ کرے مگر زبردستی وہ کرنا نہیں چاہتا تھا اور بخوشی حضرت ارقم کے پوتے حضرت عبداللہ بن عثمان اُسے دینا نہ چاہتے تھے۔ ۹ برس تک معاملہ اسی طرح چلتا رہا۔ اور منصور کی طرف سے کوئی ترغیب اور تحریص حضرت عبداللہ کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ وہ اس اسلامی مقدس یادگار کو منصور کے حوالے کر دیں۔ لیکن اسی دوران میں حضرت عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے (جو تاریخ اسلام میں نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں) منصور کے خلاف خروج کیا اور عباسی بادشاہت کے مقابلے میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ فوراً ہزاروں آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرین امت بھی حضرت نفس زکیہ کے معاون اور مددگار تھے۔ حضرت ارقم کے پوتے عبداللہ نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔ جب نفس زکیہ کی طاقت کافی مضبوط ہو گئی تو انھوں نے منصور کے مقرر کردہ گورنر مدینہ کو شہر سے نکال دیا اور خود اس پر قابض ہو گئے۔ جلد ہی وہ حجاز اور یمن کے تمام علاقے میں خلیفہ تسلیم کر لیے گئے یہ دیکھ کر منصور کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس نے فوراً اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ایک کافی جمعیت کے ساتھ نفس زکیہ کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ جب اس لشکر کی آمد کا پتہ نفس زکیہ کے آدمیوں اور حامیوں کو لگا تو وہ سب جان کے خوف سے بھاگ گئے اور حضرت نفس زکیہ کے ہمراہ صرف تین سو آدمی رہ گئے۔ انھوں نے اسی مختصر سی جمعیت کے ساتھ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ۱۵ رمضان ۱۴۵ھ کو نہایت زور کا معرکہ ہوا جس میں نفس زکیہ اور ان کے تمام ساتھی نہایت شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لڑائی کے خاتمے کے بعد ان لوگوں کی گرفتاری اور قید اور قتل کا سلسلہ شروع ہوا جنھوں نے نفس زکیہ کا ساتھ دیا تھا یا کسی رنگ میں ان کی مدد اور اعانت کی تھی۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن عثمان بن ارقم نے بھی نفس زکیہ کی حمایت کی تھی۔ اس لیے ان کی گرفتاری کا حکم بھی جاری ہوا اور قید کر کے جیل خانہ میں ڈال دیے گئے۔

اب منصور کو اپنی دیرینہ آرزو کے پورا کرنے کا بہت عمدہ موقع ہاتھ آیا۔ اس نے اپنے ایک معتمد شہاب بن عبدرب کے ہاتھ حضرت عبداللہ بن عثمان کو جیلخانہ میں کہلا بھجوایا کہ "تم نے میرے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کی سزا قتل ہے۔ لیکن اس سزا سے تم اس صورت میں بچ سکتے ہو کہ "دارِ ارقم" میرے حوالے کر دو۔ اگر تمھیں یہ بات منظور ہو تو میں مکان کی قیمت کے طور پر تم کو سترہ ہزار دینار دوں گا۔ اور تمھیں فوراً رہا کر دوں گا۔ ورنہ بغاوت کی سزا میں مرنے کے لیے تیار رہو۔"

حضرت عبداللہ بن عثمان کو بہت بیش قرار رقم مکان کے عوض میں مل رہی تھی۔ اور ساتھ ہی جان بھی بچتی نظر آ رہی تھی۔ اس لیے انھوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ اور ۱۷ ہزار دینار میں یہ تاریخی مقدس مکان منصور کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لیکن یہ ان کے اپنے حصے کی قیمت تھی۔

حضرت عبداللہ بن عثمان کے اور بھائی اور شریک بھی تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ عبداللہ نے اپنا حصّہ حکومت کے ہاتھ بیچ ڈالا تو انھوں نے بھی اپنے حصص کی فروخت کے لیے منصور سے بات چیت کی۔ منصور نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے حصّوں کی بھی نہایت معقول قیمتیں ادا کر دیں۔ اور اس طرح سالم مکان خرید لیا۔

۱۰۔ ملکہ خیزران اور یادگار کا خاتمہ منصور نے اپنے تمام زمانۂ حکومت میں اس مکان کو اسی قدیم حالت میں رکھا جس میں وہ تھا۔ ۱۵۸ھ میں منصور مر گیا اور اس کی بجائے اس کا بیٹا ابو عبداللہ المہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ/ ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء) تخت حکومت پر بیٹھا۔ اُس نے یہ مکان اپنی چہیتی بیوی ملکہ خیزران کو دے دیا۔ ملکہ نے اُس پاس کے اور مکان بھی خرید کر اور سب کو مسمار کر کے وہاں اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تیار کروایا۔ اس طرح یہ مقدس اور متبرک تاریخی اسلامی یادگار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔[1]

۱۱۔ دار ارقم میں مسلمان ہونے والے اصحاب تین سال تک دارِ ارقم اسلام کا دار التبلیغ رہا۔ اس دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے جس قدر اشخاص اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے ان کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ مگر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس فہرست میں ان سب اصحاب کے نام آ گئے ہیں جو دار ارقم میں اسلام لائے بہت سے لوگ یقیناً اب بھی رہ گئے ہوں گے۔ دارِ ارقم میں مسلمان ہونے والے اصحاب بھی سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔

(۱) عاقل بن ابی بکیر اور ان کے بھائی (۲) ایاس (۳) خالد (۴) عامر (۵) عبداللہ الاصغر (۶) قیس بن عبداللہ (۷) مالک بن زمعہ (۸) جہم بن قیس (۹) ہاشم بن ابو حذیفہ (۱۰) جعفر بن ابی طالب (۱۱) ولید بن ولید (۱۲) عیاش بن ربیعہ (۱۳) حاطب بن حارث (۱۴) ابو رہم اشعری (۱۵) ابو موسیٰ اشعری (۱۶) حارث بن خالد (۱۷) ابو بردہ (۱۸) عیاض بن زہیر (۱۹) عمیر بن رئاب (۲۰) خطاب بن حارث (۲۱) عمرو بن عثمان (۲۲) یاسر (۲۳) عمار بن یاسر (۲۴) سمیہ والدہ عمار بن یاسر (۲۵) صہیب بن سنان (۲۶) مصعب بن عمیر (۲۷) شرحبیل بن حسنہ (۲۸) خباب بن ارت (۲۹) سلمہ بن اکوع (۳۰) عبداللہ بن ام مکتوم (۳۱) زید بن خطاب (۳۲) طلیب بن عمیر (۳۳) سلمہ بن ہشام (۳۴) عبداللہ بن سہیل (۳۵) ابو برزہ سلمی (۳۶) معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی (۳۷) سہیل بن بیضا (۳۸) ابو قیس بن حارث (۳۹) سلیط بن عمر (۴۰) ابو سبرہ بن ابی رہم (۴۱) سائب بن عثمان (۴۲) معمر بن ابی سرح (۴۳) محمیہ بن جزء (۴۴) عدی بن نضلہ (۴۵) یزید بن زمعہ (۴۶) سکران بن عمرو (۴۷) فراس بن نضر (۴۸) حمزہ بن عبد المطلب (۴۹) عمر بن خطاب فاروق اعظم۔

---

[1] عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام صفحہ ۵۷۔ (مہاجرین جلد دوم صفحہ ۲۶۷ بحوالہ ابن سعد اور تاریخ یعقوبی)

فصل چہارم

دعوت اسلام اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم کی حکیمانہ پالیسی

۱۔ تبلیغی کام میں آنحضرتؐ کی احتیاط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبلیغ اور ہدایت کا مہتم بالشان کام شروع کیا تھا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے یونہی شروع نہیں کر دیا تھا بلکہ الٰہی منشاء کے مطابق اس میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا اور معاملے کے ہر پہلو پر کافی غور کرنے کے بعد نہایت منظم اور باقاعدہ طور پر بڑی آہستگی کے ساتھ تمام خطرات اور خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ضروری فریضہ کی ابتدا کی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ ابتدا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے پاک اور مقدس مشن میں کامیابی بہت سُست رفتاری سے ہوئی۔ مگر جتنی بھی ہوئی وہ نہایت پختہ اور مضبوط تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پختہ بنیاد پر جب آئندہ چل کر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی تو اس کی تعمیر میں بڑی زبردست کامیابی ہوئی اور دنیا نے قلیل عرصے میں يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا نظارہ دیکھ لیا۔

۲۔ احتیاطی تدابیر کی وضاحت تبلیغ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس حکیمانہ پالیسی کی وضاحت مصر کے نامور فاضل علامہ عبدالمتعال الصعیدی پروفیسر جامع ازہر قاہرہ نے اپنی بے مثل کتاب السیاسۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ میں نہایت عمدگی کے ساتھ کی ہے[۱]۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کو ہدایت کی تعلیم دینے اور ان تک پیغام حق پہنچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس بے نظیر حکمت عملی سے کام لیا۔ اس کے باعث آپ بہت ہی قلیل عرصے میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہو گئے آپ نے اپنے مقدس مقصد کے حصول کی خاطر قوت، جبر اور تشدد سے قطعاً کام نہیں لیا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف آپ کے متبعین کی جانیں بہت حد تک بچی رہیں بلکہ آپ کا اعلیٰ اخلاق اور بے نظیر صبر و استقلال دیکھ کر آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے بہترین جاں نثار بن گئے۔ قوت اور طاقت کا استعمال تو علیحدہ رہا۔ آپ نے راہ تبلیغ میں کبھی درشتی اور تندخوئی سے بھی کام نہ لیا۔ بلکہ آغاز کار ہی سے بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیتے اور تدریجی طور پر اس سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک

---

[۱] اس کتاب کا اردو ترجمہ "عہد نبوی کی اسلامی سیاست" کے نام سے ہو چکا ہے۔

زبردست مشیت کام کر رہی تھی۔

۳۔ انکارِ حق پر گذشتہ اقوام کا انجام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب کسی قوم کی طرف کوئی نبی مبعوث ہوتا تھا تو بالعموم انکار کرنے والوں اور مقابلے سے پیش آنے والوں کو عذابِ الٰہی کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ تمرد اور سرکشی میں حد سے گذر جاتے تھے۔ اور ان کی فلاح اور ہدایت کی کوئی امید باقی نہ رہتی تھی۔ اسی سنت الٰہیہ کے ماتحت حضرت نوحؑ کی قوم ہلاک ہوئی۔ حضرت ہودؑ کی قوم پر سخت آندھی کا عذاب آیا۔ حضرت صالحؑ کی قوم ہولناک زلزلے سے نیست و نابود ہوئی۔ ایسا ہی انجام کئی دوسرے انبیاء کی قوموں کا ہوا۔ اور نافرمانی کے باعث اُن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا کر آنے والی قوموں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نام لے کر بعض قوموں کی تباہی کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے کذّبت قبلھم قوم نوحٍ واصحاب الرس وثمود وعادٌ وفرعون واخوان لوطٍ واصحاب الایکۃ وقوم تبعٍ کل کذّب الرسل فحق وعید یعنی ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اور اصحاب الرس نے اور قوم ثمود نے اور قوم عاد نے اور فرعون نے اور قوم لوط نے اور اصحاب الایکہ نے اور قوم تبع ان سب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ تو وعدہ عذاب ان کے حق میں پورا ہوا۔ (سورۂ قٓ۔ آیت ۱۲)

۴۔ آنحضرتؐ کی قوم کیوں ہلاک نہ ہوئی دیگر گذشتہ اقوام کی طرحؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لیے عذاب کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ خاتم النبیینؐ کی قوم کے ساتھ رحمت اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ اور ان لوگوں کو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ خود کفر سے متنفر ہو کر اسلام کی آغوش میں آجائیں۔ کیونکہ خدائی مشیت میں یہی تھا کہ آگے چل کر اسی قوم کو تمام قوموں کا رہبر بننا اور خدائی پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانے کا فرض انجام دینا تھا۔ چنانچہ کفار کے اس مطالبے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃً من السماء او ائتنا بعذاب الیم (یعنی اے محمدؐ وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب ان کافروں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ دین اسلام سچا ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر (سورہ انفعال آیت ۳۲)

۵۔ آنحضرتؐ نے پہلے بڑے آدمیوں کو تبلیغ کیوں کی اس مقصد کے پیشِ نظر کہ تبلیغ کے کام کو

۱؎ گذشتہ اقوام کا مطالبہ یہ تھا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصّٰدقین۔ یعنی جس عذاب کا تم ہم سے وعدہ کیا کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ (اعراف۔ آیت ۷۰)

تدریجی طور پر ترقی دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں قریش کے بڑے بڑے رؤسا و امرا کو خاص طور پر اسلام کی دعوت نہیں دی۔ کیونکہ اگر حضور علیہ السلام ایسا کرتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آغاز کار ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت شروع ہو جاتی۔ اور سرداران قریش نہایت سختی کے ساتھ اس امر کی روک تھام شروع کر دیتے کہ کوئی شخص بھی اسلام قبول کرنے نہ پائے۔ اس طرح بڑا فتنہ برپا ہو جاتا اور تبلیغ کا کام رک جاتا۔

۶۔ آنحضرتؐ کی تبلیغ کے اوّلین مخاطب اس خدشے کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سب سے پہلے ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کی جن کے متعلق آپؐ کو کامل یقین تھا کہ وہ آپؐ کی آواز پر فوراً لبیک کہیں گے اسی لیے آپؐ کی دعوت کے اولین مخاطب حضرت خدیجہ طاہرہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جنھوں نے فوراً اور بلا تامل آپؐ کو قبول کر لیا۔

ان لوگوں کے قبول اسلام سے نہ صرف یہ کہ ایک اسلامی برادری کا قیام عمل میں آگیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی اپنے کام میں بڑی مدد ملی۔

۷۔ راہ تبلیغ میں حضرت خدیجہؓ کی خدمات حضرت خدیجہ طاہرہ آپؐ کی نہایت ہی جان نثار بیوی تھیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر دکھ درد میں برابر کی شریک تھیں اور امور رسالت کی بجا آوری کے دوران میں جن تکالیف کا آپؐ کو سامنا کرنا پڑتا تھا انھیں دور کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتی تھیں۔ جب کبھی مخالفین کی ایذا رسانیوں اور دشمنوں کی ستم آرائیوں سے آزردہ خاطر اور افسردہ ہو کر آپؐ گھر میں تشریف لاتے اس وقت حضرت خدیجہؓ کی محبت آمیز گفتگو ہی آپؐ کی تشفی اور تسکین کا باعث ہوتی تھی۔ وہ ایک بڑی تاجرہ تھیں۔ ان کا سارا مال و متاع اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف تھا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اسے دینی ضروریات میں خرچ فرماتے رہتے تھے۔

۸۔ اشاعت اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کی کوششیں حضرت ابوبکر صدیق کے مسلمان ہونے سے بھی اسلام کو زبردست فائدہ پہنچا۔ وہ مکّہ کے ایک اچھے تاجر اور بے نظیر اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ اپنے ان ہی اخلاق کی بدولت قوم میں انھیں بڑی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اور قوم کے تمام معزز اصحاب اور شرفائے شہر ہر وقت ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہ صرف خود اسلام لائے بلکہ اپنی وجاہت اور اعلیٰ حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے دوستوں کو بھی انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان۔ حضرتؓ زبیر بن عوام۔ حضرتؓ عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرتؓ سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ بن عبیداللہ جیسی قابل اور بااثر شخصیتیں اسلام قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے حلقہ بگوشوں

میں داخل ہو گئیں۔[1]

۹۔ اسلام کی پہلی برادری اس طرح ابتدا ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل بیت اور اپنے مخلص دوستوں میں سے آٹھ نے قبول کر لیا۔ جس سے مکہ میں اسلام کی بنیاد قائم ہو گئی اور ایک ایسی اسلامی برادری کا قیام عمل میں آیا جس میں سے ہر شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت و اطاعت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھا اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مقدور بھر کوشش کی۔

یہ نتیجہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے نظیر اور مدبرانہ حکمت عملی کا کہ تبلیغ اسلام اور اشاعتِ حق کے مقدس کام کو بتدریج اور آہستہ آہستہ ترقی دی جائے اور ایسے امور سے احتراز کیا جائے جو اس نیک کام میں رکاوٹ کا باعث ہوں۔

۱۰۔ خفیہ تبلیغ کی حکمت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آغاز کار ہی سے علانیہ اور ظاہرہ طور پر اپنی دعوت کو ایک دفعہ ہی دنیا کے سامنے پیش کر دیتے تو تمام اکابر قوم اور معززین شہر اور مکہ کے تمام بڑے بڑے اور با اثر لوگ فوراً مشتعل ہو جاتے۔ اور قبل اس کے کہ قریش کے عوام کو آپ کے دعوے پر غور کرنے کا کوئی موقع ملتا۔ تمام معزز اور نمایاں اشخاص اپنی بے پناہ مخالفت اور اپنے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث اسلام کی راہ میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کر دیتے۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ کے لیے آپ کی تبلیغ پر لبیک کہنا خاصا دشوار کام ہو جاتا۔ اور جتنی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ اس وقت آپ کو ترقی ہوئی۔ وہ دوسری صورت میں ہرگز نہ ہوتی

۱۱۔ ابتدائی ایام میں خفیہ تبلیغ کی ایک اور بڑی وجہ جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ حق اور تبلیغ اسلام کے ابتدائی ایام میں قریش کے اکابر سے کھلم کھلا ٹکر لینا مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ اس وقت تک جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں ان کے دلوں میں ایمان اس حد تک راسخ ہو جائے کہ وہ اسلام کے مقابلے میں اپنی جان۔ اپنے مال اور اپنے اہل و عیال کی بھی پروا نہ کریں۔ مذہب کی محبت ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے اور وہ اپنی عزیز ترین متاع کو بھی راہ حق میں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔ حضور علیہ السلام خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جب آپ کے متبعین کے دلوں میں اس حد تک تبدیلی پیدا ہو جائے گی تو پھر وہ قریش کی ایذا رسانیوں کا پوری طرح مقابلہ کر سکیں گے اور دشمنان اسلام کی بڑی سے بڑی دھمکی اور ان کے سخت سے سخت مظالم بھی ان کو جادۂ استقامت سے ہٹا نہ سکیں گے۔ لیکن اگر اکابر قریش اور معززین شہر کی مخالفانہ اور معاندانہ

---

[1] ان بزرگوں کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح بھی حضرت ابوبکر کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے (ابن ہشام)

کوششوں کا سلسلہ آغاز کار ہی سے شروع ہو گیا تو بہت ممکن ہے کہ بعض کمزور دل مسلمان جن کا ایمان و یقین ابھی پختہ نہ ہوا ہو۔ کافروں کی سختیوں اور ان کے ظلموں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور اس طرح اس تحریک کو نقصان پہنچ جائے جو خدا کا نام بلند کرنے کے لیے کھڑی ہوئی ہے۔

۱۲۔ خفیہ تبلیغ کے مرکز کا فائدہ اور اہمیت آنحضور نے دارارقم کو جو اپنی خاموش تبلیغ کا مرکز بنایا اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو نمازوں کی ادائیگی کے لیے مکّہ کی مختلف گھاٹیوں، ویرانوں اور سنسان پہاڑیوں پر جانے کی ضرورت نہ رہی۔ اور یہ خطرہ بھی باقی نہ رہا کہ کفار ان کو دینی فرائض بجالاتے دیکھ کر مشتعل ہو جائیں گے اور انھیں زور وطاقت کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں گے۔

اس خاموش تبلیغ کے متعلق جو دارارقم میں شروع ہوئی قریش کو احساس تک نہ ہوا کہ عین وادیٔ مکّہ میں ایک ایسی جدید تحریک برگ و بار لا رہی ہے جو ان کے پورے نظام اور ان کی بت پرستی کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔

اسلام کے اس خفیہ تبلیغی مرکز میں صرف وہی لوگ آکر مسلمان ہوئے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت اور آپؐ کی رسالت پر کامل یقین حاصل ہو گیا تھا۔ اور جن کے دلوں پر حضور علیہ السلام کے پاک نمونے نے ایسا اثر ڈالا تھا۔ جو کبھی دور نہ ہو سکتا تھا۔

۱۳۔ ابتدا میں قریش نے مخالفت کیوں نہ کی؟ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قریش اس عجیب اور جدید تحریک سے بالکل لاعلم نہ تھے۔ ان کو وقتاً فوقتاً اس کے متعلق خبریں ملتی رہتی تھیں۔ مگر بہت مبہم صورت میں۔ وہ نہ اسلام کے مبادیات سے واقف تھے اور نہ اُن کے ذہنوں میں اسلام کا کوئی واضح تصور تھا۔ اس لیے شروع میں انھوں نے اس کی مخالفت کی چنداں ضرورت محسوس نہ کی اور نہ ان کے دلوں میں اس وقت اس تحریک کے خلاف وہ جوش و خروش پیدا ہوا جس نے آگے چل کر مکّہ کے در و دیوار ہلا دیے۔ اس عرصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے متبعین کے دلوں میں اسلام کی کامل محبت پیدا کرنے اور اصول دین راسخ کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ اور آئندہ کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے موقف سے بال برابر بھی ہٹا سکتا اور انھیں ان کے عقائد سے منحرف کر سکتا۔

فصل پنجم

مخالفت کا طوفان اور اس کی وجوہ

۱۔ امن و سکون کا خاتمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے امن و سکون کا یہ زمانہ بہت مختصر رہا۔ اور جلد ہی وہ وقت آگیا کہ قریش نے آپ کی مخالفت ۔ دشمنی اور عناد میں ہمت، کوشش اور سعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور آپ کے خلاف اس قدر طوفانِ عظیم برپا کیا کہ آپ سے پہلے کسی نبی کی امت نے نہیں کیا تھا۔

۲۔ قریش کا بھڑک اٹھنا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں شروع شروع میں قریش نے آپ کی زیادہ مخالفت نہیں کی اور سوائے ایک دو انفرادی واقعات کے انھوں نے آپ سے کوئی خاص تعرض نہیں کیا۔ لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لھا وارِدون[1] (یعنی یقیناً تم اور جن معبودانِ باطلہ کو تم پوجتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن بنیں گے ۔ اور تم سب کو دوزخ میں جانا ہی پڑے گا) یہ سنتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے یک دم بارود میں چنگاری آن پڑی اور سارا مکان بھک سے اڑ گیا۔ قریش اپنی برائیاں سن لیتے۔ مگر اپنے معبودوں کی مذمت وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سن سکتے تھے۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے " ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مجھ کو جو روایات پہنچی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا اعلان کیا۔ تو مشرک آپ کے کچھ زیادہ مزاحم نہیں ہوئے۔ اس وقت تک جب تک کہ آپ نے کفار کے معبودوں کو برا نہیں کہا۔ لیکن جب آپ نے ان کے بتوں کو برا کہنا شروع کیا۔ اس وقت وہ نہایت خفا ہوئے اور حضور علیہ السلام کی دشمنی پر اتفاق کر لیا۔"[2]

۳۔ مخالفت کی وجوہ اعلان توحید کے بعد جس شدت کے ساتھ شرفائے مکہ اور سردارانِ قریش نے آپ کی مخالفت کی اور آپ پر اور آپ کے ماننے والوں پر جو جو مظالم کیے وہ تاریخ مذہب کا ایک نہایت ہی

[1] اقترب الناس۔ سورہ انبیاء۔ آیت ۹۸۔ رکوع ۷،
[2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۸۵

ہولناک باب ہیں۔ نہ کسی نبی کو آج تک ایسا دکھ دیا گیا تھا۔ نہ کسی نبی کے ماننے والوں کو۔ اس موقع پر پہنچ کر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ تھیں جن کے باعث قریش نے آپؐ کے خلاف مخالفت اور عناد کا ایسا زبردست طوفان کھڑا کیا کہ اس کی نظیر سے تاریخ عالم کے اوراق خالی ہیں۔ اس کے جواب میں جزوی اور ضروری تفصیل کے ساتھ اس مخالفت کی وجوہ مختصر طور پر ذیل میں لکھی جاتی ہیں ان وجوہ کے لکھتے وقت سیرۃ النبی شبلی جلد اوّل کو سامنے رکھا گیا ہے:۔

۱۔ پہلی وجہ سب سے بڑی اور سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے خدا کے بندوں کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا تو دنیا نے ہمیشہ ہی اس کا مذاق اڑایا۔ اس کی مخالفت کی۔ اور اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی انتہا کو پہنچا دی۔ یہ مخالفت کرنے والے معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ بلکہ قوم کے نمایاں افراد، شہر کے معزز اصحاب، ذی اثر اشخاص اور اپنے قبیلے اور خاندان کے سردار اور امیر ہوتے ہیں۔ معمولی آدمی اور عوام ان رؤسا اور امراء کے تابع اور پیرو ہوتے ہیں حقیقی مجرم اور اول المکفرین یہی بڑے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ایسے ہی لوگوں نے نبیوں کا انکار کرنے میں پہل کی۔ اور افضل الرسل۔ خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے میں بھی یہی بڑے آدمی پیش پیش تھے۔ انھوں نے آپؐ کی دعوت کو بے اثر کرنے۔ آپؐ کی تبلیغ کو بے کار کرنے۔ اور آپؐ کے اشاعتی کام کو روکنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا۔ اور ہر ممکن کوشش آپؐ کو زک دینے اور ہر ممکن سعی آپؐ کو ناکام بنانے میں کی۔ مگر خدا کا نور ان کی پھونکوں سے نہ بجھا۔ بلکہ اس کی ضوفشانی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس خدائی نور کو بجھا نہ سکی۔ واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

۲۔ دوسری وجہ ہزاروں برس سے بت پرستی اہل عرب کا شعار تھی۔ اور تبوں کی محبت ان لوگوں کے دلوں میں اس درجہ سرایت کر چکی تھی کہ ان کے خلاف وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس صنم پرستی کو بڑی سختی سے روکا۔ اور لوگوں کو خدائے ذوالجلال والاکرام کا یہ پیغام سنایا کہ واسجدوا للّٰہ الذی خلقھن (صرف خدا ہی کی عبادت کرو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ حٰم سجدہ رکوع ۵) بس یہ بھی بڑی وجہ ان کی دشمنی کی تھی۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے بتوں کی عبادت چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے اور جو شخص بھی ان کو اس سے منع کرتا وہ ان کا پکا دشمن تھا۔

۳۔ تیسری وجہ بت پرستی کی محبت کے علاوہ قریش کی دشمنی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ قریش کا تمام اقتدار۔ ان کی تمام عظمت اور ان کی تمام سرداری اور فوقیت و برتری اقوام عرب پر محض اس بت پرستی

کے باعث قائم تھی۔ خدا کا گھر اس وقت صنم خانۂ اعظم بنا ہوا تھا۔ تمام عرب کے لوگ دور دور سے آتے اس صنم خانہ کا طواف کرتے اور اس میں رکھے ہوئے ۳۶۰ بتوں کو پوجتے تھے۔ جن کا خدائے اعظم ھبل تھا۔ قریش اس صنم خانہ کے متولی اور مجاور تھے کعبہ کی کنجی اور اس کا سارا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے مختلف محکمے اور مختلف مناصب قائم کر رکھے تھے۔ جن پر اپنے قبائل کے نمایاں افراد کو منتظم بنا رکھا تھا[1]۔ اسلام لانے اور خدائے واحد کی عبادت کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی قریش کو ان تمام مناصب اور اعزازات سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ عرب کی سرداری ان کے ہاتھ سے چلی جائے اور ان کی فوقیت و برتری کا خاتمہ ہو جائے۔ اس لیے قوم کے تمام معززاور نمایاں افراد نے متفقہ اور متحدہ طور پر اسلام کی مخالفت کی۔ کیونکہ اس صنم خانۂ اعظم کی تباہی میں ان کو صاف طور پر اپنی تباہی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ یقینی طور پر سمجھ رہے تھے کہ اسلام کے اقتدار کے ساتھ ہمارا اقتدار اور ہمارا اعزاز اور ہماری سرداری سب کا خاتمہ ہے۔

اسلام کی ابتدا کے وقت قریش کی سرداری اور سیادت قوم کے جن نمایاں اور معزز افراد کے قبضے میں تھی ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) ولید بن مغیرہ۔ حضرت خالدؓ سیف اللہ کا باپ اور قریش کا سردار اعظم۔

(۲) ابوالحکم عمرو بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلے کا سردار۔ مسلمانوں نے اس کا نام ابوجہل رکھ چھوڑا تھا اور آج یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ اصلی نام بہت کم آدمی جانتے ہیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اسی کے لڑکے تھے۔

(۳) عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب۔ اس کو دنیا ابولہب کے نام سے جانتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا۔

(۴) ابوسفیان بن حرب۔ اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کا باپ۔

(۵) عاص بن وائل سہمی۔ فاتح مصر حضرت عمروؓ اسی کے لڑکے تھے۔

(۶) عتبہ بن ربیعہ۔ حضرت امیر معاویہ کا نانا۔

ان صنادید قریش کو مسلمان ہو جانے کی صورت میں قریش کی سرداری اور امارت سے دست بردار ہو جانا پڑتا تھا۔ اس لیے ان سب نے فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت

---

[1] ان محکموں اور مناصب کی تفصیل عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۴۷ سے لے کر مولانا شبلی نے اپنی سیرۃ النبی کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۹۷ میں درج کی ہے۔

سخت اور شدید مخالفت کی۔ ان میں سب سے سخت اور سب سے طویل مخالفت ابو سفیان نے کی مگر حالات سے مجبور ہو کر اسے بالآخر مسلمان ہونا پڑا۔

۴۔ چوتھی وجہ | عرب ایک نہایت متکبر اور مغرور قوم تھی۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں پر بڑا فخر کرتے اور ان کے متعلق قصائد تصنیف کیا کرتے تھے۔ اپنے بزرگوں کی اندھا دھند پیروی اس قوم کی جبلی عادت تھی۔ چنانچہ خود کہا کرتے تھے بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا[1] (یعنی ہم تو بہر حال اسی ڈگر پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا) مگر جب قرآن کریم نے ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ اور بیوقوف بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولو کان اباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون (یعنی کیا وہ اپنے آباؤ اجداد ہی کی اتباع کریں گے۔ خواہ ان کے باپ دادا گمراہ اور بیوقوف ہی کیوں نہ ہوں[2]) تو یہ سنتے ہی ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنے بزرگوں کی ہتک اور توہین وہ کس طرح برداشت کر لیتے؟ اس لیے بڑی شدت کے ساتھ مخالفت پر کھڑے ہو گئے۔

۵۔ پانچویں وجہ | اسلام کا نظریہ حریت و مساوات قریش کے لیے حقیقتاً موت کا پیغام تھا۔ وہ اپنے فخر و غرور میں تمام دنیا سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے۔ اور اپنے غلاموں کو جانوروں سے زیادہ ذلیل جانتے تھے۔ غلام کی سوسائٹی میں کوئی عزت اور وقعت نہ تھی۔ لیکن اسلام آقا اور غلام کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا تھا۔ اور بزرگی کا معیار صرف نیکی اور پرہیزگاری کو قرار دیتا تھا۔ اسلام لانے کی حالت میں ان کی تمام فوقیت اور برتری ختم ہوتی تھی۔ اور غلاموں کو انہیں اپنا برابر کا بھائی سمجھنا پڑتا تھا۔ اس لیے وہ مخالفت پر اتر آئے اور کوئی دقیقہ دشمنی اور عداوت کا باقی نہ چھوڑا۔

۶۔ چھٹی وجہ | عرب کے لوگ نہایت ہی خود پسند واقع ہوئے تھے۔ اپنے نسب پر، اپنی اولاد پر اور اپنے مال پر انہیں بے حد گھمنڈ ہوتا تھا اور وہ ان تین باتوں کو اپنی بزرگی اور سرداری کا معیار جانتے تھے۔ جس قدر کوئی شخص حسب نسب کا اچھا ہوتا تھا۔ جس قدر کسی شخص کی اولاد کثرت سے زیادہ ہوتی تھی۔ جس قدر کسی شخص کے پاس مال و دولت کی افراط ہوتی تھی۔ اسی قدر وہ شخص زیادہ شریف اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ اور ایسے ہی شخص کو لوگ ہر قسم کی بزرگی و عزت اور عظمت و وقعت کا مالک جانتے تھے۔ اسی بنا پر ان کا خیال تھا کہ اگر ہماری اصلاح کے لیے خدا کو کوئی نبی ہی بھیجنا تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو نبی بناتا۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (یعنی اور کہتے ہیں کہ کیوں نہ یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ یا طائف) کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہوا؟[3] سورہ زخرف۔

---

[1] ، [2] سورہ بقرہ۔ رکوع ۲۰۔ [3] اس سے ان کافروں کی مراد مکہ کے رئیس ولید بن مغیرہ اور طائف (بقیہ اگلے صفحہ پر)

رکوع ۳) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب ونسب کے لحاظ سے بیشک نہایت شریف ونجیب تھے مگر اکیلی نسبی شرافت ان کے لیے کافی نہ تھی۔ جب تک اولاد کی کثرت اور مال کی بہتات اس شخص کے پاس نہ ہو۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت مالدار تھے۔ اور نہ ہی کثیر صاحبِ اولاد۔ ایسے آدمی کی پیغمبری کو یہ نام ونمود اور ظاہری شان وشوکت پر مٹنے والے کس طرح تسلیم کر لیتے؟ پس انھوں نے مخالفت کی اور بڑے زور سے کی۔

۷۔ ساتویں وجہ | اصحاب الفیل نے محض دشمنی اور عداوت کی رَو میں بہہ کر اور اپنی طاقت وقوت کے زعم میں کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ اور نہایت بُری طرح ہلاک اور برباد ہوئے تھے۔ اس لیے قریش کو عیسائیوں سے نہایت درجہ نفرت اور دشمنی تھی۔ اسلام بت پرستی سے لاکھوں کوس دور اور اکثر باتوں میں عیسائیت سے بہت قریب تھا یہاں تک کہ مسلمان نماز بھی اس وقت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھا کرتے تھے۔ جو عیسائیوں کا قبلہ وکعبہ تھا یہی وجہ تھی کہ عرب عیسائیت کے ساتھ اسلام سے بھی متنفر تھے

۸۔ آٹھویں وجہ | اسلام کی قریش کی طرف سے مخالفت کی آٹھویں وجہ قبائل کے آپس کے مناقشات اور خاندانی رقابت تھی۔ قریش کے دو اہم اور نمایاں قبیلے بنو ہاشم اور بنو امیہ تھے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے زبردست حریف اور مدمقابل تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو چونکہ آپ بنی ہاشم میں سے تھے۔ اس لیے بنو امیہ نے سوچا کہ اگر بنو ہاشم کو نبوت اور رسالت مل گئی اور لوگ اُن کی طرف مائل ہو گئے تو ہمارا سارا وقار اور ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ اس لیے بنو امیہ نے بڑے زور شور کے ساتھ اسلام کی مخالفت شروع کی۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبوت بنو ہاشم میں قائم ہو جائے۔ اس خیال کے پیش نظر بنو امیہ نے جس شدت اور قوت کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا۔ ایسا کسی اور قبیلے نے نہیں کیا چنانچہ بنو امیہ کے سردار ابو سفیان نے کوئی کسر اسلام کو نیست ونابود کرنے میں اٹھا نہیں رکھی۔ اس نے خود فوجیں لے کر بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیے اور عرب کے تمام قبائل کو بھی اسی نے بڑی شدت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اگر فتح مکہ کے وقت وہ اس خطرے کے ماتحت مسلمان نہ ہو جاتا کہ میں اپنی بداعمالی اور بدکرداری کے باعث ضرور مارا جاؤں گا۔ تو یقین ہے کہ وہ مرتے دم تک بھی اپنی معاندانہ کارروائیوں سے باز نہ آتا۔

بنو امیہ کے علاوہ مکہ کا دوسرا بڑا قبیلہ بنی مخزوم تھا۔ جس کو اس بات کا زعم تھا کہ ہم بنو ہاشم کے

بقیہ صفحہ ۷۰:۔ کے سردار ابو مسعود ثقفی سے تھی۔ یعنی اگر خدا کو قرآن اتارنا ہی تھا تو محمدؐ کی بجائے یہ دونوں اس منصب کے پورے اہل تھے۔

مد مقابل ہیں اور اس کو کسی بات میں اپنے سے بڑھنے نہیں دیں گے اس لیے بنو امیہ کے ساتھ بنی مخزوم نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سخت مخالفت کی۔ حضرت خالد سیف اللہ کا باپ ولید بن مغیرہ اسی قبیلے کا سردار تھا۔ جن کی اسلام دشمنی مشہور ہے۔ حضرت عکرمہ کا باپ ابوجہل اسی قبیلے کا ایک فرد تھا۔ جو مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور سب سے شدید دشمن تھا۔ اس نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے اپنی اور اپنے قبیلے بنی مخزوم کی دشمنی اور عداوت کا اظہار جن الفاظ میں کیا تھا۔ اس کی کیفیت ابن ہشام اس طرح بیان کرتا ہے۔

"ایک روز اخنس بن شریق۔ ابوجہل مخزومی کے پاس گیا اور پوچھنے لگا کہ "اے ابو الحکم! محمدؐ کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟" ابوجہل نے جواب میں اس سے کہا "ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ ایک دوسرے کے حریف اور مقابل رہے۔ انھوں نے حجاج کی مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انھوں نے مہمانوں کی خاطر مدارات کی تو ہم نے بھی کی۔ انھوں نے لوگوں کے خون بہا دیے تو ہم نے بھی دیے۔ انھوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں۔ یہاں تک کہ ہم کسی بات اور کسی معاملے میں کسی طرح ان سے کم نہ رہے۔ تو اب تو ہاشم نے یہ نیا شاخسانہ کھڑا کیا۔ اور کہنے لگے "یہ دیکھو ہم میں ایک پیغمبر ہے اور تم میں نہیں"۔ ہبل کی قسم ہم بنی ہاشم کے اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔"[۵۱]

۹۔ نویں وجہ ایک خاص وجہ قریش کی عام مخالفت کی یہ تھی کہ اس کے بڑے بڑے رئیس، امراء اور معزز ترین اور ارباب اقتدار بدترین فسق و فجور۔ عیاشیوں اور مختلف قسم کی بداخلاقیوں میں ایسی بری طرح مبتلا تھے کہ وہ برائیاں ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ بنو ہاشم کے نہایت معزز اور ممتاز رئیس ابولہب کو چوری کی ایسی بری لت تھی کہ اس کو اپنے سب سے بڑے بت کدے سے سونے کا ایک ہرن چرا کر بیچ ڈالنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ مکہ کے نامور سردار اخنس بن شریق کو لگائی بجھائی کرنے اور چغلیاں کھانے اور دو آدمیوں کو آپس میں لڑا دینے میں بڑا مزا آیا کرتا تھا۔ نضر بن حارث اوّل درجے کا جھوٹا اور کذّاب انسان تھا۔ ولید بن مغیرہ جو بنی مخزوم کا نہایت مقتدر اور صاحب اثر رئیس تھا۔ ایک دو نہیں متعدد بداخلاقیوں میں بدنام تھا۔ قرآن کریم نے اس کے افعال زشت ایک ایک کر کے گنائے ہیں۔ فرماتا ہے:۔ ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم[۵۲] (یعنی اے نبی! تم ایسے ذلیل شخص کی قطعاً پروانہ کرو جو بہت قسمیں کھانے والا۔ لوگوں کو عیب لگانے والا۔ چغلخور۔ نیک کاموں سے

---

[۵۱] سیرۃ النبی شبلی جلد اول صـ۲۰۲ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام صـ۱۰۱ مطبوعہ مصر
[۵۲] تبارک الذی ۲۹۔ سورہ ن والقلم ۶۸۔ آیت ۱۰ تا ۱۳ رکوع ۱

روکنے والا۔ نہایت بداعمال اور بدکردار۔ سخت جھگڑالو اور بڑا شریر اور متفنی انسان ہے)

چونکہ اسلام ہر قسم کی بد اخلاقی۔ ہر طرح کی بداعمالی اور ہر ظاہری اور ہر پوشیدہ بے حیائی کی باتوں کو سختی سے روکتا تھا۔ اور مسلمان ہو جانے کے بعد ان معاصی سے توبہ کرنی پڑتی تھی جن میں اکابر قریش اور ان کے عوام دن رات مبتلا رہتے تھے۔ لہٰذا اسلام قبول کرنے میں ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ اس لیے اپنی عیاشیوں اور بداعمالیوں کو برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے اس خدائی پیغام کی نہایت سختی سے مخالفت کی۔ اور نہ چاہا کہ دنیا اس فسق و فجور سے نجات پائے اور نیکی اور بھلائی کی طرف متوجہ ہو۔

۱۰۔ دسویں وجہ | بُری عادتوں اور بُرے اخلاق کے علاوہ اُن لوگوں میں نامعقول توہمات اور عجیب و غریب بیہودہ رسومات کی اتنی زیادہ کثرت تھی جس کی انتہا نہیں۔ اور وہ ان رسوم اور ان توہمات میں بہت ہی بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ ان فضولیات میں صدیوں سے مبتلا رہنے کے بعد وہ ان کے اس قدر عادی بن چکے تھے کہ کسی قیمت پر بھی ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے اور بلا مبالغہ وہ ان کی زندگی کا جزو بن چکی تھی۔ مگر اسلام ایسی لایعنی باتوں سے روکتا تھا۔ اس لیے انھوں نے پورے زور سے اس کی مخالفت کی۔

فصل ششم

حضور علیہ السلام کے خلاف قریش باقاعدہ محاذ قائم کرتے ہیں

۱۔ قریش آپؐ کو قتل کیوں نہ کر سکے؟ | ان وجوہ کی موجودگی میں (جو گزشتہ فصل میں بیان ہوئیں) قریش جیسی جنگجو قوم کے لیے نہایت آسان تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کو شہید کر کے اپنی طرف سے اس قصے کا خاتمہ کر دیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کو بلا تامل قتل کر ڈالتے تھے ذرا ذرا سی بات پر ان کی تلواریں میانوں سے نکل آتی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے قبیلوں کا صفایا ہو جاتا تھا۔ بے حقیقت اور بے بنیاد معاملوں پر ان میں قتل و غارت کا بازار شدت سے گرم ہو جاتا تھا۔ اور پچاس پچاس برس تک وہ محض اس لیے لڑتے رہتے تھے کہ ایک شخص کا اونٹ دوسرے کی زمین میں کیوں چلا گیا؟ ایسے خونخوار بھیڑیوں کے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینا کونسا بڑا کام تھا؟ لیکن کیا مجبوریاں ان کی راہ میں حائل ہو گئیں جس کے باعث وہ اپنے ارادہ کو عمل میں نہ لا سکے ان کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ پہلی مجبوری | ایام جاہلیت میں مسلسل خانہ جنگیوں اور ایک قبیلے کے دوسرے قبیلے پر حملہ آور

ہونے کے باعث قریش کی حربی طاقت بہت حد تک کمزور ہو گئی تھی۔ اور اسی کمزوری کا نتیجہ تھا کہ وہ اب اپنے آپ کو کسی جدید مشکل میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔

(۲) دوسری مجبوری | جنگ فجار ابھی قریب زمانہ میں ہو چکی تھی۔ جس میں شمولیت کے باعث قریش کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ اور کسی نئی جنگ کا آغاز کرنے کی ان میں فی الحال بالکل سکت باقی نہ رہی تھی کسی جدید جنگ کے شروع ہو جانے کی صورت میں قریش کو صاف نظر آ رہا تھا کہ مکمل تباہی کا عفریت ان کو نگل جانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ جس کے بعد ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

(۳) تیسری مجبوری | قریش کو یہ بات صاف نظر آ رہی تھی کہ اگر ہم نے محمدؐ پر قاتلانہ حملہ کیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ فوراً ہی سخت فساد سارے ملک میں برپا ہو جائے گا۔ جس میں گناہ گار اور بے گناہ سب مارے جائیں گے۔

(۴) چوتھی مجبوری | ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کر دینے میں یہ خطرہ بھی یقینی نظر آ رہا تھا کہ اگر بنی ہاشم انتقام لینے کے لیے آمادہ جنگ ہو گئے تو پھر یہ سلسلہ چلتا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ کچھ قبیلے بنو ہاشم کے ساتھ ہو جائیں گے اور کچھ اس کے مخالف رہیں گے۔ اور دونوں فریق میں خانہ جنگی کا ایسا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔

(۵) پانچویں مجبوری | قریش کے لوگ آپس میں اکثر سخت دشمنیاں رکھتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے برابر برسرِ جنگ رہتا تھا۔ ایک ہی قبیلے کے افراد میں بھی باہم اتفاق نہ تھا اور برابر لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ لیکن اس نفرت و عداوت کے باوجود اگر کسی قبیلے کے کسی شخص کو کوئی دوسرا قبیلہ کسی وجہ سے بلاوجہ مار ڈالتا تھا۔ تو پھر مرنے والے کی حمایت اور اعانت میں قتل کا بدلہ لینے کے لیے لوگ ہتھیار پہن کر میدان میں نکل آتے تھے اور سارا قبیلہ آپس کے مناقشات کو یک دم چھوڑ کر اپنے آدمی کا بدلہ لینے کے لیے فوراً منظم اور متحد ہو جاتا تھا۔ اور کوئی شخص بھی یہ خیال نہ کرتا کہ مقتول سے میری مخالفت اور دشمنی تھی۔ میں کیوں قصاص لینے میں اس کے قبیلے کی حمایت کروں۔ یہی صورت بنو ہاشم کے ساتھ تھی۔ اگرچہ قریباً تمام بنی ہاشم مذہبی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے اور اسلام نہیں لائے تھے لیکن اس کے باوجود اگر حضور علیہ السلام پر کوئی شخص ہاتھ ڈالتا تو تمام بنی ہاشم اس کی جان کے دشمن بن جاتے اور اس وقت تک اسے نہ چھوڑتے جب تک پکڑ کر ذبح نہ کر ڈالتے۔

(۶) چھٹی مجبوری | ایک بڑی مشکل اس راہ میں قریش کے لیے یہ آ پڑی کہ مکہ میں آباد ہر قبیلے میں سے دو دو تین تین یا پانچ پانچ چھ چھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے۔ قریش نے سوچا کہ اگر ہم نے ایسا ارادہ کیا تو اس کا

فوری اور لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمان ہو جانے والے اشخاص باہم متحد اور منظم ہو کر ہم پر حملہ کر دیں گے۔ اور ہر ایک کے ساتھ ہر ایک کے قبیلے والے بھی ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اکیلے بنی امیہ یا اکیلے بنی مخزوم میں مکہ کے تمام مختلف قبائل سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ اور لڑائی کی صورت میں ان کی تباہی اور بربادی بالکل یقینی تھی۔ اس لیے قریش مکہ خون کے اس سمندر میں کودنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

(۷) ساتویں مجبوری | انھوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر ہم نے محمدؐ کو قتل بھی کر دیا۔ تب بھی اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مکہ کے ہر قبیلے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ جب تک ایسے تمام لوگ نہ مارے جائیں اس وقت تک یہ قصہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ممکن ہو سکے تو پھر بھی کامیابی کی توقع نہیں۔ بلکہ الٹا نقصان ہونے کا یقینی خطرہ ہے۔ کیونکہ جس قبیلے کے کسی شخص کو قتل کیا جائے گا اس کا قصاص لینے کے لیے اس کا قبیلہ فوراً اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح خانہ جنگی کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جو سارے مکہ کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔

یہ مجبوریاں اور معذوریاں تھیں جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور مخالفوں کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کر کے بنو ہاشم اور ان کے حلیف قبائل کو اپنے خلاف بھڑکا دیں اور ایک جذبہ ہولناک جنگ کا آغاز کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کسی صورت سے برداشت نہ کر سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نہایت آزادی کے ساتھ کھلے بندوں ان کے معبودوں کی برائیاں اور اپنے خدا کی خوبیاں بیان کرتے پھریں اور کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو۔ صدیوں سے بت پرستی کی غلاظت میں ملوث رہنے کی وجہ سے ہزار سوچنے کے باوجود ان کے دماغ میں یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ سینکڑوں جانے بوجھے خداؤں کی موجودگی میں وہ آخر صرف ایک بن دیکھے خدا پر کس طرح اور کیوں ایمان لے آئیں؟

۲۔ مخالفت نہایت تنظیمی طور پر شروع کی گئی | قریش نے اپنے معبودوں کی حمایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت یونہی بغیر سوچے سمجھے شروع نہیں کر دی۔ بلکہ نہایت غور و فکر کے بعد اس کام کے لیے ایک باقاعدہ سکیم بنائی گئی۔ جس میں نہایت احتیاط کے ساتھ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جدال و قتال اور قتل و خون ریزی سے بچتے ہوئے ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن پر عمل کرنے سے محمدؐ کی تمام تبلیغی کوششیں بیکار اور بے اثر ہو جائیں۔ اور یہ تحریکِ جدید پروان چڑھنے سے پہلے قعرِ گمنامی میں چھپ جائے۔

۳۔ اس تنظیمی مخالفت کی تفصیلات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغی مساعی کے مقابلے میں انھیں ختم کرنے

کے لیے قریش نے جو سکیم بنائی اس کی بنیادی دفعات تین تھیں۔

(۱) نرمی و ملاطفت۔ یعنی شروع میں خوشامد درآمد۔ پیار و محبت اور لالچ و طمع سے کام لے کر محمدؐ کو ان کے تبلیغی فرائض سے روکا جائے۔

(۲) تکلیف و اذیت۔ یعنی اگر اس طرح کام نہ چلے اور محمدؐ اپنے اشاعتی کام سے باز نہ آئیں تو پھر ان کو ذاتی طور پر دق اور پریشان کیا جائے۔ ان کو تکلیف اور اذیت پہنچائی جائے ان کو بدنام اور رسوا کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ خائف ہو کر اپنی عزت و وقار کی خاطر اس مشغلے سے دست بردار ہو جائیں۔

(۳) سختی و تشدد۔ یعنی محمدؐ کے ساتھیوں۔ پیروؤں اور ماننے والوں کو ہر قسم کی تکلیفیں دی جائیں ان سے نہایت سختی اور تشدد کے ساتھ پیش آیا جائے۔ انھیں قید و بند کی سزا دی جائے اور جن پر قابو چل جائے ان کو ایسے مظالم کا نشانہ بنایا جائے کہ دوسروں کو دیکھ کر عبرت ہو۔ اور کوئی نیا شخص ان اذیتوں اور تکلیفوں کے پیش نظر اس نئے دین میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرے۔ بلکہ جو لوگ داخل ہو گئے ہیں وہ بھی ان تکالیف سے بچنے کے لیے اس دین کو چھوڑ دیں۔

۴۔ معاندانہ سکیم کی دفعہ ا کے دو حصے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں آپ کے کام کو روکنے کے لیے قریش نے جو سکیم بنائی۔ اس کی پہلی دفعہ کو انھوں نے کام کو زیادہ عمدگی سے کرنے کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا۔

(۱) پہلا حصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور سرپرست حضرت ابوطالب کے ذریعے آپ پر زور ڈالا جائے کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے باز آجائیں۔

(۲) دوسرا حصہ یہ تھا کہ اگر پہلی تدبیر سے کام نہ چلے تو پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست گفتگو کر کے جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو سکے اس قصے کو ختم کرایا جائے۔

۵۔ حضرت ابوطالب سے قریش کی توقعات

قریش کو ابتدا میں یقین تھا کہ سکیم کے پہلے حصے پر عمل کرنے سے نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہو گا۔ اور دوسرے حصے پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے انتہائی محبت و الفت کے ساتھ پرورش کیا ہے۔ اور اپنی اولاد سے زیادہ ان پر شفیق اور مہربان رہے ہیں۔ محمدؐ چچا کے اس احسان کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ جب ہم ابوطالب سے محمدؐ کو سمجھانے کے لیے کہیں گے تو محمدؐ چچا کے کہنے کو کبھی

نہیں ٹالیں گے اور ضرور اس نئے دین کی تبلیغ سے باز آجائیں گے۔ قریش کے اس خیال کو جامع ازہر کا نامور پروفیسر عبدالمتعال الصعیدی اپنی کتاب السیاسۃ الاسلامیہ فی عہد النبوۃ میں اس طرح ظاہر کرتا ہے :۔

"چونکہ قریش کو ابوطالب کی بزرگی۔ شرافت اور سیادت کا بڑا لحاظ تھا۔ اس لیے قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں شدت اختیار نہ کی۔ اور یہ خیال کیا کہ ہم ابوطالب پر زور ڈال کر اُن کے بھتیجے کو اس نئے دین کی اشاعت اور تبلیغ سے باز رکھ سکیں گے"

۱۔ آنحضرتؐ کی تبلیغی کوششوں کے خلاف قریش کے وفد ابوطالب کی خدمت میں

۱۔ پہلا وفد ان توقعات کے پیش نظر قریش نے اس اہم کام کی ابتدا اس طرح کی کہ مکہ کے لائق۔ قابل اور سربرآوردہ اشخاص کا ایک وفد مرتب کیا اس وفد کے بعض اراکین کے نام ابن ہشام نے یہ لکھے ہیں :۔

(۱) عتبہ بن ربیعہ (۲) شیبہ بن ربیعہ (۳) ابوسفیان بن حرب (۴) ابوالبختری عاص بن ہشام (۵) اسود بن مطلب (۶) ابوالحکم عمرو بن ہشام (ابوجہل)، (۷) ولید بن مغیرہ (۸) نبیہ بن حجاج (۹) منبہ بن حجاج۔ (۱۰) عاص بن وائل۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے۔ ابن ہشام اس وفد کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے :۔

"یہ سب لوگ جمع ہوکر ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا" اے ابوطالب! ہم سب آپ کے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ آپ کے بھتیجے محمدؐ نے آج کل شہر میں جو طوفان مچا رکھا ہے۔ اس سے آپ یقیناً بے خبر نہیں ہوں گے۔ وہ ہمارے معبودوں کو برابر اور علی الاعلان بُرا کہتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور بیوقوف بتاتا ہے۔ اس کے سب و شتم سے ہم لوگ نہایت دق اور پریشان ہوچکے ہیں اور مجبور ہوکر آپ کے پاس آئے ہیں کہ مہربانی فرماکر اسے ان حرکات سے روک دیں۔ اور اس کو منع کردیں کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہا کرے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ اور جاہل اور بیوقوف نہ بتایا کرے۔ اگر آپ اس کو منع نہیں کرتے یا نہیں کرنا چاہتے تو پھر اس کی حمایت سے الگ ہوجائیں۔ ہم اس سے خود سمجھ لیں گے۔ امید ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔ اور ہمارے اور اس کے درمیان دخل نہیں دیں گے۔ ہم آپ سے یہی کہنے کے لیے آئے ہیں۔

ابوطالب نے وفد سے یہ تقریر سن کر ان لوگوں سے بہت ہی تہذیب و شائستگی خلق و مروت

اور نرمی و شفقت سے گفتگو کی اور ان سے بڑی محبت و الفت کے ساتھ پیش آئے۔ اُن کی خوب خاطر تواضع کی اور پھر ان کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔[۱]

وفد کے تمام اراکین ابوطالب کے حسن سلوک سے نہایت متاثر ہوئے اور اس یقین کے ساتھ واپس آ گئے کہ وہ اپنے بھتیجے کو تبلیغ اسلام سے فوراً حکماً روک دیں گے۔

۲۔ قریش آنحضورؐ سے تعلقات منقطع کرتے ہیں حضرت ابوطالب کے پاس سے واپس آنے کے بعد کچھ دن تو قریش نے اپنی کوشش کا نتیجہ معلوم کرنے میں گذارے۔ لیکن جب دیکھا کہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بدستور حق کی اشاعت کرنے اور بتوں کی بُرائی کرنے میں مصروف ہیں۔ تو اُن کو اپنی تدبیر کی ناکامی پر بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے تمام تعلقات منقطع کر لیے۔ اور آپ سے قطعی علیحدگی اختیار کر لی۔ وہ آپ کے دشمن بن گئے اور اپنی محفلوں میں آپ کا ذکر بہت حقارت اور ذلت سے کرنے لگے۔ آپ کی مخالفت اور دشمنی کے لیے انھوں نے آپس میں معاہدے کیے اور ایک دوسرے کو آپ کی عداوت پر برانگیختہ کیا۔[۲] مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے مقابلے میں نہ کوئی جوابی تدبیر اختیار کی نہ ان سے ان کی معاندانہ کارروائیوں کی کوئی شکایت کی اور خاموشی مگر نہایت درجہ مستقل مزاجی کے ساتھ بدستور تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کے کام میں مصروف رہے۔

۳۔ قریش کا دوسرا وفد اس کارروائی کے بعد بھی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان لوگوں کی پروانہ کی تو مجبور ہو کر انھوں نے ایک اور وفد حضرت ابوطالب کی خدمت میں جانے کے لیے مرتب کیا۔ اس وفد کی کیفیت طبری کی زبان سے سنیے۔ وہ کہتا ہے " پھر دوسری مرتبہ قریش اپنے چند معززین کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا۔

" آپ ہماری قوم کے نہایت شریف اور عمر رسیدہ بزرگ ہیں اور ہمارے دلوں میں آپ کے لیے عزت اور تکریم کے جذبات موجزن ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تبلیغ سے منع کر دیں۔ جس میں سوائے فساد کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ مگر آپ نے اُسے منع نہ کیا اور وہ آپ کی شہ پر ہمارے معبودوں کو گالیاں دے رہا ہے۔ وہ ہمیں ناپاک۔ پلید۔ شرالبریہ۔ سفہا اور ذریت شیطان وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے۔ ہمارے قابل تعظیم بتوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ ہمارے بزرگوں کو لاعقل اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے۔ اس لیے اب ہم بالکل صبر نہیں کر سکتے۔ یا تو آپ اسے منع کیجیے۔ یا پھر اس کی حمایت سے دست بردار ہو جائیے۔ ورنہ ہم آپ سے کہے دیتے ہیں کہ ہم آپ کا اور آپ کے حمایتیوں کا نہایت

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ
[۲] تاریخ طبری جلد اوّل حصہ سوم صفحہ

شدت کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے۔" یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے آئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور ان سے کہا "اے میرے پیارے بھتیجے! تمھاری قوم نے میرے پاس آکر تمھاری شکایت کا دفتر کھولا۔ تمھاری اشتعال انگیز باتوں کی وجہ سے قوم تمھاری دشمن ہو گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس غصے میں وہ لوگ تمھیں جان سے مار ڈالیں اور ساتھ ہی مجھے بھی۔"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "چچا جان! اگر اس راہ میں مجھے مرنا بھی پڑے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ اپنے لیے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی خدا کی راہ میں وقف ہے۔ اور موت سے ڈر کر تبلیغ حق سے رک نہیں سکتا۔ اے چچا! اگر آپ کو اپنی تکلیف کا خیال ہے تو بیشک آپ مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر میں تبلیغ حق سے کبھی بھی باز نہیں آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدائی احکام لوگوں تک پورے پہنچا دوں۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے فرض کی ادائیگی سے نہیں رکوں گا۔ میں اپنے کام میں برابر اور مسلسل لگا رہوں گا۔ حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ اسے پورا کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر فرما رہے تھے اور آپ کے چہرۂ پاک پر سچائی اور نور ابنت سے بھری ہوئی رقت نمایاں تھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تقریر ختم فرما چکے تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ ابوطالب کے جواب کا انتظار نہ کیا۔

حضرت ابوطالب بھتیجے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تاب نہ لا سکے فوراً آپ کو آواز دی۔ جس پر آپ واپس تشریف لے آئے جب آپ لوٹے تو آپ نے دیکھا کہ ابوطالب کے آنسو جاری تھے۔ وہ بڑی رقت کی آواز میں آپ سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے "بھتیجے! جاؤ اور بے فکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہو۔ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک مجھ میں طاقت ہے۔ کوئی شخص تیری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ میں ہر موقع پر تیرا ساتھ دوں گا اور ان سب لوگوں سے سمجھ لوں گا۔"

۴۔ تیسرا وفد (ایک مضحکہ خیز پیشکش) قریش کے دوسرے وفد کو بھی حضرت ابوطالب کے پاس جانے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ حضرت ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور حمایت سے

تاریخ طبری جلد اول   سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۸۹

حصہ سوم صفحہ ؛ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۶-۱۰۷

دست کش ہوئے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق سے باز آئے۔ اس پر بعض منچلے دماغوں کو باہمی فیصلے کی ایک اڑی ہی عجیب و غریب تدبیر سوجھی۔ عمارہ بن ولید بن مغیرہ مکہ میں ایک بہت ہی خوبصورت حسین تندرست چابک و چوبند اور نہایت بہادر نوجوان تھا۔ عمائدین قریش اس کے باپ کے پاس پہنچے۔ اور اس سے کچھ باہمی سمجھوتہ کر کے اسے اپنے ہمراہ لے کر حضرت ابوطالب کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے "محمد کی سرگرمیوں کے متعلق ہم نے دو مرتبہ نہایت منت اور عاجزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں گذارش کی مگر اے محترم سردار! آپ نے ذرا بھی ہمارے جذبات کا پاس نہ کیا آپ نے اپنے بھتیجے کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ دن رات ہمارے معبودوں کی توہین اور ہمارے بزرگوں کی تذلیل کرتا رہتا ہے۔ نہایت تنگ آ کر ہم نے ایک نہایت معقول تجویز اس مصیبت سے نجات پانے کی سوچی ہے۔ بشرطیکہ آپ اسے منظور فرمائیں۔ وہ تجویز یہ ہے کہ ہم قریش کے حسین ترین اور نہایت لائق نوجوان عمارہ بن ولید کو ہمراہ لائے ہیں۔ اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو آپ محمد کی بجائے اپنا بیٹا بنا لیں۔ یہ نہایت سعادت مندی کے ساتھ آپ کی تابعداری کرے گا۔ اور ہر بات اور ہر معاملے میں آپ کا کہنا مانے گا۔ یہ حسین و جمیل ہونے کے ساتھ عقیل و فہیم بھی ہے۔ بہادر اور شجاع بھی ہے۔ طاقتور اور مضبوط بھی ہے۔ اس کی لیاقت اور قابلیت سے آپ بہت خوش ہوں گے۔ اور اس کی ذات سے آپ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ اسے آپ اپنے پاس رکھیں اور محمد کو ہمارے حوالے کر دیں۔ فرمایئے آپ کی کیا رائے ہے؟

اس پر حضرت ابوطالب نے فرمایا "یہ منصفانہ نہیں بلکہ نہایت ظالمانہ تجویز ہے جو آپ صاحبان نے میرے سامنے پیش کی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو تمہارے بیٹے کو لے کر پرورش کروں۔ اسے کھلاؤں اسے پہناؤں اور تم میرے بیٹے کو لے کر قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوگا کہ میں اپنے بیٹے کو تمہارے حوالے کر دوں"[۱]

اس پر مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ "ابوطالب قوم نے آپ کے سامنے جو بات پیش کی ہے وہ نہایت انصاف پر مبنی ہے۔ اگر آپ اسے نہیں مانتے تو یہ آپ کی ہٹ دھرمی ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو خواہ کتنا ہی سمجھائیں مگر اپنے بھتیجے کی محبت آپ پر ایسی غالب ہے کہ آپ مانیں گے نہیں۔

مطعم کی یہ بات سن کر حضرت ابوطالب کو بڑا غصہ آیا اور انھوں نے فرمایا "قوم نے تو یہ بات انصاف کی نہیں کہی۔ مگر مجھے تیرا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو مجھے چھوڑنا چاہتا ہے اور میری مخالفت میں قوم کا ساتھ دیتا ہے اور تو ہی قوم کو مجھ پر چڑھا کر لایا ہے جا، جو کچھ چاہے کر۔

اس پر بہت تلخ گفتگو ہوئی اور نوبت سب و شتم تک پہنچی[۱]

---

[۱] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص۔ نیز تاریخ طبری جلد اوّل حصہ سوم ص

۵۔ چوتھا وفد (ایک نرالی تجویز) تین بار حضرت ابوطالب کے پاس آنے اور ناکام ہونے کے بعد بھی قریش نے ہمت نہیں ہاری۔ اور ایک آخری کوشش کے طور پر ایک نئی اور نرالی تجویز لے کر انھوں نے حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ چنانچہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) عاص بن وائل۔ اسود بن المطلب۔ اسود بن عبد یغوث اور دیگر مشائخ قوم ایک جگہ جمع ہوئے اور باہم صلاح مشورہ کے بعد انھوں نے طے کیا کہ ابوطالب کے پاس چل کر ان سے گفتگو کریں اور اس قضیے کے متعلق جو کچھ اس مجلس میں فیصلہ ہوا ہے اس سے ابوطالب کو مطلع کر دیں۔ اگر وہ ہماری تجویز سے متفق ہوں تو اپنے بھتیجے کو ہدایت کر دیں کہ وہ آئندہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے۔ تاکہ قصہ زیادہ نہ بڑھے اور معاملہ یہیں ختم ہو جائے۔ کیونکہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ یہ شیخ مر جائے اور ہمارے ہاتھوں اس کے بھتیجے کو ضرر پہنچے۔ اُس وقت عرب ہم پر طعن کریں گے کہ چچا کی زندگی میں تو وہ اُسے کچھ نہ کہہ سکے اور اس کے مرتے ہی اسے دبوچ لیا۔

چنانچہ ان تمام معززین قریش نے ایک شخص مطلب نامی کو حضرت ابوطالب کے پاس بھیجا۔ اس نے ان سے جا کر عرض کی کہ قریش کے عمائد اور اکابر آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ تاکہ محمدؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق آپ سے کوئی آخری فیصلہ کریں۔ آپ انھیں حاضری کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

حضرت ابوطالب کی اجازت کے بعد یہ تمام اکابر قریش ان کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے۔

"اے ہمارے بزرگ اور محترم سردار! ہمارے دل میں آپ کی بڑی عزت اور بڑا احترام ہے ہم آج چوتھی مرتبہ اس استدعا کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کے مقابلے میں ہمارے ساتھ انصاف کیجیے۔ بہت سوچنے کے بعد مصالحت کی ایک اور عمدہ تدبیر ہماری سمجھ میں آئی ہے۔ اگر آپ نے اور آپ کے بھتیجے نے اس معقول تجویز کو مان لیا تو یہ خانہ جنگی بالکل رک جائے گی اور لوگ اطمینان کا سانس لے سکیں گے۔ مصالحت کی وہ تجویز یہ ہے کہ نہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا کہے۔ نہ ہم اس کے اکیلے خدا سے کوئی تعرض کریں۔ وہ اپنے خدا کی پرستش کرے۔ ہم اپنے معبودوں کی عبادت کریں۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ یہ کتنی عمدہ تدبیر جھگڑے اور قضیے کو روکنے اور ختم کرنے کی ہے۔ فرمایئے آپ کا کیا خیال ہے؟"

اکابر قریش کی یہ تجویز سن کر حضرت ابوطالب نے کہا "آپ صاحبان تشریف رکھیے میں ابھی محمدؐ کو بلاتا ہوں۔ اور اس سے اس کے متعلق دریافت کرتا ہوں۔"

حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی بھیج کر بلوایا۔ جب حضور علیہ السلام

تشریف لائے تو حضرت ابوطالب نے ان سے کہا "اے میرے بھتیجے! یہ تمھاری قوم کے عمائد اور بزرگ اور سردار ہیں۔ اور یہاں میرے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ تم سے تمھاری تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق ایک فیصلہ کن گفتگو کریں۔ یہ کہتے ہیں کہ باہمی تصفیہ کی آسان شکل یہ ہے کہ نہ تم ان کے معبودوں کو برا کہو۔ نہ یہ تمھارے خدا سے تعرض کریں۔ اطمینان کے ساتھ یہ اپنے خداؤں کی پرستش کرتے رہیں اور بے فکری کے ساتھ تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو۔ اسی طرح معاملہ چلتا رہے۔ اور کوئی فریق دوسرے کے مذہبی معاملات اور معتقدات میں دخل نہ دے۔"

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوطالب سے کہا "چچا! کیا میں ان لوگوں کو ایسی بات کی طرف نہ بلاؤں جو ان کی اصنام پرستی سے لاکھ درجہ بہتر ہے؟ اور جس کے اختیار کرنے سے وہ نہایت فائدے میں رہیں گے؟"

حضرت ابوطالب نے کہا "بھتیجے! بتاؤ۔ وہ کیا بات ہے جس کی تلقین تم قوم کو کرنا چاہتے ہو؟ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا "چچا! اگر وہ میری ایک بات مان لیں تو میں ان سے اس امر کا وعدہ کرتا ہوں کہ تمام عرب اور عجم پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور وہ تمام دنیا کے بلا شرکت غیرے مالک بن جائیں گے اور کوئی آدمی بھی ان کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکے گا۔"

اس پر ابوجہل نے بڑی مستعدی سے یہ بات کہی "محمدؐ! تم نے تو آج یہ بڑی عجیب بات کہی۔ اس سلسلے میں جو تجویز تمھارے ذہن میں ہے۔ وہ ضرور ہم سے بیان کرو۔ ہم دل و جان سے اس پر بلکہ اس جیسی دس باتوں پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ تمھیں اپنے مرحوم باپ کی قسم بتاؤ وہ ایسی کیا بات ہے جس سے عرب اور عجم ہمارے قبضے میں آسکتے ہیں؟"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابوجہل کے جواب میں عجیب شان کے ساتھ ارشاد فرمایا "وہ بات صرف یہ ہے کہ تم سب لا الٰہ الا اللہ کے صدق دل سے قائل ہو جاؤ۔ زبان سے اس کا اقرار کرو اور قلب کی سچائی کے ساتھ اسے قبول کرو۔ اس کا نتیجہ تم خود دیکھ لو گے۔"

یا تو وہ لوگ نہایت اشتیاق کے ساتھ حضور علیہ السلام سے ایسی بات سننے کے منتظر تھے جو آن واحد میں انھیں عرب اور عجم کا مالک بنا دے اور یا حضور سے یہ فقرہ سنتے ہی ان کے منہ لٹک گئے اور ان کی گردنیں جھک گئیں۔ اور وہ کہنے لگے "نہیں یہ تو ہم نہیں مان سکتے۔ اس کے علاوہ جو کچھ کہو مان لیں گے۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا "اگر تم سورج کو میرے ہاتھ پر لاکر رکھ دو تب بھی میں اس کے سوا دوسری

بات نہیں کہہ سکتا۔ اسی بات کے قبول کرنے میں تمہاری دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ ورنہ تباہ اور ہلاک ہو جاؤگے اور تم سے خدا تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہی تمہیں میری پہلی اور آخری نصیحت ہے۔"

اس پر سب لوگ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت غصے کے ساتھ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ہم تو اس غرض سے آئے تھے کہ تجھ سے نہایت نرم اور منصفانہ شرائط پر باعزت سمجھوتہ کریں۔ تاکہ آئندہ کے لیے شہر میں امن کی فضا پیدا ہو جائے۔ مگر تو نہایت ناانصافی کے ساتھ اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ اچھا آج سے ہم بھی تجھے اور تیرے اس خدا کو جس نے تجھے ایسا حکم دیا ہے ضرور گالیاں دیا کریں گے۔" یہ کہنے والا ابوجہل یا عقبہ بن ابی معیط تھا۔[۳]

ب۔ قریش کے وفد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

جب قریش نے بار بار حضرت ابوطالب کی خدمت میں باریاب ہو کر خوب اچھی طرح دیکھ لیا کہ وہ نہ محمدؐ کو ان کی تبلیغی کوششوں سے روکیں گے۔ نہ اپنے بھتیجے کی حمایت سے باز آئیں گے اور نہ ان کو ہمارے حوالے کریں گے تو نہایت مجبور ہو کر انھوں نے اپنی مخالفانہ سکیم کی دفعہ ۲ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا یعنی براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو ہر ممکن طریقے پر تبلیغ حق اور اشاعت دین سے روکنے کی باقاعدہ کوششیں کیں۔ چنانچہ:۔

ا۔ پہلا وفد اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جباران قریش کا جو سب سے پہلا وفد آیا۔ اس کی کیفیت سعید بن ضیا مولیٰ ابی البختری سے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں۔ ابن ابی حاتم نے اپنی مسند میں اور ابن الانباری نے مصاحف میں اس طرح لکھی ہے:۔

"قریش کے بڑے بڑے سردار اور رئیس جن میں ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف وغیرہ سب سے پیش پیش تھے۔ ایک جگہ جمع ہوئے اور انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ ایسی کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ محمدؐ اپنے دین کی تبلیغ اور اپنے مذہب کی اشاعت سے باز آ جائیں۔ اور یہ روز روز کے جھگڑے ختم ہوں۔ آخر کچھ سرگوشیوں کے بعد وہ ایک تجویز پر متفق ہو گئے۔ اور سب مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہنے لگے:۔

"محمدؐ! ہم آج آپ کے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ آپ نے اپنی تبلیغ سے جو تفرقہ ساری قوم میں ڈال دیا ہے اس کا کچھ نہ کچھ ازالہ کیا جائے اور نہایت نرم اور قابلِ قبول شرائط پر آپ سے معقول اور باعزت

---

[۱] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۸ [۲] طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۵

سمجھوتہ کرلیا جائے۔ ایسا سمجھوتہ جس پر عمل کرنے میں نہ آپ کا کوئی نقصان ہو نہ ہمارا۔ آپ بھی خوش رہیں اور ہم بھی اس باہمی سمجھوتے کے لیے بہت غور و فکر اور صلاح و مشورے کے بعد جو تجویز ہم نے سوچی ہے۔ اگر آپ مصالحت کے لیے تیار ہوں تو وہ ہم آپ کے سامنے پیش کریں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہاں بتایئے مصالحت کی کیا تجویز آپ صاحبان نے سوچی ہے؟"

سرداران قریش نے جواب دیا "ہم نے اس تجویز میں دونوں فریق کا فائدہ مدنظر رکھا ہے۔ امید ہے آپ اس میں ہم سے متفق ہوں گے۔ تاکہ روز روز کی لڑائی جھگڑا اور جنگ و جدل کا خاتمہ ہو۔ وہ تجویز ہم نے یہ سوچی ہے کہ اگر آپ تیار ہوں تو ہم بڑی خوشی سے آپ کے اکیلے خدا کی پرستش کر لیا کریں۔ اور ہمیں ایسا کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس کے بدلے میں آپ بھی ہمارے خداؤں لات و عزیٰ اور ہبل و منات وغیرہ کی پوجا کر لیا کریں۔ نہ آپ ہمارے خداؤں کی ہتک کریں نہ ہم آپ کے خدا کی توہین کریں۔ اس طرح کرنے سے دین کے معاملے میں ہم ایک دوسرے کے شریک اور معاون بن جائیں گے۔ آپ کی تبلیغ سے تمام مکہ میں جو جھگڑے، فساد برپا ہو رہے ہیں سب یک قلم بند ہو جائیں گے۔

اس طرح کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر وہ قدیم عقیدے جس پر ہم ہیں آپ کے عقیدے سے اچھا ہوا تو آپ ہمارے عقیدے کو اختیار کر کے اس کے ثواب میں حصہ دار بن جائیں گے۔ لیکن اگر آپ کا پیش کردہ جدید عقیدہ ہمارے عقیدہ سے اچھا ہوا تو ہم آپ کے عقیدہ پر عمل کر کے اس کے ثواب میں حصہ دار بن جائیں گے پس جلدی بتلایئے کہ کیا مفاہمت کی یہ شکل آپ کو منظور ہے"۔

ظاہر ہے کہ کفار کی یہ تجویز نہایت مضحکہ خیز تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بتوں کی بیخ کنی کرنے اور توحید کو قائم کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے اور دن رات اپنے مقدس عقیدے کی اشاعت اور تبلیغ میں نہایت انہماک کے ساتھ مشغول تھے وہ کس طرح خدائے واحد کو چھوڑ کر بتوں اور پتھروں کو پوج سکتے تھے۔ لہٰذا قریش کی اس پیشکش کا جواب خدائے تعالیٰ نے یہ دیا۔

قل یاأیھا الکافرون ۝ لا أعبد ما تعبدون ۝ ولا انتم عابدون ما اعبد ۝ ولا انا عابد ما عبدتم ۝ ولا انتم عابدون ما اعبد ۝ لکم دینکم ولی دین[1]

(یعنی اے محمدؐ تم انھیں یہ جواب دو کہ اے کافرو! نہ تو میں ان اصنام کی پرستش کرنے کے لیے تیار ہوں جن کو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم سے امید ہے کہ تم اس خدا کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ اس وقت ہی نہیں بلکہ

---

[1] سورۃ الکافرون ۱۰۹ پارہ ۳۰

آئندہ بھی نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور تم سے بھی اس کی امید نہیں کہ تم اس ذات واحد کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ اچھا جاؤ۔ میرا دین مجھے مبارک رہے اور تمہارا مذہب تمہیں مبارک رہے)

۲۔ قریش کا ایک معزز نمائندہ آنحضرتؐ کی خدمت میں اس ناکامی کے تھوڑے دن بعد پھر قریش صحن کعبہ میں جمع ہوئے اور باہم صلاح مشورہ کرنے لگے کہ اور کونسی ایسی تدبیر کی جائے کہ محمدؐ کی تبلیغ سے ہمارا پیچھا چھوٹے۔ سوچتے سوچتے آخر انھوں نے یہ سوچا کہ اس مرتبہ محمدؐ کی خدمت میں وفد بھیجنے کی بجائے کسی بہت قابل اور لائق شخص کو تمام قوم کا نمائندہ بنا کر بھیجا جائے جو اپنی طلاقت لسانی اور زور بیان سے محمدؐ کو شیشے میں اتار لے۔ اور ہمارا کام بن جائے۔

اب سوال یہ تھا کہ کس شخص کو محمدؐ کی خدمت میں بھیجا جائے؟ حاضرین میں اس وقت سب سے زیادہ باأثر، پُررعب۔ امیر کبیر بنو عبدالشمس کا رئیس ابوالولید عتبہ بن ربیعہ تھا جو ان صفات کے علاوہ بڑا فصیح و بلیغ اور اعلیٰ درجے کا خطیب بھی تھا۔ پس لوگوں نے اس سے کہا کہ اے ابوالولید! آج تمہاری فصاحت و بلاغت۔ عقل و فرزانگی اور زور بیانی کا امتحان ہے۔ ہم تمہیں محمدؐ کی خدمت میں بھیجنے کے لیے اپنا نمائندہ خصوصی مقرر کرتے ہیں۔ تم جا کر محمدؐ سے ایسی خوبصورتی اور عمدگی سے بات چیت کرو کہ وہ تمہارے آگے ہتھیار ڈال دے۔ اور اپنی تبلیغ اور ہمارے خداؤں کی تذلیل سے باز آجائے اس فساد عظیم کو رفع کرنے کے لیے جو بھی شرطیں تم محمدؐ سے طے کرو گے۔ بغیر کسی عذر کے وہ سب ہمیں منظور ہوں گی۔ جاؤ ہبل تمہیں کامیاب کرے۔ بہت ممکن ہے تم ہی وہ خوش قسمت انسان ہو جس کی تقدیر میں محمدؐ کو زیر کرنا لکھا ہو۔ تم قوم کے نجات دہندہ ہو گے اگر تم اپنے حسن بیان سے محمدؐ کو راہ راست پر لا سکے۔

اپنی فصاحت و بلاغت۔ اپنے اثر و رسوخ اور اپنی دولت و حشمت کے گھمنڈ پر عتبہ بن ربیعہ اس عزم و ارادے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوا کہ میں ایسے عجیب و غریب امور محمدؐ کے سامنے پیش کروں گا کہ وہ انھیں ماننے اور قبول کرنے پر بڑی خوشی سے راضی ہو جائے گا۔ اور اس طرح فتح کا سہرا میرے سر رہے گا۔

جب عتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ تو سخت دشمن اور معاند ہونے کے باوجود حضور علیہ السلام اس سے نہایت اخلاق سے پیش آئے اور فرمایا "کہیے کیسے آنا ہوا؟"

عتبہ نے کہا

"اے ابن عم! اپنی شرافت نفس کے لحاظ سے جو درجہ قوم میں تمہیں اب تک حاصل تھا اور اپنے حسب و نسب

کے لحاظ سے جو مرتبہ تمہارا ہے وہ ہم سب پر ظاہر ہے۔ اور تمہارے متعلق مکہ کا کوئی شخص ان دونوں باتوں کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اب آن کر تم نے ایک ایسے نئے دین کی تبلیغ اور اشاعت شروع کی جس سے ہمارے کان قطعاً ناآشنا تھے۔ تم اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے۔ اور اپنے معتقدات کی اشاعت کرتے۔ یہاں تک بھی کوئی حرج نہ تھا مگر تم نے غضب یہ کیا کہ ہمارے خداؤں کو گالیاں دیں۔ ہمارے معززین کو جہنم کا کندہ بنایا۔ ہمارے آباؤ اجداد کو بیوقوف بنایا۔ غرض کوئی دقیقہ ہماری توہین اور تذلیل کا تم نے باقی نہیں چھوڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی تکلیف کسی قوم کو اپنے آدمی سے نہ پہنچی ہوگی جیسی تم سے پہنچی اور پہنچ رہی ہے۔ نہایت تنگ اور پریشان ہو کر اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر آج مجھے تمہاری قوم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تم سے اس بارے میں مفصل گفتگو کروں۔ شاید ہم دونوں تنہائی میں کسی بہتر نتیجے پر پہنچ سکیں۔ اور قوم جو تمہاری تبلیغ کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوگئی ہے۔ اُسے اس مصیبت سے نجات ملے۔ اس سلسلے میں تمہارے سامنے میں کچھ تجویزیں رکھتا ہوں۔ اور تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اُن پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے مجھے معقول جواب دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوالولید! میں غور سے سن رہا ہوں۔ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو۔ کہو۔"

عقبہ نے کہا ہر نئی تحریک کی کوئی نہ کوئی غرض وغایت ہوا کرتی ہے۔ اور محرک کا مقصود و مدعا یہ ہوا کرتا ہے کہ اس طرح کوئی خاص فائدہ اور نفع حاصل کرے۔ پس میں آج یہ معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں کہ اپنی اس تبلیغ سے تم کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر تمہارا یہ مقصد ہے کہ اس طرح لوگ مجھے اپنا سردار اور امیر مان لیں اور میری قوم میں بڑی شان ہو جائے تو ہبل کی قسم ہم سب لوگ تمہاری سرداری اور سیادت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس قبیلے پر تم ہمیں تاخت و تاراج کا حکم دو گے ہم بلا تامل اس پر جا پڑیں گے۔ جس قوم سے تم صلح کرنا چاہو گے ہم بلا عذر اس سے صلح کر لیں گے ہم تمہاری اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور تمہارے ہر حکم کی بلا چون وچرا تعمیل کریں گے۔ تم ہمیں یقیناً نہایت اطاعت شعار قوم پاؤ گے۔

اگر تمہیں اس بات کی خواہش ہو کہ کوئی حسین و جمیل عورت تمہاری زوجیت میں آجائے تو اس کا انتظام بھی بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ہم یہ خدمت اپنے ذمہ لیں گے اور نہایت حسین و خوبرو عورت تمہارے لیے مہیا کر دیں گے جو شکل و صورت اور رعنائی و زیبائی میں اپنا نظیر نہ رکھتی ہو گی۔

اگر تم اس ذریعے سے مال و دولت جمع کرنے کے شائق ہو تو ہم سب مل کر تمہارے لیے درہم و دینار کے انبار لگا دیں گے۔ اور اس طرح تم قریش کے سب سے زیادہ مالدار اور دولتمند آدمی بن جاؤ گے۔

اگر اس تبلیغ واشاعت سے تمھاری یہ غرض ہے کہ تم امارت وسیادت سے گذر کر عرب کے ایک بادشاہ بننا چاہتے ہو۔ تو تمھاری اس خواہش کی تکمیل بھی نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ ہم سب تم کو فی الفور عرب کا ایک خود مختار شہنشاہ بنا دیں گے۔ کسی قوم اور کسی قبیلے کی ہمت نہیں ہوگی کہ تمھارے مقابلے میں آئے یا تمھارے حکم کی سرتابی کرے۔ تمھارے لیے اعلےٰ درجے کے قصر وایوان ہوں گے۔ اور دنیا کی تمام نعمتیں تم آسانی کے ساتھ حاصل کر سکو گے۔

اگر تمھیں میری پیش کردہ تمام باتوں میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں ہے۔ تو پھر یہی ماننا پڑے گا کہ تمھیں کوئی دماغی عارضہ ہے۔ ہم مصر۔ شام اور ایران سے ڈھونڈ کر تمھارے لیے بہتر سے بہتر طبیب لے آتے ہیں جو تمھارا بخوبی علاج کرونے گا۔ اور تم تندرست ہو جاؤ گے۔ اس کے آنے اور علاج کرنے کا سارا خرچ ہم خود برداشت کریں گے۔

ان میں سے جو بات بھی ہو وہ نہایت صفائی اور سچائی کے ساتھ ہمیں بتلا دیں۔ ہم اسی کے مطابق کارروائی کریں گے۔

جب تک عتبہ تقریر کرتا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خاموشی اور سکون کے ساتھ اس کی گفتگو سنتے رہے۔ جب اس نے اپنی بات ختم کر لی اور منتظر ہوا کہ اس کے جواب میں حضور کیا فرماتے ہیں تو آپ نے نہایت دل نشین اور مؤثر انداز میں اُسے سورہ حٰم السجدہ کی چند ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ جن میں قرآن کریم کی عظمت وجلالت۔ توحید کی تعلیم وتلقین۔ اپنی سچائی اور صداقت کا دعویٰ۔ ماننے والوں کے لیے بشارت۔ منکرین کے لیے عذاب۔ نبوت اور رسالت پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔ مشرکوں کے لیے افسوس۔ مومنوں پر اظہار مسرت۔ ہستی باری تعالےٰ کے دلائل۔ مظاہر قدرت کا بیان۔ زمین وآسمان کی بناوٹ پر غور وفکر کی دعوت۔ انبیاء کے منکرین کا انجام۔ عاد وثمود کی ہلاکت وبربادی کی کیفیت۔ شرک وکفر سے اجتناب کی تعلیم۔ نبوت پر کفار کے مضحکہ خیز اعتراضات اور ان کے جوابات۔ کافروں اور منکروں کو عذاب الیم کی "خوش خبری"۔ مومنوں اور مسلمانوں پر رحم وفضل کی بارش۔ نبی کے مقابلے میں کافروں کی نامعقول حرکات۔ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنے کی نصیحت اور اس کا خوشگوار نتیجہ۔ غیر اللہ کی پرستش کی مخالفت۔ خدائے واحد کی عبادت کی ترغیب۔ قرآنی وحی پر ایمان لانے کا حکم۔ اور اس سے اغماز برتنے پر تہدید وغیرہ مضامین بیان کیے گئے تھے اور آخر میں فرمایا تھا من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔ وما ربک بظلام للعبید (جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ اور جو برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔)

عتبہ کے لیے قرآن کریم سننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ کلام میں اتنا اعجاز۔ الفاظ میں اس قدر زور۔ آیات میں اتنی فصاحت۔ اور بیان میں اتنی بلاغت تھی کہ عتبہ مبہوت ہو گیا۔ اس کی حیرت کی انتہا یہ تھی کہ قرآن کریم سننے کے بعد ایک لفظ بھی وہ بول نہ سکا۔ اور چپ چاپ بڑی حیرانی سے یہ سوچتا ہوا واپس آگیا کہ کیا دنیا میں ایسا بھی پُراثر اور پرجذب اور دل میں اتر جانے والا کلام کوئی شخص کہہ سکتا ہے۔ محمدؐ ہمارے سامنے بچے سے جوان ہوا اور جوان سے بوڑھا ہوا۔ اس کے کلام میں ایسی ندرت۔ پختگی اور تاثیر کہاں سے آگئی؟

ادھر اکابر قریش بہت بے چینی کے ساتھ اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیے عتبہ بن ربیعہ محمدؐ سے کیا فیصلہ کر کے آتا ہے؟ جب عتبہ کو آتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے بہت ہی اشتیاق کے ساتھ پوچھا کہ کہیے کیا گفتگو ہوئی۔ اور کن شرائط پر محمدؐ سے سمجھوتہ ہوا؟

عتبہ پہلے ہی فکر میں ڈوبا ہوا آیا تھا۔ جھلا کر بولا۔ میں نے ہر زور سر مارا۔ ایک زور لگایا۔ طرح طرح کے لالچ محمدؐ کو دیے۔ مگر اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ چپ چاپ اطمینان سے بیٹھا ہوا میری باتیں سنتا رہا۔ جب میں نے اپنی گفتگو ختم کی تو اس نے قرآن کی کچھ آیتیں مجھے پڑھ کر سنائیں۔ جن کے متعلق اسے گمان بلکہ یقین ہے کہ یہ مجھ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں مگر اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ کلام ایسا بے مثل اور بے نظیر تھا کہ اس کی مانند میں نے آج تک کسی شاعر یا خطیب کا کلام نہیں سنا۔ اس میں غضب کا اثر اور جذب تھا۔ ایسا کہ دل میں بیٹھتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس کے ہر جملے میں طاقت اور شوکت بھری ہوئی تھی۔ اور اس کی ہر آیت فصاحت و بلاغت کی لپٹ تھی اور اس کا کلام ایسا مربوط اور شاندار تھا کہ میں تو سن کر حیران رہ گیا۔

کلام سننے کے بعد میں ایک لفظ بھی اس کے خلاف نہ کہہ سکا اور مجھے خاموش ہو کر واپس آجانا پڑا۔ مجھے اس بات کا وہم بھی نہیں تھا کہ محمدؐ اتنا بڑا قادر الکلام شاعر اور ایسا جادو بیان خطیب ہے مجھے اب کا یقین ہے کہ محمدؐ اپنی اس بلند ترین خطیبانہ قوت کے ذریعے ضرور عرب میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر کے رہے گا۔ بس میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ تم اس کی راہ کا کانٹا نہ بنو۔ اور اسے مطلق آزاد چھوڑ دو اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو تم اس کی قوم اور اس کے عزیز ہو۔ تمھیں بھی اس کے ساتھ ہی اعزاز حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اگر عرب نے اس پر غالب آکر اس کا خاتمہ کر دیا تو پھر ایک بلائے عظیم تم پر سے مفت میں ٹل جائے گی۔ میں نے تم کو یہ نصیحت نہایت خلوص اور دل سوزی سے کی ہے۔ اگر مانو گے تو آرام سے رہو گے۔ نہ مانو گے تو تکلیف اٹھاؤ گے۔ میری جو رائے تھی وہ میں نے دیانت داری کے ساتھ بیان کر دی۔ اب تمھارا اختیار ہے چاہے ایسے

مانو چاہے نہ مانو۔

عتبہ کی باتوں کا اکابر قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور انھوں نے کہا کہ "تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ محمدؐ کی باتوں کا جادو تجھ پر بھی چل گیا ہے۔ جب ہی تو ایسی لایعنی اور فضول باتیں کر رہا ہے۔ کوئی صحیح الدماغ آدمی کبھی یہ باتیں نہیں کر سکتا۔"[1]

یہ عتبہ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس نے جنگ اُحد میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ اسی عتبہ کی بیٹی تھی۔

۳۔ قریش کے نرالے اور عجیب مطالبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ حق سے روکنے کے لیے قریش کو حضرت ابوطالبؓ پر زور ڈالنے۔ خود حضور علیہ السلام کے پاس وفد بھیجنے۔ اور اپنا نہایت قابل نمائندہ آپ کی خدمت میں روانہ کرنے کے بعد بھی جب اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے چوتھی تدبیر یہ اختیار کی کہ باہم جمع ہو کر اس بات کا مشورہ کیا کہ بعض ایسے مشکل مطالبات محمدؐ سے کرو جن کا پورا کرنا اُن کے لیے ناممکن ہو۔ اس مرحلے پر ضرور اسے اپنی ہار ماننی پڑے گی۔ اور اس کے بعد مارے شرم کے اس میں اتنی جرأت ہی نہیں رہے گی کہ توحید کا وعظ اور اسلام کی تبلیغ کرے یا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہے۔

قریش کا یہ اجتماع رات کے وقت کعبہ میں منعقد ہوا تھا۔ قوم کے بڑے بڑے سردار جو وہاں جمع ہوئے تھے ان میں سے بعض کے نام ابن ہشام نے یہ لکھے ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ نضر بن حرث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ اسود بن مطلب۔ ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل۔ عبداللہ بن ابی امیہ۔ عاص بن وائل۔ نبیہ بن حجاج۔ منبہ بن حجاج۔ امیہ بن خلف اور زمعہ بن اسود وغیرہم۔

کعبہ میں جمع ہونے کے بعد مطالبات اور سوالات کی فہرست ان لوگوں نے بڑے غور و خوض کے بعد مرتب کی اور پھر اپنا ایک آدمی بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا۔ اُس آدمی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ اکابر قوم اور بزرگان قریش کعبہ میں جمع ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس پیغام کے آنے پر خیال فرمایا کہ شاید قریش کا ارادہ راہ راست پر آنے کا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو اس بات کا نہایت اشتیاق تھا کہ کسی طرح میری قوم مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ اس شوق میں آپ جلدی جلدی اس مجلس میں تشریف لائے۔

آپ کے تشریف لانے کے بعد ان لوگوں نے آپ سے کہا "اے محمدؐ! ہم نے تمھیں آج اس

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ص۱۴۳

غرض سے بلوایا ہے کہ تم سے اس معاملے کے متعلق مفصل گفتگو کریں جس کی تم دن رات تبلیغ کرتے رہتے ہو۔ ہبل کی قسم! عرب میں آج تک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس نے بیٹھے بٹھائے اپنی قوم کو ایسی آفت اور مصیبت میں گرفتار کیا ہو جیسا تم نے ہمیں کیا ہے تم ہمارے معبودوں کو اور خود ہم کو جہنم کا ایندھن بتاتے ہو۔ ہمارے قابل تعظیم آباؤ اجداد کو گمراہ اور ناقص العقل کہتے ہو۔ تم نے جماعت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے۔ غرض ہمیں ذلیل کرنے میں تم نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ہمارے نمائندے نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور ہم بھی اب کہتے ہیں کہ تمہاری غرض اس تبلیغ سے اگر مال و منال جمع کرنا ہے تو ہم بڑی خوشی سے تمہیں اپنے مال دینے کو تیار ہیں۔ اس سے تم عرب بھر میں زبردست دولتمند بن جاؤ گے۔ سرداری اور امارت کی خواہش ہو تو ہم ابھی تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں عرب کا بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہاری اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ اگر تمہارے سر پر کسی جن کا سایہ ہے تو ہم کسی عامل سے اس کا بھی علاج کرا سکتے ہیں۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل ہے تو ہم تمہارے علاج پر اپنے اموال خرچ کر سکتے ہیں۔ غرض تم جو کہو وہ ہم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنے خدا کے لیے ہمارے خداؤں کو برا کہنا چھوڑ دو۔

حضور علیہ السلام نے سکون کے ساتھ صنادید قریش کی ان باتوں کو سنا۔ اور جب وہ کہہ چکے تو فرمایا "واقعہ یہ ہے کہ نہ مجھے مال کی خواہش ہے اور نہ کسی شرف و عزت کی۔ نہ میں امارت کا طالب ہوں۔ نہ بادشاہت کا۔ نہ مجھ پر کسی جن کا سایہ ہے اور نہ میں بیمار ہوں۔ بلکہ مجھے خدا نے اپنا رسول اور نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اور مجھ پر اپنی وحی نازل کی ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم میں سے ان لوگوں کو جو میری اطاعت کریں جنت کی خوش خبری دوں اور ان آدمیوں کو جو میرا انکار کریں خدا کے غضب اور عذاب سے ڈراؤں۔ پس خبردار ہو کہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اگر تم اسے قبول کر و تو دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے۔ اور اگر انکار کرو تو میں اس وقت تک انتظار کروں گا جب تک خدا مجھ میں اور تم میں دو ٹوک فیصلہ نہ کر دے۔"

حضور علیہ السلام کی اس تمام تبلیغ و تذکیر کا جباران قریش پر خاک بھی اثر نہیں ہوا۔ انھوں نے حضور کی تقریر ختم ہوتے ہی بجائے اس کے کہ اس کا جواب دیتے یا اس پر غور کرتے۔ اپنی اس سکیم کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا جو انھوں نے اس موقع کے لیے پہلے سے سوچ رکھی تھی۔ چنانچہ انھوں نے کہا۔

"محمد! اگر تمھیں ہماری وہ معقول اور فیصلہ کن باتیں منظور نہیں ہیں جو ابھی ہم نے تم سے کہی ہیں

تو پھر ہم تمہاری نبوت اور رسالت اسی وقت مان سکتے ہیں جب تم اپنے اس خدا سے جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے دعا کرو کہ مکے کے ارد گرد جتنی پہاڑیاں ہیں۔ سب یکدم غائب ہو جائیں۔ تاکہ تمہارا شہر جو ان پہاڑیوں سے تنگ ہو رہا ہے۔ بہت فراخ اور چوڑا ہو جائے۔ اس شہر میں تم جانتے ہو کہ پانی کی بھی بہت قلّت ہے۔ تم اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہر طرف میٹھے اور شیریں پانی کے چشمے جاری کر دے جیسے شام اور عراق میں ہیں۔

دوسرا کام تم یہ کرو کہ ہمارے مرے ہوئے آباؤ اجداد کو زندہ کر دو۔ تاکہ ہم ان سے تمہارے متعلق تصدیق کر لیں۔ اور ہاں ان زندہ ہونے والوں میں قصی بن کلاب ضرور ہو۔ کیونکہ وہ بہت سچا اور راستباز انسان تھا۔ اس کی گواہی سے ہمیں پتہ لگ جائے گا کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ حق ہے یا باطل۔ اگر ہمارے مرے ہوئے آباؤ اجداد نے زندہ ہو کر تمہاری نبوت اور رسالت کی تصدیق کی تو ہم جان لیں گے کہ بے شک تمہیں خدا نے بھیجا ہے۔ اور تمہاری قدر۔ عزت اور وقعت ہمارے دلوں میں بہت زیادہ ہو جائے گی۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ میں جسمانی مُردے زندہ کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں روحانی مُردوں کو زندہ کروں۔ میں نے اپنی رسالت اور نبوت تم پر اچھی طرح واضح کر دی ہے۔ اب تمہارا اختیار ہے کہ اسے قبول کر کے ابدی زندگی کے وارث بنو یا اس کا انکار کر کے روحانی موت کو منظور کرو۔ مانو گے تو دنیا و آخرت میں نفع کماؤ گے۔ انکار کرو گے تو میں اُس وقت تک صبر کروں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھ میں اور تم میں کُھلا کُھلا فیصلہ نہ کر دے۔"

اس پر قریش بولے کہ اگر تم ہمارے لیے یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر اپنے لیے ہی یہ کام کر کے دکھاؤ کہ اپنے رب سے کہہ کر ایک فرشتے کو آسمان سے بھجواؤ۔ جو دنیا میں آ کر تمہاری نبوت اور رسالت کی تصدیق کرے۔ نیز تمہارے لیے تمہارا پروردگار ایک عالیشان محل جنگل میں پیدا کر دے۔ جس میں جا بجا نہریں چل رہی ہوں اور قسم قسم کے باغ لگے ہوئے ہوں۔ تمہارے پاس سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوں۔ جن کو تم نہایت داد و دہش اور فیاضی کے ساتھ خرچ کرو۔ اور اس مشقت اور محنت سے بچ جاؤ جو حصولِ معاش کے لیے اس وقت کرتے ہو۔ اور بازاروں میں ہماری طرح مارے مارے پھرتے ہو۔ اگر یہ باتیں ہو جائیں تو پھر ہم ضرور جان لیں گے کہ تم واقعی خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو اور تمہارے لیے تمام شرف و عزت ہے جیسا کہ تم کہا کرتے ہو۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسے فضول اور لایعنی مطالبات پورا کرنے کے لیے نہیں

بھیجا گیا۔ مجھے تو خدا نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ بشیر ماننے والوں کے لیے اور نذیر نہ ماننے والوں کے لیے۔ اگر تم قبول کرو تو یہ امر تمھاری دنیا و آخرت کے لیے بہتر ہوگا۔ قبول نہ کرو تو میں حکم الٰہی کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے اور تمھارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔"

قریش نے اس کے جواب میں کہا "اگر تم یہ نہیں کر سکتے۔ تو پھر یہ کام کرو کہ اپنے خدا سے کہہ کر آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا دو۔ تاکہ ہم اس کے نیچے دب کر مر جائیں کیونکہ تم ہمیشہ کہا کرتے ہو کہ اگر میرا خدا چاہے تو ضرور ایسا کر سکتا ہے۔ پس ہم تم پر ایمان اس وقت تک نہیں لائیں گے جب تک تم ہم پر عذاب نازل نہ کر دو۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا "عذاب میں مبتلا کرنا یا ثواب دینا میرے اختیار میں نہیں۔ یہ تو میرے خدا کا کام ہے۔"

اس کے بعد وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے "اچھا محمدؐ! یہ بتاؤ کہ کیا تمھارے خدا کو اس بات کا علم ہے کہ ہم تم سے ایسے ایسے سوال کریں گے؟ پس اس نے تم کو کیوں نہ بتلا دیا کہ وہ فلاں وقت یہ کام کر دے گا یا نہیں کرے گا؟ پس ایسی صورت میں ہم تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔"

کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بھی کہی کہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ یمامہ میں ایک شخص "رحمٰن" نام رہتا ہے۔ وہی تم کو یہ باتیں سکھایا کرتا ہے۔ پس ہماں کی قسم ہم تمھارے رحمٰن پر ہرگز اور کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے تم پر اپنی حجت پوری کر دی ہے۔ اب ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمھارا پیچھا ہرگز نہ چھوڑیں گے جب تک کہ تم ہمیں ہلاک نہ کر دو یا ہم تمھیں ہلاک نہ کر دیں۔"

ان میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ "محمدؐ! ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم اپنے خدا اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا نہ کر دو۔"

جب حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ یہاں سوائے فضول۔ لایعنی اور بے ہودہ باتوں کے اور کچھ نہیں۔ تو حضور خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ ہی ابوامیہ بن مغیرہ بھی کھڑا ہو گیا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے محمدؐ! تمھاری قوم نے اتنی باتیں تمھارے سامنے پیش کیں۔ مگر تم نے ان میں سے ایک بات بھی قبول نہ کی۔ پہلے انھوں نے اپنے فوائد کی باتوں کا تم سے سوال کیا۔ لیکن تم نے اسے بھی منظور نہ کیا۔ تاکہ تمھارا خدا کے ہاں مرتبہ ہمیں معلوم ہو جاتا۔ جس کے بعد ہم تمھاری اتباع اور تابعداری اختیار کرتے۔ پھر ان لوگوں نے تم سے سوال کیا کہ اپنے خدا کے جن غیظ و غضب اور عذاب سے

تم ہمیں ڈراتے۔ دھمکاتے اور خوف دلاتے ہو۔ وہ ہم پر نازل کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ مگر تم نے یہ بھی نہیں کیا۔ پس ہبل کی قسم میں تم پر کبھی ایمان نہ لاؤں گا۔ جب تک کہ تم میری آنکھوں کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھ جاؤ۔ اور وہاں سے چار فرشتے اپنے ہمراہ لاؤ۔ جو اس امر کی ہمارے روبرو آکر شہادت دیں کہ تم واقعی خدا کے رسول ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ میں شاید اس معجزہ دکھانے کے بعد بھی تم پر ایمان نہ لاؤں۔[1]

۴۔ ابوجہل کا آنحضرتؐ پر قاتلانہ حملے کا عزم | جب حضور علیہ السلام تشریف لے گئے تو ابوجہل نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا "اے معزز سرداران قریش! آپ صاحبان نے دیکھا کہ محمدؐ نے اپنے غرور اور تکبر میں آپ کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ وہ بڑی دلیری کے ساتھ اپنی ہٹ پر قائم رہا۔ اور آپ کے بتوں اور آپ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آیا۔ اس لیے آخری تدبیر کے طور پر میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایک بہت بڑا پتھر لے کر بیٹھ جاؤں۔ اور جس وقت صبح سویرے ہی محمدؐ کعبہ میں آکر نماز پڑھنے لگے اور سجدہ میں جائے تو میں فوراً یہ پتھر اس کے سر پر دے ماروں تاکہ وہ ہلاک ہو جائے۔ لیکن اس قاتلانہ اقدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ تم سب لوگ مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لو۔ تاکہ بنو ہاشم مجھے نقصان نہ پہنچا سکیں۔ فرمائیے کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟"

اس پر جلسے میں موجود سب لوگوں نے نہایت آمادگی اور خوشی کے ساتھ متفق اللفظ ہو کر کہا کہ بیشک ہمیں یہ بات منظور ہے۔ ہم تمہاری پوری پوری حفاظت کریں گے اور تمہیں بنی ہاشم کے حملوں سے بچا لیں گے۔ پس تم پورے اطمینان کے ساتھ جو کچھ چاہو کرو۔

جب صبح ہوئی تو ابوجہل ایک بڑا پتھر لے کر آیا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ تاکہ جس وقت حضورؐ تشریف لائیں اپنا عزم پورا کروں۔ اس کے ساتھی بھی آکر صحن کعبہ میں بیٹھ گئے۔

حضور علیہ السلام کا قاعدہ تھا کہ صبح کی نماز آپ بالعموم حرم کعبہ میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضورؐ نماز کے لیے تشریف لائے اور حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہوئے اور سجدہ کیا تو فوراً ابوجہل پوشیدہ جگہ سے باہر نکل آیا۔ اور چاہا کہ پتھر مار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دے۔

جب ابوجہل اس ارادے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچا۔ تو فوراً اس نے زور کی ایک چیخ ماری اور نہایت گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اس سخت گھبراہٹ میں پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا اور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صد ۱۳

وہ بدحواسی کے عالم میں کانپنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی دوڑ کر اس کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ "ابوالحکم! کیا بات ہوئی؟ اور تم کیوں مارے خوف کے کانپ رہے ہو؟"، ابوجہل نے بہت گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "میں رات کی قرارداد کے موافق یہاں آکر چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ جب محمدؐ آیا اور نماز پڑھنے لگا تو میں آگے بڑھا تاکہ پتھر سے اس کا کام تمام کر دوں۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک نہایت ہی خونخوار اور وحشی اونٹ منہ پھاڑے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ میں بدحواس ہو کر واپس لوٹا۔ اگر ذرا بھی آگے بڑھتا تو وہ جنگلی اونٹ میرا سر اپنے جبڑے میں پکڑ کر ضرور مروڑ ڈالتا"[1]۔

جباران قریش نے اس مجلس میں جو جو مطالبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے سب کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے اور ہر ایک اعتراض اور مطالبے کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب کے صـ۱ـ سے صـ۱۰۱ـ تک ان کا مفصل بیان کیا ہے۔

فصل ہفتم

اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مقابلے میں قریش کی منظم سازش

اپنی انتہائی کوششوں کے بعد جب قریش اس امر سے بالکل مایوس ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغی کوششوں کو روکیں گے یا انھیں نرم کریں گے تو انھوں نے اپنی منظم سکیم کے دوسرے حصے پر سختی سے عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ یعنی جو لوگ اس وقت تک مسلمان ہو چکے ہیں ان کو اتنی سخت تکلیفیں دی جائیں کہ وہ بالآخر اس دین کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

سازش کی تفصیل تبلیغ و اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی جو منظم سازش بعض بڑے بڑے ائمۃ الکفر نے کی۔ وہ اس طرح شروع کی گئی کہ مکہ میں قریش کے جتنے قبیلے آباد تھے سب کے رؤسا اور امرا کو دارالندوہ میں جمع کیا گیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آپ کے قبیلے میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کو نہایت شدید تکالیف اور مصائب پہنچائیں۔ اور اس وقت تک انھیں نہ چھوڑیں جب تک وہ اس نئے دین سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ اور پرانی بت پرستی کو دوبارہ اختیار نہ کر لیں۔ چنانچہ مکہ میں آباد شدہ جتنے قبائل تھے۔ سب کے سرداروں اور امیروں نے نہایت خوشی اور جوش کے ساتھ اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ جس کے نتیجے میں مکہ کے تمام مسلمانوں پر ہر طریقے کے بے انتہا مظالم توڑے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صـ۹۵ـ

جانے لگے۔ مکہ کا کوئی خاندان اور شہر کا کوئی کوچہ ایسا باقی نہ رہا جہاں مسلمان ہو جانے والے اصحاب پر نہایت بیدردی کے ساتھ ظلم نہ توڑے جاتے ہوں۔

اس طوفان بے تمیزی میں حضرت ابوطالب کی ہوشیاری شہر کی یہ خوفناک حالت دیکھ کر جس شخص کو سب سے زیادہ گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی وہ حضرت ابوطالب تھے۔ انھوں نے سوچا کہ جب مسلمان ہونے والوں کو ایسی بری طرح ستایا جا رہا ہے۔ تو یقین ہے کہ بہت ہی جلد میرے بھتیجے کا بھی نمبر آجائے گا اور کفار ان کو بھی اپنے مظالم کا تختۂ مشق بنائیں گے۔

اس خطرے کے انسداد کے لیے حضرت ابوطالب نے نہایت مستعدی کے ساتھ یہ کام کیا کہ تمام بنی ہاشم کو (سوائے ابولہب کے) اپنے مکان میں جمع کیا۔ اور ان سے کہا کہ اس عجیب وغریب جدید تحریک کو جو آج کل محمدؐ چلا رہے ہیں روکنے کی ہمت کسی شخص میں نہیں۔ اس لیے قریش نے سختی و تشدد اور ظلم و جبر کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور ہر مسلمان ہو جانے والے شخص پر بے پناہ مظالم شہر کے ہر حصے میں توڑے جا رہے ہیں۔ مجھے سخت اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اس لپیٹ میں میرا بھتیجا محمدؐ نہ آجائے اور مخالفین اور معاندین اسے بھی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس لیے قومی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس نازک موقعے پر ہم سب بنی ہاشم متفق اور متحد ہو کر محمدؐ کی حفاظت کریں۔ اگر قریش نے دوسرے مسلمان ہونے والوں کے ساتھ محمدؐ کو بھی تکلیفیں دینی شروع کیں تو اس میں تمھارے قبیلے کی سخت بے عزتی ہوگی۔ اور تم سارے عرب میں بدنام ہو جاؤ گے۔ پس تمھاری عظمت و ہیبت اسی وقت تک قائم ہے جب تک تم سب متفق ہو کر محمدؐ کی حفاظت کرو گے اور دشمن کا ہاتھ اس تک نہ پہنچنے دو۔ یاد رکھو ذلت کی زندگی سے عزت کی موت ہزار درجے بہتر ہے۔ امید ہے اس معاملے میں تم سب میرا ساتھ دو گے۔ اور مجھے دوسرے قبائل کے سامنے ذلیل نہ کرو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں حضرت ابوطالب کی یہ تقریر اس قدر پُر اثر اور پُر تاثیر تھی کہ فوراً بغیر ادنیٰ تامل کے تمام بنی ہاشم نے اس امر پر حضرت ابوطالب کی بیعت کی کہ ہم حتی الامکان محمدؐ کی حفاظت کریں گے اور کسی حالت میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ابوطالب نے ان کو بالکل تیار اور مسلح رہنے کا حکم دیا۔[1]

ایک عجیب واقعہ اسی دوران میں ایک عجیب واقعہ ہوا جس سے حضرت ابوطالب کو قوم کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور کسی وقت بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دشمن آپ کو کچھ نقصان پہنچائیں۔ ایک روز اتفاق یہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب کو اطلاع دیے بغیر دار ارقم تشریف لے گئے۔ ابوطالب نے جو آپ کو نہ پایا تو سخت پریشان ہوئے اور خیال کیا کہ

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص۱۰۰

قریش نے دھوکے سے بلا کر آپ کو قتل کر دیا ہے۔

یہ خیال آتے ہی حضرت ابوطالب نے فوراً تمام بنوہاشم کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ میں محمدؐ کو نہیں دیکھتا۔ غالباً قریش نے انہیں قتل کر کے کہیں چھپا دیا ہے۔ پس تم فوراً انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ قتل قریش کی سازش سے ہوا ہے۔ اور قریش کے تمام بڑے بڑے آدمی اس میں شامل اور شریک ہیں پس تم میں سے ہر آدمی ایک تیز خنجر اپنے کپڑوں میں چھپا لے اور میرے پیچھے چلے۔ جب میں صحن کعبہ میں پہنچوں تو وہاں جتنے اکابر قریش بیٹھے ہوں سب کے ساتھ تم میں سے ایک ایک آدمی بیٹھ جائے اور دیکھو ابوالحکم عمرو (ابوجہل) کے پاس ضرور ایک بہادر شخص کو بیٹھنا چاہیئے کیونکہ اسی کی رائے اور اشارے سے یہ قتل ہوا ہے۔ تم سب میری طرف دیکھتے رہنا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اپنا خنجر نکال لیا ہے تو تم بھی فوراً اپنا اپنا خنجر نکال لینا اور نہایت تیزی اور پھرتی کے ساتھ اسے اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار کے پیٹ میں اتار دینا اور اس طرح سب سرداران قریش کو موت کے گھاٹ اتار دینا۔ ایسے بدبختوں کی جنہوں نے دھوکے سے میرے بھتیجے کو قتل کیا۔ یہی سزا ہے

یہ ہدایات دے کر حضرت ابوطالب اپنے آدمیوں کو لے کر کعبہ کی جانب روانہ ہوئے ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ سامنے سے حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ آتے دکھائی دیے۔

زید کو دیکھتے ہی حضرت ابوطالب نے بہت گھبرا کر پوچھا "زید! تیرے آقا کا بھی کہیں پتہ ہے؟ زید نے جواب دیا "جی ہاں! میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہی چلا آرہا ہوں۔ آپ اس وقت دار ارقم میں تشریف رکھتے ہیں۔

حضرت ابوطالب نے یہ سن کر فرمایا "جب تک میں بھتیجے کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس وقت تک مجھے قرار نہیں آسکتا۔ خدایا تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے اس کے زندہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔ بھاگا ہوا چلا جا اور اپنے آقا کو فوراً بلا کر لا تاکہ میں اسے دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے چند ضروری امور کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے کہ زید پہنچے اور واقعہ بیان کیا۔ جسے سن کر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوطالب کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابوطالب نے حضور علیہ السلام کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر فرطِ محبت سے آپ کو گلے لگا لیا۔

دوسری صبح جبکہ اکابر قریش حسب معمول صحن کعبہ میں بیٹھے تھے حضرت ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر وہاں پہنچے۔ آپ کے ساتھ تمام بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب بھی تھے۔

حضرت ابوطالب نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے سرداران قریش! جانتے ہو کل میں نے کس بات کا ارادہ کیا تھا؟

سرداران قریش نے کہا "فرمایئے کیا بات تھی؟ ہمیں تو پتہ نہیں" حضرت ابوطالب نے کل کا سارا واقعہ ان لوگوں کو سنایا۔ اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "اپنے اپنے خنجر نکال کر سرداران قریش کو دکھاؤ" فوراً سب نے اپنے اپنے خنجر نکال لیے۔ جو ان کے ہاتھوں میں چمک رہے تھے۔ جن کو دیکھ کر کفار کا سارا مجمع خوف زدہ ہوگیا۔

حضرت ابوطالب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ "دیکھا تم نے ؟ اگر تم لوگ محمدؐ کو قتل کر دیتے۔ تو خدا کی قسم میں تم سے ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑتا"

چمکدار خنجر دیکھ کر اور حضرت ابوطالب کی گرجدار تقریر سن کر کفار پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ اٹھ کر بے تحاشا بھاگنے لگے۔ سب سے تیز بھاگنے والا ابوجہل تھا۔

مسلمانوں پر قریش کے مظالم کی تقسیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغ کو روکنے اور اسلام کی اشاعت کو بند کرنے کے لیے مسلمان ہوجانے والوں پر مظالم اور شدائد کی جو منظم اور باقاعدہ سکیم کفار قریش نے بنائی تھی۔ اس کے انھوں نے تین حصے کیے تھے :۔

(۱) غربا اور غلاموں پر مظالم۔

(۲) متوسط اور اعلیٰ خاندان والوں پر شدائد۔

(۳) خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی پر سختیاں۔ اسی پروگرام کے مطابق انھوں نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ جس کی تفصیلات نمبروار حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ غربا اور غلاموں پر مظالم

تبلیغ اسلام کے مقابلے میں قریش نے مسلمان ہونے والوں کو طرح طرح سے تنگ کرنے کی جو سکیم بنائی تھی اس کا سب سے پہلا شکار قدرتی طور پر غریب اور بےکس لوگ تھے۔ نیز وہ لاچار اور بے بس طبقہ جو لونڈیوں اور غلاموں کی شکل میں ان وحشیوں اور درندوں کے قبضے میں تھا۔ کیونکہ انہی پر ان کا زیادہ بس چل سکتا تھا اور انہی پر بہ نہایت آزادی اور بے فکری کے ساتھ ہر قسم کے مظالم توڑ سکتے تھے۔ تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے ایسے مظلوم مسلمانوں کی بہت ہی مختصر سی کیفیت یہاں لکھی جاتی ہے جن سے ان بے انتہا تکلیفوں اور اذیتوں کا ناظرین کرام کو تھوڑا سا اندازہ ہوجائے گا جو راہ حق و صداقت میں شقی القلب اور ظالم طبع لوگوں کے ہاتھوں ان نفوس مقدسہ کو اٹھانی پڑیں۔

۱؎ طبقات ابن سعد جلد اوّل ص۱۳۵

(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح:۔ یہ مشہور دشمن اسلام امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ اپنے دوست ابوجہل کے مشورے اور صلاح سے روزمرہ ان پر ایسے بے پناہ مظالم توڑتا تھا جنھیں پڑھ کر آج بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ امیہ ان کو حرہ کی پتھریلی زمین میں جو گرمی کے سبب تمام مکہ میں مشہور تھی اور موسم گرما میں لوہے کے توے کی مانند تپتی تھی۔ فرش خاک پر چت لٹا کر ان پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا تھا۔ اور ساری دوپہر وہ اس آگ کی مانند گرم پتھر کے نیچے اور کوئلوں کی مانند دہکتی ہوئی زمین پر پڑے تڑپتے رہتے تھے۔ اور کسی کو ان پر رحم نہ آتا تھا۔ شام کو وہ انھیں اس بھاری پتھر کے نیچے سے نکالتا تو وہ ایسے بدحواس اور بے حال ہوتے کہ آواز منہ سے نہ نکل سکتی۔ ان کا آقا کہتا بلال! میں اس طرح ایک دن تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔ ورنہ محمد کے خدا کو چھوڑ کر میرے خداؤں کی عبادت کر۔ یہ اسی حالت میں جواب دیتے احد احد۔ یعنی خدا تو ایک ہی ہے۔ دو یا تین یا پانچ نہیں[1]۔

کبھی ایسا ہوتا کہ سخت گرمی کی جھلسا دینے والی دھوپ میں امیہ بن خلف ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں ریت پر بٹھا دیتا۔ اور آپ کا سارا جسم زرہ کی کڑیوں سے زخمی ہو جاتا۔ دھوپ میں تپ کر لوہے کی کڑیاں آگ کی شکل اختیار کر لیتی تھیں[2]۔

اکثر اوقات امیہ آپ کے گلے میں ایک موٹی رسی باندھ کر مکہ کے اوباش اور آوارہ لڑکوں کے حوالے کر دیتا۔ وہ سارے مکہ کی گلیوں میں ان کو گھسیٹتے لیے پھرتے۔ گلے میں رسی کا پھندا ہونے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں نکل پڑتیں۔ سارا جسم پتھروں سے رگڑ رگڑ کر زخمی ہو جاتا۔ مگر باوجود ان شدید تکلیفوں کے ان کے ایمان اور یقین میں فرق نہ آیا۔ اور وہ فوق العادت استقلال کے ساتھ اپنے اسلام پر قائم رہے۔ ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا اس وقت خاتمہ ہوا جب حضرت ابوبکر نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا[3]۔ آزادی کے بعد بلال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور اسی غلامی کی بدولت آپ کا مرتبہ بادشاہوں سے بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ اقبال کہتا ہے ع روم فنا ہوا حبشی کو دوام ہے۔

(۲) حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ:۔ یہ طفیل بن عبداللہ الازدی کے غلام تھے اور شروع تبلیغ میں دولت ایمان سے مشرف ہو گئے تھے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے نتیجہ میں ان کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بدن کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا۔ تپتی ہوئی زمین پر لوہے کی زرہ پہنا کر زبردستی لٹا دیا جاتا تھا۔ بدن پر بھاری بھاری پتھر رکھ کر ان کے نیچے ان کے ناتواں جسم کو دبا دیا جاتا تھا۔ مگر کافروں کا کوئی بھی ظلم ان کو جادۂ حق سے نہ ہٹا سکا۔ ان پر جو بے انتہا ظلم ہو رہے تھے وہ نرم دل اور رقیق القلب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہ دیکھے گئے اور آپ نے انھیں خرید کر

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۵۰ [2] مہاجرین حصہ اول صفحہ ۸۲ بحوالہ طبقات ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۱۶۵ [3] تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۱

آزاد کر دیا۔ یہی وہ نہایت خوش نصیب غلام ہے جسے ہجرت کے موقع پر مکہ سے مدینہ تک شہنشاہِ دو عالم کی خدمت اور ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔

(۳) **حضرت ابو فکیہہ**:۔ بنی عبدالدار کے غلام تھے جو اسلام لانے کی "پاداش" میں ان کو روزانہ درد انگیز سزائیں دیا کرتے تھے۔ جب گرمی کی ٹھیک دوپہر ہوتی اور مکہ کا ہر ذرہ آگ کی مانند تپتا۔ بنی عبدالدار ان کو جنگل میں لے جاتے۔ نہایت تیز تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر ان کو زبردستی چت لٹا دیتے۔ اس کے بعد ایک بھاری پتھر اٹھاتے اور ان کی چھاتی پر رکھ کر چلے آتے۔

ایک مرتبہ امیہ نے ٹھیک دوپہر کے وقت ان کے پاؤں میں لوہے کی موٹی موٹی بیڑیاں ڈالیں۔ اور انہیں گھسیٹ کر میدان میں پھینک دیا تاکہ پڑے پڑے تڑپتے رہیں لوگ اس حال میں ان کو دیکھتے تھے اور ہمدردی اور تاسف کی بجائے ہنستے ہوئے اور آوازے کستے ہوئے چلے جاتے تھے۔ اتنے میں امیہ کا بیٹا صفوان کہیں سے آگیا۔ اور اس دردناک نظارے سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ بلکہ نہایت شوخی کے ساتھ حضرت ابوفکیہہ سے پوچھنے لگا کہ "میرا باپ کیا تیرا رب اور معبود نہیں ہے؟" باوجود اس مصیبت میں مبتلا ہونے کے حضرت ابوفکیہہ نے نہایت جرأت ایمانی کے ساتھ جواب دیا "تیرے باپ کی کیا حقیقت ہے۔ میرا، تیرا اور تیرے باپ کا رب اور معبود خدا تعالٰے ہے۔"

اس صاف اور سچے جواب سے مشتعل ہو کر صفوان آگے بڑھا اور بڑے زور سے حضرت ابوفکیہہ کا گلا گھونٹنے لگا۔ دوسرا بھائی پاس کھڑا تھا۔ کہنے لگا "صفوان! اور زور سے۔" اس پر اس نے اپنی گرفت اور مضبوط کر دی۔ قریب تھا کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی کہ ناگاہ حضرت ابوبکر کا ادھر سے اتفاقیہ گذر ہوا۔ آپ اس المناک منظر کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے اور فوراً امیہ سے سودا کر کے آپ کو خرید کر آزاد کر دیا۔[۱]

(۴) حضرت عمارؓ بن یاسرؓ العنسی القحطانی
(۵) حضرت یاسر بن عامر 〃 〃
(۶) حضرت عبداللہ بن یاسر 〃 〃

یہ تینوں باپ بیٹے یمن کے رہنے والے تھے عمار کی والدہ سمیہ ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی لونڈی تھیں، بے یار و مددگار اور غریب و بیکس سمجھ کر کفار مکہ ان کو ناقابل بیان تکلیفیں دیتے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت آگ کی مانند تیز گرم ریت پر ان کو لٹا دیتے۔ انگاروں سے ان کے بدن کو جلاتے۔ گھنٹوں انھیں پانی میں اتنے زیادہ غوطے دیتے کہ ان کے ہوش و حواس گم ہو جاتے۔ دہکتے ہوئے انگاروں اور تپتی ہوئی ریگ کے زخموں کے داغ ان کی پیٹھ پر بڑھاپے میں بھی صاف نظر آیا کرتے تھے۔ والد اور بھائی مصائب اور مظالم کی تاب نہ لا کر راہی ملک بقا ہوئے خود ۹۴ سال

---

[۱] مہاجرین حصہ دوم صفحہ ۳۱۴ بحوالہ اسد الغابہ جلد ۵ حالات ابوفکیہہ

کی عمر پائی۔

(۷) حضرت خبابؓ بن ارت۔ اُم انمار کے غلام تھے اور وہ حد درجہ متعصب عورت اسلام قبول کرنے کے باعث آپؓ کو روزانہ نہایت ہولناک سزائیں دیا کرتی تھی زمین پر آگ پھیلا کر اس پر ان کو لٹا دیتی۔ اور اوپر سے ایک بھاری پتھر ان کے جسم پر رکھوا دیتی۔ حالت یہ ہوتی تھی کہ جسم سے انگاروں کے باعث جو چربی نکلتی اس سے نیچے کی آگ بجھ جایا کرتی تھی۔ انھیں الٹا لٹا کر ان کی پیٹھ کو گرم پتھروں سے داغا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ پیٹھ کی کھال اڑ گئی اور ہڈیاں نکل آئیں۔ جب ان ہولناک مصائب کے بعد بھی آپ نے اسلام سے روگردانی اختیار نہیں کی تو اُم انمار نے جو سنگ دلی اور بے رحمی میں ابوجہل سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ آپ کو تکلیف دینے کا یہ نیا طریقہ نکالا کہ لوہے کو آگ میں خوب گرم کرتی اور پھر اسے ان کے سر پر رکھ دیتی۔ خبابؓ نے اپنی اس آخری ناقابل بیان تکلیف کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کی "یا الٰہی! خباب کی مدد فرما" حضور کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ اور اُم انمار کو ایک ایسی بیماری لگ گئی جس میں وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگی۔ بہت سے علاج کیے مگر کسی سے فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ مرض برابر بڑھتا چلا گیا۔ اور اس کی ہر وقت کی بھونک سے محلے والے بھی تنگ آ گئے۔ آخر کسی شخص نے یہ علاج بتلایا کہ لوہا گرم کر کے اس کے دماغ پر رکھا جائے۔ تب اس کو آرام ہوگا۔ یہ خدمت خباب کے سپرد ہوئی۔ اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس تکلیف میں اس نے خباب کو مبتلا کیا تھا۔ اسی عذاب میں خود مبتلا ہو گئی۔ مگر اس علاج سے بھی اسے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور اس طرح کتے کی طرح بھونکتی ہوئی دنیا سے جہنم کی طرف روانہ ہو گئی۔

اس بے حیثیت غلامؓ کا اس انسانؓ کے دل میں جس نے قیصر اور کسریٰ جیسے پرہیبت اور باجبروت شہنشاہوں کے تاج اپنے پیروں کے نیچے مسل کر پھینک دیے۔ یہ وقار تھا کہ جب خبابؓ فاروق اعظمؓ کے پاس آتے تو آپ اپنا گدیلا چھوڑ کر الگ ہو جاتے اور ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے اس پر بٹھاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اس گدیلے پر بیٹھنے کا دنیا میں صرف ایک ہی اور شخص مستحق ہے اور وہ ہے خبابؓ"

(۸) حضرت صہیبؓ رومی۔ قید ہو کر مکے لائے گئے۔ جہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خریدا اور بعد میں آزاد کر دیا۔ طبیعت نہایت سلیم اور صالح پائی تھی۔ جس وقت ان کے کان میں اسلام کا نام پڑا۔ فوراً دار ارقم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ مکہ میں ان کا کوئی رشتہ دار، دوست ہمدرد اور ساتھی نہ تھا۔ تاہم انھوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کا اعلان کر دیا۔ جس کے بعد مصائب اور تکالیف کا لا انتہائی سلسلہ شروع ہو گیا۔ انھوں نے سب کچھ صبر کے ساتھ سہا مگر پائے

سلہ "مہاجرین" حصہ دوم صفحہ ۱۶۱

استقلال میں لغزش نہ آئی۔[1]

جب مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کرنے لگے تو قریش کو بھی خبر ہو گئی۔ فوراً بھاگ کر آ گئے اور ان کو روک کر کہنے لگے "تو جب یہاں مکہ میں آیا تھا تو مفلس اور نادار تھا یہاں رہ کر تو نے ہتھیار بنائے اور انہیں فروخت کر کے خاصی دولت جمع کر لی۔ اب یہ ساری دولت سمیٹ کر تو لیے جا رہا ہے۔ جس پر تیرا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ ساری دولت تو نے ہم ہی لوگوں سے لے کر جمع کی ہے اس لیے تو اس دولت کا کس طرح مالک بن کر بیٹھ گیا؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تو یہ دولت لے کر یثرب چلا جائے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں اپنا ترکش نکال لیا اور فرمانے لگے "تم سب جانتے ہو اور تمہارا بچہ بچہ واقف ہے کہ نشانہ بازی اور تیر اندازی میں کوئی ایک شخص بھی میرا مقابل نہیں۔ میں انہی تیروں سے تم میں سے بہتوں کو موت کی ابدی نیند سلا دوں گا۔ جب تیر ختم ہو جائیں گے تو پھر تلوار نکال لوں گا تلوار چلانے میں بھی تم میں سے کوئی مرد میرے مقابلے کے لیے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ جب بہت سوں کو مار لوں گا تب مروں گا لہٰذا تمہاری خیر اسی میں ہے کہ میرا راستہ نہ روکو اور مجھے جانے دو۔ اگر تمہیں مال و دولت کی طمع ہے تو میں اپنی تمام حلال اور طیب کمائی تمہیں دیتا ہوں۔ اسے لومڑیوں اور رگیدڑوں کی طرح آپس میں بانٹ لو۔ اور میرے راستے سے فوراً ہٹ جاؤ۔ ورنہ تمہیں خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے تیر کا نشانہ آج تک کبھی خطا نہیں گیا۔ یقین جانو تم میں سے ایک شخص بھی اپنی جان سلامت لے کر نہیں جا سکے گا۔"

جب مال و متاع کے بدلے دولتِ ایمان لے کر مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو یحییٰ تم نفع میں رہے۔"

یہی وہ رومی غلام ہیں کہ جب حضرت امیر المومنین فاروق اعظم حالت نماز میں ابولولو کے ہاتھ سے زخمی ہو کر نیچے گرے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ جب تک دوسرا خلیفہ منتخب ہو صہیب میری بجائے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔[2] چنانچہ صہیب رضی اللہ عنہ تین دن تک مسلمانوں کے امیر الصلوٰۃ رہے۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مختلف ملکوں میں اسلام پر سبقت کرنے والے چار شخص ہیں اہل عرب میں سے میں خود ہوں۔ "اہل روم میں سے صہیب ہیں۔ اہل فارس میں سے سلمان ہیں اور اہل حبش میں سے بلال۔"

غلاموں کے بعد اب بعض ایسی محترم خواتین کا مختصر حال لکھا جاتا ہے جو لونڈیاں تھیں اور شروع تبلیغ میں اپنی نیکی اور صفائی قلب کے باعث اسلام لے آئی تھیں۔ ان کو ان کے کافر آقا مسلمان ہو جانے کی وجہ سے جتنی سخت تکلیفیں دیا کرتے تھے وہ شاید غلاموں سے زیادہ تھیں۔ مگر ان بہادر خواتین نے ایسے استقلال اور اس قدر

---

[1] مہاجرین حصہ اول ص ۲۴۶ بحوالہ طبقات ابن سعد [2] مہاجرین حصہ اول ص ۲۴۶ [3] ص ۲۴۷

اولوالعزمی کے ساتھ ان مصائب کو برداشت کیا کہ مذہب کی تمام تاریخ میں اس کی کوئی اور نظیر موجود نہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

(۱) حضرت سمیہؓ:- یہ حضرت عمار بن یاسر کی والدہ اور بنی مخزوم کی لونڈی تھیں۔ ان لوگوں نے کوئی تکلیف ایسی باقی نہ چھوڑی جو اس بے یارومددگار اور بےکس وغریب عورت پر نہ توڑی ہو۔ آخر جب تکلیفیں دیتے دیتے تھک گئے تو ایک روز ظالم اور بے رحم ابوجہل نے غصے میں آکر ان کی ران میں نہایت بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ برچھا مارا جو ان کے جسم کو کاٹتا ہوا چلا گیا۔ اور اس بے گناہ اور پاک باز خاتون نے تڑپ تڑپ وہیں جان دے دی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی شہید ہیں۔[۵]

(۲) حضرت لبینہؓ:- یہ بنی موئل کی لونڈی تھیں عمر بن خطاب مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے ایک تھے۔ وہ ان کو روزانہ لکڑیوں سے اتنا پیٹتے کہ بدحال کر دیتے۔ اور کہتے کہ "محمدؐ کے خدا کا انکار کر اور لات وعزیٰ کی خدائی کا اقرار کر۔ ورنہ اسی طرح مارتے مارتے تجھے ایک دن جان سے مار ڈالوں گا۔" جب مارتے مارتے تھک جاتے تو تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے اور کہتے لبینہ! میں نے تجھ پر رحم کر کے نہیں چھوڑا بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ مارتے مارتے تھک گیا ہوں۔ ذرا دم لے لوں۔ پھر تیری مرمت شروع کروں گا۔ مگر لبینہؓ نے راہ حق میں ہر قسم کی سخت سے سخت تکلیف سہی مگر اسلام سے منہ نہ موڑا۔ اور عمر کی ہر سختی کو فوق العادت صبرواستقلال کے ساتھ بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ آخر ان کی مصیبتوں کا اس وقت خاتمہ ہوا جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔[۶]

(۳) حضرت زنیرہؓ:- بنی مخزوم کی لونڈی تھیں۔ ابوجہل انھیں روزانہ ایسی ایسی تکلیفیں دیتا جو ناقابل برداشت تھیں۔ مگر یہ بڑے صبرواستقلال کے ساتھ سب کچھ سہتیں اور منہ سے اُف نہ کرتیں۔ نہ کبھی شکوہ وشکایت کرتیں۔ آخر ابوجہل نے ان کو مارتے مارتے اندھا کر دیا۔ اب ابوجہل نے یہ کہنا شروع کیا کہ "ہمارے خداؤں نے تیرے خدا پر غالب آکر تجھے اندھا کر دیا ہے۔ اگر تو اب بھی محمدؐ کے خدا کو چھوڑ کر ہمارے لات وعزیٰ پر ایمان نہیں لائے گی تو وہ تجھے لنگڑا، لولا اور بہرا بھی کر دیں گے۔" جس کا جواب حضرت زنیرہؓ یہ دیتیں کہ لات وعزیٰ میں کیا طاقت ہے جو کسی کو اندھا یا بہرا کر سکیں۔ ہاں البتہ میرے قادر وتوانا خدا میں یہ قدرت ضرور ہے کہ اگر وہ چاہے تو مجھے بصارت بخش دے۔ ساتھ ہی وہ دعا بھی کرتیں کہ یا الٰہی! کفار کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔ اور دشمنان اسلام کی ہر خوشی کو ملیامیٹ کر دے۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت زنیرہؓ کی بینائی عود کر آئی ہے۔ کافروں کی ذہنیت بھی عجیب ہوتی ہے۔ اب انھوں نے کہنا شروع کر دیا

---

[۵] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص ۱۱۲ [۶] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص ۱۱۵

کہ "زنیرہ دراصل ہے تو اندھی۔ مگر محمدؐ نے اپنے جادو کے زور سے لوگوں کے سامنے اسے بینا دکھایا ہوا ہے"[۵۱]

حضرت زنیرہؓ پر دن رات جو مظالم ٹوٹ رہے تھے حضرت ابوبکرؓ کی نرم دلی اور رقیق القلبی اس کی تاب نہ لا سکی اور انھوں نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔[۵۲]

(۴) حضرت نہدیہؓ
(۵) بنت نہدیہؓ

حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی بنی نہد کی لونڈی تھیں۔ اور قبول ابن اثیر بنی عبد الدار کے قبضے میں تھیں۔ ان دونوں پر بھی کفار مکہ مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بے حد سختی اور تشدد کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم اسی طرح تمھیں ایذا دیتے دیتے ایک روز جان سے مار ڈالیں گے۔ مسلمان تمھارے بڑے ہمدرد بنے پھرتے ہیں۔ خالی خولی باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔ انھیں تم سے دلی ہمدردی ہے تو آئیں اور تمھیں ہم سے خرید کر لے جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو تشریف لائے اور ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔[۵۳]

(۶) حضرت ام عبیس (یا ام عنیس) یہ بنی زہرہ کی لونڈی تھیں اور ایک شخص اسود بن عبد یغوث کے قبضے میں تھیں۔ جب اسلام لے آئیں تو وہ ان کو طرح طرح سے دکھ اور تکلیف پہنچانے لگا۔ اس وقت مکہ میں بیکس اور بے بس مظلوم غلاموں اور لونڈیوں کا آسرا اور سہارا حضرت ابوبکرؓ کی ذات تھی۔ آپؓ کو جب خبر پہنچی کہ غریب ام عبیسؓ اسلام لانے کی وجہ سے نہایت تکلیف اور مصیبت میں ہے تو آپؓ ان کے مالک کے پاس پہنچے اور انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

یہ اُن بہت سے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بعض کے حالات ہیں جو تاریخوں میں لکھے ہوئے ہیں ورنہ نہ معلوم ایسے کتنے مظلوم اور بے کس اور بے یار و مددگار لوگ ہوں گے جو ظالم، خونخوار اور وحشی انسانوں کے ہاتھوں سے محض اسلام لانے کے باعث تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھاتے اور مصائب اور آفات برداشت کرتے ہوں گے۔ اور نہ معلوم کتنے ایسے ہوں گے جو ان شقی القلب لوگوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے ہوں گے۔ ان انسان نما درندوں نے کوئی کسر ایسے غریب اور بے بس مسلمانوں پر ظلم توڑنے میں اٹھا نہیں رکھی۔

۲۔ معزز مسلمانوں پر اکابر قریش کے مظالم

(مسلمانوں کو تکلیفیں دے کر ان کو ان کے دین سے منحرف کرنے کی جو باقاعدہ اسکیم کفار قریش نے بنائی

---

[۵۱] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۱۶
[۵۲] " " " " " صفحہ ۱۱۶

تھی۔ اس کی دوسری شق معتبر اور مقتدر مسلمانوں کے متعلق تھی۔ سکیم کی اس دفعہ کو بھی قریش نے نہایت سختی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ لوگ غریب اور مفلس نہیں تھے۔ نہ دوسروں کے دست نگر اور محتاج تھے۔ نہ بے سہارا اور بے کس تھے۔ بلکہ سب کے سب اپنے اپنے قبیلے میں معتبر حیثیت کے مالک تھے۔ لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد یہ مقتدر اصحاب بھی قریش کے ظلم اور تعدی سے نہ بچے۔ اور ان کو بھی جہاں تک ان سے بن سکا تکلیفیں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان میں سے بعض اصحاب کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا حال ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضؓ:۔ جب آپؓ مسلمان ہوئے اس وقت تو آپؓ کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوئی مگر جب تھوڑے دنوں بعد آپؓ نے طلحہ بن عبیداللہ کو تبلیغ کر کے مسلمان کیا۔ تو طلحہ کے سگے بھائی عثمان بن عبیداللہ کو جو اسلام کا سخت دشمن اور معاند تھا۔ بڑا طیش آیا اور اس نے یہی خیال کیا کہ یہ ساری شرارت ابوبکر کی ہے جس نے میرے بھائی کو ورغلا کر اسے اپنے دین سے برگشتہ کیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت طلحہ دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھ کر خوب مارا گیا اور تنگ کیا[1]۔

اسی طرح قریش برابر حضرت ابوبکرؓ کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے رہے۔ آپ ان تمام مصائب و تکالیف کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب یہ مصیبتیں ناقابل برداشت ہو گئیں تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی اجازت مانگی کہ وہ حبشہ یا کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں۔ حضور علیہ السلام نے بھی اور کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر ان کو اجازت دے دی۔ آپ نے سفر کی بہت معمولی سی تیاری کی اور خاموشی کے ساتھ مکے سے نکل گئے مگر جب جنوب کی طرف جاتے ہوئے مقام برک الغماد پر پہنچے تو وہاں قبیلہ قارہ کے مقتدر رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ جو تجارت کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا "ہیں ابوبکر تم کہاں؟" حضرت ابوبکر نے جواب دیا میری قوم نے مسلمان ہو جانے کے جرم میں مجھے سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں جن کے باعث میں مجبور ہو گیا کہ وطن سے نکل جاؤں اور کسی اور ملک میں جا کر آزادی اور اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔ جب مکے والے مجھے نہ رہنے دیں تو بتاؤ میں کیا کروں۔ یہ جلاوطنی میں نے خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ جبراً اختیار کی ہے"

ساری روئیداد سن کر ابن الدغنہ نے کہا "نہیں نہیں ابوبکر! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہ تم کو خود مکہ سے نکلنا چاہیئے اور نہ مکے والوں کو یہ چاہیئے کہ تمہیں نکلنے پر مجبور کریں۔ میں تمہیں بڑی خوشی کے ساتھ اپنی پناہ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۹۵۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ کام بھائی نے نہیں کیا بلکہ چچا نوفل بن خویلد (ابن عدویہ) نے کیا تھا (خلفائے راشدین) [2] تیسیر سیرة ابن ہشام صفحہ ۸۰)

میں لیتا ہوں[۵۲]۔ میرے ساتھ واپس چلو اور وطن میں اطمینان کے ساتھ رہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اُس کے اصرار پر واپس چلے آئے۔

امان ٹوٹنے کے بعد پھر حضرت ابوبکر پر مصائب اور تکالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ نے ہجرت فرمائی لیکن ابن الدغنہ کی یہ امان زیادہ مدت تک قائم نہ رہی اور پھر حضرت ابوبکرؓ پر مصائب اور تکلیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

(۲) حضرت عثمانؓ بن عفان:- ان کا خاندان ایام جاہلیت میں بڑا مقتدر تھا۔ ان کا دادا امیہ قریش کا رئیس اعظم تھا۔ جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ تمام قریش کا سپہ سالار اعظم تھا۔ عرب میں بنو ہاشم کے سوا کوئی خاندان حضرت عثمان کے خاندان سے زیادہ معزز نہ تھا۔ اور یہ خود بھی اپنے خاندان کے نہایت قابل اور لائق شخص تھے۔ دنیوی لحاظ سے بھی کافی مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے۔ مگر باوجود اس کے جب حضرت ابوبکر کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے۔ خاندانی بزرگی اور ذاتی وجاہت کچھ بھی کام نہ آئی۔ ان کے چچا حکم بن عاص بن امیہ نے اس "جرم" میں ان کو پکڑا۔ غلاموں کی طرح نہایت بیدردی کے ساتھ رسیوں سے جکڑ ڈالا۔ اور پھر لکڑی لے کر اتنی شدت کے ساتھ مارا کہ تمام بدن لہولہان ہو گیا۔ اس کے بعد قید کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تک اسلام کو نہیں چھوڑو گے میں تمہیں قید سے نہیں چھوڑوں گا۔ مگر مار اور قید کی ترشی اسلام کے نشہ کو نہ اتار سکی۔ اور یہ نشہ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ظالموں اور جفاکاروں کی سختیاں اور جفاکاریاں بھی بڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کو بالآخر مکہ چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کرنی پڑی[۵۳]۔

(۳) حضرت زبیرؓ بن عوام:- نہایت بہادر۔ نہایت جوانمرد اور قریش کے بڑے معزز خاندان (بنو اسد) سے تعلق رکھتے تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ کے بھتیجے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کے لڑکے اور حضرت ابوبکر صدیق کے داماد تھے۔ جب اسلام لائے تو چچا نے پہلے تو زبانی بات چیت اور ڈراوے دھمکاوے سے ان کو راہ حق سے برگشتہ کرنا چاہا۔ مگر جب اس سے کام نہ بنا تو عملی طور پر انہیں تکلیفیں دینی شروع کیں۔ روزانہ ان کو ایک چٹائی میں لپیٹ کر اتنی دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا اور مرنے کے قریب ہو جاتے لیکن کوئی بھی جسمانی تکلیف ان کو حق و صداقت سے روگردان نہ کر سکی۔ جب چچا کی ظلم و زیادتی حد سے بڑھ گئی تو نہایت مجبور ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے[۵۴]۔

(۴) حضرت طلحہ بن عبید اللہ:- بنی تیم کے ایک معزز فرد تھے۔ ساتویں پشت میں ان کا شجرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ اسلام لانے کی پاداش میں اپنے سخت دل اور بے رحم بھائی عثمان بن

---

[۵۲] عرب میں کسی کی پناہ بہت خاص اور اہم چیز تھی۔ جب کوئی سردار کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتا تھا۔ پھر اُسے کوئی شخص تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔ [۵۳] خلفائے راشدین صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۶۔ تاریخ ملت جلد دوم صفحہ ۲۱۰

[۵۴] تذکرہ مہاجرین جلد اول صفحہ ۴۷ و ۴۸

علیہ اللہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ وہ ان کو اور حضرت ابوبکر کو (جن کی تبلیغ سے یہ مسلمان ہوئے تھے) ایک ہی رسی میں باندھ کر خوب مارا کرتا تھا تاکہ مار کے خوف سے اپنے سابقہ دین میں واپس آجائیں۔ لیکن انھوں نے اسلام چھوڑنے کے لیے اختیار نہیں کیا تھا۔[۱]

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص:۔ یہ قریش کے ایک معزز قبیلہ زہری سے تعلق رکھتے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ جب ان کی ماں حمنہ نے یہ سانحہ سنا تو سر پیٹ لیا کہ ہائے میرا پیارا بیٹا ہزاروں خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کا بندہ بن گیا۔ بہت روئی پیٹیں اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ تین دن اسی طرح گذر گئے۔ اور گھر میں سخت جھگڑا فساد برپا ہو گیا۔ والدہ کا خیال تھا کہ چونکہ سعد میرا نہایت ہی فرمانبردار بیٹا ہے۔ اس لیے اس دھمکی سے متاثر ہو کر فوراً اس نئے دین کو چھوڑ دے گا۔ لیکن سعد نے صاف کہہ دیا کہ اے اماں! آپ کے حقوق۔ آپ کی عزت۔ آپ کی اطاعت اور آپ کی فرمانبرداری سب حق اور فرض۔ مگر میں خدا اور رسول سے آپ کو مقدم نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کو بھی ان کی یہ استقامت پسند آئی اور اس نے آئندہ کے لیے قانون بنا دیا کہ وان جاھداک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما (یعنی اگر والدین تجھے میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں تو اس معاملے میں ان کی اطاعت مت کر)[۲]

(۶) حضرت سعیدؓ بن زید:۔ یہ بھی قریش کے ایک معزز فرد اور عمر بن خطاب کے بہنوئی تھے عمر کی بہن فاطمہ ان کی زوجیت میں تھیں اور دونوں میاں بیوی شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ مگر چونکہ عمر اسلام کے نہایت شدید دشمن اور بہت سخت مزاج انسان تھے اس لیے ان کی سختی اور تشدد کے خوف سے دونوں میاں بیوی نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا ہوا تھا۔ لیکن جب ایک روز اتفاقیہ ان کو اس کا پتہ چل گیا تو آکر بہنوئی کو لپٹ گئے اور مارتے مارتے بیہوش کر دیا۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے اٹھیں تو ان کا بھی سر پھاڑ دیا۔ اور تازہ تازہ لہو مظلوم عورت کے جسم اور کپڑوں پر بہنے لگا۔ مگر اس حالت میں بھی بہن نے روتے ہوئے یہی کہا کہ "عمر! چاہے مارتے مارتے ہمیں مار ڈالو۔ مگر یہ دین تو اب چھٹتا نہیں"[۳] (کسے پتہ تھا کہ یہی سخت دل انسان ایک دن "حضرت امیرالمومنین فاروق اعظمؓ" کے نام سے اسلامی دنیا کا شہنشاہ ہو گا)

(۷) حضرت عبداللہؓ بن مسعود:۔ قریش کے قبیلہ ہذیل کے ایک ممتاز فرد تھے یہ اس زمانے میں اسلام لائے۔ جب جماعت مومنین صرف چند صاحب ایمان اصحاب پر مشتمل تھی۔ اور مکہ کی سرزمین میں سوائے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی شخص کو مجمع عام میں بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی ہمت نہ تھی۔ ایک روز

---

[۱] تذکرۂ "مہاجرین" جلد اوّل صفحہ ۱۲۲ ۔ [۲] تذکرۃ المہاجرین صفحہ ۹۵ بحوالہ اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۱

[۳] تذکرہ "مہاجرین" جلد اول صفحہ ۱۶۵ بحوالہ طبقات ابن سعد

مسلمان ہونے والے اصحاب باہم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ اب تک قریش نے بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ کاش! کوئی ایسا دلیر اور نڈر شخص ہو جو جرأت کے ساتھ قریش کو قرآن کریم کی چند آیات سنا دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بھی وہاں موجود تھے۔ نہایت دلیری سے فرمانے لگے۔ "یہ فرض میں انجام دینے کے لیے تیار ہوں اور کل صبح کعبہ میں جا کر قریش کو قرآن سناؤں گا۔" لوگوں نے ڈرایا اور کہا کہ یہ بڑا خطرناک کام ہے جان نہیں بچے گی۔ مگر اس مخلص اور دلیر انسان کے ارادے میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

دوسرے دن چاشت کے وقت جب تمام معززین قریش اور سرداران قوم کعبہ میں حسب معمول بیٹھے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وہاں پہنچے اور ایک طرف کھڑے ہو کر نہایت بلند آواز ہی سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی آیات پڑھنی شروع کر دیں۔ اس پر اول تو تمام مجمع کفار حیران ہو کر ان کو دیکھنے لگا۔ پھر یک دم مشتعل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑا۔۔ اور اس قدر مارا کہ سارا چہرہ لہو کی طرح زخمی ہو گیا۔ لیکن یہ اتنے دلیر اور بہادر شخص تھے کہ برابر مار کھاتے گئے مگر زبان نہ رکی اور مسلسل قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے[۲]۔

(۸) حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی القرشی۔ اسی شجرہ سے ان کا خاندانی اعزاز ظاہر ہے۔ آپ مکہ کے حسین ترین نوجوان تھے اور نہایت امیر والدین کے بیٹے تھے۔ مگر اسلام لانے کی پاداش میں ان کو سخت تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں جن کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

(۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون:۔ قریش کے قبیلہ بنی جمح میں سے تھے۔ اور حضرت عبیدہ بن حارث حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے ساتھ اسلام لائے تھے۔ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ ایک روز مشہور شاعر لبید صحن کعبہ میں بیٹھا اپنا ایک مشہور قصیدہ سنا رہا تھا۔ تمام معززین قریش جمع تھے اور نہایت شوق و توجہ سے اس کا کلام سن رہے تھے۔ یکایک حضرت عثمان نے اس کے شعر کے ایک مصرعے پر اعتراض کیا۔ اس سے زیادہ ایک بلند پایہ شاعر کی توہین اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس کے شعر پر کوئی شخص اعتراض کرے۔ فوراً سارا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا اور مارتے مارتے بے دم کر دیا۔ ایک ظالم نے اس زور کا طمانچہ منہ پر مارا کہ ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ اور اس کے بعد برابر قریش کی طرف سے تکلیفوں اور مصیبتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی[۲]۔

---

[۲] سیرۃ ابن ہشام ص۱۰۳ مہاجرین حصہ اول صفحہ ۲۵ [۵] بحوالہ اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود۔ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

(۱۰) حضرت ابوذر غفاریؓ:۔ قبیلہ غفار کے سربرآوردہ شخص اور بڑے مشہور صحابی ہیں۔ اپنے مسلمان ہونے اور قریش کے ہاتھوں سخت اذیت اور تکلیف اٹھانے کی کیفیت خود اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"میں قبیلہ غفار کا ایک شخص تھا۔ مجھے خبر پہنچی کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ "میں نبی ہوں" اس پر میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو جا۔ اور اس نبی سے بات چیت کر۔ اور اس کی خبر لاکر مجھے دے۔ وہ مکہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ پھر لوٹ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو؟ میرے بھائی نے جواب دیا" اللہ کی قسم میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ اس خبر سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میں نے راستے کے لیے کچھ کھانا اور اپنی چھڑی لی اور مکہ کا رخ کیا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا نہ تھا اور نہ میں یہ چاہتا تھا کہ لوگوں سے آپؐ کے متعلق پوچھوں مکہ پہنچ کر میں زمزم کا پانی پیتا تھا اور کعبہ میں رہتا تھا۔ ناگاہ میرے پاس علی ابن ابی طالب آئے اور پوچھنے لگے کہ "کیا آپ مسافر ہیں؟" میں نے کہا "ہاں" اس پر وہ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے۔ لیکن نہ تو انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود کچھ کہنا مناسب سمجھا۔ جب صبح ہوئی تو میں کعبہ میں چلا آیا۔ اس خیال سے کہ آنحضرتؐ کے متعلق کسی سے کچھ دریافت کروں۔ لیکن مجھے کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو آنحضرت کا پتہ بتاتا۔ شام کو پھر علی میرے پاس آئے اور کہنے لگے "کیا آپ کو ابھی تک کوئی ٹھکانا نہیں ملا؟" میں نے کہا۔ نہیں۔ اس پر علی نے کہا اچھا پھر میرے ساتھ چلو۔ اس مرتبہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ "تم کون ہو؟ اور یہاں کس کام کے لیے آئے ہو؟" میں نے کہا "اگر تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔ تو میں تمھیں ساری بات بتا دیتا ہوں۔ جب انھوں نے وعدہ کر لیا تب میں نے کہا" مجھے خبر پہنچی ہے کہ یہاں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ میں نے اپنے بھائی کو دریافت احوال کے لیے بھیجا تھا مگر وہ کوئی تسلی بخش جواب لے کر نہیں لوٹا۔ اس پر میں نے ارادہ کیا کہ میں خود جا کر اس کی تحقیق کروں" یہ سن کر علیؓ نے کہا "تم نے راستہ پا لیا۔ میں بھی انھی کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ جہاں میں داخل ہو جاؤں۔ تم بھی جھٹ وہیں داخل ہو جانا۔ چنانچہ علیؓ چلے اور میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ وہ ایک مکان میں داخل ہو گئے۔ میں بھی جھٹ اندر چلا گیا۔ وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ آنحضور کو دیکھ کر میں نے عرض کی کہ مجھے اسلام کی تلقین فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے تبلیغ کی اور میں فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا "ابوذر! اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھو اور اپنے ملک کو لوٹ جاؤ۔ جب تم سن لو کہ ہمیں غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو پھر چلے آنا" اس

پر میں نے عرض کیا کہ "اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں اپنے اسلام کا اظہار کفار قریش کے سامنے چیخ چیخ کر کروں گا۔" اس کے بعد میں کعبہ میں آیا۔ قریش حسب معمول وہاں بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے کہا "اے قریش کے معزز اصحاب! انی اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ (میں بیشک گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس امر کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسولؐ ہیں) یہ سنتے ہی قریش کے معززین نے کہا "لینا اس کو یہ بے دین ہو گیا ہے۔" اس پر چاروں طرف سے لوگ مجھ پر پل پڑے۔ اور مجھے اتنا مارا کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ اتفاقاً عباس بن عبدالمطلب وہاں آنکلے۔ اور مجھے اس حال میں دیکھ کر مجھ پر اوندھے گر گئے۔ تاکہ مجھے ان لوگوں کے ہاتھوں سے بچائیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمانے لگے "تم پر افسوس! تم قبیلہ غفار کے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو حالانکہ غفار کا قبیلہ تمھارے تجارتی راستہ میں پڑتا ہے۔ اگر تم نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ تو تمھارا تجارتی راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ اور تمھیں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔" یہ سن کر وہ سب لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ اور مجھے چھوڑ دیا۔ مگر دوسرے دن صبح میں پھر کعبہ میں گیا۔ اور دوبارہ بلند آواز سے کلمہ پڑھا۔ اس پر انھوں نے پھر مجھے پکڑ لیا اور مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عباس آ گئے اور انھوں نے مجھے ان ظالموں کے ہاتھ سے چھڑایا۔[سلہ]

(۱۱) حضرت سلمہؓ بن ہشام:- آپ مشہور و معروف اور شدید ترین دشمن اسلام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے اور دعوتِ اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ابوجہل انھیں کتنی سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتا ہوگا۔ جب یہ مصائب ناقابل برداشت ہو گئے تو آپؓ اس کی قید سے نکل بھاگے اور حبش چلے گئے۔ قریش کے اسلام لے آنے کی غلط خبر سن کر جب مہاجرین حبشہ واپس آئے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہی واپس آ گئے آتے ہی فوراً ابوجہل نے پھر ان کو پکڑ کر قید کر دیا۔ اور دوبارہ سخت تکلیفیں دینی شروع کیں۔ مارتا پیٹتا بھی اور کھانے کو بھی نہ دیتا۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں کہ بھاگنے نہ پائیں۔[سلہ]

(۱۲) حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ:- یہ بھی ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ اور ابتدائی ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان پر بھی ابوجہل اتنی ہی سختیاں کرتا تھا جتنی اپنے حقیقی بھائی سلمہ پر۔ مگر یہ بھی اس کی قید سے نکل بھاگے۔ پہلے حبشہ گئے اور پھر مدینہ۔ مگر ابوجہل کو یہ بات کس طرح گوارا ہو سکتی تھی کہ بھائی آزاد پھرے۔ خاص منصوبہ دل میں سوچ کر مدینہ پہنچا اور بھائی سے کہنے لگا کہ والدہ تمھاری جدائی میں نہایت بے قرار اور نڈھال ہو رہی ہیں۔ انھوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک دوبارہ تمھیں نہ دیکھ لیں گی۔ نہ سایہ میں بیٹھیں گی۔ نہ سر میں کنگھی کریں گی۔ نہ کپڑے بدلیں گی۔ خدا کے لیے تم ذرا میرے ساتھ چل کر والدہ کو اپنی صورت دکھا دو۔ پھر فوراً ہی واپس آ جانا۔" والدہ کی محبت کے باعث

سلہ صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب قصۂ زمزم وقبہ اسلام ابی ذر سلہ تذکرہ "مہاجرین" جلد دوم صہ ۲۴۲۔ بحوالہ طبقات: ابن سعد۔ جزو چہارم صہ ۹۶

عیاشؓ ابوجہل کے چکمے میں آگئے اور اس کے ساتھ چلے آئے۔ مکے پہنچتے ہی ابوجہل نے عیاشؓ کو پکڑ لیا اور سلمہ کے ساتھ ہی قید کر دیا۔ دونوں کے پاؤں میں ایک ہی بیڑی ڈال دی۔[۵۳]

(۱۳) حضرت ولیدؓ بن ولید:۔ یہ خالد بن ولید کے بھائی تھے اور جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے خالد کی اسلام دشمنی کسی ثبوت کی محتاج نہیں ولید سے یہ غلطی ہوئی کہ مسلمان ہونے کے بعد بھائیوں کے ساتھ واپس مکہ چلے گئے۔ یہاں پہنچتے ہی ہتھکڑیاں، بیڑیاں پہنا کر انھیں قید کر دیا گیا۔ قید میں ان کے ساتھی عیاشؓ اور سلمہؓ بھی تھے مگر یہ بستا کچھ زیادہ بہتر طور واقع ہوئے تھے۔ کچھ دن تو طوق و سلاسل کی تکلیفیں سہتے رہے مگر موقع پا کر بھاگ نکلے۔ مدینہ پہنچے تو آقائے دو جہاںؐ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا "بس ولید تم آگئے اور اپنے دونوں دوستوں عیاش اور سلمہ کو وہیں چھوڑ آئے؟" انھوں نے عرض کی "حضور! ان کی نہایت کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔ اور بڑی سختیاں قید میں ان پر کی جا رہی ہیں۔ کم بخت ابوجہل نے دونوں کو ایک ہی بیڑی میں جکڑ رکھا ہے"۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جاؤ ابھی واپس جاؤ اور جس طرح بھی بنے دونوں کو کفار کے ظلم و ستم سے چھڑا کر لاؤ"۔

مقدس آقا کے حکم کی تعمیل میں یہ مکہ واپس گئے اور بڑی خوبصورتی کے ساتھ دونوں کو اڑا لائے۔ خالد بن ولید نے پوری جمعیت کے ساتھ ان کا تعاقب کیا مگر ان کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔[۵۴]

(۱۴) حضرت ہشامؓ بن عاص:۔ یہ عمرو بن عاص کے چھوٹے بھائی تھے۔ عمرو اسلام لانے سے قبل حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ مگر ان کے چھوٹے بھائی کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا اسی قصور پر باپ نے قید کر دیا۔ اور عرصے تک محصور رہے۔[۵۵]

۳۔ کفارِ قریش کا سلوک خود آنحضرتؐ کے ساتھ

جو رویہ قریش کا اُن غلاموں کے ساتھ تھا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ آپ نے پڑھ لیا۔ اس کے بعد وہ برتاؤ بھی آپ نے دیکھ لیا جو ان لوگوں نے اپنے برابر کے بھائیوں سے محض اس لیے کیا کہ کیوں انھوں نے جادۂ ضلالت کو چھوڑ کر راہ حق کو اختیار کیا؟ آئیے اب آپ کو بتائیں کہ ان وحشی درندوں نے خود فخر موجودات افضل البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاص کے خلاف جو محاذ محض اس لیے کفار قریش نے قائم کیا کہ کیوں آپ نے

---

[۵۳] تذکرہ مہاجرین جلد دوم ص۲۱۲ بحوالہ استیعاب جلد ۲ ص۵۰۔ [۵۴] حال ولید بن ولید [۵۵] تذکرہ "مہاجرین" جلد دوم ص۲۸۹ بحوالہ مستدرک حاکم جلد ۳ ص۲۴۰ [۵۵] طبقات ابن سعد جزو رابع صفحہ ۹۷ و استیعاب

حق کی تبلیغ کرتے اور اسلام کی اشاعت کرتے ہیں؟ اس کی دو شقیں تھیں۔

(۱) آپ کو مکہ میں نیز تمام عرب میں بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔ تاکہ بُری شہرت کے باعث نہ کوئی آپ کی طرف متوجہ ہو اور نہ کوئی آپ کی بات سنے۔

(۲) ذاتی طور پر آپ کو تکلیفوں مصیبتوں اور اذیتوں میں مبتلا کرنا۔ تاکہ گھبرا کر آپ تبلیغ و اشاعت کے کام کو بند کر دیں۔ جو کافروں کا عین مقصد تھا۔

۱۔ آپ کو منظم طور پر بدنام کرنے کی سکیم کا خاکہ ویسے تو وہ لوگ آپ کو شاعر۔ ساحر۔ مجنون۔ مسحور اور کاہن وغیرہ ناموں سے پکارتے ہی تھے۔ لیکن ایک مرتبہ خاص طور پر تمام جبارانِ قریش کا ایک اہم اجلاس ولید بن مغیرہ کے گھر میں محض اس غرض سے منعقد ہوا کہ حج کا زمانہ قریب[۱] ہے۔ عرب کے ہر حصّے سے حاجی مکّہ میں آئیں گے اور لازماً محمدؐ کا حال بھی پوچھیں گے اس موقع پر ان سے کیا کہا جائے؟

معاملہ اس اجلاس میں بڑی بحث و تمحیص اور رد و کدح کے بعد یہ طے پایا کہ ہم سب باہر سے آنے والے تمام حاجیوں اور زائرین سے یہ بات کہیں کہ محمدؐ بہت ہوشیار اور چالاک آدمی ہے اس کی باتیں بظاہر شیریں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر در اصل ان میں زہر گھلا ہوا ہوتا ہے۔ جنہیں سن کر بھائی سے بھائی جدا ہو جاتا ہے باپ بیٹے کو چھوڑ دیتا ہے۔ بیٹا باپ سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ بیوی اور شوہر میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ جانی دوست ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جاتے ہیں اپنی ان ہی فساد انگیز باتوں کی وجہ سے محمدؐ نے یہاں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے اور بہت سے گھروں کو نمونہ حشر بنا دیا ہے۔ اگر لوگ چاہیں گے تو ہم اُن کے سامنے بڑی آسانی سے ایسے لوگوں کو پیش کر سکیں گے جو محمدؐ سے متاثر ہو کر اپنے عزیزوں کے سخت مخالف بن گئے اور اب ان کی شکل دیکھنا نہیں چاہتے۔

سکیم پر عمل جب حج کا موسم آیا تو مکہ کے تمام نمایاں اور قابلِ ذکر افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق باہر سے آنے والے لوگوں سے وہی الفاظ کہے جو مجلس میں پاس ہو چکے تھے اور اس طرح تمام مختلف قبائل میں جو دُور و نزدیک سے مکہ میں حج کے لیے آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پھیلا دیئے۔[۲]

۲۔ اس دوران میں ذاتی طور پر جو تکالیف آپ کو پہنچائی گئیں باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار مکہ نے جو سکیم بنائی تھی۔ اس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ

---

[۱] زمانۂ جاہلیت میں بھی تمام بت پرست قومیں عرب کے کونے کونے سے کعبہ کا حج کرنے مکہ میں آیا کرتی تھیں اور اسے مقدس سمجھتی تھیں۔ [۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ

جو پروگرام انھوں نے مقامی طور پر آپ کے لیے بنایا تھا۔ وہ یہ تھا کہ قولی اور عملی طور پر آپ کو پریشان اور اتنا دق کیا جائے کہ مجبور ہو کر آپ اپنی تبلیغ اور اشاعت کے کام سے باز آجائیں۔ اس سلسلے میں جو جو کارروائیاں انھوں نے کیں اور جیسے جیسے سلوک آپ سے کیے۔ ان کی کیفیت تشریح اور تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔ لہٰذا یہاں نہایت مختصر طور سے تکالیف کے چند نمونوں اور مصائب کی چند مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے:۔

الف۔ تکالیف کے چند نمونے | اس ضمن میں جو جو حرکات ان سے ظہور میں آئیں۔ اُن میں سے بعض یہ تھیں:۔

۱۔ بازاروں۔ گلیوں اور کوچوں میں آپ کا مذاق اڑانا۔

۲۔ راہ چلتے آپ پر پھبتیاں اور آوازے کسنا۔

۳۔ آپ کے متعلق نہایت غلط اور بے بنیاد باتیں مشتہر کرنی اور آپ پر ناپاک اتہامات لگانے

۴۔ آپ کے متعلق اشتعال انگیز باتیں عوام میں پھیلانی۔

۵۔ آپ کو شاعر۔ ساحر۔ مجنون اور کاہن کے ناموں سے مشہور کرنا۔

۶۔ آپ کی ہجو میں اشعار تصنیف کرنا اور ان کو پھیلانا۔

۷۔ راستے میں گذرتے ہوئے آپ پر کنکر پتھر پھینکنا۔

۸۔ آپ کے گھر میں غلاظت ڈال دینا۔

۹۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دینا۔

۱۰۔ آپ کو برملا برا بھلا کہنا۔

۱۱۔ آپ کو ذاتی طور پر تکالیف پہنچانا۔

۱۲۔ آپ کو برے ناموں سے یاد کرنا۔ اور اس پر خوشی کا اظہار کرنا۔

یہ اور اسی قسم کی بہت سی حرکات ان کا روزمرہ کا معمول تھیں۔ آپ کو تکلیف پہنچا کر وہ اپنے دلوں میں حقیقی مسرت محسوس کرتے تھے اور ان کا ہر چھوٹا بڑا دن رات آپ کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف رہتا تھا۔ ان تمام بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے اُن کا واحد مقصد اور مدعا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے تنگ اور عاجز آ کر اپنی تبلیغ اور اشاعتی سرگرمیوں سے باز آجائیں۔

ب۔ مصائب کی چند مثالیں | یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی مصائب اور تکالیف سے بھری ہوئی تھی۔ دشمنوں اور مخالفوں نے ایک دم بھی حضور علیہ السلام کو آرام اور چین سے

نہیں بیٹھنے دیا۔ مگر حضور علیہ السلام کی مکی زندگی تو بالخصوص نہایت درجہ درد و کرب اور غم والم سے بھری ہوئی تھی۔ آپ کا ہر لمحہ اور ہر منٹ ایسی مصیبت اور تکلیف میں بسر ہوتا تھا جس کی انتہا نہیں نمونے کے طور پر صرف چند مثالیں یہاں بیان کی جاتی ہیں:۔

(۱) عتبہ بن ابی معیط کا نہایت مشہور واقعہ ہے کہ ایک روز خانہ کعبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا گپیں مار رہا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور خاموشی کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ یہ تو ہر وقت اس فکر میں رہتا ہی تھا کہ کوئی موقع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو ستانے اور تکلیف دینے اور مذاق اڑانے کا ملے تو اس سے فائدہ اٹھائے۔ آپ کو نماز پڑھتا دیکھ کر اس کی شرارت کی رگ پھڑکی اور اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا کہ فلاں جگہ ایک اونٹ ذبح ہوا تھا۔ اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہے۔ وہ اٹھالا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سجدے میں گئے تو اس نے اس شخص سے کہا کہ "یہ اوجھڑی ان کی پیٹھ پر رکھ دے" چنانچہ اس نے رکھ دی۔ اوجھڑی میں سے جو نجاست بہہ رہی تھی۔ اس سے آپ کے تمام کپڑے اور جسم ناپاک ہوگیا اور حضور کو سخت تکلیف پہنچی۔ مگر اوجھڑی اتنی بھاری تھی کہ آپ سجدہ سے سر نہ اٹھا سکے۔ یہ ناپاک نظارہ دیکھ کر اور یہ بے ہودہ مذاق کر کے عقبہ اور اس کے سارے ساتھی کھلکھلا کر ہنس پڑے اور مارے خوشی کے تالیاں بجانے لگے۔ حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھاگتی ہوئی آئیں۔ اوجھڑی آپ کی پیٹھ پر سے اٹھا کر پھینکی اور کافروں کو برا بھلا کہتی ہوئی مقدس باپ کو ساتھ لے کر واپس چلی گئیں گھر پہنچ کر باپ کے کپڑے دھوئے اور انھیں غسل کرایا[۱]۔

(۲) یہی عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب آپ کے ہمسائے تھے مگر بہت ہی برے ہمسائے تھے دونوں روزمرہ غلاظت کے ٹوکرے اٹھا کر لاتے اور حضور کے دروازے پر پھینک جاتے تاکہ ان سے تعفن اور بدبو پھیلے اور آپ باہر نکلیں یا اندر جائیں تو آپ کے پاؤں اور کپڑے نجاست سے آلودہ ہوں۔ ایک روز اسی طرح ابولہب نجاست کا ٹوکرا بھر کر لایا۔ چاہتا تھا کہ دروازے کے اندر پھینک دے کہ اتنے میں حضرت حمزہؓ ادھر آنکلے۔ انھوں نے وہی ٹوکرا اس کے سر پر اوندھا دیا۔ اور وہ سر سے پاؤں تک نجاست میں نہا گیا۔ بے حیا اتنا تھا کہ کہنے لگا "حمزہ تم بڑے ہی بے وقوف ہو۔ یہ کیا حرکت کی۔ میرے سارے کپڑے خراب کردیئے"[۲]

(۳) عقبہ کے ساتھ بھی ایک روز یہی واقعہ ہوا۔ جب وہ حسبِ معمول غلاظت کا ٹوکرا بھرا ہوا لایا تو اس وقت اتفاقاً حضور کے دروازے پر ایک نوجوان طلیب بن عمیر بن وہب بن عبد مناف کھڑے تھے جو اگرچہ

---

[۱] حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ [۲] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۱۶

مسلمان نہ ہوئے تھے مگر خاندانی غیرت میں آکر وہ ٹوکرا اس سے چھین لیا۔ اور اسی کے منہ پر دے مارا اور کچھ ٹھکائی بھی کی۔ عقبہ وہاں تو کچھ نہ بولا۔ مگر طلیب کی ماں کے پاس جاکر شکایت کی اور کہا کہ تیرا بیٹا محمدؐ کی طرف داری کرنے لگا ہے۔ ماں نے کہا "ہاں پھر ٹھیک ہے۔ اگر ہم اس کی طرف داری نہ کریں گے تو پھر اور کون کرے گا"[1]

(۴) ایک مرتبہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں سے بچاتے ہوئے ایک صحابی حضرت حارث بن ابی ہالہ کی جان ہی گئی۔ جس کی کیفیت ہم فصل دوم میں بیان کر چکے ہیں۔

(۵) اُم جمیل۔ امیہ بن عبد شمس کی پوتی۔ حرب بن امیہ کی بیٹی۔ ابوسفیان بن حرب کی بہن اور ابولہب کی بیوی تھی۔ جتنی زبردست دشمنی اور عداوت اس عورت کو اپنے مقدس بھتیجے سے تھی اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ بہت معزز خاتون ہونے کے باوجود جنگل میں جاکر جھاڑیوں کے کانٹے اپنے سر پر اٹھا کر لاتی۔ اور حضور علیہ السلام کے راستے میں بکھیر دیتی۔ تاکہ آپؐ کے آتے جاتے پاؤں لہولہان ہوں یہ روز کا شغل اس کا ہی تھا[2]۔

(۶) کوئی بھی موقع کفار مکہ آپؐ کا مذاق اڑانے۔ آپؐ کو تکلیف دینے اور آپؐ کو روحانی و جسمانی اذیت پہنچانے کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ جب مکہ میں آنحضورؐ کے صاحبزادوں قاسم اور عبداللہ کا انتقال ہوا تو اگرچہ یہ ایک غم کا موقع تھا اور سخت سے سخت دشمن بھی ایسے موقع پر ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر کفار مکہ کے دل ایسے موقعے پر بھی نہ پسیجے اور انھوں نے آنحضرتؐ کو نہایت حقارت کے ساتھ "ابتر" کہہ کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے متعلق عاص بن وائل مشہور کافر کا یہ فقرہ اب تک کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دعوه انما هو رجل ابتر لا عقب له لو هلك انقطع ذكره واسترحتم منه (بحر المحیط)
یعنی محمدؐ کو چھوڑ دو۔ یہ تو ایک ابتر آدمی ہے۔ نہ اس کا آگا نہ پیچھا۔ جب مر جائے گا تو لوگ اُسے خود ہی چھوڑ دیں گے اور تمھیں نجات مل جائے گی۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کرنے کے عجیب عجیب طریقے کفار مکہ ایجاد کیا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے اپنی مجلس میں بیٹھ کر انھوں نے ایک مرتبہ یہ فیصلہ کیا کہ "محمدؐ" بہت اچھا اور خوبصورت نام ہے مگر بت پرستی کی برائی کرنے اور ہمارے خداؤں کو گالیاں دینے کے باعث اب یہ اس مبارک نام کا مستحق ہرگز نہیں رہا۔ لہٰذا اب سب لوگ اسے مذمّم کہہ کر پکارا کریں (جس کے معنی ہیں بدنام اور مذمت شدہ) چنانچہ سرداران قریش کے اس فیصلے کی تعمیل میں مکہ کا ہر چھوٹا بڑا آپؐ کو مذمّم کہہ کر پکارنے لگا اور ان لوگوں کو اتنی بھی شرم

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۲۴، [2] تفسیر قادری زیر آیت حمالۃ الحطب

اور غیرت نہ آئی کہ یہ وہی انسان ہے جس کی ہم کل تک بے حد تعظیم کرتے تھے۔ اپنے جھگڑوں میں اُسے حکم بناتے تھے اور اس کا نام ہم نے خود "صادق" اور "امین" رکھا تھا۔

جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کافروں کا یہ فیصلہ سنا تو ارشاد فرمایا "میرے نام کو بگاڑنے سے اُنھیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جب خدا نے میرا نام محمدؐ[1] رکھا ہے تو اُن کے مُذَمَّم کہنے سے میں کس طرح ذلیل ہو سکتا ہوں۔"[2]

فصل ششم

مسلمانوں پر کُفّار کے مظالم کی انتہا

سخت مظالم کے باوجود آنحضرتؐ کا اشاعتِ اسلام میں انہماک

اُن تکالیف اور مصائب کے باوجود جو کفار قریش اور اہالیانِ مکّہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو دیں اور جن کا بیان اُوپر ہو چکا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی تبلیغ اور اشاعت کے کام سے باز نہیں آئے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس قدر زیادہ تکلیفیں آپؐ کو پہنچتی رہیں۔ اسی قدر زیادہ استقلال کے ساتھ حضور علیہ السلام اپنی دعوتِ حق کو تیز کرتے گئے۔ جس طرح کفار نے اپنی زندگی کا نصب العین یہ بنا لیا تھا کہ ہر قیمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغ میں روڑے اٹکائے جائیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت پختہ عزم اس امر کا کر لیا تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر میں اپنے موقف سے بال برابر بھی نہیں ہٹوں گا۔ خواہ اس میں جان۔ مال اور عزّت کی کتنی بھی قربانی دینی پڑے۔

آنحضور کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں نومسلموں کی تعداد میں اضافہ

حضور علیہ السلام کے اس عزم و استقلال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے برکت دی اور نئے مسلمان ہونے والے اصحاب کی تعداد یوماً فیوماً بڑھنے لگی۔ اور مکہ کا کوئی خاندان ایسا نہ رہا جس میں کم از کم ایک دو یا زیادہ آدمی حلقہ بگوش اسلام نہ ہو گئے ہوں۔

تبلیغ اسلام کو روکنے کے لیے کفار کی ایک اور کوشش

مسلمانوں کی یوماً فیوماً اس زیادتی اور اضافے کو کافروں نے نہایت خوف و دہشت کی نظر سے دیکھا اور اسلام کی اس ترقی میں ان کو اپنا زوال بلکہ موت نظر آنے لگی۔ اس پر وہ دوگنی مستعدی کے ساتھ اسلام کا قلع قمع کرنے پر تیار ہو گئے۔

---

[1] محمد کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ جس کی لوگ مدح و ستائش کریں۔ [2] صحیح بخاری باب ماجاء فی اسماء الرسول

جدید مجلس مشاورت کا انعقاد کعبہ کے صحن میں سرداران قریش کی ایک عظیم کانفرنس پھر منعقد ہوئی اور اس میں یہ بات پیش کی گئی کہ محمدؐ کی تبلیغ وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے اور اس کے پیرو بڑھتے جا رہے ہیں۔ اب ایسی کونسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ یہ امڈتا ہوا سیلاب رک جائے؟

مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کی نئی سکیم بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی کہ آل ہاشم کی حمایت اور ابوطالب کی طرف داری کے باعث ہم محمدؐ کو تو براہ راست آزادی کے ساتھ کچھ زیادہ تکلیف اور اذیت نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن دوسرے مسلمانوں پر انتہائی مظالم توڑ لے ہیں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑنی چاہیئے تاکہ وہ اس دکھ سے گھبرا کر محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں۔

اس سکیم پر عمل درآمد اس تجویز کو ان لوگوں نے فوراً عملی جامہ پہنایا۔ چنانچہ ابن سعد کہتا ہے:۔

"زہری سے مروی ہے کہ جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی۔ اور وہ اپنے ایمان کو ظاہر کرنے لگے اور اسلام کا چرچا مکہ میں ہر جگہ ہونے لگا تو کفار قریش کے بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے مومنین پر حملہ کر دیا اور انھیں طرح طرح کے عذاب دینے لگے اور ان کو قید کر دیا اس طرح انھیں دین حق سے برگشتہ کرنا چاہا"[1]

مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم جب اس ظالمانہ فیصلے کے نتیجے میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے جانے لگے۔ ہر طرف مار دھاڑ۔ قید و بند اور تکالیف و شدائد کا بازار گرم ہوگیا۔ اور خدا کی زمین مسلمانوں پر تنگ ہوگئی تو نہایت مجبور ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ جو لوگ جا سکتے ہوں اور اتنی استطاعت رکھتے ہوں وہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر آہستہ آہستہ ایک ایک دو دو کر کے ملک حبش (ابی سینیا) چلے جائیں تاکہ ان کو روز روز کے ظلموں سے اور عذابوں سے نجات مل جائے اور وہ دکھوں اور مصیبتوں کی موجودہ زندگی سے چھوٹ جائیں۔ ابن ہشام لکھتا ہے:۔

"محمدؐ بن اسحاق مطلبی کہتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سختی و تشدد اور ظلم و جبر کو دیکھا جو مسلمان ہو جانے کے باعث حضورؐ کے اصحاب پر کفار قریش کر رہے تھے۔ اگرچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی حفاظت میں تھے اور آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کی حمایت کر رہے تھے۔ مگر تاہم یہ ممکن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام اپنے اصحاب کو بھی کفار کے مظالم سے محفوظ رکھ سکتے۔ اس لیے آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ ملک حبش میں چلے جاؤ تو یہ شاید تمہارے حق میں بہتر ہو۔ میں نے سنا ہے کہ وہاں کا (عیسائی) بادشاہ نہایت عادل اور انصاف پسند ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو اول ص ۱۳۶

تمہارے لیے کوئی راہ نہ نکالے اس وقت تک کے لیے تم لوگ وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں کئی مسلمان اپنا دین محفوظ رکھنے کے لیے حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔"[1]

اس موقع پر آنحضور کی بلندئ اخلاق کا ایک عجیب مظاہرہ

اس موقع پر یہ امر خاص طور سے غور کرنے کے قابل ہے کہ اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچ رہی تھیں اور لوگ زبان اور ہاتھ دونوں سے آپ کو اذیتیں دے رہے تھے (جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں) مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کیا کہ مصیبت کے وقت سب سے پہلے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتے اور فوراً مکہ سے نکل کر محفوظ مقام میں چلے جاتے۔ بلکہ حضور نے پہلے مظلوم مسلمانوں کو وہاں سے نکالا اور خود مکہ ہی میں رہے۔ اور پھر حبشہ کی دوسری ہجرت کے وقت بھی حضور نے یہی کیا (اگرچہ یہاں رہنے کی وجہ سے آپ کو تین سال تک قریش کے سخت ترین بائیکاٹ کا شکار رہنا پڑا۔ مگر نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ آپ نے اس طویل مصیبت کو برداشت کیا۔ جیسا کہ آپ آئندہ پڑھیں گے) پھر جب ہجرت مدینہ کا موقع آیا۔ تب بھی حضور علیہ السلام نے اسی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا اور جب تک قریباً سب مسلمانوں کو مدینہ نہیں بھیج دیا اس وقت تک حضور مکہ ہی میں رہے۔ اور یہاں سے بھی اس وقت نکلے۔ جب کفار نے آپ کا وہاں رہنا بالکل ناممکن بنا دیا۔ اور مکہ کے تمام منتخب بہادروں نے تلواریں سونت کر آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضور علیہ السلام کی بہادری۔ مستقل مزاجی۔ وفاداری اور اعلیٰ ترین اخلاقی کریکٹر کا اس واقعے سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا؟

مہاجرین حبشہ کے نام اور ان کی تعداد

حبشہ کی اس پہلی ہجرت میں جن مظلوم مسلمانوں کو اپنا گھر بار اپنا وطن۔ اپنا مال و اسباب اور اپنے عزیز و اقارب چھوڑ کر اپنی جانیں اور اپنا دین بچانے کے لیے جلاوطنی اختیار کرنی پڑی وہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ابن ہشام نے ان کے نام یہ لکھے ہیں:۔

(۱) حضرت عثمان بن عفان۔ آنحضرتؐ کے داماد۔

(۲) حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت ابوبکر کے داماد۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ آنحضرتؐ کے خادم خاص۔

(۵) حضرت ابو حذیفہ:۔ مشہور دشمن اسلام اور رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ کے لڑکے۔

(۶) حضرت ابو محمد مصعب بن عمیر۔ نہایت امیر والدین کے لڑکے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۰۶

(۷) حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد۔ آنحضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی۔

(۸) حضرت ابو السائب عثمان بن مظعون :۔ نہایت سلیم الطبع۔ نیک نفس اور پاکباز انسان۔

(۹) حضرت ابو عبد اللہ عامر بن ربیعہ :۔ سابقون الاولون میں سے نہایت بلند پایہ صحابی۔

(۱۰) حضرت حاطب بن عمرو :۔ تینوں ہجرتوں میں شریک اور بدر و احد میں شامل تھے۔

(۱۱) حضرت سہل بن بیضاء :۔ نہایت رقیق القلب بزرگ۔

ان ۱۱ صحابیوں میں سے ۴ صحابی اپنی بیویوں کو بھی ہمراہ لے گئے تھے یعنی :۔

(۱۲) حضرت عثمان اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

(۱۳) حضرت ابو حذیفہ اپنی اہلیہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو کو۔

(۱۴) حضرت ابو سلمہ مخزومی اپنی زوجہ ام سلمہ بنت ابو امیہ بن المغیرہ کو۔

(۱۵) حضرت عامر بن ربیعہ اپنی اہل خانہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ کو۔

ابن ہشام نے یہی پندرہ نام گنوائے ہیں[1] مگر ابن سعد نے ایک سولھواں نام ابو سبرہ بن ابی رہم کا بھی لکھا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے[2]۔

ہجرت کس قسم کے لوگوں نے کی اور اس کی وجہ

آپ مہاجرین حبشہ کی اس فہرست پر جو ہم نے اوپر درج کی ہے۔ ایک نظر ڈال کر دیکھیں۔ آپ کو صاف نظر آجائے گا کہ حبشہ کی طرف شروع میں بالعموم ایسے صحابہ نے ہجرت کی جو نہایت معزز اور طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اور خود بھی بڑے عالی حوصلہ اور بہادر تھے۔ اس واقعے سے اس امر پر خاص طور سے روشنی پڑتی ہے کہ غرباء ہی کو نہیں۔ امراء اور معززین کو بھی قریش اسلام لانے اور حق کو قبول کرنے کی وجہ سے اتنی سخت اور شدید تکلیفیں دیتے تھے کہ ان کو نہایت مجبور ہو کر ہجرت کرنی پڑی۔

کس قسم کے لوگ ہجرت نہ کر سکے

(۱) باقی وہ غرباء جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے تھے۔ مالی لحاظ سے اتنے کم استطاعت تھے کہ اتنے طویل سفر کے اخراجات برداشت کرنا ان کے لیے ناممکن تھا۔

(۲) رہے غلام جو خاصی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ وہ بھی افلاس کے پنجے میں ایسی بڑی طرح گرفتار تھے کہ سفر کے بالکل ناقابل تھے اس لیے یہ دونوں قسم کے لوگ مجبور تھے کہ مکے میں پڑے رہیں اور کفار کے ظلم و ستم سہتے جائیں۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۱۰۷ [2] طبقات ابن سعد جزو اول ص۱۳۶

سال ہجرت مسلمانوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ پہلی ہجرت نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں کی[1]۔ عیسوی حساب سے ۶۱۵ء میں مسلمان عازم حبشہ ہوئے۔

مکے سے حبشہ تک یہ بے خانماں اور مظلوم مسلمان مکّے سے بہت بے سروسامانی کی حالت میں نہایت خفیہ طریقے سے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر ایک ایک دو دو کر کے نکلے اور جیسا کہ انھوں نے آپس میں طے کر لیا تھا۔ جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے شعیبہ پہنچے۔ جو ان ایام میں جنوبی عرب کی ایک بندرگاہ تھی۔ یہاں اتفاق سے ان کو فوراً دو تجارتی کشتیاں ایسی مل گئیں جنھوں نے ان مہاجرین کو صرف نصف دینار کرایہ لے کر ملک حبش تک پہنچا دیا۔

کفارِ مکّہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے ہیں اگرچہ مسلمانوں نے اپنی روانگی کو بہت مخفی رکھا تھا مگر کسی نہ کسی طرح کفار کو پتہ لگ گیا۔ جس پر ان کو نہایت غصّہ آیا۔ اور فوراً چند مسلح آدمی مہاجرین کو گرفتار کرنے کے لیے ساحلِ بحر پر بھیجے گئے۔ مگر وہ اس وقت پہنچے جب کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں۔ اس لیے خائب و خاسر واپس آ گئے[2]۔

حبشہ میں مسلمانوں کو امن مل گیا جب یہ بے کس بے بس غریب الوطن مہاجرین ملک حبش کے دارالسلطنت میں پہنچے (جو اس وقت شہر اکسوم (AXUM) تھا)۔ تو غریب الوطنی اور ناواقفیت کی وجہ سے پریشان تھے کہ کہاں جائیں اور کہاں ٹھہریں۔ محلے کے آدمیوں نے جو عیسائی مذہب رکھتے تھے اپنے محلے میں جب ان کو مسافر اور اجنبی دیکھا تو ان کے ساتھ بڑی ہمدردی سے پیش آئے اور اپنے محلے میں ان کو رہنے کے لیے مکانات دے دیے ابن سعد لکھتا ہے: "حبش پہنچ کر مسلمانوں کو کامل طور پر امن مل گیا۔ وہاں وہ بے فکری اور آزادی کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور ان کا کوئی مزاحم نہ ہوتا تھا۔ نہ کسی ہمسایہ کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف پہنچی اور نہ کبھی کسی نے ان کی مخالفت کی اور محلے کا ہر شخص نہایت شریفانہ طور پر ان سے سلوک کرتا تھا[3]۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت دراصل تجربے کے طور پر تھی۔ جب یہ تجربہ نہایت کامیاب رہا اور حبشہ سے اس امر کی پختہ اطلاع آ گئی کہ مہاجرین وہاں نہایت آرام اطمینان اور امن کے ساتھ ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض بجا لا سکتے ہیں اور وہاں کوئی ان کا دشمن اور مخالف نہیں تو حضور علیہ السلام نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ "چونکہ حبشہ میں ہمیں خدا کے فضل سے امن مل گیا ہے۔ لہٰذا جو مزید مسلمان وہاں جانا چاہیں وہ تیار ہو کر روانہ ہو جائیں"۔ لہٰذا اس ارشادِ نبوی کی تعمیل میں اس دفعہ ۸۶ مرد اور ۱۸

---

[1] طبقات ابن سعد جزو اول صفحہ ۱۳۶ [2] ایضاً [3] طبقات کبیر ابن سعد جزو اول صفحہ ۱۳۶

عورتیں ہجرت حبشہ کے لیے تیار ہوئیں۔ (ابن سعد لکھتا ہے کہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ طبقات جزو اول ص ۱۳۶) اس مظلوم قافلے کے سردار اور امیر حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر کی زیر قیادت یہ قافلہ بخیریت تمام حبش پہنچ گیا۔ (اس قافلے کے افراد بھی مکے سے خفیہ طور پر ایک ایک دو دو کر کے نکلے تھے۔ پھر ایک مقام پر سب جمع ہو گئے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس دفعہ روانگی پہلے کی نسبت بہت زیادہ دشوار تھی۔ قریش کی طرف سے انتہائی سختی سے دوچار ہونا پڑا اور سخت اذیت پہنچی[۲]

نجاشی شاہ حبش کا سلوک مسلمانوں سے حبش کے ملک میں عیسائیوں کی حکومت تھی اور وہاں کے ہر بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا۔ پہلی اور دوسری ہجرت کے وقت جو نجاشی یہاں کا حکمران تھا۔ وہ عرب میں اصحمہ کے نام سے مشہور تھا۔ جب مسلمانوں کا یہ قافلہ حبشہ کے دارالسلطنت میں پہنچا اور نجاشی کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کے ساتھ بہت مراعات کا سلوک کیا اور ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا[۳]۔

قریش کی مجلس مشاورت مہاجرین حبشہ کے خلاف جب مکہ میں قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمان حبش میں نہایت امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور نجاشی نے ان کو وہاں مراعات اور آسانیاں دے رکھی ہیں تو دشمنی اور بغض سے وہ جل کر کباب ہو گئے۔ ان کو کسی طرح بھی یہ بات گوارا نہ تھی کہ مسلمان کہیں بھی اطمینان، فراغت اور بے فکری کے ساتھ رہ سکیں۔ چنانچہ ان کی مجلس مشاورت پھر منعقد ہوئی اور اس میں یہ مسئلہ بڑے زور سے پیش کیا گیا کہ مسلمان ہمارے پنجے سے نکل گئے اور اب حبش میں بڑے آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ یا تو نجاشی ان کو اپنے ہاں سے نکال دے اور یا گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دے۔

مہاجرین حبشہ کی گرفتاری کے لیے وفد کا تقرر طے یہ ہوا کہ مسلمانوں کو دوبارہ اپنے قبضے میں لانے کی صرف ایک ہی شکل ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا جائے اور اس سے درخواست کی جائے کہ مسلمانوں کو ہمارے حوالے کر دے۔ چنانچہ اس طے شدہ تجویز کے مطابق قریش نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو جو قوم میں اپنی معاملہ فہمی، ہوشیاری اور جوڑ توڑ کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ نجاشی کے پاس اس غرض کے لیے روانہ کیا۔

کامیابی کے لیے ایک مؤثر تدبیر پر عمل نجاشی کے دربار میں پہنچ کر نہایت مؤثر طور پر اپنے کیس کو پیش کرنے کے لیے مجلس مشاورت میں جو تجویز پاس کی گئی۔ وہ یہ تھی کہ (اس زمانے کے لحاظ سے) بہت سے

---

[۱] ابن ہشام نے ہر شخص کا نام اور اس کا قبیلہ بہت تفصیل سے لکھا ہے مگر طوالت کے خوف سے ہم اسے چھوڑتے ہیں۔ تفصیل کے شائقین سیرۃ ابن ہشام ذکر ہجرت حبشہ ملاحظہ فرمائیں۔ [۲] طبقات کبیر جلد اول ص ۱۳۶ [۳] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۱

بیش قیمت ہدیے اور تحفے نجاشی اور اس کے وزراء اور امراء اور درباریوں کے لیے تیار کیے جائیں۔ اور حبش پہنچ کر سب سے پہلے ان امراء سے ملا جائے جو شاہی دربار میں بڑا اقتدار اور رسوخ رکھتے ہوں۔ اور ان کو تحفے تحائف بطور رشوت دے کر اس امر کے لیے تیار کیا جائے کہ جب یہ دونوں اپنا معاملہ بادشاہ کے حضور میں پیش کریں تو وہ تمام وزراء اور امراء ان کی تائید کریں تاکہ بادشاہ پر اثر پڑے اور وہ فوراً بلا تامل مہاجرین کو ان کے حوالے کر دے۔

وفد بھیجنے سے قریش کا مقصد کیا تھا؟ اس وفد کے بھیجنے سے قریش کا واحد مقصد یہ تھا کہ اُن مسلمانوں کو جو ان کے قبضے سے نکل کر حبشہ جا بیٹھے ہیں جس طرح بھی ممکن ہو سکے واپس لا کر دوبارہ ان پر مظالم توڑے جائیں۔ کیونکہ مظلوم مسلمانوں پر قسم قسم کے ظلم کرتے وقت ان کو نہایت قلبی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اور اس مسرت سے وہ مسلمانوں کے حبشہ چلے جانے کی وجہ سے محروم ہو گئے تھے۔

قریش کا وفد پہلے نجاشی کے درباریوں سے ملتا ہے وفد کے دونوں ممبروں نے چمڑے کا بہت عمدہ اور نفیس سامان اپنے ساتھ لے لیا (جو اس زمانے میں عرب کا مشہور تحفہ تھا اور مصر و شام وایران میں بے حد پسند کیا جاتا تھا) حبش پہنچ کر یہ دونوں پہلے نجاشی کے درباریوں سے ملے اور ان کو علی قدر حیثیت بہت گراں قدر اشیاء ہدیۃً پیش کیں اور ان سے اپنے آنے کی غرض ان الفاظ میں بیان کی "ہماری قوم کے چند بے وقوف اور جاہل و نادان لوگوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور یہاں حبش میں بھاگ آئے ہیں۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے آپ کا مذہب بھی اختیار نہیں کیا بلکہ ایک ایسا نیا مذہب بنا لیا ہے جس سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔ ان کا یہ خود ساختہ دین نہ آپ کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔ نہ ہمارے دین سے اسے کوئی مناسبت ہے۔ کچھ عجیب ہی گورکھ دھندا ہے جسے نہ ہم سمجھ سکتے ہیں اور نہ آپ کی سمجھ میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم کے سرداروں نے ہم دونوں کو آپ کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ وہ ہماری قوم کے ان جاہل اور نادان نوجوانوں کو جو ہمارے ہاں سے نکل بھاگے ہیں ہمیں واپس کر دے۔ اس سلسلے میں آپ سے ہماری گذارش یہ ہے کہ جب کل ہم بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی درخواست پیش کریں تو آپ لوگ دربار میں ہماری تائید اور حمایت کریں۔ اور بادشاہ سے ہماری سفارش کر کے ان سارے آدمیوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم ان کو اپنے وطن لے جائیں۔ اس عنایت کے لیے ہم آپ کے نہایت درجہ ممنون اور شکر گذار ہوں گے۔ اس معاملے میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ بادشاہ ان مسلمانوں سے کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ کرنے پائے۔ ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔" ان دونوں کو خیال تھا کہ اگر بادشاہ نے ان سے بات چیت کی تو پھر وہ ان کی گفتگو سے ایسا مسحور ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو

ہمارے حوالے نہ کرے گا)

درباری وفد کی امداد کا وعدہ کرتے ہیں درباریوں نے ان دونوں سے وعدہ کر لیا کہ ہم ضرور دربار میں تمہاری تائید اور حمایت کریں گے اور تم ضرور اپنے آدمیوں کو واپس اپنے ساتھ مکے لے جاسکو گے اس پر یہ دونوں مطمئن ہو کر درباریوں کے پاس سے چلے آئے اور کل کے لیے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

قریش کا وفد نجاشی کے حضور میں دوسرے دن جب وقت آیا تو دونوں شاہی محل کی طرف بڑے ٹھاٹھ سے روانہ ہوئے۔ سارے تحائف جو مکہ سے لائے تھے۔ غلاموں کے سروں پر اُن کے ساتھ تھے۔

دربار میں پہنچ کر انھوں نے بہت ادب و احترام کے ساتھ ہدایہ اور تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے جو اس نے بہت خوشی کے ساتھ قبول کیے اور ان چیزوں کو دیکھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

عمرو بن العاص کی زہریلی تقریر اس کے بعد عمرو بن العاص نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کی کہ "اے بادشاہ! ہماری قوم میں سے بعض نوعمر جہلا نے نوجوانی کی ترنگ میں آکر اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ اور ایسے دین کے پیرو ہو گئے ہیں جسے نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم۔ ان سر پھرے اور بے وقوف نوجوانوں کے والدین اور رشتہ داروں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو پکڑ کر ہمارے حوالے کر دیں۔ اور ہم ان کو لے جا کر ان کے والدین اور دیگر اعزہ کے سپرد کر دیں۔ ہمیں حضور کے عدل و انصاف اور رحم و مروت سے امید ہے کہ ہماری یہ عرضداشت قبول ہو گی اور ہم کامیاب ہو کر اپنے وطن کو واپس جائیں گے"

درباریوں کی سفارش اور تائید حسب قرارداد تمام درباریوں نے بھی عمرو بن العاص کی ہاں میں ہاں ملائی اور بادشاہ سے پرزور سفارش کی کہ ان کے آدمیوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے اور یہ بھی کہا کہ ایسا کرنے سے عرب اور حبش کے تعلقات بھی خوشگوار ہو جائیں گے۔

بادشاہ کا جواب سفیروں اور درباریوں دونوں کو یقین تھا کہ بادشاہ قریش کی عرضداشت اور ہماری سفارش کو فوراً منظور کرے گا اور مہاجرین حبشہ کو ان کے حوالے کر دے گا۔ مگر اُن کی توقعات کے بالکل برخلاف بادشاہ دونوں کی باتیں سن کر نہایت ناراض ہوا۔ اور کہنے لگا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں نے میری پناہ لی۔ میرے ملک میں آکر آباد ہوئے اور دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر میرے ملک میں

آنا اور یہاں آباد ہونا انھوں نے اپنے لیے مناسب سمجھا۔ میرے شاہانہ وقار کے یہ بات خلاف ہے کہ جو لوگ میری پناہ میں آئے ہیں میں انھیں خواہ مخواہ پکڑ کر دوسروں کے حوالے کر دوں۔ ہاں میں ان لوگوں کو بلاتا ہوں اور ان سے سارے حالات اور کوائف پوچھتا ہوں۔ دونوں طرف کی کہانی سننے کے بعد اگر تم لوگوں کا بیان میرے نزدیک مبنی بر صداقت ہوا تو پھر بلاشبہ میں ان لوگوں کو تمھارے حوالے کر دوں گا۔ مگر بغیر تحقیق کے میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔"

یہ کہہ کر نجاشی نے حکم دیا کہ عرب سے آئے ہوئے جو پناہ گزین یہاں آباد ہیں۔ اُن سب کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔

جب مہاجرین کے پاس یہ شاہی فرمان پہنچا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص ہمیں واپس لے جانے کے لیے نجاشی کے پاس آئے ہوئے ہیں تو بڑے گھبرائے کہ اب کیا ہوگا۔ بہر حال ان سب نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ خواہ جان جائے یا رہے جو کچھ سچ سچ بات ہے وہ چل کر کہہ دینی چاہیئے۔ اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو وہ برداشت کرنا چاہیئے۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ تمام مہاجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب بادشاہ سے گفتگو کریں۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی زبردست تبلیغی تقریر جب مہاجرین حضرت جعفر طیار کی زیر سرکردگی نجاشی کے دربار میں پہنچے تو وہاں قریش کے دونوں سفیر پہلے سے موجود تھے۔ بادشاہ نے عزت سے ان لوگوں کو بٹھایا اور پھر پوچھا کہ قریش کے یہ سفیر یہ شکایت لے کر میرے پاس آئے ہیں کہ آپ لوگوں نے اپنا آبائی اور قومی مذہب چھوڑ کر دنیا جہان سے نرالا کوئی مذہب اختیار کیا ہے جس کے اصول نہ عیسائیت سے ملتے ہیں نہ یہودیت سے اور نہ بت پرستی سے۔ مجھے بتلایئے کہ آپ نے کونسا نیا مذہب اختیار کیا ہے اور اس مذہب میں آپ کو کیا بہتری اور بھلائی نظر آئی؟

نجاشی کے اس سوال کے جواب میں مہاجرین کے نمائندے حضرت جعفر بن ابی طالب نے جو نہایت زبردست اور مدلل تبلیغی تقریر کی اور دین اسلام کی حقانیت کو جس خوبی کے ساتھ بڑی دلیری سے ثابت کیا اس کی کیفیت ام المومنین حضرت ام سلمہ نے جو اپنے پہلے شوہر کے ساتھ اس وقت حبشہ میں مقیم تھیں اس طرح بیان کی ہے :-

"اے شہنشاہِ ذی جاہ! ہم لوگ اس سے پہلے جاہلیت کے اوہام میں بہت بُری طرح مبتلا تھے بتوں کی پرستش ہمارا مذہب تھا اور عناصر کی تعظیم ہمارا مسلک۔ اپنی خواہشوں کو ہم نے اپنا خدا بنا رکھا تھا اور ہر ایک گناہ کا ارتکاب ہم خوشی کے ساتھ کرتے تھے۔ رحم و مروت ہم میں نام کو باقی نہ رہی تھی۔ ہمارا

ظلم وطغیان حد سے بڑھ چکا تھا۔ جوا۔ شراب اور قمار بازی ہمارا وطیرہ بن چکی تھی۔ پڑوسیوں کو ستانا۔ یتیموں کا مال کھا جانا۔ مسافروں کو لوٹنا ہمارا اصل بات کا شیوہ تھا۔ امانت، دیانت، صدق اور صداقت سے ہم کوسوں دور ہو چکے تھے۔ زبردست زیردستوں پر ظلم کرنے میں نہایت دلیر تھے۔ دوسروں کا حق مارنے اور لوگوں کو تکلیف پہنچانے میں ہمیں مزہ آتا تھا۔ غرض ہم مذہبی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے نہایت ذلیل حالت میں تھے مگر خدا تعالیٰ نے ہم پر اپنا خاص فضل نازل کیا۔ اور ہم میں اپنا ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جس کے حسب نسب کی بزرگی سے ہم واقف ہیں۔ جس کے اعلیٰ اخلاق اور جس کی امانت۔ دیانت اور سچائی وصداقت کا ہم میں سے ہر شخص معترف تھا۔ اس رسول نے ہم کو خدائے واحد و یگانہ کی پرستش کی تعلیم دی۔ بت پرستی سے روکا۔ سچ بولنے امانت میں خیانت نہ کرنے۔ لوگوں سے رحم ومروت کے ساتھ پیش آنے۔ فواحش کو ترک کرنے اور عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ غرض اس نے ہمیں ہر ایک بُری بات سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور ہر ایک اچھی بات پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا۔"

غرض حضرت جعفر طیار نے نہایت تفصیل وتشریح کے ساتھ اور بہت عمدگی اور جامعیت سے تمام اسلامی اعتقادات اور اعمال کے متعلق نجاشی کے سامنے ایک اعلیٰ درجہ کی تبلیغی تقریر کی جس کا پورا اثر نجاشی پر ہوا۔

اعمال واعتقادات کی اس تبلیغ کے بعد حضرت جعفر طیار نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"اے شاہ ذی جاہ! ہم نے خدا کے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور ہم نے شرک۔ کفر اور بت پرستی کو چھوڑ دیا۔ اور نیکی۔ فلاح اور خدا ترسی کو اختیار کیا۔ جس چیز کو اس رسول نے ہمارے لیے حلال کیا۔ ہم نے اسے حلال جانا۔ اور جس چیز کو حرام کر دیا۔ ہم نے اسے حرام سمجھا۔ اس رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے ہی میں ہم نے دنیا کی بھلائی اور عقبیٰ کی بہتری سمجھی۔ مگر ہماری قوم نے اس رسول کی باتوں کو تسلیم نہ کیا۔ اور ہم سب لوگوں کو جو اس رسول پر ایمان لائے۔ سخت سے سخت تکلیفیں اور اذیتیں دینی شروع کیں اور ہمیں بے حد ستایا اور دکھ دیا۔ جب یہ مصیبتیں ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئیں اور کوئی بھی چارۂ کار نہ رہا تو نہایت مجبور ہو کر ہم اپنے وطن سے نکلے اور اس امید میں یہاں آئے کہ اس جگہ ہمیں امن مل جائے گا۔ اور آپ کی پناہ میں رہ کر ہم یہاں اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی اعمال بجا لا سکیں گے۔"

دربارِ حبش میں قرآن کی تلاوت جب تک حضرت جعفر تقریر کرتے رہے۔ نجاشی اور اس کے درباری نہایت چپ چاپ اور خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ جب جعفر نے تقریر ختم کی تو نجاشی نے اُن سے پوچھا۔

"جو کلام تمھارے نبی پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ اگر اس میں سے کچھ تمھیں زبانی یاد ہو تو مجھے سناؤ تاکہ میں تمھارے نبی کی صداقت کے متعلق کوئی اندازہ لگاؤں"۔

اس پر حضرت جعفر طیار نے موقع کی مناسبت سے سورہ مریم کی ابتدائی آیات نجاشی کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ جسے سن کر نجاشی پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس نے بے ساختہ کہا کہ حقیقت میں یہ کلام بالکل ویسا ہی ہے جیسا حضرت عیسیٰ بن مریم پر نازل ہوا تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی چراغ سے دونوں نے روشنی لی ہے۔

نجاشی کا فیصلہ سفیران قریش کے خلاف اس کے بعد نجاشی قریش کے سفیروں کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہنے لگا۔ "جو کچھ مسلمانوں کے نمائندے نے کہا وہ تم نے سن لیا؟ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کس منہ سے ان لوگوں کو یہاں سے لینے آئے ہو۔ اور تمھیں کیا حق پہنچتا ہے ان کو تکلیف دینے اور ستانے کا؟ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں ان مسلمانوں کے متعلق اب تم سے ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا اور نہ ان کو کبھی تمھارے حوالے کروں گا"۔

اس تقریر کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ یہ دونوں جتنے تحفے اور ہدیے لائے ہیں۔ سب واپس کر دیے جائیں۔ میں سونے کے ایک پہاڑ کے عوض میں بھی مسلمانوں کو ان کے حوالے نہیں کر سکتا۔ نہ خدا نے مجھ سے رشوت لے کر مجھے سلطنت دی۔ نہ میں رشوت لے کر ناانصافی کر سکتا ہوں۔

مسلمانوں کے خلاف سفیر قریش کا نیا حربہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص نہایت ذلیل و خوار ہو کر نجاشی کے دربار سے نکلے اور نہایت مغموم و مضمحل اپنی جائے قیام پر آ گئے۔ یہاں پہنچ کر عمرو بن العاص کے ہوشیار دماغ نے نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی تذلیل کی ایک بڑی انوکھی تجویز ایجاد کی۔ اور اس نے اپنے ساتھی عبداللہ بن ربیعہ سے کہا:۔

"مجھے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک تدبیر ایسی لاجواب سوجھی ہے کہ وہ لاکھ اسے چھپائیں۔ مگر وہ چھپ نہیں سکتی۔ جس کے بعد یقیناً نجاشی مسلمانوں سے ناراض ہو کر ان کو یہاں سے نکال دے گا یا ہمارے حوالے کر دے گا"۔

عبداللہ کے دل میں تھوڑی بہت نیکی اور فلاح تھی۔ اس نے عمرو بن العاص کو اس حرکت سے منع کیا اور کہا "میری ہرگز رائے نہیں ہے کہ تم مسلمانوں کے خلاف کوئی نیا قدم اٹھاؤ۔ بہتر یہی ہے کہ اب اُن کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگرچہ یہ لوگ ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے ہیں مگر بہرحال ہیں ہمارے عزیز اور رشتہ دار۔ انھوں نے اب تک ہمارے ہاتھوں کافی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اب کہاں تک ہم انھیں مزید مشکلات میں پھنسانے

کی کوشش کرتے رہیں"۔

مگر عمرو بن العاص نے کہا "نہیں میں ایک کوشش مسلمانوں کو نجاشی کی نظر میں ذلیل کرنے کی ضرور کروں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو ہمارے آنے کی غرض ہی فوت ہو جاتی ہے۔ اور جو مصیبت اور تکلیف ہم نے اس سفر میں اٹھائی سب بے کار جاتی ہے۔ دوسری طرف ہمیں نہایت خائب و خاسر ہو کر یہاں سے لوٹنا پڑیگا اور محمدؐ اور اس کے ساتھی ہماری ناکامی اور نامرادی پر خوب بغلیں بجائیں گے۔ پس میں ضرور کل صبح نجاشی سے جاکر کہوں گا کہ وہ مسلمانوں کو بلاکر پوچھے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ اگر انھوں نے جھوٹ بول کر کوئی بات بنائی تب تو میں صاف کہہ دوں گا کہ مسلمانوں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ اور اگر انھوں نے سچ بولا تو چونکہ نجاشی خود عیسائی ہے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں سے اپنے عقیدے کے خلاف بات سن کر نہایت ناراض ہوگا۔ اور ان کو اپنی پناہ میں لینے سے صاف انکار کردے گا"۔

اس حربہ کا استعمال دوسرے دن عمرو بن العاص نے دربار میں پھر رسائی حاصل کی۔ اور نجاشی سے کہا آپ مسلمانوں سے بلاکر پوچھیے کہ "ان کا نبی حضرت عیسیٰ کے متعلق انھیں کیا تعلیم دیتا ہے؟ اور مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہیں؟ ان کے جواب سے حقیقت آپ پر ظاہر ہو جائے گی اور آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ ایسے آدمیوں کی حمایت اور نصرت امداد اور اعانت کہاں تک درست اور جائز ہے جو آپ کے حضرت عیسےٰ کے متعلق ایسا سخت اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر حضرت عیسیٰ کے متعلق یہاں اپنے عقیدے کو چھپاتے ہیں تاکہ ان کے خلاف یہاں کے عیسائیوں میں نفرت نہ پھیلے۔ ورنہ دراصل ان کا اعتقاد حضرت عیسیٰ کے متعلق بڑا خراب ہے۔ آپ اُن کو بلا کر پوچھیئے تو سہی"۔

دربار حبشہ میں مسلمانوں کی دوبارہ طلبی عمرو بن العاص سے یہ سن کر نجاشی نے دوبارہ مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مہاجرین کو بھی پتہ لگ گیا کہ ہمیں کیوں بلایا گیا ہے۔ جس پر وہ طبعاً نہایت پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے والی حکومت کے سامنے اگر سچ بولتے ہیں تو جان کی خیر نہیں اور اگر نفاق سے کام لے کر جھوٹ بولیں۔ تو خدا اور رسول دونوں کی لعنت اپنے اوپر پڑتی ہے اس واقعے کی عینی شاہد ام المومنین حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ جس قدر فکر و تردد ہمیں اس روز ہوا اور جیسی پریشانی اُس دن لاحق ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ تمام صحابہ کے مشورے سے آخر یہی طے قرار پایا کہ جو کچھ بھی ہو نجاشی سے بات صاف اور سچ کہہ دینی چاہیئے۔ جھوٹ کسی حالت میں بھی نہیں بولنا چاہیئے اور الحاح اور زاری کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے کہ اس مشکل کے وقت خدا ہماری مدد کرے۔

جب صحابہ حبشہ الطلب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ آپ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں ؟

حضرت جعفر کی دوسری تبلیغی تقریر حضرت جعفر طیار آگے بڑھے اور انھوں نے نہایت ملائمت اور نرمی کے ساتھ کہا "بادشاہ! حضور کے سامنے نہ ہم کوئی جھوٹ بات بیان کریں گے اور نہ کسی بات کو چھپائیں گے۔ ہمیں جھوٹ بولنے اور منافقت کرنے سے روکا گیا ہے۔ ہم حضرت عیسیٰ کے متعلق آپ کے سامنے وہی کہیں گے جس کی تعلیم ہمیں ہمارے رسول نے دی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے نہایت مخلص بندے اور اس کے مقرب رسول تھے۔ ان کا ظہور اس دنیا میں خدا کے اس کلمہ کے باعث عمل میں آیا جو اس نے مریم پر ڈالا۔ ہمیں یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ خدا کی خاص تقدیر کے ماتحت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور مریم اس وقت کنواری۔ صدیقہ۔ طاہرہ اور پارسا تھیں۔

اس تقریر کا نجاشی پر اثر حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جعفر سے یہ سن کر بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا "خدا کی قسم! جو کچھ تم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی نسبت بیان کیا۔ مسیح اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں"۔

یہ کہہ کر بادشاہ عمرو بن العاص کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا "جو جابیدالزام تم نے مسلمانوں پر لگایا تھا۔ یہ اس سے بھی بُری ثابت ہوئے۔ اب تم بیشک اپنے وطن واپس جا سکتے ہو مسلمان میری حمایت میں ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جب تک وہ یہاں ہیں"

سفرائے قریش کی ناکام واپسی نہایت مغموم و مضمحل ہو کر قریش کے یہ دونوں سفیر واپس آگئے اور قوم کو اپنی ناکامی اور نامرادی کی داستان سنادی جس پر مسلمانوں کے خلاف قریش کا غیظ و غضب اور بڑھ گیا۔

امیر وفد عمرو بن العاص کی شخصیت ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہاں یہ بیان کر دینا شاید مناسب ہوگا کہ قریش کے اس عرفی سفیر عمرو بن العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اتنی سخت دشمنی تھی کہ خود کہتا ہے "میں نے نفرت کے باعث حالت کفر میں کبھی آنحضور کی شکل و صورت نظر اٹھا کر نہیں دیکھی" لیکن آخر یہ بھی اسلام لایا۔ مصر کا ملک اسی کے ہاتھ پر فتح ہوا اور آج ہم اس کو حضرت عمرو بن العاص رض کہتے ہیں۔

مہاجرین کا قیام حبشہ میں کب تک رہا اس کے بعد حبشہ کے یہ مہاجرین بہت عرصے تک

نہایت امن و امان اور بے فکری کے ساتھ حبش میں مقیم رہے۔ اور پوری آزادی کے ساتھ تمام اسلامی عبادات بجالاتے رہے۔ نہ کسی نے ان کی دشمنی اور مخالفت کی اور نہ کوئی ان کا مزاحم ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو ہجرت نبوی کے قریب واپس مکے میں آگئے۔ اور پھر مدینہ چلے گئے۔ بعض حبشہ ہی میں مقیم رہے یہاں تک کہ معرکہ بدر غزوۂ احد اور جنگ خندق بھی ختم ہوگئی۔ حبش سے مسلمانوں کا آخری قافلہ اس وقت واپس آیا جب حضور علیہ السلام خیبر کی لڑائی سے واپس تشریف لا رہے تھے[1]

فصل نہم

تبلیغ نبوی کا پانچواں دور

مسلمانوں کی تقویت کا غیبی سامان

حمزہ بن عبد المطلب اور عمر بن الخطاب کا قبول اسلام

مسلمانوں کی مظلومی کی حالت مسلمان اس وقت ایک شدید ابتلا اور آزمائش سے گذر رہے تھے۔ ان کے ایک سو سے زیادہ آدمی حبش میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور جو لوگ مدینہ میں رہ گئے تھے۔ ان کے دن رات سولی پر کٹ رہے تھے۔ کفار نت نئی تکلیفیں اور بڑی اذیتیں اُن کو پہنچا رہے تھے سارے شہر میں کوئی بھی ان غریبوں کا مددگار اور معاون نہ تھا۔ نہ مسلمان آزادانہ طور پر نمازیں پڑھ سکتے تھے نہ ظاہر طور سے اپنے اسلامی اعمال بجالا سکتے تھے اور نہ دین اسلام کی حقانیت کھول کر عوام پر ظاہر کر سکتے تھے۔

اس حالت میں تبدیلی مسلمانوں کی اس مظلومی اور بے بسی کی حالت میں خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اب ایک خاص تبدیلی پیدا کر دی۔ اور اس کی شکل یہ ہوئی کہ قریش کے دو معزز اور بااثر اشخاص نہایت عجیب طور پر مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے ایک حمزہ بن عبد المطلب تھے اور دوسرے عمر بن الخطاب ان دونوں کے مسلمان ہونے سے درحقیقت مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کے بعد وہ کھل کر تبلیغ کرنے اور آزادانہ طور پر اپنے خدا کی عبادت کرنے لگے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۱ تا صفحہ ۱۳۔ تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۵۔ طبقات کبیر جزو اول صفحہ ۱۳۸ تا ۱۳۹۔ زرقانی۔ طبری و بخاری

حمزہ اور عمر کا مسلمان ہونا اسلام کی تبلیغی تاریخ کا ایک مشہور اور اہم واقعہ ہے۔ لہٰذا ہم یہاں بہت مختصر طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں:۔

ا۔ حضرت حمزہ کا اسلام لانا

حضرت حمزہ کی شخصیت

حمزہ حضرت عبدالمطلب کے فرزند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور بڑے بہادر اور شجاع انسان تھے۔ ان کو دن رات سیر و شکار، صحرانوردی اور بادیہ پیمائی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ صبح کو تیر کمان لے کر نکل جاتے۔ دن بھر شکار کرتے پھرتے اور شام کو گھر واپس آتے۔ یہی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ جب شکار سے واپس آتے تو صحن کعبہ میں جو قریش محفل جمائے بیٹھے رہتے تھے۔ کچھ دیر ان کے پاس ٹھہرتے۔ لوگوں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے اور پھر اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ آپ کی بہادری اور شجاعت کی دھاک تمام مکہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور خاندانی وجاہت اور[1] ذاتی شرافت کے باعث ہر شخص آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور آپ کا شمار مکہ کے معزز ترین اشخاص میں ہوتا تھا۔

حمزہ کو قبول اسلام کی تحریک کس طرح ہوئی
(ابوجہل کا ناجائز سلوک آنحضرتؐ سے)

اگرچہ آپ کو اپنے بھتیجے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی مگر ابھی تک آپ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نہ اسلام سے آپ کو کوئی دلچسپی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت سیر و شکار اور صید افگنی میں مشغول رہنے کے باعث آپ کو اتنی فرصت بھی کہاں تھی کہ مذہب کے رموز و حقائق اور شرک و توحید کے فرق پر غور فرماتے۔ مگر دفعتاً ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے آپ کی زندگی کو یکسر پلٹ کر رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ حسبِ معمول ایک دن جب شام کو آپ سارا دن شکار میں مصروف رہنے کے بعد شہر میں واپس آئے اور کوہ صفا کے قریب سے گزرے۔ تو وہاں عبداللہ بن جدعان کی ایک آزاد کردہ لونڈی کا گھر تھا۔ اس نے آپ کو جاتے جاتے روک لیا اور کہا کہ "اے ابو عمارہ! ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں نے ایک بڑا ہی غم ناک نظارہ دیکھا۔ تمہارا بھتیجا محمدؐ کسی شخص کو اپنے نئے مذہب کی تلقین کر رہا تھا کہ اتنے میں ابو الحکم ابن ہشام (ابوجہل) بھی اتفاقاً سامنے سے آگیا اور اس نے یہ دیکھ کر محمدؐ کو اتنی گندی اور ایسی غلیظ گالیاں دیں۔ اور ایسی بدزبانی اور بدکلامی سے پیش آیا جس کی انتہا نہیں۔ مگر محمدؐ نے اس کی گالیوں کا کچھ بھی جواب نہ دیا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ واپس گھر چلا گیا۔ مجھے تمہارے بھتیجے کی اس مظلومیت پر بڑا ترس آیا۔ اگر تم اس وقت ہوتے تو تمہیں بھی نہایت رنج ہوتا بلکہ ممکن ہے لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی اور سخت کشت و خون ہوتا۔[1]

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص ۱۳۱

حمزہ نے ابوجہل کا سر پھوڑ دیا عبداللہ بن جدعان کی لونڈی سے اپنے بھتیجے کی یہ توہین سن کر حمزہ کی آنکھوں میں خاندانی غیرت اور ذاتی محبت کے باعث خون اتر آیا اور بدن مارے غصے کے کانپنے لگا۔ وہ نہایت جوش اور غیظ و غضب میں بھرے ہوئے فوراً کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ابوجہل اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا باتوں میں مشغول تھا۔ انھوں نے وہاں پہنچتے ہی اس زور سے اپنی کمان اس کے سر میں ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اور اس کے بعد نہایت غصے سے کہنے لگے کہ میں نے ابھی ابھی سنا کہ تو نے میرے بھتیجے محمدؐ کو گالیاں دیں اور اس کی اہانت کی۔ تیری بھی یہ مجال ہوئی کہ ہمارے ہوتے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ محمدؐ کو اکیلا دیکھ کر تو شیر ہو گیا۔ اگر ہمت ہے تو میرے مقابلے پر آ۔ افسوس میں اس وقت نہ ہوا۔ ورنہ تجھے تیری بدزبانی کا ایسا مزہ چکھاتا کہ ساری عمر یاد کرتا۔[1]

حمزہ اور بنی مخزوم ابوجہل کے قبیلے والے (بنی مخزوم) بھی وہاں موجود تھے۔ وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ ان کے قبیلے کے ایک معزز فرد کی یوں بر سر مجلس ہتک ہو اور وہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہیں۔ وہ فوراً ابوجہل کو بچانے اور حمزہ پر حملہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "ابوعمارہ! معلوم ہوتا ہے تم بھی بد دین ہو گئے ہو جو یوں برملا محمدؐ کی حمایت کر رہے ہو؟"

حمزہ اس وقت نہایت جوش میں بھرے ہوئے تھے کہنے لگے "میں بد دین نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے محمدؐ کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ اور آج سے تمھاری بت پرستی کو طلاق دے دی ہے۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا واحد ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ آؤ جو تم میں سے میرے مقابلے پر آنا چاہے۔"[2]

ابوجہل کا اعتراف گناہ حضرت حمزہ کے یہ کہنے سے بنی مخزوم بھی جوش میں آ گئے۔ فوراً تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور قریب تھا کہ کعبہ کا سارا صحن لاشوں سے بھر جاتا کہ عین موقع پر ابوجہل نے نہایت دوراندیشی سے کام لیا اور بڑی سختی سے اپنے قبیلے والوں کو روکتے ہوئے کہنے لگا کہ "ابوعمارہ کو کچھ نہ کہو۔ واقعی غلطی میری تھی جو میں نے ان کے بھتیجے محمدؐ کو برا بھلا کہا۔ اسی کی حمایت میں ان کو غصہ آ گیا۔"[3]

حضرت حمزہ کا اسلام لانا ابوجہل سے فارغ ہو کر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد بڑی مضبوطی کے ساتھ اسلام پر قائم ہو گئے اور ہر موقعے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرزور حمایت کرنے لگے۔ سیر و شکار کا تمام مشغلہ چھوڑ دیا۔ اور رسول

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۱ [2] تذکرہ مہاجرین جلد اول ص ۱۷ [3] تذکرہ مہاجرین حصہ اول ص ۱۷ بحوالہ اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ اپنا فرض قرار دیا۔ جس پر اپنے آخری دم تک نہایت مضبوطی سے قائم رہے۔ اور اسی حالت میں اپنی جان اسلام پر قربان کر کے سید الشہداء کا لقب پایا۔

حضرت حمزہ کے اسلام کا اثر حضرت حمزہ کے اسلام کا جو اثر ہوا۔ اس کا ذکر مولانا معین الدین ندوی اپنی کتاب تذکرہ مہاجرین کے حصہ اول میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور اور ناتوان ہستیوں پر محدود تھا۔ لیکن حضرت حمزہ کے اضافے سے حالت دفعتاً بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا (ایک حد تک) سدِّ باب ہو گیا کیونکہ حضرت حمزہ کی شجاعت کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔"[1]

۲۔ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا

عمر بن خطاب کی شخصیت عمر بن خطاب مکہ کے قبیلہ عدی بن کعب سے تعلق رکھتے تھے۔ جو قریش کا عدنانی قبیلہ تھا۔ اور جس کی شرافت اور بزرگی نے اسے ان سربرآوردہ قبائل میں شامل کر دیا تھا جن میں ہاشم۔ امیہ۔ تیم اور مخزوم سب سے زیادہ ممتاز سمجھے جاتے تھے۔[2] مصر کا نامور مورخ محمد حسین ہیکل اپنی کتاب "الفاروق عمرؓ" میں حضرت عمرؓ کی شخصیت کے متعلق لکھتا ہے:۔

"عمر پہلوانی، شہ زوری اور جسمانی ورزشوں میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ ان کا مذاق شعری نہایت شستہ اور بلند تھا۔ انساب عرب کے جاننے میں وہ اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔ وہ بڑے بلیغ البیان اور فصیح اللسان تھے۔ وہ قریش کی سفارت کے فرائض انجام دینے کے لیے دوسرے قبیلوں میں جایا کرتے تھے اور باہمی جھگڑوں میں ان کے فیصلے اسی طرح تسلیم کیے جاتے تھے جس طرح ان سے پہلے ان کے والد (خطاب بن نفیل) کے فیصلے تسلیم کیے جاتے تھے۔"[3]

عمر آنحضرت علیہ السلام کے شدید دشمن کی حیثیت میں عمر جوانی کی پُر کیف اور پُر سرور رنگینیوں میں کھوئے ہوئے اپنی زندگی کی منزلیں شراب و کباب اور عیش و نشاط میں بسر کر رہے تھے اور عمر کی ۲۷ بہاریں دیکھ چکے تھے کہ یکایک غار حرا سے ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا۔ جن لوگوں نے اس نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی۔ عمر بن خطاب ان دشمنانِ حق کی سب سے

---

[1] تذکرہ مہاجرین حصہ اول صفحہ ۱ بحوالہ اسد الغابہ تذکرہ حمزہ ۵۳

[2] "عمر فاروق اعظم" از محمد حسین ہیکل ص۱۸

[3] ایضاً ص ۲۶

پہلی صف میں تھے۔

عمر کی اسلام دشمنی کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی دعوت سے عمر کو جو دشمنی تھی وہ کسی جہل اور تعصب کی بنا پر نہ تھی بلکہ ان کے نزدیک یہ مخالفت قومی تحفظ اور تمام قریشی قبائل کی یک جہتی کے لیے ضروری تھی۔ وہ خلوص دل کے ساتھ خیال کرتے تھے کہ اگر اس جدید تحریک کی پر زور مخالفت کر کے اسے نیست و نابود نہ کر دیا گیا تو یہ تحریک ضرور ایک نہ ایک دن بڑھ کر تمام قومی شیرازہ کو پراگندہ اور منتشر کر دے گی۔ اس بنا پر نئی دعوت کے خلاف ان کے بغض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ جن مسلمان پر جب کبھی ان کا بس چلتا وہ اسے تکلیف و اذیت پہنچانے میں کسی طرح کی کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے۔

عمر کی یہ ساری اسلام دشمنی نتیجہ تھی ان کی اس یک طرفہ رائے کا کہ اگر محمدؐ کی دعوت کو قبول کر لیا گیا اور ان کی رسالت اور نبوت کو تسلیم کر لیا گیا تو مکہ کا سارا قبائلی اور معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور قریش کے تمام قبائل میں فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پس مکہ کا سکون ان کو محمدؐ کی تبلیغ اور ان کی دعوت سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔ ان کے نزدیک محمدؐ کی اس دعوت پر خاموش ہو کر بیٹھ رہنے کے صاف معنی یہ تھے کہ قریش کے اتحاد کو منتشر کر دیا جائے اور مکہ کے وقار اور احترام کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

عمر کا ارادہ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کا اس مرحلے پر عمر نے یہ بھی سوچا کہ جو بھولے بھالے نوجوان اور چند بے وقوف غلام محمدؐ کی باتوں میں آ کر اس کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کا اس معاملے میں کچھ زیادہ قصور نہیں۔ قصور اور گناہ جتنا اور جو کچھ ہے محمدؐ کا اور اس کی معجز بیانی اور قادر الکلامی کا ہے کہ اس نے اپنے زور بیان سے ان نادان لوگوں کو الو بنا رکھا ہے۔ پس اگر شاخوں کو چھوڑ کر تنے پر کلہاڑا رکھا جائے اور پیروؤں کو نظر انداز کر کے خود تحریک کے بانی کا خاتمہ کر دیا جائے تو پھر یہ تحریک اپنی موت آپ مر جائے گی۔ فتنہ فرو ہو جائے گا۔ فساد کے بادل چھٹ جائیں گے۔

عمر کی مشکلات اس راہ میں اس فیصلے کے بعد عمر کے سامنے اب یہ سوال تھا کہ اس ارادے کو فعل کی شکل کس طرح دی جائے اور محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ محمدؐ مکہ کے سب سے معزز قبیلہ بنو ہاشم کے فرد ہیں اور تمام بنو ہاشم اُن کے زبردست معاون اور مددگار ہیں۔ علاوہ اس کے جن لوگوں نے اُن کی دعوت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر اُن کی تابعداری اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ وہ سب ایک جماعت کی شکل میں اُن کے ساتھ ہیں۔ اُن کے پیروؤں میں

بلاشبہ بعض ایسے بھی افراد ہیں جو معزز اور مشہور اور زبردست قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یقیناً ان لوگوں کے قبیلے والے ضرورت کے وقت ضرور ان کی حمایت کریں گے۔ پس اس حالت میں محمدؐ کو چھیڑنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ان تمام قبائل سے لڑائی مول لی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو مکہ میں ایسی خطرناک خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کے سامنے وہ خطرہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو مکہ کی منزلت اور قریش کی یک جہتی کو محمدؐ کی دعوت اور تبلیغ سے لاحق ہو سکتا ہے۔

یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات عمر بن خطاب کے ذہن و دماغ میں برابر چکر لگاتے رہتے تھے اور ان کا کوئی شافی جواب ان کو نہ سوجھتا تھا۔ لیکن جب بھی وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے اور قوم کے انتشار کو دیکھتے تو بے اختیار ان کا دل چاہتا کہ ان لوگوں کا بالکل قلع قمع کر دیں جنھوں نے نئے مذہب کا اعلان کر کے قریش کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

عمر قتل رسولؐ کے ارادے میں جلدی کرتے ہیں

عمر ابھی اسی فکر میں منہمک تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ جب یہ خبر آئی کہ مسلمان وہاں نہایت آرام و اطمینان سے ہیں اور نجاشی نے قریش کے دونوں سفیروں کو ذلت کے ساتھ اپنے دربار سے نکال دیا۔ تو خطرہ فوراً مجسم بھوت بن کر عمر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر مسلمانوں کو حبشہ میں اقتدار حاصل ہو گیا اور وہ نجاشی کو مکہ پر چڑھا لائے تو پوری قوم تباہ ہو جائے گی۔

بہت غور و فکر کے بعد عمر کے ہوشیار دماغ نے یہی فیصلہ کیا کہ اس عظیم خطرے سے نجات کی واحد صورت یہی ہے کہ تحریک کے قائد کا جلد سے جلد خاتمہ کر دیا جائے۔ جب تنے کو کاٹ ڈالا جائے گا تو پتے اپنے آپ خشک ہو کر جھڑ جائیں گے اور شاخیں خود بخود سوکھ کر گر پڑیں گی۔

اس مرحلے پر پہنچ کر عمر نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا کہ اس کام کو مجھے خود انجام دینا چاہیے اور جلد سے جلد انجام دینا چاہیے۔ یہ یقینی خطرہ بالکل ان کے سامنے تھا کہ محمدؐ پر حملہ کر کے میں خود زندہ نہیں بچ سکتا۔ اس کے ساتھی اور حواری (جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں) فوراً میری بوٹی بوٹی جدا کر دیں گے۔ مگر عمر نے یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیا کہ فرد کی زندگی قوم کی حیات پر قربان ہو جائے تو سودا مہنگا نہیں۔ اگر میری موت سے قوم ایک عظیم ابتلا سے نجات پا جاتی ہے تو مجھے خوشی کے ساتھ قوم کے لیے اس موت کو قبول کر لینا چاہیے۔

عمر کی روانگی قتل رسول کے لیے

واقعے کے تمام نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اور تمام خطرات و خدشات کو نظر انداز کرنے کے بعد آخر عمر بن خطاب نے اپنے ارادے کو عملی شکل دینے کا پختہ

عزم کر لیا۔ اور ایک دن وہ تلوار میان سے نکال کر اپنی شجاعت اور بہادری کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے گھر سے نکل پڑے۔

عمر کی نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ راستے میں ایک قریبی عزیز نعیم بن عبداللہ سے مڈبھیڑ ہو گئی (یہ صاحب مسلمان ہو گئے تھے مگر عمر کے ڈر سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا ہوا تھا) اس ہیئت سے عمر کو جاتے دیکھ کر انھوں نے عمر سے پوچھا "خیر تو ہے! اس غیظ و غضب کے ساتھ آپ تلوار کھینچے کہاں جا رہے ہیں؟"

عمر نے جواب دیا "نعیم! محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو اور دنیا امن کا سانس لے۔ اس نے ہماری قوم میں اپنے نئے دین کی تبلیغ اور اشاعت کر کے جو فتنہ برپا کیا ہے وہ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اس کے ختم کرنے کی واحد صورت یہی ہے کہ فتنے کے بانی کا خاتمہ کر دیا جائے اس کے افعال سے ہمارے کلیجے میں ناسور پڑ گئے ہیں اور اس کی تبلیغ سے ہماری قوم کا اتحاد فنا ہو گیا ہے۔ وہ ہمارے مذہب اور ہمارے مسلک کو گمراہی اور ضلالت قرار دیتا ہے۔ ہمارے معبودوں اور خداؤں کو جہنم کا ایندھن اور دوزخ کا کندہ کہتا ہے۔ ہمارے آباؤاجداد اور بزرگوں کو جاہل اور بیوقوف بتاتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے وجود سے دنیا جس قدر جلد پاک ہو جائے اسی قدر بہتر ہے۔"

یہ تلخ و تند گفتگو سن کر نعیم کو بڑا غصہ آیا۔ اور انھوں نے کہا "عمر! تم اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھتے ہو مگر خدا کی قسم آج تم کو تمھارے نفس نے بڑا زبردست دھوکا دیا۔ یہ نہایت ہی بے وقوفی کا خیال ہے جو تمھارے دل میں پیدا ہوا۔ بھلا غور تو کرو۔ اگر تم نے محمدؐ کو قتل کر دیا تو کیا بنی عبد مناف اس کے بعد تمھیں چھوڑ دیں گے؟"

عمر پر تو اس وقت خون سوار تھا۔ وہ بھلا کسی کی معقول بات کیوں ماننے لگے تھے۔ بہت ڈانٹ کر انھوں نے نعیم سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بے دین ہو گیا ہے۔ لا پہلے تیرا ہی فیصلہ کرتا ہوں۔"

عمر بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتے ہیں نعیم نے کہا "میرا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمھاری بہن فاطمہ اور تمھارا بہنوئی سعید بن زید دونوں مسلمان ہو کر محمدؐ کی غلامی میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس لیے گھر جا کر پہلے انھیں قتل کر دو پھر میرا فیصلہ کرنا۔"

عمر کا حملہ بہن کے گھر پر نعیم سے یہ نئی خبر معلوم ہو کر عمر کے تن بدن میں آگ لگ گئی طیش میں آ کر فوراً پلٹے کہ پہلے بہن بہنوئی کا خاتمہ کر دوں۔ پھر محمدؐ کی طرف جاؤں گا۔

خدا کے عجیب تصرفات ہیں اور وہ جب چاہتا ہے حیرت انگیز طور پر واقعات کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ جس وقت عمر اپنی بہن کے گھر پہنچے تو وہاں اس وقت پوری محفل جمی ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی اکٹھے بیٹھے تھے۔ اور ایک تیسرے صحابی خباب بن ارت دونوں کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ عمر کے کان میں اس کی بھنک پڑی تو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑے غیظ و غضب سے کہا کہ "فوراً کنڈی کھولو۔ ورنہ ابھی دروازہ توڑ دوں گا" خباب بن ارت تو آخر غلام تھے بھاگ کر کوٹھڑی میں چھپ گئے۔ سعید کے لیے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ دروازہ کھول دیتے چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا اور عمر بڑے غصے میں بھرے ہوئے اندر آئے اور آتے ہی کہنے لگے "میں نے ابھی ابھی سنا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو گئے ہو۔ اور اپنے قدیم معبودوں کو چھوڑ کر محمدؐ کے جدید خدا پر ایمان لے آئے ہو۔"

بہن اور بہنوئی کو زد و کوب

یہ کہتے ہی بہنوئی پر پل پڑے اور اسے بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ بہن گھبرا کر کھڑی ہو گئی کہ ظالم بھائی سے شوہر کو بچائے۔ مگر غضب اور جوش میں بھرے ہوئے عمر کا ہاتھ ایک کمزور عورت پر بھی اٹھنے سے باز نہ رہا۔ انھوں نے ایک طاقتور ضرب سے بہن کا سر پھاڑ دیا۔ معاً چہرے سے خون جاری ہو کر کپڑوں پر بہنے لگا۔ لیکن اس حالت میں بھی بہن کے منہ سے یہی نکلا کہ "عمر! چاہے کچھ کرو۔ ہمیں مار ڈالو۔ مگر اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

عمر اس فعل پر نادم ہوتے ہیں اور بہن سے قرآن مجید پڑھنے کو مانگتے ہیں

فاطمہ نے یہ الفاظ اس درد کے ساتھ کہے کہ ان کا فوری اثر سخت دل بھائی پر ہوا۔ ساتھ ہی بہن کے چہرے کی طرف نظر گئی تو دیکھا کہ وہ خون میں نہا رہی ہے۔ آخر سگی بہن تھی۔ دل پر ایک چوٹ لگی۔ اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ بات کو رفع دفع کرنے کے لیے نرمی سے بولے "اچھا جو تم ابھی پڑھ رہی تھیں وہ مجھے دکھاؤ۔ تاکہ میں بھی دیکھوں کہ تمھارے نبی پر کیسا کلام نازل ہوتا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ نہایت پاک کلام ہے۔ تم اس کی بے ادبی کرو گے۔ ہمیں اپنے گلے کٹوانے منظور۔ مگر یہ منظور نہیں کہ خدائے پاک کے کلام کی بے ادبی ہو۔" زخمی بہن نے دلیری سے جواب دیا۔

عمر نے لات و ہبل اور تمام دیوتاؤں کی قسمیں کھا کر کہا کہ میرے یہ سب معبود گواہ ہیں کہ میں تمھارے خدا کے کلام کی توہین نہیں کروں گا بلکہ پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ دراصل میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ ایسا کیا کلام ہے جس نے تم لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے؟

فاطمہ نے محسوس کیا کہ بھائی منافقت سے کام نہیں لے رہا ہے۔ جو کچھ کہہ رہا ہے دل کی سچائی سے کہہ رہا

ہے۔ تاہم بہن نے اس کا ایک امتحان اور لینا چاہا اور بہت ہی صفائی کے ساتھ کہنے لگیں "عمر! تم ناپاک ہو۔ جب تک غسل کر کے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔ اس وقت تک خدا کا پاک اور مقدس کلام تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا۔"

عمر کو بہن کی اس جسارت پر غصہ تو بہت آیا لیکن بہن کے زخمی ہو جانے پر محبت کے جو جذبات بھائی کے دل میں ابھر آئے تھے۔ انھوں نے اس غصے کو دبا دیا۔ خاموشی سے اٹھے۔ غسل کیا، اور کہنے لگے "لاؤ۔ دکھاؤ۔ وہ کلام" فاطمہ نے سورہ طٰہٰ کے وہ اجزا جو بھائی کے آنے پر جلدی سے چھپا دیے تھے۔ نکال کر عمر کے سامنے رکھ دیے۔

قرآن کا مطالعہ اور عمر کی حالت میں تبدیلی عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ بڑے فصیح البیان خطیب تھے۔ کلام کے حسن اور اس کی خوبی کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جس وقت قرآنی آیات ان کے ہاتھ میں آئیں تو ان کی فصاحت و بلاغت۔ زور بیان اور حسن کلام دیکھ کر ششدر رہ گئے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا "کس قدر حسین دل کش اور کیسا بے مثل و بے نظیر کلام ہے۔" لوہا گرم تھا۔ چوٹ پوری پڑی۔ اس لیے فوراً ہی مڑ گیا۔ کلام اللہ جادو اپنا اثر کر چکا تھا۔ اب عمر وہ عمر نہ رہے تھے۔

آنحضرتؐ کی دعا عمر کے حق میں دوسری سخت چوٹ اس گرم لوہے پر یہ پڑی کہ عمر کے منہ سے یہ فقرہ سن کر حضرت خباب بن ارت کوٹھڑی سے (جہاں وہ چھپے ہوئے تھے) باہر نکل آئے اور انھوں نے بڑے جوش سے کہا "عمر! تم بڑے ہی خوش قسمت ہو کہ خدا نے تمھیں اپنی رحمت کے لیے چن لیا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے کل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا تھا کہ یا الٰہی! عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے ایک کے ذریعے اسلام کو تقویت بخش" میرا یقین ہے کہ حضور علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی اور اس کے مورد تم ہو۔"

عمر کا اظہار اسلام خباب کے اس کلمہ کا عمر پر فوری اثر ہوا۔ اور وہ کہنے لگے "میں محمدؐ پر ایمان لایا مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔"

حضرت عمر کے اس ایک فقرے سے سارا گھر جو غمکدہ بن رہا تھا یک دم عشرت کدہ میں تبدیل ہو گیا۔ خون میں نہائی ہوئی بہن کے دل کی کلی کھل گئی۔ زخمی بہنوئی اپنی چوٹ بھول گئے۔ خوف زدہ خباب خوشی سے ہنسنے لگے۔ اور انھوں نے کہا "عمر! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے نیچے ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہاں جا کر حضور علیہ السلام کی بیعت کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو استقامت

عطا فرمائیے۔"

عمر خدمتِ نبوی میں اس واقعہ کے فوراً بعد عمر نہایت بے تابانہ شوق کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور اس شوق میں ان کو اس امر کا بھی مطلق احساس نہ رہا کہ میں کس ہیئت سے۔ کس حالت میں۔ کس کے حضور میں حاضر ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ ننگی تلوار ان کے گلے میں حمائل تھی اور وہ بھاگے ہوتے جا رہے تھے۔ اسی حالت میں دار ارقم پہنچ کر دستک دی۔ لوگ اُٹھے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کون ہے؟ جب دروازے کے سوراخوں سے عمر کو ننگی تلوار کے ساتھ دیکھا تو طبعاً ان کو تشویش پیدا ہوئی کہ ایسا سخت اور شدید دشمن آخر یہاں کیوں اور کس غرض سے آیا ہے؟ تاہم چونکہ وہ حکم کے بندے تھے خدمت نبوی میں عرض کی حضور! ننگی تلوار لیے عمر بن الخطاب دروازے پر کھڑا ہے اور کنڈی کھٹکھٹا رہا ہے۔ نہ معلوم کیوں آیا ہے یہاں اس کا کیا کام؟"

حضور علیہ السلام نے نہایت اطمینان سے ارشاد فرمایا:۔

"دروازہ کھول دو اور اسے اندر بلا لو" حمزہ پاس بیٹھے تھے بولے "اگر نیک ارادے سے آیا ہے تب تو خیر ہے۔ لیکن اگر کسی بُرے خیال سے آیا ہے تو ہرگز یہاں سے جان سلامت لے کر نہیں جائے گا۔ انشاء اللہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

عمر آغوشِ اسلام میں اگرچہ عمر کی پہلوانی اور شہ زوری کی دھاک سارے مکہ میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اپنی طاقت و قوت کے مظاہرے بارہا عکاظ کے میدان میں دکھا چکے تھے مگر حضور علیہ السلام بھی سردار قریش (عبد المطلب) کے فرزند اور اشجع الناس تھے کسی خطرے سے ڈرنے کا وہم بھی آپ کو کبھی نہیں آیا۔ عمر کو دروازے میں سے داخل ہوتے دیکھ کر حضورؐ آگے بڑھے اور بڑے جلال سے فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ کیا اس وقت تک اپنی کرتوتوں سے باز نہیں آئے گا جب تک خدا تجھے کسی سخت مصیبت میں مبتلا نہ کر دے؟" عمر نے عرض کی "نہیں حضور! میں تو اس وقت اس غرض سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں کہ خدا کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت پر ایمان لا کر اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگوں۔ اور اپنی بقیہ زندگی حضور کی خدمت اور اطاعت میں بسر کروں"

عمر کے منہ سے یہ غیر متوقع جملہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی اور تمام موجود صحابہ نے آپؐ کی اتباع کی۔

فصل دہم

قریش کا آنحضرتؐ کو قتل کرنے کا نیا منصوبہ

تبلیغ نبوی کی راہ میں قریش کی رکاوٹیں اگرچہ حضرت حمزہ عم مصطفےٰ ایمان لے آئے تھے اسلام کے شدید ترین دشمن عمر بن خطاب بھی مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو ان دونوں کے اسلام سے بڑی تقویت پہنچی تھی۔ حبشہ کے مہاجرین کی طرف سے بھی پورا اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ امن وامان سے ہیں اور قریش کے سفیروں کو نجاشی نے صاف جواب دے دیا ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود خدا کا مقدس رسولؐ ان عارضی سہاروں پر خوش ہو کر نہیں بیٹھ رہا بلکہ اسؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور اپنے اشاعتی کام میں نہایت انہماک کے ساتھ مشغول رہا۔ ایک لمحہ بھی حضور علیہ السلام کا اس وعظ و تلقین سے خالی نہ تھا کہ دنیا میں خدا کا نام بلند کریں اور اس کی توحید کو چار دانگ عالم میں پھیلائیں۔ کفار نے لاکھ جتن کر کے دیکھ لیے ہر قسم کی تدبیریں کر لیں۔ جو بھی چال وہ حق کے مقابلہ میں چل سکتے تھے وہ انھوں نے چلی۔ جو ترکیب بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ مساعی کو روکنے کی کر سکے اس کے کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ظلم و تعدی اور جبر و سختی کا بھی کوئی دقیقہ انھوں نے باقی نہ چھوڑا۔ خوشامد درآمد سے بھی کام لے کر دیکھ لیا ہر قسم کے لالچ اور ہر طرح کی طمع سے بھی کام نکالنا چاہا۔ آپؐ کو جادوگر۔ شاعر اور کاہن مشہور کر گئے۔ آپؐ کو گالیاں دے کر۔ آپؐ کو ہر قسم کی زبانی تکلیف دے کر۔ آپؐ کو ہر طرح کی جسمانی اذیت پہنچا کر تبلیغ حق سے روکنے کی سر توڑ کوشش کی۔ مگر استقلال کے اس پہاڑ کو ذرا جنبش نہ ہوئی جس کا نام محمدؐ تھا۔ حضور علیہ السلام ہر قسم کی رکاوٹوں اور ہر طرح کی بندشوں کے باوجود تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں مشغول رہے۔

قریش کا فیصلہ آنحضرت کے متعلق جب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آئے دن کی تبلیغ سے بہت ہی عاجز آ گئے تو آخر انھوں نے اس فیصلہ پر اتفاق کیا کہ جس طرح بھی ہو محمدؐ کو قتل کر ڈالا جائے تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو اور قوم اس کوفت اور خلش سے نجات پائے۔

یہ بات پاس ہونے کے بعد مجلس مشاورت میں سوال اٹھا کہ آخر محمدؐ کے قتل کی کیا تدبیر کی جائے۔ تمام بنو ہاشم اور سارے بنی عبدالمطلب اس کی طرف داری اور حمایت میں کھڑے ہو جائیں گے اور معاملہ پھر جوں کا توں

لہ طبقات کبیر از ابن سعد جزو اول صـ ۱۳۹

رہے گا۔

اس مشکل کا حل انھوں نے یہ سوچا کہ پہلے تو بنی ہاشم سے نہایت زور کے ساتھ کہا جائے کہ "محمدؐ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے کر دیں۔ بہت ہو چکی اب ہم مزید صبر نہیں کر سکتے۔ اور ہم محمدؐ کو ضرور قتل کر کے رہیں گے۔ خواہ کچھ ہو جائے"۔

قریش کا فیصلہ بنی ہاشم کے مقاطعہ کے متعلق

تجویز یہ ہوئی کہ اگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اس دھمکی میں آ گئے اور انھوں نے محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیا۔ تب تو خیر۔ لیکن اگر وہ بدستور اپنی ضد پر اڑے رہے تو چونکہ تمام قوم کا قتل ناممکن ہے۔ اس لیے ان سب کا مقاطعہ کر دیا جائے اور اس مقاطعہ میں اتنی سختی کی جائے کہ بالآخر وہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں[۵]۔ اس پر بھی وہ اپنی ہٹ پر قائم رہیں تو ان کا مقاطعہ جاری رکھا جائے اور ان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے[۶]۔

اس ظالمانہ فیصلے کی تعمیل (بنو ہاشم کے متعلق قریش کا تحریری معاہدہ)

اس ظالمانہ فیصلے کی تعمیل میں سرداران قریش نے حضرت ابو طالب کے پاس پیغام بھیجا کہ یا تو فوراً اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ تمام بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا مقاطعہ کر دیا جائے گا۔ اور مقاطعہ اس وقت تک جاری رکھا جائے گا۔ جب تک سارے بنی ہاشم ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس چیلنج کا حضرت ابو طالب نے اپنی اور بنو ہاشم و بنی عبدالمطلب کی طرف سے یہ جواب دیا کہ "ہم محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جو کچھ تمھارا جی چاہے کرو"۔

اس جواب کی وصولی کے بعد قوم کے تمام بڑے بڑے سردار ایک جگہ جمع ہوئے اور باقاعدہ طور پر ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہم تمام قریش اور بنو کنانہ اس امر کا وعدہ اور اقرار کرتے ہیں کہ آج سے بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے کسی فرد سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہم میں سے کوئی شخص نہیں رکھے گا۔ نہ کوئی شخص ہم میں سے ان کو بیٹی دے گا۔ نہ ان سے بیٹی لے گا۔ نہ ان سے کھانے پینے اور استعمال کرنے کی کوئی چیز خریدے گا۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی ایسی چیز فروخت کرے گا۔ نہ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لے گا۔ نہ ان کو کسی امر میں مدد دے گا۔ نہ کوئی شخص ہم میں سے ان سے بولے گا نہ کوئی بات کرے گا یہاں تک کہ وہ سارے کے سارے ہلاک ہو جائیں یا محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں[۷]۔" قریش کے تمام رؤسا اور معززین نے اس عہد نامہ پر دستخط کیے اور اس کو اہمیت دینے کے لیے دیوار کعبہ پر لٹکا دیا گیا۔ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف نے لکھا تھا حضور علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی اس پر فالج گرا

---

[۵] طبقات کبیر از ابن سعد جزو اول ص۱۳۹ [۶] سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص۲۲۸ بحوالہ مواہب اللدنیہ از قسطلانی

[۷] سیرۃ ابن ہشام ص۱۱۹۔

اور اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا[۱]

اس معاہدے کے فوراً بعد نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا اور بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا ہر قسم کا تعلق تمام اہل مکہ سے بالکل توڑ دیا گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان سے کوئی بات چیت کرے یا انھیں کھانے پینے کی کوئی چیز دے سکے۔ اس پر تمام بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب حضرت ابو طالب کے پاس جمع ہوئے کہ کیا تدبیر اس نئی مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کی کی جائے۔ اور کس طرح اس عظیم آفت کا مقابلہ کیا جائے۔

وہاں باہمی مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ اس نئی مصیبت کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام بنی ہاشم اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک جگہ جمع ہو جائیں اور جو بھی تکلیف قریش کی طرف سے ان کو پہنچے اسے سب ایک ساتھ سہیں۔ اس طرح ایک تو تکلیف کا احساس کم ہو گا۔ دوسرے اکٹھے رہنے سے ایک دوسرے کی ڈھارس بندھی رہے گی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام بنی ہاشم اور سارے بنی عبدالمطلب بنو ہاشم کے ایک خاندانی درہ میں چلے گئے (جو بعد میں شعب ابو طالب کے نام سے مشہور ہوا) کفار قریش نے فوراً ہی اس درے کا محاصرہ کر لیا اور بنو ہاشم قیدیوں کی طرح اس درے میں نظر بند کر دیے گئے[۲]۔

ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں "محرم سنہ نبوی کی چاند رات کو شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بنی عبدالمطلب بنی عبد مناف بھی شعب ابی طالب میں چلے آئے۔ صرف ابی لہب نکل کر قریش سے جا ملا۔ اور اس نے بنی ہاشم کے خلاف قریش کو تقویت[۳] پہنچائی (یہ بھی ممکن ہے کہ خود قریش نے بنو ہاشم کو شعب ابو طالب میں محصور ہونے پر مجبور کیا ہو۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا ہو۔ تب بھی قریش نے یقیناً ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ بنی ہاشم کا شہر میں رہنا ناممکن ہو گیا تھا اور وہ اس امر کے لیے مجبور ہو گئے تھے کہ شہر سے نکل کر سب ایک جگہ اکٹھے رہیں۔ اور انھوں نے یہی کیا)

بنی ہاشم کی تکالیف کی دردانگیز کہانی جو جو سختیاں۔ صعوبتیں۔ تکلیفیں اور مصیبتیں بنی ہاشم نے اس محصوری کی حالت میں ایک دو دن نہیں لگاتار تین برس تک اٹھائیں وہ اتنی دل خراش اور ناقابل بیان ہیں جن کی انتہا نہیں۔ تصور کیجیے اس دردناک کیفیت کا جبکہ یہ مظلوم بے کس قافلہ پہاڑوں کے درمیان پتھریلی زمین پر کھلے آسمان کے نیچے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں پڑا تھا۔ نہ ان لوگوں کے پاس سونے کو بستر تھے نہ اوڑھنے کو چادریں۔ نہ کھانے کو غلہ تھا۔ نہ پینے کو پانی۔ نہ سردیوں کے لیے ان کے پاس گرم لباس تھا۔ نہ

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۹ [۲] ابن ہشام و طبری [۳] طبقات کبیر جزو اول صفحہ ۱

گرمیوں کے لیے مناسب کپڑے۔ بارش ہوتی تھی تو ساری ان کے جسموں پر پڑتی تھی۔ لوئیں اور گرم ہوائیں چلتی تھیں۔ تو ان سے بچنے کا کوئی سامان ان کے پاس نہ تھا۔ گرمیوں کی دوپہر تڑپ تڑپ کر کاٹتے تھے۔ سردیوں کی راتیں ٹھٹھر کر بسر کرتے تھے۔ گرمیوں میں اوپر سے سورج کی تیز شعاعیں جھلسانی تھیں۔ نیچے سے گرم پتھر اور ریت جسموں کو جلا دیتے تھے۔ زبانیں پیاس کے مارے باہر نکلی پڑتی تھیں اور بھوک کی شدت محصورین کو بے حال بنا رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھوک کی تکلیف اور پیاس کی شدت سے چیختے چلاتے تھے۔ وہ بے رحم بچوں کی چیخ و پکار سنتے تھے مگر ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔ اپنی آنکھوں سے بنی ہاشم کو بھوک پیاس سے بے چین اور مضطرب دیکھتے تھے مگر ترس کھانے کی بجائے نہایت سختی کے ساتھ اس بات کا انتظام رکھتے تھے کہ کوئی چیز ان تک نہ پہنچنے پائے۔ اور اگر کوئی نیک دل اور ہمدرد شخص بچوں اور عورتوں پر ترس کھا کر خفیہ طریقہ سے کوئی کھانے پینے کی چیز ان محصورین کو بھیجتا تھا اور ابوجہل کو اس کا پتہ لگ جاتا تھا تو وہ اُس شخص سے لڑنے مرنے کو مستعد ہو جاتا تھا۔

ایسا سخت وقت بنی ہاشم پر اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا اور نہ اس کے بعد ایسی مصیبت سے اُنھیں دوچار ہونا پڑا جو لگاتار تین برس تک جاری رہی۔ زمین ان پر تنگ ہو گئی تھی اور زمین و آسمان ان کے لیے تاریک ہو گئے تھے۔ پانی کی ایک ایک بوند کے لیے تڑپتے تھے غلّے کے ایک دانے کو ترستے تھے۔ ضروریاتِ زندگی کی کوئی چیز اُن تک پہنچنے نہ پاتی تھی۔ کچھ گھاس یا پتے مل جاتے انہی کو بھوک کی شدت میں جانوروں کی طرح چبا جاتے۔ خشک چمڑا پڑا مل جاتا تو اسی کو پانی میں نرم کر کے آگ پر بھون کر کھا جاتے۔

بنی ہاشم کی مستقل مزاجی اور آنحضرت کی تبلیغ میں مستعدی شعب ابوطالب میں

بنی ہاشم کے یہ ایام سخت و صعب یکدم آرام و سکون سے بدل سکتے تھے اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے کر دیتے۔ مگر آفرین ہے ان کی ہمت اور جوانمردی پر کہ انھوں نے ایک لمحے کے لیے بھی ایسا خیال نہ کیا۔ اور جتنی مصیبتیں پڑیں انھیں صبر کے ساتھ بغیر کسی شکایت کے سہا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ہاتھ سے فوراً آزادی حاصل کر سکتے تھے اگر اپنے تبلیغی اور اشاعتی کام کو روک دیتے۔ مگر نہ حضور علیہ السلام نے اس کے متعلق کبھی کچھ سوچا۔ اور نہ فرضِ تبلیغ سے غافل رہے۔ بلکہ جب کبھی ذرا سا موقع ملتا تو گھاٹی سے باہر نکل کر لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ چنانچہ:۔

(۱) طبری اپنی تاریخ میں نہایت صاف طور پر اس امر کی تصریح کرتا ہے کہ "اس زمانے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن رات اپنی قوم کو علانیہ اور خفیہ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ حضور علیہ السلام پر متواتر وحی نازل ہوتی رہی۔

جس میں آپ کو امر اور نہی کی جاتی تھی۔ آپ کے دشمنوں کے لیے وعید آتی تھی اور آپ کی نبوت کے بوت میں مخالفین کے لیے دلائل اور براہین ہوتے تھے"[1]

(۲) ابن ہشام لکھتا ہے۔ "اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ قریش نے آپ کو اس قدر تنگ کر رکھا تھا لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے رہتے تھے۔ اور حضور اپنی اس تبلیغ میں کسی سے ڈرتے نہ تھے"[2]

اس ظلم و زیادتی کا خاتمہ کس طرح ہوا

جب قریش کو ظلم کرتے کرتے اور بنی ہاشم کو ظلم سہتے سہتے تین برس ہو چکے تو تماشا دیکھنے والوں میں سے بعض لوگوں کے دلوں میں رحم کے کچھ جذبات پیدا ہوئے اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ بنی ہاشم پر یہ بڑا سخت ظلم ہو رہا ہے۔ اور ناحق ان کو تکلیف دی جا رہی ہے۔ اب اس کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ قریش کے پانچ معزز آدمی ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابی امیہ۔ مطعم بن عدی۔ ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور مشورے کے بعد یہ بات طے پائی کہ کل قریش کی مجلس میں اس مسئلے کو پیش کیا جائے اور اگر لوگ اس مقاطعے کو ختم کرنے پر رضامند نہ ہوں تو زبردستی عہدنامہ کو پھاڑ ڈالا جائے۔ چنانچہ دوسرے دن جب سرداران قریش اور دوسرے معززین صحن کعبہ میں جمع تھے اور ابوجہل بھی موجود تھا جو دراصل اس فتنے کا بانی تھا، یہ پانچوں حسب قرارداد وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے "اے قریش یہ بڑا ظلم ہے کہ ہم تو آزادانہ طور سے کھائیں پیئیں اور چلیں پھریں۔ اور بنی ہاشم بھوکے رہیں ان کے بچے پیاس کے مارے تڑپتے رہیں اور وہ سب ایک گھاٹی میں قید رہیں۔ اب یہ ظالمانہ معاہدہ ختم ہونا چاہیئے اور اسے اتار کر پھاڑ دینا چاہیئے۔ ابوجہل نے سخت مخالفت کی۔ مگر اس کی ان لوگوں نے کچھ نہ سنی اور مطعم بن عدی نے عہدنامہ اتار کر چاک کر دیا اس کے بعد یہ پانچوں شعب ابوطالب میں گئے اور سب لوگوں کو وہاں سے لا کر اپنے اپنے گھروں میں دوبارہ آباد کر دیا۔ اور شہر میں منادی کرا دی کہ عہدنامہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اب ہر شخص بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے معاشرتی تعلقات رکھ سکتا ہے۔ اور ان کے ہاتھ چیزیں فروخت کرنے یا ان سے کوئی چیز مول لینے پر کوئی پابندی نہیں۔

اس عہدنامے کے ٹوٹنے کی نہایت دلچسپ کیفیت ابن ہشام۔ طبری۔ اور ابن اثیر میں مفصل لکھی ہوئی ہے۔ شعب ابوطالب سے مسلمانوں کی واپسی سنہ ۱۰ نبوی میں ہوئی[3]

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صد ۱۱۳ [2] سیرۃ ابن ہشام صد ۱۲۰ [3] طبقات کبیر ابن سعد جزو اول صد ۱۴۱

فصل یازدہم

فرضِ تبلیغ میں اہم رکاوٹ

دو عظیم شخصیتوں کا انتقال

راہ تبلیغ میں ابوطالب اور خدیجہ کی قابلِ قدر خدمات یہ دونوں راہ تبلیغ میں آپؐ کے زبردست معاون تھے۔ اور جس مستعدی دلیری اور اخلاص کے ساتھ دونوں نے اسلام کی خدمت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد فرمائی ایسی بلا مبالغہ اور کسی سے بن نہ آئی۔ جس وقت باہر نکل کر حضور علیہ السلام اپنے تبلیغی فرائض انجام دیتے تو دشمنوں سے آپؐ کو بچانے کے لیے حضرت ابوطالب ہر میدان میں سینہ سپر رہتے جب کافروں کے انکار اور استہزاء سے مغموم اور ملول ہو کر حضورؐ گھر میں تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ طاہرہؓ آپؐ کو ایسی نرمی و ملاطفت کے ساتھ تسلی و تشفی دیتیں کہ حضور علیہ السلام کی ساری کلفت دور ہو جاتی اور آپؐ خدا کے بندوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے پھر گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ جناب خدیجہؓ عرب کی سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں۔ لیکن اس اولوالعزم اور فیاض خاتون نے اپنی کثیر دولت کا ایک ایک درم بڑے شوق کے ساتھ خدمتِ اسلام کے لیے اپنے مقدس شوہر کے قدموں میں ڈال دیا اور خود مفلس ہو کر بیٹھ گئیں یہی سب سے پہلی خاتون تھیں جنھوں نے خدائی پیغام کو سنتے ہی حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کی[1]

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات نظربندی کے دوران میں ان دونوں نے بھوک پیاس اور سردی گرمی کی اتنی ناقابل بیان تکلیفیں اسلام کی خاطر اٹھائیں جن کی انتہا نہیں۔ جب تک محصوری کی حالت رہی۔ دونوں نے فوق العادت استقلال کے ساتھ ان مصائب کو برداشت کیا۔ لیکن جب اس تین سالہ قید سے نجات ملی تو دونوں کے کمزور اور ناتواں جسم اتنے مضمحل ہو چکے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے اور ۱۰ نبوی میں دونوں کا انتقال ہو گیا

دونوں کی وفات کا اثر آنحضرتؐ پر نہایت شفیق و مہربان چچا اور نہایت رفیق و غمگسار بیوی کے

---

[1] حضرت خدیجہ طاہرہ نے نہ صرف آنحضرتؐ کی تصدیق کی بلکہ شروع سے آخر تک آپ کمال اخلاص اور شرح صدر کے ساتھ تبلیغ اسلام کے کام میں حضور علیہ السلام کی مددگار اور معاون رہیں چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے وکانت لہ وزیر صدق علی الاسلام یعنی خدیجہ اسلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیر اور رفیق رہیں (سیر الصحابیات ص۱۰)

انتقال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا۔ اتنا عظیم صدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کوئی نہیں پہنچا۔ اوّل تو یہ کہ وفات پانے والوں میں سے ایک آپؐ کے چچا اور دوسری آپؐ کی اہلیہ تھیں۔ دوسرے یہ کہ دونوں وجود آپؐ سے بے حد محبت کرنے والے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر غم والم اور حزن وملال کا باعث یہ تھا کہ ان دونوں نے زندگی بھر تبلیغِ حق اور اشاعتِ اسلام کے کام میں آپؐ کی بے انتہا مدد اور اعانت کی۔ اور آپؐ کو دشمنوں کے ہر شر سے بچایا۔ ان کی وفات کے بعد اب آپؐ کو ہزاروں بلاؤں کا سامنا تھا۔ ہر طرف سے مصائب کے سیاہ بادل آپؐ کو اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اسی عظیم صدمے کی وجہ سے اس سال کا نام جس میں یہ دونوں حادثے واقع ہوئے عام الحزن رکھا گیا۔

دونوں کی اسلامی خدمات کا اعتراف حضرت خدیجہ طاہرہ اور حضرت ابوطالب نے جس زور و شدت اور جس اخلاص وعقیدت کے ساتھ تبلیغِ حق اور اشاعتِ اسلام میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور اعانت فرمائی اس سے تاریخ اسلام کا ہر وہ طالبِ علم واقف ہے جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہو۔ اس کے لیے کسی دلیل اور برہان۔ حوالے اور بیان کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ہم یہاں نہایت درجہ اختصار سے کام لیتے ہوئے دونوں کے متعلق ایک ایک بیان دے کر اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ یہی دونوں بیان ہزار تفصیلات پر بھاری ہیں:-

۱۔ ابوطالب کے متعلق ولیم میور کا بیان حضرت ابوطالب کی خدمات اسلام اور محبتِ رسول کا ذکر سر ولیم میور جیسا متعصب عیسائی ان الفاظ میں کرنے پر مجبور ہوا۔

"ابوطالب نے باوجود اپنے بھتیجے کے دعوے پر ایمان نہ لانے کے محمدؐ کی خاطر جس رنگ میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کی اور جس طرح اپنی ذات اور اپنے خاندان کے افراد کو اپنے بھتیجے کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے پیش کیا۔ اس سے بلاشبہ ابوطالب کی ذاتی شرافت پر نہایت عمدہ روشنی پڑتی ہے۔ نیز ابوطالب کی یہ قربانیاں اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ وہ اپنے بھتیجے محمدؐ کو اپنے دعویٰ نبوت میں نہایت مخلص اور راستباز خیال کرتے تھے۔ یقیناً ابوطالب ایک دھوکے باز اور جعل ساز انسان کے لیے اس قدر عظیم قربانیاں کبھی نہ کرتے۔"

۲۔ حضرت خدیجہؓ کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشاد حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی خدمتِ اسلام اور اشاعتِ حق میں آپ کی مخلصانہ مساعی کا اعتراف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان الفاظ میں فرمایا:-

"خدیجہ نے اس وقت میری تصدیق کی جب تمام قوم میری تکذیب کے درپے تھی۔ وہ اس

وقت مجھ پر ایمان لائی جب تمام لوگوں نے میرا پیغام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب کوئی شخص مجھے ایک درم بھی دینے کے لیے تیار نہ تھا۔[1]

بتلایئے اس سے زیادہ شان دار سرٹیفکیٹ اور اس سے زیادہ عمدہ سند اور کیا ہو سکتی ہے؟

دونوں کے انتقال سے تبلیغ نبوی میں رکاوٹ اور حضور اقدس کی تکالیف میں اضافہ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال سے بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ تبلیغ دین اور اشاعت حق کا جو فریضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انجام دے رہے تھے اس میں عارضی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ قریش حضرت ابو طالب کے وقار اور حضرت خدیجہ کے لحاظ کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست تکلیفیں نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن ان دونوں کے انتقال کے بعد قریش کو ان کی سختیوں اور مظالم سے روکنے والا کوئی باقی نہ رہا۔ اس لیے انھوں نے دل کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے شروع کیے اور کوئی دقیقہ آپ کے ساتھ بدسلوکی کا باقی نہ چھوڑا۔

اس تمام کارروائی سے ان کا واحد مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح آپ تنگ آ کر فرض تبلیغ سے دست کش ہو جائیں اور ان کے خداؤں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ حق کا پیغام نہ وہ خود سنتے تھے اور نہ انھیں یہ بات گوارا تھی کہ باہر سے مکہ میں آنے والے کسی مسافر یا زائر کے کان میں محمدؐ کی تبلیغی آواز پڑے۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمدؐ عرب کے مختلف قبائل میں آہستہ آہستہ ان مکہ میں آنے والے لوگوں کے ذریعے اپنی تبلیغ پھیلا کر اپنے بہت سے پیرو مہیا کر لیں۔

فصل دوازدہم

طائف کا تبلیغی سفر

طائف کی حیثیت اور اہمیت طائف ایک نہایت سرسبز اور شاداب مقام ہے، مکہ معظمہ سے چالیس میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس وقت بڑے بڑے رؤسا اور صاحب اثر لوگ یہاں رہتے تھے۔ جب مکہ والوں نے آپ کی بات نہیں سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا تبلیغی سفر کرنے کا ارادہ فرمایا۔

سفر طائف آپؐ کی اولوالعزمی کی دلیل ہے طائف کا سفر حضور علیہ السلام کی اولوالعزمی ہمت

---

[1] سیرۃ خدیجہ از شمینہ توفیق مصری ص۵

اور استقلال کا بہت اعلیٰ نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب حضور نے دیکھا کہ آپ کی نصیحت کو مکہ میں نہ کوئی سنتا ہے نہ سننے دیتا ہے تو آپ مایوس و مضمحل اور شکستہ دل ہو کر نہیں بیٹھ رہے بلکہ آپ نے خیال فرمایا کہ طائف جا کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچاؤں۔ شاید ان میں سے بعض سعید الفطرت لوگ میری دعوت کو قبول کریں۔ مجھے تو پیغام حق پہنچانا ہے۔ مکہ میں نہ سہی طائف میں سہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف روانہ ہونا

یہ خیال آتے ہی خدا کا مقدس رسول بلا کسی تیاری، بغیر کسی سامان سفر کے، بغیر کسی ہمراہی اور ساتھی کے پیدل طائف روانہ ہو گیا۔

سرداران طائف کو تبلیغ اور ان کا جواب

طائف میں اس وقت ثقیف کا خاندان نہایت معزز اور مشہور رئیس القبائل تھا اور عمرو بن عمیر کے تین بیٹے عبدیالیل۔ مسعودؓ اور حبیبؓ اہل طائف کے سردار تھے اور شہر میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچ کر ان ہی تین بھائیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور اس لیے یہاں آیا ہوں کہ تمہاری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔ تمہیں بت پرستی سے روکوں اور خدا پرستی کی تعلیم دوں۔ یہ بت جھوٹے خدا ہیں اور تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پس تم خدائے واحد کو اپنا خالق۔ مالک اور آقا سمجھو اور اسی کی پرستش کرو۔ اسی امر پر تمہاری نجات منحصر ہے۔

اس دعوتِ حق کا جواب ان تینوں بھائیوں میں سے ایک نے یہ دیا کہ اگر خدا نے تجھ جیسے آدمی کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تو کیا کعبہ کا پردہ نوچنے کھسوٹنے کے لیے کسی اور بدقماش شخص کو مقرر کیا ہے؟

دوسرا بولا کہ کیا خدا کو کوئی معقول آدمی اپنا رسول بنانے کے لیے نہیں ملا۔ جو تجھ جیسے شخص کو اپنا پیغمبر بنایا جسے اتنا بھی میسر نہیں کہ ایک اونٹ تیری سواری کے لیے ہو جس پر چڑھ کر تو لوگوں کو تبلیغ کرتا پھرے؟

تیسرے نے کہا اگر تو واقعی خدا کا رسول ہے تب تو تیری تکذیب کرنی خطرناک ہے۔ اور اگر تو اپنے قول میں جھوٹا ہے تو تجھ سے بات کرنی بے فائدہ ہے۔ پس میں نہ تیری تکذیب کرتا ہوں اور نہ تصدیق[1]۔

اہل شہر کو تبلیغ اور اس کا نتیجہ

تینوں بھائیوں سے کورا جواب پاکر بھی حضور علیہ السلام مایوس نہیں ہوئے۔ آپؐ نے طائف کے ایک ایک دروازے کو کھٹکھٹایا۔ ہر گھر پر تشریف لے گئے۔ طائف

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صـ۱۵۱

کے ہر قبیلے اور ہر خاندان تک پیغام حق پہنچایا۔ ہر شخص کو تبلیغ کی۔ ہر آدمی کو سمجھایا۔ ہر چھوٹے بڑے کو توحید کی دعوت دی۔ مگر سارے شہر میں سے کسی ایک فرد نے بھی حضور علیہ السلام کی بات پر توجہ نہ دی۔ دس دن تک برابر آپ اسی طرح گلی گلی کوچے کوچے لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچاتے پھرتے رہے۔ مگر کسی نے اسے قبول نہ کیا۔ بلکہ صاف طور پر کہا "اس شہر سے نکل جاؤ۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے پیغام کی ضرورت نہیں۔"

طائف والوں کا وحشیانہ سلوک آنحضرتؐ سے

نہایت اوباشانہ کارروائی ان لوگوں نے یہ کی کہ واپسی کے وقت آوارہ لڑکوں، اوباش نوجوانوں، بدمعاش لوگوں اور بدقماش غلاموں کو حضور علیہ السلام کے پیچھے لگا دیا۔ جنھوں نے کمال بے ہودگی اور بدتمیزی کے ساتھ آپ کے ساتھ مذاق کرنا اور آپ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ کبھی آپ کا منہ چڑاتے۔ کبھی آپ کی نقلیں اُتارتے۔ اسی زبانی بدسلوکی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس گروہ اشرار نے آپ پر پتھراؤ کرنا شروع کیا۔ اور نہایت بے دردی کے ساتھ آپ پر کنکروں، روڑوں اور پتھروں کی بارشیں کرنے لگے۔ جن سے آپ کے تمام کپڑے پھٹ گئے سارا جسم لہولہان ہو گیا اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑتے تو وہ ظالم آگے بڑھتے اور حضور کو اٹھا کر کھڑا کر دیتے۔ جب حضور چلنے لگتے تو یہ اوباش پھر آپ پر پتھروں کی بوچھاڑ ہر طرف سے شروع کر دیتے۔

حضور علیہ السلام کا ایک باغ میں پناہ لینا

برابر تین میل تک وہ بدمعاش اسی طرح آپ کو پتھر مارتے اور گالیاں دیتے چلے آئے مگر نہ حضور کچھ بولے اور نہ اُن لوگوں نے سنگ باری موقوف کی۔ یہاں تک کہ سامنے انگوروں کا ایک باغ آگیا جو مکہ کے رئیس اعظم ربیعہ کا تھا۔ حضور علیہ السلام ظالموں کے پتھراؤ سے بچنے کے لیے اس باغ میں تشریف لے گئے۔ یہاں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اتفاق سے موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر طائف کے اوباش تو اچھلتے کودتے واپس چلے گئے اور حضور علیہ السلام باغ کے ایک کونے میں بیٹھ کر جسم سے خون پونچھنے لگے۔

عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ نے دور سے حضور علیہ السلام کو دیکھا۔ باہمی عزیزداری۔ حق ہمسائیگی اور ہم وطنی کے خیال سے ان کافروں اور دشمنوں کو اس وقت آپ کی حالت پر کچھ رحم آگیا۔ حضور کی مزاج پرسی کے لیے خود تو اٹھ کر نہ آئے مگر اتنی مہربانی کی کہ اپنے باغ میں سے کچھ انگور توڑ کر اور ایک طباق میں رکھ کر ہدیۃً حضور علیہ السلام کے پاس اپنے غلام عداس کے ہاتھ بھیج دیے۔

غلام کو تبلیغ

نہ معلوم اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے فاقے سے تھے۔ اس وقت

آنحضورؐ زخموں سے نڈھال بھی ہو رہے تھے۔ آپؐ نے اس ہدیے کو قبول فرمایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر انگور کھانے شروع کیے۔

اس پر عداس غلام نے بہت تعجب سے پوچھا "آپؐ نے یہ عجیب فقرہ استعمال کیا۔ میں نے عرب میں آ کر ایسا کلام پہلے کبھی کسی کے منہ سے نہیں سنا۔"

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارا نام کیا ہے؟ اور کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟"

غلام بولا "میرا نام عداس ہے اور میں نصرانی ہوں۔"

اس پر حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا "کس شہر کے رہنے والے ہو؟"

عداس نے جواب دیا۔ "میرا وطن نینوا ہے۔"

حضور نے پوچھا "کیا وہی نینوا جہاں کے حضرت یونس علیہ السلام تھے؟"

حضور کے اس جواب سے عداس کو تعجب ہوا اور اس نے کہا "آپؐ کو کیا پتہ کہ یونس کون تھے اور کس شہر کے رہنے والے تھے؟"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپؐ نے فرمایا "یونس خدا کے نبی تھے اور میں بھی خدا کا نبی ہوں۔ پس اس لحاظ سے وہ میرے بھائی تھے۔ بھائی کی خبر اگر بھائی کو نہ ہوگی تو اور کسے ہوگی؟"

نیک دل اور سلیم الفطرت غلام بلا تامل حضور علیہ السلام کے ارشاد پر ایمان لے آیا فوراً آگے بڑھا۔ حضور علیہ السلام کے سر کو انتہائی عقیدت کے ساتھ چوما۔ دست مبارک کو بوسہ دیا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ آپؐ کے پاؤں کو چھُوا۔

عتبہ اور شیبہ یہ سب کچھ دور سے دیکھ رہے تھے۔ جب غلام واپس گیا تو اس سے کہنے لگے ہم نے تجھے اس شخص کے پاس انگور دے کر بھیجا تھا نہ اس کے ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے۔ یہ تجھ پر کیا خبط سوار ہوا؟

عداس نے جواب دیا "میں نے اس شخص کی اس لیے تعظیم کی کہ آج روئے زمین پر ایک آدمی بھی اس کی مانند نہیں۔ یہ خدا کا نبی ہے اور یونس نبی کا بھائی۔"

غلام کے منہ سے یہ فقرہ سن کر عتبہ بہت ناراض ہوا اور کہنے لگا "کم بخت! یہ نبی نہیں ہے اور نہ نبی کا بھائی۔ اس کے دین سے تیرا مذہب لاکھ درجے بہتر ہے۔ یہ شخص ہمارے شہر کا رہنے والا ہے۔ اور ہم سے زیادہ

اس کے حال سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ یاد رکھ اگر تو نے اس کی پیروی کی تو تجھے دنیا سے بھی کھو دے گا اور دین سے بھی۔

حضور علیہ السلام کی نہایت اضطراری حالت حضور علیہ السلام کی حالت اس وقت بہت ہی اضطرار کی تھی۔ دس دن گھر سے نکلے ہوئے ہو گئے تھے۔ نہ کھانے کا کوئی انتظام تھا۔ نہ ٹھہرنے کی کوئی جگہ تھی۔ اس غریب الوطنی میں نہ کوئی غمگسار تھا۔ نہ کوئی ہمدرد۔ طائف کے ایک ایک در کی ٹھوکریں کھا کر آپ بہت مضمحل ہو چکے تھے۔ بدمعاشوں کے پتھروں سے آپ کا تمام جسم سر سے لے کر پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بدن میں جگہ جگہ زخم پڑے ہوئے تھے۔ کپڑے پتھر پڑنے سے پھٹ گئے تھے۔ جسم کا کوئی عضو بھی ایسا نہ تھا جسے چوٹ نہ لگی ہو۔ بدن کے ہر زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اور یہ ساری تکلیفیں اور ایذائیں آپ کو محض اس "قصور" پر دی گئی تھیں کہ آپ اہل طائف کے لیے خدا کا پیغام لائے تھے اور ان کو اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ آہ! کتنا کٹھن اور مشکل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام

اس حالتِ اضطراب میں آنحضرتؐ کی دردناک دعا ایسی پریشانی کی حالت میں بے اختیار حضور علیہ السلام کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے اور حضور نے یہ دعا مانگی:۔

اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس اللّٰھم یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی او الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علیّ غضبٌ فلا اُبالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت بہ الظلمات وصلُح علیہ امر الدنیا والاٰخرۃ من ان تنزل بی غضبک او تحل بی سخطک

(یعنی اے میرے پروردگار! میں اپنی قوت کے ضعف۔ اپنی تدبیر کی کوتاہی اور مخلوق کی نگاہوں میں میری جو ذلت ہو رہی ہے اس کی شکایت تیرے حضور میں کرتا ہوں۔ اے میرے ارحم الراحمین خدا! تو کمزوروں کا مددگار اور میرا رب ہے۔ میرے اللہ تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا ان ستم کیش اجنبیوں کے؟ اور ان دشمنوں اور معاندوں کے؟ اے میرے خدا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں۔ تب مجھے ان مخالفتوں اور تکلیفوں کی پروا نہیں۔ تیری مہربانی کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ میں تیرے اس نور کا واسطہ دے کر جس سے تمام تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس پر تمام دنیا اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو مجھ سے ناراض ہو۔ یا تیرا غضب مجھ پر بھڑکے تجھے میری ذات پر ہر قسم کا اختیار حاصل ہے اور تمام طاقتوں اور قوتوں کا تو ہی مالک ہے۔[1])

طائف سے مکہ کو واپسی طائف سے واپسی کے وقت جب آپ کوہ حرا کے قریب پہنچے تو آپ نے سوچا

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۱۵۶

کہ اہل طائف نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اس کی خبریں ضرور مکہ پہنچ گئی ہوں گی۔ اس پر اب مکہ والے زیادہ دلیری اور زیادہ بے باکی کے ساتھ مجھے تکلیفیں پہنچائیں گے۔ اور زیادہ مستعدی کے ساتھ میری تبلیغ اور دعوت کو روکنے اور بند کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے کیوں نہ کسی شخص کی حمایت حاصل کرلی جائے۔ جس کے بعد تکلیفوں اور مصیبتوں کا ایک حد تک خاتمہ ہو جائے گا اور کفار مجھے آزادی کے ساتھ دکھ نہیں دے سکیں گے۔

مطعم بن عدی کی امان اور آپ کا مکہ میں داخلہ

یہ خیال کرتے ہوئے آپ نے پہلے اخنس بن شریق کے پاس اور اس کے بعد سہل بن عمرو کے پاس اس غرض کے لیے پیغامات بھجوائے مگر دونوں نے عذر کیا۔ جس کے بعد آپ نے مطعم بن عدی مکے کے ایک مقتدر رئیس کے پاس کہلوا کر بھجوایا کہ کیا تم قریش کے خلاف مجھے امن دے سکتے ہو۔ وہ اگرچہ سخت دشمن اسلام تھا مگر اس موقع پر اس نے بڑی شرافت کا ثبوت دیا۔ اور قاصد سے حضورؐ کو کہلوایا کہ بلا تامل تشریف لے آئیں۔ میں آپ کی حفاظت اور حمایت کا پورا ذمہ لیتا ہوں۔

اس کے بعد اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں کو حکم دیا کہ تلواریں کھینچ لو اور محمدؐ کی حفاظت کے لیے چلو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلواروں کی چھاؤں میں تشریف لائے۔ پہلے کعبہ کا طواف کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔

طائف کا تبلیغی سفر اور یورپین مصنفین

طائف کے اس تبلیغی سفر میں آنحضرتؐ نے جس صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ غالباً اس کی دوسری مثال تاریخ عالم میں اور کوئی نہیں ملتی چنانچہ اس موقع پر حضور علیہ السلام کے زورِ اعتقاد اور اعتماد علی النفس پر مشہور متعصب دشمنِ اسلام سرولیم میور جیسا شخص بھی چونک اٹھا اور حضور کے متعلق یہ الفاظ لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

"محمدؐ کے سفر طائف میں عظمت و شجاعت کا رنگ نہایت نمایاں اور صاف ہے۔ ایک تنہا اور اکیلا شخص جسے اس کی اپنی قوم نے نہایت حقارت کے ساتھ دیکھا اور پھر اس سے منہ پھیر لیا مگر وہ اس ناکامی سے نہ گھبرایا اور نہ اس نے ہمت ہاری بلکہ بڑی بہادری کے ساتھ اپنے شہر سے نکلا۔ بالکل اسی طرح جس طرح یونس نبی نینوا کو گیا تھا۔ محمدؐ بھی ایک خالص بت پرستوں کے شہر میں جا کر اس کے باشندوں کو خدا کی طرف بلاتا اور ان کو توحید کا وعظ سناتا ہے۔ وہ بڑی آزادی اور پوری دلیری کے ساتھ لوگوں کو اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ خدائے واحد کی پرستش کرو اور بتوں کو چھوڑ دو۔ اس عجیب واقعے سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ محمدؐ کو اپنے دعوے اور اس کی سچائی پر کس قدر پختہ یقین تھا۔"

فصل سیزدہم[۱۳]

طائف سے واپسی کے بعد حضور علیہ السلام کا تبلیغی پروگرام

تبلیغی پروگرام کی تفصیل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر طائف سے واپس تشریف لائے تو دوگنی مستعدی کے ساتھ اپنے تبلیغی فرض کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تبلیغی پروگرام یہ بنایا:۔

(۱) اکثر شہر کے باہر تشریف لے جاتے اور جو کوئی اکیلا دکیلا شخص اُدھر سے گذرتا دکھائی دیتا اسے ٹھہرا کر تبلیغ کرتے۔

(۲) جب کبھی کوئی مسافر مل جاتا۔ اسے بڑے اعزاز سے اپنے ہمراہ لاتے۔ اس کے کھانے پینے کا انتظام کرتے اور پھر اسلام کی دعوت دیتے۔

(۳) مکے کے آس پاس جو قبائل قریوں اور دیہاتوں میں آباد تھے۔ وہاں چلے جاتے اور حق کا پیغام ان کو پہنچاتے۔

(۴) مکّہ کے اطراف میں جو میلے سالانہ لگا کرتے تھے اور جن میں دور دور کے آدمی آکر شامل ہوتے تھے۔ جیسے سوق عکاظ۔ سوق مجنّہ اور ذی المجاز وہاں تشریف لے جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتے[۱]۔

(۵) جب سنتے کہ شہر میں کوئی معزز اور شریف آدمی آیا ہوا ہے تو خود اس کے پاس جاتے اور اسے دعوتِ حق دیتے[۲]۔

(۶) جب حج کے ایام آتے اور لوگ دور دور سے زیارت کعبہ کے لیے آتے تو آپ ان ایام میں بڑی مستعدی کے ساتھ ان تمام قبائل کا دورہ لگاتے جو وہاں آئے ہوئے ہوتے۔ ایک ایک ڈیرے اور ایک ایک خیمے پر تشریف لے جاتے اور ان سے کہتے کہ یہ بُت نرے پتھر ہیں۔ ان کی عبادت چھوڑ دو اور خدائے واحد کی پرستش کرو[۳]۔

ایام حج میں قبائل کے تبلیغی دورے ایام حج میں جو تبلیغی دورے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے

۱؎ طبقات ابن سعد جزء اول صفحہ ۱۴۵، ۱۵۳ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۹

تھے۔ اُن میں سے ایک کا واقعہ ابن ہشام اس طرح لکھتا ہے:۔

"ربیعہ بن عباد سے روایت ہے کہ میں نوجوان تھا اور اپنے باپ کے ساتھ حج کرنے آیا تھا میں نے دیکھا کہ منیٰ کے مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قبائل عرب کے پاس کھڑے ہو کر آپؐ نے فرمایا "اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ بت پرستی چھوڑ دو۔ مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو۔ احکام الٰہی بجالانے میں میرے ساتھ شریک ہو۔ ابن عباد کہتے ہیں کہ جب حضور اپنی تبلیغ سے فارغ ہوتے تو ایک شخص پیچھے سے بولتا۔ جو آنکھ سے بھینگا تھا اور جس نے عدن کا بنا ہوا ایک حُلّہ پہنا ہوا تھا کہ" اے لوگو! یہ شخص جو تم سے یہ کہہ رہا ہے کہ لات اور عزیٰ کی پرستش کا جُوا اپنی گردنوں سے اتار کر پھینک دو۔ تو تم اس کے کہنے میں ہرگز نہ آنا۔ یہ شخص دراصل پاگل ہو گیا ہے۔ یونہی واہی تباہی بکتا پھرتا ہے۔"

ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ عجیب نظارہ دیکھ کر اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اور ان کے پیچھے یہ کون شخص ہے؟ میرے باپ نے کہا "بیٹا! ان کا نام محمدؐ ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں اور بت پرستی کو مٹانے کے لیے آیا ہوں۔ اور ان کے پیچھے جو شخص ہے۔ وہ ان کا چچا ابولہب ہے۔"[۱]

(ابن ہشام نے یہ روایت ایک شخص کی ایک دفعہ کی چشم دید بیان کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جس قبیلے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے۔ ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے جاتا تھا اور آپؐ کی بات سننے سے لوگوں کو روکتا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس کا سگا چچا ہوں۔ پس میں اس کے حال سے تمہاری نسبت بہت زیادہ واقف ہوں۔ یہ تمہیں دھوکا دے کر تمہارا آبائی دین بگاڑنا چاہتا ہے۔ سوائے اس کے اس کا اور کوئی مقصد نہیں۔ لوگ جب دیکھتے کہ آپؐ کے نہایت قریبی رشتہ دار بھی آپؐ کے ساتھ نہیں اور وہی آپؐ کی تکذیب کر رہے ہیں تو وہ بھی آپؐ کو جھٹلاتے اور بقول ابن سعد بہت بری طرح حضور علیہ السلام کو جواب دیتے آپؐ کو ایذا دیتے اور کہتے تھے کہ آپؐ کے قریبی عزیز اور آپؐ کے کنبے والے جب آپؐ کے ساتھ نہیں اور انھوں نے آپؐ کی پیروی نہیں کی تو ہم آپؐ کا کہنا کیوں مانیں اور کیوں آپؐ کی دعوت کو قبول کریں۔ پس یہاں سے چلے جاؤ۔[۲] قبائل کے ان تبلیغی دوروں میں ابولہب کے علاوہ اکثر ابوجہل بھی آپؐ کے پیچھے آپؐ پر خاک پھینکتا ہوا جاتا اور کہا کرتا تھا کہ "اے لوگو! اس شخص کی بات ہرگز نہ ماننا۔ اس کی تبلیغ کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ تم کو تمہارے ہزاروں خداؤں کی پرستش سے روک کر

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۸۵ [۲] طبقات کبیر از ابن سعد جزو اول صفحہ ۱۸۵

ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کرنے کو کہے۔ یہ شخص دھوکے باز ہے۔ تم اس کے فریب میں ہرگز نہ آنا۔[۳۱]

ابن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تبلیغی دوروں میں سے بعض کے واقعات اپنی سیرۃ میں بیان کیے ہیں۔ جو ہم نمونے کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں:۔

۱۔ بنو کندہ کو دین کی تبلیغ جب بنو کندہ حج کے موقعے پر اپنے سردار کے ساتھ آئے تو حضور علیہ السلام ان کے ڈیروں پر انھیں تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا "اے لوگو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو فلاح پاؤ گے اور اسی ایک کلمے کی بدولت تمام عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے فرمانبردار بن جائیں گے۔ مجھ پر ایمان لاؤ گے تو جنت کے وارث بن جاؤ گے"۔ (اسی قسم کی نصیحتیں ابن سعد کے قول کے مطابق آپ نے تمام قبائل کو کیں) مگر انھوں نے حضور کو قبول نہ کیا۔[۳۲]

۲۔ بنی کلب کو اسلام کی دعوت بنو کلب کو "بنی عبداللہ" بھی کہتے تھے۔ آپ ان کے ڈیروں پر تشریف لے گئے اور ان کو ایک جگہ جمع کر کے فرمایا۔ آپ لوگوں کے قبیلے کا نام "بنی عبداللہ" بہت ہی خوب اور عمدہ ہے۔ آپ کے قبیلے کا نام آپ کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ آپ کو حقیقی طور صرف خدا کا بندہ بن جانا چاہیئے اور بتوں کی بندگی کو چھوڑ دینا چاہیئے میری اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے اور میری رسالت کا اقرار کرو گے تو دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے مگر انھوں نے بھی حضور علیہ السلام کو صاف جواب دیا اور کہا یہاں سے چلے جائیے۔ یہاں کسی کو آپ کی اور آپ کی نبوت کی ضرورت نہیں"۔

۳۔ بنو حنیفہ کو توحید کا وعظ بنو حنیفہ عرب کے علاقہ یمامہ کا قبیلہ تھا۔ مسیلمہ اسی قبیلے کا سردار تھا۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں وحشی (قاتل حمزہؓ) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عرب کے جن جن قبائل کو آپ نے حج کے موقعوں پر تبلیغ کی ان میں سب سے زیادہ بدتمیزی، بدسلوکی اور بے ہودگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی قبیلے نے کی۔ ابن ہشام کے الفاظ ہیں کہ "ان بدتمیزوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا نالائق برتاؤ کیا جو کسی اور قبیلے نے نہیں کیا"۔

۴۔ بنو عامر کو خدا کا پیغام جب بنو عامر بن صعصعہ کے پاس آپ ایام حج میں تشریف لے گئے تو اتفاق سے اس وقت ابولہب یا ابوجہل میں سے کوئی دشمن حق و صداقت حضور کے پیچھے لگا ہوا نہیں تھا۔ جب وہاں پہنچ کر آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور ان کو توحید کی دعوت دی تو حضور علیہ السلام کی

---

[۳۱] مسند امام حنبل جلد ۴ [۳۲] طبقات ابن سعد جزو اوّل ص ۱۴۵

فصاحت و بلاغت کا ذخیرہ تھا ۔ یہ دیکھ کر ان کا ایک شخص بحیرہ بن فراس حیران رہ گیا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا "خدا کی قسم! اگر یہ شخص میرے ساتھ ہو جائے تو میں سارے عرب کو نگل جاؤں" اس کے بعد وہ حضور علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا "یہ بتلایئے کہ اگر ہم لوگ آپ کا کہنا مان لیں اور آپ کی اطاعت اختیار کر لیں اور پھر آپ ہماری امداد سے تمام عرب پر غالب آ جائیں اور پورا ملک آپ کے قبضے میں آ جائے تو کیا آپ اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ اپنے بعد ہمیں اپنا جانشین بنا جائیں گے ؟"

آپ نے فرمایا "یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ جسے چاہے گا میرے بعد میرا جانشین مقرر کر دے گا" اس پر بحیرہ بن فراس نے نہایت ناراض ہو کر کہا "ہم تمہاری وجہ سے سارے عرب سے لڑائی مول لیں ۔ قریش کے مقابلے میں تمہارے لیے سینہ سپر ہوں ۔ اپنی گردنیں تمہارے لیے کٹوائیں اور ان سب قربانیوں کے بعد جب تم کو حکومت اور سلطنت مل جائے تو دوسرے لوگ تمہارے جانشین اور خلیفہ ہوں ۔ جاؤ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں"۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "مجھے بھی تم جیسے لوگوں کی ضرورت نہیں جن کا ایمان شرائط اور قیود سے وابستہ ہو"۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام وہاں سے تشریف لے آئے[۱]

ان مذکرہ بالا قبائل کے علاوہ آپ دوسرے قبائل مثلاً بنو محارب ۔ فزارہ ۔ غسان ۔ مرہ ۔ سلیم ۔ عبس ۔ بنی نضر ۔ بنی البکاء ۔ عذرہ اور حضارمہ وغیرہ کے پاس بھی تبلیغ کے لیے گئے ۔ لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی[۲]

۵ ۔ سوید بن صامت کو ہدایت کی طرف رہنمائی

اجتماعی تبلیغ کے علاوہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا سا بھی موقع ملتا تو حضور انفرادی تبلیغ بھی اسی مستعدی کے ساتھ کرتے جیسے اجتماعی تبلیغ جوش کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے :۔

"یثرب کا رہنے والا ایک بڑا معزز اور شریف شخص سوید بن صامت جو بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا اور اپنی بہادری اور بزرگی کی بدولت اپنی قوم میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا ۔ یہاں تک کہ اس کی قوم والے اسے "کامل" کے لقب سے پکارتے تھے ۔ وہ ایک دفعہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ معظمہ آیا ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے آنے کی اطلاع ہوئی تو موقع دیکھ کر آنحضور اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کی پاک وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے ۔ بس

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۲۸ [۲] طبقات کبیر ابن سعد جزو اول صفحہ ۱۳۵

بنکی، بزرگی اور شرف مجھے قبول کرنے اور میرا کہا ماننے میں ہے۔"

حضور علیہ السلام کی باتیں سن کر سوید کہنے لگا "محمدؐ! تمہارے ہی پاس نہیں۔ میرے پاس بھی ایک ایسی چیز ہے جو نصیحت کا گنجینہ اور ہدایت کا خزانہ ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "مجھے دکھاؤ تمہارے پاس وہ کیا چیز ہے؟" اس نے کہا "میرے پاس "لقمان کا نصیحت نامہ" ہے"۔ یہ کہہ کر اُس نے وہ ساری تحریر آنحضرتؐ کو پڑھ کر سنائی۔ جسے سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بے شک بہت عمدہ چیز ہے اور اسلام کسی صداقت کا انکار نہیں کرتا۔ مگر مجھ پر خدا کی طرف سے جو کلام نازل ہوتا ہے وہ تمہارے اس نصیحت نامہ سے بدرجہا زیادہ اعلیٰ۔ پاک اور مصفا ہے۔ اور ہدایت اور نور سے بھرا ہوا ہے۔"

اس ارشاد کے بعد سوید کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں اور اسلام کی تبلیغ کی۔ جس کو اس نے قبول کیا۔ اور واپس یثرب چلا گیا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد خزرج نے اسے قتل کر دیا اس کی قوم والوں کا بیان ہے کہ وہ مسلمان مرا[1]۔

فصل چہاردہم

تبلیغ واشاعت کا نیا میدان

اور

اہلِ یثرب کا قبول اسلام

امید کی ایک کرن جب مکہ میں تبلیغ کرنا آنحضرتؐ کے لیے قریباً ناممکن ہو گیا۔ باہر سے آنے والے قبائل کو تبلیغ کرنے میں بھی اہل مکہ نے رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں اور ابوجہل اور ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے اس غرض سے پھرنے لگے کہ قبائل عرب میں سے کوئی آدمی آپؐ سے بات نہ کر سکے۔ غرض جب لوگوں نے ہر طرف سے تبلیغ کے دروازے آپؐ پر بند کر دیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک ایسا دروازہ آپؐ کے لیے کھول دیا۔ جس کے راستے اسلام کی اشاعت کا دریا زور شور سے بہنے لگا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب آپؐ کی لائی ہوئی توحید اور آپؐ کی پیش کردہ رسالت کا اقراری ہو گیا اور یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا ایمان افروز نظارہ دنیا نے تھوڑے ہی دنوں میں دیکھ لیا۔ یہ دروازہ اہل یثرب کا قبول

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۹

اسلام تھا۔

اس تائید خداوندی اور الٰہی نصرت کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ اس کے لیے ابی جعفر محمد بن جریر الطبری کا حسب ذیل بیان پڑھیئے :۔

آنحضرت کی ملاقات اہل یثرب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کبھی آپؐ سنتے کہ کوئی معزز اور مشہور عرب سردار مکہ میں آیا ہے تو آپؐ فوراً جا کر اس سے تنہائی میں ملتے خدائی توحید کی اس کو دعوت دیتے اور اپنی رسالت اس کے سامنے پیش کرتے۔ چنانچہ جب آپؐ نے سنا کہ یثرب کے قبیلہ اوس کے معززین کا ایک وفد بنی عبدالاشہل کے سردار ابوالحیسر انس بن رافع کی زیر سرکردگی مکہ میں اس غرض سے آیا ہے کہ قریش سے مل کر انھیں (یثرب کے دوسرے قبیلے) خزرج کے خلاف اپنی امداد کے لیے تیار کرے۔ تو آپؐ فوراً اس وفد کے سردار ابوالحیسر سے اس کے ڈیرے پر جا کر خفیہ طور سے ملے۔ اس وقت اتفاق سے سردار وفد کے خیمے میں قوم کے تمام معززین جمع تھے۔ آپؐ نے ان سے کہا "جس غرض کے لیے تم یہاں آئے ہو اگر میں تمھیں اس سے بھی بہتر بات بتاؤں تو کیا تم اسے قبول کرو گے؟" انھوں نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟" اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں اس کے بندوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ تاکہ وہ صرف اسی ایک خدا کی پرستش کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ اس نے مجھ پر ایک کتاب بھی نازل کی ہے۔" اس کے بعد آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کے ارکان پیش کیے اور ان کو قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

وفد میں ایک نوجوان شخص ایاس بن معاذ بھی تھا۔ اس نے حضورؐ کی باتیں سن کر اپنے آدمیوں سے کہا "اے دوستو! بیشک یہ بات اس کام سے بدرجہا بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔"

اس پر سردار وفد ابوالحیسر انس بن رافع نے چند کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر کھینچ ماریں اور کہنے لگا "تم ہم سے علیحدہ ہو جاؤ۔ ہم یہاں اس کے علاوہ دوسرے کام کے لیے آئے ہیں۔"

اس بدمزگی کے بعد ایاس تو چپ ہو کر بیٹھ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو کر وہاں سے اٹھ آئے۔

(یہ وفد بعد میں قریش سے ملا مگر ابوجہل کی دخل اندازی کے باعث کوئی بات طے نہ ہو سکی اور وفد ناکام یثرب چلا گیا) اس کے بعد اوس اور خزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی جس کے کچھ ہی عرصے بعد ایاس کا انتقال ہو گیا۔ وہ لوگ جو موت کے وقت اس کے پاس موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ برابر اسے تہلیل و تکبیر اور تحمید و تسبیح کرتے ہوئے سنا کیے اور اسی حالت میں وہ واصل بحق ہو گیا۔ ان لوگوں کو اس کا کامل یقین تھا کہ وہ مسلمان مرا

یا کم از کم اسلام کا قائل اور معترف تھا۔[1]

۱۔ بیعت عقبۂ اولیٰ

یثرب کے چھ آدمیوں کا قبول اسلام اس کے آگے طبری لکھتا ہے "جب اللہ عزوجل نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے دین کو غالب کرے۔ اپنے نبیؐ کو معزز بنائے اور جو وعدہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اسے پورا کرے تو اس کی تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ حج کے ایام میں مختلف عرب قبائل کا دورہ کرتے ہوئے آپؐ نے دیکھا کہ عقبہ کے قریب یثرب کے کچھ آدمی مقیم ہیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا "ہم خزرج ہیں"۔ اس پر حضورؐ نے پوچھا کیا تم یثرب کے یہودیوں کے موالی (مددگار اور دوست) ہو؟" انھوں نے کہا "ہاں ہم ان کے موالی ہیں"۔ یہ سن کر آپؐ نے نہایت نرمی کے ساتھ ان سے فرمایا "کیا آپ صاحبان ذرا تکلیف فرما کر بیٹھ جائیں گے تاکہ میں سکون کے ساتھ آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں؟" انھوں نے جواب دیا "کیوں نہیں۔ ہم بیٹھ جاتے ہیں۔ فرمایئے آپؐ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" اس پر آپؐ نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ بتوں کو پوجنے سے منع کیا۔ ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ اور انھیں قرآن سنایا۔

طبری کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پہلے ہی اسلام کے لیے اس طرح تیار کر رکھا تھا کہ یثرب میں جو یہود ان کے علاقوں میں آباد تھے چونکہ وہ اہل کتاب اور توریت کے عالم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک تھے۔ اس لیے یہودیوں کا رعب ان لوگوں پر بہت بُری طرح طاری تھا۔ اور ان کے بہت سے علاقے کو یہودی دبائے بیٹھے تھے۔ جب کبھی دونوں میں کوئی جھگڑا اور فساد ہوتا تو یہودی اوس و خزرج سے کہا کرتے تھے کہ "ذرا ٹھیر جاؤ۔ بہت ہی جلد ایک الوالعزم نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اور ہماری مقدس آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ اس کا زمانہ بالکل قریب ہے۔ جب وہ نبی مبعوث ہوگا تو ہم سب یہودی اس کے ہمراہ ہو کر تمہارا اس طرح قلع قمع کر دیں گے جس طرح عاد اور ارم برباد اور ہلاک ہو گئے"۔ اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "جانتے ہو یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں۔ جس کے متعلق یہودی تم کو ڈرایا کرتے ہیں۔ اب ایسا نہ ہو کہ وہ تم لوگوں سے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ اور اس نبی کی دعوت قبول کر کے اس کی تصدیق کریں اور اسلام لے آئیں"۔ اس پر ان سب لوگوں نے متفق ہو کر آنحضرتؐ سے عرض

---

[1] تاریخ طبری جلد اول۔ حصہ سوم ص۱۱۳۱

کی "بات یہ ہے کہ ہمارے آپس کے جھگڑے اور باہمی عداوتوں اور قبائلی رقابتوں کے باعث ہم میں اتحاد باقی نہیں رہا۔ اب بہت ممکن ہے کہ اللہ پاک آپؐ ہی کی بدولت ہماری بگڑی بنادے اور ہم میں اتحاد اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ ہم آپؐ پر ایمان لانے کے بعد واپس یثرب جاتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے اُن سب کو اس ایک کلمہ پر متحد کر دیا اور ہم سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے، تو پھر آپؐ سے زیادہ ہماری نظر میں اور کوئی شخص معزز اور محترم نہ ہوگا"۔[1]

اس گفتگو کے بعد یہ لوگ ایمان لاکر اور حضور علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کر کے یثرب روانہ ہو گئے۔ اور آئندہ سال واپس آنے کا وعدہ کر گئے۔ یہ مختصر قافلہ صرف چھ اشخاص پر مشتمل تھا۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ حضرت اسعد بن زرارہ ان کی کنیت ابو امامہ تھی۔ اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سب سے پہلی بیعت ان ہی نے کی تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کو بنی نجار کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔ جب حضورؐ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے تو حضورؐ کی اونٹنی انہی اسعد کے ہاں رہتی تھی۔ حضورؐ کے مدینہ آنے کے بعد جس صحابی کا سب سے پہلے انتقال ہوا وہ یہی تھے۔ ان کی وفات شوال سنہ ہجری میں ہوئی۔[2]

۲۔ حضرت عوف بن حارث انہیں ابن عفراء بھی کہتے ہیں۔ بنو نجار میں سے تھے۔ ان کے دونوں بھائیوں معاذ اور معوذ نے جنگ بدر میں ابو جہل کو قتل کیا تھا۔

۳۔ حضرت رافع بن مالک انہیں یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان کے اسلام لانے تک جس قدر قرآن کریم نازل ہوا تھا۔ اس کی ایک نقل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو مرحمت فرمادی تھی تاکہ تلاوت اور تبلیغ میں کام آئے۔[3] (یہ واقعہ اس امر کا بہترین اور بڑا معقول ثبوت ہے کہ قرآن کریم کی جس قدر آئتیں نازل ہوتی جاتی تھیں۔ ساتھ کے ساتھ لکھی بھی جاتی تھیں اور اس کی متعدد نقلیں مختلف لوگوں کے پاس تھیں)۔
حضرت رافع نے غزوۂ احد میں شوال سنہ ہجری میں وفات پائی۔

۴۔ حضرت قطبہ بن عامر ان کی کنیت ابو زید تھی۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ رہے۔ اور اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ فتح مکہ کے وقت بنو سلمہ کے علمبردار تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وفات پائی۔[4]

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۰۸۹ [2] سیر الانصار جلد اول صفحہ ۲۵ [3] سیر الانصار جلد اول صفحہ ۲۶۴
[4] سیر الانصار جلد دوم صفحہ ۱۲۴

۱۹ غزوات میں شریک رہے[1]۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ۹۴ سال کی عمر میں بعہد حجاج بن یوسف وفات پائی۔

۶۔ **حضرت عقبہ بن عامر** | حضرت معاویہ کی طرف سے مصر کے حاکم تھے اور وہیں ۵۸ھ میں وفات پائی۔[2]

ان چھ آدمیوں کے ذریعے یثرب میں اسلام کی اشاعت | جب یہ چھ آدمی واپس یثرب پہنچے۔ تو جو پیغام وہ مکہ سے لائے تھے اسے نہایت اخلاص اور نہایت مستعدی کے ساتھ یثرب میں گھر گھر پہنچایا اور برابر ایک سال تک ہر قبیلے کے مستقر پر پہنچ کر اسے تبلیغ کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ "یثرب میں اوس اور خزرج کا کوئی گھر نہ بچا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو[3]" یہی بات ابن ہشام[4] - طبری[5] - اور ابن اثیر[6][7] نے بھی لکھی ہے۔

۲۔ بیعت عقبۂ ثانیہ

یثرب کے مزید آدمیوں کا بیعت کرنا | جو چھ آدمی حضور علیہ السلام کی بیعت کر کے یثرب گئے تھے۔ بعد میں حضور علیہ السلام کو ان کے متعلق کچھ پتہ نہ لگا کہ ان کی تبلیغ توحید اور اشاعتِ اسلام کا کیا نتیجہ ہوا کیونکہ اُس وقت رسل و رسائل کے ایسے ذریعے نہ تھے کہ فوراً خبر معلوم ہو سکتی مگر دوسرے سال حج کے موقع پر آپ کی ان سے [illegible] اتفاقاً [illegible] وہ لوگ حضور علیہ السلام سے بہت عزت و تکریم سے پیش آئے اور آنحضورؐ بھی اُن سے نہایت شفقت اور مہربانی کے ساتھ ملے۔ اس مرتبہ یہ قافلہ تیرہ[13] اصحاب پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چھ آدمی تو وہی تھے جو پچھلے سال آ گئے تھے (یعنی اسعدؓ بن زرارہ - عوفؓ بن حارث - رافعؓ بن مالک اور عقبہ بن عامر قطبہؓ بن عامر اور جابر بن عبداللہ - مندرجہ ذیل سات آدمی نئے تھے:۔

۱۔ **معاذ بن حارثؓ** ان کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ ابو جہل کو جنگ بدر میں انھوں نے اور ان کے بھائی معوذ نے مل کر قتل کیا۔[8]

---

[1] سیر الانصار جلد اول ص ۲۹۹ [2] اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۳۸

[3] طبقات ابن سعد جزو اول ص ۱۴۷ [4] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۵۰

[5] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص ۱۰۹ [6] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص ۱۵۹ [7] تاریخ ابن اثیر جلد ششم ص ۲۶۵

۲۔ ذکوان بن عبد قیس | یہ بنی زریق میں سے تھے[1]۔

۳۔ یزید بن ثعلبہ | ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ بنی عوف میں سے تھے[2]۔

۴۔ حضرت عبادہ بن صامت | ان کی کنیت ابوالید تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں فلسطین کا قاضی بنایا تھا۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ قرأت ان کا خاص فن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں ان کو پورا قرآن حفظ تھا۔ ان سے ۱۸۱ حدیثیں روایت ہیں۔ ۳۴ھ میں بعمر ۷۲ سال وفات پائی۔ مزار بیت المقدس میں ہے[3]۔

۵۔ حضرت عباس بن عبادہ | بیعت کر کے مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ پھر مہاجرین کے ساتھ یثرب گئے۔ بدر میں شریک نہ تھے۔ احد میں شہید ہوئے[4]۔

۶۔ حضرت ابوالہیثم بن التیہان | ابوالہیثم ان کی کنیت تھی۔ نام مالک تھا۔ حضرت اسعد بن زرارہ کی تبلیغ سے قبولِ اسلام کی تحریک ہوئی۔ بعہد حضرت عمر ۲۰ھ میں انتقال ہوا[5]۔

۷۔ حضرت عویم بن ساعدہ | ابو عبدالرحمٰن ان کی کنیت تھی۔ بدر و احد اور تمام غزوات میں حضور علیہ السلام کے ہمرکاب رہے۔ عہد فاروقی میں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آج دنیا میں کوئی بھی شخص ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا[6]۔

شرائط بیعت اور حضورؐ کا ارشاد | ان سات آدمیوں اور پہلے سال کے ۵ آدمیوں سے ان شرائط پر آنحضرتؐ نے بیعت لے کر ان کو مسلمان کیا:۔

(۱) ہم کبھی خدا کے ساتھ کسی وجود کو شریک اور ساجھی نہیں بنائیں گے۔ اور نہ کسی کو اپنا معبود اور مسجود ٹھہرائیں گے۔

(۲) ہم آج کے بعد چوری کا جرم کبھی نہ کریں گے۔

(۳) زنا کا شرمناک فعل ہم سے اس وقت کے بعد کبھی سرزد نہ ہو گا۔

(۴) اپنی لڑکیوں کے ہولناک قتل کے جرم سے ہم آج ہمیشہ کے لیے توبہ کرتے ہیں۔

(۵) اپنے دل سے گھڑ کر کوئی بہتان کسی پر نہ باندھیں گے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جزو اول ص۱۴۸ [2] طبقات ابن سعد جزو اول ص۱۴۸ [3] مسند احمد حنبل جلد ۵ ص۳۱۸
[4] سیرالانصار جلد دوم ص۵۰ [5] سیرالانصار جلد دوم ص۸۹ [6] سیرالانصار جلد اول ص۲۴۶
[7] سیرالانصار جلد دوم صفحہ ۱۲۲-۱۲۳

(۶) جھوٹ اور غلط بیانی سے ہمیشہ احتراز کریں گے۔

(۷) ہم کسی بات میں رسول اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کریں گے[۱۵]۔

تمام حاضرین نے رات کے اندھیرے میں نہایت رضا و رغبت کے ساتھ ان تمام شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور صدق دل سے اسلام کو قبول کیا۔

بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا "اگر تم نے اُن تمام شرائط کو جن پر تم نے بیعت کی ہے پورا کیا تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمھیں جنت عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اپنے قول و اقرار کی خلاف ورزی کی تو پھر اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے۔ چاہے تمھیں معاف کر دے یا سزا دے[۱۶]"۔

اسلام کا سب سے پہلا مبلغ جب یہ بارہ آدمی بیعت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے لگے تو حسبِ بیان ابن ہشام حضورؐ نے مصعب بن عمیر ایک صاحبِ فہم اور امور دینیہ سے واقف صحابی کو ان لوگوں کے ساتھ کر دیا تاکہ یثرب پہنچ کر وہ ان کو قرآن مجید پڑھائیں۔ احکام الٰہی کی تعلیم دیں۔ اور یثرب میں اسلام کی ترویج اور اشاعت کی کوشش کریں۔ حضرت مصعب نے یہ فرض نہایت خوش اسلوبی کمال تندہی اور نہایت مستعدی کے ساتھ انجام دیا۔ ان کی تبلیغ و اشاعت اور وعظ و نصیحت کی نہایت دلچسپ کیفیت انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ صرف آپ کی کوششوں سے یثرب میں چالیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا[۱۷]۔

یثرب پہنچ کر حضرت مصعب ابو امامہ کے پاس ٹھیرے۔ وہاں کے مسلمانوں کے امام الصلوٰۃ اس وقت وہی تھے[۱۸]۔

۴۔ بیعت عقبہ ثالثہ

حضورؐ کو امن کی تلاش اور اس میں کامیابی مکہ میں مسلسل ۱۳ برس تک نہایت محنت و کاوش کے ساتھ تبلیغ کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں کی زمین نہایت سخت ہے۔ اور یہاں اسلام کا پودا جلدی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ پس حضورؐ کسی ایسی شاداب زمین کی فکر میں تھے۔ جہاں حضورؐ اس پودے کو لے کر جائیں۔ تاکہ وہ جلد تناور درخت بن جائے کہ کسی طاقتور دشمن کے ہلانے نہ ہلے اور جس کی شاخیں اتنی پھیلی ہوئی ہوں کہ ساری دنیا ان کے نیچے آجائے۔ خدا کے خاص فضل

---

[۱۵] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۱۰۰ [۱۶] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۱ [۱۷] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۲

کے ماتحت وہ زمین حضور علیہ السلام کو یثرب میں مل گئی۔ چنانچہ وہاں سے برابر نہایت خوش کن خبریں آرہی تھیں کہ اسلام یثرب کے ہر محلے اور ہر گلی میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اور جو لوگ پچھلے دو سالوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے گئے تھے انھوں نے اسلام کا نام یثرب کے ہر گھر اور ہر خاندان میں پہنچا دیا ہے۔

ہجرت یثرب کا حکم | یہ خبریں سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ خاموشی کے ساتھ مکہ سے نکل جائیں اور یثرب چلے جائیں۔ لیکن خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ ہی میں رہے۔ جب تک سب مسلمانوں کو یثرب نہ بھیج دیا۔ (سوائے ایسے مظلوم مسلمانوں کے جنھیں کافروں نے مسلمان ہونے کے جرم میں قید کر رکھا تھا) چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل میں جن صحابی نے سب سے پہلے یثرب کی طرف ہجرت کی وہ قریش کے قبیلہ بنی مخزوم میں سے حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد تھے جنھوں نے تیسری بیعت عقبہ سے ایک سال پہلے سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کی۔[۱]

بیعت عقبہ ثالثہ کی کیفیت | حضور علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ تمام مسلمانوں کو روانہ کرنے کے بعد آخر میں خود یثرب تشریف لے جائیں کہ اتنے میں حج کا موسم آگیا اور اوس و خزرج کے پانچ سو آدمیوں کا قافلہ حج کرنے کے لیے یثرب سے مکہ آیا۔ مشرکوں کے اس قافلے میں بقول ابن ہشام ۷۳ مرد اور دو عورتیں کل ۷۵ آدمی[۲] ایسے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے یثرب سے مکہ آئے تھے۔ مگر قافلے کے باقی آدمیوں کو اس کا پتہ نہ تھا کیونکہ انھوں نے اس بات کو بہت خفیہ رکھا تھا۔ (ابن سعد نے تعداد "۷۰، یا ایک دو زائد" لکھی ہے[۳])

مکہ پہنچ کر ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ طور سے کہلا بھیجا کہ ہم حضور کی زیارت اور قدم بوسی کے لیے آئے ہیں۔ ارشاد فرمائیں کہ آپ کی خدمت میں کہاں اور کس وقت حاضر ہوں؟

حضور علیہ السلام نے جواباً کہلا بھیجا کہ حج کرنے کے بعد جب ہجوم کچھ کم ہو جائے تو ۱۲ ذی الحجہ ۱۳ سنہ نبوی کو پچھلی رات مجھ سے شعب ایمن میں[۴] ملیں۔ بہت خاموشی سے آئیں۔ ایک ایک دو دو کر کے آئیں۔ کسی سونے والے کو نہ جگائیں۔ کسی غیر حاضر کا انتظار نہ کریں۔[۵]

وقت مقررہ پر سب لوگ حسب الحکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جائے مقررہ پر ایک ایک دو دو کر کے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۶۷ [۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۷ [۳] طبقات کبیر جلد اول صفحہ ۱۴۹ [۴] شعب ایمن منیٰ سے آتے ہوئے وقت عقبہ کے نیچے ہے [۵] طبقات کبیر جلد اول صفحہ ۱۴۹

پہنچ گئے۔ مگر انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہلے سے موجود ہیں اور ان لوگوں کا انتظار فرما رہے ہیں۔ حضور کے ہمراہ صرف آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب[1] تھے۔ (جنھوں نے اگرچہ اُس وقت اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا مگر حضورؐ سے انتہائی محبت رکھنے کے باعث آپؐ کے نہایت ہمدرد اور راز دار تھے اور آپؐ کے سارے کاموں میں آپؐ کے معین اور مددگار رہتے تھے)

عباس بن عبدالمطلب کی تقریر جب سب لوگ سکون کے ساتھ فرش خاک پر بیٹھ گئے تو عباس کھڑے ہوئے اور حسبِ ذیل تقریر کی:۔

"آپ لوگوں سے جو اس وقت رات کی تاریکی میں یہاں ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہنچے ہیں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ محمدؐ جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں ہم میں ایک نہایت معزز اور ذی وقار شخص ہیں۔ ہم سب اہل مکہ کو نہ ان کی عالی نسبی سے انکار ہے۔ اور نہ ان کی بزرگی سے۔ ان کی ذاتی شرافت کے بھی ہم لوگ قائل ہیں ہم نے اب تک جس طرح بھی بن سکا ان کے دشمنوں اور مخالفوں سے ان کی نگہداشت اور حفاظت کی ہے۔ اور جہاں تک ہماری طاقت میں تھا ہم نے انھیں معاندوں کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ ہم بنی ہاشم میں سے جن لوگوں نے ان کے پیش کردہ مذہب کو قبول کر لیا۔ انھوں نے اپنی عقیدت کے لحاظ سے اور جنھوں نے ان کی دعوت کو منظور نہیں کیا انھوں نے خاندانی تعلقات کا خیال کر کے ان کا ساتھ دیا۔ اور ان کی معاونت و امداد کی لیکن اب یہ یہاں سے نکل کر آپ لوگوں کے شہر میں آنا چاہتے ہیں تاکہ وہاں بیٹھ کر آزادی اور سکون کے ساتھ اپنے دین و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کر سکیں پس اگر آپ لوگ ان کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری لے سکیں اور ان کے دشمنوں سے ان کے لیے لڑ سکیں۔ اور کسی قیمت پر بھی ان کو ان کے مخالفین کے حوالے نہ کریں۔ تب تو بیشک انھیں لے جائیں ورنہ ابھی صاف انکار کر دیں کیونکہ سب سے عمدہ اور بہترین بات وہی ہوتی ہے جو نہایت سچی اور کھری ہو۔ یہ اس

---

[1] طبقات کبیر جلد اول ص۱۴۹

وقت ہماری حفاظت میں ہیں اور ہم ان کی پوری نگہداشت کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت تو تم ان کو یہاں سے لے جاؤ اور وقت پڑنے پر ان کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ اور ان کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ پس جو کچھ بھی تمہاری رائے ہو بہت سوچ سمجھ کر اور مشورہ و صلاح کر کے ابھی کہہ دو۔ اگر ان کو اپنے ساتھ لے جانے اور اپنے شہر میں بلانے کا ارادہ ہو تو پورے عزم و استقلال کے ساتھ اس ارادے پر قائم رہو۔ اس امر میں بھی خوب اچھی طرح غور کر لو کہ اگرچہ تم لوگ جنگ و حرب میں ماہر اور صاحب شوکت و عظمت ہو۔ مگر ان کو ساتھ لے جانے میں تم کو سارے عرب قبائل سے لڑائی مول لینی پڑے گی جو سب مل کر ایک ہی کمان سے تم پر تیر چلائیں گے۔ پس جو کچھ کرو خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر کرو۔[1]"

کعب کا بیان عباس بن عبدالمطلب کی اس زوردار تقریر کے بعد ایک صاحب کعب نامی اٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہنے لگے:۔

"یا رسول اللہ! جو کچھ آپ کے چچا نے فرمایا۔ وہ ہم نے سن لیا۔ اب ہماری خواہش یہ ہے کہ حضور خود اپنی زبان مبارک سے معاملے کی تمام تفصیلات ارشاد فرمائیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق یا اپنی ذاتِ خاص کے لیے یا اپنے اصحاب کے لیے جو کچھ آپ ہم سے چاہتے ہیں وہ ہمیں بتا دیں۔ اور یقین رکھیں کہ ہم آپ کے ہر حکم اور ہر ارشاد کی تعمیل کرنے کو تیار ہیں۔[2]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ سن کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ ازاں بعد اس مقصد کو بیان کیا جس کے لیے یہ لوگ جمع ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"میں خدا تعالیٰ کے متعلق تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی کی پرستش کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔ اپنے اور اپنے اصحاب کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں ظالموں کے ظلم سے پناہ دو۔ اور ہماری اسی طرح حفاظت کرو جس طرح

---

[1] طبقات ابن سعد جزو اول صفحہ ۱۴۹۔ [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۵

اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو۔"[۱]

براء بن معرور کا جواب اس تقریرِ نبوی کے بعد تمام حاضرین کی طرف سے براء بن معرور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا اور کہا:۔

"اُس ذاتِ واحد کی قسم جس نے آپؐ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا کہ ہم آپؐ کی اور آپؐ کے اصحاب کی ہمیشہ ایسی ہی حفاظت اور امداد کریں گے جیسی اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں پس آپ ہماری بیعت لے لیں۔"[۲]

عباس بن عبادہ کی پُرجوش تقریر سب لوگوں کو بیعت پر مستعد دیکھ کر عباس بن عبادہ نے نہایت جوش کے ساتھ تمام حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:۔

"اے بھائیو! کیا تم جانتے ہو کہ تم کس حیثیت سے اور کس بات پر۔
کس طرح اس شخص کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہو؟ تم اچھی طرح جان لو کہ:۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ ہر عرب اور عجم کے خلاف تمہیں کھڑا ہونا پڑے گا۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ دنیا جہاں سے تمہیں لڑائی مول لینی پڑے گی۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہارے اموال ضائع ہوں گے۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہاری زراعت تباہ ہوگی۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہارے باغات برباد ہوں گے۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہارے بڑے بڑے بہادر مارے جائیں گے۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہارے بیٹے میدانِ جنگ میں قتل ہوں گے۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمہاری عورتیں بیوہ ہوں گی۔

[۱، ۲] سیرۃ ابن ہشام ص۱۵۵۔ اور مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۱۹-۱۲۰

یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمھارے بچے یتیم ہوں گے۔
یہ اس بات کے لیے بیعت ہے کہ تمھارے عزیز و اقارب لڑائی میں کام آئیں گے۔

اگر تمھارا یہ خیال ہو کہ ایسا وقت پڑنے پر تم ان کی بیعت توڑ دو گے اور ان سے الگ ہو جاؤ گے۔ تو اس سے ہزار درجہ بہتر بات یہ ہے کہ بیعت ہی نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی ذلت تمھارے نصیب میں ہوگی اور تمھاری موت نامرادی کی موت ہوگی۔ لیکن ہاں اگر تم اس امر پر سختی سے قائم ہو کہ خواہ کیسی ہی اور کتنی ہی مصیبت تم پر پڑے تم اس شخص کا دامن نہ چھوڑو گے۔ تو پھر بے شک بیعت کر لو۔ اس میں تمھارے لیے دین و دنیا کی خیر و خوبی ہے[1]"

عباس بن عبادہ نے یہ تقریر اپنے ساتھیوں کے سامنے کسی بدنیتی سے نہیں کی تھی بلکہ اس لیے کی تھی کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر پوری پختگی اور مضبوطی کے ساتھ بیعت کریں اور پھر اس پر نہایت استقلال اور استقامت کے ساتھ قائم رہیں۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے کہ عباس کی یہ تقریر سن کر سب لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے اور سب باتوں اور نتائج پر غور کرنے کے بعد ہی ہم بیعت کے لیے تیار ہوئے ہیں[2]"

ایک سوال اور اس کا جواب ابن ہشام کا بیان ہے کہ عباس کی اس تقریر کے بعد لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اگر ہم عہد پر پورے اتریں اور استقامت کے ساتھ اپنی بیعت پر قائم رہیں تو اس کے معاوضہ میں ہمیں کیا ملے گا؟" حضور نے فرمایا "جنت"، یہ سنتے ہی سب لوگوں نے متفق ہو کر کہا "ہمیں یہ معاوضہ منظور ہے۔ ہاتھ پھیلائیے ہم حضور کی بیعت کرتے ہیں" حضور نے ہاتھ پھیلایا اور تمام حاضرین نے آنحضرت کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی[3]۔ بیعت میں ابن ہشام کے قول کے مطابق ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں تھیں[4]۔ عورتوں سے حضور علیہ السلام نے زبانی بیعت لی اور ان کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کریں[5] پردہ کا حکم اس وقت تک

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۶ ۔ [2],[3] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۶
[4] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۹ ۔ [5] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۶۳

نازل نہیں ہوا تھا)

ابوالہیثم کا خطرہ اسی دوران میں ایک صاحب ابوالہیثم مالک بن التیہان نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ رو یثرب کے یہودیوں سے ہمارے مراسم اور تعلقات بہت قدیم اور پرانے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے کہ وہ لوگ آپؐ کے سخت دشمن اور مخالف ہیں اور ہرگز نہیں چاہتے کہ آپؐ کی تبلیغ اور دعوت یثرب میں پھیلے۔ اب جبکہ ہم نے آپؐ کے آگے سر اطاعت جھکایا ہے۔ اور آپؐ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کر کے آپؐ پر ایمان لائے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہودی ہمارے بھی دشمن بن جائیں گے اور ہمارے تمام تعلقات اُن سے ٹوٹ جائیں گے۔ جب اللہ تعالٰے آپؐ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور تمام عرب آپؐ کا مطیع و منقاد ہو جائے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس آجائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہم کہیں کے نہ رہے۔ ادھر آپؐ چلے آئیں گے ادھر یہود ہمارے پکّے دشمن بن جائیں گے اور ہمیں ہر طرح پریشان کریں گے ایسی حالت میں ہمارے لیے بہت ہی مشکل ہو جائے گی اور ہم بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔"

خطرہ کا جواب آنحضرتؐ کی طرف سے ابوالہیثم سے یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا بل الدّم الدّم والھدم الھدم انتم منی وانا منکم اسالم من سالمتم واحارب من حاربتم (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ میرا خون تمہارا خون ہوگا اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ۔ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ جس سے تم صلح کرو گے اسی سے میں بھی صلح کروں گا۔ جس سے تم جنگ کرو گے میں بھی اس سے لڑوں گا)

اہل یثرب کے لیے ۱۲ مبلغین کا تقرر جب بیعت کے تمام مراحل طے ہو چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے ۱۲ نقیب مقرر فرمائے تھے۔ میں بھی اسی طرح تمہارے لیے ۱۲۔ ایسے آدمی مقرر کرنا چاہتا ہوں جو تمہیں تعلیم دیں۔ تمہاری تربیت کریں تمہارے اخلاق کی نگہداشت کریں اور یثرب میں لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ اور گھر گھر پھر کر لوگوں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیں۔ اس غرض کے لیے تم لوگ اپنے میں ۱۲ نہایت ہوشیار۔ نیک اور مخلص آدمیوں کو انتخاب کر لو۔ اور ان کے نام منظوری کے لیے میرے سامنے پیش کرو۔

بارہ۱۲ مبلغین کے نام اس طرح اہل یثرب کے انتخاب اور حضور علیہ السلام کی منظوری سے جو نقیب یا معلم منتخب ہوئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ اسعدؓ بن زرارہ۔ نہایت مخلص۔ بڑے دیندار اور بے حد پرجوش صحابی۔ سال انتقال سلہ ہجری۔

سلہ تاریخ ابن اثیر جلد ششم صـ۱۹۳

۲- اسید بن الحضیر - یثرب کے نہایت ممتاز اشخاص میں سے تھے ۲۰ھ میں وفات پائی۔

۳- ابوالہیثم مالک بن التیہان - جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

۴- سعدؓ بن عبادہ - بڑے ذی عزت - پروقار اور بلند پایہ صحابی تھے۔ آنحضورؐ کے انتقال کے بعد انہی کو انصار خلیفہ بنانا چاہتے تھے ۱۵ھ میں کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا۔

۵- براءؓ بن معرور - بہت بزرگ شخص تھے۔ بیعت سے صرف دو ماہ بعد انتقال کیا۔

۶- عبداللہؓ بن رواحہ - مشہور شاعر اور مخلص صحابی تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

۷- عبادہؓ بن صامت - بہت عالم اور باخبر انسان - ۳۴ھ میں وفات پائی۔

۸- سعدؓ بن ربیع - بہت ہی مخلص شخص تھے - جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

۹- رافعؓ بن مالک - نہایت جلیل المنزلت بزرگ تھے - جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

۱۰- عبداللہؓ بن عمرو - بڑے درجے کے صحابی تھے - جنگ اُحد میں شہادت پائی۔

۱۱- سعدؓ بن خثیمہ - جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

۱۲- منذرؓ بن عمرو - ۴ھ میں بمقام بیر معونہ شہید ہوئے[1]

بیعت کنندگان کی یثرب کو روانگی بیعت کرنے اور نقیب منتخب ہونے کے بعد یہ لوگ رات کی خاموشی میں آہستہ آہستہ اسی طرح منتشر ہو گئے جس طرح جمع ہوئے تھے اور صبح کو سارا قافلہ یثرب کو روانہ ہو گیا۔

بیعت کنندگان کے نام نہایت ناشکری ہوگی اگر ہم اس موقع پر ان بزرگوں کے نام نہ گنوائیں جنھوں نے تمام خطرات کو محسوس کرتے ہوئے اور تمام مشکلات اور مصائب کو دیکھتے ہوئے نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اپنے آپ کو اسلام کی حمایت کے لیے پیش کیا۔ اور اس وقت حضور علیہ السلام کی امداد اور اعانت کا وعدہ فرمایا۔ جب عرب کا ہر قبیلہ آپ کا انکار کر چکا تھا۔ جنھوں نے خیر البشر اور افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں اس وقت پناہ دی۔ جب کہیں بھی اس انسان کاملؐ کو پناہ نہیں مل رہی تھی۔ اور جب اپنے اہل وطن نے تلواریں کھینچ کھینچ کر رحمت للعالمینؐ کو قتل کرنے کے لیے حضور اقدس کے مکان کو گھیر لیا تھا۔ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے زیادہ کر کے دکھا دیا۔ اور اپنی جانوں۔ اپنے مالوں اور اپنی اولاد کو نہایت خوشی کے ساتھ اسلام پر قربان کر دیا۔ بلاشبہ یہ محترم اور مقدس بزرگ اس قابل ہیں کہ ان کے مبارک ناموں سے ہم اپنی کتاب

---

[1] تجرید بخاری - اور سیر الانصار ہر دو جلد

کے اوراق کو مزین کریں۔ خوش قسمتی سے ابن ہشام نے یہ مواد ہمارے لیے فراہم کر دیا ہے۔ جسے ہم بہت اختصار کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ قبیلہ اوس کے بیعت کرنے والے اشخاص

۱۔ بنو عبدالاشہل میں سے (۱) اسید بن حضیر (۲) ابوالہیثم بن التیہان (۳) سلمہ بن سلامہ

۲۔ بنو حارثہ میں سے (۴) ظہیر بن رافع (۵) ابوبردہ بن نیار (۶) نہیر بن الہیثم

۳۔ بنی عمرو بن عوف میں سے (۷) سعد بن خثیمہ (۸) رفاعہ بن المنذر (۹) عبداللہ بن جبیر۔ (۱۰) معن بن عدی (۱۱) عویم بن ساعدہ

۲۔ قبیلہ خزرج کے مسلمان ہونے والے اصحاب

۴۔ بنو نجار میں سے (۱۲) ابوایوب خالد بن زید (۱۳) معاذ بن حارث (۱۴) عوف بن حارث (۱۵) عمارہ ابن حزم (۱۶) اسعد بن زرارہ (۱۷) رفاعہ بن حارثہ (۱۸) سہل بن عتیک، (۱۹) اوس بن ثابت (۲۰) ابوطلحہ زید بن سہل (۲۱) قیس بن ابوصعصعہ (۲۲) عمرو بن غزیہ۔

۵۔ بنو حارث بن خزرج میں سے (۲۳) سعد بن ربیع (۲۴) خارجہ بن زید (۲۵) عبداللہ بن رواحہ (۲۶) بشیر بن سعد (۲۷) عبداللہ بن زید (۲۸) ابومسعود عقبہ بن عمرو۔ (۲۹) خلاد بن سوید

۶۔ بنو بیاضہ میں سے (۳۰) زیاد بن لبید (۳۱) فروہ بن عمرو (۳۲) خالد بن قیس بن مالک

۷۔ بنو زریق میں سے (۳۳) رافع بن مالک بن عجلان (۳۴) ذکوان بن عبد قیس (۳۵) عباد قیس بن عامر (۳۶) حارث بن قیس۔

۸۔ بنو سلمہ میں سے (۳۷) براء بن معرور (۳۸) سنان بن صیفی (۳۹) طفیل بن نعمان (۴۰) معقل بن منذر (۴۱) یزید بن منذر (۴۲) مسعود بن یزید (۴۳) ضحاک بن حارثہ (۴۴) یزید بن خذام (۴۵) جبار بن صخر (۴۶) طفیل بن مالک (۴۷) بشر بن براء (۴۸) کعب بن مالک۔ (۴۹) سلیم بن عمرو (۵۰) قطبہ بن عامر (۵۱) یزید بن عامر (۵۲) ابوالیسر کعب بن عمرو (۵۳) صیفی بن سواد (۵۴) ثعلبہ بن غنمہ (۵۵) عمرو بن غنمہ (۵۶) عبس بن عامر (۵۷)

عبداللہ بن انیس (۵۸) خالد بن عمرو (۵۹) عبداللہ بن عمرو (۶۰) جابر بن عبداللہ (۶۱) معاذ بن عمرو (۶۲) ثابت بن الجذع (۶۳) عمیر بن حارث (۶۴) خلیج بن سلامہ (۶۵) معاذ بن جبل۔

۹۔ بنی عوف بن خزرج میں سے (۶۶) عبادہ بن صامت (۶۷) عباس بن عبادہ (۶۸) ابو عبدالرحمٰن بن یزید (۶۹) عمرو بن حارث (۷۰) رفاعہ بن عمرو (۷۱) عقبہ بن وہب

۱۰۔ بنی ساعدہ میں سے۔ (۷۲) سعد بن عبادہ سردار خزرج (۷۳) منذر بن عمرو بن خنیس۔

ان ۷۳ مردوں کے علاوہ بیعت میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایک تو یثرب کی نہایت مشہور و معروف بہادر خاتون اُم عمارہؓ جس کا نام نسیبہ بنت کعب تھا۔ اور دوسری ام منیع تھی جس کا نام اسماء بنت عمرو تھا[1]۔

تیسری مرتبہ عقبہ میں بیعت کرنے والوں میں سے بعض بزرگ ایسے بھی تھے جو اگرچہ بیعت کے بعد یثرب چلے آئے۔ لیکن پھر ان کا دل گھبرایا اور واپس آنحضرتؐ کے پاس چلے گئے اور کچھ دن مقیم رہ کر مہاجرین مکہ کے ساتھ انھوں نے ہجرت کی۔ ایسے لوگوں کو "مہاجر انصاری" کہا جاتا ہے۔ یہ چار بزرگ تھے یعنی ذکوانؓ بن عبد قیس۔ ۲۔ عقبہ بن وہب۔ ۳۔ عباس بن عبادہ۔ ۴۔ زیاد بن لبید[2]۔

بیعت عقبہ کا دوطرفہ اثر اہل یثرب نے مختلف اوقات میں تین مرتبہ مکہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ بیعت کرنے والے یہ تمام لوگ نہایت مستعد، پرجوش اور مخلص تھے اور انھوں نے اپنے اخلاص اور اپنی مستعدی کا نہایت واضح طور پر عملی ثبوت دیا۔ ان لوگوں کی بیعت کا اثر دوطرفہ پڑا۔ یعنی یثرب میں بھی جہاں کے یہ لوگ رہنے والے تھے اور مکہ میں بھی جہاں آکر ان لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ دونوں شہروں میں جو مختلف اثرات اس بیعت کے ہوئے۔ اُن کا جائزہ ہم علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں۔

۱۔ یثرب میں بیعتِ عقبہ کا اثر عقبہ کے مقام پر پہلے چھ اہل یثرب نے بیعت کی۔ دوسرے سال بارہ نے اور تیسرے سال بہتر[3] نے۔ ہر دفعہ کے بیعت کرنے والے واپس یثرب پہنچ کر اس بات کی انتہائی کوشش کرتے رہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو تبلیغ کر کے اسلام کا حلقہ بگوش کر سکیں اور جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ان لوگوں کو اپنی کوششوں میں بیش از بیش کامیابی ہوئی۔ یہاں تک کہ تیسری مرتبہ بیعت کرنے کے لیے ۷۵ آدمی آئے۔ اور جب یہ لوگ بیعت کر کے واپس گئے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۵۹ تا ۱۶۱۔ [2] سیر الانصار جلد اول ص ۹۳-۹۵

تو انھوں نے اپنی تبلیغی مساعی کو دو چند بلکہ چہار چند کر دیا۔ اور بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ تمام شہر میں ہر پرناؤ پیر اور ہر شیخ و شاب کو تبلیغ کرنی شروع کی۔ جس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اور بہت ہی جلد ایسی حالت ہو گئی کہ یثرب میں بت پرستوں اور یہودیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہو گئی اور وہ نہایت آزادی اور بے خوفی کے ساتھ تبلیغی اور اشاعتی فرائض انجام دینے لگے کسی بڑے سے بڑے بت پرست یا یہودی کا ان کو قطعاً خوف نہ رہا۔ گھرانے کے گھرانے قبیلے کے قبیلے اور خاندان کے خاندان مسلمان ہونے لگے اور ہر طرف اسلام کا چرچا اور تذکرہ ہونے لگا۔

تبلیغ کرنے اور مسلمان بنانے کا ایک بڑا عجیب واقعہ

اسی سلسلے میں ابن ہشام نے ایک بہت ہی دلچسپ تبلیغی واقعہ بیان کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"جب یہ (۵، آدمی) بیعت کر کے یثرب میں واپس آئے تو یہاں پہنچ کر انھوں نے اسلام کو بڑی رونق دی۔ اور جو جو بوڑھے آدمی اور پرانے بزرگ ان کی قوم میں ابھی تک کفر پر قائم تھے۔ انھیں تبلیغ کر کے مسلمان کیا۔ انہی میں سے ایک شخص عمرو بن جموح تھا۔ اس نے عبادت کرنے کے لیے لکڑی کا ایک بت بنا کر اپنے گھر میں رکھ چھوڑا تھا۔ اور اسی کی پرستش کیا کرتا تھا۔ جب اس کی قوم بنی سلمہ کے چند نوجوان جیسے معاذ بن عمرو اور معاذ بن جبل وغیرہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے یہ حرکت کی کہ رات گئے جس وقت عمرو بن جموح سو جاتا تو اس بت کو اٹھا کر لے جاتے اور کسی کوڑے کے ڈھیر پر اوندھا پھینک دیتے۔ صبح کو جب عمرو بن جموح اٹھتا اور بت کو نہ دیکھتا تو اسے ڈھونڈنے کے لیے باہر نکل جاتا۔ اور کوڑے پر سے اٹھا کر اسے دھوتا۔ پاک کرتا۔ صاف کرتا اور خوشبو لگا کر اپنی جگہ رکھ دیتا۔ روز ہی ایسا ہوتا اور روز ہی اسے اپنے خدا کو نجاست میں سے اٹھا کر لانا پڑتا۔ مگر اس کی عقیدت میں فرق نہ آتا۔ عمرو بن جموح نے ہر چند کوشش کی کہ پتہ لگائے کہ یہ کس کا کام ہے اور کون اسے اٹھا کر روزانہ کوڑے پر ڈال آتا ہے۔ مگر پتہ نہ لگا کیونکہ اس سازش اور شرارت میں عمرو بن جموح کے فرزند ارجمند معاذ بھی شامل اور شریک تھے۔ جو مکہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر آئے تھے۔ آخر تنگ آکر عمرو بن جموح نے ایک روز یہ کام کیا کہ ایک ننگی تلوار اپنے خدا کے گلے میں لٹکا دی اور اس سے کہا "مجھے تو پتہ نہیں لگا کہ تیرے ساتھ یہ گستاخی کون کرتا ہے۔ اب یہ تلوار حاضر ہے جو شخص بھی تیری بے ادبی کرتا ہو۔ وہ آج آئے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دیجو۔ تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو اور تجھے بھی اور مجھے بھی امن مل جائے"۔ حسب معمول رات کے پچھلے پہر میں جب وہ لوگ آئے اور یہ تماشا دیکھا تو تلوار تو اتار کر اپنے پاس رکھ لی اور ایک مرا ہوا کتا اس کے گلے میں باندھ کر بت کو ایک گڑھے میں پھینک آئے جس میں محلے کے لوگ گندگی ڈالا کرتے تھے۔

جب صبح کو عمرو بن جموح اٹھا تو اس امید اور یقین کے ساتھ بت کی کوٹھری میں گیا کہ اس آدمی کی لاش بت کے قدموں میں تڑپ رہی ہوگی جو روز اسے اٹھا کر لے جاتا ہے لیکن وہاں جا کر دیکھا کہ بت مع تلوار کے غائب ہے۔ ناچار پھر اسے ڈھونڈنے نکلا اور ایک گڑھے میں جو نجاست سے بھرا ہوا تھا اس حالت میں اسے اوندھا گرا ہوا پایا کہ ایک مردہ کتا بھی اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور تلوار غائب تھی۔

اپنے خدا کی یہ "عزت افزائی" دیکھ کر عمرو بن جموح کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے سوچا کہ جو معبود تلوار ہونے کے باوجود بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکا اور اب ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ نجاست کے اندر لتھڑا پڑا ہے۔ اور اتنی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ اس نجاست سے اپنے آپ کو خود نکال لے۔ وہ کب میری حاجت روائی کر سکتا ہے۔

ادھر عمرو بن جموح کے دل میں یہ خیالات چکر لگا رہے تھے اور بت نجاست میں اوندھا پڑا تھا کہ فوراً چند نوجوان ادھر ادھر جمع ہو گئے (غالباً پہلے سے مشورہ کر لیا ہوگا) اور عمرو بن جموح کو بت پرستی کے نقصانات اور برائیاں سمجھانے لگے۔ چونکہ خود عمرو بن جموح کے دل میں بھی بت کے خلاف بغاوت کے خیالات پیدا ہو چکے تھے اس لیے اس بروقت تبلیغ کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ اس نے آئندہ بت پرستی سے توبہ کی اور شرح صدر کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اور بت کو وہیں نجاست میں پڑا چھوڑ دیا۔[۱]

ابن ہشام لکھتا ہے کہ "ان کا اسلام بہت اچھا ہوا اور انھوں نے گمراہی سے نکلنے اور شاہراہ ہدایت پر آنے کا جناب باری میں بڑا شکریہ ادا کیا۔"[۲]

اس واقعے سے اس حقیقت پر خاص روشنی پڑتی ہے کہ مسلمانوں کو یثرب میں اس وقت کافی طاقت اور بڑی اکثریت حاصل تھی اور ان کے مقابلے میں مشرکین یثرب اکثر و بیشتر کمزور اور کم طاقت تھے اور مدافعت کی قوت ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ ورنہ ایسی دلیری اور بے خوفی کے ساتھ مسلمان بتوں کی تذلیل اور تحقیر ہرگز نہ کر سکتے۔ اگر کرتے تو اس کارروائی کا ان کو بڑا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ دیکھو مکی زندگی میں کسی مسلمان کو ایسی جرأت کبھی نہیں ہوئی۔

۲۔ مکہ کے کافروں پر بیعت عقبہ کا اثر

عقبہ کی بیعت کو اگرچہ مصلحتاً بہت ہی خفیہ رکھا گیا اور بڑی احتیاط اس امر کی برتی گئی تھی کہ کفار مکہ کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے مگر ان کے بھی آدمی پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے ان کو اسی وقت پتہ لگ گیا۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[۱، ۲] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۵۸

عقبہ کی گھاٹی میں لوگوں سے بیعت لے چکے تو ایک شخص نے جو خفیہ طور پر اس تمام کارروائی کو دیکھ رہا تھا۔ پہاڑ پر کھڑے ہو کر اور بہت چلا کر یہ بات کہی تھی کہ "اے اہلِ مکہ! تمھیں کچھ خبر بھی ہے کہ مذممؐ اہل یثرب سے تمھارے خلاف لڑنے کے لیے بیعت لے رہا ہے اور بہت سے لوگوں نے اس امر پر اس کی بیعت کر لی ہے اور تم سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں"۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی بڑے بڑے سرداران قریش جمع ہو کر اہل یثرب کے ڈیروں پر آئے اور ان سے شکایت کی کہ "ہم نے سنا ہے کہ تم ہمارے دشمن مذمم کو یہاں سے نکال کر اپنے ہاں لے جانا چاہتے ہو تاکہ ہمارے خلاف ایک محاذِ جنگ قائم کرو اور اسی بات پر رات کو تم نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ خدا کی قسم! تمام قبائل عرب میں سے کسی سے لڑنے کا ہمیں ایسا افسوس نہیں ہو گا جیسا تم سے ہو گا"۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی مگر آپؐ کے قافلے کے روانہ ہونے کے بعد تحقیق کرنے پر قریش کو معلوم ہو گیا کہ خبر ٹھیک تھی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ان کی پریشانی اور اضطراب میں بڑا اضافہ ہو گیا۔ اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ تو بڑا غضب ہوا۔ اب غالباً بہت جلد محمدؐ یہاں سے یثرب چلا جائے گا اور فوراً اوس اور خزرج کے قبائل کو ساتھ لے کر مکہ پر حملہ کر دے گا جس سے ہم لوگ سخت آفت اور مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ لہٰذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ اس مخمصے سے ہمیں چھٹکارا مل جائے۔ لیکن جو کچھ بھی ہو جلد سے جلد ہو۔ اگر محمدؐ یہاں سے نکل کر اپنے ہوا خواہوں میں پہنچ گیا تو پھر ہمارے بنائے کچھ نہ بن سکے گا اور اس صورت میں ہماری تباہی اور بربادی یقینی اور قطعی ہے۔

قریش کا آنحضرتؐ کے خلاف ایک عظیم الشان جلسہ

اس پر فوراً ان کی ایک مجلس مشاورت دار الندوہ میں منعقد ہوئی جس میں قریش کے ایک سو کے قریب عمائد اور سردار جمع تھے تاکہ اس نئی مشکل کا حل سوچیں اور اس جدید خطرے کا سدباب جہاں تک ممکن ہو سکے کریں۔ ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں "جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو ایک امن کا مقام (یثرب) مل گیا۔ جہاں وہ فراغت کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عنقریب وہیں چلا جانا چاہتے ہیں تو وہ نہایت متردد اور فکرمند ہوئے۔ اس نتیجے کے انجام پر ان کی نظر گئی اور انھوں نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کا مجتمع ہونا ہماری بربادی اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ پس انھوں نے اس اہم باب میں مشورہ کرنے کے لیے قصی بن کلاب کے گھر میں جسے "دار الندوہ" کہا جاتا تھا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔

۱؎ مکہ کے کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمدؐ کے مذمم کہا کرتے تھے یعنی ایسا شخص جس کی لوگ مذمت اور برائی کرتے ہوں۔ ۲؎ تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۱۵۔ ۳؎ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۸

(ابن ہشام نے اس مجلس مشاورت میں شامل ہونے والے مہاجرین قریش میں سے بعض کے نام بھی لکھے ہیں)[1]

جلسے میں آنحضرتؐ کے خلاف تجاویز مجلس میں جب یہ معاملہ پیش کیا گیا تو بعض نے یہ رائے دی کہ رسیوں سے جکڑ کر محمدؐ کو ایک مکان میں قید کر دینا چاہیئے اور اس وقت تک نظر بند رکھنا چاہیئے جب تک مر نہ جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا اسے یہاں سے نکال دینا چاہیئے۔ کہیں جائے کہیں رہے ہمارے سر سے تو بلا ٹلے گی۔ مگر سب لوگوں کے برخلاف ابوجہل نے یہ مشورہ دیا کہ "قریش کے تمام قبائل میں سے ایک ایک بہادر آدمی منتخب کر لیا جائے۔ یہ سب لوگ ننگی تلواریں لے کر محمدؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیں اور جب وہ باہر نکلے تو سب بہادر ایک ساتھ اس پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح محمدؐ کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور ہر قبیلہ اس خون میں براہ راست شامل ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے قبیلے والے (بنو ہاشم) محمدؐ کے قصاص کے لیے قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور مجبوراً خون بہا لینے پر اکتفا کریں گے۔ جو ہم بڑی خوشی سے چندہ کر کے فوراً ادا کر دیں گے۔ اس طرح یہ خلش بڑی آسانی سے دور ہو جائے گی۔ محمدؐ کے قتل کے بعد اس کے متبعین اور حامیوں میں اتنی سکت اور ہمت باقی نہ رہے گی کہ وہ لوگوں کا ذہن بگاڑنے کی کوشش کریں۔ اس لیے تھوڑے ہی دنوں میں یہ تحریک ختم ہو جائے گی"۔

قریش کا آنحضرتؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ اور حضورؐ کی ہجرت تمام حاضرین مجلس نے ابوجہل کی اس رائے کو بے حد پسند کیا۔ اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قریش کے چیدہ بہادروں نے تلواریں کھینچ کر حضور علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکم دیا کہ اب تم یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے بستر پر لٹا کر رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکلے اور خدا کا ایسا تصرف ہوا کہ قریش کے چیدہ بہادروں کو آپؐ کے باہر نکلنے اور ان کے درمیان ہو کر گذر جانے کا ذرا سا بھی احساس نہ ہوا۔ حضورؐ تین دن غار ثور میں رہ کر حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ یثرب روانہ ہو گئے اور وہاں بخیر و عافیت سے پہنچ گئے۔ اسی روز سے شہر کا نام یثرب سے بدل کر مدینۃ النبی پڑ گیا۔ جو بعد میں صرف مدینہ رہ گیا۔

چلتے چلتے بھی حضور علیہ السلام اپنی دیانت و امانت اور اپنے اعلیٰ اور بہترین اخلاق کا ایسا بے نظیر نمونہ قریش مکہ کو دکھا گئے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ یعنی باوجود نہایت بُرا کہنے اور بُرا سمجھنے کے تمام قریش

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۹ [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۹

اپنا روپیہ پیسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس امانت رکھا کرتے تھے۔ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ کو اس لیے پیچھے چھوڑا کہ یہ سب امانتیں میرے جانے کے بعد ان کے مالکوں کو واپس کر دینا۔

حضور علیہ السلام کے یثرب تشریف لے جانے کے بعد اسلام ایک نئے دور میں داخل ہوتا ہے اور تاریخ اشاعت اسلام کے دوسرے باب کا آغاز ہوتا ہے۔

فصل پنجدہم

قبائلِ عرب میں اشاعتِ اسلام کا جائزہ

(قبل از ہجرت)

حضور علیہ السلام کی مکی زندگی میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ بیان کر چکنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کرام کو بتایا جائے کہ تیرہ برس کے طویل عرصے میں جو لگاتار اور مسلسل سعی اور کوشش تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق کی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ اس نے ہجرت سے قبل عرب کے کس کس قبیلے کو متاثر کیا۔ اور ان قبائل میں سے کن کن اصحاب کو بت پرستی چھوڑ کر حق کو قبول کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کرنے کی توفیق ملی؟

ذیل میں ہم عرب کے ان قبائل کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن کے درمیان ان ۱۳ برسوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور ان قبائل میں سے جن جن صاحبِ بصیرت اور سعید الفطرت اصحاب نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسمائے گرامی بھی ہر قبیلے کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہی وہ صادق الایمان اور کامل الیقین حضرات تھے جنھوں نے حق و صداقت کو قبول کرنے اور خدا کے پاک نبیؐ کی آواز پر لبیک کہنے کے باعث مکہ کے کافروں اور قریش کے سرداروں کے ہاتھوں سخت سے سخت تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ قید و بند بھوک اور پیاس کی صعوبتیں جھیلیں۔ مال و اسباب۔ نقد و جنس۔ مکان و جائداد سے ہاتھ دھوئے زن و فرزند۔ اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے جدا ہوئے اور بالآخر نہایت لاچاری و مجبوری اور بے بسی بیکسی کی حالت میں وطن سے نکل کر کبھی حبشہ کا طویل سفر اختیار کیا۔ کبھی یثرب کا سنگلاخ راستہ طے کیا

اور ہزاروں اذیتیں جھیل کر اپنے ایمان۔ اپنے صدق۔ اور اپنے اخلاص کا ثبوت دیا۔ اور درگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہ کا خطاب پایا۔

قبیلوں اور ان میں مسلمان ہونے والے حضرات کی فہرست یہ ہے:۔

(۱) بنو ہاشم میں سے ۔ حضرت علی بن ابی طالب۔ جعفر بن ابی طالب۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب۔

(۲) موالی بنی ہاشم ۔ حضرت انسہ مولی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابو کبشہ۔ حضرت زید بن حارثہ۔

(۳) بنو عبدالمطلب۔ حضرت عبیدہ بن حارث۔ حضرت طفیل بن حارث۔

(۴) حلیف بنو عبدالمطلب۔ حضرت ابو مرثد غنوی۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد۔

(۵) بنو عبد شمس۔ حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت خالد بن سعید۔

(۶) حلیف بنی عبد شمس ۔ حضرت عبداللہ بن جحش۔ حضرت ابو احمد بن جحش۔ حضرت عکاشہ بن محصن ۔ حضرت شجاع بن وہب۔ حضرت عقبہ بن وہب۔

(۷) حلیف بنی نوفل۔ حضرت عتبہ بن غزوان۔

(۸) بنو اسد بن عبدالعزیٰ۔ حضرت زبیر بن عوام۔ حضرت سعید بن عبد قیس۔ حضرت خالد بن حزام حضرت اسود بن نوفل۔ حضرت عمرو بن امیہ۔ حضرت یزید بن زمعہ۔

(۹) حلیف بنو اسد۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ۔

(۱۰) بنو عبدالدار ۔ حضرت طلیب بن عمیر۔ حضرت ابو الروم بن عمیر۔ حضرت فراس بن نضر۔ حضرت مصعب بن عمیر۔ حضرت جہم بن قیس۔

(۱۱) حلیف بنو عبدالدار۔ حضرت ابو فکیہہ

(۱۲) بنی زہرہ بن کلاب ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت طلیب بن ازہر۔ حضرت عبداللہ بن الاصغر۔ حضرت عبداللہ بن شہاب۔ حضرت عامر بن ابی وقاص۔ حضرت مطلب بن ازہر

(۱۳) حلیف بنی زہرہ میں سے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۔ حضرت مقداد بن عمرو۔ حضرت خباب بن ارت حضرت مسعود بن ربیع۔ حضرت عتبہ بن مسعود۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ۔

(۱۴) بنو تیم بن مرہ میں سے ۔ حضرت ابوبکر صدیق ۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔ حضرت عامر بن فہیرہ (خادم حضرت ابوبکر صدیق) حضرت حارث بن خالد۔ حضرت عمرو بن عثمان۔

(۱۵) بنو مخزوم بن یقظہ میں سے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد۔ حضرت ارقم بن ارقم۔ حضرت شماس بن عثمان۔ حضرت سلمہ بن ہشام۔ حضرت ہاشم بن ابو حذیفہ۔ حضرت ہبار بن سفیان۔ حضرت عبد اللہ بن سفیان۔

(۱۶) حلیف بنی مخزوم میں سے۔ حضرت عمار بن یاسر۔ حضرت معتب بن عوف۔

(۱۷) بنو عدی میں سے۔ حضرت عمر فاروق بن الخطاب۔ حضرت زید بن خطاب۔ حضرت سعید بن زید۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق۔ حضرت عمرو بن سراقہ۔ حضرت نعیم النحام بن عبد اللہ۔ حضرت معمر بن عبد اللہ۔ حضرت عدی بن نضلہ۔ حضرت عروہ بن ابی اثاثہ۔ حضرت مسعود بن سوید۔ حضرت عبد اللہ بن سراقہ۔

(۱۸) حلیف بنو عدی میں سے۔ حضرت عامر بن ربیعہ۔ حضرت عاقل بن ربیعہ۔ حضرت خالد بن ربیعہ حضرت ایاس بن ربیعہ۔ حضرت عامر بن ربیعہ۔ حضرت خولی بن ابی خولی حضرت مہجع بن صالح (غلام حضرت عمر فاروق)

(۱۹) بنو سہم میں سے۔ حضرت خنیس بن حذافہ۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ۔ حضرت ہشام بن عاص حضرت ابو قیس بن حارث۔ حضرت عبد اللہ بن حارث حضرت سائب بن حارث۔ حضرت حجاج بن حارث۔ حضرت تمیم بن حارث۔ حضرت سعید بن حارث۔ حضرت سعید بن عمرو۔

(۲۰) بنی جمح بن عمرو میں سے۔ حضرت عثمان بن مظعون۔ حضرت عبد اللہ بن مظعون۔ حضرت قدامہ بن مظعون۔ حضرت سائب بن عثمان۔ حضرت معمر بن حارث۔ حضرت خطاب بن حارث۔ حضرت سفیان بن معمر۔ حضرت خالد بن سفیان۔ حضرت جنادہ بن سفیان۔ حضرت منبہہ بن عثمان۔

(۲۱) بنی عامر بن لوئی میں سے۔ حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم۔ حضرت عبد اللہ بن مخرمہ۔ حضرت حاطب بن عمرو۔ حضرت عبد اللہ بن سہیل۔ حضرت عمیر بن عوف۔ حضرت وہب بن سعد۔ حضرت سلیط بن عمرو۔ حضرت سکران بن عمرو۔ حضرت مالک بن زمعہ

(۲۲) بنو فہر بن مالک میں سے۔ حضرت عبیدہ بن جراح۔ حضرت سہیل بن بیضاء۔ حضرت معمر بن ابی سرح۔ حضرت عیاض بن زہیر۔ حضرت عمرو بن حارث۔ حضرت عثمان بن عبد غنم

(۲۳) حلیف بنی سعد میں سے۔ حضرت محمیہ بن جزء

(۲۴) قبیلہ دوس میں سے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ۔ حضرت معیقیب

یہ ہے ان اصحاب کی مختصر فہرست جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں آپ پر ایمان لائے اور جنھوں نے بعد میں حبشہ اور یثرب کی جانب مختلف اوقات میں ہجرت کی یثرب کی طرف ہجرت کا یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔ پھر موقوف ہو گیا۔

فصل شانزدہم

عہدِ نبوی کے مبلغین اسلام

(مکی زندگی میں)

ویسے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ اور تلقین کر کے جن سعید روحوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ وہ سارے ہی ایسے لوگ تھے جنھوں نے اپنے طور پر جہاں تک ان سے بن سکا اپنے بیوی بچوں۔ والدین اور بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی اور اکثر اس میں کامیاب ہوئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے فیضیاب ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے والے بعض قابل اور لائق دماغ ایسے بھی تھے جنھوں مسلمان ہونے کے بعد عام طور سے تبلیغ کرنی شروع کی اور دعوتِ حق کا جو فرض اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کیا تھا۔ انھوں نے سمجھا کہ ہم پر بھی یہ فرض ٹھیک اسی طرح عائد ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہادی اور رہنما پر۔ اور یہ سمجھ کر انھوں نے کوئی دقیقہ اسلام کی تبلیغ کرنے میں اٹھا نہیں رکھا نہ وہ مخالفین سے ڈرے۔ نہ مخالفت سے گھبرائے نہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں کبھی کوتاہی کی بلکہ پوری تندہی، بڑی جانکاہی اور بے حد مستعدی کے ساتھ برابر اسلام کی اشاعت کرتے اور خدا کے بندوں کو خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملا تھا۔

یہ نفوسِ مقدسہ دو گروہوں میں منقسم تھے۔ پہلی قسم ان اصحاب کی ہے جن کو تبلیغ کا نہایت شوق تھا اور وہ کسی بیرونی تحریک کے بغیر بطورِ خود اشاعتِ حق میں مصروف رہے۔ اور لوگوں کو ان کی آبائی بت پرستی سے روکتے رہے۔

دوسری قسم کے اصحاب وہ ہیں جن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ

سلہ "مہاجرین"، جلد اول ص۱۵۱

عامۃ الناس کو قرآن کریم کی تعلیم دیں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔

اشاعتِ اسلام کی تاریخ ایسے بزرگوں کے تبلیغی کارناموں کے تذکرے کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہم ان دونوں قسم کے بزرگوں میں سے بعض کے تبلیغی حالات یہاں درج کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین لوگوں کو تبلیغ کرتے ہوئے کن کن ذرائع کا استعمال فرماتے تھے اور ان کا طرزِ تبلیغ کیا تھا؟ اس طرح حضور کی مکّی زندگی میں مبلغین اسلام کے تبلیغی کارناموں کا ایک مجمل تذکرہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت جعفر طیار کی اشاعت اسلام کی سرگرمیاں گذشتہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جاچکی ہیں لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اب ہم صرف مندرجہ ذیل اصحاب کی تبلیغی اور اشاعتی کوششوں کا بہت مختصر ذکر کریں گے (۱) حضرت ابوذر غفاری (۲) حضرت طفیل بن عمر دوسی (۳) حضرت موسیٰ اشعری (۴) حضرت مصعب بن عمیر۔

(۱) حضرت ابوذر غفاری

ان کا نام جندب۔ کنیت ابوذر اور لقب "مسیح الاسلام" ہے۔ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں شروع میں قبیلہ غفار کے ممتاز فرد تھے۔ اسلام کا نام سنا تو تحقیق حق کی خاطر مکہ آئے اور اسلام لے آئے۔ ان کے مسلمان ہونے کا واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

کچھ دن مکہ میں مقیم رہنے کے بعد یہ واپس ہونے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ اپنے قبیلے میں جاکر اسے اسلام کی تبلیغ کرو۔ شاید خدا تمھارے ذریعے سے ان لوگوں کو اسلام میں داخل کردے۔ انھوں نے پہلے اپنے دو بھائیوں انیس اور اُمنا کو تبلیغ کی اور وہ دونوں فوراً مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد تینوں مل کر قبیلے میں گئے اور نہایت جوش اور استقلال کے ساتھ غفاریوں کو تبلیغ کرنی شروع کی۔ ان کی تبلیغ اور وعظ و تذکیر نے ان کے قبیلے والوں پر ایسا اثر کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں آدھا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور باقی آدھا ہجرت کے بعد ایمان لے آیا۔[۱]

(۲) حضرت طفیل بن عمر دوسی

اسلام لانے کے بعد انھوں نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ یا حضور! میں قبیلہ دوس کا رئیس اور

---

[۱] صحیح مسلم باب فضائل ابی ذر۔ مسند احمد بن حنبل جلد [redacted] صفحہ ۱۷۴

اپنی قوم میں ممتاز ہوں۔ چاہتا ہوں کہ جو روحانی نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے مرحمت فرمائی ہے۔ میری قوم کو بھی اس سے کافی حصہ ملے۔ پس مجھے اجازت دیجئے کہ میں جاکر اپنی قوم کو تبلیغ کروں اور ان کو اسلام کی دعوت دوں۔

حضور علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ قرآن کی بہت سی آیات ان کو پڑھادیں اور توحید اور رسالت کے اصول ان کو سمجھا دیے۔

جب مکہ سے روانہ ہوکر حضرت طفیل اپنے قبیلے میں پہنچے تو سب سے پہلے والد سے ملاقات ہوئی۔ انہیں تبلیغ کرنے کا حضرت طفیل نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سے کہا " اب میرا اور آپ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ نہ میں آپ کا بیٹا، نہ آپ میرے باپ۔ "ھٰذا فراق بینی و بینک" باپ نے گھبراکر پوچھا بیٹا! کیا بات ہوئی۔ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو" حضرت طفیل نے جواب دیا " بہکی بہکی باتیں نہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں مکہ گیا تھا۔ وہاں خدا نے ایک نبی مبعوث کیا ہے۔ جو اچھی باتوں کا حکم دیتا اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ بت پرستی سے منع کرتا ہے اور خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے۔ کہتا ہے یہ بت نرے پتھر ہیں۔ ان میں کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں۔ اس پر جو کلام آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ ایسا فرحت بخش اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ میں نے آج تک کسی بڑے سے بڑے شاعر کا کلام بھی اتنا اعلےٰ اور شستہ نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے ہاتھ پر بت پرستی سے توبہ کرلی ہے خدا کو ایک مان لیا ہے اور ان کی نبوت کی تصدیق کی ہے اب صاف بات یہ ہے کہ جب تک آپ بھی اس نبی پر ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔

باپ نے یہ تمام تقریر سن کر کہا طفیل! تو ساری قوم میں سب سے زیادہ عقل مند اور دور اندیش ہے۔ تو نے جس دین کو قبول کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ پس میں بھی تیرے ساتھ اس نبی پر ایمان لاتا ہوں اور آج سے بت پرستی کو چھوڑتا ہوں۔

باپ سے فارغ ہونے کے بعد بیوی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے بھی وہی باتیں کیں جو باپ سے کی تھیں۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو خسر نے دیا تھا اور مسلمان ہوگئی۔

اب دوسرا مرحلہ قوم کو تبلیغ کرنے کا تھا ہر چند کوشش کی اور لوگوں کو سمجھایا مگر کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ یہ نہایت شکستہ دل ہوکر واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور قوم کی شکایت کی۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی "یا الٰہی! دوس کو ہدایت دے۔ اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما" اس کے بعد ارشاد فرمایا "طفیل! اپنی قوم میں واپس جاؤ اور نرمی اور محبت کے ساتھ اسے خدا کا پیغام

سنائیں۔ انشاء اللہ ضرور اثر ہوگا۔[۱]

جب دوبارہ واپس پہنچ کر حضرت طفیل نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو حضور علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اس کا خاص اثر ہوا اور قوم کے اکثر افراد نے اسلام کو قبول کر لیا۔

اسی دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے۔ جس پر فوراً قریش نے لڑائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر حضرت طفیل برابر اپنی قوم میں اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بدر، احد اور خندق کے غزوات ہو چکے اور حضور علیہ السلام خیبر کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ حضرت طفیل دوس کے پچاس گھرانوں کے ہمراہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔[۱] یہ وہ لوگ تھے جو حضرت طفیل کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت طفیل اور ان کے ساتھی فتح مکہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد اجازت لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے۔ اور پھر تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ اس دفعہ ان کو تبلیغ میں زبردست کامیابی ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں دوس کے چار سو آدمیوں نے حضرت طفیل کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ جن کو لے کر پھر حضرت طفیل روانہ ہوئے اور غزوہ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد حضور علیہ السلام کے انتقال تک حضورؐ کے قدموں میں حاضر رہے۔[۲]

(۳۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری

آپ یمن کے رہنے والے تھے اور وہاں کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ جب آپ نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص رسول اور نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو فوراً تحقیق حال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے مکہ پہنچے اور حضور علیہ السلام سے ملے تو پہلی ہی ملاقات میں ان پر حقیقت حال منکشف ہو گئی اور آپ مسلمان ہو گئے واپس آئے تو آپ یمن میں اسلام کے ایک پرجوش مبلغ تھے۔ اپنے قبیلے میں گھر گھر پھر کر آپ نے ہر شخص کو اسلام کا پیغام

[۱] ابن سعد کا بیان ہے کہ ۷۰ یا ۸۰ آدمی تھے۔ جن میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن ازیہر الدوسی بھی تھے۔ اور یہ لوگ خیبر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملے تھے (طبقات کبیر جزو ثالث صـ۸) [۲] مہاجرین جلد دوم صفحہ ۲۲۹، ۲۳۴

پہنچایا۔ اور برابر اس نیک کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک دو دو کر کے آپ نے عرصہ دراز کی تبلیغ و اشاعت کے بعد اپنے قبیلے کے پچاس آدمیوں کو مسلمان کیا۔ ان سب کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بحری راستے سے روانہ ہوئے۔ لیکن جس جہاز میں یہ سوار ہوئے تھے۔ سمندر کے طوفان اور باد مخالف

نے اس کو بجائے حجاز کے حبشہ پہنچا دیا۔ جہاں حضرت جعفر طیار دوسرے مہاجرین کے ساتھ پہلے سے مقیم تھے۔ جب حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہونے لگے۔ تو یہ بھی ان ہی کے ہمراہ چلے آئے اور عین اس وقت مدینہ میں پہنچے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ حضور علیہ السلام نے ازراہِ شفقت ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔[1]

(۴۷) حضرت مصعب بن عمیر

جب حضرت مصعب حبش میں مدت تک رہنے کے بعد واپس مکہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ یثرب کے مسلمانوں کی تنظیم و تعلیم اور وہاں کے غیر مسلموں کو پیغام حق پہنچانے اور عام طور پر تبلیغ اسلام کرنے کے لیے یثرب چلے جائیں تو حکم کا یہ بندہ اور ایثار و خلوص کا یہ پیکر بلا عذر اور بغیر تامل فوراً یثرب روانہ ہو گیا۔

یثرب پہنچ کر جہاں انھوں نے مسلمانان یثرب کی تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ جمعہ کی نماز قائم کی۔ قرآن کریم کی تعلیم تمام مسلمانوں کو دینی شروع کی۔ وہاں اوس و خزرج میں بھی نہایت تیزی اور مستعدی کے ساتھ تبلیغ حق اور اشاعتِ اسلام کا کام شروع کیا۔ حضرت اسعد بن زرارہ کا مکان آپ کا "دار التبلیغ" تھا۔ وہیں آپ نو مسلموں کو درس قرآن دیتے اور وہیں غیر مسلموں کو بلا کر تبلیغ اسلام کرتے۔ اس کے علاوہ جب بھی موقع ملتا۔ اوس اور خزرج کے محلّوں اور گھروں کا چکر لگاتے اور لوگوں کو پیغام حق پہنچاتے۔

جب حضرت مصعب کے وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بہت بڑھا اور یثرب کے ہر گلی کوچے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہونے لگا تو اوس و خزرج کے ان سرداروں اور معززین کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے نہایت ناگوار ہوا۔ انھوں نے اشاعت و تبلیغ کے اس سلسلے کو بزور اور بہ جبر روکنا چاہا۔ چنانچہ قبیلہ عبد الاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے گہرے دوست اُسید بن حضیر سے کہا کہ اب مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیاں حد اعتدال سے بڑھ گئی ہیں۔ وہ ہمارے سادہ لوح نوجوانوں کو اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کر کے محمدؐ کے بنائے ہوئے نئے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ محمدؐ نے اپنے نمائندے یہاں بھیج دیے ہیں جو دن رات یہ کام کر رہے ہیں اور ہمارے نوجوانوں کو ورغلا رہے ہیں۔ مکّے سے آنے والے محمدؐ کے نمائندے مصعب بن عمیر کو اسعد بن زرارہ نے اپنے ہاں ٹھیرا رکھا ہے۔ وہ خود

---

[1] سیر المہاجرین حصہ اوّل صفحہ ۲۹۱ بحوالہ اسد الغابہ و بخاری

بھی گمراہ ہوا اور مصعب کے ذریعے دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔ چونکہ ابوامامہ (اسعد بن زرارہ) میرا خالہ زاد بھائی ہے۔ لہٰذا میں تو اس وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مگر ابوامامہ اس چشم پوشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ تم جاؤ اور مصعب کو یہاں سے نکال دو۔ یہ خطرناک شخص اگر یہاں رہا تو ایک دن دیکھ لینا کہ اوس اور خزرج کا ایک شخص بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم نہیں رہے گا اور سب محمدؐ کے پیرو ہو جائیں گے۔ پس تم جاؤ اور زبردستی اس فسادی آدمی کو یہاں سے نکال دو۔

سعد بن معاذؓ کے کہنے سے اسید بن حضیر کو بھی بڑا غصہ آیا۔ وہ ہتھیار لگا کر مصعب کے پاس پہنچا۔ (جو اس وقت اسعد بن زرارہ کے ساتھ ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے) اُسید کو دور سے آتا دیکھ کر اسعد نے مصعب سے کہا "اُسید بن حضیر اپنی قوم کا سردار ہے جو یہاں ہمارے پاس آرہا ہے۔ اسے ضرور تبلیغ کرنا۔" اتنے میں اُسید آن پہنچا اور بڑے خشمگیں لہجے میں مصعب سے کہنے لگا کہ تمھیں یہاں کس نے بلایا ہے۔ تم ہمارے نوجوانوں کے دماغ بگاڑتے ہو اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انھیں گمراہ کرتے ہو۔ فساد انگیزی کی یہ باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی یہاں مت آنا۔ ہمیں تمھاری اور تمھاری تبلیغ کی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ ہمیں تمھارے نئے دین سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی ہے۔ پس خیریت اسی میں ہے کہ فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔

اس تمام غیظ و غضب کی تقریر کا مصعب نے نہایت نرمی اور ملائمت سے یہ جواب دیا کہ "اے قوم کے معزز سردار! میں نے آپ کا ارشاد سنا۔ اب ذرا آپ تشریف رکھیں اور دو باتیں میری بھی سن لیں اگر وہ باتیں آپ کو اچھی معلوم ہوں تب انھیں قبول کر لینا ورنہ جو آپ کا دل چاہے کریں۔"

اسید نے مصعب کی یہ گفتگو سن کر کہا "تم نے یہ بات انصاف کی کہی۔ اچھا بتلاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ یہ کہہ کر اسید نے تلوار زمین پر رکھ دی اور خود بھی بیٹھ گیا۔

اسید کے بیٹھنے کے بعد حضرت مصعب نے ایسی خوبی اور شائستگی کے ساتھ اسلام کے محاسن، توحید کے فضائل اور بت پرستی کے معائب بیان کیے کہ اسید حیران رہ گیا۔ چونکہ حضرت مصعب کی ساری باتیں نہایت معقول تھیں۔ لہٰذا اسید کے دل میں بیٹھتی چلی گئیں۔ تبلیغ کے بعد حضرت مصعب نے اسید کو چند قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں جن کو سن کر بے اختیار اسید کے منہ سے نکلا کہ کیسا عمدہ دین اور کیسا عمدہ کلام ہے یہ تو بتلاؤ کہ تمھارے مذہب میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ حضرت مصعب نے کہا "نہایت سادہ اور آسان۔ پہلے غسل کرو۔ پھر صاف اور پاک کپڑے پہنو۔ اس کے بعد خدا کی وحدانیت اور آنحضرتؐ کی رسالت کا اقرار کرو۔ پس تم مسلمان ہو۔" فوراً ہی اُسید نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان

ہو گئے۔

مسلمان ہونے کے بعد حضرت اسید نے حضرت مصعب اور حضرت ابو امامہ سے کہا کہ ایک اور آدمی ایسا ہے کہ اگر وہ بھی تمہاری تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تو پھر اس کی ساری قوم اسلام قبول کر لے گی اور ایک آدمی بھی اس قبیلے میں ایسا باقی نہ رہے گا جو بت پرستی پر قائم رہے۔ میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ خدا کرے کہ وہ تمہاری تبلیغ سے متاثر ہو اور تمہارے ساتھ شامل ہو جائے۔

یہ کہہ کر حضرت اسید چلے گئے۔ سعد بن معاذ بہت بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ان کو سامنے سے آتا ہوا دیکھا تو اپنے دوستوں سے جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگا "اُسید جس حالت میں یہاں سے گیا تھا اس حالت میں واپس نہیں آ رہا۔ ضرور اس کی حالت میں تبدیلی ہو گئی ہے۔" جب حضرت اُسید قریب آئے تو سعد نے پوچھا کہ کہو کیا کر آئے؟ اسید نے کہا کرنا کرانا کیا تھا۔ میں نے مصعب سے کہا کہ تو یہاں سے چلا جا۔ اس نے کہا "اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں چلا جاؤں گا" بس قصہ ختم ہوا مگر ایک نئی خبر یہ ہے کہ بنو حارث تمہارے خالہ زاد بھائی ابو امامہ کو قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور عنقریب اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ حملے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چونکہ بنی حارث کے لوگوں کو تمہاری ذات سے سخت دشمنی ہے اور ابو امامہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے لہٰذا وہ اسے قتل کر کے تمہیں لوگوں کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ گویا تم اتنے پست ہمت اور بزدل ہو کہ اپنے خالہ زاد بھائی کو بھی اس کے دشمنوں سے نہیں بچا سکے۔

یہ سنتے ہی سعد بن معاذ سب مخالفت بھول گیا اور نہایت طیش میں بھرا ہوا۔ ہتھیار لیے بہت تیزی کے ساتھ ابو امامہ کو دشمنوں سے بچانے کے لیے بھاگا ہوا آیا۔ مگر باغ میں آ کر دیکھا کہ مصعب اور ابو امامہ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر سعد فوراً سمجھ گیا کہ یہ تمام سازش مجھے یہاں بلانے کے لیے کی گئی ہے۔

اس پر سعد کو اور بھی زیادہ غصہ آیا اور اس نے بڑی ناراضگی اور سختی کے ساتھ مصعب سے کہا کہ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو فوراً اسی وقت بیک بینی و دو گوش یہاں سے چل دو۔" حضرت مصعب نے بدستور بہت نرمی سے جواب دیا "اچھی بات ہے میں چلا جاؤں گا۔ لیکن پہلے تم میری دو باتیں سن لو۔ پسند ہوں قبول کرنا۔ پسند نہ ہوں تو نہ قبول کرنا۔" سعد بن معاذ نے جواب دیا "یہ بات تم نے درست کہی۔ اچھا کہو کیا کہتے ہو؟" حضرت مصعب نے اس کو بھی اسی دل نشین پیرائے میں تبلیغ کی اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں جن کا اثر سعد بن معاذ پر بجلی کی طرح سے ہوا اور فوراً ہی انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے معاً بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور ان سے کہا "اے بنی عبدالاشہل تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا تم ہمارے سردار ہو۔ ہم سب سے افضل اور سب سے بہتر ہو۔ بہت صائب الرائے اور بڑے عقلمند اور دوراندیش ہو۔ بہادری۔ شجاعت۔ سخاوت اور مہمان نوازی میں ہم سب سے بڑھ کر ہو۔"

اس پر سعد بن معاذؓ نے کہا کہ اگر تم مجھے واقعی ایسا سمجھتے ہو جیسا تم نے اس وقت اظہار کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں کیونکہ وہ یقیناً خدا کے رسول ہیں پس میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ میری مانند تم بھی اسلام کی دعوت کو قبول کر لو۔ اور مسلمان ہو جاؤ۔ اگر نہیں کرو گے تو مجھے تمھارے مردوں۔ تمھاری عورتوں اور تمھارے بچوں میں سے کسی سے بات کرنی حرام ہے۔

ابن ہشام لکھتا ہے کہ سردار قبیلہ کی یہ بات سنتے ہی شام ہونے سے پہلے پہلے سعد بن معاذؓ کے قبیلے والے سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔

حضرت مصعبؓ کو سعد بن معاذؓ اور ان کے قبیلے کے اسلام سے بڑی خوشی ہوئی اور انھوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں اور زیادہ چستی اور مستعدی سے کام کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول ابن ہشام یثرب کی کوئی گلی اور کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جہاں ہر وقت اسلام کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ اور یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ مگر ایسے بھی تھے جنھوں نے حضرت مصعبؓ کی دعوت الی الحق کو قبول نہ کیا اور بدستور بت پرستی پر قائم رہے مثلاً بنی امیہ بن زید۔ خطمہ۔ وائل اور واقف وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ایک نہایت قادر الکلام۔ اور فصیح اللسان شاعر تھا ابوقیس بن اسلت نام تھا۔ اس نے بڑی کوشش سے اپنے شاندار اشعار کی بدولت ان لوگوں کو اسلام سے روکے رکھا۔

غرض حضرت مصعبؓ کی بے انتہا تبلیغی کوششوں سے بکثرت آدمی یثرب میں مسلمان ہوئے یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لے آئے۔[1]

حضرت مصعبؓ کے تذکرے کے ساتھ تاریخ اشاعت اسلام کا پہلا باب ختم ہوتا ہے۔

---

[1] حضرت مصعبؓ کے تذکرے کے لیے دیکھو سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۵۲۔ صفحہ ۱۵۳۔ اسد الغابہ اور طبقات کبیر ابن سعد نیز تذکرہ مہاجرین جلد اول صفحہ ۱۳۵

باب دوم

فصل اوّل

آنحضورؐ کی مدنی زندگی میں تبلیغ اسلام کی کیفیت

مدینہ میں پہلا دار التبلیغ

مکہ کی نسبت مدینہ میں زیادہ تیزی سے اسلام کی اشاعت ہوئی

توحید کی دعوت اور حق کی اشاعت کی جو تڑپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک قلب میں مکہ میں تھی وہی پورے جوش اور ولولے کے ساتھ مدینہ میں بھی قائم رہی۔ اور اپنی مدنی زندگی میں بھی آپ اس ضروری اور اہم فریضے کی ادائیگی سے غافل نہیں رہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ نسبتاً زیادہ تیزی اور مستعدی کے ساتھ حضورؐ نے مدینہ میں اس فرض کو انجام دیا اور اس راہ میں جتنی مشکلات پیش آئیں سب کو نہایت استقلال کے ساتھ بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس تیزی اور سُرعت کے ساتھ حضور کی مدنی زندگی میں اسلام پھیلا ایسا مکی زندگی میں ہرگز نہیں پھیلا اس واقعے کی تفسیر قرآن کریم کی یہ آیت ہے وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی یعنی تیری پچھلی حالت تیری پہلی حالت سے بہتر ہوگی۔

مدینہ میں اشاعتی کام فوراً شروع ہو گیا

مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود تبلیغی اور اشاعتی کام اس وقت سے شروع نہیں کیا جب حضورؐ اس شہر میں آکر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ بلکہ یہ کام حضورؐ نے اسی وقت شروع کر دیا تھا۔ جب آپؐ کی اونٹنی مدینہ میں داخل ہو رہی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے مدینہ میں پہنچتے ہی اشاعت اسلام کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا۔ ایک خاتون آپؐ کے آنے کی بے حد منتظر تھیں۔ جب حضور علیہ السلام کی سواری ان کے مکان کے سامنے سے گذری۔ تو انھوں نے اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ مکان سے باہر نکل کر حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ کے مدینہ میں واقعے کے وقت یہ سب سے پہلا نیک شگون تھا۔

مدینہ میں مرکزی دار التبلیغ کی تعمیر

مدینہ میں داخل ہو کر سب سے پہلا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ کیا کہ صحابہ کے ساتھ مل کر اپنے ہاتھ سے ایک مسجد تیار کی۔ یہی مقدس عبادت گاہ "مسجد نبوی" کے نام سے آج سجدہ گاہ خلائق بنی ہوئی ہے۔

دار التبلیغ کی تعمیر کا مقصد مسجد نبوی کی تعمیر کا عام مقصد تو یہ تھا کہ یہاں مسلمان پانچوں وقت جمع ہو کر خدائے واحد کی عبادت کیا کریں۔ لیکن بنیادی غرض یہ تھی کہ یہ عمارت اسلام کا ایک زبردست اور شاندار دار التبلیغ ہو۔

اس "مرکز تبلیغ" کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی میں اپنے اس ضروری فرض کو جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ ادا فرمایا۔ کتاب کے آئندہ اوراق اسی کی تفصیل اور تشریح آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

مرکز تبلیغ کی ہیئت اور حیثیت یہ مرکز تبلیغ ۴۲ گز طویل اور ۳۰ گز عریض زمین پر بنا ہوا تھا۔ اور اس کی اونچائی ساڑھے تین گز تھی۔ دیواریں کچی اینٹوں کی اور ان گھڑ پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں کی تھی۔ جو کھجور کے تنوں پر ٹھیری ہوئی تھی۔ عمارت کا فرش کچا تھا اور بارش کے وقت اس میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ کیونکہ چھت ٹپکتی تھی۔ ایک گوشے میں مبلغین اور واعظین کے لئے جگہ تھی جو مسقف چبوترے کی شکل میں تھی یہ "الصفہ" کہلاتی تھی۔ اور جو لوگ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے انھیں اہل صفہ کہتے تھے ان کا قیام اسی چبوترے پر تھا۔ مرکز تبلیغ سے بالکل ملا ہوا آنحضرتؐ کا حجرہ تھا۔ جو چھ ہاتھ چوڑی اور دس ہاتھ لمبی ایک کچی کوٹھڑی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی اور دیواریں کچی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔ فرش بھی کچا تھا۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر اسے چھو لیتا۔ دروازے پر کمبل کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ رات کو چراغ نہ آنحضرتؐ کے حجرے میں روشن ہوتا تھا نہ دار التبلیغ میں اور نہ الصفہ پر۔ یہ تھی اس دار التبلیغ کی حیثیت۔

تبلیغ اسلام میں دشمنان اسلام کی رکاوٹ جب دشمنان اسلام دین حق کو مٹانے اور توحید کی پرامن تبلیغ کو بند کرنے کے لیے تلواریں لے کر بالمقابل ہوئے تو پھر مبلغ اعظمؐ نے بھی مجبوراً اپنے دار التبلیغ کو دفتر جنگ میں تبدیل کر دیا اور ہادیٔ عالم نے رشد و ہدایت کی عبا اتار کر جنگی لباس پہن لیا اور اس دلیری اور شجاعت اس بہادری اور اس بے جگری کے ساتھ حملہ آور دشمن کا مقابلہ کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ عرصہ میں تمام عرب کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔ اور سارے معاندین اور مخالفین ہلاک اور تباہ ہو کر رہ گئے۔

رکاوٹ دور ہونے کے بعد تبلیغ میں شدت لیکن جب مخالفت کے بادل چھٹ گئے اور بدنہاد دشمنوں سے میدان جنگ پاک ہو گیا۔ تو مبلغ اعظمؐ نے پھر دعوت وارشاد کا لباس زیب تن کر لیا۔ اور پہلے سے

زیادہ مستعدی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ لوگ گروہ در گروہ اور فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہونے لگے۔ خدا کے ہزار ہزار درود و سلام اس نبی رحمت پر ہوں جس نے اپنا اوڑھنا بچھونا دعوت الی الحق کو بنایا اور جو تبلیغ و تذکیر اور وعظ و نصیحت کرتا ہوا اس دنیا سے سدھار گیا۔ مگر اپنے پیچھے ایسی زبردست تبلیغی جماعت چھوڑ گیا۔ جس نے تمام دنیا میں پھر کر خدا کے بندوں تک خدا کا پیغام پہنچایا۔

دار التبلیغ کی مختلف خصوصیات مدینہ کی یہ عمارت اپنی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے بہت ہی عجیب و غریب تعمیر تھی۔

(۱) یہ عبادت گاہ کا بھی کام دیتی تھی اور درسگاہ کا بھی۔

(۲) یہ دار التبلیغ بھی تھی اور زبردست اشاعتی مرکز بھی۔

(۳) یہ مہمانوں کے لیے مہمان سرائے کا کام دیتی تھی اور مسافروں کے لیے قیامگاہ کا۔

(۴) کبھی یہ تبلیغی اور مذہبی عمارت دفتر جنگ میں تبدیل ہو جاتی تھی اور کبھی فوجی قید خانے میں۔

(۵) کبھی اس میں اخلاقی اور مذہبی کانفرنسیں ہوتی تھیں اور کبھی یہ اسمبلی ہال بن جاتی تھی۔

(۶) کبھی اس میں بیٹھ کر بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے جاتے تھے۔ کبھی اس ایوان میں سفراء اور امراء کو باریابی کا موقع دیا جاتا تھا۔

(۷) کبھی یہاں وعظ و ہدایت کے لکچر ہوتے تھے کبھی اس کا صحن فوجی تیاریوں کا مرکز بن جاتا تھا۔

(۸) کبھی یہاں انکساری اور فروتنی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کبھی یہاں بڑی بڑی سیاسی گتھیاں صرف اشاروں میں سلجھائی جاتی تھیں۔

(۹) کبھی یہاں کمال خلوص و عقیدت سے سجدے میں سر جھکائے جاتے تھے۔ کبھی ہتھیاروں کی جھنکاروں سے تمام عمارت گونج اٹھتی تھی۔

(۱۰) کبھی اس کے کچے فرش پر بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسول کے تذکرے ہوتے تھے۔ کبھی عراق و ایران۔ روم و شام اور مصر و طرابلس کی فتح کے لیے یہاں سے فوجیں روانہ ہوتی تھیں۔

دار التبلیغ کے متعلق سر ولیم میور کا بیان اس مقدس عمارت کی ان ہی گوناگوں خصوصیات کو دیکھ کر یورپین مصنف سر ولیم میور حیران رہ گیا اور بے اختیار اس کے قلم سے اس عمارت کے متعلق یہ فقرے ٹپک پڑے۔

"اگرچہ یہ عمارت سامان تعمیر کو دیکھتے ہوئے بہت ہی سادہ اور بالکل معمولی تھی لیکن محمدؐ کے ہاتھ کی یہ بنائی ہوئی عمارت اسلامی تاریخ میں ایک خاص شان کی مالک ہے۔ محمدؐ اور ان کے اصحاب اسی عمارت میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ گزارتے تھے۔ اسی عمارت میں اسلامی نماز کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہیں تمام مسلمان جمعہ کے دن خدا کی

تلاوۂ وحی سننے کے لیے نہایت مؤدبانہ اور مرعوب حالت میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یہیں محمدؐ اپنی فتوحات کی تجاویز زیر غور لایا کرتے تھے۔ یہی وہ ایوان تھا جہاں مفتوح اور مغلوب قبائل کے وفد محمدؐ کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے وہ شاہی احکام جاری کیے جاتے تھے جو عرب کے دور دراز گوشوں تک باغیوں کو خوف سے لرزا دیا کرتے تھے۔[1]

فصل دوم

تبلیغ اسلام کو روکنے کے لیے قریش مکہ کی معاندانہ کوششیں

مرکز تبلیغ (مسجد نبوی) بننے کے بعد فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین حنیف کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جاتے جو آپ کا ضروری فریضہ تھا۔ مگر مکہ کے کافروں اور قریش کے معززین نے اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی آپ کو آرام نہ لینے دیا اور پوری کوشش اس امر کی کی کہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو تباہ کر دیں۔ اور آپ کے تبلیغی کام کو روک دیں۔

پہلی کوشش اس سلسلے میں انھوں نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ قبیلہ خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ اوتخرجنہ اولنسیرن الیکم باجمعنا حتّٰی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نساءکم۔[2] (یعنی تم لوگوں نے ہمارے آدمی (یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ہاں پناہ دے کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ یا تو تم اس کے خلاف جنگ کرو یا اسے اپنے ہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اپنے آدمیوں کو لے کر تم پر چڑھ آئیں گے۔ تمھارے مردوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔

دوسری کوشش اس کے علاوہ انھوں نے ایک خط مدینہ کے یہودیوں کو بھی لکھا اور ان کو آنحضرتؐ کے خلاف برانگیختہ کیا جو پہلے ہی آنحضرتؐ کے سخت دشمن تھے۔

---

[1] لائف آف محمدؐ مؤلفہ سر ولیم میور [2] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی خبر النضیر

تیسری کوشش اس فسادانگیزی اور فتنہ پردازی پر صبر نہ کرتے ہوئے انھوں نے کچھ عرصے بعد اپنے چیدہ اور منتخب بہادروں کا ایک لشکر مرتب کیا اور حضور علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد برابر حملے کرتے رہے۔

چوتھی کوشش اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے قریش نے تمام عرب میں پھر کر آنحضرتؐ کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کیا۔ تمام قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی لحاظ سے بھی مدینہ پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اور ان کے تبلیغی اور اشاعتی کام کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیں تاکہ دوبارہ بتوں کا بول بالا ہو۔

فصل سوم

دعوت اسلام کے سلسلے میں دو رنجیدہ واقعات

ابتدائے ہجرت سے ۵ھ ہجری تک بدر۔ احد اور جنگ احزاب کی بڑی بڑی لڑائیوں کے علاوہ قریباً ۲۵ چھوٹی بڑی مہمات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً مشغول رہنا پڑا[۱]۔ اس لیے حضور علیہ السلام اپنے اصل کام یعنی تبلیغ و اشاعت کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ تاہم دعوت اسلام کے سلسلے میں اس دوران میں دو ایسے اہم واقعات پیش آئے جن کا ذکر اشاعت اسلام کی تاریخ بیان کرنے والا کوئی مصنف نظرانداز نہیں کر سکتا۔ افسوس ہے کہ دونوں واقعات حزنیہ یعنی نہایت الم انگیز ہیں۔ جن کی مختصر کیفیت ابن سعد ابن ہشام۔ طبری اور ابن اثیر کی تالیفات سے لے کر یہاں درج کی جاتی ہے۔

(۱) پہلا واقعہ "یوم الرجیع" کے نام سے مشہور ہے (۲) اور دوسرا واقعہ "بیر معونہ" سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں کا تذکرہ ابن سعد نے "سریہ مرثد بن ابی مرثد" اور "سریہ المنذر بن عمرو" کے عنوانوں سے کیا ہے

پہلا واقعہ یوم الرجیع یوم الرجیع کا واقعہ یہ ہے کہ شروع ماہ صفر ۳ھ ہجری میں (ابن ہشام اور ابن سعد نے ۴ھ ہجری میں لکھا ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آئے اور بیان کیا کہ ہمارے قبیلے کے بہت سے لوگ اسلام سے بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ اپنے کچھ آدمیوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ان کو دین اسلام کے اصول سمجھائیں۔ شریعت کے مسائل بتائیں اور قرآنی آیات

---

[۱] ابن سعد طبقات کبیر جزو اول میں ان تمام مہمات کی تفصیلات علیحدہ علیحدہ بیان کی ہیں۔

سکھائیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اپنے چھ آدمی جو حافظ قرآن اور اسلامی مسائل سے بخوبی واقف تھے ان کے ساتھ کر دیے۔ تاکہ وہ ان قبائل میں اسلام کی اشاعت بھی کریں اور ان کی دینی تربیت اور مذہبی تعلیم کا بھی خیال رکھیں۔ ان چھ اصحاب کے نام طبری نے یہ لکھے ہیں (۱) مرثد بن ابی مرثد الغنوی۔ (۲) خالد بن البکیر (۳) عاصم بن ثابت (۴) خُبیب بن عدی ([redacted]) زید بن الدثنہ (۶) عبداللہ بن طارق[1] (ابن سعد نے تعداد دس لکھی ہے لیکن نام ۷ گنائے ہیں۔ ساتواں نام مُعَتِّب بن عبید کا لکھا ہے[2])

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی بے حد خواہش رہتی تھی کہ کسی طرح لوگ اسلام کی پاک اور روشن تعلیم سے آگاہ ہوں۔ اور بت پرستی کی نجاست کو چھوڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن جائیں۔ اس لیے جب حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ خود ان لوگوں نے مجھ سے اس امر کی درخواست کی ہے کہ ہماری قوم کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے کچھ آدمیوں کو بھیجا جائے تو چونکہ حضور علیہ السلام کی زندگی کا مقصد اور مدعا ہی تبلیغ اور اشاعت اسلام تھا۔ لہٰذا لوگوں کے ہدایت پانے کے شوق میں آپ کو اس بات کا شبہ بھی نہ ہوا کہ یہ مجھ سے فریب کیا جا رہا ہے۔ اور آپ نے بغیر کسی تامل اور تذبذب کے تبلیغ اسلام کے لیے چھ یا دس آدمی اس وفد کے ساتھ کر دیے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ آنے والے سب کے سب دھوکے باز۔ عیار۔ چالاک اور فریبی انسان تھے۔ ان کو بنی لحیان نے بہت سے اونٹ دے کر اس ہدایت کے ساتھ مدینہ بھجوایا تھا کہ وہ دھوکا اور فریب دے کر جتنے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لا سکتے ہوں لے آئیں۔ تاکہ ہم اُن کو اپنے سردار سفیان بن خالد کے قصاص میں قتل کر ڈالیں۔

جب عضل اور قارہ کے یہ مکار اور فریبی لوگ صحابہ کو لیے ہوئے عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچے تو انھوں نے بہت خفیہ طور پر بنو لحیان کو کہلا بھیجا کہ ہم شکار کو گھیر کر یہاں تک لے آئے ہیں۔ فوراً آ کر ان کو قتل کر دو۔

اپنے ایجنٹوں کی اس غیر متوقع کامیابی پر بنی لحیان نہایت خوش ہوئے اور فوراً دو سو بہادروں کے ساتھ چھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ان دو سو میں سے ایک سو اعلیٰ درجے کے تیر انداز تھے[3]۔

بھلا چھ یا دس بے سروسامان غریب مسلمان ایک سو تیر اندازوں اور ایک سو مسلح بہادروں کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے۔ تاہم ایمانی جرأت اور ذاتی شجاعت کے باعث انھوں نے اپنی بے بسی اور بے سروسامانی کے باوجود کفر کے آگے جھکنا نہ چاہا اور مقابلے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ کافروں کی فوج نے ان کو یقین

---

[1] تاریخ طبری جلد اوّل حصہ سوم صفحہ ۲۷۳ [2] طبقات کبیر جزو اوّل صفحہ ۳۹ [3] سیرۃ النبی شبلی جلد اوّل صفحہ ۳۵۹

دلانے کی کوشش کی کہ تم ہتھیار ڈال دو۔ ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے مگر ان مخلص مسلمانوں اور بہادر انصار نے کفار کی پناہ حاصل کرنے کے مقابلے میں لڑکر مرجانے کو ترجیح دی۔ اور بڑی بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تین آدمی ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ یعنی زید بن الدثنہ۔ عبداللہ بن طارق اور خبیب بن عدی۔ عبداللہ بن طارق کو تو انھوں نے وہیں مار ڈالا۔ اور باقی دو کو مکہ لاکر کافروں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جنھوں نے ان کو نہایت تکلیفیں دے کر شہید کیا۔[۱] جب زید بن الدثنہ کو قتل کرنے لگے تو مذاقاً ابوسفیان نے ان سے کہا "کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تیری بجائے ہمیں محمدؐ مل جائے ہم اسے قتل کر ڈالیں۔ اور تو صحیح سلامت اپنے گھر واپس چلا جائے؟ اس غیور۔ باغیرت اور مخلص مسلمان نے جواب دیا کہ میں تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں"[۲]۔

ابوسفیان نے یہ سن کر کہا "واقعی بات یہ ہے کہ میں نے اپنی ساری عمر میں محمدؐ کے اصحاب کو جیسا محمدؐ کا والہ و شیدا دیکھا۔ اتنی شدید محبت کرنے والا کوئی اور شخص کسی دوسرے سے میں نے آج تک نہیں دیکھا"۔ اس کے بعد زید کو قتل کر دیا گیا[۳]۔

دوسرا واقعہ بیرؔ معونہ | دوسرا واقعہ پہلے واقعے سے بھی زیادہ رنجدہ اور الم انگیز ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ۶ یا ۱۰ جانوں کا نقصان ہوا تھا مگر اس دوسرے واقعے میں ۷۰ صحابہ کی دردناک شہادت واقع ہوئی اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ احد کے پورے چار مہینے کے بعد ماہ صفر ۴ھ ہجری میں بنی عاد کا رئیس اعظم ابوبراء عامر بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضورؐ کے لیے چند تحائف بھی لایا۔ حضورؐ نے بہت نرمی کے ساتھ اس سے کہا "ابوبراء! میں کسی مشرک اور بت پرست کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمھارے پیش کردہ تحفے قبول کر لوں تو تم بتوں کو چھوڑ کر ایک اکیلے خدا کی عبادت کرنے لگو۔ اور بت پرستی چھوڑ کر اسلام کو اختیار کر لو"۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کو نہایت عمدہ طور پر بہت دل نشیں پیرائے میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اور اسے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اسلام لانے میں یہ یہ فوائد ہیں اور بت پرستی پر اصرار کرنے میں یہ یہ نقصان۔ اس کے بعد آپؐ نے اسے قرآن کریم کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں کیونکہ آپؐ کو یقین تھا کہ اگر یہ اسلام کو اختیار کرے گا تو اس کا سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔ اسی لیے آپؐ نے اس کے سمجھانے میں بہت کوشش فرمائی۔

ابوبراء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تقریر خاموشی سے سنتا رہا۔ نہ اس نے حضورؐ کی تکذیب اور تردید کی۔ نہ اپنی پسند اور اطمینان کا اظہار کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اگر آپؐ اپنے چند اصحابہ کو میرے ہمراہ اہل نجد کے

---

[۱] تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ [۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲۲ [۳] تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۲

پاس اس غرض سے بھیج دیں کہ وہ ان کو آپ کے پیش کردہ دین کی تبلیغ کریں تو امید ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ آپ کے اس نئے دین کو قبول کرلیں گے۔"

ابو براء کی اس درخواست پر حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ "مجھے اپنے مبلغین کو نجد بھیجنے سے تو انکار نہیں۔ مگر مجھے اہل نجد کی حالت دیکھتے ہوئے اس امر کا اندیشہ ہے کہ کہیں میرے اصحاب کو ان کے ہاتھوں نقصان نہ پہنچے۔ مجھے ان پر ہرگز اعتماد نہیں ہے۔"

ابو براء نے کہا "آپ کا یہ خطرہ شاید اس وقت ٹھیک ہوتا جب میں ان کے ساتھ نہ ہوتا لیکن اب جبکہ میں ان کے ہمراہ ہوں تو کس کی مجال ہے کہ آپ کے اصحاب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے میں ان کی حفاظت کا پوری طرح ذمہ دار ہوں۔ بلا تامل آپ اپنے مبلغین کو میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ وہاں پہنچ کر لوگوں کو اس دین کی دعوت دیں جو آپ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔"

چونکہ ابو براء اپنے قبیلے کا سردار اور اس علاقے کا نہایت بااثر آدمی تھا اور اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے دل میں اس بات کی بے حد تڑپ تھی کہ کسی طرح لوگ حق کو قبول کرلیں اور اسلام لے آئیں اس لیے آپ نے ابو براء کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے حضرت منذر بن عمرو کی قیادت میں چالیس[1] بہترین اور قابل مسلمانوں کو جو حافظ قرآن اور دینی مسائل کے عالم تھے۔ ابو براء کے ساتھ تبلیغ کے لیے نجد روانہ کر دیا۔ (یہ طبری کی روایت ہے۔ مگر اگلے ہی پیرے میں طبری نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے ان کی تعداد ستر[2] بیان کی ہے) طبری نے ان محترم بزرگوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر نجد گئے بعض کے نام بھی گنوائے ہیں مثلاً حضرت حارث بن الصمہ۔ حضرت حرام بن ملحان۔ حضرت عروہ بن اسماء السلمی۔ حضرت نافع بن بدیل الخزاعی اور حضرت عامر بن فہیرہ (مولیٰ حضرت ابوبکر)[3]

جب یہ لوگ ابو براء کے ساتھ اونٹوں پر مدینہ سے روانہ ہو کر اس مقام پر پہنچے جو ایک چشمہ کی وجہ سے "بئر معونہ" کے نام سے مشہور تھا اور جو قبیلہ بنی عامر اور بنی سلیم کے علاقے کے درمیان واقع تھا تو وہاں ٹھہر گئے۔ اور حضرت انس بن مالک کے ماموں حضرت حرام بن ملحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دعوت اسلام کا پیغام لے کر بنی عامر کے سردار کے پاس تشریف لے گئے۔ رئیس قبیلہ کا نام عامر بن طفیل تھا اور وہ ابو براء عامری کا بھتیجا تھا۔ حضرت حرام بن ملحان رئیس قبیلہ کے پاس اکیلے ہی گئے تھے۔ باقی صحابہ بئر معونہ ہی پر مقیم تھے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد اول۔ حصہ سوم صہ ۲۸۲

[2] ایضاً

[3] ایضاً

جب حضرت حرام بن ملحان رئیس قبیلہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ میں مدینہ سے آیا ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیغام آپ کے لیے لایا ہوں۔ تو وہ سمجھ گیا کہ اس خط میں کیا ہوگا؟ پس اُس نے حضرت حرام کو تو باتوں میں لگایا اور ایک آدمی کو اشارہ کر دیا۔ اس نے پیچھے سے آکر اس زور سے ان کے ایک نیزہ مارا کہ جسم سے پار ہو گیا۔ اور ان کی پاک روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامبر کو شہید کرنے کے بعد عامر بن طفیل نے تمام بنی عامر کو اس بات کے لیے تیار کرنا چاہا کہ وہ سب مل کر ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں جو بیر معونہ پر ٹھیرے ہوئے ہیں۔ مگر بنی عامر اس بدعہدی اور ظلم کے لیے تیار نہ ہوئے اور انھوں نے کہا کہ "ہم کس طرح ان مسلمانوں پر حملہ کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے سردار ابوبراء نے ان کو پناہ دی ہے۔ اور ان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے؟ ایسی بدعہدی ہم ہرگز نہیں کریں گے"[2]

لیکن عامر بن طفیل اتنا شقی القلب اور بیرحم و ظالم انسان تھا کہ نہ اس نے چچا کا کچھ خیال کیا۔ نہ بنی عامر کے معززین کا لحاظ کیا۔ چنانچہ بنی عامر کی طرف سے صاف جواب پا کر اس نے بنو سلیم کے قبائل عُصَیّہ۔ رعل اور ذکوان سے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے کہا۔ اور یہ بھی کہا کہ گھر میں آیا ہوا شکار سلامت واپس نہ جانے پائے۔ اس وقت موقع ہے انھیں چل کر لوٹ لو اور قتل کر ڈالو۔

وہ خونخوار درندے اور شیطان سیرت انسان اس ظالمانہ اور بہیمانہ کام کے لیے فوراً تیار ہو گئے کیونکہ لوٹ مار اور قتل و غارت ان کا نہایت محبوب مشغلہ تھا۔[3]

جب عامر بن طفیل کی زیر سرکردگی تینوں قبائل کے ظالم طبع لوگ مسلمانوں کی اس قلیل اور بے بس جماعت پر حملہ آور ہوئے جو بیر معونہ پر ٹھیری ہوئی اپنے ایلچی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ "ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمیں تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تبلیغ دین کے لیے بھیجا ہے۔ ہمارے آنے کا اور کوئی مقصد نہیں ہے"۔ مگر ان کی فریاد کون سنتا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کو قتل کرنے کے لیے تلواریں میانوں سے نکال لیں۔ مجبوراً مسلمانوں نے بھی مقابلہ کیا۔ اور سب کے سب نہایت بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ محض اتفاق سے ایک صحابی زندہ بچ گئے جن کا نام کعب بن زید تھا۔ یہ زخمی ہونے کے بعد بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تھے اور کافر ان کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ مگر ان میں ابھی جان باقی تھی۔ اس لیے بچ گئے اور غزوۂ خندق میں شہید ہو گئے۔

---

[1] بخاری کتاب الجہاد [2] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۲۷ [3] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۲۸۲

جس وقت یہ حادثہ ہوا ان مبلغین میں سے دو آدمی عمرو بن امیہ الضمری اور حارث بن الصمہ اپنے اونٹ چرانے کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دور سے دیکھا کہ جہاں وہ آدمی ٹھیرے ہوئے تھے وہاں چیلیں اور گدھ آسمان پر منڈلا رہے ہیں۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یقیناً وہاں خونریز جنگ ہو رہی ہے اور لوگ کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جبھی تو چیلیں ہوا میں اڑ رہی ہیں۔ وہ فوراً بھاگتے ہوئے آئے تاکہ معلوم کریں کہ کیا حادثہ گزرا۔ انھوں نے دور سے دیکھا کہ خونخوار قاتل مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اس پر دونوں صحابیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ عمرو بن امیہ نے کہا کہ اس وقت مناسب یہی ہے کہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع دی جائے۔ مگر عمرو بن امیہ سے حضرت حارث نے کہا کہ جب ہمارا سردار (منذر بن عمرو) مارا گیا۔ اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی شہید ہو گئے تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا؟ یہ کہا اور تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑے اور بہت سے کافروں کو فی النار کرنے کے بعد آخر خود بھی شہید ہو گئے۔[۱]

بیر معونہ کے موقعے پر شہید ہونے والے صحابہ میں حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام اور اسلام کے دیرینہ فدائی حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ انھیں ایک شخص جبار بن سلمی نے شہید کیا تھا۔ جبار نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور اپنے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بیان کی کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ کے دونوں شانوں کے بیچ میں نیزہ مارا اور میرا نیزہ ان کے سینے کے پار ہو گیا۔ تو اس وقت ان کے منہ سے بے اختیار نکلا فزت واللہ (یعنی خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا) جبار کہتے ہیں کہ مرتے ہوئے عامر کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ میں نے تو اس شخص کو قتل کیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ چنانچہ میں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان خدا کی راہ میں جان دینے کو اپنی بہت بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں۔ اور اس بات کی آرزو رکھتے ہیں کہ کاش ہم بھی خدا کے راستے میں قتل کیے جاتے۔ اس بات کا میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ آخر اسی اثر کے ماتحت میں مسلمان ہو گیا۔[۲]

اس حادثے کے وقت ابوبراء مبلغین اسلام کے ساتھ نہیں تھا۔ ورنہ وہ اپنی ذمہ داری اور ضمانت کا خیال کرتے ہوئے ضرور حملہ آوروں کو روکتا اور ایسے بہیمانہ فعل سے منع کرتا۔ طبری کا بیان ہے کہ جب ابوبراء کو اس حادثے کا علم ہوا تو اس کو بے حد رنج ہوا کہ بنی عامر نے اس کے وعدۂ حفاظت کی خلاف ورزی کی جس کے باعث صحابۂ رسول کو یہ مصیبت پیش آئی۔[۳]

ابوبراء کے بیٹے ربیعہ کو باپ کی اس بے عزتی اور بدنامی پر بڑا غصہ آیا۔ عرب میں یہ بات اپنی بڑی ہتک اور توہین سمجھی جاتی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو امان دے۔ پھر اس پر کوئی دوسرا حملہ کرے۔ حسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے بھی اپنے اشعار میں ابوبراء کو انتقام پر ابھارا۔ جن کو سن کر ربیعہ مزید طیش میں بھر گیا اور ایک برچھا لے کر عامر

---

[۱] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۷۷ [۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۲۶ [۳] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۲۸۳۔

بن طفیل کے پاس گیا۔ وہ اس وقت گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔ اس نے پہنچتے ہی اس کے نہایت زور سے برچھا مارا اور وہ گھوڑے سے نیچے گر کر زمین پر تڑپنے لگا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو واقعہ رجیع اور حادثہ بیر معونہ کی اطلاع قریباً ایک ہی وقت میں ملی (زرقانی) اور حضور علیہ السلام کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ اتنا شدید رنج کسی واقعہ پر نہ اس سے پہلے کبھی آپؐ کو ہوا تھا اور نہ بعد میں کبھی ہوا (بخاری کتاب الجہاد) اور بات بھی ٹھیک ہے قریباً ۸۰ صحابہ کا (۱۰ رجیع کے اور ۷۰ بیر معونہ کے) اس طرح دھوکے اور فریب سے اچانک شہید ہونا (اور صحابہ بھی ایسے قابل اور لائق جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے کام میں زبردست امداد مل سکتی تھی اور جن میں سے اکثر حافظ قرآن تھے) نہایت درجہ صدمہ اور رنج کا موجب تھا۔ مگر اسلام میں ہر صورت ہر مصیبت پر صبر کا حکم تھا۔ اس لیے آپؐ نے یہ الم ناک خبر سن کر صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ ھٰذا عمل ابی براء وقد کنت لھذا کارھاً متخوفاً (یعنی یہ ابو براء کا فعل تھا جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا۔ میں تو پہلے ہی اپنے صحابہ کو وہاں بھجوانا پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے اہل نجد سے اندیشہ تھا[2]

اگرچہ یہ دونوں واقعے اپنی نوعیت میں نہایت دلخراش اور ظالمانہ تھے مگر اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص مصلحت کے پیش نظر ان غداروں کے خلاف کوئی جنگی کارروائی نہیں فرمائی۔ مگر احادیث میں آتا ہے کہ برابر ایک ماہ تک ان قبائل کا نام لے کر صبح کی نماز میں حضور علیہ السلام خدا کے حضور میں دعا فرماتے رہے کہ اے ہمارے آقا تو ہماری بیکسی کی حالت پر رحم فرما اور ان دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں کو روک جو تیرے دین کو مٹانے کے لیے ایسی ظالمانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔[3]

ان دو رنجدہ واقعات کی مختصر کیفیت قلمبند کرنے کے بعد اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فصل چہارم

وہ قبائل جو مدینہ آکر اسلام لائے

جیسا کہ ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ جنگ احزاب یا غزوہ خندق کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے جو قبائل قریش کے خوف کے باعث اور ان کے اثر اور قوت سے مرعوب ہو کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہوئے

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ششم صفحہ ۲۴۷۔ [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۲۶ [3] بخاری ابواب بیر معونہ

ڈرتے تھے۔ احزاب میں قریش اور قبائل عرب کی ہزیمت دیکھ کر بہت کچھ نڈر اور بے خوف ہو گئے اور انہیں یہ بھی یقین ہو گیا کہ اب قریش میں اتنی ہمت نہیں کہ دوبارہ اتنا بڑا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے لاسکیں۔ اس حالت میں آنحضرتؐ کی قوت اور طاقت کا بڑھنا اور ترقی کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اس موقعے سے فائدہ اٹھایا جائے اور فوراً اپنے اسلام کا اعلان کر دیا جائے۔ تاکہ آنے والے ایام میں ہم امن اور اطمینان کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔

یہ خیال کرتے ہوئے چند قبائل مدینہ آئے اور اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے واپس اپنے اپنے مستقر پر چلے گئے۔

۱۔ قبیلہ مضر کا اسلام اس سلسلے میں سب سے پہلا قبیلہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا وہ قبیلہ مضر کی شاخ مُزَینہ کے چار سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جو اکٹھے آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے بعض نمایاں آدمیوں کے نام ابن سعد نے حسب ذیل لکھے ہیں۔ خزاعی بن عبد نہم۔ بلال بن الحارث۔ نعمان بن مقرن۔ ابو اسماء۔ اسامہ۔ عبید اللہ بن بردہ۔ عبد اللہ بن درہ۔ بشر بن المحتفز۔ دکین ابن سعید۔ عمرو بن عوف وغیرہ ان لوگوں نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ اگر آپ فرمائیں تو ہمارا سارا قبیلہ ہجرت کر کے آپ کے قدموں میں آجائے۔ حضور نے فرمایا تم جہاں مقیم ہو وہیں واپس چلے جاؤ۔ تمہیں اپنے گھر ہی میں بیٹھے ہوئے اپنی نیت اور ارادے کا ثواب مل جائے گا۔ پس وہ لوگ واپس چلے گئے۔[۱]

اسلام لانے کے لیے یہ قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماہ رجب ۵ھ میں پہلی بار آیا تھا۔ دوسری مرتبہ فتح مکہ کے وقت ایک ہزار مسلح نوجوان اس قبیلے کے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں شامل ہوئے۔ یوم الفتح میں اس قبیلے کا جھنڈا حضرت خزاعی بن عبد نہم کو حضور علیہ السلام نے مرحمت فرمایا۔[۲]

۲۔ قبیلہ سعد کا اسلام ایک اور قبیلہ سعد بن بکر نے بھی اسلام کے متعلق واقفیت بہم پہنچانے کے لیے اپنے ایک بہت قابل اور ہوشیار فرد ضمام بن ثعلبہ کو جو عقلمندی اور فرزانگی کے ساتھ بہادری اور شجاعت میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے رجب ۵ھ میں اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ آئے اور خلاف معمول بہت سختی اور درشتی کے ساتھ آنحضرتؐ سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ کہنے لگے "اے محمد! پہلے تو یہ بتایئے کہ خدا کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔ اپنا رسول بھیجنے کی؟ اور پھر آپ کو اپنا رسول بنانے کی۔ دوسری بات یہ بتایئے کہ اگر بالفرض محال خدا کو آپ ہی کو اپنا رسول بنا کر بھیجنا تھا۔ تو صاف صاف بتایئے کہ آپ کو آپ کے خدا نے کن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے منع فرمایا ہے؟ تاکہ آپ کی تعلیم سے ہم آپ کے صدق اور کذب

---

[۱] طبقات کبیر ابن سعد جلد سوم ص۱۳ و ۶۴ [۲] طبقات کبیر ابن سعد جلد سوم ص۳۹

کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں۔ آپؐ ہمیں اپنے نئے دین کے موٹے موٹے اصول بھی بتا دیں تاکہ ہمیں آپؐ کے متعلق مکمل واقفیت ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت محبت اور نرمی کے ساتھ ضمام کے سوالوں کے جواب دیے۔ اور ان کو بڑی خوبی سے ہر ایک بات سمجھائی۔ ضمام کی فطرت نیک تھی۔ انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خوبی کے ساتھ ارکان مذہب اور اصول اسلام ان کے ذہن نشین کیے کہ وہ نہایت جوش اور اخلاص میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور ان کو وہ سب باتیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تلقین کی تھیں بتائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام سے پہلے پہلے ان کے تمام قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔ قبول اسلام کے بعد فوراً ہی ان لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے میں مسجدیں تعمیر کیں اور ان میں نماز پڑھنے لگے۔[1]

۳۔ قبیلہ اشجع کا اسلام | قبیلہ اشجع کے لوگ بھی انہی ایام میں مدینہ آئے۔ ابن سعد نے ایک روایت میں ان کی تعداد ایک سو لکھی ہے۔ اور دوسری روایت میں ۷۰۰۔ ان کے مدینہ آنے کا زمانہ ابن سعد ایک روایت میں وہ سال بتاتا ہے جب غزوہ خندق ہوا اور دوسری روایت میں بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اس وقت آئے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے قضیئے سے فارغ ہو چکے تھے (یعنی ذی الحجہ ۵ھ ہجری میں) یہ لوگ مدینہ آ کر محلہ شعب سلع میں اترے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کی اتنی تڑپ حضور علیہ السلام کے دل میں تھی کہ آپؐ نے اس بات کا انتظار نہ فرمایا کہ وہ لوگ خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں بلکہ ان کو پیغام حق پہنچانے کے لیے حضور علیہ السلام خود وہاں تشریف لے گئے۔ اور بڑی محبت اور خوش اخلاقی کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے مہمانوں کی کھجوروں سے تواضع کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کو وحدانیت کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا "محمدؐ! ہم مسلمان ہونے کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ اس لیے آئے ہیں کہ آپؐ سے امن اور صلح کا معاہدہ کریں۔ کیونکہ آپؐ کی اور آپؐ کی قوم کی آئے دن کی جنگوں سے ہم بہت تنگ آ چکے ہیں۔ اس پر آپؐ نے بڑی خوشی کے ساتھ ان سے امن اور صلح کا معاہدہ کر لیا۔ حضور علیہ السلام کا سلوک ان لوگوں سے اتنا اچھا اور ایسا اعلیٰ تھا کہ اس کا اثر ان سب کے دلوں پر ہوا۔ اور صلح نامہ لکھے جانے کے فوراً بعد وہ سب کے سب اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور کوئی بھی ایسا نہ رہا جو اپنے کفر پر قائم رہا ہو۔[2]

۴۔ بنی عبد القیس کا اسلام | ایک اور قبیلہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۵ھ میں بحرین سے آیا اس کا نام بنی عبد القیس تھا اور اس قبیلے کے آدمی دو مرتبہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک دفعہ ۵ھ ہجری میں

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۲۲ [2] طبقات کبیر جزو ثالث صفحہ ۴۹

اور دوسری مرتبہ ۸ھ میں پہلی مرتبہ ۱۳ آدمی تھے اور دوسری دفعہ ۴۰ اشخاص۔ یہ تحقیق علامہ قسطلانی اور ابن حجر عسقلانی کی ہے۔ ابن سعد ۲۰ آدمی لکھتا ہے) اس قبیلے کے سردار عبداللہ بن عوف الاشج تھے۔

جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں پہنچے تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضورؐ سے عرض کیا گیا کہ یہ بنو عبدالقیس کے افراد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا مرحبا لاخزایا ولا ندامیٰ (ان کو مبارک ہو۔ نہ کبھی انہیں کوئی ذلت پہنچے۔ نہ کبھی یہ نادم ہوں) پھر آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا تم میں عبدالاشج کون ہیں؟ عبداللہ نے عرض کی "حضور میں ہوں" عبداللہ کی شکل کچھ اچھی نہ تھی اور وہ بدصورت آدمی تھے۔ انہیں دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا "انسان کی کھال کی مشک نہیں بنائی جاتی۔ مگر اس کی دو چیزوں کی البتہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اس کی زبان کی دوسرے اس کے دل کی۔" پھر آپؐ نے عبداللہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا "اے عبداللہ! تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ایک علم دوسری وقار" اس پر عبداللہ نے پوچھا "یا رسول اللہ میری یہ دونوں خصلتیں جن کا حضورؐ نے ذکر فرمایا خلقی اور پیدائشی ہیں یا بعد میں پیدا ہوئی ہیں؟" حضور علیہ السلام نے جواب فرمایا "تمہاری یہ دونوں خصلتیں پیدائشی اور خلقی ہیں۔"

اپنے اظہار اسلام کے بعد اس قبیلے کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہمارا ملک بحرین یہاں سے بہت دور ہے اور درمیان میں قبائل مضر کی آبادیاں واقع ہیں جو سخت دشمن اسلام واقع ہوئے ہیں۔ بایں وجہ ہم بار بار اور جلدی جلدی آپؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آپؐ ہمیں کچھ ایسی باتیں تلقین فرمادیں جن پر ہم اپنے وطن میں بیٹھ کر عمل کرتے رہیں اور اپنے غیر مسلم بھائیوں کو ان کی تبلیغ کرتے رہیں۔" حضور علیہ السلام نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ میں تم کو مختصراً چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جو یہ ہیں (۱) خدا تعالیٰ کو واحد اور لاشریک جانو (۲) نماز باقاعدگی سے پڑھا کرو (۳) ماہ رمضان کے روزے رکھا کرو (۴) خمس دیا کرو۔ اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں جو یہ ہیں (۱) دُبّاء[1] (۲) حنتم[2] (۳) نقیر[3] (۴) مزفت[4] (مذکورالذکر چاروں نام چار قسم کے برتنوں کے تھے جن میں عرب شراب ڈال کر پیا کرتے تھے) حضور علیہ السلام کی عادت تھی کہ جس قبیلے میں جو مخصوص خرابیاں اور گناہ پائے جاتے تھے ان لوگوں کو نصیحت کرتے وقت آپؐ انہی برائیوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہاں بھی یہی واقعہ ہوا۔ بحرین کے بنو عبدالقیس شراب پینے کے سخت عادی تھے۔ اور انہی چار اقسام کے برتنوں میں شرابیں پیا کرتے تھے۔ اسی لیے حضورؐ نے ان کو اس سے منع فرمایا جس پر انہیں تعجب ہوا کہ ہمارے رسم و رواج کے متعلق اتنی دور بیٹھے ہوئے آنحضرتؐ کو کس طرح علم ہو گیا۔ آخر ان میں سے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ نقیر کے متعلق حضورؐ کو کیا معلوم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں

---

[1] دُبّاء۔ تونبیا [2] حنتم۔ لاکھی برتن [3] نقیر۔ لکڑی کا برتن [4] مزفت۔ قیر آلودہ برتن (رحمت للعالمین جلد اوّل ص ۲۲۱)

پانی ڈال دیتے ہو۔ اور کئی دن کے بعد جب اس کا اُبال کم ہو جاتا ہے تو اُسے پی کر تم اپنے ہی بھائیوں پر تلواریں چلاتے ہو۔

یہ ہے نقیر"۔

ان لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رملہ بنت الحارث کے مکان پر ٹھہرایا تھا اور صحابہ کو تاکید کر دی تھی کہ ان کی اچھی طرح مہمانداری کریں۔ یہ لوگ برابر دس یوم تک مدینہ میں مقیم رہے اور اس دوران میں عبداللہ الاشج حضور علیہ السلام سے قرآن کریم پڑھتے اور دینی مسائل سیکھتے رہے۔

روانگی کے وقت آپؐ نے ان سب لوگوں کو تحائف اور انعامات دینے کا حکم فرمایا اور ۱۲۔ اوقیہ چاندی (ایک اوقیہ سوا تین تولہ کا ہوتا ہے) مرحمت فرمائی۔

۵۔ **قبیلہ جہنیہ کا اسلام** قبیلہ جہنیہ کی طرف سے عبدالعزیٰ بن بدر بطور نمائندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اُن کے ہمراہ ان کے اخیافی اور چچا زاد بھائی ابوروعہ بھی تھے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکانہ ناموں کے نہایت سخت دشمن اور مخالف تھے اور اسلام لانے کے بعد ایسے نام فوراً بدل دیا کرتے تھے اس لیے حضورؐ نے عبدالعزیٰ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "تم آج سے عبداللہ ہو" اور ابوروعہ سے فرمایا "عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ تم اپنی شجاعت سے دشمن کو مرعوب کرو گے"۔ اس کے علاوہ جہنیہ کا قبیلہ بنی غیان کی شاخ تھا۔ مگر چونکہ غیان کے معنی سرکشی کے ہیں لہٰذا حضورؐ علیہ السلام نے اس کا نام بدل کر بنی رشدان رکھ دیا جس کے معنی ہدایت کے ہیں۔ جس وادی میں ان لوگوں کی سکونت تھی۔ اس کا پہلا نام غوی تھا جس کے معنی گمراہی کے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ آئندہ سے تم اُسے وادیٔ رشد کہا کرو۔ جس کے معنی خیر و فلاح کے ہیں۔

قبیلہ جہنیہ پر اسلام کی اشاعت کا اتنا گہرا اور فوری اثر ہوا اور اتنی جلدی ان لوگوں نے حق کی آواز پر لبیک کہی کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قبیلے کے ایک فرد عمرو بن مرّہ الجہنی تھے۔ وہ اپنے وطن میں ایک بتخانہ کے مجاور تھے۔ بت خانے میں جو بت نصب تھا۔ سارا قبیلہ اس بت کی نہایت درجہ تعظیم و تکریم کرتا تھا اور اس کی وجہ سے مجاور کی بھی بڑی عزت اور توقیر ہوتی تھی۔ لیکن جب عمرو بن مرّہ کے کان میں حق کی آواز پہنچی۔ تو فوراً ہی انھوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہی۔ اور دل سے خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آئے جس کے بعد نہ ان کے دل میں اس بُت کی کوئی عزت باقی رہی جس کے وہ مجاور تھے اور جس کے ذریعے سے ان کو کافی آمدنی تھی اور نہ اپنی اس عزت کے مٹنے کا خیال کیا جو ان کو بت کا پجاری ہونے کے لحاظ سے قوم میں حاصل تھی۔ انھوں نے فوراً بت خانے کو آگ لگا دی اور بت کو ہتھوڑے سے توڑ کر دور پھینک دیا۔ اس کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس اخلاص اور ایمان سے بہت خوش ہوئے اور انہی کو ان کی قوم

لہ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صہ۹۲ اور سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۵۱-۵۰

کی طرف بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ انھوں نے واپس پہنچ کر نہایت جوش سے گھر گھر پھر کر تبلیغ کرنی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک شخص کے جو بدترین قسم کا بت پرست تھا۔ سارا قبیلہ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ فتح مکہ کے وقت اس قبیلے کے بھی بہت سے افراد حضور کے لشکر میں موجود تھے حضور نے قبیلے کا جھنڈا عبداللہ بن بدر کو مرحمت فرمایا۔ فتح مکہ کے بعد جب ان لوگوں نے مدینہ میں آباد ہونا چاہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد بنانے کے لیے زمین مرحمت فرمائی۔ یہ مدینہ کی سب سے پہلی مسجد تھی جس کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین دی۔[1]

۶-۷۔ **قبیلہ اسلم اور غفار کا اسلام** قبیلہ اسلم اور قبیلہ غفار بھی انہی ایام میں ایمان لائے۔ اور عمیرہ بن افطی کی زیر سرکردگی اس قبیلے کے بہت سے افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدمتِ نبوی میں عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ہم خدا اور اس کے نبی پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کی تابعداری اور اطاعت اختیار کی پس ہمیں آپ کوئی ایسا اعزاز مرحمت فرمائیں جس کے باعث ہم دیگر قبائل کے سامنے اپنا سر عزت کے ساتھ بلند کر سکیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا "اے خدا! تو اسلم کو سلامت رکھ اور غفار کی مغفرت فرما۔"

۸۔ **قبیلہ خشنین کا اسلام** ماہ صفر ۷ ہجری میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کی تیاری فرما رہے تھے قبیلہ خشنین کے نمائندہ ابو ثعلبہ الخشنی مدینہ آئے۔ اور اسلام قبول کر کے حضور علیہ السلام کے ہمراہ خیبر چلے گئے۔ غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد اس قبیلے کے ۷ آدمی اور آئے۔ ابو ثعلبہ کے ہاں ٹھہرے اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلے میں واپس گئے۔[2]

فصل پنجم

وہ جماعتیں جو مدینہ سے تبلیغ اسلام کے لیے بھیجی گئیں

اب تک ہم نے عرب کے ان مختلف قبائل کا ذکر کیا تھا جو جنگ خندق کے بعد قریش کے اثر اور رعب سے آزاد ہو کر مدینہ میں آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے یا اپنے نمائندوں کو بھیجا اور ان کے ذریعے سے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ مگر اب ہم بعض ایسی جماعتوں اور مہموں کی کیفیت بیان کرتے ہیں جنھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خندق کے بعد اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے لیے اطراف ملک میں وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا۔

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۷ و ۶۸۔ [2] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۵۔

۱۔ **بنو ثعلبہ کی طرف** | ربیع الآخر ۶ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مبلغین کو بنو ثعلبہ میں اشاعت اسلام کے لیے محمد بن مسلمہ کی زیر سرکردگی روانہ فرمایا۔ جب یہ لوگ مقام ذی القصہ میں پہنچے تو رات کو سوتے ہوئے ان پر بنو ثعلبہ کے ایک جم غفیر نے حملہ کیا۔ اور سب کو حالت خواب میں شہید کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ بمشکل بچ سکے مگر وہ بھی سخت زخمی ہوئے ابن سعد لکھتا ہے کہ ان ۱۰ آدمیوں کا مقابلہ بنی ثعلبہ کے سو آدمیوں سے ہوا اور محمد بن مسلمہ کے سوا سب شہید ہو گئے محمد بن مسلمہ سخت زخمی ہوئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کفار نے سمجھا کہ ان کا بھی خاتمہ ہوا۔ اس لیے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد میں ان کو ہوش آیا اور اس طرح یہ بچ گئے[۱]۔

۲۔ **بنی کعب کی طرف** | شعبان ۶ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بنی کعب کی طرف روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ان کی تبلیغ سے سردار قبیلہ اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہو گیا اور سارے علاقے میں بھی اسلام پھیلا اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سردار قبیلہ نے اپنی لڑکی تماضر کی شادی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کر دی اور یہ واپس مدینہ چلے آئے[۲]۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۳۔ **بنی سلیم کی طرف** | ماہ ذی الحجہ ۷ھ ہجری میں حضور علیہ السلام نے ابن ابی العوجاء السلمی کو بنی سلیم کی طرف اشاعتِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کے ہمراہ پچاس آدمی تھے۔ جب یہ لوگ بنی سلیم کے علاقے میں پہنچے اور ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تبلیغ کی۔ تو وہ لوگ مبلغین اسلام کے ساتھ بہت بدتمیزی سے پیش آئے اور کہنے لگے کہ تم ہمیں جس امر کی دعوت دینے اور جس چیز کی طرف بلانے آئے ہو۔ نہ ہمیں اس کے سننے کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہمارا کوئی فائدہ اس پیغام کو قبول کرنے میں ہے تمہیں کس طرح جرأت ہوئی کہ ہمارا دین بگاڑنے اور ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہاں آئے ہو؟ یہ کہہ کر انھوں نے اپنی تلواریں کھینچ لیں اور مسلمان مبلغین پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اگرچہ لڑنے کے لیے تیار ہو کر نہیں گئے تھے مگر موقع ایسا نازک آ پڑا کہ نہایت مجبور ہو کر حفاظت خود اختیاری کے طور پر ان کو بھی تلوار سنبھالنی پڑی اور بہت دیر تک نہایت زور شور کے ساتھ جنگ ہوتی رہی۔ قریب تھا کہ کفار کو شکست ہوتی اور وہ میدان چھوڑ کر فرار ہو جاتے کہ یکدم ادھر اُدھر کے بہت سے عرب قبائل کے لوگ مجتمع ہو کر بنی سلیم کی حمایت اور اعانت کے لیے مسلح ہو کر آ گئے۔ اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اتنے جم غفیر کا مقابلہ تھوڑے سے مسلمان کس طرح کر سکتے تھے مگر تاہم بڑی بہادری سے لڑے اور بمشکل تمام اپنے آدمیوں کو بچا کر وہاں سے لا سکے[۳]۔

۴۔ **بنو قضاعہ کی طرف** | ربیع الاول ۸ھ ہجری میں حضور علیہ السلام نے حضرت عمرو بن کعب انصاری الغفاری کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ بنو قضاعہ سکنائے ذات اطلح[۴] کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔ مگر ان لوگوں نے آپ کی دعوت

---

[۱] رحمت للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۵۳۔ [۲] رحمت للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۵۴۔ [۳] طبقات کبیر ابن سعد جزو دوم صفحہ ۸۹

[۴] طبری واقدی سے روایت کرتا ہے کہ ذات اطلح حدود شام میں ہے۔ (تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۲۳)

قبول نہ کی اور پندرہ آدمیوں پر سینکڑوں لوگوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجبوراً مسلمانوں نے بھی تلوار یں نکال لیں اور سب کے سب نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ صرف ایک عمرو زخموں میں پڑے رہ گئے تھے وہ بچ گئے۔[1]

۵۔ بنو جذیمہ کی طرف ماہ شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو قبائل سلیم بن منصور اور مدلج بن مُرّہ کے ۳۵۰ آدمیوں کے ساتھ قبائل عرب کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ حضورؐ نے ان کو لوگوں کے قتل کرنے اور ان پر حملہ آور ہونے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ جہاں تم پہنچو وہاں لوگوں کو زبانی طور پر اسلام کی تبلیغ کرو۔ جب خالد بن ولید اپنے آدمیوں کے ساتھ بنی جذیمہ کے مستقر پر پہنچے تو آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ وہ لوگ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر خالد کے دریافت کرنے پر انھوں نے بجائے اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کے صبانا کہا جس کے معنی ہیں "ہم صابی ہو گئے" (قریش نے مسلمانوں کا نام صابی رکھ چھوڑا تھا جس کے معنی ہیں دین سے پھرا ہوا۔ یہی لفظ ان جاہل اور ان پڑھ لوگوں نے اپنے متعلق استعمال کیا) حضرت خالد یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے اسلام سے نفرت کے باعث یہ لفظ استعمال کیا ہے اور یہ مسلمان نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے حضرت خالدؓ کے وہاں پہنچنے پر ان کے خلاف ہتھیار بھی اٹھائے تھے۔

ان دونوں باتوں نے مل حضرت خالد بن ولید کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ مسلمان نہیں بلکہ اسلام سے دشمنی اور بغض رکھتے ہیں اور مقابلے پر آمادہ ہیں۔ اسی لیے آپ نے ان کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور ان کا مال و اسباب بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ حضرت خالد کی اس غلط فہمی میں بنی جذیمہ کے ۹۵ آدمی مارے گئے۔[2]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ کو بڑا افسوس ہوا اور حضرت علیؓ کو بلا کر انھیں بہت سا مال دیا اور فرمایا کہ یہ لے جا کر بنی جذیمہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کرو۔ اور جاہلیت کی ہر ایک بات کو اپنے پیروں کے نیچے مسل دینا۔ چنانچہ حضرت علیؓ آنحضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں وہ سارا مال لے کر بنی جذیمہ کے پاس آئے اور جس قدر آدمی حضرت خالدؓ نے اس قوم کے قتل کیے تھے۔ ان سب کا خون بہا ایک ایک کر کے ادا کیا۔ اور جتنا مال ان کا خالدؓ کے آدمیوں نے اپنے قبضے میں کیا تھا۔ سارے کا سارا واپس کرایا۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی باقی نہیں چھوڑی۔ جو مال بنی جذیمہ میں تقسیم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دیا تھا وہ اتنا زیادہ تھا کہ پائی پائی ادا کرنے کے بعد بھی بہت کچھ بچ رہا۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تمہارا کوئی خون بہا اتفاق سے باقی رہ گیا ہو یا کسی کا مال اسے پورا نہ ملا ہو۔ تو میرے پاس مال ہے وہ جس قدر چاہے لے لے۔ مگر ان لوگوں نے پورے اعتماد اور شکر گذاری کے ساتھ کہا کہ نہیں ہمارا اب کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ سب کچھ ادا ہو چکا ہے۔

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو دوم صفحہ ۹۲۔ رحمت للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۵۹۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۲۱۳

[2] صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد۔ ابن ہشام۔ رحمت للعالمین جلد دوم

حضرت علیؓ نے فرمایا "بہت ممکن ہے کہ اب بھی کسی شخص کا خون بہا باقی رہ گیا ہو جس کا نہ آپ لوگوں کو پتہ ہو نہ ہمیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ کچھ مال اب بھی ایسا ہو جو ادا نہ ہوا ہو۔ اس لیے یہ سب مال لے جاؤ اور آپس میں بانٹ لو تاکہ کسی کا ذرا سا بھی حق ہمارے ذمہ باقی نہ رہے۔ (تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اس موقع پر بنی جذیمہ کے ان کتوں کے پلوں کا بھی خون بہا ادا کیا جو حضرت خالد کی فوج نے مار ڈالے تھے)[۵۱]

خون بہا ادا کرنے اور مال تقسیم کرنے کے بعد جب حضرت علیؓ نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام کیفیت بیان کی اور یہ بھی کہا کہ جو مال بچ رہا تھا وہ بھی میں ان ہی لوگوں کو دے آیا ہوں۔ تو آنحضورؐ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا "علی تم نے بہت ہی اچھا کام کیا۔ درحقیقت ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا"

اس کے بعد حضور علیہ السلام قبلہ رخ کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ دعا مانگی "اے خدا میں خالد کی کارروائی سے تیری بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی بریت ظاہر کرتا ہوں۔ میں نے اس کو اس کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا" تین بار یہی جملہ ادا فرمایا۔[۵۲]

۶۔ بنو کلاب کی طرف ربیع الاول ۹ھ میں حضور علیہ السلام نے حضرت ضحاک بن سفیان کلابی کو بنو کلاب کی تعلیم و تربیت اور ان لوگوں میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ مگر وہاں بھی کفار نے ان کی مزاحمت کی اور بمقابلہ پیش آئے۔ کسی تاریخ سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مسلمانوں کے کتنے آدمی اس مدافعت میں کام آئے۔[۵۳]

۷۔ قبیلہ ہمدان کی طرف یمن میں ایک بڑا طاقتور اور صاحب اثر خاندان آباد تھا جس کا نام قبیلہ ہمدان تھا۔ ۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کو حق کا پیغام پہنچانے اور وہاں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید اور حضرت علیؓ کو مناسب حفاظتی جمعیت کے ساتھ علیحدہ علیحدہ روانہ فرمایا۔ اس تبلیغی مہم کی تفصیلی کیفیت فصل نوزدہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

۸۔ ابنائے فارس کی طرف ایران کے بعض رئیس عرب کے صوبہ یمن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان کو ابناء کہتے تھے۔ ۱۰ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وبر بن یحنس کو ان لوگوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا وبر بن یحنس نے وہاں پہنچ کر نعمان بن بزرج نامی ایک رئیس کی لڑکیوں کے ہاں قیام کیا ان کو تبلیغ کی اور وہ مسلمان ہو گئیں اس کے بعد اس نے فیروز دیلمی۔ مرکبود اور وہب ابن منبہ وغیرہ رؤساء کے پاس تبلیغی پیغامات بھیجے۔ ان سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس علاقے میں سب سے پہلے جن لوگوں نے کلام پاک حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطا اور منبہ کے لڑکے وہب تھے۔ یہ سب رؤسائے یمن کے دار الحکومت صنعاء میں مقیم تھے۔[۵۴]

---

[۵۱] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صـ۱۶۵۷ [۵۲] سیرۃ ابن ہشام صـ۴۲۱

[۵۳] رحمت للعالمین جلد دوم صـ۲۶۳ [۵۴] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صـ۱۷۲۱

۹۔ یمن کے بعض اضلاع کی طرف | یمن کے دوسرے اضلاع کے لیے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مبلغ اسلام روانہ فرمایا۔ روانگی کے وقت آپؐ نے ان دونوں کو جو قابل قدر نصیحتیں فرمائیں اور جو اہم ہدایتیں دیں۔ وہ تبلیغ اور اشاعت کے زرین اصول ہیں۔ آپؐ نے ان دونوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"نہایت نرمی اور سہولت سے کام کرنا۔ سختی اور تشدد ہرگز نہ کرنا۔ لوگوں کو خوشخبری سنانا۔ ان کو نفرت نہ دلانا۔ دونوں مل کر اتفاق اور یک جہتی سے کام کرنا۔ اپنی تبلیغ کو لوگوں تک بتدریج پہنچانا۔ سب سے پہلے ان کو خدا کی توحید اور میری رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ یہ دونوں باتیں تسلیم کرلیں تو پھر ان سے کہنا کہ خدا نے دن رات میں تم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب یہ مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر خدا نے زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو تمھارے امیروں سے لے کر تمھارے غریبوں کو دی جائے گی۔ دیکھو اس بات کی خاص احتیاط رکھنا کہ جب وہ زکوٰۃ دینی منظور کرلیں تو چن چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ ایک خاص نصیحت میں تم کو یہ کرتا ہوں کہ مظلوم کی بددعا سے بہت ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا"۔

اس موقعے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے پوچھا کہ "یا نبی اللہ! ہمارے یمن میں شہد اور جَو سے شراب بناکر پیتے ہیں کیا یہ بھی حرام ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر شے جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے"۔[۵]

۱۰۔ بنی حارث کی طرف | یمن کے پاس ہی نجران کا علاقہ ہے جو اس زمانے میں عیسائیت کا مرکز تھا۔ سارے علاقے میں بکثرت عیسائی پھیلے ہوئے تھے مگر انہی کے درمیان بنو حارث نام ایک بت پرست قبیلہ بھی تھا جو مدان نامی بت کی پرستش کے باعث عبدالمدان کے نام سے مشہور تھا۔[۶] ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۱۰ھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کی طرف دعوت اسلام کے لیے حضرت خالد بن ولید کو روانہ فرمایا۔ اور ان کو نصیحت کی کہ نرمی اور محبت کے ساتھ ان کو تبلیغ کرنا۔ اگر وہ تمھاری دعوت کو منظور نہ کریں اور لڑنے کے لیے آمادہ ہوجائیں تو تم پہل نہ کرنا۔ ہاں اگر وہ خود حملہ کریں تو پھر اس کا جواب دینا مگر لڑنے سے پہلے اتمام حجت کے طور پر تین مرتبہ ان کو اسلام کی تبلیغ کرنا۔ پھر بھی نہ مانیں تب تلوار ہاتھ میں لینا۔ چنانچہ حضرت خالد نے نہایت احتیاط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کیا۔ اور بہت ملائمت کے ساتھ ان کو اسلام کی تبلیغ کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب لوگ بہت آسانی سے اسلام لے آئے۔ جس کے بعد حضرت خالد نے ان کو ارکان اسلام کی تعلیم دی اور قرآن شریف پڑھانے لگے۔

بنو حارث کے متعلق حضرت خالد کا عریضہ آنحضرتؐ کی خدمت میں | حضرت خالد اس قبیلے کے اسلام لانے سے نہایت خوش ہوئے اور انھوں نے حسب ذیل خط کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خوشخبری پہنچائی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت رسول کریم کی خدمت میں خالد بن ولید کا عریضہ"

---

[۵] سیرۃ النبی جلد دوم صفحہ ۷۹ بحوالہ صحیح بخاری [۶] سیرۃ النبی جلد دوم ص ۳۰

"السلام وعلیکم یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ برکاتہ میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد یا رسول اللہ! حضور نے مجھ کو بنی حارث کی طرف روانہ فرمایا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان میں تین روز تک اسلام کی تبلیغ کروں اگر وہ میری دعوت کو قبول کرلیں تو میں ان کے درمیان رہ کر ان کو احکام اسلام سکھاؤں اور قرآن کریم کی تعلیم دوں۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو پھر میں ان سے جنگ کروں۔ پس میں ان کے پاس آیا اور حضور کے حکم کے مطابق ان کو تین روز تک اسلام کی دعوت دی۔ اور سواروں کو ان کے پاس بھیجا جنھوں نے ان سے کہا کہ اے بنی حارث! اسلام قبول کرلو۔ تو سلامت رہو گے۔ پس ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور جنگ سے باز رہے۔ اب میں ان کے درمیان مقیم ہوں اور دین کے اوامر اور نواہی اور احکام و مسائل انھیں بتلا رہا ہوں۔ آئندہ اس کے متعلق جو حکم ہوگا اس کے مطابق عمل کروں گا۔ والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

آنحضرت کا گرامی نامہ خالد کے نام حضور علیہ السلام نے خالد کا خط پڑھ کر اُن کو یہ جواب بھجوایا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے خالد بن ولید کے نام:-

السلام علیک! میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد تمھارا خط ہمارے پاس پہنچا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بنی حارث نے اسلام قبول کرلیا ہے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دی ہے۔ یہ خدا کی ہدایت ہے جو اس نے ان کے شامل حال فرمائی۔ پس تم ان لوگوں کو الٰہی ثواب کی خوشخبری سنا دو۔ اور عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ اور ان کے چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آؤ اور ان تمام امور کو بجا لاؤ جن کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

بنو حارث کا وفد خدمت نبوی میں اس فرمان نبوی کی تعمیل میں حضرت خالد بن ولید نے بنی حارث کے حسب ذیل رؤسا اور عمائد کو اپنے ہمراہ لیا اور مدینہ روانہ ہوگئے۔ قیس بن حصین۔ یزید بن عبداللہ۔ یزید بن المحجل۔ عبداللہ بن قراد۔ شداد بن عبداللہ۔ عمرو بن عبداللہ ضبابی اور یزید بن عبدالمدان۔

جب حضرت خالد نے ان لوگوں کو خدمت نبوی میں پیش کیا تو حضور نے فرمایا "یہ تو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ہندی ہوں" خالد نے عرض کی "نہیں حضور! یہ بنی حارث ہیں" ان سب نے حضور کو السلام علیکم کیا اور کہا "ہم سب اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ خدا کے رسول ہیں" اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اس کا رسول ہوں"

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم وہی لوگ ہو کہ جب کسی سے جنگ کرتے ہو تو اسے شکست دے دیتے ہو؟" وہ لوگ خاموش رہے اور چوتھی مرتبہ پوچھنے پر یزید بن عبدالمدان نے کہا "ہاں حضور! ہم

وہی لوگ ہیں کہ جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو اسے بھگا دیتے ہیں"۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "اگر خالد مجھے یہ نہ لکھتے کہ تم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو میں تمہارے سروں کو تمہارے پیروں کے نیچے ڈلوا دیتا۔ اور تمہارا اس وقت کوئی مددگار نہ ہوتا"۔ یزید بن عبدالمدان نے عرض کی کہ "حضور! ہم اس معاملہ میں آپؐ کے یا خالدؓ کے شکر گذار نہیں ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "پھر کس کے شکر گذار ہو؟" انھوں نے عرض کی "حضور! ہم اپنے خدا کے شکر گذار ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں آپؐ کے ساتھ ہونے کی توفیق بخشی"۔ حضور نے فرمایا "تم نے بالکل سچ کہا۔ سب تعریفوں کا مستحق خدا ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے پوچھا کہ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ زمانۂ جاہلیت میں کس سبب سے تم اپنے مخالفین پر غالب آتے تھے؟" انھوں نے عرض "حضور! دو باتیں تھیں۔ ایک تو ہم جب کسی پر حملہ کرتے تھے۔ باہم متفق اور متحد ہو کر کرتے تھے اور دوسرے ہم سختی کے ساتھ اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو"۔ حضور نے سن کر فرمایا "بیشک تم نے سچ کہا۔ کامیابی اور کامرانی کی یہی دو بنیادی شرطیں ہیں"۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حارث پر قیس بن حصین کو امیر مقرر فرمایا اور شوال کے آخر یا ذی قعدہ کے شروع میں ان لوگوں کو رخصت فرما دیا۔ ان کے جانے کے صرف چار مہینے بعد حضور علیہ السلام کی وفات کا الم انگیز حادثہ پیش آیا۔

ان لوگوں کی روانگی کے بعد آپؐ نے حضرت عمرو بن حزم صحابی کو بنو حارث کی تعلیم و تربیت کے لیے یمن روانہ فرمایا۔ اور ان کو ہدایت کی کہ تمام قبیلے کو قرآن پڑھائیں، اوامر و نواہی بتائیں، اسلامی احکام اور مسائل کی تعلیم دیں اس تمام علاقے میں اسلام کی تبلیغ کریں اور مسلمان ہو جانے والوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔

آنحضرتؐ کا بے نظیر تبلیغی ہدایت نامہ عمرو بن حزم کے لیے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا قاعدہ تھا کہ حضور عام طور پر مبلغ، معلّم اور محصّل ایک ہی شخص کو مقرر کر کے اسے قبائل میں بھیجا کرتے تھے۔ اور وہ ایسا قابل شخص ہوتا تھا کہ یہ تینوں فرائض بہت عمدگی کے ساتھ انجام دے سکتا تھا۔ بنی حارث کے لیے آدمی بھیجتے وقت بھی آپؐ نے ایک ہی شخص تینوں فرائض کی انجام دہی کے لیے نامزد فرمایا اور چلتے وقت جو قابل قدر، اہم اور مفید ہدایتیں اور نصیحتیں اُسے لکھوا کر دیں۔ وہ نہ صرف اُس وقت کے لیے بلکہ ہر دَور اور ہر عہد کے مبلغین اور معلمین کے لیے دلیلِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہیں ان نصیحتوں میں آپؐ نے عمرو بن حزم کو جو دینی مسائل تعلیم کیے ہیں۔ وہ نہ صرف مبلغین اور معلمین کے لیے بلکہ ہر مسلمان کے لیے بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہیں تاکہ ان کو اسلام کے بنیادی احکام سے واقفیت ہو۔ اسی خیال سے ہم وہ نصیحت نامہ ابن ہشام سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ بیان ہے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے۔ اے ایمان والو! اپنے عہدوں اور

وعدوں کو پورا کرو۔ یہ دستور العمل اور نصیحت نامہ ہے خدا کے رسول محمدؐ کی جانب سے عمرو بن حزم کے لیے اس وقت جبکہ اسے یمن کی طرف روانہ کیا گیا۔

عمرو بن حزم پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں خدا کا تقویٰ اور خوف مدنظر رکھے۔ کیونکہ خدا ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جو تقویٰ اختیار کرتے اور لوگوں کے ساتھ احسان سے پیش آتے ہیں۔

میں عمرو بن حزم کو حکم دیتا ہوں کہ یمن پہنچ کر لوگوں سے صرف اسی قدر مال وصول کرے جس کی وصولی خدا نے لازمی قرار دی ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی بشارت دے۔ اور اپنے اور غیروں سے نیکی کرنے کا حکم دے۔ اور قرآن اور احکام دین کی تعلیم دے اور اس بات سے لوگوں کو منع کرے کہ وہ قرآن کو ناپاک حالتوں میں ہاتھ نہ لگائیں اور ناپاک ہاتھوں سے اسے نہ چھوئیں۔ عمرو بن حزم کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے نفع اور نقصان کی سب باتیں ان کو سمجھائے۔ اور حق بات میں ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور ظلم کو سختی کے ساتھ روک دے کیونکہ خدا کے نزدیک ظلم بڑی ہی مکروہ چیز ہے۔ اور وہ ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔ عمرو بن حزم لوگوں کی جنت کی طرف رہنمائی کرے ان کو اچھے اور نیک اعمال کا حکم دے اور ان کو دین کی ہر ضروری بات سکھائے اور حج کعبہ کے احکام اور فرائض اور سنن سے ان کو مطلع کرے۔ اور ان کو بتائے کہ عمرہ حج اصغر ہے اور حج حج اکبر ہے۔ اور لوگوں کو سمجھائے کہ وہ چھوٹے سے کپڑے میں نماز ادا نہ کریں۔ بلکہ نماز کی ادائیگی کے لیے کپڑا ایسا بڑا ہونا چاہیئے جس میں جسم کے مناسب حصے لپٹ سکیں۔ وہ لوگوں کو ستر کھول کر بیٹھنے سے بھی منع کرے۔ اور اسے چاہیئے کہ مردوں کو گدی میں بالوں کا جوڑا باندھنے سے منع کرے۔ اور جب کبھی بیوقوفی اور حماقت سے جہالت کی لڑائی ہونے لگے تو قبائل کو مدد پر بلانے سے لوگوں کو منع کرے محض خدا کے لیے جہاد کی طرف قبائل کو بلانا چاہیئے نہ کہ آپس میں جنگ کے واسطے۔ عمرو بن حزم کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دے۔ وہ اپنے منہ اچھی طرح دھوئیں۔ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک پانی سے صاف کریں اور سروں پر مسح کریں۔ اور جیسا خدا نے حکم دیا ہے نماز کو اپنے اوقات پر پورے رکوع و سجود اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کریں۔ صبح کی نماز اوّل وقت پڑھیں۔ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے بعد۔ عصر کی نماز جبکہ سورج مغرب کی طرف متوجہ ہو مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد ستاروں کے نکلنے سے پہلے اور عشاء کی نماز رات کے پہلے حصے میں ادا کریں جب جمعہ کی اذان ہو تو نماز کے واسطے تیار ہو کر آئیں اور نماز جمعہ کو جانے سے قبل غسل کریں۔ نیز تم لوگوں کو حکم دو کہ مال غنیمت میں سے خدا کا خمس جو اس نے مسلمانوں پر مقرر کیا ہے نکالیں۔ بارانی اور نہری زمین میں سے عشر اور چاہی میں سے نصف عشر محصول وصول کریں۔ اور دس اونٹوں کی زکوٰۃ دو بکریاں اور بیس اونٹوں کی چار بکریاں وصول کریں۔ چالیس گائیوں میں سے ایک گائے اور تیس میں سے ایک جذعہ نر یا مادہ وصول کریں اور چالیس بکریوں میں سے ایک بکری وصول کریں۔ یہ خدا کا فریضہ ہے جو زکوٰۃ میں اس نے مومنوں پر مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس سے زیادہ دے گا۔ وہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور جو یہودی یا نصرانی

دین اسلام کو قبول کرے گا۔ وہ ہر معاملے اور ہر بات میں بالکل مسلمانوں کے موافق رہے گا لیکن جو یہودی یا نصرانی اپنے دین پر قائم رہے ان میں سے ہر بالغ مرد اور عورت اور آزاد اور غلام کو ایک دینار بطور جزیہ ادا کرنا ضروری ہوگا یا دینار کی قیمت کے مساوی کپڑا یا کوئی اور چیز وہ شخص ادا کرے۔ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں اس شخص کے امن وحفاظت کے لیے خدا اور رسول کی ذمہ داری ہے۔ لیکن جو جزیہ ادا نہ کرے گا۔ خدا اور رسول پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ صلوات اللہ علی محمد۔ والسلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"[۱]

فصل ششم

صلح حدیبیہ اور تبلیغ کا نیا ذریعہ

سلاطین۔ والیان ملک اور قبائلی رؤسا کے نام دعوتی خطوط کا سلسلہ

صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور ۱۴۰۰ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہو گئے[۲] مگر قریش نے آپ کے مکہ میں داخل ہونے کی سخت مزاحمت کی اور چیتوں کی کھالیں پہن کر بڑی تیاری کے ساتھ مقابلے پر آمادہ ہو گئے[۳]۔ ہر چند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ صرف عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر قریش کسی طرح بھی نہ مانے۔ آخر حدیبیہ[۴] میں ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کی شرائط قریش نے یہ طے کیں۔

(۱) اس سال تو مسلمان بہر حال واپس چلے جائیں۔ البتہ دوسرے سال آکر عمرہ کر سکتے ہیں[۵]۔

(۲) یہ صلحنامہ فی الحال دس سال کے لیے کیا جاتا ہے اس عرصے میں باہم لڑائی بند رہے گی۔

(۳) اس عرصے میں مکہ کا جو شخص اسلام اختیار کر کے مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس لوٹا دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے گا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) صلح کے دوران میں جو قبیلہ چاہے قریش کی حمایت میں ہو جائے۔ اور جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کے ساتھ ہو جائے۔ نہ اس میں کوئی مزاحمت اور روک پیدا کی جائے گی اور نہ محض اس وجہ سے کسی قبیلے کو تکلیف پہنچائی جائے گی[۶]۔

(معاہدہ کی چوتھی دفعہ کی رو سے بنی خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت منظور کی اور بنو بکر نے قریش کی[۷])

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۷۔ [۲] و [۳] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۶۲۔ [۴] حدیبیہ مکہ معظمہ سے سات کوس دور ایک مقام کا نام ہے۔ [۵] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۶۷۔ [۶] و [۷] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۶۸۔

صلح حدیبیہ سے اشاعت اسلام کا دروازہ کھل گیا اگرچہ مسلمانوں نے عام طور پر ان شرائط کو اپنی ہتک اور توہین سمجھا (اور بادی النظر میں ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا) مگر خدا تعالیٰ نے اسے "فَتْحاً مُّبِیْناً" فرمایا۔ اور آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے:۔

"امام زہری کہتے ہیں کہ "حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی دوسری عظیم الشان فتح نہیں ہوئی کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک طویل عرصے کے لیے فریقین میں جنگ بند ہو گئی تھی اور مسلمان بت پرستوں سے باہمی گفتگو کرنے ان کو تبلیغ کرنے اور ان تک پیغام حق پہنچانے میں مشغول ہو گئے تھے۔ پس جس شخص میں کچھ بھی عقل و دانائی تھی وہ حق بات کو قبول کر کے مسلمان ہو جاتا تھا" ابن ہشام آگے کہتا ہے۔ "زہری کے اس قول کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام حدیبیہ میں تشریف لائے تو اس وقت آپ کے ہمراہ چودہ سو ۱۴۰۰ آدمی تھے۔ جیسا کہ جابر نے بیان کیا ہے اور اس کے صرف دو برس بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے آئے ہیں تو آپ کے ساتھ دس ہزار اشخاص تھے"![1] (جو ظاہر ہے کہ تبلیغ اور اشاعت کے ذریعہ ہی مسلمان ہوئے تھے)

اس موقع سے آنحضرت ؐ نے پورا فائدہ اٹھایا حقیقت یہ ہے کہ حدیبیہ کی صلح سے اشاعت اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے یعنی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے نتیجے میں ان جنگوں اور لڑائیوں سے ذرا سی فرصت پائی جو حضور علیہ السلام کے خلاف آئے دن قریش مکہ برپا کرتے رہتے تھے تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلیل فرصت سے کثیر فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ایک نئی تبلیغی مہم کا آغاز کیا۔

اسلام کا پیغام خطوط کے ذریعے پہنچانے کا انتظام وہ مہم تھی اسود و احمر کے نام اسلام کے پیغام کی تبلیغ خطوط کے ذریعہ۔ یہی حضور علیہ السلام کی بعثت کی غرض تھی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت کی جائے اور یہی آپ کے لقب رحمۃ للعالمین کا منشا تھا کہ اس نعمت کو جو خدا نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی تمام عالم میں تقسیم کر دیں۔ بلاشبہ راہ تبلیغ میں حضور علیہ السلام کا یہ جدید اقدام آپ کا "نہایت شاندار اشاعتی کارنامہ" تھا جسے آپ نے نہایت حسن و خوبی اور کمال مستعدی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

تبلیغ کی نئی مہم شروع کرنے کے لیے آنحضرت ؐ کا صحابہؓ سے مشورہ اس عظیم الشان قلمی جہاد کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح فرمائی اس کے متعلق ابن ہشام ہماری رہنمائی کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"حدیبیہ کے سفر سے واپس آکر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے پس تم مجھ سے ایسا اختلاف نہ کرنا جیسا حواریوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ سے کیا" صحابہ ؓ نے عرض کی "حضور! حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا اختلاف کیا تھا؟" حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰۱

حضرت عیسیٰؑ نے ان کو اسی بات کی طرف بلایا تھا جس کی طرف میں تم کو اب بلانا چاہتا ہوں۔ یعنی بادشاہوں اور والیوں اور سرداروں کے پاس تبلیغ اسلام کے واسطے ایلچی بنا کر بھیجنے کے لیے۔ جن لوگوں کو حضرت عیسیٰؑ نے قریب کے ملکوں میں بھیجا تھا وہ تو چلے گئے اور جن کو دور دراز کے ملکوں میں بھیجا چاہا وہ سست ہو گئے اور وہاں جانا ان کو ناگوار گزرا پس تم اس کام میں ان کی پیروی نہ کرنا[۱]۔

صحابہؓ کا مؤدبانہ جواب اور مشورہ صحابہ کرامؓ نے نہایت آمادگی کے ساتھ اس نئی تبلیغی مہم میں اپنے آقا کے ارشادات کی تعمیل کرنے کا وعدہ کیا۔ اور حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ لا یقرؤن کتابا الا مختوما (وہ کسی خط کو اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک اس پر مہر نہ ہو[۲])

تبلیغی خطوط کے لیے مہر کی تیاری اس پر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ جس پر یہ الفاظ کندہ تھے محمدؐ رسول اللہ۔ ترتیب یہ تھی کہ تین لفظ تین سطروں میں لکھے ہوئے تھے۔ خدا کے اس عاشق صادق نے ادب واحترام کے لحاظ سے اپنے محبوب کا نام سب سے اوپر رکھا تھا۔ درمیان میں رسول کا لفظ ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنا اسم گرامی سب سے نیچے کی سطر میں کندہ کروایا تھا۔ یعنی مہر کی شکل یہ تھی اللہ رسول محمد[۳]۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کل کی عام مہروں کی طرز پر یہ تینوں لفظ انگوٹھی پر الٹے کندہ کرائے تھے تاکہ کاغذ پر مہر لگاتے وقت سیدھے پڑھے جائیں۔

مہر کی تاریخ اس تاریخی۔ تبلیغی اور مقدس انگوٹھی کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ جب تک حضور علیہ السلام حیات رہے۔ یہ انگوٹھی آپؐ کے ہاتھ میں رہی۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ کی زینت رہی۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خلیفہ وقت حضرت عمر فاروقؓ کو بھجوا دی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسے اپنی جان کے برابر رکھا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس آئی۔ آپ ایک روز اریس نامی کنوئیں پر بیٹھے تھے اور بے خیالی میں انگوٹھی انگلی سے نکال کر ہاتھ میں پھرا رہے تھے کہ اتفاقاً انگوٹھی ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں جا پڑی حضرت عثمانؓ سخت پریشان ہوئے اور دوسرے صحابہ کے ساتھ مل کر تین دن تک کنوئیں میں تلاش کرتے رہے پانی کا ایک ایک قطرہ نکال ڈالا اندر کا ریت بھی نکال کر باہر پھینک دیا۔ غرض جستجو کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا مگر انگوٹھی نہ ملی اور اس طرح یہ مقدس اور متبرک یادگار ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گئی[۴]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خطوط کی نوعیت جو تبلیغی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر لکھوا کر بادشاہوں اور گورنروں اور قبائل کے سرداروں کو اپنے صحابہؓ کے ہاتھ روانہ فرمائے۔ وہ بیرونِ ممالک

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص۴۷۸ ۲۔ تجرید بخاری۔ کتاب العلم۔ جلد اول ص۳۴ ۳۔ فتح الباری بذریعہ زرقانی جلد ۳
۴۔ مسند امام احمد حنبل

عرب کے چاروں طرف کے حکمرانوں کے نام تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) شمال میں روما کی نہایت مشہور سلطنت کے شہنشاہ قیصر روم کے نام۔

(۲) شمال مشرق میں ملک فارس کے عظیم الشان شہنشاہ کسریٰ ایران کے نام۔

(۳) شمال مغرب میں شاہ مقوقس کے نام جو رومی سلطنت کا باجگذار اور محکوم تھا۔

(۴) مشرق میں ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کے نام۔

(۵) مغرب میں نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔

(۶) اسی طرح آپ نے ایک خط شمال میں عرب کی حدود کے ساتھ ریاست غسان کے حاکم کے نام بھیجا۔

(۷) ایک خط عرب کے جنوب میں یمن کے رئیس کی طرف بھجوایا۔

(۸) ایک خط عرب کے مشرق میں بحرین کے والی کو بھجوایا[1]۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے چاروں طرف اسلام کا تحریری پیغام بھجوا کر فریضہ تبلیغ کو بہ احسن وجوہ پورا کیا۔

یہ تبلیغی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف فرمانرواؤں کو ایک ہی وقت میں نہیں بھیجے بلکہ آہستہ آہستہ مختلف اوقات میں روانہ فرمائے۔

آنحضرتؐ کے تبلیغی مکتوبات کی تفاصیل

جو تبلیغی اور دعوتی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام اپنے مخلص اور مستعد خدام کے ہاتھ ارسال فرمائے۔ اب ہم ان میں سے ہر ایک خط کا مضمون اور اس کی تفصیلات علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ ان خطوط کی ترتیب ہم نے وہ رکھی ہے جو ابن ہشام نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام صفحہ چارسو اٹھتر ۴۷۸۔

(۱) قیصر روم کے نام

ان میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بادشاہ کو خط لکھا جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقتور شہنشاہ تھا۔ اس کی عظیم سلطنت ایشیا۔ یورپ اور افریقہ تینوں براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی جن پر وہ بڑی شان اور نہایت دبدبہ کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس کا لقب "قیصر روم" تھا اور نام "ہریکلی اس" جسے عرب "ہرقل" کہتے تھے اس نے قسطنطنیہ کے تخت پر ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک ۳۱ برس بادشاہی کی ہے۔ یہ خود اور اس کی ساری

[1] ابن ہشام وطبری۔ زرقانی جلد ۳۔

سلطنت عیسائی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو تبلیغی خط اپنے ایک نہایت ہوشیار اور عقلمند صحابی حضرت دحیہ بن خلیفۃ الکلبی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ اگرچہ مورخین میں اختلاف ہے مگر عام خیال یہی ہے کہ یہ خط آپ نے ماہ ذی الحجہ ۶ھ کے آخر میں بھیجا تھا۔ عیسوی تاریخ اپریل ۶۲۸ء تھی۔

اس وقت قیصر وکسریٰ کے دربار اپنی شان وشوکت میں انتہائی عروج پر پہنچے ہوئے تھے اور اسی لحاظ سے ان بادشاہوں کے دماغ بھی آسمانوں سے اونچے تھے۔ وہ اس وقت تک کسی عرضی یا درخواست کو نہیں پڑھتے تھے جب تک وہ اس علاقہ کے گورنر یا حاکم کی معرفت ان کے حضور میں پیش نہ کی جائے اور خود بادشاہ تک براہ راست کوئی شخص بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو انسانوں سے بالا ہستی سمجھتے تھے اور اس بات میں اپنی سخت توہین خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص ان سے براہ راست مخاطب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح قیصر تک پیغام حق پہنچ جائے اس بات کو گوارا کیا اور حضرت دحیہ کلبی سے ارشاد فرمایا کہ اس تبلیغی خط کو لے جا کر غسان کے بادشاہ حارث بن ابی شمر[1] کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے قیصر کو بھیج دے۔

(اس ہدایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس طرح بجائے ایک کے دو فرمانرواؤں کو اسلام کی تبلیغ ہو جائے گی)

دحیہ کلبی نے یہ خط لے جا کر حسب الارشاد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حارث کو بصریٰ میں دے دیا۔ اس وقت قیصر روم بادشاہ ایران پر فتح پانے کی خوشی میں ایک شاندار جشن منعقد کرنے کے لیے ایلیا (بیت المقدس) آیا ہوا تھا۔ حارث نے وہ خط اسے وہیں بھیج دیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ مکہ کا یہ شخص نہایت درجہ گستاخ اور بے ادب ہے جو شہنشاہِ معظم کو نہایت بے باکی کے ساتھ خط لکھ رہا ہے۔ حضور حکم دیں تاکہ اس پر فوج کشی کر کے اسے اس حرکت اور جرأت کی سخت سزا دوں۔

قیصر نے والیٔ غسان کی درخواست کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اسے لکھ بھیجا کہ تم بھی ایلیا آکر شرکت کرو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے متعلق قیصر روم نے یہ عجیب کارروائی کی کہ حکم دیا کہ اس خط کے بھیجنے والے کے وطن کے کچھ آدمی اگر ہماری قلمرو میں آئے ہوئے ہوں تو انہیں فوراً ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔

---

[1] غسان کی ریاست عرب کے شمال اور شام کے جنوب میں واقع تھی اور اس کا پایہ تخت بصریٰ نامی ایک شہر تھا۔ یہ شہر آج کل حوران کہلاتا ہے اور دمشق کے علاقہ میں واقع ہے۔ غسان کے بادشاہ قیصر روم کے ماتحت تھے اور اس کی طرف سے یہاں بطور گورنر حکومت کرتے تھے (سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۲۶)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیمی اور سخت ترین دشمن ابوسفیان بن حرب اتفاقاً معاہدہ حدیبیہ کے بعد اس طرف تجارت کے لیے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آیا ہوا تھا اور مقام غزہ میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ سرکاری آدمیوں کو پتہ لگ گیا کہ یہ اس نبی کی قوم اور وطن کے لوگ ہیں۔ پس وہ ان سب کو لے کر غزہ آئے اور شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قیصر نے ارادہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامۂ مبارک ایک زبردست مجمع کے سامنے کھول کر پڑھا جائے اس غرض کے لیے اس نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ ہیرے اور جواہرات سے بنا ہوا مرصع تاج سر پر رکھا۔ اور نہایت شاہانہ کروفر کے ساتھ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ چاروں طرف بطارقہ قسیس اور رہبانین کھڑے ہوئے۔ غلاموں کی ایک بڑی بھاری تعداد بھی سفید لباس پہنے خدمت میں استادہ تھی۔ فوج کے آدمی ننگی تلواریں کھینچے پہرہ دے رہے تھے۔ غرض تمام دربار پر نہایت رعب اور ہیبت طاری تھی اور ہر شخص دنیائے معلوم کے اس سب سے بڑے شہنشاہ کے سامنے نہایت ادب واحترام کے ساتھ گردنوں کو جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس پر ہیبت نظارے کے درمیان ابوسفیان اور اس کے ساتھی قیصر کے حضور میں پیش کیے گئے۔ جو شاہی ہیبت اور جلال سے کانپ رہے تھے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس موقع پر جو کچھ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا اسے مفصل طور پر ابن ہشام، طبری اور ابن اثیر نے بیان کیا ہے۔ مگر جس جامعیت کے ساتھ اس کی کیفیت حضرت امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں درج کی ہے۔ ایسی کسی اور کتاب میں نہیں۔ لہٰذا ہم اسے صحیح بخاری سے لے کر یہاں لکھتے ہیں۔ ابوسفیان نے یہ حالات حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیے تھے۔ اور یہی روایت حضرت امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں درج کی ہے۔

"جب ہم لوگوں کو سرکاری آدمی نے دربار میں شہنشاہ کے سامنے پیش کیا تو قیصر نے ترجمان کے ذریعے ہم سے پوچھا "جس شخص نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سب سے زیادہ اس کا قریب النسب کون ہے؟"

(ابوسفیان کہتا ہے) میں نے کہا "میں سب سے زیادہ اس شخص کا قریبی ہوں (وہ رشتے میں میرے چچا کا بیٹا ہے)

اس پر قیصر نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ "ابوسفیان کو میرے قریب لاکر کھڑا کردو اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی اس کے ساتھ پس پشت ایک لائن میں کھڑا کردو۔

اس کے بعد قیصر نے ترجمان سے کہا کہ اس شخص (ابوسفیان) کے ساتھیوں سے یہ بات کہہ دو کہ میں اس سے کچھ باتیں پوچھتا ہوں۔ اگر کسی بات کے جواب میں یہ ذرا بھی غلط بیانی کرے تو تم مجھے فوراً بتا دینا۔ اگر نہ بتاؤ گے اور مجھے بعد میں پتہ لگ گیا کہ اس نے جھوٹ بولا اور تم نے اس کی پردہ پوشی کی تو پھر تم کو بہت سخت سزا ملے گی۔

---

[1] سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۴۲۶

(ابوسفیان کہتا ہے کہ اگر مجھے اس بات سے شرم نہ آتی کہ میرے ساتھی مجھے اپنے دل میں جھوٹا اور کذاب خیال کریں گے۔ اور مجھے مکے واپس جاکر بدنام کریں گے تو میں ضرور آنحضرتؐ کے متعلق قیصر کو بہت سی غلط اطلاعات دیتا لیکن اسی وجہ سے مجبور ہو گیا اور مجھے ناچار قیصر سے سچ ہی بولنا پڑا)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قیصر اور ابوسفیان کے درمیان ترجمان کے ذریعے جو گفتگو ہوئی۔ وہ حسب ذیل تھی:۔

ہرقل:۔ محمد نامی جس شخص نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ حسب نسب کے لحاظ سے کیسا آدمی ہے؟

ابوسفیان:۔ وہ ہم میں نہایت صحیح النسب ہے۔ اور اس کا قبیلہ قریش کے سب سے زیادہ معزز قبیلوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اس کے حسب اور نسب میں کوئی خرابی نہیں دیکھتے۔

ہرقل:۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جو دعوئے وہ کرتا ہے۔ کیا اس سے پہلے بھی اس کے خاندان کے کسی بزرگ نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں حضور! اس سے پہلے ہمارے سارے خاندان میں نبوت کا دعوئے آج تک کسی نے نہیں کیا۔

ہرقل:۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں بادشاہ تو کوئی نہیں ہوا۔

ہرقل:۔ اس کی پیروی اور اطاعت عام طور سے امیر اور معزز لوگ کر رہے ہیں یا غریب اور کمزور اشخاص؟

ابوسفیان:۔ عام طور پر غریب۔ کمزور اور غلام ہی اس کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ بڑے آدمی اور سرداران قوم عام طور پر اس کے مخالف ہیں۔

ہرقل:۔ اس کے پیرو اور مرید برابر بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟

ابوسفیان:۔ برابر بڑھ ہی رہے ہیں۔

ہرقل:۔ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناپسند کر کے واپس بھی لوٹ جاتا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں حضور! لوٹنا کیسے ہے؟ جو بھی اس کے دین میں داخل ہو جاتا ہے اس پر ایسا نشہ طاری ہوتا ہے کہ پھر وہ نشہ اترتا ہی نہیں۔

ہرقل:۔ اچھا وہ شخص تو تم ہی میں بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا ہے۔ کیا دعویٰ کرنے سے پہلے اس

نے کبھی تم میں سے کسی سے کوئی جھوٹی بات کہی ہے؟ یا تم میں سے کسی نے کبھی محسوس کیا ہے کہ اس نے کسی معاملے میں کسی سے کوئی جھوٹ بولا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں دعوے سے پہلے اس نے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ ہمیں اچھی طرح علم ہے۔

ہرقل:۔ کیا اس مدعی نبوت نے کبھی وعدہ خلافی بھی کی ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں اب تک تو کبھی نہیں کی۔ مگر آج کل ہمارا اور اس کا معاہدہ ہو رہا ہے (عہد نامہ حدیبیہ سے مطلب تھا) نہ معلوم اس مرتبہ وہ اپنے کیے ہوئے معاہدے کو پورا کرے گا یا نہیں؟ (ابوسفیان کہتا ہے کہ اس تمام گفتگو میں جو میری قیصر روم کے ساتھ ہوئی مجھے اس جملہ کے سوا اور کوئی بات ایسی نہیں ملی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں داخل کر کے بیان کر دیتا)

ہرقل:۔ کیا تمہاری اس کے ساتھ کبھی کوئی جنگ بھی ہوئی؟

ابوسفیان:۔ جی ہاں کئی مرتبہ ہماری اس کے ساتھ معرکہ آرائیاں ہو چکی ہیں۔

ہرقل:۔ پھر ان جنگوں کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ ہمارے اور اس کے درمیان لڑائی کی حالت ڈول کی طرح رہی جو کبھی اوپر آ جاتا ہے اور کبھی نیچے پانی میں چلا جاتا ہے۔ یعنی لڑائی ہونے کی حالت میں کبھی اسے فتح حاصل ہوتی ہے کبھی ہمیں (ابوسفیان کا اشارہ بدر اور احد کی لڑائیوں کی طرف تھا)

ہرقل:۔ اچھا وہ مدعی نبوت تمہیں کن باتوں سے منع کرتا ہے؟ اور کن باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ مجھ سے بیان کرو؟

ابوسفیان:۔ اس کے عقائد اور احکام بڑے عجیب ہیں۔ کہتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو معبود نہ سمجھو اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تمہارے باپ دادا نرے جاہل تھے۔ ان کی پیروی نہ کرو۔ نیز کہتا ہے کہ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پرہیزگاری اختیار کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ رحم اور مروّت سے پیش آؤ۔

اس طویل مذہبی گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان سے کہا کہ وہ ابوسفیان کو بتادے کہ میری غرض ان سوالوں سے کیا تھی؟ اور اس کے جوابوں کا میرے دل پر کیا اثر ہوا؟

(۱) سب سے پہلے میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا۔ تو تم نے بیان کیا کہ وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ نہایت اعلیٰ حسب اور نسب کا مالک ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اس وقت تک جتنے پیغمبر اور رسول دنیا میں آئے ہیں سب کے سب ہی اپنی قوم میں عالی نسب ہوئے ہیں تاکہ کسی شخص کو ان کی پیروی سے عار اور نابعداری میں تامل نہ ہو۔

(۲) پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تمھارے بڑوں میں سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ؟ تم نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ تمھارے اس جواب سے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان کے خاندان میں پہلے بھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ یہ بھی اپنے سے پہلے شخص کی تقلید کر کے اس ذریعے سے عزت اور شہرت حاصل کرنی چاہتا ہے۔

(۳) پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کبھی تم نے نبوت کے دعوے سے پہلے اسے جھوٹ بولتے سنا یا دیکھا؟ تم نے اقرار کیا کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بھلا غور تو کرو کہ جو آدمی بندوں کے ساتھ کبھی جھوٹا معاملہ نہ کرے۔ وہ شخص خدا پر کس طرح بہتان باندھے گا اور کس طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔

(۴) پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا اس کے آباواجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے ؟ تم نے جواب دیا "نہیں"۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ یہ بھی اپنے باپ دادا کی بادشاہت حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ اور نبوت کے ذریعہ سے یہ مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۵) پھر میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا بڑے آدمی اس کی پیروی کر رہے ہیں یا چھوٹے آدمی؟ تم نے جواب دیا کہ نہیں چھوٹے آدمی ہی عام طور پر اسے مان رہے ہیں۔ تو واقعی بات یہ ہے کہ پیغمبروں کے تابع اور پیرو ابتدا میں چھوٹے اور معمولی لوگ ہی ہوتے ہیں۔ الٰہی سنت یہی ہے۔

(۶) جب میں نے تم سے پوچھا کہ اس مدعی کے پیرو یوماً فیوماً زیادہ ہوتے جاتے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تو تم نے جواب دیا کہ نہیں زیادہ ہو رہے ہیں۔ تو پیغمبروں کا طریقہ شروع سے یہی چلا آیا ہے کہ ان کے پیرو آہستہ آہستہ بڑھتے رہتے ہیں گھٹتے نہیں۔

(۷) میں نے تم سے یہ بات بھی دریافت کی تھی کہ کوئی اس کے دین میں داخل ہو کر پھر اس سے مرتد بھی ہو جاتا ہے ؟ تم نے کہا تھا "نہیں"۔ تو بات یہ ہے کہ جب ایمان و یقین انسان کے دل میں پختہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی شخص پیچھے دین سے نہیں ہٹتا۔ ایمان کی حلاوت جب دل میں گھر کر جائے تو پھر ہرگز نکلتی نہیں۔

(۸) اس کے بعد میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ کبھی وعدہ خلافی بھی کرتا ہے ؟ تم نے کہا تھا کہ نہیں۔ یہی سچے نبی کی علامت ہے کہ نہ وہ کبھی وعدہ خلافی کرتا ہے۔ نہ اپنے عہد کو توڑتا ہے۔

(۹) تم نے میرے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ کبھی لڑائی میں اسے فتح حاصل ہوتی ہے کبھی نہیں۔ تو بالکل یہی حال خدا کے رسول کا ہوا کرتا ہے۔ کبھی اسے غلبہ ہوتا ہے کبھی اس کی قوم کو۔ مگر یہ یقینی ہے کہ آخر کار رسول ہی غالب اور منصور رہتا ہے۔ اور اس کے دشمن اور مخالف آخر کار ذلیل اور مقہور ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) تم نے جو یہ بتایا ہے کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا اور کن امور سے روکتا ہے۔ تو اگر وہ باتیں جو تم نے اس کے متعلق بتائی ہیں

بیچ میں تو بہت جلد وہ وقت آتا ہے جب وہ اور اس کے متبع اس تمام علاقے کے مالک ہو جائیں گے جہاں اس وقت میرا تخت بچھا ہوا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے ابوسفیان سے کہا "مجھے صحف قدیمہ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ عنقریب کسی نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ لیکن مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ وہ عرب میں ہو گا۔ جتنی باتیں تم نے اس نبی کے متعلق بتائی ہیں ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں۔ کاش! مجھے اتنی توفیق ہوتی کہ میں ان کے پاس پہنچ سکتا۔ اگر میں وہاں پہنچ جاؤں تو ان کے قدموں کو دھو دھو کر پیوں"۔

اس تمام گفتگو اور سوال و جواب کے بعد قیصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ گورنر بصریٰ کی معرفت قیصر کو بھیجا تھا اور بصرہ کے گورنر نے وہ خط بادشاہ کو بھیج دیا تھا۔ خط کا اصل مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم۔ سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

(ترجمہ) میں اس اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے۔ یہ خط خدا کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے امیر روم ہرقل کے نام بھیجا جا رہا ہے۔ اس شخص پر سلام! جو ہدایت کی پیروی کرے اور نیک راستہ پر چلے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو سراسر سچائی اور نور ہے پس مسلمان ہو کر اس نور اور ہدایت کو قبول کر۔ اگر تو نے میری دعوت کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تجھے دوہرا ثواب عطا فرمائے گا (تیرے اسلام لانے کا اور تیری رعایا کے مسلمان ہونے کا) لیکن اگر تو نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو تو اپنا بھی ذمہ دار ہو گا اور تیری رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ بھی تیری گردن پر ہو گا[1]۔ خدا نے اپنے فضل سے تم لوگوں کو آسمانی کتاب (توریت) مرحمت کی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور مجھے بھی خدا نے آسمانی صحیفہ (قرآن) عطا فرمایا ہے۔ پس آؤ ہم دونوں گروہ ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم دونوں میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم دونوں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا پرورش کنندہ اور حاجت روا سمجھے۔ پس اگر اہل کتاب اس امر پر ہم سے متفق نہ ہوں تو ان سے کہہ دو کہ ہم تو بہر حال خدا کے تابعدار اور فرمانبردار ہیں"۔

یہ خط قیصر نے عمداً تمام دربار کے سامنے جبکہ سلطنت کے تمام بڑے بڑے رؤسا۔ امراء اور عمائد اور پادری حاضر

---

[1] اس فقرے سے واضح ہوتا ہے کہ تبلیغی خط صرف قیصر کے نام نہ تھا بلکہ اس کے ذریعے سے قیصر کی ساری رعایا کو بھی اسلام کی طرف بلایا گیا تھا۔

تھے نہایت بلند آواز سے پڑھوایا اور پھر ترجمان کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ بھی اپنی زبان میں حاضرین دربار کو سنائے۔ اس کارروائی سے قیصر کا مطلب یہ تھا۔ کہ معلوم کرے کہ رعایا نے اس تبلیغی خط کا کیا اثر قبول کیا؟ یہ بات اسے فوراً ہی معلوم ہو گئی جبکہ خط کے مضمون سے مطلع ہوتے ہی دربار میں ایک شور پڑ گیا۔ مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام درباریوں نے شاہی آداب کا لحاظ کیے بغیر زور زور سے بولنا شروع کیا۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ میں اور میرے ساتھی کچھ بھی نہ سمجھے کہ درباری کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر ہاں اس شور و غوغا کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ قیصر نے حکم دیا کہ میں اور میرے تمام ساتھی دربار سے نکال دیے جائیں۔ چنانچہ ہم سب کو سرکاری آدمی فوراً باہر لے گئے اور پھر کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ اندر کیا ہوا؟ اور کس طرح قیصر نے اس ہنگامہ کا خاتمہ کیا جو خط کے پڑھے جانے کی وجہ سے اس کے دربار میں برپا ہو گیا تھا۔

ابوسفیان بیان کرتا ہے کہ باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے بہت تعجب اور حیرت کے ساتھ کہا کہ "اب تو ابن ابی کبشہ[1] کا کاروبار اتنا بڑھ گیا ہے کہ بنی اصفر (روم کا بادشاہ) بھی اس سے ڈرنے اور خوف کھانے لگا ہے"۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ "اس واقعے کے بعد مجھے برابر اس امر کا یقین ہوتا چلا گیا کہ محمدؐ اپنے تبلیغی اور اشاعتی کام میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ میں نے اسلام کو قبول کیا"[2]۔

فتح الباری اور زرقانی کے مطالعے سے اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ دربار عام میں پڑھے جانے سے قبل یہ خط قیصر نے اپنی ایک پرائیویٹ مجلس میں بھی دیکھا تھا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب والیٔ غسان نے آنحضورؐ کا نامہ مبارک قیصر کو بیت المقدس بھیجا تو اپنے قاصد کے ساتھ حضرت دحیہ کلبی کو بھی روانہ کیا۔ ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے قیام کا انتظام تو ایک سرکاری مہمان کے طور پر کر دیا اور خط کو اپنے چند خاص الخاص عزیزوں اور معتمد مصاحبوں کی ایک خاص مجلس میں کھول کر اپنے بھائی یا بھتیجے کو دیا کہ پڑھ کر سنائے۔ وہ شخص حکومت کے نشہ میں پوری طرح سرشار تھا۔ خط کے شروع کی عبارت کو دیکھتے ہی جھلا اٹھا اور کہنے لگا کہ نہ یہ خط اس قابل ہے کہ اسے پڑھا جائے اور نہ اس قابل ہے کہ اس پر توجہ دی جائے۔ اس خط کا لکھنے والا سخت جاہل۔ وحشی۔ بے ادب اور گستاخ ہے۔ اس کی گستاخی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ خط کی ابتدا ہی میں حضور کے اسم گرامی سے پہلے اپنا نام لکھا ہے۔ اور پھر مزید بے ادبی یہ کہ آپ کو بجائے شہنشاہ عالم اور قیصر لکھنے کے صرف "عظیم الروم" کے خطاب سے ملقب کیا ہے۔ (عظیم الروم کے معنی ہیں "سلطنت روما کا بڑا آدمی") اس لیے آپ اس خط کو نہ پڑھیں اور واپس کر دیں۔

مگر قیصر نے اس کے غیظ و غضب کی کچھ پروا نہ کی اور کہنے لگا۔ "یہ معمولی باتیں ہیں ان کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیے۔ یہ خط اس شخص نے اپنے یہاں کے رواج کے موافق لکھا ہے۔ پھر ہم اس پر کیوں اعتراض کریں۔ علاوہ ازیں یہ بات مروت اور اخلاق

---

[1] کفار قریش نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عجیب و غریب تحقیری نام رکھ چھوڑے تھے۔ انہی میں سے ایک ابن ابی کبشہ بھی تھا۔ [2] یہ تمام حالات ہم نے صحیح بخاری جلد اول باب کیف کان بدء الوحی سے لیے ہیں۔

سے بعید ہے کہ ایک مدعی نبوت مجھے خاص طور پر خط بھجوائے اور میں اسے پڑھے بغیر واپس کر دوں" پھر ہرقل نے خط پڑھا اور پڑھنے کے بعد بہت سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس خط کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے دربار عام میں سب کے سامنے دوبارہ پڑھوا کر سنا جائے۔ چنانچہ قیصر نے مجمع عام کے سامنے وہ خط پڑھوایا۔ جس پر رومی سلطنت کے امراء اور رؤسا اور پادری نہایت برہم ہوئے۔ ان لوگوں کی طاقت دربار میں اتنی زبردست تھی کہ ہرقل ان کے سامنے بے بس رہا۔ اگرچہ خود اس کا اپنا دل اسلام کی طرف مائل تھا۔ ؎

مگر باوجود اپنی سیاسی مجبوری اور بے بسی کے اس نے ایک مرتبہ اور اس امر کی کوشش کی کہ اعیان دولت اور امرائے سلطنت کو سمجھائے اور ان کو اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دے۔ کیونکہ اگر امراء اور رؤسا نے اسلام کو قبول کر لیا تو عوام خود بخود ہی رام ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے بیت المقدس سے حمص پہنچ کر (جہاں ونوں قیصر کی ایشیائی مقبوضات کا دار السلطنت تھا) شاہی محل میں سلطنت کے تمام معزز رؤسا اور امراء کو جمع کیا۔ اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو اپنی آئندہ بہبودی منظور ہے اور تم چاہتے ہو کہ تباہی سے بچ کر امن و عافیت اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرو۔ اور تمہیں کوئی تکلیف اور دکھ نہ پہنچے۔ تم بھی محفوظ رہو اور تمہارا ملک بھی محفوظ رہے تو میں تمہیں نہایت مخلصانہ طور پر اس امر کی تحریک کرتا ہوں کہ تم سب اس نبی اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ جو عرب میں پیدا ہوا ہے۔ وہ تمام اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ تمام بُری باتوں سے روکتا ہے۔ خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے شرک کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر تم لوگ اس نبی پر ایمان لے آؤ گے تو خود بھی فائدہ میں رہو گے اور تمہارا ملک بھی تمہارے ہی پاس رہے گا۔ انکار کرو گے تو خود بھی تباہ ہو گے اور تمہارا ملک بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اسلام کا یہ پیغام اپنے شہنشاہ کی زبان سے سن کر مارے غصے اور طیش کے عیسائی اعیان دولت اور امرائے سلطنت اپنے آپے میں نہیں رہے۔ سب سے زیادہ جوش پادریوں کو آیا کہ خود شہنشاہ جس کو عیسائیت کا حامی اور سرپرست ہونا چاہیئے تھا وہ اس معزز مجمع کے سامنے صاف طور پر اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے۔ پس قیصر کی تقریر ختم ہوتے ہی وہ سب لوگ چیخنے لگے اور سب کے سب اٹھ کر باہر جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہ نظارہ دیکھ کر دنیا کی حرص و طمع قیصر پر غالب آ گئی۔ اس نے فوراً ان لوگوں کو آواز دی کہ واپس آؤ اور میری ایک بات سنو۔ لوگ واپس مڑے تو اس نے کہا" مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ تم لوگ اپنے دین و ایمان پر نہایت پختہ ہو اور کوئی لالچ یا طمع تم کو تمہارے مذہب سے پھیر نہیں سکتی میں نے اس وقت اپنی تقریر کے ذریعے تمہارے استقلال اور مذہبی محبت کا امتحان لیا تھا اور یسوع مسیح کی برکت سے تم اس امتحان میں پورے طور پر کامیاب رہے۔ پس میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اب تم نہایت شوق سے جا سکتے ہو۔

شہنشاہ کے منہ سے یہ جملے سن کر تمام درباری اس سے خوش ہو گئے اور فوراً اظہار اطاعت کے لیے اس کے

تھے نہایت بلند آواز سے پڑھوایا اور پھر ترجمان کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ بھی اپنی زبان میں حاضرین دربار کو سنا دے۔ اس کارروائی سے قیصر کا مطلب یہ تھا۔ کہ معلوم کرے کہ رعایا نے اس تبلیغی خط کا کیا اثر قبول کیا؟ یہ بات اسے فوراً ہی معلوم ہو گئی جبکہ خط کے مضمون سے مطلع ہوتے ہی دربار میں ایک شور پڑ گیا۔ مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام درباریوں نے شاہی آداب کا لحاظ کیے بغیر زور زور سے بولنا شروع کیا۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ میں اور میرے ساتھی کچھ بھی نہ سمجھے کہ درباری کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر ہاں اس شور و غوغا کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ قیصر نے حکم دیا کہ میں اور میرے تمام ساتھی دربار سے نکال دیے جائیں۔ چنانچہ ہم سب کو سرکاری آدمی فوراً باہر لے گئے اور پھر کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ اندر کیا ہوا؟ اور کس طرح قیصر نے اس ہنگامہ کا خاتمہ کیا جو خط کے پڑھے جانے کی وجہ سے اس کے دربار میں برپا ہو گیا تھا۔

ابوسفیان بیان کرتا ہے کہ باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے بہت تعجب اور حیرت کے ساتھ کہا کہ "اب تو ابن ابی کبشہ[1] کا کاروبار اتنا بڑھ گیا ہے کہ بنی اصفر (روم کا بادشاہ) بھی اس سے ڈرنے اور خوف کھانے لگا ہے"

ابوسفیان کہتا ہے کہ "اس واقعے کے بعد مجھے برابر اس امر کا یقین ہوتا چلا گیا کہ محمدؐ اپنے تبلیغی اور اشاعتی کام میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ میں نے اسلام کو قبول کیا"[2]

فتح الباری اور زرقانی کے مطالعے سے اس حقیقت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ دربار عام میں پڑھے جانے سے قبل یہ خط قیصر نے اپنی ایک پرائیویٹ مجلس میں بھی دیکھا تھا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب والیٔ غسان نے آنحضورؐ کا نامہ مبارک قیصر کو بیت المقدس بھیجا تو اپنے قاصد کے ساتھ حضرت دحیہ کلبی کو بھی روانہ کیا۔ ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے قیام کا انتظام تو ایک سرکاری مہمان کے طور پر کر دیا اور خط کو اپنے چند خاص الخاص عزیزوں اور معتمد مصاحبوں کی ایک خاص مجلس میں کھول کر اپنے بھائی یا بھتیجے کو دیا کہ پڑھ کر سنا دے۔ وہ شخص حکومت کے نشہ میں پوری طرح سرشار تھا خط کے شروع کی عبارت کو دیکھتے ہی جھلا اٹھا اور کہنے لگا کہ نہ یہ خط اس قابل ہے کہ اسے پڑھا جائے اور نہ اس قابل ہے کہ اس پر توجہ دی جائے۔ اس خط کا لکھنے والا سخت جاہل۔ وحشی۔ بے ادب اور گستاخ ہے۔ اس کی گستاخی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ خط کی ابتدا ہی میں حضور کے اسم گرامی سے پہلے اپنا نام لکھا ہے۔ اور پھر مزید بے ادبی یہ کہ آپ کو بجائے شہنشاہ عالم اور قیصر لکھنے کے صرف "عظیم الروم" کے خطاب سے ملقب کیا ہے۔ "عظیم الروم" کے معنی ہیں "سلطنت روما کا بڑا آدمی") اس لیے آپ اس خط کو نہ پڑھیں اور واپس کر دیں۔

مگر قیصر نے اس کے غیظ و غضب کی کچھ پروا نہ کی اور کہنے لگا "یہ معمولی باتیں ہیں ان کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیے۔ یہ خط اس شخص نے اپنے ہاں کے رواج کے موافق لکھا ہے۔ پھر ہم اس پر کیوں اعتراض کریں۔ علاوہ ازیں یہ بات مروت اور اخلاق

---

[1] کفار قریش نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عجیب و غریب تحقیری نام رکھ چھوڑے تھے۔ انہی میں سے ایک ابن ابی کبشہ بھی تھا۔ [2] یہ تمام حالات ہم نے صحیح بخاری جلد اول باب کیف کان بدءُ الوحی سے لیے ہیں۔

بے بعید ہے کہ ایک مدعی نبوت مجھے خاص طور پر خط بھجوائے اور میں اسے پڑھے بغیر واپس کر دوں" پھر ہرقل نے خط پڑھا اور پڑھنے کے بعد بہت سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ اس خط کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے دربار عام میں سب کے سامنے دوبارہ پڑھوا کر سنا جائے۔ چنانچہ قیصر نے مجمع عام کے سامنے وہ خط پڑھوایا۔ جس پر رومی سلطنت کے امراء اور رؤسا اور پادری نہایت برہم ہوئے۔ ان لوگوں کی طاقت دربار میں اتنی زبردست تھی کہ ہرقل ان کے سامنے بے بس رہا۔ اگرچہ خود اس کا اپنا دل اسلام کی طرف مائل تھا۔ ؎

مگر باوجود اپنی سیاسی مجبوری اور بے بسی کے اس نے ایک مرتبہ اور اس امر کی کوشش کی کہ اعیانِ دولت اور امرائے سلطنت کو سمجھائے اور ان کو اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دے۔ کیونکہ اگر امراء اور رؤسا نے اسلام کو قبول کر لیا تو عوام خود بخود ہی رام ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے بیت المقدس سے حمص پہنچ کر (جو ان دنوں قیصر کی ایشیائی مقبوضات کا دارالسلطنت تھا) شاہی محل میں سلطنت کے تمام معزز رؤسا اور امراء کو جمع کیا۔ اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو اپنی آئندہ بہبودی منظور ہے اور تم چاہتے ہو کہ تباہی سے بچ کر امن و عافیت اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرو۔ اور تمہیں کوئی تکلیف اور دکھ نہ پہنچے۔ تم بھی محفوظ رہو اور تمہارا ملک بھی محفوظ رہے تو میں تمہیں نہایت مخلصانہ طور پر اس امر کی تحریک کرتا ہوں کہ تم سب اس نبی اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ جو عرب میں پیدا ہوا ہے۔ وہ تمام اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ تمام بُری باتوں سے روکتا ہے۔ خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے شرک کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر تم لوگ اس نبی پر ایمان لے آؤ گے تو خود بھی فائدہ میں رہو گے اور تمہارا ملک بھی تمہارے ہی پاس رہے گا۔ انکار کرو گے تو خود بھی تباہ ہو گے اور تمہارا ملک بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

اسلام کا یہ پیغام اپنے شہنشاہ کی زبان سے سن کر مارے غصے اور طیش کے عیسائی اعیانِ دولت اور امرائے سلطنت اپنے آپے میں نہیں رہے۔ سب سے زیادہ جوش پادریوں کو آیا کہ خود شہنشاہ جس کو عیسائیت کا حامی اور سرپرست ہونا چاہیئے تھا وہ اس معزز مجمع کے سامنے صاف طور پر اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے۔ پس قیصر کی تقریر ختم ہوتے ہی وہ سب لوگ چیخنے لگے اور سب کے سب اٹھ کر باہر جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہ نظارہ دیکھ کر دنیا کی حرص و طمع قیصر پر غالب آ گئی۔ اس نے فوراً ان لوگوں کو آواز دی کہ واپس آؤ اور میری ایک بات سنو۔ لوگ واپس مڑے تو اس نے کہا " مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ تم لوگ اپنے دین و ایمان پر نہایت پختہ ہو اور کوئی لالچ یا طمع تم کو تمہارے مذہب سے پھیر نہیں سکتی ہیں نے اس وقت اپنی تقریر کے ذریعے تمہارے استقلال اور مذہبی محبت کا امتحان لیا تھا اور یسوع مسیح کی برکت سے تم اس امتحان میں پورے طور پر کامیاب رہے ہو۔ پس میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اب تم نہایت شوق سے جا سکتے ہو۔

شہنشاہ کے منہ سے یہ جملے سن کر تمام درباری اس سے خوش ہو گئے اور فوراً اظہار اطاعت کے لیے اس کے

سامنے سجدے میں گر پڑے۔ اس کے بعد ہرقل کو کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے پادریوں اور اپنے ملک کے معززین کے سامنے کبھی اسلام کی حمایت اور موافقت میں کچھ کہتا۔ اور اسی حالت میں بے نصیب اور نامراد دنیا سے اٹھ گیا۔ لیکن اس کی پیشینگوئی بڑی صفائی سے پوری ہوئی کہ تھوڑے سے ہی عرصے بعد نہ صرف بیت المقدس بلکہ تمام رومی سلطنت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس موقعے پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادر اور ہوشیار قاصد حضرت دحیہ کلبی نے جس ایمان و اخلاص۔ جرأت و بیباکی کا اعلیٰ نمونہ دکھایا سخت ناانصافی ہوگی اگر اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب دحیہ کلبی پہلی مرتبہ ہرقل قیصر روم کے سامنے پیش ہونے لگے تو ان سے خدام دربار اور سرکاری آدمیوں نے کہا کہ یہاں کا درباری دستور یہ ہے کہ جو شخص بھی شہنشاہ کے حضور میں پیش ہوتا ہے وہ سامنے پہنچ کر اعلیحضرت کو سجدہ کرتا ہے اور جب تک شہنشاہ اجازت نہ دیں وہ سجدے سے سر نہیں اٹھاتا تم چونکہ عرب کے دور دراز ملک سے آئے ہو۔ اس لیے شاید درباری آداب سے واقف نہ ہو۔ تمھاری اطلاع کے لیے ہم تمھیں بتائے دیتے ہیں کہ جب شہنشاہ کے حضور میں پہنچو تو فوراً سجدے میں گر پڑنا۔

حضرت دحیہ نے نہایت پُرزور اور نہایت پُراعتماد الفاظ میں جواب دیا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہیں ہوگا مسلمانوں کی گردن سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھک سکتی۔ ہمارے نبی نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے اور ہم اس مقدس تعلیم پر پورے طور سے عامل ہیں۔ اس حالت میں قیصر کے سامنے سجدہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں کبھی اسے سجدہ نہیں کر سکتا اور نہیں کروں گا خواہ تم مجھے شہنشاہ کے سامنے پیش کرو خواہ نہ کرو۔

اس ایمانی جرأت کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر نے انھیں خود ہی اپنے سامنے طلب کیا اور ان کے سجدہ نہ کرنے پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کیا بلکہ ان کے آرام و آسائش اور قیام کا معقول انتظام کر دیا۔

اگرچہ ہرقل ایمان نہیں لایا۔ مگر اس باب میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ باوجود مسلمان نہ ہونے کے اس کے دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا عزت۔ وقعت اور عظمت تھی۔ اس دعوے کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کے اس نامۂ مبارک کو نہایت حفاظت اور احتیاط کے ساتھ بطور تبرک اپنے خزانے میں رکھا اور ایک قیمتی اور متبرک یادگار کے طور پر اپنے پیچھے آنے والے قیاصرہ کے لیے چھوڑ گیا۔ چنانچہ یہ مقدس تحفہ کئی صدیوں تک قسطنطنیہ کے شاہی خزانہ میں محفوظ رکھا۔ جب شاہ فلاون کا سفیر قیصر روم کے پاس قسطنطنیہ گیا تو اس نے سفیر کو دکھانے کے لیے شاہی خزانے سے ایک طلائی ڈبیہ منگوائی اور اس میں ریشمی رومال میں لپٹا ہوا یہی خط رکھا تھا۔[۱] قیصر نے کہا کہ یہ تاریخی خط تمھارے رسول محمدؐ نے ہمارے ایک بزرگ ہرقل کو تبلیغی طور پر لکھا تھا۔ جو ہم نے آج تک بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے خزانے میں رکھا ہوا ہے۔

---

[۱] کتاب الاحوال بحوالہ زرقانی جلد ۳ صفحات ۳۳۹ و ۳۴۴۔

۲۔ خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

خسرو پرویز نوشیرواں کا پوتا اور ہرمز کا لڑکا ایران کا نہایت باعظمت اور پُرشوکت بادشاہ تھا۔ جس طرح روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر تھا اسی طرح ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے۔ شان و شوکت اور جاہ و جلال میں دنیا کا کوئی بادشاہ اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا یہ آتش پرست تھا اور اس کی تمام رعایا کا بھی یہی مذہب تھا۔

قیصر کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے پاس تبلیغی خط حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ بھجوایا اور دحیہ کلبی کی طرح انھیں بھی تاکید کردی کہ پہلے یہ خط والی بحرین کے پاس لے جائیں (جو ایران کا تابع تھا) اور اس سے کہیں کہ اسے شہنشاہ ایران تک پہنچا دے۔ چنانچہ والی بحرین نے اپنے ایک معتمد خاص کے ہاتھ حضرت عبداللہ اور حضور علیہ السلام کے نامۂ مبارک کو خسرو پرویز کے پاس بھجوا دیا۔

جو خط حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ ایران کو لکھا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدیٰ و امن باللہ ورسولہ وشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ ادعوک بدعایۃ اللہ فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان تولیت فعلیک اثم المجوس[1]

(ترجمہ) میں اس خط کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی رحیم اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے کسریٰ والیٔ ایران کی جانب۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا اور اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے رئیس فارس! میں تجھے خدا کے قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام دنیا کے انسانوں کی طرف خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ میں ہر زندہ انسان کو ہوشیار کردوں۔ جو شخص میرا انکار کرے گا۔ خدا کا فیصلہ اس پر واجب ہوجائے گا۔ اے فارس کے رئیس! اسلام قبول کر۔ کیونکہ آج تیرے لیے صرف یہی سلامتی کی راہ ہے۔ لیکن اگر تو نے روگردانی اختیار کی اور صداقت کا انکار کیا تو اپنے گناہ کے علاوہ تیری تمام مجوسی رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا وبال بھی تیری گردن پر ہوگا۔

فارس کا دارالسلطنت اس وقت مدائن تھا۔ گورنر بحرین منذر بن ساوی نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے ساتھ وہیں بھجوا دیا۔

---

[1] تاریخ خمیس وزرقانی۔ اور سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۲۴۰۔ نیز تاریخ طبری و ابن اثیر

جب حضرت عبداللہ بن حذافہ کسریٰ کے دربار میں پیش ہوئے اور آپؓ نے اسے آنحضرتؐ کا خط دیا تو خط پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ اپنے آپ کو اپنی شان و شوکت، جاہ و منزلت اور قوت و طاقت کے پیش نظر عام انسانوں سے بہت بلند اور بڑی اعلیٰ شان کا مالک سمجھتا تھا اور اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑے سے بڑا آدمی ہو اپنا نام شہنشاہ کے نام سے پہلے لکھ سکتا ہے۔ یہ بات بھی اس کے خیال میں نہیں آسکتی تھی کہ کسی انسان میں کس طرح اس بات کی جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ کسریٰ ایران کو اپنے خط میں اس دلیری اور بے باکی کے ساتھ مخاطب کرے۔ اس خط میں دونوں باتیں موجود تھیں۔ پھر کسریٰ کے غصہ کا پارہ تیز کیوں نہ ہوتا۔ اس نے طیش میں آکر فوراً خط کو چاک کر دیا اور ریزہ ریزہ کر کے زمین پر پھینک دیا اور نہایت پُر غضب آواز میں کہنے لگا "ہمارا غلام ہو کر اس شخص کو اتنی جرأت ہوئی کہ ہمیں اس معمولی انداز میں اور اس ہتک آمیز طریقہ پر مخاطب کرتا ہے[۱]"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو حضور نے بددعا کے طور پر فرمایا اَنْ یُّمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ[۲] وہ بالکل پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں!

اس وقت بحرین کے علاوہ یمن بھی ایران کے ماتحت تھا۔ خط پھاڑنے کے بعد خسرو پرویز نے اپنے یمن کے عامل کو لکھا کہ تم دو مضبوط اور بہادر آدمیوں کو فوراً حجاز بھیجو۔ جو اس مدعی نبوت کو گرفتار کر کے لے آئیں اور میرے حضور میں پیش کریں۔ تاکہ اس کو اس گستاخی اور بے ادبی کی قرار واقعی سزا دی جائے۔

باذان حاکم یمن نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں اپنے میر منشی بالویہ[۳] اور ایک دوسرے شخص کو جس کا نام خرخسرہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط دے کر مدینہ بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمھیں شہنشاہ ایران نے طلب فرمایا ہے تم فوراً ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چلے آؤ جن کو میں اسی غرض سے بھیج رہا ہوں۔ تامل یا توقف ہرگز نہ کرنا ورنہ تمھارے حق میں بُرا ہوگا۔

جب یہ دونوں یمن سے چل کر طائف میں آئے۔ تو مقام نخب میں ان کو قریش کے چند آدمی ملے جن سے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ پوچھا۔ انھوں نے کہا "وہ تو مدینہ میں رہتے ہیں مگر آپ انھیں کیوں پوچھتے ہیں؟ اور آپ لوگوں کو ان سے کیا کام ہے؟"

ان دونوں نے کہا کہ "ہمیں تو ان سے کچھ کام نہیں مگر انھوں نے نہایت بے ادبی کے ساتھ شہنشاہ کسریٰ کو ایک خط لکھنے کی جرأت کی جسے دیکھ کر اعلیٰحضرت کو نہایت غصہ آیا اور انھوں نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا ہے۔ ہم اسی حکم کی تعمیل کے لیے یہاں آئے ہیں"

---

[۱] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۹۲ [۲] تجرید بخاری۔ کتاب العلم صفحہ ۳۴ [۳] بعض تاریخوں میں اس کا نام بانویہ لکھا ہوا ہے ہم نے طبری کی اتباع میں یہ نام بالویہ تحریر کیا ہے۔

قریش ایرانیوں کو دیکھ کر اور ان کے آنے کی غرض معلوم کر کے بڑے خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے بس اب محمدؐ کا خاتمہ ہو جائے گا شہنشاہ ایران کے ساتھ گستاخی کر کے وہ کسی صورت سے بھی سلامت نہیں رہ سکتا۔ شہنشاہ اس کو اور اس کے متبعین کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں محمد اور اس کے ساتھیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔[1]

طائف سے والی بحرین کے دونوں فرستادے مدینہ منورہ پہنچے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر والی بحرین کا خط پیش کیا اور زبانی بالویہ نے کہا، بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہ اعظم کسریٰ نے بحرین کے حاکم کو حکم بھیجا ہے کہ آپ کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے پس ہم اس حکم کی تعمیل کے لیے آئے ہیں۔ آپ ہمارے ہمراہ شہنشاہ کے پاس چلے چلیں۔ اگر آپ فوراً خوشی کے ساتھ چلیں گے تو باذان آپ کی سفارش شہنشاہ کو لکھ دیں گے کہ ان کو معافی دے دی جائے لیکن اگر آپ نے انکار کیا اور چلنے میں حیل حجت کی اور شہنشاہ کے حکم سے سرتابی کی تو شہنشاہ کے جاہ و جلال سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو غارت کر دے گا۔ اور آپ کے تمام ملک کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ اسی لیے آپ کے واسطے بہتر یہی ہے کہ آپ بلا تامل اور بلا چون و چرا ہمارے ساتھ چلے چلیں اور شہنشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔[1]

باذان کا خط اور پیغام پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور دونوں آدمیوں سے فرمایا آپ صاحبان آج آرام کریں۔ انشاء اللہ کل آپ کو جواب دیا جائے گا۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان دونوں مہمانوں کے قیام کا انتظام کر دو۔

جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے دونوں اشخاص کو طلب فرمایا اور ان سے کہا: ابلغا صاحبکما ان ربی قتل ربہ فی ھذہ اللیلۃ (اپنے آقا (والی یمن) سے جا کر کہہ دو کہ میرے رب (یعنی خدائے ذوالجلال) نے اس کے رب (یعنی کسریٰ) کو آج رات قتل کر ڈالا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر دونوں قاصدوں نے کہا کہ "جو کچھ آپ فرما رہے ہیں۔ اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہے۔ کیا ہم یہ بات باذان سے جا کر کہہ دیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہاں بے شک والی یمن سے جا کر جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کہہ دو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت پر پھیل جائے گی۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو ملک کا جو حصہ اس وقت تمہارے زیر حکومت ہے اور ابناء کی جو ریاست تم کو حاصل ہے وہ بدستور تمہارے پاس رہے گی۔"

جب دونوں آدمیوں نے واپس یمن جا کر باذان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا تو باذان بڑا حیران ہوا۔ اور کہنے لگا "اگر یہ معاملہ اسی طرح واقع ہوا جس طرح محمدؐ نے کہا ہے تو پھر ان کے نبی ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ بہر حال ہم

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص ۱۹۳

انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمدان سے کیا خبر آتی ہے؟[1]

باذان کو زیادہ عرصہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ کچھ دنوں بعد ہی اس کے پاس خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ کا ایک فرمان پہنچا جس میں لکھا تھا کہ میں نے ملکی بہتری کے پیش نظر مجبور ہو کر اپنے باپ کو جس کا رویہ رعایا کے ساتھ نہایت ظالمانہ تھا۔ اور جس نے اپنے ملک کے اکثر شرفا اور امراء کو قتل اور سنگسار کرا دیا تھا۔ مروا ڈالا۔ اور اس طرح میں نے اس سے اس ظلم و جور کا انتقام لے لیا جو وہ بے گناہ رعایا پر اب تک کرتا رہا۔ اب میں اس کی بجائے ایران کے تخت کا مالک ہوا ہوں پس میرا یہ فرمان پہنچتے ہی اپنے علاقے کے تمام لوگوں سے میری اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار لو۔ ایک ضروری بات تمہیں اور لکھنی ہے۔ وہ یہ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ نے عرب کے ایک شخص کی گرفتاری کا حکم تمہیں بھیجا تھا۔ لیکن تم اب اسے منسوخ سمجھو۔ اور جب تک میں تمہیں اپنا دوسرا حکم نہ بھیجوں۔ اس شخص کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو۔

شیرویہ کا یہ فرمان پا کر باذان گورنر یمن کو بڑی حیرانی ہوئی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ "محمدؐ کی بات سچ نکلی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور خدا کے رسول ہیں۔ اور میں ان پر ایمان لایا" اس کے بعد اس نے فوراً بیعت کا خط لکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ طبری کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ یمن کے بہت سے امیر زادے بھی مسلمان ہو گئے۔[2]

باذان کا انتقال آنحضرت کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے کو حضور نے صنعا اور اس کے مضافات کی حکومت مرحمت فرمائی۔ یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف آدمیوں کو وہاں کی حکومت تفویض کی۔[3]

بعض مؤرخین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبلیغی خط کسریٰ کی طرف بھیجا تھا وہ خسرو پرویز کو لکھا تھا یا اس کے بیٹے شیرویہ کو؟ اس معاملے میں جہاں تک میں نے تلاش کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ خط خسرو پرویز ہی کو بھیجا گیا تھا۔ اس کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ مسلمہ امر ہے کہ خسرو پرویز۔ نوشیرواں کا پوتا اور ہرمز کا بیٹا تھا (تاریخ اسلام جلد اول ذاکر حسین صفحہ ۲۹۱) اور طبری نے صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ خط "ابن ہرمز" کو بھیجا گیا تھا (تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۹۲) اور ظاہر ہے کہ "ابن ہرمز" سوائے خسرو پرویز کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۲) ہمارے زمانے کے تمام مصر اور (متحدہ) ہندوستان کے علماء کی تحقیق بھی یہی ہے (دیکھو حیات محمدؐ از ہیکل مصری صفحہ ۸۱۹ رحمت للعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری جلد اول صفحہ ۲۰۶۔ سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۴۲۹۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین جلد دوم صفحہ ۱۱۹)

(۳) قیصر اور کسریٰ کو تبلیغی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر کے درمیانی زمانے میں بھیجے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۸۷۱) صلح حدیبیہ ذی قعدہ سنہ ۶ ہجری میں ہوئی اور جنگ خیبر ماہ محرم سنہ ۷ ہجری میں

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۹۳۔ [2] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۳۹۴ [3] ابوبکر صدیق اکبر مؤلفہ محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۲۹۔

(رحمت للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۵۶) ۷ھ ہجری (مطابق ۶۲۸ء) میں تخت ایران پر خسرو پرویز متمکن تھا۔ جس نے ۵۹۱ء سے ۶۲۸ء تک حکومت کی اپس ثابت ہوا کہ اسی کو یہ خط بھیجا گیا تھا۔

(۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کسریٰ کے قتل ہونے کی اطلاع حاکم یمن کے آدمیوں کو دی تھی۔ وہ خسرو پرویز تھا نہ کہ شیرویہ۔ خط آنحضورؐ نے اسے پہلے لکھا تھا اور وہ قتل ہوا بعد میں۔ اس کے قتل کی تاریخ واقدی نے جمادی الاولیٰ ۷ھ ہجری کی تیرھویں شب کو چھ گھڑی رات گئے بیان کی ہے (تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۹۳) واقدی کی بیان کردہ یہ تاریخ عیسوی لحاظ سے ۱۸ ستمبر ۶۲۸ء ہوتی ہے۔ (تقویم ہجری و عیسوی صفحہ ۱) شیرویہ قتل نہیں ہوا بلکہ اپنی موت مرا (تاریخ ذاکر حسین جلد اوّل صفحہ ۲۹۳)

(۳) نجاشی شاہِ حبش کے نام

افریقہ کے ملک حبش (ابی سینیا) کا بادشاہ عیسائی تھا اور عیسائیوں کے نسطوری فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا لقب نجاشی تھا (بالکل اسی طرح جیسے روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور ایران کے ہر فرمانروا کو اس وقت کسریٰ کہتے تھے) اس کا اصلی نام مورخوں نے اصحمہ بن بحری یا مکحول بن صنصہ بتایا ہے[1]۔ یہ نہایت نیک دل۔ فیاض۔ عالی حوصلہ اور عقلمند بادشاہ تھا کہ زندگی میں دو مرتبہ مسلمانوں نے اسی کے ملک میں ہجرت کی تھی۔ اور وہاں وہ لوگ اب تک بڑے امن اور اطمینان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ نجاشی نے نہایت فراخدلی کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت تو دے دی تھی اور ان کے ساتھ نہایت احسان و مروت کے ساتھ پیش آیا تھا مگر مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ۶ھ ہجری میں دوسرے بادشاہوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلے میں نجاشی کو بھی آپ نے ایک تبلیغی خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشۃ سلم انت اما بعد فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن واشھد ان عیسی ابن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول ۔۔۔۔ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ والموالاۃ

(اس خط کا ترجمہ یہ ہے "میں اس اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو بڑا رحم والا اور نہایت مہربان ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول محمدؐ کی جانب سے بادشاہ حبش نجاشی کے نام بھیجا جا رہا ہے۔ اے بادشاہ آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ اما بعد۔ میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہی اسی کو سزاوار ہے جو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ وہ مخلوق کو امن دینے والا اور دنیا کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میں اس امر

---

[1] تاریخ اسلام ذاکر حسین جلد دوم صفحہ ۲۹ (۱) عمدۃ الکلام صفحہ ۲۹۱

کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم کو خدا نے اپنے پاک کلام کے ساتھ مبعوث کیا۔ اور وہ خدا کے اس حکم سے عالم وجود میں آئے جو اس نے مریم بتول پر نازل کیا۔ ...... اور اے بادشاہ! میں آپ کو اس خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں مجھ سے تعاون کریں اور میری پیروی کرتے ہوئے اس کلام پر ایمان لائیں جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور آپ کو اور آپ کے ذریعے سے آپ کی تمام رعایا کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے آپ کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ آپ کو صداقت کی طرف دعوت دی ہے پس میری نصیحت کو قبول فرمائیں۔ میں اس سے قبل آپ کے ہاں اپنے ابن عم جعفر کو اور ان کے ساتھ بعض دوسرے مسلمانوں کو بھجوا چکا ہوں میں اس دعا کے ساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں کہ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے[1]۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصد حضرت عمرو بن امیہ ضمری حضورؐ کا یہ خط لے کر نجاشی کے پاس آئے اور اسے یہ خط دیا تو خط پڑھنے کے بعد اس نے نامۂ مبارک کو آنکھوں سے لگایا اور منہ سے چوما اور خط کے ادب واحترام میں تخت سے اتر آیا اور باآواز بلند کہا کہ "بیشک میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور ان پر پورے طور سے ایمان لاتا ہوں[2]"

اس اعلان اور تصدیق کے بعد نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک نفیس اور قیمتی ڈبیہ منگوائی اور اس ڈبیہ میں اس نامۂ مبارک کو نہایت احتیاط سے بطور تبرک رکھ کر اسے شاہی خزانے میں بھجوا دیا تاکہ وہاں محفوظ رہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ ایک نبی کا خط ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ جتنا عرصہ یہ خط ہمارے خاندان میں محفوظ رہے گا اتنا عرصہ ہم لوگ اس کی برکت سے بلاؤں اور مصیبتوں سے امن میں رہیں گے اور اہل حبشہ برابر اس خط سے خیر اور بھلائی پاتے رہیں گے[3]۔ (یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ خط کب تک حبش کے سرکاری خزانے میں محفوظ رہا۔ اور کب تک اہل حبشہ اس سے برکت پاتے رہے؟)

حضور علیہ السلام کے نامۂ مبارک کے جواب میں نجاشی نے جو عریضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا اس کا مضمون یہ تھا:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمہ سلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الذی ھدانی للاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ فما ذکرت من امر عیسیٰ فورب السماء والارض ان عیسیٰ علیہ السلام لا یزید ما ذکرت ثفروقا وقد عرفنا ما بعثت بہ الینا فاشھد انک رسول اللہ صادقا مصدقا وقد بایعتک وبایعت ابن عمک واسلمت علی

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵ [2] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۶ [3] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۶

یدیہ للہ رب العلمین ...... والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[۱]

(یعنی میں اس خط کو اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم والا اور بڑا مہربان ہے یہ خط محمد رسول اللہ کی خدمتِ اقدس میں نجاشی اصحمہ کی جانب سے بھیجا جا رہا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ اور آپ پر اس خدا کی طرف سے برکات نازل ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ اما بعد یا رسول اللہ! آپ کا خط میرے اعزاز کا باعث ہوا۔ خدا کی قسم جو کچھ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تحریر فرمایا ہے میں ان جناب کو اس سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں سمجھتا اور جس بات کی طرف آپ نے ہمیں دعوت دی ہے۔ ہم نے اُسے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور میں سچے دل سے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ جن کے متعلق پہلے صحیفوں میں بھی خبر دی گئی ہے۔ پس میں آپ کے چچازاد بھائی جعفر کے ذریعے آپ کے ہاتھ پر خدا کی خاطر بیعت کرتا ہوں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔"

اگر ناظرین کرام اس خط میں اور ان خطوط میں جو قیصر و کسریٰ کے نام لکھے گئے غور فرمائیں گے تو آپ کو ان میں ایک بین فرق نظر آئے گا۔ قیصر و کسریٰ کو خطوط نہایت خودداری اور آزادی کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ان میں نہایت بے پروائی کے ساتھ دنیا کے ان سب سے بڑے دو شہنشاہوں کو صرف عظیم الروم اور عظیم فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے اور ان کو ہدایت قبول نہ کرنے کی صورت میں خدا کی گرفت اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ مگر برخلاف ان دونوں خطوط کے نجاشی کے نام خط بہت محبت اور نرمی کے ساتھ لکھا گیا ہے اور انذار والی کوئی بات اس میں نہیں۔ پھر نجاشی کو ملک الحبشہ (شاہ حبشہ) لکھا ہے۔ اگرچہ قیصر و کسریٰ کی شوکت و طاقت کے سامنے حبش کے بادشاہ کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر قیصر و کسریٰ کو خطوط بھیجتے وقت آپ کو یہ امید نہ تھی کہ یہ طاقت و حکومت کے نشہ میں سرتاپا مخمور فرمانروا میری توحید کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر نجاشی کی خلقی نیکی اور شرافت کے باعث حضور علیہ السلام کا دل اس یقین سے پُر تھا کہ وہ ضرور میری دعوت اور تبلیغ پر توجہ دے گا اور ایمان لے آئے گا۔ اور حضور علیہ السلام کی توقع کے مطابق ایسا ہی عمل میں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح پہلے ہی سے صداقت اور سچائی کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار تھی اور قبولِ حق کے لیے صرف ذرا سے اشارے کی دیر تھی۔ یہ اشارہ اسے حضور علیہ السلام کے خط کی شکل میں ہوا۔ اور وہ فوراً اَللّٰھم لبیک کہتا ہوا اس الٰہی پیغام پر ایمان لے آیا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنچایا۔

اس نیک دل۔ نیک نفس اور سچے مومن بادشاہ کا انتقال ۹ھ ہجری (مطابق ۶۳۰ء) میں ہوا۔ جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور اس کی مغفرت کی دعا مانگی۔

اصحمہ کے بعد جو بادشاہ حبش کے تخت پر بیٹھا اسے بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط

---

[۱] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵

بھیجا تھا مگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور مسیحی مذہب پر ہی فوت ہوا۔ اسی لیے اسلام حبشہ میں نہ پھیلا۔[1]

حبشہ میں اشاعت اسلام اس خاص وجہ سے بھی نہیں ہوئی کہ اس اوّلین احسان کی وجہ سے جو ابتدائی صحابہ کو اپنے ہاں پناہ دے کر نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام پر کیا تھا مسلمانوں نے چودہ سو برس میں ایک مرتبہ بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس کو کامل طور سے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس عرصہ میں مسلمانوں نے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کے ممالک اپنے زیر نگین کیے لیکن اس احسان کے بدلے میں سلطنت حبش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

(۴) مقوقس حاکم مصر کے نام

مقوقس عیسائی مذہب کا پیرو۔ قیصر کا ماتحت۔ اور مصر کی قبطی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا اصلی نام جریج بن مینا تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسب ذیل خط اسے بھجوایا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین۔ فان تولیت فعلیک اثم القبط۔ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون ؎

(یعنی میں اللہ کے نام سے یہ خط شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے قبطیوں کے رئیس مقوقس کے نام ہے۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد اے رئیس مصر! میں تجھ کو اس ہدایت کی طرف بلاتا ہوں جس کا نام اسلام ہے۔ پس مسلمان ہو کر میری اس ہدایت اور تبلیغ کو قبول کر کیونکہ اب صرف یہی نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر تو اسلام لے آئے گا تو تجھے اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا۔ (تیرے اسلام کا بھی اور تیری قوم کی اصلاح کا بھی) لیکن اگر تو نے روگردانی کی تو اپنے علاوہ قبطیوں کے قبول نہ کرنے کا گناہ بھی تیری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں باہم مشترک ہے۔ یعنی یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی صورت میں بھی خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا اور رب نہ گردانیں۔ پھر اگر

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۹ نیز صفحہ ۳۴۷

یہ لوگ روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم بہرحال خدا کے فرمانبردار بندے ہیں۔"

حضرت حاطب نے مصر کے دارالسلطنت اسکندریہ میں پہنچ کر یہ خط حاجب دربار کی معرفت مقوقس کی خدمت میں پیش کیا۔ خط پڑھ کر مقوقس مسکرایا اور حاطب سے کہنے لگا: "اگر محمدؐ خدا کے رسول ہیں تو انھیں چاہیئے تھا کہ خط کے ذریعے مجھے تبلیغ کرنے کی بجائے میرے خلاف اپنے خدا سے دعا کی ہوتی کہ خدا مجھے مقوقس پر مسلط کر دے؟"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے نہایت حاضر جوابی کے ساتھ الزامی طور پر فرمایا کہ اگر آپ کا یہ اعتراض درست ہے تو پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے مخالفین کے مقابلے میں ایسی ہی بددعا کیوں نہ کی؟

اس جواب کے بعد جس کا کوئی جواب مقوقس کے پاس نہیں تھا۔ حضرت حاطب نے اس سے فرمایا "بادشاہ! جو خط میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور فرمائیں۔ اس سے پہلے اسی ملک مصر میں ایک ایسا بادشاہ بھی گذر چکا ہے جو دعوٰی کرتا تھا کہ میں ہی لوگوں کا رب اور مخلوق کا معبود ہوں۔ ملک مصر میرا ہی ہے اور میں ہی اس کا مالک ہوں۔ مگر خدا نے اسے لوگوں کے دیکھتے دیکھتے دریا میں ڈبو دیا اور اس کے مددگاروں اور خدام میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکا اور وہ لوگوں کے لیے نمونۂ عبرت بن کر رہ گیا۔ پس آپ انکار میں جلدی نہ کریں جیسا کہ اس بادشاہ نے موسٰی کا انکار کیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بن جائیں۔"

مقوقس نے حضرت حاطب کی اس تنبیہ سے اب سنجیدگی کی شکل اختیار کر لی اور کہنے لگا۔ "بات یہ ہے کہ ہم بہت پہلے سے ایک مذہب پر قائم ہیں اور جب تک اس سے بہتر اور اس سے اعلٰی مذہب ہمیں نہ ملے۔ اس وقت تک ہم اپنے پہلے مذہب کو کس طرح چھوڑ دیں؟"

حضرت حاطب نے جواباً فرمایا "ہمارا یہی ایمان اور یہی یقین ہے اور اسی بات کو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ دین اسلام سے زیادہ بہتر اور اعلٰی اس وقت کوئی اور دین نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ایک حقیقت یہ ہے کہ اپنے دین کو سب سے بہتر اور اپنے پیغمبر کو سب سے اعلٰی سمجھنے کے باوجود ہم تمام گذشتہ پیغمبروں پر بھی ایمان لاتے ہیں اور انہیں خدا کا سچا نبی سمجھتے ہیں۔ ہر ایک صداقت ہمارے نزدیک ماننے کے قابل ہے اور ہر ایک سچائی قبول کرنے کے لائق۔ ہم حضرت عیسٰی کو بھی خدا کا سچا نبی مانتے ہیں اور حضرت موسٰی کو بھی۔ اے بادشاہ! واقعہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی فرمائی۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ہمارے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری دی۔ اگر آپ چاہیں تو قبول کریں۔

مقوقس نے اس بات کا معقول جواب دینے کی بجائے پھر ایک اعتراض کر دیا۔ اور کہنے لگا "اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب تمہارے نبی کو ان کے دشمنوں نے ان کے وطن سے نکالا تھا۔ تو اس وقت انھوں نے خدا سے دعا کیوں نہ کی کہ بارالٰہا! ان سب کو ہلاک اور برباد کر دے جو تیرے رسول کو وطن سے نکال رہے ہیں؟"

حضرت حاطب نے برجستہ جواب دیا کہ ہمارے رسول کو تو ان کے دشمنوں نے صرف وطن ہی سے نکالا تھا۔ مگر حضرت عیسیٰ کو تو ان کے دشمنوں نے گرفتار کر کے بقول آپ کے سولی پر چڑھا دیا۔ اس وقت انھوں نے ان کے لیے بددعا کیوں نہ کی؟ تاکہ سب معاند ہلاک ہو جاتے اور ان ظالموں میں سے ایک بھی باقی نہ بچتا؟

یہ جواب بھی اگرچہ الزامی تھا مگر مقوقس کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بے ساختہ کہنے لگا حاطب! تم بےشک ایک فاضل آدمی ہو۔ اور ایک نہایت ذی عزت شخص کی طرف سے قاصد بن کر آئے ہو۔ اچھا ٹھیرو۔ میں اُن کے خط کا جواب ابھی لکھواتا ہوں۔

اس کے بعد اس نے اپنے ایک عربی دان کاتب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا یہ جواب لکھوایا:۔

بسم الله الرحمن الرحیم لمحمد بن عبد الله من المقوقس عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک وفهمت ما ذکرت فیه وما تدعو الیه وقد علمت ان نبیاً قد بقی وکنت اظن ان یخرج من الشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم وکسوة واهدیت الیک بغلة لترکبها والسلام

(یعنی خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے یہ خط شروع کرتا ہوں۔ محمدؐ بن عبد اللہ کی خدمت میں قبطیوں کے رئیس مقوقس کی طرف سے۔ آپ پر سلام ہو۔ اما بعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا۔ اس کے مفہوم کو سمجھا اور آپ کی تبلیغ پر غور کیا۔ میں اس امر سے تو واقف تھا کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں پیدا ہوگا۔ میں آپ کے قاصد کے ساتھ بعزت پیش آیا ہوں۔ اور اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں تحفۃً تین چیزیں بھجوا رہا ہوں۔ ان کو میری جانب سے قبول فرمائیں۔ اول دو لڑکیاں ہیں جو یہاں کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ثانیاً کچھ ملبوسات ہیں جنھیں امید ہے آپ پسند فرمائیں گے ثالثاً ایک خچر ہے جو آپ کی سواری کے لیے بہت موزوں رہے گا۔ والسلام

اس تبلیغی گفتگو سے جو مقوقس اور حضرت حاطب کے درمیان ہوئی۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقوقس کو مذہبی دلچسپی بھی تھی اور وہ مذہب سے ایک حد تک واقف بھی تھا۔ پھر اس کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے حضور علیہ السلام کا احترام بھی مدنظر تھا جبھی تو اس نے آپ کی خدمت میں ہدیے بھیجے مگر ان سب باتوں کے باوجود افسوس ہے کہ دولت ایمان سے محروم رہا۔

قبطی قوم کی جو دو معزز لڑکیاں مقوقس نے حضور کی نذر کی تھیں۔ ان دونوں کو حضرت حاطب نے تبلیغ کر کے راستہ میں ہی مسلمان کر لیا اور لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ یہ دونوں سگی بہنیں تھیں ایک کا نام ماریہ تھا

ل مقوقس نے یہ بسم اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے تتبع میں لکھ دی۔ ورنہ مسلمانوں کے سوا اور کسی قوم میں اس طرح بسم اللہ خطوں کے شروع میں نہیں لکھی جاتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عربی مؤرخین نے خود ہی اپنے طور پر اس بسم اللہ کا اضافہ مقوقس کے خط میں کر دیا ہو

اور دوسری کا سیرین - مؤخر الذکر حضور نے حضرت حسان بن ثابت کو مرحمت فرما دی اور اول الذکر سے خود نکاح فرما لیا انہی ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے - جن کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا - خچر کا نام دلدل تھا - اور حضور علیہ السلام اکثر اس پر سواری فرمایا کرتے تھے۔

جو خط مقوقس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا - یہ خوش قسمتی سے اس وقت بھی موجود ہے اور اس کے فوٹو تمام دنیا میں پھیل چکے ہیں - اس وقت تو مقوقس نے اس خط کو ایک منقش ڈبیہ میں حفاظت کے ساتھ رکھ دیا تھا - لیکن بعد میں عرصہ دراز تک بالکل گمنامی کی حالت میں پڑا رہا - مگر ہمارے اس زمانے میں اسلام کی متعدد دیگر صداقتوں کے علاوہ یہ خط بھی پردہ گمنامی سے نکل کر دنیا کے سامنے آگیا - جس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں یہ مقدس تاریخی خط بعض فرانسیسی سیاحوں کو دستیاب ہوا - اور اس وقت قسطنطنیہ میں موجود ہے - اس تاریخی خط کے دریافت کنندہ کا نام موسیو اتیین برتھلیمی تھا - سب سے پہلے اس کا فوٹو نامور عیسائی مؤرخ خاص نویس جرجی زیدان نے اپنے مجلہ الہلال قاہرہ کے نومبر ۱۹۰۴ء کے پرچہ میں شائع کیا - اس کے بعد پروفیسر مارگولیتھ نے اپنی کتاب محمد اینڈ دی رائز آف اسلام کے صفحہ ۳۶۴ پر درج کیا ہے۔

۵ - جعفر رئیس عمان کے نام

عمان میں ایک قبیلہ ازد کے نام سے آباد تھا - عبید اور جعفر (بعض طبری نے عباد اور جعفر لکھا ہے) اس قبیلے کے رئیس اور امیر تھے یہ دونوں معزز سردار بقول طبری جلندی کے بیٹے تھے - عبید چھوٹا بھائی تھا اور جعفر بڑا - لہذا ریاست اور امارت جعفر کے ہاتھ میں تھی اور عبید اس کے نائب اور مشیر کے طور پر کام کرتا تھا - ۸ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوزید انصاری کو رئیس قوم جعفر کی طرف ایک تبلیغی خط دے کر بھیجا - جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی گئی تھی اور کفر کی تاریکیوں سے ڈرایا گیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں یہ خط لے کر اپنے ساتھی ابوزید انصاری کے ساتھ جب عمان پہنچا تو پہلے عبید سے ملا - جو اپنے بڑے بھائی کی نسبت زیادہ خوش مزاج تھا - میں نے اسے بتایا کہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ہوں اور حضور علیہ السلام کا تبلیغی خط لے کر تمہارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔

عبید :- میرا بھائی جعفر چونکہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے اس لیے قبیلے کا رئیس وہی ہے - میں تمہیں اس کی خدمت میں پہنچا دوں گا - جو خط تم لائے ہو وہ اسے دے دینا - مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس امر کی دعوت دینے ہو اور کس عقیدے کی تبلیغ کرتے ہو؟

عمرو بن العاص :- ہم لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عبید :- عمرو! تم سردار قوم کے فرزند ہو۔ تم ہمیں بتاؤ کہ کیا تمھارے باپ نے اس نئے دین کو قبول کیا؟ یہ بات میں نے اس لیے پوچھی کہ وہ اس معاملے میں ہمارے لیے رہبر اور رہنما بن سکتا ہے۔

عمرو بن العاص :- میرا باپ بے شک سردار قوم تھا۔ مگر وہ مر گیا اور آنحضرتؐ پر ایمان نہیں لایا کاش وہ ایمان لے آتا اور اس صداقت کو مان لیتا جو آج ذریت کو ملی ہے۔ میں بھی دین میں اپنے باپ کا ہم زبان تھا۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور میں نے اس صداقت کو قبول کر لیا۔

عبید :- تم نے کب محمدؐ کی پیروی اختیار کی؟

عمرو بن العاص :- ابھی تھوڑے دن ہوئے۔

عبید :- کہاں؟

عمرو بن العاص :- شاہ حبش نجاشی کے دربار میں۔ اور خود شاہ حبش بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

عبید :- مسلمان ہونے کے بعد وہاں کے لوگوں نے نجاشی کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

عمرو بن العاص :- انھوں نے بدستور اسے بادشاہ رہنے دیا۔

عبید :- دیکھو عمرو! جو کچھ کہو ٹھیک ٹھیک کہو جھوٹ سے زیادہ کوئی چیز بری نہیں۔

عمرو بن العاص :- نہ میں نے جھوٹ بولا۔ نہ ہمیں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔ بلکہ ہمیں بہت سختی کے ساتھ غلط بات کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

عبید :- اچھا یہ بتاؤ کہ نجاشی کے مسلمان ہونے کے بعد قیصر روم ہرقل نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

عمرو بن العاص :- نجاشی قیصر روم کو خراج دیا کرتا تھا۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد اس نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر ہرقل کے بھائی بناق نے اس سے کہا کہ نجاشی کے خلاف فوج کشی کر کے اسے سخت سزا دی جائے کیونکہ اس نے عیسویت کو بھی چھوڑ دیا اور خراج دینا بھی بند کر دیا۔ ہرقل نے اسے جواب دیا کہ "پھر کیا ہوا؟ اگر کسی شخص نے اپنے لیے کوئی دین اختیار کر لیا ہے تو محض اس وجہ سے اس کے ساتھ جنگ کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ اگر مجھے ملکی مصلحت اور بادشاہی کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔ بلکہ مدینہ پہنچ کر اس نبی کے خادموں میں شامل ہو جاتا!!"

عبید :- دیکھو عمرو! ایسی بات کہو جس کا لوگوں کو یقین آ جائے۔ ایسی بات مت کہو جسے لوگ سنتے ہی کہہ دیں کہ یہ تو بالکل جھوٹ ہے۔

عمرو بن العاص :۔ کسی مسلمان کے لیے جھوٹ بولنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ میں نے جو کچھ کہا بالکل سچ کہا۔ اب خواہ تم اس کا یقین کرو یا نہ کرو۔

عابد :۔ اچھا تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تمہارا نبی تمہیں کس امر کی تعلیم دیتا ہے؟

عمرو بن العاص :۔ ہمارا نبی ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ یہ بت نرے پتھر ہیں اور کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو پوجنا چھوڑ دو اور اکیلے خدا کی پرستش کرو جو زندہ اور قادر خدا ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ وہ نبی تمام بُرے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور تمام اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اچھے اخلاق سکھاتا ہے۔ بُرے اخلاق سے منع کرتا ہے۔

عابد :۔ کیسے اچھے احکام ہیں جن کی وہ نبی تعلیم دیتا ہے اور کیسی اچھی باتیں ہیں جن کا وہ حکم دیتا ہے۔ کاش! میرے بڑے بھائی کی سمجھ میں بھی یہ ساری باتیں آجائیں اور وہ اسلام لے آئے تو کتنی اچھی بات ہو۔ پھر ہم دونوں اس نبی کی خدمت میں مدینہ چلیں اور خود اس کی زبان سے اس کی تعلیمات اور اس کے احکام سنیں تمہاری باتیں سن کر۔ اور تمہارے منہ سے اس نبی کے حالات معلوم کرکے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میرا بھائی اسلام قبول نہ کرے گا تو یقیناً نقصان میں رہے گا۔

عمرو بن العاص :۔ اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ ہمارے رسول اس کا ملک اور اس کا علاقہ اسی کے پاس رہنے دیں گے۔ اور وہ بدستور اپنے قبیلہ کا رئیس اور امیر رہے گا۔ اگر اسلام قبول نہ کرے گا تو جو کچھ اس کے پاس اب ہے یہ بھی گنوا بیٹھے گا۔ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ہمارے نبی پہلا کام تو یہ کریں گے کہ تم سب کو نماز کا حکم دیں گے۔ یعنی یہ فرمائیں گے کہ دن میں پانچ مرتبہ خدائے واحد کے سامنے سر جھکاؤ۔ دوسرا کام یہ کریں گے کہ تمہارے امیروں سے صدقات وصول کرکے تمہارے غریبوں میں تقسیم کردیں۔ اس کا نام ہمارے نبی نے زکوٰۃ رکھا ہے۔

عابد :۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مگر زکوٰۃ کے متعلق کچھ تفصیلات بتاؤ۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص نے جیفر کو زکوٰۃ کے تمام مسائل بتائے۔ جب کہا کہ اونٹوں پر بھی زکوٰۃ ہے تو جیفر بڑا گھبرایا اور کہنے لگا کہ وہ نبی ہمارے اونٹوں میں سے بھی صدقہ دینے کو کہیں گے۔ حالانکہ اونٹ تو خود ہی درختوں کے پتوں سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے؟

عمرو بن العاص :۔ ہاں ہمارے نبی اونٹوں میں سے بھی صدقہ وصول فرماتے ہیں۔

عابد :۔ میرا خیال نہیں ہے کہ میری قوم تمہارے نبی کی اس بات کو مان لے گی۔ مگر خیر تم وہ خط میرے بھائی کے سامنے پیش کردو تو تم کو تمہارے نبی نے اس کے نام دیا ہے۔

عمرو بن العاص وہاں ٹھیرے رہے اور بار یابی کا انتظار کرتے رہے۔ آخر کچھ عرصے بعد جعفر نے انھیں طلب کیا۔ اور پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟

عمرو بن العاص نے جواب دیا" خدا نے ہم میں ایک نبی کو پیدا کیا ہے جن کا نام محمدؐ ہے۔ اور جن کا مستقر مدینہ ہے۔ انھوں نے مجھے آپ کے پاس اپنا دعوتی اور تبلیغی خط دے کر بھیجا ہے"۔

اس پر جعفر نے عمرو بن العاص کے ہاتھ سے خط لے کر پہلے تو دیکھا۔ پھر اپنے بھائی کو دیا۔ اس کے بعد پوچھنے لگا "اچھا یہ بتاؤ کہ اس کی اپنی قوم قریش کا رویہ اس کے متعلق کیا ہے؟"

عمرو بن العاص:۔ شروع میں تو قوم قریش نے ہمارے نبی کی سخت مخالفت کی۔ لیکن آخر بڑی لڑائیوں کے بعد جب ان لوگوں کو کچھ بھی کامیابی نہ ہوئی تو مجبوراً وہ خاموش ہو گئے اور ان میں سے بہت سے اسلام لے آئے۔

جعفر:۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ کہ اس نبی کے ساتھ رہنے والے لوگ کیسے آدمی ہیں؟

عمرو بن العاص:۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی خوشی سے اسلام کو قبول کیا اور اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ اور پورے جوش اور عقیدت کے ساتھ اپنے نبی کی اطاعت کر رہے ہیں۔

جعفر:۔ اچھا تم کل ہم سے ملنا۔ ہم اس معاملے میں ذرا غور کر لیں اور باہم مشورہ بھی کر لیں۔ دوسرے دن حضرت عمرو بن العاص رئیس قوم کے بھائی عبید سے ملے اور اس سے پوچھا کہ کہیے کیا مشورہ ہوا اور آپ کے بھائی کی قبول اسلام کے متعلق کیا رائے ہے۔

عبید نے جواب دیا "ہاں اس معاملے کا ذکر تو آیا تھا۔ بھائی یہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری حکومت محمدؐ قائم رکھیں اور ہماری امارت کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ تم پھر ان سے ملو۔

عمرو بن العاص پھر جعفر کے پاس گئے تو اس نے کہا "ابھی تک محمدؐ کی فوجیں یہاں تک نہیں پہنچیں اگر فوجوں کے آنے سے پہلے ہی میں مسلمان ہو جاؤں تو لوگ کہیں گے کہ فوجوں کے آنے کے ڈر سے اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حالانکہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ مسلمانوں کی فوجوں کو بری طرح شکست دے سکتا ہوں۔

اس پر عمرو بن العاص نے کہا "اگر آپ کے یہ ارادے ہیں تو پھر میں واپس جاتا ہوں۔ اور حضور سے سب حال کہہ دوں گا!"

جعفر نے کہا "نہیں ابھی نہ جاؤ۔ کل تک ہمیں اور سوچنے اور غور کر لینے دو"۔

دوسرے دن جعفر نے خود عمرو بن العاص کو بلوایا اور دونوں بھائیوں نے اور ان کے ساتھ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے خوشی خوشی مدینہ پہنچ کر حضور کو یہ خوش خبری

(۶) ہوذہ رئیس یمامہ کے نام

یمامہ کا رئیس ہوذہ بن علی تھا۔ آنحضرت صلعم نے حضرت سلیط بن عمرو قرشی کے ہاتھ اسے تبلیغی خط بھجوایا۔ ہوذہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "آپ وصیت کر دیں کہ میرے مرنے کے بعد حکومت کا کچھ حصہ ہوذہ کو بھی دیا جائے تو میں فوراً آپ پر ایمان لانے کو تیار ہوں"۔

جب یہ خط حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو خط کے مضمون سے مطلع ہو کر آپ نے فرمایا۔ "حکومت تو بڑی چیز ہے اگر وہ مجھ سے کھجور کا ایک دانہ بھی مانگے تو میں اسے وہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں"

ہوذہ ایمان نہیں لایا اور اسی کفر کی حالت میں فتح مکہ کے بعد مر گیا۔

(۷) منذر فرمانروائے بحرین کے نام

بحرین کا علاقہ اس وقت ایران کے پاس تھا اور مدائن سے یہاں گورنر مقرر ہوا کرتے تھے۔ ۸ھ ہجری میں یہاں کے حاکم منذر بن ساوی کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تبلیغی خط لکھ کر علاء حضرمی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے منذر کو توفیق دی اور حضور علیہ السلام کا خط پانے پر اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور بیعت کا خط لکھ دیا۔ حکمران کے مسلمان ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے میں جتنے عرب آباد تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ کچھ عجمی لوگ بھی اسلام لے آئے۔ بعد میں منذر نے ایک عریضہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے چند آدمیوں کے ہاتھ بھیجا۔ جس میں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اُسے جواباً ایک والا نامہ ارسال فرمایا تھا۔ اس کا مفصل ذکر طبری نے اپنی تاریخ میں کیا ہے [۳]

(۸) حارث رئیس غسّان کے نام

غسّان کی ریاست عرب سے ملی ہوئی اس کے شمال میں واقع تھی اور یہاں کا حاکم قیصر کے ماتحت تھا اس وقت یہاں کے رئیس کا نام حارث بن ابی شمر تھا جس کا ذکر ہم قیصر کے خط میں کر چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی ایک تبلیغی خط لکھا تھا۔ جس میں اسے اسلام لانے کی دعوت دینے کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ اگر

---

[۱] رحمت للعالمین جلد اول صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۳۔ فتوح البلدان ذکر فتح عمان۔ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۳۲۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۲۱۴ [۲] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم بحوالہ فتوح البلدان [۳] ملاحظہ فرمائیں تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۲۱۴

تو مسلمان ہو جائے گا تو تیری سلطنت کو لمبی زندگی میسر آئے گی اور تیرا خاندان دیر تک یہاں حکمران رہے گا۔

یہ تبلیغی خط آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ایک صحابی حضرت شجاع بن وہب کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ چنانچہ غسّان پہنچ کر حضرت شجاع والئ غسان کے وزیر سے ملے۔ جو بہت نیک دل اور شریف انسان تھا شجاع نے اس کو تبلیغ کی۔ جس پر اس نے حضور علیہ السلام کی تصدیق کی اور کہنے لگا کہ یقیناً محمد خدا کے سچے رسول ہیں۔ مگر جس غرض کے لیے آپ یہاں آئے ہیں وہ پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ یعنی اس بات کی بظاہر کوئی امید نہیں کہ حارث بن شمر والی غسان خط پڑھ کر کچھ متاثر ہو گا اور اسلام لے آئے گا۔ کیونکہ وہ مغرور و متکبر بھی ہے اور ڈرپوک اور خوشامدی بھی۔ ایسا آدمی کبھی راہِ راست نہیں پا سکتا۔

عجیب اتفاق ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ٹھیک اسی طرح واقع ہوا۔ جب کچھ عرصہ گذرنے کے بعد حضرت شجاع کو دربار غسّان میں باریابی کا موقع ملا اور انھوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامۂ مبارک حارث کے سامنے پیش کیا تو حارث اسے پڑھ کر حکومت اور ریاست کے نشہ میں ایسا کھو گیا کہ اسے اپنی حیثیت اور طاقت کا بھی احساس نہ رہا۔ اس نے حضور علیہ السلام کا خط پھینک دیا اور کہنے لگا کس کی مجال ہے کہ میرے ملک کی ذرا سی بھی زمین چھین سکے۔ اب مجھ پر لازم ہو گیا کہ میں اس گستاخ مدعیٔ نبوت کو اس کی بے ادبی کی قرار واقعی سزا دوں یہ کہہ کر اس نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور کہا کہ اب میں اس مدعی کو تباہ کر کے چھوڑوں گا۔ خواہ مجھے اس سلسلے میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ میں اسے ضرور گرفتار کر کے لاؤں گا۔ مگر جب اس کی فوج کشی کے ارادے کی اطلاع قیصر کو ہوئی تو اس نے اسے روک دیا اور کہا فی الحال میرے پاس چلے آؤ اس معاملے کو پھر دیکھنا۔ اس لیے یہ قصہ یہیں ختم ہو گیا۔ مگر مدینہ میں عرصے تک یہ افواہ پھیلی رہی کہ والی غسان عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔

حارث کے مرنے کے بعد غسان کا فرمانروا جبلہ بن ایہم ہوا۔ یہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا مگر پھر مرتد ہو کر قیصر کے پاس چلا گیا اور وہیں مر گیا۔

۹- حارث بن عبد کلال کے نام

ابن ہشام لکھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو تبلیغی خطوط اطراف ملک میں روانہ فرمائے تھے ان میں ایک خط حارث بن عبد کلال کے نام بھی ارسال کیا تھا جو قبیلہ حمیر کا امیر تھا یہ خط حضور نے حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ اس تبلیغی خط کے متعلق زیادہ تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۷۹

۱۰۔ قبائل بحرین کے نام

عرب کے بعض قبائل بحرین کی وادیوں میں آباد تھے۔ ان میں سے مشہور اور باأثر خاندان عبد القیس۔ بکر اور تمیم تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منقذ بن حبان کو ان قبائل کی طرف ایک تبلیغی خط دے کر بھیجا منقذ بن حبان قبیلہ عبد القیس سے تعلق رکھتے تھے اور تجارت کے سلسلے میں پھرتے پھرتے مدینہ آئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو توحید کی دعوت دی۔ توفیق ایزدی شامل حال تھی حضور علیہ السلام کے سمجھانے سے فوراً اسلام لے آئے اور مدینہ میں رہ کر کچھ دینی تربیت حاصل کرنے لگے۔ ازاں بعد حضورؐ نے ان کو اپنے قبائل کی طرف خط دے کر روانہ فرمایا۔ اپنے قبیلے میں پہنچ کر شروع میں انھوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ اور بہتر موقع کے منتظر رہے مگر ان کی بیوی نے اپنے باپ منذر بن عائذ سے ذکر کر دیا منذر نے ان سے شکایت کی کہ کیا تم بے دین ہو گئے؟ انھوں نے کہا بے دین نہیں دیندار ہو گیا ہوں۔ غرض دونوں میں بڑی بحث ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منقذ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر منذر نے اسلام قبول کر لیا۔ اب منقذ کو بڑی تقویت ہو گئی اور انھوں نے سارے قبیلے کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی خط سنایا۔ خط ایسے مؤثر الفاظ میں لکھا گیا تھا کہ فوراً ہی سب نے اسلام قبول کر لیا۔[۱]

۱۱۔ سی بخت والی ہجر کے نام

بحرین کے علاقے میں ایک چھوٹی سی ریاست "ہجر" نام تھی۔ یہ ریاست بھی بحرین کی طرح شاہ ایران کے ماتحت تھی اور دربار ایران کی طرف سے "سی بخت" نامی ایک قابل اور ہوشیار شخص یہاں کا حاکم تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک تبلیغی خط تحریر فرمایا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔[۲]

فصل ہفتم

عرب قبائل کے وہ رؤسا جو بطور خود مسلمان ہوئے

گذشتہ فصل میں ہم نے ان فرمانرواؤں اور قبائلی رؤسا کی کیفیت بیان کی تھی جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط بھیج کر اسلام کی دعوت دی۔ ذیل میں ہم عرب قبائل کے بعض ان نمایاں رؤسا کا حال بیان کرتے ہیں جو (۱)

۱۔ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۳۶ بحوالہ زرقانی ۲۔ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۳۳ بحوالہ فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین۔

انفرادی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے یا ۲۔ مبلغین اسلام کی دعوت کے نتیجے میں یا ۳۔ بطور خود توفیق ایزدی سے اسلام لائے اور پھر اپنے اپنے قبائل میں اشاعت اسلام کا ذریعہ ثابت ہوئے۔

۱۔ حضرت ثمامہ بن اُثال

یہ بنو حنیفہ کے ایک قابل شخص اور یمامہ کے امیر تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نجد کی طرف ایک مہم بھیجی تھی۔ واپسی میں فوج کو ایک شخص ملا جس کو انھوں نے مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لیا (اور وہ شخص بھی ایک فوج کے مقابلے میں اپنے آپ کو چھڑا لینے کی جسارت نہ کر سکا۔) جب فوجی سپاہیوں نے اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ "اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اُثال ہے۔ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور اس بات کا پورے طور پر مستحق ہے کہ اس کے قصاص میں اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اچھا اسے مسجد کے ستونوں سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دو۔ کہیں بھاگ نہ جائے۔ مگر اس کے کھانے پینے کا اچھی طرح خیال رکھنا اس لحاظ سے اسے تکلیف نہ ہونے پائے"۔

صحابہؓ نے اس فرمانِ نبوی کی پوری تعمیل کی اور خدا اور رسول کے اس دشمن کو دونوں وقت کھانا اور کھجوریں وغیرہ دیتے رہے۔

قید کے پہلے دن عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے ثمامہ بن اُثال کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا۔

"کہو ثمامہ کیا حال ہے؟"

ثمامہ نے جواب دیا "اچھا حال ہے۔ اگر آپؐ مجھے اپنے ایک آدمی کے قصاص میں قتل کر ڈالیں گے تو آپؐ کا فعل جائز ہوگا۔ اگر آپؐ احسان کر کے مجھے چھوڑ دیں گے تو ایسے شخص کو چھوڑیں گے جو آپؐ کے احسان کی قدر کرے گا۔ اگر آپؐ کچھ تاوان لے کر مجھے چھوڑ دیں تو جتنی رقم بھی آپؐ چاہیں میں آپؐ کے لیے یمامہ سے منگوا سکتا ہوں پس آپؐ تینوں شکلوں میں سے جو صورت چاہیں اختیار فرمائیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر تشریف لے گئے اور دوسرے دن عشاء کی نماز کے بعد آپؐ نے ثمامہ کے پاس آ کر یہی سوال دہرایا اور اس نے وہی جواب دیا جو کل دیا تھا۔

تیسرے دن بھی یہی سوال و جواب ہوئے۔ جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ثمامہ کی رسیاں کھول دی جائیں اور اسے آزاد کر دیا جائے۔ پھر ثمامہ سے فرمایا "جاؤ جہاں تمہارا دل

چاہے چلے جاؤ۔"

قید کے مختصر زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ نے اس کی ایسی خاطر مدارات کی تھی اور خود حضور علیہ السلام نے ایسی محبت اور مہربانی کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا تھا کہ وہ قید سے رہائی کے بعد اسلام کا اسیر بن گیا۔ قید سے چھٹتے ہی بھاگا بھاگا ایک قریبی نخلستان میں گیا اور وہاں غسل کر کے فوراً واپس آیا اور کہنے لگا۔ اشهدان لا الہ الا اللہ واشهدان محمداً رسول اللہ۔ اس کے اسلام پر حضور علیہ السلام نے خوشی کا اظہار فرمایا

ثمامہ نے مسلمان ہونے کے بعد کہا "یا رسول اللہ! میں آپ کا اتنا شدید دشمن تھا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ برا آدمی اور کسی کو نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن آپ کے نیک سلوک اور اچھے برتاؤ کے باعث اب مجھے آپ سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ روئے زمین پر کوئی شخص بھی مجھے اتنا محبوب نہیں جتنا آپ ہیں۔ اس سے پہلے مجھے آپ کے دین سے زیادہ کوئی مذہب برا اور خراب نظر نہ آتا تھا۔ مگر اب اس دین سے زیادہ بہتر اور اعلیٰ دین مجھے کوئی اور دکھائی نہیں دیتا۔ نیز اس وقت سے پہلے آپ کے اس شہر سے زیادہ برا عرب کا کوئی دوسرا شہر نظر نہ آتا تھا مگر اب یہ حالت ہے کہ اس سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ شہر میری نظر میں اور کوئی نہیں۔ یا نبی اللہ! آپ کے آدمیوں نے مجھے ایسے وقت میں گرفتار کیا جبکہ میں عمرہ کے ارادے سے مکے جا رہا تھا۔ اب اگر آپ کی اجازت ہو تو مکے جا کر عمرہ ادا کروں اور پھر اپنے گھر چلا جاؤں؟

حضور علیہ السلام نے اس کے اسلام پر اسے مبارکباد دی اور فرمایا اگر تم عمرہ کے لیے مکہ جانا چاہتے ہو اور اپنے آپ کو محفوظ بھی سمجھتے ہو تو بے شک چلے جاؤ۔

مکے پہنچ کر ثمامہ نے نہایت آزادانہ طور پر عمرہ ادا کیا اور اپنے اسلام کا اظہار بھی کر دیا جس پر لوگوں نے ان کو لعنت ملامت کی اور کہا "تو بے دین اور لا مذہب ہو گیا ہے!" انھوں نے بھی منہ توڑ جواب دیا اور کافروں کی کثرت سے بالکل نہ ڈرے۔

ثمامہ کی اس دلیری اور بے باکی پر قریش کو سخت طیش آیا۔ انھوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کرنے کی نیت سے لے چلے۔ مگر انہی میں سے ایک شخص نے کہا "کیا غضب کرتے ہو۔ جانتے ہو یہ کون ہے ثمامہ بن اُثال! یمامہ کا رئیس۔ جہاں سے مکہ میں غلہ آیا کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے قتل کر ڈالا تو یمامہ سے غلہ آنا قطعاً بند ہو جائے گا اور اس قتل کی تم کو بڑی بھاری قیمت دینی پڑے گی۔

اس پر ڈر کر قریش نے انھیں چھوڑ دیا۔ مگر انھوں نے نہایت دلیری سے سب کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ "آئندہ یمامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ مکہ میں نہیں آنے پائے گا۔"

اور واقعی ہوا بھی یہی۔ ثمامہ کے جاتے ہی غلہ بند ہو گیا جس کے نتیجہ میں مکہ میں نہایت زبردست پریشانی پھیل گئی۔ کسی قیمت پر بھی غلّہ کا کوئی دانہ مکّہ میں نہ ملتا تھا۔

آخر سخت مجبور ہو کر مکہ والوں نے ایک وفد ایک خط کے ساتھ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا جس میں لکھا تھا "محمدؐ! باپوں کو تو تم نے جنگوں میں قتل کر ڈالا اب ان کے بچوں کو بھوک سے مار رہے ہو۔ حالانکہ تم لوگوں کو صلہ رحم کا حکم دیتے ہو مگر تمہارا فعل تمہارے عمل کے مطابق نہیں۔ کیا تمہیں یہ بات گوارا ہے کہ تمہاری قوم کے بچے بھوک سے تڑپتے رہیں اور تم آرام سے مدینہ میں بیٹھے رہو؟ کیا مکہ اسی طرح بھوک کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ اور یمامہ سے کوئی غلہ نہ آئے گا؟"

اگرچہ یہ خط نہایت گستاخانہ۔ خلاف واقعہ اور فضول تھا مسلمانوں کے بچّوں کو انہی مکہ والوں نے آنحضرتؐ کا بائیکاٹ کر کے تین سال تک بھوک اور پیاس سے تڑپایا تھا۔ انہی نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھ تمام بنی ہاشم کا غلّہ اور پانی بند کیا تھا۔ انہی نے فوجیں لے کر بار بار مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ انہی نے اُحد میں مسلمانوں کو انتہائی سفاکی اور کمال بہیمیت کے ساتھ شہید کیا تھا۔ مگر اب ساری باتوں کا الزام نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ خود آنحضرتؐ پر لگا رہے تھے۔

رحمت للعالمینؐ کے قربان جایئے حضور علیہ السلام نے اس گستاخانہ اور نامعقول تحریر کا کچھ بُرا نہ منایا اور فوراً ثمامہ بن اثال کے نام حکم بھیج دیا کہ "غلہ نہ روکو" ثمامہ نے بلا عذر تعمیل کی اور غلہ بدستور جاری کر دیا۔[1]

ثمامہ نہایت استقلال کے ساتھ اسلام پر قائم رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وقت میں مرتدین کے استیصال کے موقع پر انھوں نے اسلام کی نہایت اہم خدمات انجام دیں۔[2]

۲۔ فروہ بن عمرو حاکم معان

شام کے اطراف میں عربوں کی متعدد ریاستیں قائم تھیں۔ مگر وہ سب کی سب قیصر روم کے ماتحت تھیں۔ اور وہی ان ریاستوں میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا کرتا تھا۔ ان عرب ریاستوں میں سے ایک کا نام معان[3] تھا۔ معان اور اس کے ملحقہ علاقے پر قیصر کی طرف سے فروہ بن عمرو بن نافرہ جذامی تھم النفاثی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۴۵۹۔ بخاری کتاب المغازی (تجرید بخاری جلد دوم ص۴۷۷) [2] سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۲۰ بحوالہ الاستیعاب جلد اوّل صفحہ ۸۰ [3] معان بری اور بحری دونوں لحاظ سے بڑا اہم مقام تھا۔

حکومت کرتا تھا۔ یہ نہایت عادل۔ منصف اور بڑا بہادر فرمانروا تھا۔ اگرچہ اس کے پاس حضور علیہ السلام نے کوئی تبلیغی خط ابھی تک نہیں بھیجا تھا۔ مگر مبلغین اسلام کے ذریعے اس پر اسلام کی حقانیت ظاہر ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ مصلحت اور موقع کا خیال کیے بغیر فوراً مسلمان ہو گیا اور اس کی اطلاع بھی ایک عریضہ کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک خاص قاصد مسعود بن سعید کے ہاتھ بھیجی۔ خط کے ساتھ ہی اس نے حضور علیہ السلام کے لیے ایک سفید رنگ کا خچر بھی ہدیۃً روانہ کیا۔

اسلام کی قبولیت اور علی الاعلان اس کے اظہار میں اس دلیر اور بہادر شخص نے ذرا بھی ہچکچاہٹ اور تذبذب سے کام نہ لیا۔ بلکہ سچائی اور حقیقت کھل جانے کے معاً بعد اس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار اور ان تمام نتائج اور عواقب کو خوشی کے ساتھ برداشت کر لے کے لیے تیار ہو گیا جو اس راہ میں اسے پیش آنے کی توقع تھی اور ان کا ظہور بھی بہت جلد ہو گیا چنانچہ جب فروہ کے اسلام کی خبر قیصر روم کو ہوئی تو اس نے اسے دارالسلطنت میں طلب کیا۔ فروہ فوراً سمجھ گیا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ مگر اس نے پروا نہیں کی۔ جب قیصر کے سامنے پہنچا تو اس نے اس سے دریافت کیا کہ ہم نے سنا ہے تم نے محمدؐ کی پیروی اختیار کر لی ہے اور اپنے آبائی دین کو ترک کر دیا ہے۔ فروہ نے پس و پیش کے بغیر بڑی صفائی سے جواب دیا "شہنشاہ نے درست سنا۔ میں نے اسلام میں حقانیت اور سچائی دیکھی۔ اس لیے اسے قبول کر لیا۔ اور اب میں کسی قیمت پر بھی اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔"

قیصر اگرچہ خود اسلام کی حقانیت کا دل میں قائل تھا۔ مگر رعایا کے ڈر اور حکومت کی طمع کے باعث نہ خود اسلام قبول کر سکا اور نہ فروہ کو چھوڑ سکا۔ کیونکہ اسے خیال تھا کہ اگر میں نے فروہ سے کچھ تعرض نہ کیا تو فوراً رعایا میرے خلاف بھڑک اٹھے گی اور مجھے اپنی سلطنت تھامنی دشوار ہو جائے گی اس لیے محض رعیت کی نظر میں اپنا وقار اور اپنی عزت قائم رکھنے کے لیے اس نے اول تو فروہ کو سمجھایا جب وہ نہ مانا تو اسے قید کر دیا۔ لیکن اس پر بھی وہ اسلام چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا تو اس نے رعایا کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ عیسویت کا بہت بڑا حامی اور سرپرست ہے اسے شہر سے باہر ایک چشمہ کے کنارے جس کا نام غفرلے تھا۔ قتل کرا دیا اور اس کی لاش کو عوام کو دکھانے کے لیے سولی پر لٹکا دیا۔ خدا کے اس نیک بندے نے دولت۔ حکومت۔ عزت اور جان سب اسلام پر قربان کر دی اور بڑی دلیری کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے اپنی جان دے دی۔[۱]

بلغ سراۃ المسلمین باننی سلم لربی اعظمی ومقامی

(یعنی مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے)

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۵۸ ۔ رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۱۸۱ ۔ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۳۲ ۳۳

۳۔ جریر بن عبداللہ بجلی

یہ یمن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وہاں کے قبیلہ بجیلہ کے فرمانروا تھے۔ مبلغین اسلام کے ذریعہ انھیں اسلام کی برتری اور فوقیت اور اس کی صداقت اور سچائی کا علم ہوا جس کے بعد یہ خود خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے ان کی اعلیٰ شاہانہ حیثیت کے پیش نظر ان کی اتنی تکریم فرمائی کہ جسم مبارک سے چادر اتار کر ان کے نیچے بچھا دی۔ اور جو صحابہؓ اس وقت موجود تھے۔ ان سے بھی ان کی تعظیم کرنے کو کہا اور ارشاد فرمایا کہ "جب تمھارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز شخص آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔"[1]

اس کے بعد حضورؐ نے ان سے پوچھا "کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے عرض کی "اسلام لانے کے لیے۔" اور یہ کہہ کر بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اُن سے خدائے واحد کی پرستش۔ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر بیعت لی اور نصیحتاً ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی ہمدردی اور ان کو نیکی کی تلقین میں ہمیشہ کوشش کرنا۔ ہر شخص سے رحم و مروت کے ساتھ پیش آنا کیونکہ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔ خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔[2]

یہ اس درجہ کے صحابی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان کے حق میں دُعا فرمائی تھی کہ "یا اللہ! جریر کو دوسروں کے لیے ہادی بنا۔" فتح مکہ کے بعد جب قبائل عرب مسلمان ہو گئے تو یمن کے صنم کدہ "ذی الخلصہ" نامی کو جو "کعبہ یمانی" کہلاتا تھا۔ ڈھانے کی خدمت حضرت جریرؓ ہی کے سپرد ہوئی تھی۔[3]

۴۔ عدی بن حاتم

یہ عرب کے مشہور و معروف بزرگ حاتم طائی کے فرزند تھے۔ جس کا نام فیاضی اور سخاوت میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ عدی قبیلہ طے کے حاکم اور سردار تھے۔ اور یہ سرداری ان کے خاندان میں وراثتاً چلی آتی تھی۔[4] یہ حکومت اور سلطنت کے نشہ میں سرشار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے۔ خود کہتے ہیں کہ "عرب میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت کرنے والا نہ ہوگا۔"[5] جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ مجاہدین اسلام عنقریب ان کے علاقہ تک بھی پہنچ جائیں گے تو انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ مقابلہ کرنے کی بجائے ترک وطن کر کے شام

---

[1] اصابہ جلد اول صفحہ ۲۴۲ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۵۸ [3] بخاری کتاب المغازی۔ سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۲۹
[4] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۷۰ [5] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۶۴

چلے جائیں۔ چنانچہ یہ بہت جلدی میں اپنے اہل و عیال اور ضروری سامان کو لے کر شام روانہ ہو گئے۔ عدی اپنی جلاوطنی کی کیفیت خود اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"میں اپنی قوم کا بادشاہ اور فرمانروا تھا اور ان کا سارا انتظام میں ہی کیا کرتا تھا۔ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آمد کا حال سنا تو بہت سے اعلیٰ درجہ کے فربہ اونٹوں پر اپنا مال و اسباب لاد کر اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کرا کے ملک شام جانے کے ارادے سے گھر سے نکل پڑا۔ روانگی کے وقت میری بہن وہیں رہ گئی۔ کیونکہ میں جلدی میں اسے اپنے ساتھ نہ لے جا سکا۔ میں نے ملک شام میں پہنچ کر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ میرے جانے کے بعد آنحضرتؐ کے لشکر نے بنی طے پر حملہ کیا۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ میری بہن بھی گرفتار ہوئی۔ مدینہ لا کر ان سب قیدیوں کو ایک خیمہ میں رکھا گیا جو مسجد نبوی کے سامنے لگا دیا گیا تھا۔ میری بہن بڑی عقیل۔ جری اور باہمت عورت تھی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میرا باپ مر گیا۔ میرا سرپرست بھاگ گیا۔ جو فدیہ دے کر مجھے چھڑاتا۔ اب آپؐ خدا کے لیے مجھ پر مہربانی فرمائیں اور مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے بھائی کے پاس شام چلی جاؤں۔ خدا آپ کو اس احسان کا نیک اجر دے گا۔ حضرت علیؓ نے بھی اس کی سفارش کی۔ آنحضرتؐ نے رحم فرما کر اسے چھوڑ دیا اور فرمایا جب کوئی قافلہ شام جانے والا ہو تو اس کے ساتھ اپنے بھائی کے پاس چلی جانا۔ کچھ دن بعد بنی قضاعہ کے کچھ لوگ شام جا رہے تھے۔ اس نے عرض کی کہ اگر آپؐ اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ چلی جاؤں؟" حضور علیہ السلام نے نہایت درجہ مہربانی اور عنایت فرماتے ہوئے کچھ کپڑے میری بہن کو دیے۔ کھانا اس کے ساتھ کیا۔ اور راستہ کے خرچ کے لیے بھی معقول نقد رقم مرحمت فرمائی۔ ایک اونٹ بھی سواری کے لیے عطا فرمایا۔

میں ایک روز اپنے مکان کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار چلی آ رہی ہے۔ میں نے دل میں کہا ہو نہ ہو یہ تو میری بہن معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ وہی ہے۔

میری بہن اونٹ پر سے اتری اور کہنے لگی "اے ظالم! اے قاطع! تو اپنے بال بچوں کو تو لے آیا اور مجھے وہاں چھوڑ آیا۔ تجھے یہ حرکت کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟" مجھے بہن کے اس طعنے سے بڑی کوفت ہوئی اور میں نے شرمندہ ہو کر کہا کہ "تمھیں یہ بات واجب نہیں کہ مجھے الزام دو۔ میں دراصل اس وقت بہت ہی مجبور تھا۔ اور گھبراہٹ میں تمھیں اپنے ساتھ نہ لا سکا مجھے معاف کر دو۔ مگر ایک بات تو بتاؤ کہ محمدؐ کے متعلق تمھارے تاثرات کیا ہیں؟" بہن نے جواب دیا "میرے خیال میں تو تم کو جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر ان کی اطاعت اختیار کر لینی چاہیئے کیونکہ امن اور سلامتی کی یہی راہ ہے۔ اگر وہ نبی ہیں تو تم کو سبقت کی فضیلت حاصل ہو گی اور اگر بادشاہ ہیں تب بھی ان کی اطاعت سے تمھاری عزت میں فرق نہیں آئے گا۔" میں نے بہن سے کہا "یہ تم نے واقعی مجھے بہت ہی اچھی رائے دی ہے

اور میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔"

اس کے بعد میں اپنی بہن اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ کے ارادہ سے روانہ ہو گیا۔ جب شہر میں داخل ہوا اور مسجد نبوی کے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما ہیں میں نے حضورؐ کو سلام کیا۔ حضورؐ نے پوچھا "تم کون ہو؟" میں نے کہا "عدی بن حاتم" یہ سن کر آپؐ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے ساتھ اپنے مکان میں لے جانے لگے (تاکہ وہاں تنہائی میں سکون کے ساتھ گفتگو کر سکیں) راستہ میں ایک ضعیف عورت آپؐ کو مل گئی۔ اور بہت دیر تک اپنا دکھڑا روتی رہی۔ آپؐ نے مناسب جواب دے کر اسے رخصت کر دیا یہ کیفیت بچشم خود دیکھ کر میں نے دل میں کہا "یہ بادشاہ تو ہر گز نہیں۔ بادشاہوں کے ایسے طور طریقے نہیں ہوتے۔"

گھر پہنچ کر آپؐ نے ایک گدیلا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ میرے بیٹھنے کے لیے بچھا دیا۔ اور خود خالی زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ اعلیٰ اخلاق دیکھ کر میرے دل نے بے ساختہ کہا دنیا دار لوگ تو کبھی ایسے نہیں ہوتے وہ تو ایسے موقعوں پر اپنی عزت کو نہایت نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے اخلاق تو صرف نبی ہی دکھا سکتا ہے اور کوئی نہیں۔" میں نے کہا بھی کہ "اس گدیلے پر آپؐ تشریف رکھیں میں نیچے بیٹھ جاؤں گا۔" مگر حضورؐ نے فرمایا "نہیں تم ہی بیٹھو۔" اس کے بعد مجھے اسلام کی تبلیغ فرمانے لگے۔

"عدی! شاید تم اس خیال سے اسلام قبول کرنے میں تامل کر رہے ہو کہ مسلمان غریب لوگ ہیں۔ تو خدا کی قسم عنقریب مسلمان اتنے مالدار ہو جائیں گے کہ ان میں کوئی آدمی ایسا نہ ملے گا جو صدقہ وغیرہ قبول کرے۔

ممکن ہے کہ یہ خیال بھی تمہارے قبول اسلام میں مانع ہو کہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت بہت تھوڑی ہے اور ان کے دشمن بے شمار ہیں۔ تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بہت قریب آتا ہے وہ زمانہ جب ایک عورت تن تنہا قادسیہ سے سفر حج کے لیے روانہ ہو گی۔ اور تمام راستہ میں بڑے امن کے ساتھ چلی آئے گی اور خدا کے سوا اسے کسی کا ڈر نہ ہو گا۔

اے عدی! شاید تم اس وجہ سے بھی مسلمان ہونے سے انکار کر رہے ہو کہ مسلمانوں کو ابھی شوکت اور طاقت حاصل نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس ابھی کوئی سلطنت اور حکومت ہے؟ تو خدائے واحد ویگانہ کی قسم! تم بہت ہی جلد دیکھ لو گے کہ بابل کے سفید محل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد میں مسلمان ہو گیا اور میں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اس موقع پر جو تین باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں ان میں سے آخری کی دو میں اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ چکا ہوں اور پہلی بات ابھی پوری ہونی باقی ہے یعنی مال کی کثرت اور بہتات۔" [1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۴۴، ۲۴۶

۵۔ ذی الکلاع حمیری

یہ شخص قبیلہ حمیہ کا بادشاہ تھا۔ یمن اور طائف کے بعض اضلاع میں اس کی حکومت تھی۔ اور اتنا خود پسند اور مغرور تھا کہ اپنی رعایا سے اپنے آپ کو خدا کہلوایا کرتا تھا۔ اور ان کو حکم دیتا تھا کہ مجھے سجدہ کرو۔ میں ہی تمہارا رب اور تمہارا معبود ہوں۔ مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پاکیزہ تعلیم اس تک پہنچی تو بے اختیار اس کے دل نے گواہی دی کہ میرا دعا جھوٹا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا دعویٰ سچا ہے۔ پس اس نے فوراً ہی اسلام کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن میں ڈال لیا اور حضور علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔ اور مسلمان ہو جانے کے بعد برابر ایمان اور اخلاص میں ترقی کرتا چلا گیا۔ مسلمان ہوتے ہی اس نے ۸ ہزار غلام آزاد کیے۔ اور حضرت فاروق اعظم کے عہد میں سلطنت اور حکومت چھوڑ کر مدینہ چلا آیا۔ اور باقی کی تمام زندگی نہایت زاہدانہ طور پر یہیں بسر کر دی۔[1]

فصلِ ہشتم

اشاعتِ اسلام کی ایک نئی راہ

(عجیب حالات میں ایک جدید اسلامی مرکز کا قیام)

صلح حدیبیہ اسلام کی ترقی کا باعث ہوئی صلح حدیبیہ دراصل اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی کا ایک بہت بڑا اور اہم ذریعہ بن گئی اور وہ معاہدہ جس کو مسلمان عام طور پر اپنی قومی ہتک اور توہین سمجھ رہے تھے۔ آخر کار ان کے لیے "فتح مبین" ثابت ہوا۔ خدا تعالیٰ کے کام عجیب ہیں۔ اس نے اپنی خاص الخاص قدرتوں سے اسلام کی ترقی اور عروج کے ایسے سامان عہدنامہ حدیبیہ کے بعد پیدا کر دیے جن سے مسلمانوں کے دل خدا کی حمد و ثنا سے بھر گئے اور ان کے ایمان اور یقین میں بے انتہا ترقی ہو گئی۔ مگر بالمقابل کفار قریش اپنے پھیلائے ہوئے جال میں خود پھنس کر نہایت مجبور اور لاچار ہو گئے اور بالآخر ان کو نہایت ذلت اور خواری کے ساتھ اپنی غیر منصفانہ اور ظالمانہ شرط کو خود بڑی منت اور زاری سے واپس لینا پڑا۔ جس کے نتیجہ میں اسلام کی اشاعت کا دریا بڑی تیزی سے بہنے لگا۔

صلح حدیبیہ کی ایک عجیب شرط تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ چلا آئے گا تو آنحضرت نہ اسے پناہ دیں گے نہ اس کی حمایت کریں گے بلکہ

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۲۱۰

اسے واپس مکہ لوٹا دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ کو جائے گا تو مکے والے اسے واپس نہیں کریں گے۔ بظاہر یہ شرط مسلمانوں کے لیے نہایت نقصان دہ اور کفار قریش کے لیے بڑے فائدہ کی تھی۔ جس پر مسلمان نہایت مغموم اور کافر نہایت خوش تھے۔ مگر بہت ہی جلد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ یہی شرط مسلمانوں کے لیے نہایت مسرت کا باعث اور کفار کے لیے نہایت مصیبت کا موجب بن گئی۔

ابوبصیر کا واقعہ مکہ کا ایک شخص جس کا نام عتبہ بن اُسید ثقفی اور کنیت ابوبصیر تھی مسلمان ہو گیا جب مکہ والوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اسے پکڑ کر ایک مکان میں قید کر دیا۔ اور اسے طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ آخر تنگ آکر وہ ایک رات قید خانہ سے نکل بھاگا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ صبح جب قریش کو پتہ لگا کہ ان کا قیدی فرار ہو گیا تو ان کو یقین ہو گیا کہ وہ سیدھا مدینہ گیا ہوگا۔ پس فوراً قریش کے دو آدمیوں ازہر بن عبد عوف اور اخنس بن شریق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ ہمارا ایک قیدی آپ کے پاس بھاگ کر چلا آیا ہے عہدنامہ حدیبیہ کی شرط کے موافق آپ اسے فوراً ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیں۔ یہ خط انھوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ روانہ کیا اور انھیں تاکید کر دی کہ ابوبصیر کو پکڑ کر بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے ہمراہ لانا کہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ میں سے پھر بھاگ جائے۔

حضرت ابوبصیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے ہی تھے کہ فوراً یہ دونوں قاصد بھی بلائے بے درماں کی طرح اُن کے سر پر پہنچ گئے اور حضور علیہ السلام کو خط دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضور نے فرمایا "ابوبصیر! حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ ہم نے قریش سے کیا ہے۔ وہ تمھیں معلوم ہے پس ہم معاہدہ کی خلاف ورزی کسی صورت سے بھی نہیں کر سکتے۔ نہ تمھیں یہاں پناہ دے سکتے ہیں اور نہ تمھیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے تم واپس جاؤ۔

ابوبصیر نے عرض کی "حضور! میں بڑی مشکل سے ان کافروں کی حراست سے چھوٹ کر آیا ہوں اور قریش نے اسلام لانے کے جرم میں مجھے قید میں بڑی بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں۔ خدا کے لیے مجھے واپس نہ کریں ورنہ یہ لوگ اس دفعہ مجھے مار ہی ڈالیں گے یا مجھے اتنی شدید جسمانی تکلیفیں پہنچائیں گے کہ میں واپس کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جاؤں گا"

جتنے مسلمان اس وقت مسجد نبوی میں موجود تھے ابوبصیر کی مظلومانہ حالت اور ان کی دردانگیز فریاد سن کر ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور ان کے دل اپنے بھائی کی ہمدردی میں تڑپ اُٹھے مگر کس کی مجال تھی کہ حضور علیہ السلام کے سامنے دم مار سکتا۔ سب خاموش تھے کہ دیکھئے حضورؐ کیا فیصلہ فرماتے ہیں

ابوبصیر کی تقریر سن کر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "ابوبصیر! جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے اور مجھے خود بھی تمھیں واپس کرتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے مگر میں کیا کروں مجبور ہوں۔ قریش سے معاہدہ کر چکا ہوں کہ تمہارا جو آدمی ہمارے ہاں آئے گا میں اسے واپس کر دوں گا۔ اب تم ہی بتلاؤ معاہدہ کی خلاف ورزی کس طرح کروں؟

تم ان آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے رہو۔ خدا تعالیٰ ضرور تمھاری مشکلات کا کوئی حل بہت جلد پیدا کر دے گا۔ صبر کرو۔

ناچار ابوبصیر کو ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ اور مسلمان خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ کوئی شخص بھی حضور علیہ السلام کے آگے کچھ نہ بول سکا۔

جب تین آدمیوں کا یہ مختصر قافلہ مقام ذی الحلیفہ میں پہنچا تو موقع پا کر ابوبصیر نے ان دو آدمیوں میں سے ایک کی گردن اسی کی تلوار سے اڑا دی۔ دوسرا آدمی (جو غلام تھا) یہ دیکھ کر ایسا حواس باختہ ہوا کہ بھاگا کہ مدینہ ہی پہنچ کر دم لیا۔

مدینہ کا رخ غلام نے اس وجہ سے کیا کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ میرے لیے اس وقت محفوظ ترین مقام مدینہ ہی ہے۔ وہاں محمدؐ میری پوری حفاظت کریں گے اور مجھے ابوبصیر کی تلوار سے بچائیں گے۔

جس وقت غلام افتاں و خیزاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے اس سے پوچھا کہ "تو کیوں واپس آگیا؟ اور ابوبصیر اور اپنے ساتھی کو کہاں چھوڑ آیا؟"

غلام رونے لگا اور بڑی گھبراہٹ کے ساتھ اس نے کہا "محمدؐ! آپؐ کی دہائی ہے۔ آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو مار ڈالا اور مجھ پر بھی تلوار لے کر جھپٹا تھا کہ میں تیزی کے ساتھ بھاگ آیا۔ وہ مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ اپنے خدا کے لیے میری جان اس موذی سے بچائیں"

غلام اپنا دکھڑا رو ہی رہا تھا کہ حضرت ابوبصیر بھی تلوار ہاتھ میں لیے آن پہنچے۔ اور آتے ہی کہنے لگے "حضور آپ کی ذمہ داری اس وقت ختم ہوگئی جب آپؐ نے معاہدہ کی شرائط کا احترام کرتے ہوئے مجھے ان دونوں کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ مکہ پہنچ کر میری جان کی خیر نہیں۔ اس لیے میں نے ان میں سے ایک کو اسی کی تلوار سے ہلاک کر دیا۔ اور دوسرے کو بھی مار ڈالتا مگر وہ بچ کر نکل بھاگا اور یہاں پہنچ گیا۔

ابوبصیر کا یہ بیان سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا "ویل امہ مسعر حرب لو کان له احد"
"(اس شخص پر افسوس! یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ کاش! کوئی آدمی اسے سنبھالنے والا ہوتا)

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے حضرت ابوبصیر خود سمجھ گئے کہ اس دفعہ بھی آنحضرتؐ ضرور مجھے اس غلام کے حوالے کر دیں گے تاکہ یہ مجھے مکے لے جائے۔

مکہ واپس جانے میں چونکہ انھیں عزت کا خوف۔ جان کا ڈر اور ایمان کا نقصان نظر آ رہا تھا لہٰذا چپکے سے مسجد سے نکلے اور جنگل کی راہ لی۔ بخاری میں آتا ہے: فلما سمع ذلک عرف انه سیردہ الیهم

ابوداؤد کتاب الجہاد

(جب ابوبصیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ سنے تو فوراً جان گیا کہ اس مرتبہ بھی حضورؐ مجھے مکہ والوں کی طرف لوٹا دیں گے۔"

شہر سے نکل کر حضرت ابوبصیر نے سمندر کا رخ کیا اور حسب بیان ابن ہشام مقام عیص میں جو ذی مروہ کے قریب ہے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں اقامت اختیار کر لی۔ یہ وہ مقام تھا جدھر سے ہو کر قریش کے تجارتی قافلے ملک شام جایا کرتے تھے۔

مکہ میں کئی اور بھی مظلوم مسلمان ابوبصیر کی طرح ایسے تھے جن کو اسلام لانے کی پاداش میں قریش نے قید کر رکھا تھا اور ان کے ساتھ نہایت بہیمانہ اور ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے کہ اگرچہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر قریش کے ڈر سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔

ان دونوں قسم کے مسلمانوں نے جب سنا کہ ہمارے ساتھی ابوبصیر کو سمندر کے کنارے ایک پرامن جگہ مل گئی ہے تو قریش کے پیہم ظلموں سے تنگ آئے ہوئے مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے بہت خاموشی کے ساتھ نکل کر سمندر کے کنارے پر حضرت ابوبصیر کے پاس جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تین سو کے قریب آدمی وہاں پہنچ گئے انہی میں حضرت ابوجندل بھی تھے یہ سہیل بن عمرو کشنر معاہدہ حدیبیہ کے فرزند تھے اور مسلمان ہو جانے کے باعث عرصہ سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ باپ نے مار مار کر ادھ مؤا کر دیا تھا۔ مگر یہ نہایت استقلال کے ساتھ اسلام پر قائم تھے۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مکہ سے بھاگ آئے تھے۔

اس طرح مرکز اسلام مدینہ منورہ کے علاوہ بہت دور سمندر کے کنارہ ایک چھوٹی سی آزاد اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی۔ جس نے آگے چل کر کفار قریش کا ناک میں دم کر دیا۔

ابوبصیر کی جماعت کفار قریش کے لیے ایک خطرۂ عظیم بن گئی

اس اسلامی آزاد ریاست کو جو تمام تر ان ستم رسیدہ اور ظلم چشیدہ مسلمانوں کی زیر قیادت قائم ہوئی تھی جن پر اہل مکہ نے انتہائی ظلم توڑے تھے اور جنھوں نے ان کے پیہم اور متواتر ظلموں سے بھاگ کر یہاں پناہ لی تھی۔ کفار مکہ نے بجا طور پر ایک خطرۂ عظیم سمجھا اور وہ واقعی ان کے لیے بہت جلد ایک عذاب الیم بن گئی۔ کیونکہ اس ریاست کا دارالحکومت یعنی مرکزی مقام ٹھیک اس جگہ واقع تھا جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے ملک شام میں تجارت کے لیے جایا کرتے تھے اور قریش کی زندگی کا تمام دارومدار بیرونی تجارت پر تھا۔ نہ مکہ کے گرد کھجوروں کے باغ تھے۔ نہ کہیں آس پاس کھیت تھے جن میں غلہ پیدا ہوتا ہو نہ شہر میں کسی قسم کی صنعت و حرفت کی گرم بازاری تھی جس کی آمدنی سے شہر کے لوگوں کے پیٹ بھر سکیں لے دے کے سارا سہارا تجارت پر تھا اور تجارتی راستے پر ان کی ناعاقبت اندیشیوں سے ایسے لوگوں کا قبضہ ہو چکا تھا جن پر ماضی قریب میں وہ

ــــــــــــــــ

سے ۵ سہیلی شرح ابن ہشام

ناقابلِ بیان ظلم توڑ چکے تھے۔ اور جن کو عرصہ دراز تک قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر چکے تھے۔ اپنی گذشتہ بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے پیش نظر اب ان کو اس راستہ پر سفر کرنے سے اپنی موت نظر آ رہی تھی اور ان کو صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ ہمارا جو قافلہ شام جائے گا وہ بچ کر نہیں آئے گا نہ اس کے آدمی سلامت رہیں گے اور نہ مال تجارت اور اس کا ان کو ذاتی طور پر تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ جو دو ایک قافلے جرأت کر کے گئے تو اپنی جرأت کا ان کو بڑا بھاری خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جس سے قریش اور بھی خوف زدہ ہو گئے موقع ایسا تھا کہ نہ یہاں ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کی عیاری اور چالاکی کام آ سکتی تھی اور نہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کی دلیری اور ہوشیاری۔ لہٰذا طاقت کے مقابلہ میں قریش نے بہت ہی جلد ہتھیار ڈال دیئے۔

قریش کی التجا آنحضرتؐ کی خدمت میں حالات سے نہایت مجبور ہو کر آخر کار قریش کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا جس نے نہایت عاجزی کے ساتھ حضور نبوی میں التجا کی کہ خدا کے لیے آپ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو ساحل سمندر سے واپس مدینہ بلا لیں۔ ہم نہایت خوشی کے ساتھ عہدنامہ حدیبیہ کی اس شرط کو اڑائے دیتے ہیں کہ جو شخص مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا۔

حضور علیہ السلام کی رحمت و شفقت کا عجیب مظاہرہ کفار قریش سے ان کے بے پناہ مظالم کا بدلہ لینے اور ان کو بھوکا مارنے کا یہ نہایت ہی عمدہ موقع تھا مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحم مجسم تھے۔ آپ نے فوراً ایک خط ابوبصیر کے نام بھیج دیا جس کو دیکھتے ہی یہ اسلامی مرکز ختم کر دیا گیا اور اس کے سارے اراکین اپنے مولا و آقا کے حکم کی تعمیل میں مدینہ آ گئے۔

صلح حدیبیہ کی عجیب شرط کے اڑنے سے اشاعت اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ دور ہو گئی اور لوگ بکثرت مسلمان ہونے لگے چونکہ خود قریش نے شرط اڑا دی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو اب پوری اور کامل آزادی مل چکی تھی۔ لہٰذا بکثرت لوگوں نے مدینہ پہنچ کر اپنے اسلام کا اظہار کیا اور صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔ یہ شرط اسلام کی اشاعت میں بڑی رکاوٹ تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عجیب طریقہ پر خود دشمنوں کے ہاتھوں سے اڑا دیا۔ جس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ اور بالخصوص اس شرط کے اڑنے کے بعد جس قدر اشاعتِ اسلام میں ترقی ہوئی اتنی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں بھی نہیں ہوئی۔

له سیرۃ ابن ہشام ص۳۲۳۔ بخاری کتاب الشروط۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ طبری۔ سہیلی شرح ابن ہشام۔ زرقانی

فصل نہم

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص کا مسلمان ہونا

عہد نامہ حدیبیہ کی تکمیل ہونے اور مذکورہ بالا شرط کے اڑنے کے بعد اور اس کے نتیجہ میں جو دو خاص اور نمایاں اشخاص کا نومسلموں میں اضافہ ہوا ان سے اسلام کی شوکت اور طاقت میں بڑا زبردست اضافہ ہوا۔ ان میں سے ایک کا نام خالد بن ولید تھا اور دوسرے کا عمرو بن العاص۔

جس طرح مکی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے مسلمان ہونے سے اسلام کو تقویت پہنچی۔ مدنی زندگی میں بالکل یہی کیفیت حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص کی ہوئی یعنی مکی زندگی میں جو حیثیت مقدم الذکر حضرات کی تھی۔ مدنی زندگی میں وہی حیثیت موخر الذکر اشخاص سے اسلام کو حاصل ہوئی۔ یہ دونوں مسلمان ہونے سے قبل اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے شدید اور جانی دشمن تھے لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد دونوں نے اسلام کی سیاسی طاقت اور قوت کو بڑھانے میں خاص طور پر بہت بڑا حصّہ لیا۔ ایک نے دربار نبوت سے "سیف اللہ" کا خطاب پایا اور عراق و شام کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ دوسرے نے مصر جیسے عظیم الشان اور زرخیز ملک کو اپنی تلوار کے زور سے اسلامی حکومت کا ایک حصّہ بنا دیا۔ دونوں حضرات کے اسلام لانے کی دلچسپ کیفیت خود انہی کی زبان سے سنیئے حضرت خالد بن ولید فرماتے ہیں:۔

ا۔ حضرت خالدؓ کی آپ بیتی "جب خدا تعالیٰ نے مجھ پر فضل کرنا چاہا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی اور مجھے عقل اور سمجھ عطا فرمائی۔ میں نے سوچا کہ میں محمدؐ کے خلاف ہر جنگ میں لڑا مگر مجھے ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ہم لوگ اسلام کی شان و شوکت کو مٹانے اور اس کی ترقی و عروج کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ میرے دل میں اس خیال نے نشوونما پانی شروع کی کہ میں غلط راستہ پر جا رہا ہوں۔ ان ایام میں کوئی غیبی اور مخفی طاقت نہایت زور و شدت کے ساتھ میرے دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے لیے جگہ پیدا کر رہی تھی۔ اس سے قبل میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا اتنا شدید دشمن تھا کہ صلح حدیبیہ کے دوسرے سال جب حضور علیہ السلام (سنہ ہجری میں) عمرۃ القضاء کے لئے مکہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ آئے تو میں اس بے انتہا نفرت کے باعث جو مجھے آنحضورؐ کی ذات خاص

ا۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۲۷۰-۲۹۱

سے تھی۔ شہر سے نکل گیا اور اس وقت تک مکہ میں داخل نہ ہوا جب تک آپؐ یہاں رہے۔ اس سفر میں میرے بھائی ولید بن ولید جو مجھ سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آنحضورؐ نے میرے بھائی سے میرے متعلق دریافت فرمایا کہ "خالد کہاں ہے؟" مگر میں کہاں تھا جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس پر مدینہ پہنچ کر میرے بھائی نے مجھے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ولید بن ولید کی طرف سے خالد بن ولید کے نام۔ السلام علی من اتبع الھدے میں یہ سوچ کر بار ہا حیران ہوا کرتا ہوں کہ تم اسلام سے اس قدر منحرف اور برگشتہ کیوں ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو عقل و فہم اور سمجھ بوجھ دی ہے اس کا اقتضا ہے کہ اسلام کے حقیقی نور اور اس کی حقانیت اور سچائی سے بے بہرہ نہ رہتے۔ اس موقع پر عمرہ کے وقت مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ "خالد کہاں ہے؟" میں نے بہت مایوس ہو کر حضور اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ "خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ بظاہر اس کے اسلام قبول کرنے کے کوئی آثار نہیں"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "خالد جیسا شخص کبھی اسلام کی سچائی سے بے خبر نہیں رہ سکتا اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں سے لڑتا تو یہ امر اس کے لیے یقیناً بہت زیادہ بہتر ہوتا"۔ اے بھائی! تم بہت عرصہ تک گمراہی میں مبتلا رہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ کاش! تم سمجھو، سوچو اور غور کرو۔ اسلام سے زیادہ صحیح اور سچا مذہب کوئی نہیں۔ پس سیدھے راستہ کو اختیار کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"۔

اپنے بھائی کا یہ ناصحانہ اور مشفقانہ خط پڑھ کر میرے دل پر کفر و شرک کے جو تاریک پردے پڑے ہوئے تھے وہ یک دم پھٹ گئے اور مجھے فی الجملہ اسلام سے رغبت اور محبت پیدا ہو گئی مگر سب سے زیادہ خوشی مجھے اس بات سے ہوئی کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ذکر فرمایا اور میرے متعلق پوچھا آخر میں نے مکہ سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مجھے اسلام قبول کرنے کی تحریک خاص طور پر اس امر سے بھی ہوئی کہ انہی ایام میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ جیسے میں ایک ویران اور تنگ و تاریک وادی میں بھٹک رہا ہوں اور سخت پریشان ہوں کہ کہاں جاؤں اور کس طرح اس تاریکی سے نکلوں۔ ناگاہ خدا تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور سامنے مجھے ایک روشنی کی کرن نظر آئی میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تو دفعتاً ایک نہایت سرسبز و شاداب میدان میں جا پہنچا۔ جس سے تاریکی کی وحشت دور ہوئی اور میرا دل میدان کی لطافت کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ اس خواب کی میرے دل نے یہی تعبیر کی کہ تاریک اور تنگ وادی کفر و شرک ہے جس میں میں اب تک مبتلا ہوں اور سرسبز و شاداب میدان اسلام ہے جس میں داخل ہو کر ہی میں راحت اور فرحت حاصل کر سکتا ہوں۔ اس واضح خواب سے جو بلاشبہ خدا کی طرف

سے تھا میرے رہے سہے شکوک بھی دور ہو گئے اور میں نہایت مستعدی کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

مکہ سے نکلنے اور مدینہ روانہ ہونے سے پہلے میں نے چاہا کہ میں اپنے قلبی اور جگری دوستوں سے بھی اس معاملہ میں گفتگو کر لوں۔ شاید ان میں سے کوئی میرے ہمراہ چل کر اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے چنانچہ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں سب سے پہلے صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا ''اے ابو وہب! تم دیکھ رہے ہو کہ محمدؐ عرب بھر پر غالب آ گئے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو جو مزید شرف و اعزاز ان کو آئندہ حاصل ہونے والا ہے اس میں ہم بھی برابر کے حصہ دار ہو جائیں گے اور ان کی عزت کے ساتھ ہم بھی معزز ہو جائیں گے۔'' میری اس تقریر کا صفوان نے یہ جواب دیا کہ ''اگر تمام دنیا بھی محمدؐ کو قبول کر لے۔ اور میرے سوا دنیا کا ہر شخص اسلام لے آئے۔ تب بھی میں قیامت تک ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔''

میں نے صفوان کی یہ تقریر سن کر اپنے دل میں کہا ''یہ بیچارہ بھی مجبور ہے کیونکہ اس کا باپ اور اس کے بھائی میدان بدر میں مارے جا چکے ہیں۔ جس کا اسے بے حد صدمہ ہے اور غصہ بھی۔ لہٰذا یہ بہت حد تک معذور ہے۔

صفوان کے بعد میں اپنے بڑے گہرے دوست عکرمہؓ بن ابی جہل سے ملا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی تو وہ بڑا حیران ہوا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ ''کیا تم صابی ہو گئے ہو؟'' میں نے کہا ''صابی تو نہیں ہوا مگر مسلمان ہونے کا ارادہ ہے۔'' اس پر عکرمہ نے کہا ''ہبل کی قسم! اگر قریش کا ہر شخص اور مکہ کا ہر آدمی بھی محمدؐ پر ایمان لے آتا تو بے شک لے آتا۔ مگر مجھے تمہاری ذات سے ایسی امید نہ تھی۔'' خالد نے پوچھا ''آخر مجھ میں ایسی کیا بات تھی جو تم کو مجھ سے ایسی امید نہ تھی؟'' عکرمہ نے جواب دیا ''خالد! کیا تمہیں وہ وقت بھول گیا جب جنگ بدر کے موقع پر تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی قتل ہوئے تھے؟ (ابو جہل بن ہشام، عاص بن حارث۔ ابو امیہ بن مغیرہ۔ ابو قیس بن فاکہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ نوفل بن عثمان جو جنگ خندق میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسماعیل) کم از کم تم جیسے شخص کو تو ہرگز اسلام نہیں لانا چاہیئے تھا۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو اور کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قریش کے تمام سرکردہ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں؟ ایسے نازک موقع پر تم قوم سے علیحدگی اختیار کر کے ہمارے دشمن کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر رہے ہو۔ یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے اور قومی غیرت کے بالکل خلاف ہے۔ اس حرکت سے باز آؤ اور اس عزم سے درگزر رو۔ ورنہ یاد رکھو تمہارا نام قومی غداروں کی فہرست میں لکھا جائے گا اور تم ہمیشہ کے لیے

بدنام ہو جاؤ گے۔"

میرے دل میں اسلام کی حقانیت اور سچائی اس درجہ راسخ ہو چکی تھی کہ عکرمہ کی اشتعال انگیز باتوں کا مجھ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اور میں نے صاف کہہ دیا کہ "تمہاری یہ ساری باتیں جاہلیت کی نشانی ہیں اور میں ایسی حمیت اور غیرت کا قائل نہیں۔ جب مجھ پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو میں اسے قبول کیوں نہ کروں؟ ان بتوں میں کوئی طاقت ہوتی تو کبھی تو ہمیں فتح دلاتے اور محمدؐ کے مقابلے میں ہماری مدد کرتے۔"

اس تلخ گفتگو کے بعد میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر عکرمہ سے درخواست کی کہ اگرچہ تم نے میرا کہنا نہیں مانا اور میری نصیحت کو قبول نہیں کیا۔ مگر پرانی دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا ضرور کرنا کہ میری اس گفتگو کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اور اس تمام گفتگو کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا" اس امر کا عکرمہ نے اقرار کر لیا اور کہا "تم خاطر جمع رکھو میں اس بات کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا اور تمہارے ارتداد کو کسی پر ظاہر نہیں کروں گا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر تم نقصان اٹھاؤ گے۔" میں نے کہا "خیر نقصان اٹھاؤں گا یا فائدہ میں رہوں گا۔ تمہیں اس سے کیا؟ مگر تم کسی سے ذکر نہ کرنا۔" عکرمہ بولا "خاطر جمع رکھو" اس کے بعد میں عکرمہ کے پاس سے چلا آیا اور اپنے نہایت ہی عزیز دوست طلحہ سے ملا۔ پہلے تو میں نے اس سے بھی وہی باتیں کہنے کا ارادہ کیا جو اس سے قبل صفوان اور عکرمہ سے کہہ چکا تھا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ (طلحہ) اس کا چچا (عثمان) اور چار بھائی (مسافع۔ جلاس۔ حارث اور کلاب) جنگ احد میں قتل ہو چکے ہیں۔ کہیں یہ بھی مجھے وہی جواب نہ دے جو پہلے دو آدمی دے چکے ہیں اس لیے میں نے خاموش رہنا زیادہ مناسب سمجھا۔ لیکن میں اپنے جوش کو زیادہ دیر تک نہ دبا سکا اور آخر کار مجھے بات کہتے ہی بن پڑی۔ میں نے اس سے کہا "طلحہ! ہماری مثال اس لومڑی کی ہے جو اپنے بھٹ میں چھپی بیٹھی ہو۔ لیکن اگر بھٹ میں بہت کثرت کے ساتھ پانی ڈالا جائے تو ناچار اس لومڑی کو بھٹ سے نکلنا ہی پڑے گا۔ یہ مثال میں نے تمہارے سامنے اس لیے بیان کی کہ مجھے بالکل صاف نظر آ رہا ہے کہ مسلمان عنقریب ہم پر بالکل غالب آ جائیں گے۔ پس کیوں نہ ہم پہلے ہی سے اسلام قبول کر لیں۔ تاکہ اس وقت آرام اور امن سے رہیں؟" میری توقع کے بالکل برخلاف عثمان نے میری بات کی تائید کی اور کہا "بیشک تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں خود اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔ اور میں تمہارے ساتھ ابھی مدینہ چلنے کو تیار ہوں" اس کی آمادگی اور جراُت پر مجھے حیرت بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ میں نے خوش ہو کر کہا "اچھا تو بتلاؤ کب چلنے کا ارادہ ہے؟" عثمان نے کہا "جب تم چاہو" آخر باہم گفتگو کے بعد یہ امر طے ہوا کہ اگلے روز صبح سویرے فلاں مقام پر ہم دونوں پہنچ جائیں اور جو شخص پہلے پہنچے وہ دوسرے کا انتظار کرے دوسرے دن ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مدینے

---

[1] مغازی الواقدی صفحہ ۴۰۰

مدینہ کی راہ لی۔ جب ہم "ہداہ" کے مقام پر پہنچے تو ہمیں عمرو بن العاص ملے جو حبشہ سے منزل مارتے ہوئے آ رہے تھے۔ انھوں نے جو ہم دونوں کو دیکھا تو تعجب سے پوچھا "ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟" میں نے اس سے بات کو چھپانا مناسب نہ سمجھا اور صاف کہہ دیا "بات یہ ہے کہ مجھ پر یہ حقیقت خوب اچھی طرح کھل چکی ہے کہ ہمارے بتوں میں کوئی طاقت نہیں۔ وہ نرے پتھر ہیں۔ لیکن ہاں محمدؐ کا خدا قدرتوں اور طاقتوں والا ہے۔ اور محمدؐ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں۔ پس میں مسلمان ہونے اور ان کی اطاعت کرنے کے لیے مدینہ جا رہا ہوں"۔ میرا منہ حیرت اور تعجب سے کھلا کا کھلا رہ گیا جب بغیر ایک لمحہ تامل کے عمرو بن العاص نے کہا "میں بھی حبشہ سے آ رہا ہوں اور اسی غرض سے مدینہ جا رہا ہوں"۔ اس پر ہم تینوں اکٹھے خوش خوش مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مدینہ میں پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ہم اپنے اونٹ بٹھانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ حضور علیہ السلام کو بھی ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ آپؐ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا "مسلمانو! مکّہ نے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے آگے ڈال دیے ہیں"۔ ہم نے نئے کپڑے پہنے اور آنحضؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑے۔ راستے میں مجھے میرے بھائی ملے۔ اور کہنے لگے "جلدی چلو۔ حضور علیہ السلام تمہارا انتظار فرما رہے ہیں"۔ چنانچہ ہم تینوں جلدی جلدی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت میں حضورؐ کے سامنے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ مسکرا رہے ہیں۔ میں نے قریب جا کر السلام علیکم کہا آنحضورؐ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے بیٹھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ میں نے کہا "حضورؐ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس امر کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں"۔ یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی مجھے بھی امید تھی کہ تمہاری عقل بالآخر سیدھے رستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی"۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ میں حضورؐ کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکا ہوں۔ یہ بیشک میری نالائقی اور بدبختی تھی لیکن بہر حال یہ گناہ مجھ سے سرزد ہو چکا ہے۔ نہ ایک مرتبہ بلکہ کئی دفعہ۔ اب حضورؐ سے التجا ہے کہ آپؐ خدا تعالیٰ سے میرے اس عظیم گناہ کی معافی کے لیے دعا فرمائیں"۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا "اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔ یہ فرما کر آپؐ نے میری تسلی کے لیے خداوند کریم کے حضور میں دعا بھی کی اور فرمایا "یا اللہ! خالد کی تمام گذشتہ لغزشوں کو جو اس سے تیرے دین کی مخالفت میں سرزد ہوئیں معاف فرما دے"۔

خدا کی قسم! جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہؓ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ شریک فرماتے تھے۔ رہنے کے لیے حضورؐ نے مجھے ایک مکان بھی مرحمت فرمایا تھا۔[۱]

۱۔ خالد سیف اللہ مولفہ ابو زید شبلی صفحہ ۸۲-۸۴

۲۔ حضرت عمرو بن العاص کا اپنا بیان

حضرت خالد بن ولید کے دوسرے ساتھی حضرت عمرو بن العاص کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے جسے وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"جب ہم لوگ جنگ احزاب سے مختلف قبائل کے ساتھ واپس مکہ آئے تو کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے مکان میں مکہ کے بعض ایسے معززین کو جمع کیا جن کے دلوں میں میری رائے اور عقل کی عظمت تھی اور جو بات میں کہتا وہ مان لیا کرتے تھے اور اسے توجہ کے ساتھ سنتے تھے میں نے ان سے کہا "میں نے آپ صاحبان کو اس وقت یہاں اس مشورہ کے لیے بلایا ہے کہ جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمدؐ کو ہم پر بہت جلد غلبہ حاصل ہو جائے گا اور ہم سب اس کے آگے نہایت مجبور اور لاچار ہو کر رہ جائیں گے۔ پس کیوں نہ اس عظیم خطرے کا پہلے سے کچھ تدارک کیا جائے تاکہ عین وقت پر ہمیں ذلت کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اس مصیبت سے جو خدا کی قسم عنقریب ہم پر وارد ہونے والی ہے، بچنے کی ایک تدبیر میری سمجھ میں آئی ہے۔ اگر آپ لوگ میرے ساتھ اتفاق کریں تو بیان کروں؟

سب حاضرین نے کہا "واقعی بات تو بظاہر کچھ ایسی ہی نظر آ رہی ہے۔ فرمائیے آپ نے کیا تدبیر اس آنے والی مصیبت سے بچنے کی سوچی ہے؟"

میں نے ان سے کہا تدبیر یہ ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں جس سے سابقہ میرے تعلقات بھی ہیں۔ ہم وہاں کے بادشاہ کے زیر سایہ مستقل طور پر سکونت اختیار کر لیں کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے تابع ہو کر رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ وہ ہمیں بہت اچھی طرح رکھے گا اور ہمیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اگر محمدؐ کو ہماری قوم پر غلبہ حاصل ہو گیا تو ہم اس کی پہنچ سے باہر ہوں گے اور وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ لیکن اگر ہماری قوم نے اسے شکست دے دی تو پھر ہم خوشی خوشی واپس چلے آئیں گے۔

سب لوگوں نے میری رائے کی تائید کی اور حبشہ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر حبشہ چلنا ہے تو بادشاہ کے لیے کچھ عمدہ عمدہ تحائف لے چلو۔ وہ لوگ کہنے لگے ہاں بیشک ٹھیک ہے۔ جو آپ فرمائیں وہی چیز بطور تحفہ ساتھ لے لی جائے۔

میں نے ان سے کہا کہ ہمارے ہاں کی سب سے عمدہ چیز چمڑا ہے۔ جو تمام ممالک میں بےحد شوق سے خریدا جاتا ہے۔ اگر کچھ اعلیٰ قسم کا چمڑا بادشاہ کے لیے لے چلیں تو امید ہے کہ وہ بہت پسند کرے گا۔

یہ رائے پاس ہونے کے بعد میں نے بہت سا اعلیٰ قسم کا نفیس اور بہترین چمڑا اکٹھا کیا اور اسے لے کر ہمارا قافلہ حبشہ کو روانہ ہو گیا۔

جب ہم سب لوگ حبشہ پہنچ گئے اور بادشاہ کے حضور میں تحفہ پیش کرنے کے لیے جانے لگے تو میں نے

دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمری شاہی محل سے باہر آ رہا ہے (ان کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا جس کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اتفاق سے اس وقت وہ بادشاہ کے پاس سے واپس لوٹ رہے تھے) عمرو بن اُمیہ ضمری کو دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یہ عمرو بن امیہ ضمری ہے۔ میں نجاشی کے پاس پہنچ کر اس سے کہوں گا کہ اسے میرے حوالے کر دے۔ اگر اس نے کر دیا تو میں اسے فوراً قتل کر ڈالوں گا۔ اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تو قریش مجھ سے بڑے خوش ہوں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ میں نے محمدؐ کے قاصد کو قتل کر کے ان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا ہے پس وہ میرے شکر گزار ہوں گے۔

یہ سوچتا ہوا میں نجاشی کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور کہنے لگا "میرے دوست! میرے لیے اپنے ملک سے کوئی تحفہ بھی لائے ہو یا نہیں؟" میں نے کہا "جی ہاں بہت اعلیٰ قسم کا چمڑا بطور ہدیہ پیش کرنے کے لیے لایا ہوں" اس کے بعد میں نے وہ چمڑا جو اپنے ہمراہ لایا تھا نجاشی کے حضور میں پیش کیا۔ جسے دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بڑا پسند کیا۔

بادشاہ کو خوش دیکھ کر میں نے نجاشی کی خدمت میں عرض کی کہ "ابھی ابھی جب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمری آپ کے دربار سے نکل کر جا رہا ہے یہ شخص ہمارے شدید دشمن محمدؐ کا بھیجا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اس کا یہاں کیا کام۔ اگر آپ اسے میرے حوالے کر دیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا اور اسے فوراً قتل کر ڈالوں گا کیونکہ محمدؐ نے ہمارے بہت سے سرداروں اور معززین کو جنگ بدر میں مارا ہے یہ اُن کا کچھ تو بدلہ ہو گا"

میری یہ التجا سن کر نجاشی کو بے حد غصہ آیا اور اس نے اپنا ہاتھ اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا۔ بادشاہ اس صدمہ سے بے ہوش ہو جائے گا۔

میں بادشاہ کی اس حرکت سے اور اس کے دفعتاً اس قدر طیش میں آ جانے سے اتنا سہم گیا اور ایسا شرمندہ ہوا کہ سوچنے لگا کاش! اس وقت زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

اس کے بعد میں نے بادشاہ سے بڑے ادب کے ساتھ کہا "مجھے پتہ نہ تھا کہ میری بات سے آپ کو اس قدر طیش آئے گا۔ ورنہ میں ہرگز ایسی التجا آپ کے حضور میں پیش نہ کرتا۔"

جب نجاشی کا غصہ کم ہوا تو اس نے مجھ سے کہا "کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں اس انسان کے قاصد کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی فرشتہ آسمانی پیغام لے کر آتا ہے جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا؟"

میں نے بہت تعجب کے ساتھ بادشاہ سے پوچھا "جو کچھ آپ فرما رہے ہیں کیا واقعہ یہی ہے؟" نجاشی نے کہا "عمرو بن عاص تم پر نہایت افسوس ہے۔ اگر تم میں ذرا سی بھی عقل ہے تو میرا کہنا مانو اور اس نبی کی اطاعت قبول

کرلو۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ فرعون اور اس کے لشکروں پر غالب آ گئے تھے۔ ٹھیک اسی طرح یہ شخص بھی یقیناً یقیناً اپنے تمام دشمنوں پر غالب آ جائے گا۔ اور اس وقت تمہارے لیے سوائے افسوس اور ندامت کے اور کچھ نہ ہوگا۔"

مجھ پر نجاشی کی تبلیغ کا خاص اثر ہوا۔ اور میں نے بادشاہ سے کہا "میں نے آپ کی باتیں سنیں جن سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ محمدؐ ضرور خدا کے رسول ہیں۔ پس میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں کیا آپ اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں؟ اس نے جواب دیا "بے شک"

یہ کہہ کر نجاشی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے اس کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی۔ جس کے بعد بادشاہ مجھ سے بہت خوش ہو گیا۔ اور میری بڑی خاطر مدارات کی۔

نجاشی کے دربار سے نکل کر میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ لیکن ان سے اپنے اسلام لانے کا حال بیان نہ کیا اس کے بعد میں خاص حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہوا۔[۱]

راستے میں مجھے خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے (یہ فتح مکہ سے چھ ماہ قبل کا واقعہ ہے) میں نے ان سے پوچھا "اے ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟" انھوں نے کہا "مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ محمدؐ بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ اس لیے میں اسلام قبول کرنے مدینہ جا رہا ہوں۔ آخر کب تک ہم ان کی مخالفت کرتے چلے جائیں گے؟" اس پر میں نے کہا "خدا کی قسم! میں بھی اسلام لانے کے لیے مدینہ جا رہا ہوں۔"

مدینہ پہنچ کر ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد بن ولید آگے بڑھے اور بیعت کی۔ ان کے بعد میں آگے بڑھا اور عرض کی "یارسول اللہ! میں اس شرط سے آپؐ کی بیعت کرتا ہوں کہ میرے پچھلے گناہ سب معاف ہو جائیں۔ آئندہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا۔" حضور علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا "اے عمرو! بیعت کرلو۔ اسلام انسان کے پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی گذشتہ گناہوں کو دور کر دیتی ہے۔" حضور علیہ السلام کے اس ارشاد پر میں نے بیعت کر لی۔"

عثمان بن طلحہ ان دونوں کے ساتھ تھے۔ ان دونوں کے مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی۔[۲]

اس امر میں سخت اختلاف ہے کہ یہ تینوں کس سنہ میں اسلام لائے۔ "خالد سیف اللہ" کے فاضل مؤلف

---

[۱] روایت سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ ان کے ساتھیوں کا کیا بنا جن کو حبشہ میں آباد کرنے کے لیے عمرو بن العاص اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ آیا ان کو وہیں چھوڑ آیا اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ [۲] تاریخ طبری جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۱۱۷۔ "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ص ۲۸۔

علامہ ابوزید شلبی نے بڑی تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تینوں بزرگ یکم صفر ۸ھ کو مسلمان ہوئے۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں زبیر بن بکار سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ "آپ نے اسلام قبول کرنے میں دیر کیوں کی۔ حالانکہ آپ عقل و دانش اور فہم و فراست میں تمام قریش سے بڑھے ہوئے تھے؟" تو اس پر عمرو بن العاص نے جواب دیا "ہماری قوم کے رؤسا ایسے تھے جن کی عقلیں پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری تھیں۔ جو راستہ وہ اپنے لیے اختیار کرتے تھے ہمیں بھی چار و ناچار اسی پر چلنا پڑتا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے سے انکار کر دیا تو ہم نے بلا سوچے سمجھے ان کی تقلید کی۔ لیکن جب وہ گذر گئے اور قوم کا بوجھ ہمارے سروں پر آگرا تو اس وقت ہمیں ذاتی طور پر اسلام کے متعلق غور و فکر کرنے کا موقع ملا جس کے نتیجہ میں ہمیں معاملہ بالکل برعکس معلوم ہوا اور آہستہ آہستہ اسلام کی حقانیت اور سچائی کا یقین میرے دل میں پیدا ہونا شروع ہوا۔ جس پر پہلی بات میں نے یہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف عملی کارروائیوں میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔

جب قریش نے یہ محسوس کیا کہ میں اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کوششوں میں ان کی امداد نہیں کرتا — اور الگ تھلگ رہتا ہوں تو ان کو میرے متعلق خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ مسلمان نہ ہو گیا ہو چنانچہ باہم مشورہ کرنے کے بعد انھوں نے ایک آدمی میرے پاس بھیجا جس نے مجھ سے آکر کہا۔

"اے ابوعبداللہ! تمھاری قوم کا خیال ہے کہ تمھارا میلان محمدؐ کی جانب ہے۔ کیا اس بات میں کوئی صداقت ہے؟ یہی امر معلوم کرنے کے لیے مجھے قوم نے تمھارے پاس بھیجا ہے"۔

میں نے اس شخص سے کہا! "اے میرے بھتیجے! میں تمھیں اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو ہمارا تمھارا اور ہمارے پہلوں کا اور ہمارے بعد آنے والوں کا غرض سب کا رب ہے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا فارس و روم؟"

اس نے کہا "ہمارا ہی مذہب سچا ہے اور ہم ہی سیدھے رستے پر ہیں"۔

اس کے بعد میں نے پوچھا "اچھا یہ بتاؤ کہ معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے ہم اچھی حالت میں ہیں یا روم و فارس والے؟"

اس نے کہا "اس خصوصیت میں تو اہل روم اور باشندگان فارس ہم سے بہتر ہیں"۔

میں نے اس پر دریافت کیا کہ "ہماری حکومت و سلطنت فراخ اور وسیع ہے یا روم و فارس کی؟"

اس نے کہا "نہیں روم و فارس ہی کی حکومت و سلطنت فراخ اور وسیع ہے"۔

سلہ خالد سیف اللہ" صفحہ ۲۷، بحوالہ تاریخ مدینہ دمشق جلد ۳ صفحہ ۴۸۹

اس پر میں نے کہا "اگر اس دنیا کے بعد کوئی اور زندگی نہیں تو پھر ہماری فضیلت اور بزرگی کس کام آئی جب طاقت و قوت، شوکت وعظمت اور حکومت و سلطنت میں رومی و فارسی ہم سے بہتر اور برتر ہیں؟ اس لیے میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ کی یہ تعلیم بالکل صداقت اور سچائی پر مبنی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور جہان بھی ہے۔ جہاں نیکی اور بدی دونوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

میں نے اس شخص سے کہا "اے میرے بھتیجے! میرے دل میں ہر وقت اور ہر آن اسی قسم کے خیالات گردش کرتے رہتے ہیں اور میں سوچتا رہتا ہوں کہ زیادہ دیر تک گمراہی میں پڑے رہنے کا کیا فائدہ؟ کیوں نہ محمدؐ اور اس کی باتوں پر صدق دل سے ایمان لے آیا جائے؟"

حضرت عمرو بن العاص کا یہ جواب صرف آپ ہی کی ذات پر صادق نہیں آتا بلکہ فتح مکہ کے قریب جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں سے بیشتر پر صادق آتا ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرتے وقت عمرو بن العاص کو اس بات کا پکا یقین تھا کہ مسلمانوں کا قریش پر غلبہ اور تسلط ایک لازمی اور لابدی امر ہے اور یہ کہ اب اسلام محض جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ارد گرد کے ممالک میں بھی جلد تر پھیل جائے گا۔ جیسا کہ وہ حبشہ تک جا پہنچا ہے۔

تاہم عمرو بن العاص کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ محض جاہ طلبی کی خاطر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرتے وقت انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ان کی وہ قوتیں جو قبل ازیں تمام تر اسلام کی تخریب اور اس کی مخالفت میں خرچ ہوتی رہیں وہ آئندہ اسلام کی سربلندی اور اس کی اشاعت میں صرف ہوں گی۔ انھوں نے ابتدا ہی سے اپنے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر لیا تھا جس پر وہ آخر وقت تک کاربند رہے۔ اور برابر دل و جان سے اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ان کی انتہائی خواہش یہی تھی کہ عرب اور ہمسایہ ممالک میں اعلائے کلمۃ الحق اور اشاعت اسلام کی خاطر اپنے آپ کو کلیتاً وقف کر دیں۔ جو حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے کر کے دکھا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے اس تبلیغی جذبہ کو محسوس فرما لیا تھا چنانچہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: "دوسرے بعض لوگ تو اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ایمان لائے۔"[۱]

فصل دہم

فتح مکہ اور صنادید قریش کا قبول اسلام

جو شرائط قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کے وقت کی تھیں ان میں سے دو خاص طور پر اہم تھیں جن میں سے ایک

۱۔ "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن قاہرہ صفحہ ۴۲

کا ذکر ہم تفصیل کے ساتھ قبل ازیں کر چکے ہیں جو سخت مجبور ہو کر کفار کو واپس لینی پڑی۔

دوسری اہم شرط یہ تھی کہ "قبائل عرب میں سے جو قبیلہ چاہے وہ قریش کی حمایت میں چلا جائے۔ اور جو قبیلہ چاہے محمدؐ کی حمایت میں آجائے۔ اس معاملے میں کسی قبیلے سے تعرض نہیں کیا جائے گا نہ ایک دوسرے پر حملے کیے جائیں گے اور لڑائی دس سال تک بند رہے گی" جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس شرط کے مطابق بنو خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے۔

کچھ عرصے بعد قریش کے حلیف بنو بکر نے آنحضرتؐ کے حلیف بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور اس کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ خود قریش نے بھی معاہدہ کا خیال نہ کیا اور بنو بکر کے ساتھ ہو کر خزاعہ کے آدمیوں کو قتل کیا۔

چونکہ قریش نے آنحضرتؐ کے حلیف قبیلہ پر حملہ کر کے معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی کی تھی۔ اس لیے مکہ والوں کو عہد شکنی کی سزا دینے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا۔ مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقابلہ نہ کر سکے اور شہر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قبضہ ہو گیا۔

یہ دوسری شرط۔ پہلی شرط سے بھی زیادہ قریش کے لیے نقصان، تکلیف اور خسارہ کا موجب ہوئی۔ بلکہ اس شرط کو توڑنے کی وجہ سے ان کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ ان کا سارا غرور مٹ گیا۔ ان کا تکبر ٹوٹ گیا اور ان کے سارے فخر کا خاتمہ ہو کر ان کے شہر پر آنحضرتؐ کا قبضہ ہو گیا اور تمام اہل مکہ کی زندگیاں کلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے رحم وکرم پر موقوف ہو گئیں۔ یعنی چاہے سب کو چھوڑ دیں۔ چاہے سب کو قتل کر ڈالیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ سب سے زبردست نقصان جس سے قریش کی شوکت اور طاقت بالکل ملیا میٹ ہو گئی اس شرط کے باعث قریش کو یہ نقصان پہنچا کہ سقوط شہر کے بعد قریش کے بہت سے نامی گرامی فرزند کفر کی گود سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آگئے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی عافیت اور خیریت اسی میں سمجھی۔

جہاں قریش کی پیش کردہ متذکرہ بالا دونوں شرطیں اُن کے لیے وبالِ جان اور تباہی کا موجب بن گئیں۔ وہاں مسلمانوں کے لیے یہی دونوں شرائط اعلائے کلمۃ الحق۔ اشاعتِ توحید۔ اعلان رسالت اور تبلیغ اسلام کے لحاظ سے نہایت عظیم الشان۔ نہایت مفید۔ نہایت نفع رساں اور بہت بڑی برکات کا باعث ہوئیں۔ خدا تعالیٰ کے کام۔ اس کی حکمتیں اور اس کی مصلحتیں عجیب در عجیب اور نہاں در نہاں ہیں۔ کس حیرت انگیز طریقہ پر اس نے حالات کا رخ پلٹا کہ کفار قریش کی کوششوں اور ان کی سرگرمیوں کو جو وہ اکیس برس سے لگاتار اور مسلسل اسلام کے خلاف کر رہے تھے آن کی آن میں تباہ اور برباد کر کے رکھ دیا۔ اب بلالؓ کا نعرۂ توحید بام کعبہ سے فضائے بسیط میں

گونج رہا ہے اور کعبہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت سرنگوں ہو کر فرشِ خاک پر پڑے ہیں تمام جبابرانِ قریش اور سارے ائمۃ الکفر ذلیل اور رسوا ہیں اور خدا کے نبی اور اس کے مخلص خادموں کو اللہ پاک نے عزت اور عظمت کے تخت پر بٹھا رکھا ہے کافر ذلت کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور مومن عزت و رفعت کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں جو کمزور تھے وہ غالب ہو گئے ہیں۔ جو طاقتور تھے وہ مغلوب ہو گئے ہیں۔ جہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ خدا کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کا اظہار کرے وہاں ہر گھر سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آوازیں آ رہی ہیں۔ جہاں کل ہر طرف بتوں کا مکمل دخل تھا۔ وہاں آج ہر جانب توحید کا قبضہ ہے۔ جو ظالم تھے وہ آج کانپ رہے ہیں اور جو مظلوم تھے وہ خوش خوش پھر رہے ہیں۔ شیطان کو وہاں سے نکال دیا گیا ہے اور قدوسی ہر جگہ قابض ہو گئے ہیں جاء الحق وزھق الباطل کا جیسا روح پرور نظارہ آج دیکھنے میں آیا ایسا پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا۔ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں جیسی شکست آج ملی ہے ایسی کبھی نہیں ملی تھی۔

یہی وہ مکہ ہے جہاں سے خدا کے مقدس رسول کو اس کے باشندوں نے نہایت مجبور کن حالات میں نکالا تھا۔ لیکن آج اسی مکہ کے ہر متکبر کا سر آنحضرتؐ کے قدم کی جوتی کے نیچے ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں بلالؓ کو اسلام لانے کے جرم میں پاؤں میں رسی ڈال کر کھینچا جاتا تھا۔ مگر آج وہی حبشی غلامؓ کعبہ کی چھت پر کھڑا پوری مسرت اور کمال دل جمعی کے ساتھ اذان دے کر خدا کی توحید اور محمد رسول اللہ کی نبوت کی تبلیغ نہایت بلند آواز سے کر رہا ہے تمام جبارانِ قریش اسے نہایت حسرت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں اور کسی میں ہمت نہیں کہ اُسے روک دے۔ یہی وہ مکہ ہے جہاں خدائے واحد کا نام لینا بڑا خطرناک جرم سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج اسی شہر کے گلی کوچوں میں ہر طرف اللہ اکبر کے نعرے لگ رہے ہیں۔ یہ وہی شہر ہے جہاں کل تک کوئی مسلمان آزادی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتا تھا۔ مگر آج اسی شہر میں کفر کے تمام نام لیوا اور بتوں کے تمام پرستار گھروں میں دبک بیٹھے ہیں۔ اور کوئی نہیں جو ان کی مدد کر سکے مگر یہ تمام صورت حال قریش کی اپنی پیدا کردہ تھی اور انہوں نے اپنی قبریں اپنے ہاتھوں سے خود کھودیں۔

جب ہم مکہ کی فتح کو تبلیغی اور اشاعتی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہم اس فتح کی حیثیت کو نہایت بلند اور ارفع و اعلیٰ پاتے ہیں اور ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ اشاعت اسلام کے لحاظ سے مکہ کی فتح ایک بند دروازہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس میں دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ داخل ہونے پر چوپٹ کھل گیا۔ اور خدا کے دین میں لوگ نہایت کثرت کے ساتھ داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ تمام عرب توحید خداوندی کا قائل اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مصدق ہو گیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے فوراً بعد عرب کے ہر حصہ سے مختلف قبائل نے خود آ کر یا اپنے وفود بھیج کر اسلام قبول کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اقرار کیا۔

مقامی لحاظ سے اس فتح مبین سے (اس کی تبلیغی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے) دو فائدے ہوئے:۔

(۱) پہلا تو یہ کہ شہر کی فتح کے فوراً بعد کفار جوق در جوق آنے اور اسلام قبول کرنے لگے کیونکہ:

ا۔ ایک طویل عرصے کی سخت کشمکش اور مقابلہ و مجادلہ کے بعد جب وہ بالکل ہار گئے اور مزید مقابلے کی طاقت ان میں باقی نہ رہی تو ان کو چار و ناچار ماننا ہی پڑا کہ اگر ہمارے خداؤں میں کوئی طاقت ہوتی تو ہمیں ہر میدان میں پے در پے شکستیں نہ ہوتیں اور ہر موقع پر ہم ایسے ذلیل و خوار نہ ہوتے۔

ب۔ قریش کو اپنی طاقت و شوکت، عزت و عظمت، مذہبی اعزاز و احترام کا بڑا غرور تھا۔ جب یہ چیز باقی نہ رہی اور الٰہی حکومت تمام شہر پر چھا گئی تو پھر مجبوراً ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ماننی ہی پڑی۔

ج۔ بہت سے لوگ پہلے ہی سے خفیہ طور پر مسلمان تھے مگر سرداران قریش کے ڈر اور قید و بند کی تکلیف سے ڈرتے ہوئے اپنے اسلام کے اظہار کی جرأت نہ کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ سرداران قریش کی کوئی عزت اور وقعت باقی نہ رہی تھی۔ انھوں نے بے خوف ہو کر اسلام کو قبول کر لیا۔

مذکورہ بالا ہر سہ وجوہ سے اہل مکہ کی ایک بڑی تعداد نے ایک ہی دن میں مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کر لی۔

بیعت کا طریقہ مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تھا۔ جس کی تصریح طبری نے اس طرح کی ہے:

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ سے ایک درجے نیچے حضرت عمرؓ بن الخطاب بیٹھے تھے۔ یہی بیعت کے لیے لوگوں کو فرداً فرداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ بیعت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے یہ اقرار لیتے تھے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ تمام بیعت کرنے والوں سے اسی امر پر بیعت لی گئی[1] (مردوں سے ہمیشہ حضور علیہ السلام نے اسی طرح بیعت لی ہے)

عورتوں سے بیعت لینے کے دو طریقے تھے۔ ایک تو یہ کہ پانی سے بھرا ہوا ایک برتن حضور علیہ السلام کے سامنے رکھا رہتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے اقرار کرا لیتے تو اس کے بعد اپنا ہاتھ پانی میں ڈال کر نکال لیتے۔ ان کے بعد بیعت کرنے والی عورتیں اس پانی میں ہاتھ ڈالتیں۔ اس کے بعد صرف یہ طریقہ باقی رہ گیا کہ حبیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے سب باتوں کا اقرار کرا لیتے تو فرماتے جاؤ بیعت ہو گئی۔ سوائے ان عورتوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا یا جو آپ کی محرم تھیں حضور علیہ السلام نہ کسی غیر عورت سے مصافحہ فرماتے تھے نہ اسے ہاتھ لگاتے تھے۔ اور نہ کوئی غیر عورت آپ کو ہاتھ لگاتی تھی۔[2]

(۲) اس اجتماعی بیعت کے علاوہ دوسرا فائدہ "انفرادی بیعت" سے ہوا۔ وہ اس طرح کہ قریش کے تمام بڑے

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱۲۵ [2] تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۱۲۶

بڑے سردار۔ امیر اور رئیس جنھوں نے مکی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو ناقابل بیان تکلیفیں پہنچائی تھیں اور اس کے بعد مدنی زندگی میں آپ کے خلاف ہر قسم کی خونی کارروائیاں اور قاتلانہ سازشیں کی تھیں۔ اب اپنی گزشتہ بداعمالیوں کے باعث مارے خوف و دہشت کے کانپ رہے تھے۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ ہم ضرور گرفتار ہوں گے اور گرفتاری کے ساتھ ہی قتل کر ڈالے جائیں گے۔ اس لیے:۔

۱۔ بعض نے فوراً راہ فرار اختیار کی۔

۲۔ بعض بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

۳۔ بعض جو بھاگ نہ سکے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

۴۔ بعض نے مقتدر صحابہؓ کی سفارش کا آسرا ڈھونڈا۔

مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایسے خونی اور خطرناک مجرموں کو جنھیں دنیا کا کوئی بھی قانون معاف نہ کر سکتا تھا۔ بے نظیر اور محیر العقول حلم و رحم سے کام لے کر معاف فرما دیا۔ اس معافی کا جواں دشمنان خدا و رسول کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ قریش پر ایسا گہرا اثر پڑا کہ اس نے ان کے کفر و شرک کے ناپاک عقیدے کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اور ان کو مجبوراً اسلام کی روحانی تلوار کے آگے سر جھکانا ہی پڑا۔ جو پورے زور سے چلی اور اپنا کام کر گئی۔ اس ذیل میں صنادید قریش میں سے بعض نمایاں افراد کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو گا کہ ان میں سے کس کس نے کس کس طرح اور کن کن حالات میں اسلام قبول کیا۔

۱۔ ابوسفیان بن حرب

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں سب سے اوّل نمبر پر ابوسفیان بن حرب کا نام آتا ہے۔ جو قریش کا سردار۔ کفر کی فوجوں کا سپہ سالار۔ قریش کے تجارتی قافلوں کا امیر۔ مکہ کا رئیس۔ مسلمانوں کا مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ جس نے خود بھی کئی بار بھاری لشکروں کے ساتھ مدینہ پر حملے کیے اور تمام عرب قبائل میں پھر کر بھی ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسلام کی دشمنی اور عداوت کے لیے وقف تھا جس کی رگ رگ میں مسلمانوں کا بغض خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔ جس نے شروع سے لے کر اس وقت تک اسلام کی بیخ کنی اور اس کے استیصال میں سعی اور کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ جو ایک ایسا انسان تھا جس کے دل میں ہر وقت اور ہر آن اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف غصّہ اور غضب کی آگ بڑے زور و شدت کے ساتھ بھڑکتی رہتی تھی۔ اس کے مسلمان ہونے کا واقعہ ابن ہشام اور طبری نے اس طرح لکھا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب

مکہ فتح کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہو کر مرّ الظہران پہنچے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس قریش کی ہلاکت اور اس کی تباہی و بربادی کا وقت آ گیا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بزور شمشیر داخل ہوئے تو قریش ہمیشہ کے لیے برباد اور تباہ ہو جائیں گے۔ کاش! مجھے اس وقت کوئی ایسا آدمی مل جائے جو قریش سے جا کر کہہ دے کہ حضورؐ کے مکہ پر حملہ آور ہونے سے پہلے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنے لیے امن مانگ لیں۔ میں اسی خیال میں غرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سفید خچر پر سوار ہو کر میدان اراک میں آیا۔ اور سوچنے لگا کہ اگر اس وقت کوئی لکڑیاں چیرنے والا یا کوئی گھوسی یا اسی قسم کا کوئی اور شخص مکہ جانے والا مل جائے تو میں اسے سارا واقعہ بتا دوں تاکہ وہ فوراً جا کر قریش کو خبردار کر دے۔ غرض میں اسی فکر میں پھر رہا تھا کہ یکایک میں نے حکیم بن حزام۔ ابوسفیان بن حرب اور بُدَیل بن ورقا کی آوازیں سنیں۔ یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خبر معلوم کرنے کے لیے مکہ سے نکلے تھے۔ حضورؐ کے لشکر والوں نے اپنے اپنے خیمے کے سامنے آگ جلا رکھی تھی۔ اور سارے وسیع میدان میں یہ الاؤ سلگ رہے تھے۔ میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا کہ "خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی میدان میں اتنی کثرت کے ساتھ الاؤ جلتے ہوئے نہیں دیکھے"۔ میں نے ابوسفیان کی آواز شناخت کر کے اسے آواز دی "ابو حنظلہ" اس نے کہا "ابوالفضل" میں نے کہا "ہاں"۔ ابوسفیان نے کہا "خوب ہوا کہ تم سے اس اندھیری رات میں ملاقات ہو گئی۔ میرے ماں باپ تم پر نثار! کہو کیا خبر ہے؟"

میں نے اس کے جواب میں کہا "تم آگ کے ان ڈھیروں پر تعجب کر رہے ہو جو ہر خیمہ کے آگے لگے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ محمدؐ کا لشکر ہے جو سارے میدان میں پھیلا ہوا ہے۔ اس دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایسی عظیم الشان تیاریوں اور ایسے زبردست لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کی ہے کہ تم کسی صورت سے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور یقیناً ناکام رہو گے۔ مسلمان تعداد میں دس ہزار ہیں اور ان میں سے ہر شخص پورے طور پر ہتھیاروں سے مسلح ہے"۔

میرے اس بیان سے خوفزدہ ہو کر ابوسفیان بولا "اے ابوالفضل! تم پر میرے ماں باپ قربان! مجھے نجات کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ یہ تو ناگہانی مصیبت ہم پر آ پڑی؟"

میں نے کہا "میں کیا بتلاؤں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر تو مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تو فوراً اور بلا تامل تیری گردن اڑا دیں گے۔ مگر خیر ایک کوشش کرتا ہوں ممکن ہے تیرا سر سلامت رہ جائے اور وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ خچر پر سوار ہو جا اور اپنے ساتھیوں کو واپس بھیج دے۔ میں تجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلتا ہوں۔ اور حضورؐ سے تیرے لیے امن کی درخواست کرتا ہوں اگر تو حضورؐ تک سلامت پہنچ گیا اور راستہ میں قتل نہ کر ڈالا گیا تو شاید میری درخواست پر آنحضرتؐ تجھے معاف کر دیں"۔

یہ سن کر ابوسفیان بیم ورجا کی حالت میں خاموشی کے ساتھ میرے خچر پر سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس مکے لوٹ گئے۔ میں اسے لے کر اسلامی لشکر میں آیا۔ جس خیمہ کے پاس سے گذرتا۔ لوگ پوچھتے کہ کون جا رہا ہے؟ پھر خود ہی مجھے دیکھ کر کہتے "اچھا رسول اللہ کے چچا رسول اللہ کے خچر پر سوار ہو کر جا رہے ہیں (سفید رنگ کا ایسا خوبصورت خچر آنحضرتؐ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں تھا۔ اور سب مسلمان حضورؐ کے اس خچر سے واقف تھے) جب ہم دونوں عمر بن خطاب کے خیمے کے سامنے سے گذرے تو عمرؓ فوراً خیمے سے باہر نکل آئے اور ابوسفیان کو میرے پیچھے سوار دیکھ کر کہنے لگے "یہ خدا کا دشمن ابوسفیان یہاں کہاں آن مرا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ خود ہی ہمارے قابو میں آگیا۔ اب میں حضورؐ سے پوچھ کر ضرور اس کی گردن ماروں گا۔ کوئی عہد نامہ اس کی جان کی حفاظت کا ہم نے نہیں کیا۔ اب یہ بچ کر کہاں جا سکتا ہے؟" یہ کہتے ہوئے عمر تیزی کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف دوڑے۔ میں نے بھی اپنے خچر کو دوڑایا تاکہ عمر سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ پس میں عمرؓ سے پہلے آپؐ کی خدمت میں پہنچ گیا عمر بھی فوراً ہی آ گئے اور حضورؐ سے عرض کی کہ "یہ خدا اور رسول کا دشمن ابوسفیان اتفاق سے یہاں آن پھنسا ہے۔ اس کی جان کی حفاظت کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ پس مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔"

میں نے کہا "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اسے پناہ دی ہے۔ اور میں رات کو اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ صبح کی نماز کے بعد جو کچھ فیصلہ اس کے متعلق آنحضرتؐ کریں گے اسی کے موافق کام ہو گا۔"

اس پر عمر بن الخطاب نے ابوسفیان کے قتل پر بڑا زور دیا اور بار بار حضورؐ سے کہا کہ اسے میرے حوالے کر دیں تاکہ ابھی اسے ذبح کر ڈالوں۔

آخر تنگ آ کر میں نے عمر سے کہا "عمر بس بھی کرو تم ابوسفیان کے قتل پر اس لیے زور دے رہے ہو کہ یہ بنی عبد مناف میں سے ہے۔ اگر یہ (تمہاری قوم) عدی بن کعب کی اولاد میں سے ہوتا۔ تب تم اس کی مخالفت نہ کرتے" یہ سن کر عمر بولے "ابوالفضل! ایسا نہ کہیئے۔ خدا کی قسم جس دن آپ مسلمان ہوئے ہیں۔ اس دن مجھے اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ مجھے اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہو جانے سے بھی نہ ہوتی اگر وہ مسلمان ہو جاتا۔ اور یہ خوشی مجھے صرف اس لیے ہوئی کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میرا باپ ایمان لاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی خوشی ہرگز نہ ہوتی جتنی آپ کے مسلمان ہونے سے ہوئی۔"

جب میری اور عمر کی یہ گفتگو ہوئی تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا جاؤ۔ ہم نے اسے رات بھر کے لیے امان دی۔ اور اسے تمہارے سپرد کیا۔ صبح کو پیش کرو۔"

دوسرے دن صبح ہی جب میں ابوسفیان کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر فرمایا "ابوسفیان! تمہاری حالت پر بڑا افسوس ہے۔ کیا اتنے طویل تجربوں کے بعد بھی ابھی تک تم

پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟"

ابوسفیان نے جواب دیا "میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ آپ سے بڑھ کر قرابت اور رشتہ داری کا لحاظ اور خیال کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ آپ نہایت بردبار، نہایت حلیم الطبع اور نہایت شریف جذبات رکھنے والے انسان ہیں۔ اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو کبھی نہ کبھی تو ہماری مدد کرتا اور ہمارے کام آتا"۔

اب حضور علیہ السلام نے فرمایا "ابوسفیان! کیا تمھیں اب بھی اس امر میں شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں"

اس پر ابوسفیان کہنے لگا "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس میں تو شبہ نہیں کہ آپ سے بڑھ کر حلیم، سخی اور شریف کوئی اور نہیں مگر اس امر میں مجھے ابھی کچھ تردد ہے کہ آپ خدا کے نبی بھی ہیں"۔

ابوسفیان کے منہ سے یہ کلمات سن کر میں نے اس سے کہا "کیوں احمق ہوا ہے؟ تیری گذشتہ کرتوتوں کے بدلے میں ابھی ابھی تیری گردن ماردی جائے گی۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو اس بات کا اقرار کر کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں"[1]

اس پر ابوسفیان نے گھبرا کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔

اب میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ "ابوسفیان اپنی قوم کا سردار اور بڑا جاہ پسند انسان ہے۔ اگر اس موقعہ پر آپ کوئی ایسی بات فرمادیں جو اس کی عزت کو بڑھانے والی ہو تو یہ اس کے لیے بڑا فخر ہوگا"۔

حضورؐ نے میری یہ بات سن کر فرمایا "اچھا جب ہمارا لشکر مکہ میں داخل ہو تو اس وقت جو شخص ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا وہ امن سے ہوگا اور اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ نیز جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ بھی امن میں ہوگا اور اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ علاوہ ازیں جو شخص خانہ کعبہ میں جا کر بیٹھ جائے گا وہ بھی امن میں ہوگا۔

---

[1] ابن خلدون لکھتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عباس نے یہ بات کہی تھی کہ "دیکھو وہ عمر آرہا ہے۔ جلدی سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا ورنہ وہ آتے ہی تیری گردن اڑادے گا۔ ابوسفیان نے یہ سنتے ہی گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمانوں میں داخل ہو گیا"۔ (تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم صفحہ ۱۸۵) ابن خلدون کے قول کے مطابق اگر حضرت عباس نے یہ بات کہی تو یہ ان کا اپنا فعل تھا، بانی نہ قرآن کا حکم ہے نہ آنحضرتؐ کا کوئی ارشاد ایسا ہے کہ تلوار کے ڈر یا جان کے خوف سے کسی کو مسلمان بنایا جائے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اگر ابوسفیان اسلام کا اقرار نہ اس وقت اسلام اور آنحضورؐ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی سخت معاندانہ کارروائیوں کی پاداش میں ضرور مارا جاتا۔ اگر اس موقع پر حضرت عباس نہ ہوتے اور زبردست کوشش اور سفارش کر کے ابوسفیان کی جان نہ بچاتے تو اس کا مارا جانا یقینی تھا اور اس کا قتل یقیناً حق بجانب ہوتا مگر ۷۵ برس کے اور میدان کربلا میں اس احسان اور جان بخشی کا ابوسفیان کے پوتے نے حضرت عباس کے بھائی کے پوتے کو خوب بدلہ دیا؟ (اسماعیل)

مگر ساتھ ہی مجھے مخاطب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جب فوجیں مکہ میں داخل ہونے لگیں تو تم ابوسفیان کو اسی راستہ میں ایک ٹیلے پر کھڑا کر دینا۔ تاکہ اسلام کی عسکری طاقت کا اسے کچھ اندازہ ہو جائے۔"

چنانچہ میں نے اس کو حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جہاں سے اسلامی لشکر کو گذرنا تھا وہاں ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا۔ جب اس نے فوجوں کے گذرنے کے وقت ان کی شان و شوکت اور کثرت و ہیبت کو دیکھا تو حیران ہو گیا اور کہنے لگا "اے ابوالفضل ابھلا ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کی کس میں ہمت اور طاقت ہے؟ خدا کی قسم اے ابوالفضل اب تو تمہارے بھتیجے کی سلطنت بڑی زبردست ہو گئی ہے۔" میں نے کہا "یہ سلطنت اور حکومت نہیں ہے بلکہ نبوت ہے جس نے آنحضرت کو اس درجے تک پہنچایا۔" ابوسفیان نے کہا "ہاں بے شک نبوت ہے۔" اس کے بعد میں نے ابوسفیان سے کہا کہ "اب تو نے اسلامی لشکروں کی کیفیت تو دیکھ لی۔ پس دوڑ کر جا اور اپنی قوم سے کہہ کہ تم سب کی نجات اسی میں ہے کہ بغیر تامل کے ہتھیار ڈال دو اور فوراً آنحضرتؐ کی اطاعت اختیار کر لو۔ اگر کسی نے مقابلے کا خیال کیا تو سارے کے سارے مارے جائیں گے اور کوئی ایک شخص بھی نہیں بچے گا۔"

یہ سنتے ہی ابوسفیان بے تحاشا بھاگا اور مکہ میں پہنچ کر چیخا اور چلایا کہ "لوگو! محمدؐ آ گئے اور اتنا عظیم الشان لشکر اپنے ساتھ لائے ہیں کہ اس کے مقابلے کی تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے پس تم سب جلدی جلدی میرے گھر میں آجاؤ کیونکہ محمدؐ نے کہہ دیا ہے کہ جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا وہ امن میں ہو گا۔"

جب ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے اپنے شوہر کی زبان سے یہ کلمات سنے تو چونکہ وہ اسلام کی شدید ترین دشمن تھی۔ لہٰذا اسے سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں اس نے آگے بڑھ کر ابوسفیان کی مونچھیں پکڑ لیں اور چیخ کر کہنے لگی "اس بڈھے بیوقوف گدھے کو مار ڈالو جو ذرا سے لشکر کو دیکھ کر اس قدر حواس باختہ ہو گیا۔" ابوسفیان کہنے لگا "بھائیو! اس نابکار عورت کے بہکانے میں آ کر اپنا ستیاناس نہ کرو اور خاموشی سے محمدؐ کی اطاعت کر لو۔ دیکھو جو آدمی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ وہ امن میں ہو گا۔" لوگوں نے کہا "تیرے گھر میں ایسے کتنے آدمی آجائیں گے؟" اس پر اس نے کہا "جو آدمی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا خانہ کعبہ میں چلا جائے گا۔ وہ بھی امن میں ہے۔" (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۷۱۔ تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول صفحہ ۴۳۵)

ابوسفیان کے اسلام کے متعلق ایک دوسری روایت طبری ہی میں یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ جب آنحضرت نے مکہ پر فوج کشی کی تو اسی دوران میں ابوسفیان اپنے دو ساتھیوں حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا کے ساتھ مر الظہران میں آیا۔ ان لوگوں کو پہلے سے معلوم نہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے چل کر یہاں فروکش ہیں۔ اچانک یہ لوگ اسلامی لشکر میں پہنچ گئے اور جب انہیں حقیقت حال کا علم ہوا تو تینوں (اپنے آپ کو بے بس اور لاچار دیکھ کر) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے آپؐ کی بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد ان تینوں کو حضورؐ

علیہ السلام نے قریش کے پاس واپس بھیجا تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دیں (تاریخ طبری جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۲۳۹)

۲۔ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ

مکہ کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی۔ سردارِ قریش ابو سفیان بن حرب کی بیوی اور مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ حضرت امیر معاویہ کی ماں تھی۔ اس کا باپ عتبہ مسلمانوں کا شدید ترین دشمن اور جنگ بدر میں قریش کا سپہ سالار تھا۔ سب سے پہلے ہی اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدانِ جنگ میں نکلا اور تینوں حضرت حمزہ اور حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ہند پہلے بھی اسلام کی دشمن تھی (اور یہ دشمنی اس کو وراثت میں ملی تھی) مگر باپ اور بھائی کے قتل کے بعد تو اس کی عداوت کی انتہا نہ رہی قسم کھائی کہ جب تک اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ نہ لے لوں گی چین سے نہ بیٹھوں گی۔ جنگ احد میں اس نے اپنے باپ کے قاتل حضرت حمزہ کو قتل کرنے کے لیے ایک غلام وحشی نامی کو آمادہ کیا اور شہادت کے بعد ان کا کلیجہ نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی۔ اسی لیے ہند "جگر خوار" کے نام سے مشہور ہے۔ بڑی ہی سفاک، ظالم، بے رحم اور دلیر و بیباک عورت تھی۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور شوہر بھی مسلمان ہو گیا تو اس نے بھی اپنی جرأت اور عافیت اسی میں سمجھی کہ مسلمان ہو جائے۔ مگر اسے سخت اندیشہ اسی بات کا تھا کہ اگر مسلمان ہونے سے پہلے کسی مسلمان نے مجھے دیکھ لیا تو فوراً ہی قتل کر ڈالے گا۔ اس لیے عورتوں کے جھرمٹ میں نقاب اوڑھ کر آئی۔ تاکہ کوئی پہچان نہ سکے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے طبری اس الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"جب (فتح مکہ کے بعد) قریش کی عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں تو ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھی۔ اس نے اپنی اس حرکت کی وجہ سے جو آنحضرت کے چچا حضرت حمزہ کی نعش کے ساتھ احد میں کی تھی۔ ایک نقاب اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی۔ اور اپنی ہیئت بگاڑ رکھی تھی۔ اس کو اس امر کا یقین تھا کہ اگر میں پہچان لی گئی تو یقیناً آنحضرت میری گرفتاری کا حکم دے دیں گے اور نہ اس کے بعد قتل کا۔ جب سب عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں تو ان کے درمیان ہند بھی تھی حضور علیہ السلام نے ان عورتوں سے فرمایا کہ اس اقرار کے ساتھ میری بیعت کرو کہ آئندہ خدائے واحد کے ساتھ کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بناؤ گی۔

اس پر ہند آگے بڑھی اور اس نے کہا "آپ ہم سے ایسی بات کا اقرار لے رہے ہیں کہ اس کا اقرار آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ مگر خیر ہم یہ اقرار کرنے کے لیے تیار ہیں۔

آنحضرتؐ:۔ اس بات کا عہد کرو کہ آئندہ کبھی چوری نہ کرو گی۔

ہند:۔ میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کبھی کچھ لے لیتی ہوں (کیونکہ وہ بہت کنجوس اور بخیل ہے) نہ معلوم یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس وقت ابوسفیان بھی اتفاق سے وہاں بیٹھا تھا۔ بیوی کی یہ بات سن کر کہنے لگا "اب تک جو کچھ تو میرے مال میں سے چرا کر لے چکی ہے وہ میں نے تجھے معاف کیا۔

ابوسفیان کے اس کہنے سے بھانڈا پھوٹ گیا اور معلوم ہوگیا کہ جو عورت بول بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بیباکی کے ساتھ گفتگو کر رہی ہے وہ ابوسفیان کی بیوی ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام نے خود اسی سے دریافت فرمایا "کیا تم ہند بنت عتبہ ہو؟"

اب جب کہ سب کچھ ظاہر ہو چکا تھا تو وہ کس طرح انکار کر سکتی تھی۔ کہنے لگی "جی ہاں میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ آپ میری خطائیں معاف فرمائیں۔ اللہ آپ کی خطائیں معاف کرے گا (اس موقع پر بھی ہند اپنی بے باکی سے باز نہ آئی)

آنحضرتؐ ۔ اچھا یہ اقرار کرو کہ آئندہ کبھی زنا نہ کرو گی۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کا خطاب عام تھا اور عام خطاب عوام و خواص سب ہی سے یکساں طور پر کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود ہند کی زبان چپکی نہ رہ سکی اور اس نے بڑی بیباکی سے کہا "یارسول اللہ! کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟"

آنحضرتؐ ۔ اس بات کا اقرار کرو کہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کا اشارہ عرب کی اس شرمناک رسم کی طرف تھا جو یہ تھی کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ مگر ہند نے اس میں بھی اعتراض کا پہلو نکال لیا اور بڑی دلیری کے ساتھ کہنے لگی "ربیناھم صغاراً وقتلتھم کباراً فانت وھم اعلم (یعنی ہم نے اپنے بچوں کو صغر سنی میں پرورش کیا۔ لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے جنگ بدر میں ان کو مار ڈالا۔ اب وہ اور آپ سمجھ لیں)

اگرچہ یہ جواب بھی نہایت گستاخانہ اور غلط تھا مگر حضور نے نہایت تحمل کے ساتھ خاموشی اختیار فرمائی اور اسے کوئی فہمائش نہ کی۔ اس کے بعد فرمایا۔

"اور اس بات کا اقرار کرو کہ کسی شخص پر تہمت نہیں لگاؤ گی"

اس پر بھی ہند نے کہا "کسی پر تہمت دھرنا یا کسی پر بہتان لگانا بڑی ذلیل اور کمینہ حرکت ہے۔ کوئی شریف اور معزز عورت کب ایسی کمینہ اور نامعقول حرکت کر سکتی ہے؟"

اس گستاخانہ جواب پر بھی حضورؐ نے درگزر فرمایا اور اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے آخر میں ارشاد فرمایا "اس بات کا اقرار کرو کہ کسی بات میں میرے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو گی اور میری کامل اطاعت اختیار کرو گی"

اس نہایت سیدھے سادے حکم پر بھی ہند نے اعتراض کرنا اپنا فرض سمجھا اور کہنے لگی "یارسول اللہ! ہم اس وقت

یہاں اس لیے نہیں آئی ہیں کہ کسی اچھی بات کے لیے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کریں۔ آپ جو بھی حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گی۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کی بیعت لے لو۔"

(تاریخ طبری جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۲۲۵)

۱۱۔ عکرمہ بن ابی جہل

ابو جہل اسلام کا مشہور ترین اور بدترین دشمن تھا۔ جنگ بدر میں مارا گیا۔ عکرمہ اسی کے فرزند تھے اور اسلام دشمنی میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ہر معرکہ اور ہر جنگ میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑے اور کوئی دقیقہ اسلام دشمنی کا باقی نہ چھوڑا۔ یہی تھے جو جنگ احد میں اپنے دوست خالد بن ولید کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر دوبارہ حملہ آور ہوئے اور ان کے سخت نقصان کا موجب بنے۔ انہی نے ابوسفیان کو جنگ بدر کے انتقام پر ابھارا۔ یہی تھے جو بار بار قبائل عرب کو ورغلا کر آنحضرتؐ کے مقابلے پر لائے۔ فتح مکہ کے وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کفار مکہ کی کامیابی کی کوئی شکل نہ تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ غرض جنگ بدر سے فتح مکہ تک اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اسلام، آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے سخت معاند اور دشمن بنے رہے۔ ان کا گزشتہ اعمالنامہ اتنا تاریک اور اس قدر سیاہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد حضور علیہ السلام نے حکم دے دیا کہ عکرمہ جہاں مل جائے مار ڈالا جائے۔ لہٰذا ان کے لیے اب کوئی اور چارہ کار اس کے سوا باقی نہ رہا کہ بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ چنانچہ یہ بھی اپنے بعض دوستوں کے ساتھ یمن جانے کے لیے مکہ سے روانہ ہو گئے۔

ان کے بھاگ جانے کے بعد ان کی بیوی اُم حکیم بنت حارث نے جو مسلمان ہو گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی جان بخشی کی سفارش کی اور اس رحمت للعالمین نے ان کی سخت اور شدید بداعمالیوں کے باوجود انھیں معاف فرما دیا۔ بیوی فوراً ان کی تلاش میں نکلیں اور یمن پہنچ کر ان کو اپنے ساتھ واپس مکہ لے آئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سخت شرمندہ اور محجوب تھے۔ اور ان کو یقین نہ آتا تھا کہ مجھ جیسے اشتہاری مجرم کو بارگاہ نبوت سے معافی مل سکتی ہے۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم اور شفقت و عنایت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جب اچانک عکرمہ کو سامنے سے آتا ہوا دیکھا تو مرحبا بالراکب المہاجر[1] فرماتے ہوئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی طرف بڑھے اور عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔

---

[1] یعنی اے پردیسی مسافر تیرا آنا مبارک ہو۔ حضرت امام مالکؒ اپنی کتاب موطا میں اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھی۔ وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئی۔ لیکن اس کا شوہر (بقیہ اگلے صفحہ)

اب بھی عکرمہ کو اپنی جان بخشی کی امید نہ تھی۔ انھوں نے یہی خیال کیا کہ یہ ساری خاطر مدارات قتل کی تمہید ہیں۔ آخر نہ رہ سکے اور پوچھ ہی لیا کہ "ام حکیم مجھے زبردستی آپ کے پاس لائی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ نے عفو و درگذر سے کام لیتے ہوئے ازراہ کرم مجھے معاف فرما دیا ہے۔ کیا یہ سب کچھ صحیح اور درست ہے؟"

حضور علیہ السلام نے پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا "ہاں عکرمہ! بالکل صحیح ہے بیشک میں نے تم کو امان دی۔ مگر کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کرو۔"

عکرمہ کا دل اس اعلیٰ حسن سلوک سے اس درجہ متاثر ہوا جس کی حد نہیں۔ بہت ہی شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی اور نظریں نیچی کر کے حضور علیہ السلام کے جواب میں کہنے لگے "میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور سب سے زیادہ نیک۔ سب سے زیادہ صادق الوعد اور سب سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں"

قبول اسلام کے وقت اپنی گذشتہ بداعمالیوں اور بدکرداریوں کی پوری فہرست عکرمہ کی آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ اور جتنی سخت سے سخت دشمنیاں آنحضرتؐ کے ساتھ کی تھیں سب کی سب سامنے آکھڑی ہوئیں۔ تو عکرمہ ان کا تصور کر کے کانپنے لگے اور ان الفاظ میں اپنے گناہوں۔ اپنی بداعمالیوں اور اپنے عظیم جرائم کی معافی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے مانگی۔

"یا رسول اللہ! میں متعدد مواقع پر آپ کے ساتھ نہایت درجہ دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کر چکا ہوں۔ کئی بار آپ کے خلاف لشکر کشی کر چکا ہوں۔ اُحد میں آپؐ کو سخت تکلیف پہنچا چکا ہوں۔ میں نے بارہا مسلمانوں سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کو دوڑایا ہے اور بہت دفعہ آپ کے خلاف سازشوں میں شریک رہا ہوں۔ میں یہ کارروائیاں کر کے بدترین گناہ کا ارتکاب کر چکا ہوں۔ آپؐ میری بداعمالیوں کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگیئے۔" جس پر حضور علیہ السلام نے اس کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔

ازاں بعد عکرمہ نے خدمت نبوی میں عرض کی "یا رسول اللہ! میرے لیے سب سے زیادہ جو چیز بہتر، باعث خیر اور فائدہ مند ہو مجھے اس کی تلقین فرمایئے۔"

حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۷۲ مکہ۔ عکرمہ۔ سے بھاگ کر یمن چلا گیا۔ ام حکیم یمن گئی اور وہاں پہنچ کر اپنے شوہر سے ملی اور اس کو اسلام کی تبلیغ کی جس پر وہ مسلمان ہو گیا اور بیوی کے ہمراہ مکہ میں واپس آگیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ام حکیم اس کو لے کر آئی اور حضورؐ کی نظر اس پر پڑی تو حضور خوشی و مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے عکرمہ کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ پھر حضور نے اس کی بیعت لی۔" (موطا امام مالک در کتاب النکاح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا ارشاد فرمایا "عکرمہ! تیرے لیے سب سے زیادہ موزوں بات یہ ہے کہ تو خدائے پاک کی وحدانیت، اپنی عبدیت اور میری رسالت پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور اسی عقیدے پر قائم رہے۔ یہی چیز دنیا و آخرت میں تیرے کام آئے گی اگر تو نے اس پر استقامت اختیار کی۔"

اس قابلِ قدر نصیحت سے متاثر ہوتے ہوئے عکرمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا "یا رسول اللہ! میں عہد کرتا ہوں اور آپ میرے اس عہد کے گواہ رہیں کہ میں اس وقت تک جس قدر روپیہ خدا کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے اور لوگوں کو راہِ حق سے بھٹکانے میں خرچ کرتا تھا۔ اب اس سے دوگنا روپیہ اسلام کی اشاعت اور کلمۃ الحق کی دعوت میں خرچ کروں گا۔ نیز جس قدر لڑائیاں میں نے اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اب تک لڑی ہیں آئندہ اس سے دوگنی لڑائیاں کفر کا مقابلہ کرنے کے لیے لڑوں گا۔ یہاں تک کہ نورِ حق سب جگہ پھیل جائے۔" حقیقت یہ ہے کہ عکرمہ نے جو کچھ زبان سے کہا تھا اپنے عمل سے کرکے دکھا دیا۔ وہ جب تک زندہ رہا نہایت اخلاص کے ساتھ دینِ حق کی اشاعت اور دشمنانِ حق کا مقابلہ کرتا رہا۔[1]

۴۔ صفوان بن اُمیّہ

اسلام کے شدید ترین دشمنوں میں اُمیہ بن خلف کا درجہ بہت اونچا ہے۔ مؤذنِ رسول حضرت بلالؓ اسی اُمیہ کے غلام تھے جن کو وہ اسلام سے پھیرنے کے لیے اتنی سخت سزائیں دیا کرتا تھا کہ ان کا حال پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بدر کے معرکے میں اپنے سارے کنبے کو لے کر مسلمانوں کے استیصال کے ارادے سے نکلا۔ اور مارا گیا۔ صفوان اسی امیہ کا لڑکا تھا اور اپنے باپ کی طرح اسلام دشمنی میں خصوصی درجہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے انتقام میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا مگر وہ وہاں پہنچ کر حضور علیہ السلام کے رحم و کرم کی تلوار سے خود ہی قتل ہو گئے اور اسلام کے داعی بن کر مکہ واپس آئے۔

اس سازش میں ناکامی کے بعد صفوان نے ابوسفیان کو مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لیے آمادہ کیا جس کا نتیجہ جنگ احد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ غرض ہمیشہ اسلام کی دشمنی اور عداوت میں یہ شخص پیش پیش رہا۔ مکہ فتح ہونے پر جدہ بھاگ گیا۔ اس کے قدیمی دوست عمیر بن وہب نے خدمتِ نبوی میں عرض کی کہ حضور! سردارِ مکہ صفوان جان کے خوف سے بھاگ گیا ہے اس کی جان بخشی کی سفارش کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے حسبِ عادت نہایت دریا دلی سے کام لے کر معاف فرما دیا۔ عمیر جدہ جا کر اسے مکہ لے آئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسے اسلام کی تبلیغ کی تو کہنے لگا کہ حضورؐ دو ماہ کی مہلت سوچنے کے لیے دیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۔ سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۸۷

نے فرمایا دو کی نہیں تم کو چار ماہ کی مہلت ہے جاؤ۔ سوچو۔ سمجھو اور غور کرو" مگر اس عدیم النظیر عفو و درگذر اور رحمی و ملاطفت کے بعد بھی صفوان اپنے مذہب پر قائم رہا۔ لیکن اسلام سے پہلی سی پرخاش باقی نہ رہی۔ آہستہ آہستہ اس کا دل اسلام کی طرف مائل ہوتا رہا۔ اور غزوہ طائف کے بعد باقاعدہ بیعت کر کے حلقہ خدام میں داخل ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حالت کفر میں بھی اس کے ساتھ احسان کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ حنین کے مال غنیمت سے ایک سو اونٹ اسے بھی مرحمت فرمائے تھے۔ [1]

۵۔ سہیل بن عمرو

ابو یزید سہیل بن عمرو مکہ کے نہایت سر برآوردہ لوگوں میں سے تھا اور دیگر رؤسائے قریش کی مانند اسلام اور آنحضرتؐ کا سخت دشمن تھا۔ اسلام کے ساتھ اس کی دشمنی دو چند ہو گئی جب شروع تبلیغ ہی میں اس کے دو جوان اور نہایت صالح بیٹے عبداللہ اور ابو جندل مسلمان ہو گئے۔ سہیل نے ان دونوں پر بے پناہ مظالم توڑے۔ انھیں بھوکا رکھا۔ کوڑوں سے پٹوایا۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر قید رکھا۔ لیکن کوئی بھی ظلم اور تشدد ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکا۔ اسلام دشمنی میں یہ شخص بالکل پاگل بن گیا تھا۔ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہتا کہ کس طرح مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دوں۔ کس طرح سے اسلام کو دنیا سے مٹا دوں۔ کس طرح محمدؐ کا خاتمہ کر دوں۔ چونکہ نہایت اعلیٰ درجہ کا خطیب تھا اس لیے مسلمانوں کے خلاف خوب دھواں دھار تقریریں کرتا لوگ ذوق و شوق سے انھیں سنتے اور ان سے متاثر ہوتے۔ اپنی تقریروں میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب زہر اگلتا جس سے لوگوں میں بڑا اشتعال پیدا ہوتا۔ غرض دن رات۔ اور صبح شام اس کا یہی مشغلہ تھا اور اسی میں وہ لذت محسوس کرتا تھا جنگ بدر میں گرفتار ہوا۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو مشورہ دیا کہ اس کے آگے کے دو دانت تڑوا دیے جائیں تاکہ آئندہ عمدگی کے ساتھ تقریر نہ کر سکے۔ لیکن رحمت عالم نے اسے پسند نہ فرمایا اور ایسے شدید اور فتنہ پرداز دشمن کو معمولی فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ مگر اس احسان اور سلوک کے بعد بھی یہ شرارت اور خباثت سے باز نہ آیا اور اپنی پہلی حالت پر قائم رہا۔

صلح حدیبیہ میں کفار قریش کی طرف سے کشنر معاہدہ یہی تھا۔ اور اسی نے نام پاک محمدؐ کے ساتھ "رسول اللہ" کا لفظ لکھنے سے انکار کیا تھا۔

فتح مکہ کے وقت جن لوگوں نے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا لیکن جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ بڑا پریشان ہوا کہ اب کیا کروں اور کس طرح اپنی جان بچاؤں۔ آخر یہ تدبیر سمجھ میں آئی کہ گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے ابو جندل سے کہلا بھیجا کہ "میں تمہارا باپ ہوں مسلمانوں کا بچہ بچہ میرے نام کا دشمن ہے۔ ذرا بھی کسی وقت باہر نکلا فوراً مارا جاؤں گا تم جس طرح بھی ممکن ہو سکے محمدؐ سے میرے لیے امان حاصل کرو"

---

[1] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۲۲۱

یہ ابوجندل ہی ہیں جن کو محض مسلمان ہو جانے کے جرم میں اس نے انیس سال تک قید رکھا تھا اور زمانہ قید میں کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو بیٹے کو نہ دی ہو۔ مگر یہ خاص اسلامی تعلیم کا اثر تھا کہ بیٹے نے تمام گذشتہ ظلم وستم بھول کر خدمت نبوی میں عرض کی کہ "میرے باپ کو معافی عطا فرمائیں"۔ یہاں ہر وقت دریا رحم وکرم جوش میں رہتا تھا۔ ارشاد ہوا "معاف کیا۔ وہ بے خطر ہو کر گھر سے نکلے۔ کوئی اسے کچھ نہیں کہے گا"۔

بیٹے نے باپ کو جا کر یہ خوشخبری سنائی تو وہ حیران ہو گیا اور بے اختیار ہو کر اس کے منہ سے نکلا "محمدؐ جوانی میں بھی نیک تھے اور اب بڑھاپے میں بھی نیک ہیں"۔

تاہم کفر کا زنگ دل پر اتنا گہرا لگا ہوا تھا کہ اس کے اترنے میں کچھ وقفہ لگا اور جنگ حنین کے بعد یہ اسلام کا بدترین دشمن اسلام کا مخلص خادم بن گیا اور اسلام کی نصرت واعانت اور اس کی اشاعت وتبلیغ میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ عظیم برپا ہوا اور مکہ کے لوگ بھی کچھ متزلزل ہو گئے تو سہیل نے ان کو جمع کر کے ایک زبردست تقریر کی اور کہا کہ "تم لوگوں نے سب سے آخر میں اسلام کو قبول کیا ہے۔ پس سب سے پہلے اسے چھوڑنے والے نہ ہو۔ یاد رکھو اور خوب کان کھول کر سن لو کہ جو آدمی تم میں سے ارتداد اختیار کرے گا میں بے تامل اس کی گردن اڑا دوں گا"۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ ارتداد کے سیلاب عظیم سے محفوظ رہا۔[1]

۶۔ ابوسفیان بن حارث

ابوسفیان کنیت تھی اور مغیرہ نام۔ حارث بن عبدالمطلب ان کے باپ تھے۔ چچا زاد بھائی ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ میں اور ان میں باہم بڑی محبت اور الفت تھی۔ مگر آنحضورؐ کو نبوت کی نعمت ملنے پر یہ دوستی اور یگانگت سخت دشمنی اور عداوت میں تبدیل ہو گئی۔ کوئی دقیقہ آپؐ کی تذلیل میں اور کوئی موقع آپؐ کی تحقیر[2] میں ابوسفیان نے باقی نہ چھوڑا۔ حضور علیہ السلام کی ذات خاص سے بغض وعناد انھوں نے اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ سوتے جاگتے۔ بیٹھتے۔ اٹھتے۔ آنحضرتؐ کی بدگوئی کے سوا اور کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔ آپؐ کی ہجو میں اشعار کہتے اور مجمع عام میں سناتے[3]۔ گلیوں۔ کوچوں اور بازاروں میں پھرتے اور آپؐ کو بدنام کرتے۔ مجلسوں اور محفلوں میں جاتے اور آپؐ کا مذاق اڑاتے۔ غرض مکی زندگی کے تیرہ برس میں ایک دن بھی ایسا نہ گذرا کہ ان کی زبان آنحضرتؐ پر سب وشتم سے باز رہی ہو۔ مدنی زندگی میں کوئی لڑائی ایسی نہیں ہوئی جس میں یہ فوج کفر کے آگے نہ رہے ہوں۔ آپؐ کے خلاف کوئی ایسی سازش نہیں ہوئی جس میں شامل ہو کر انھوں نے اپنی بدترین عداوت کا اظہار نہ کیا ہو۔ غرض اکیس برس تک ان کی زبان آنحضرتؐ کے خلاف قینچی

۱؎ سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۹۳ تا ۱۰۰ ۲؎ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۵۷ ۳؎ اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۳

کی طرح چلتی رہی اور ہاتھ پاؤں مشین کی طرح حضورؐ کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ لیکن جب سنا کہ حضورؐ مکہ پر چڑھائی کر رہے ہیں تو ہاتھ پاؤں پھول گئے اور ساری لسانی اور لفاظی دھری کی دھری رہ گئی۔ بیوی سے کہا۔ "محمدؐ آیا چاہتے ہیں۔ خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے فوراً بھاگ چلو۔ ورنہ زندگی کا خاتمہ یقینی ہے۔"

نیک اور عقلمند عورت نے جواب دیا "عرب اور عجم محمدؐ کے مطیع و منقاد ہوتے جا رہے ہیں لیکن تم اب تک اسی سابقہ بغض و عداوت پر قائم ہو۔ حالانکہ تم پر محمدؐ کی اعانت و امداد کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق ہے۔"

موقع اور وقت کی بات ہوتی ہے۔ یہ نصیحت بیوی نے کچھ اس خلوص اور ایسے موقع پر کی کہ ابوسفیان کے دل پر جا کر بیٹھی اور اپنا کام کر گئی۔ سوچا۔ بیوی نے بات تو ٹھیک کہی آخر مخالفت کب تک اور دشمنی کہاں تک۔ ہم نے ہر قسم کا زور لگا لیا مگر محمدؐ کے کام اور اس کی تبلیغ کو برابر ترقی ہوتی چلی گئی۔ اور ہماری ہر ایک کوشش اور سعی اس کے مقابلہ میں ناکام و نامراد رہی۔ اگر ہمارے خداؤں میں کوئی طاقت اور ہمارے معبودوں میں کوئی قوت ہوتی تو تھوڑی بہت کامیابی ہمیں ضرور ہوتی بیوی نے سچ کہا کہ عرب اور عجم اس کے مطیع ہوتے جا رہے ہیں آخر کوئی نہ کوئی بات تو ہے جب ہی تو محمدؐ کو ترقی ہو رہی ہے۔ پس کیوں نہ محمدؐ کی اطاعت کر کے اپنی زندگی کو محفوظ کر لیا جائے۔

یہ سوچ کر ابوسفیان نے خیال کیا کہ قبل اس کے کہ محمدؐ مکہ میں داخل ہوں راستہ ہی میں ان سے مل کر امان حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اپنے ایک صغیر سن لڑکے جعفر اور اپنے دوست عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کو ہمراہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ منقا نیق العقاب تک پہنچے تھے (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے) کہ یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

ابوسفیان نے بیٹے اور دوست کو تو ایک جگہ ٹھیرایا اور خود اسلامی لشکر میں داخل ہو کر چھپتے چھپاتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے اور دفعتاً حضورؐ کے سامنے آ گئے۔

حضور علیہ السلام کی نظر جو ان پر پڑی تو ان کی گذشتہ اکیس برس کی مسلسل بداعمالیوں اور بدکرداریوں اور سب و شتم کی وجہ سے چونکہ حضورؐ کا دل ان کی طرف سے انتہائی طور پر بیزار اور متنفر ہو چکا تھا لہٰذا حضورؐ نے اپنا منہ پھیر لیا اور ان سے بات نہ کی۔ نہ ان کے سلام کا جواب دیا۔ ابوسفیان دوسری طرف گئے تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور بات نہ کی[1]

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام مکی اور مدنی زندگی میں یہی ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ آپ نے اپنے مخالف سے ایسا سلوک کیا۔ ورنہ ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ سخت سے سخت قاتل اور خونی دشمن جب آپ کے سامنے آئے اور رحم کے خواستگار ہوئے تو حضور علیہ السلام نے ان سے رفق و ملائمت اور نرمی و مروت کا برتاؤ کیا۔ ابوسفیان سے اس بڑھی ہوئی نفرت کا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۴۴

باعث یہ تھا کہ تبلیغ اسلام۔ اشاعت حق اور ترویج دین کے سلسلے میں جو جو تکلیفیں، اذیتیں اور صعوبتیں آپؐ کو غیروں نے پہنچائیں وہ حضور علیہ السلام نے بخوشی برداشت کر لیں لیکن اپنوں سے جو تکلیف آپؐ کو پہنچی تو فطری طور سے حضورؐ اسے بھول نہ سکے کیونکہ اپنوں کا حق تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کی اس عظیم الشان مقصد میں ہر طرح اعانت اور امداد کرتے ۔ آپؐ کے دست و بازو بن کر اسلام کو تقویت پہنچاتے اور آپؐ کے ساتھ مل کر اعلائے کلمۃ الحق میں کوشش اور سعی کرتے۔ مگر جب اس کے خلاف ظہور میں آیا تو آپؐ کو طبعاً اس کا نہایت رنج ہوا۔ اس کی دوسری مثال ابولہب کی ہے۔ وہ حضور علیہ السلام کا سگا چچا تھا۔ آپؐ کے سخت سے سخت دشمن کی مذمت بھی قرآن کریم میں نام لے کر نہیں کی گئی مگر صرف ابولہب ایک واحد شخص ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ نے نام لے کر اس پر لعنت کی۔ ابوجہل اور دوسرے سرداران قریش کی طرف سے حضور علیہ السلام کو ابولہب کی نسبت بہت زیادہ تکلیفیں پہنچیں مگر ابولہب کی مخالفت پر خدائی غضب یکدم بھڑک اٹھا۔ دوسروں نے پتھر مار مار کر حضور علیہ السلام کا سارا جسم لہولہان کر دیا۔ بدن سے خون نکل نکل کر آپؐ کے جوتوں میں جم گیا اور بہت دور تک طائف کے بدمعاش آپؐ پر پتھراؤ کرتے چلے گئے مگر کسی کے حق میں کچھ نازل نہ ہوا مگر آپؐ کے چچا ابولہب نے چند کنکریاں اٹھا کر آپؐ پر پھینکیں تو جبار اور قہار خدا کی انتہائی غیض اور غضب کے ساتھ آسمان سے آواز آئی کہ "ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں" یہ محض اس لیے ہوا کہ ابولہب آپؐ کا نہایت ہی قریبی عزیز تھا)

اپنی پہلی تدبیر میں ناکام ہونے کے بعد ابوسفیان نے ہمت نہ ہاری اور دوسری تدبیر یہ کی کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پاس جا کر ان پر زور دیا کہ آپ میری سفارش آنحضورؐ سے کر دیں۔ امید ہے آپ کی سفارش حضورؐ مان لیں گے اور مجھے معاف فرما دیں گے۔ مگر ابوسفیان بن حارث کی پوری زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کی اور مسلمانوں کی مخالفت، دشمنی اور عداوت میں گذری تھی۔ انھوں نے حضور علیہ السلام کی تحقیر، اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوشش، سعی اور ہمت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا تھا۔ اس وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ اسی نفرت کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ام سلمہ نے حضورؐ سے عرض کی کہ "اپنے ابن عم کو مایوس نہ کیجئے"، تو حضورؐ نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا کہ "مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں۔ اس نے میری آبرو ریزی، میری حقارت اور میری تحقیر میں کونسی کسر باقی چھوڑی ہے جو میں اس کا خیال کروں؟"

اپنی دوسری کوشش میں مایوسی کے بعد جب ابوسفیان کو اور کوئی بات نہ سوجھی تو انھوں نے کہا کہ "اچھا اگر میں ایسا بدکردار ہوں کہ حضورؐ مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتے تو میرے ناپاک وجود سے دنیا کو جلد خالی ہو جانا چاہیئے۔ میں اپنے بچے کا ہاتھ پکڑتا ہوں اور جنگل میں نکل جاتا ہوں۔ جہاں بھوک اور پیاس کی شدت سے ہم دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔"

جب حضور علیہ السلام کے کانوں تک ابوسفیان کے یہ الفاظ پہنچے تو دریائے رحمت جوش میں آیا اور حضورؐ نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے ان کو حاضری کی اجازت دے دی۔ فوراً دونوں باپ بیٹے حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور اپنے گزشتہ قصور کی معافی چاہی[۱]

۷۔ شیبہ بن عتبہ

شیبہ کا باپ عتبہ بن ربیعہ اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھا۔ جنگ بدر میں فوجِ کفار کا سپہ سالار وہی تھا۔ شیبہ کا بہنوئی ابوسفیان بن حرب تھا جو انیس برس تک لگاتار مسلمانوں کے لیے سخت مصیبت کا باعث بنا رہا۔ ان دونوں پر کیا موقوف ہے شیبہ کا سارا گھرانا اسلام کا سخت اور شدید دشمن تھا۔ اور خود شیبہ نے بھی اپنے باپ کی تقلید اور اپنے بہنوئی کی پیروی میں اسلام دشمنی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ ہمیشہ مسلمانوں کی تخریب اور ان کی بیخ کنی کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ قریش کے نوجوانوں کو اسلام دشمنی کے سوا کوئی اور کام بھی نہ رہا تھا۔ اس لیے دن رات اسی شغل میں مصروف رہ کر دنیا و عاقبت میں اپنی روسیاہی کا سامان فراہم کرتے رہتے تھے۔ لیکن فتح مکہ کے بعد قریش کی تمام آرزوئیں جو وہ اسلام کے استیصال کے لیے کرتے رہتے تھے خاک میں مل گئیں اور ان کو نہایت مجبور ہو کر آستانہ نبوت پر سر جھکانا پڑا۔ شیبہ بھی ان میں سے ایک تھا جس نے اس موقع پر مسلمان ہو کر اپنی جان بچا لی۔[۲]

۸۔ عتبہ بن ابی لہب

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور مشہور دشمن اسلام ابی لہب کے فرزند تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل از بعثت اپنی بیٹی حضرت رقیہ کا عقد ان سے اور اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم کا نکاح ان کے بھائی عتیبہ سے کر دیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ تو آپ نے تبلیغ شروع کی اور ابی لہب نے مخالفت شروع کی۔ خدا تعالیٰ نے سورہ تبت یدا ابی لهب نازل کی۔ جب ابی لہب کو اس کی اطلاع ہوئی تو جوش اور غضب کے مارے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ اور فوراً عتبہ کو بلا کر اس سے کہا راسی من راسك حرام ان لم تطلق ابنته (تیرے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے اگر تو محمدؐ کی بیٹی کو طلاق نہ دے دے) باپ کی ڈانٹ اور ماں (ام جمیل) کے اصرار سے مجبور ہو کر عتبہ نے یہ نعمت عظمیٰ اپنے ہاتھ سے کھو دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر رقیہ کو طلاق دے دی (رخصتانہ اُس

---

[۱] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۲۷۹ [۲] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۔۔۔

وقت تک نہیں ہوا تھا[۱] حضور علیہ السلام کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم کو بھی اسی طرح ابولہب نے اپنے دوسرے بیٹے عتیبہ سے طلاق دلوا دی[۲]۔ ان کا بھی ابھی تک رخصتانہ نہیں ہوا تھا۔ (بعد میں ان دونوں بیٹیوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوا)

عتبہ نے ماں کے اصرار اور باپ کے مجبور کرنے سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کو طلاق بے شک دی مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے تبلیغ اسلام اور اشاعتِ حق کے کاموں میں حضور علیہ السلام کی کوئی خاص مخالفت نہیں کی۔ اگرچہ باپ اسلام کے دشمنوں کی صفِ اوّل میں تھا اور اسی حالتِ بغض و عناد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

اسی عدم مخالفت کا نتیجہ تھا کہ باوجود حضرت رقیہ کو طلاق دینے کے اور باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں عتبہ کی طرف سے گنجائش اور جگہ تھی چنانچہ جب فتح مکہ کے بعد قریش کے اکثر افراد نے آکر حضورؐ کی بیعت کر لی مگر ان میں عتبہ اور ان کے بھائی معتب کہیں نظر نہ آئے تو حضور علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباس سے دریافت فرمایا "تمہارے دونوں بھتیجوں (یعنی عتبہ اور معتب) کو نہیں دیکھا نہ معلوم کہاں ہیں؟"[۳]

حضرت عباس نے عرض کی "مشرکین قریش کے ساتھ وہ دونوں بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں"۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا "چچا! انہیں تلاش کرو اور جہاں ملیں لے کر آؤ"۔

تعمیل ارشاد میں حضرت عباس ان کی تلاش میں نکلے۔ آخر لوگوں سے پوچھتے پر ان کا سراغ مل ہی گیا۔ اور وہ انہیں خدمت نبوی میں لے آئے۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان کے لیے اب سوائے ماننے اور قبول کرنے کے اور کیا چارۂ کار باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے فوراً ہی بیعت کر لی جس سے آنحضورؐ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو ہمراہ لے کر کعبہ میں تشریف لے گئے اور وہاں دیر تک ان کے لیے دعا فرماتے رہے۔ جب واپس ہوئے تو حضور اقدس کا چہرۂ مبارک خوشی و مسرت سے دمک رہا تھا۔ حضرت عباس نے دیکھا تو کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔ آپ کے چہرۂ انور پر مسرت کے آثار ہیں۔ کیا بات ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "میں نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے مجھے دے دیئے۔ پھر میں خوش کیوں نہ ہوں؟"[۴]

---

[۱] صحابیات صفحہ ۱۰۶ ادم ۱۱۳ بحوالہ طبقات ابن سعد و اصابہ کتاب النساء و اسد الغابہ [۲] صحابیات صفحہ ۱۱۳ [۳] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۶۳ [۴] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۶۴ بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۲۱

۹۔ یزید بن ابی سفیان

مشہور دشمن اسلام ابوسفیان بن حرب کے بیٹے اور حضرت معاویہؓ کے بڑے سوتیلے بھائی تھے۔ ابوسفیان کی ساری اولاد میں سب سے زیادہ نیک اور سلیم الطبع تھے۔ اسی لیے یزید الخیر کہلاتے تھے۔ اپنے باپ اور خاندان کے دوسرے افراد کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مخالفت میں پیش پیش نہیں تھے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر بلا تامل ایمان لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے حنین کے مال غنیمت میں چالیس اوقیہ سونا اور ایک سو اونٹ اُن کو بھی دیے تھے۔[۱]

۱۰۔ جمیل بن معمر

پیٹ کے بہت ہی ہلکے تھے۔ کوئی بات سنتے تو جب تک سارے مکّے میں اس کا اعلان نہ کر دیتے اس وقت تک انھیں چین نہ آتا۔ حضرت عمرؓ ایمان لائے تو انھوں نے چاہا کہ میرے اسلام لانے کی خبر شہر میں ہر شخص تک پہنچ جائے۔ اس کام کے لیے جمیل سے زیادہ موزوں آدمی اور کون مل سکتا تھا۔ حضرت عمر ان کے پاس گئے اور کہنے لگے "جمیل! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میاں جمیل کو بھلا کہاں تاب تھی۔ ایک لفظ مزید پوچھے بغیر فوراً بھاگے اور پکارتے جاتے تھے "لوگو! عمر بے دین ہو گیا۔" مگر مسلمانوں کو بے دین بتلانے والے نے فتح مکہ کے بعد خود اسلام قبول کر لیا۔[۲]

۱۱۔ حارث بن ہشام

نام حارث۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ مکّہ کے رئیس اعظم اور بڑے فیاض شخص تھے۔ صدہا غریبوں کے روزینے باندھ رکھے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کے عادات و خصائل دیکھ کر اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں۔ ایک مرتبہ ان کے متعلق فرمایا "حارث قوم کے سردار ہیں۔ ان کے باپ بھی سردار تھے۔ کاش وہ اسلام لے آئیں۔"[۳]

حارث جنگ بدر میں ابوجہل کے ساتھ تھے مگر شکست ہونے پر بھاگ کر جان بچائی اور فتح مکہ کے موقع پر دوسرے سرداران قریش کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔[۴]

---

۱ سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۲۷۰ ۲ سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۳۲۵ ۳ سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۲۹۶ بحوالہ استیعاب جلد اول ص۱۱۰ ۴ مگر ابن ہشام کی روایت ان کے متعلق یہ ہے کہ حارث بن ہشام اور زبیر بن ابی امیہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے شوہر ہبیرہ بن ابی وہب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲۔ حویطب بن عبدالعزیٰ

مکّہ کے بڑے رؤسا میں سے تھے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مبعوث ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اگرچہ بدر سے لے کر صلح حدیبیہ تک تمام لڑائیوں میں کفار کے ساتھ رہے مگر زبان یا عمل سے دشمنی کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ ایک مرتبہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس ہزار درہم قرض مانگے انھوں نے فوراً دے دیے

دعوتِ اسلام کے آغاز ہی سے اسلام کی طرف مائل تھے۔ کئی مرتبہ قبول اسلام کا ارادہ کیا مگر ہر مرتبہ مشہور دشمن اسلام ابوالحکم بن اُمیہ نے غیرت دلا کر روکا۔ آخر فتح مکہ کے بعد حضرت ابوذر غفاری کے وعظ و پند سے متاثر ہو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

۱۳۔ عبداللہ بن زبعری

یہ شخص سخت دشمنانِ رسولؐ میں سے ایک تھا۔ زمانۂ کفر میں اس کا سارا مال۔ تمام دولت ہر قسم کی طاقت اور قوت اسلام کی مخالفت میں وقف تھی۔ اعلیٰ درجہ کا شاعر اور بڑا خطیب تھا۔ اس لیے دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجو میں ناپاک اشعار کہتا اور ہر ایک مجمع میں حضورؐ کے خلاف زہریلی تقریریں کرتا اور ہر وقت اسی نامراد مشغلے میں مشغول رہتا تھا۔ جب مکّہ فتح ہوا تو اس کی ساری بداعمالیاں یکدم اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں اور اس نے سوچا کہ اگر میں مکہ میں رہا تو یقیناً مارا جاؤں گا۔ اس لیے اپنے دوست ہبیرہ بن وہب کو ساتھ لے کر مکہ سے نکلا اور نجران چلا گیا مگر جب اس نے سنا کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے محمدؐ اس کے گناہوں اور سابقہ جرموں کو معاف کر دیتے ہیں تو واپس آگیا اور نہایت شرمساری کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بداعمالیوں کی معافی چاہی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اب وہی زبان جو ہجویہ اشعار سے مسلمانوں پر تیر و نشتر چلایا کرتی ہے نعتیہ اشعار سے انھیں خوش کرنے لگی۔ آنحضورؐ کی توصیف میں اس کے قصائد تمام ارباب سیر نے نقل کیے ہیں۔[1]

۱۴۔ عتاب بن اسید

نہایت نیک دل اور سلیم الفطرت تھے۔ زمانہ کفر میں بھی بت پرستی سے الگ رہے۔ فتح مکہ سے قبل حضورؐ نے فرمایا تھا کہ قریش میں چار آدمی ایسے ہیں جو کفر سے دور اور اسلام سے قریب ہیں اور ان کے دل اسلام کی طرف راغب

کے رشتہ دار تھے۔ اور فتح مکہ کے بعد بھاگ کر انھوں نے ام ہانی کے گھر میں پناہ لی۔ پیچھے پیچھے ام ہانی کے بھائی حضرت علی ان تک پہنچے اور ان دونوں کو قتل کرنا چاہا۔ مگر ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے لیے امان حاصل کر لی اور اس طرح ان دونوں کی جانیں بچ گئیں (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۸۶)

[1] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۳۹ بحوالہ استیعاب جلد اول صفحہ ۳۶۷ و سیرۃ ابن ہشام۔

ہیں۔ ایک عتاب بن اسید۔ دوسرے جبیر بن مطعم۔ تیسرے حکیم بن حزام اور چوتھے سہیل بن عمرو۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن عتاب نے بغیر کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرتؐ کے مخلص خادم بن گئے۔ جب حضور مکہ سے واپس جانے لگے تو ان کو وہاں کا حاکم بنا گئے۔[1]

۱۵۔ فضالہ لیثی

یہ شخص جس کے باپ کے نام میں بہت اختلاف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت ہی جانی دشمن تھا۔ یہاں تک کہ ہر وقت اور ہر آن آپ کو قتل کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ عین اس دن جبکہ حضور فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ نے یہ موقع بڑا غنیمت سمجھا اور آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آہستہ آہستہ آگے بڑھا جب قریب پہنچ گیا اور آپ پر خنجر کا وار کرنا چاہا تو آپ نے نہایت ہی سکونِ قلب کے ساتھ پوچھا "کیا فضالہ ہیں؟"

فضالہ:۔ جی ہاں یا رسول اللہ میں فضالہ ہوں۔

آنحضرت:۔ کس ارادہ سے آئے؟

فضالہ:۔ ویسے ہی حاضر ہو گیا تھا۔

آنحضرت:۔ ابھی تمہارا دل تم سے کیا باتیں کر رہا تھا؟

فضالہ:۔ کچھ بھی نہیں حضورؐ!

اس کے اس صریح جھوٹ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور حضور مسکرانے لگے۔ اس کے بعد حضور اقدسؐ نے اپنا دستِ مبارک فضالہ کے سینے پر رکھ دیا۔ جس کے باعث فضالہ کو ایسا قلبی سکون محسوس ہوا کہ تمام بغض و عداوت اور دشمنی و مخالفت کے خیالات دل سے نکل گئے اور ان کی بجائے محبت و مؤدت اور خلوص و عقیدت کے جذبات دل میں لہریں مارنے لگے۔ خود کہتے ہیں کہ "ہاتھ رکھتے ہی میرا دل حضورؐ کے عشق سے سرتاپا معمور ہو گیا اور تمام مخلوق میں کوئی آپؐ سے زیادہ محبوب نہ رہا۔"

اس کے بعد انہوں نے خدا کی وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔[2]

۱۶۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

بڑا ہی خبیث اور باطن انسان تھا۔ مکی زندگی میں مسلمان ہوا تھا۔ چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا کاتب وحی بنا لیا۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے اپنی تازہ وحی اسے لکھوائی تو اس نے جان بوجھ

---

[1] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص ۱۶۱ بحوالہ اسد الغابہ جلد ۳ ذکر عتاب بن اسید [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۴۱۷ [3] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص ۲۰۲

کر کچھ کا کچھ لکھ دیا۔ مگر فوراً یہ شرارت ظاہر ہو گئی تو بھاگ کر مدینہ چلا آیا اور مرتد ہو گیا۔ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ میں آئے تو یہ پھر بھاگ کر مکہ چلا گیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضورؐ نے حکم دیا کہ جہاں اُسے پاؤ مار ڈالو۔ یہ جان کے خوف سے کعبہ کے پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن جب یہاں بھی امن کی صورت نظر نہ آئی تو بھاگ کر اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن عفان کی پناہ ڈھونڈی اور ان سے کہا کہ خدا کے لیے میری جان بچاؤ اور آنحضرتؐ سے میری سفارش کر دو۔ حضرت عثمان نہایت نرم مزاج اور رحم دل انسان تھے۔ انھوں نے اسے اپنے ہاں چھپا لیا۔ اور مناسب موقع پر اپنے ہمراہ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس کی جان بخشی کی سفارش کی۔ حضور علیہ السلام بہت دیر خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ مگر جب حضرت عثمان کا اصرار حد سے بڑھا تو مجبوراً حضورؐ نے آہستہ سے فرمایا "اچھا جاؤ میں نے معاف کیا"۔ عبداللہ بن سعد نے ازدادِ سے توبہ کی اور دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ جس کے بعد حضرت عثمان اسے ساتھ لے کر واپس چلے آئے۔

حضرت عثمان کے واپس جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو بات کے سمجھنے میں اتنا توقف کیوں ہوتا ہے؟ میں اتنی دیر اس لیے خاموش رہا کہ شاید تم میں سے کوئی اٹھ کر امان ملنے سے پہلے اسے قتل کر ڈالے مگر تم چپکے بیٹھے رہے۔"

ایک انصاری نے عرض کی کہ اگر حضورؐ آنکھ سے اشارہ فرما دیتے تو میں اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "یہ امر نبی کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اس طرح آنکھ سے اشارے کرے"۔[1] اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ نے اسے مصر کا گورنر بنا دیا تھا مگر وہاں کے لوگوں کی شکایت پر معزول کر دیا۔

۱۷۔ حکم بن ابی العاص بن اُمیہ

حکم ابو العاص کا بیٹا، حضرت عثمان کا چچا اور مروان کا باپ تھا۔ بنی امیہ کے دوسرے افراد کی طرح یہ بھی اسلام کا سخت دشمن اور بڑا فتنہ پرداز انسان تھا۔ مگر کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گیا۔ مگر دل کی خباثت کہاں جاتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معتبر سمجھ کر کوئی راز کی بات اس سے کی لیکن اس نے اس کا اظہار کر دیا۔ آنحضرتؐ اس پر سخت ناراض ہوئے۔ اور اسے شہر بدر کر دیا۔

۱۸۔ کعب بن زہیر

یہ شاعر تھا اور مکی زندگی میں دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور مسلمانوں کی تذلیل اس کا شعار تھا۔ اپنی زبان اور اپنے اشعار سے اس نے مسلمانوں کو بڑی ایذا پہنچائی۔ اسی لیے فتح مکہ کے موقع پر بھاگ

---

[1] تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول ص۲۴۲

گیا۔ لیکن جب سنا کہ رحمت للعالمین عام طور سے کفار کو معاف فرمارہے ہیں تو اس نے ایک پُرزور قصیدہ بانت سعاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تصنیف کیا اور واپس آکر نذر گزارا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

۱۹۔ ہبّار بن الاسود

یہ اُم المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ کے چچازاد بھائی کا بیٹا تھا۔ مگر بڑا ہی متعصب اور دشمن اسلام تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت زینب ہجرت کر کے مدینہ جانے لگیں تو اسی نے نیزہ مار کر ان کو اونٹ پر سے گرا دیا تھا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ بہت مضمحل اور بیمار مدینہ پہنچیں۔

فتح مکّہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے قتل کا حکم دے دیا تھا مگر اس نے حاضر ہو کر اپنے قصوروں اور اپنی بداعمالیوں کی معافی چاہی اور مسلمان ہو گیا۔[۱]

۲۰۔ ابو قحافہ عثمان بن عامر

یہ حضرت ابو بکر صدیق کے والد اور مکہ کے شرفا میں سے تھے۔ فتح مکہ تک باوجود بیٹے (ابوبکر) اور بیوی (ام الخیر سلمیٰ) کے مسلمان ہو جانے کے بدستور کفر پر قائم تھے اور اکیس برس کا طویل زمانہ اسی حالت میں گذارا۔ انھوں نے اس عرصے میں اگرچہ اسلام کی علانیہ مخالفت نہیں کی۔ نہ دشمنان اسلام کی عداوتوں اور سازشوں میں جو وہ اسلام اور آنحضرتؐ کے خلاف کرتے تھے کوئی حصہ لیا۔ مگر وہ اس تحریک کو ایک بے کار مشغلہ اور بازیچہ اطفال ضرور سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی کو سامنے سے گذرتا ہوا دیکھ کر کہنے لگے "ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا"۔[۲]

انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ آخر عمر میں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اور جب مکہ فتح ہوا تو یہ نابینا تھے۔ کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے مکّے میں داخل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے ان کو بتایا کہ اب تو سب کچھ ہو چکا۔ قریش کو کامل شکست ہو گئی۔ سارے بُت سرنگوں ہو گئے اور بتوں کی خدائی ختم ہوئی اب تو آپ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ غرض بہت کچھ سمجھا بجھا کر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ہاتھ پکڑ کر لائے۔ ان کی ضعیفی اور بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو بکر سے فرمایا "ان بڑے میاں کو تم نے ناحق تکلیف دی میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا۔

حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کی کہ بہ نسبت اس کے کہ آپؐ ان کے پاس تشریف لے جاتے مجھے بہتر

---

[۱] صحابیات ص[illegible] بحوالہ اصابہ حالات ہبار۔ [۲] اصابہ جلد ۴ ص ۲۲[illegible]

معلوم ہوا کہ میں انہی کو آپؐ کی خدمت میں لے آیا تھا۔

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا ان کے سینے کو مس کیا اور انہیں مسلمان ہو جانے کی تلقین کی جس کے لیے وہ پہلے ہی سے تیار ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ بغیر کسی حیل حجت کے کلمہ پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اس کے بعد جب تک زندہ رہے نہایت مضبوطی کے ساتھ دین اسلام پر قائم رہے ۹۷ برس کی عمر میں بعہد حضرت عمر انتقال کیا[۱]

فتح مکہ کے بعد چند دوسرے مسلمان ہونے والوں کے نام

یہ وہ چند اصحاب ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا۔ اس قسم کے سینکڑوں ناموں میں سے بعض مزید نام یہ ہیں:۔ حضرت اسود بن سریع حضرت ایمن بن خریم۔ حضرت بدیل بن ورقا۔ حضرت حکیم بن حزام۔ حضرت حمزہ بن عمرو۔ حضرت خارجہ بن حذامہ سہمی حضرت سراقہ بن مالک[۲]۔ حضرت سعید بن یربوع۔ حضرت شیبہ بن عثمان۔ حضرت عبداللہ بن ارقم۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ۔ حضرت مطیع بن اسود۔ حضرت ہاشم بن عتبہ۔ حضرت ہشام بن حکیم۔ حضرت نضیر بن حارث۔ حضرت قیس بن عدی حضرت اقرع بن حابس۔ حضرت عیینہ بن حصین۔ حضرت مالک بن عوف وغیرہ وغیرہ[۳]۔

فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم

فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا مال غنیمت حاصل ہوا۔ یعنی چھ ہزار قیدی۔ ۲۴ ہزار اونٹ۔ ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی۔ (ایک اوقیہ سوا تین تولہ کا ہوتا ہے[۴])

ان میں سے چھ ہزار اسیر تو بغیر کسی معاوضہ اور فدیہ کے آزاد کر دیے گئے۔ اور مال سارے کا سارا اُن لوگوں میں حضور علیہ السلام نے تقسیم فرما دیا۔ جو جدید الاسلام تھے اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے سب سے زیادہ مال ابوسفیان کے حصے میں آیا اُسے اور اس کے دونوں بیٹوں کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی حضور علیہ السلام نے عطا فرمائی[۵]۔ اس عطیہ کی بہت دلچسپ تفصیل تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم صفحہ ۲۰۲ کے حاشیہ پر یہ لکھی ہے "جس وقت معاویہ کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دیے گئے تو انھوں نے کہا کہ میرے بیٹے یزید کا حصہ بھی لاؤ" اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا "چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ دے دو" یہ لے کر انھوں نے کہا "میرے دوسرے لڑکے معاویہ کا بھی حصہ دو" تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ اور دینے کا حکم فرمایا ابن ہشام نے ان تمام عطیات کی نام بنام تفصیل لکھی ہے جو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے شرفاء۔ اکابر اور سرداروں کو

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص۴۰۳۔ حیات محمدؐ از ہیکل صفحہ ۸۹۹ و ۹۰۰۔ خلفائے راشدین ص۱۱ [۲] ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے جنگ حنین کے موقع پر بیعت کی [۳] سیر الصحابہ جلد ہفتم و سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص۴۹۳ [۴] سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص۴۹۲

بطور تالیف قلوب عطا فرمائے۔[1]

فصل یازدہم

جزیرہ نمائے عرب میں بتوں کی خدائی کا خاتمہ

(ال) خانہ کعبہ کے بتوں کا انہدام | حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو صرف خدا کی عبادت کے لیے اپنے فرزند اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر تعمیر کیا تھا۔ مگر آئندہ نسلوں کی بے دینی اور مذہب سے بے تعلقی کے باعث خدائے واحد کا یہ گھر بت پرستوں کا تیرتھ بن گیا۔ وہاں آہستہ آہستہ دو چار نہیں بلکہ پورے تین سو ساٹھ خدا گھڑ کر رکھ دیے گئے اور نہایت زور و شور سے ان کی پوجا ہونے لگی۔ آخر خدائی غیرت جوش میں آئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا آپؐ نے ایک ایک کر کے تمام جھوٹے خداؤں اور باطل معبودوں کو خدا کے گھر میں سے نکال کر پھینک دیا۔ اور اسے ہمیشہ کے لیے دوبارہ خدائے واحد کی عبادت کے لیے مختص کر دیا۔ اس کے بعد شیطان جزیرہ عرب میں بت پرستی سے مایوس ہو گیا۔

مکہ کی فتح وہ مبارک موقع تھا جب یہ صنم کدہ دوبارہ مسجد کی شکل میں تبدیل ہوا۔ خدا کا مقدس نبی دس ہزار قدوسیوںؓ کے ساتھ شہر میں فاتحانہ طور پر داخل ہوا اور اس نے حکم دیا کہ توحید کی تبلیغ اور خدائی پیغام کی اشاعت اس وقت تک کما حقہٗ نہیں ہو سکتی جب تک یہ باطل معبود اور مصنوعی خدا آبادیوں اور بت خانوں میں موجود ہیں لہٰذا کعبہ کی مسجد میں سے اور شہر کی تمام ملحقہ آبادیوں میں سے جہاں جہاں مسلمانوں کا تسلط ہو چکا ہے اور جہاں جہاں کے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ بت خارج کر دیے جائیں۔ اس حکم سے حضور علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ چونکہ عرب کے جہلا۔ بدویوں اور توہم پرست اشخاص میں صدیوں سے ان بتوں کی عقیدت و محبت چلی ہوئی ہے۔ وہ پورے طور پر اس وقت تک دور نہیں ہو گی جب تک ان بتوں کا قلع قمع کر کے ان کی خدائی کا خاتمہ نہ کیا جائے گا۔ نیز اسلام کی اشاعت اور وحدانیت کی تبلیغ بھی اسی وقت آسانی اور سہولت سے ہو سکتی ہے جب راہ کے یہ کانٹے دور کر دیے جائیں۔

اس حقیقت سے قطع نظر ویسے بھی مشرکین مکہ کا کیا حق تھا کہ خدائے واحد کے گھر میں بت رکھ کر پوجیں۔ اسی لیے ان غاصبوں سے خدا کے نبی نے خدا کا یہ گھر چھین کر اس میں سے بتوں کو خارج کر دیا۔ کیونکہ گھر کے مالک اور اس کے وارث کو (حضور علیہ السلام حضرت ابراہیم کی نسل اور اولاد سے ہیں) پورا حق حاصل ہے کہ مداخلت بے جا کرنے والوں کو اپنے گھر میں سے نکال دے جب اس میں ان کے نکال دینے کی طاقت ہو

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۲۷ تا ۴۲۹)

اور ابراہیمؑ کے فرزند نے بھی کیا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ کے دروازے پر آئے تو عثمان بن طلحہ (کنجی بردار کعبہ) کو بلا کر اس سے کعبہ کی کنجی لی اور کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ وہاں لکڑی کا ایک کبوتر بنا ہوا رکھا دیکھا۔ اس کو حضور علیہ السلام نے توڑ کر پھینک دیا۔[1]

آگے چل کر ابن ہشام لکھتا ہے "کعبہ میں داخل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر فرشتوں کی تصویریں دیکھیں۔ انہی میں ایک تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی تھی جو اس حالت میں بنائی گئی تھی گویا آپ ازلام[2] کے ساتھ قرعہ ڈال رہے ہیں۔ اس تصویر کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا مشرکوں کو غارت کرے۔ ہمارے بزرگ کی کیسی شکل بنائی ہے۔ بھلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قرعہ بازی سے کیا تعلق تھا؟" پھر حضور علیہ السلام نے ان تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسی وقت سب مٹا دی گئیں۔[3]

حضرت ابراہیم کی طرح حضرت اسمٰعیل اور حضرت عیسٰی کے مجسمے بھی وہاں رکھے ہوئے تھے اور کعبہ کی دیواروں پر بھی بہت سی رنگین تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ کے حکم سے سب برباد کر دی گئیں۔[4]

صحیح بخاری میں آتا ہے عن عبداللہ بن مسعود قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ یوم الفتح و حول البیت ستون و ثلاث مائۃ نصب فجعل یطعنہا بعود فی یدہ و یقول جاء الحق و زہق الباطل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید (حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح کو مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ کی چھڑی سے ان کو مار کر گراتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ "حق آگیا اور باطل کافور ہوگیا۔ حق ظاہر ہوگیا۔ اب باطل باقی نہیں رہ سکتا اور اب دوبارہ نہیں آئے گا۔)[5]

ابن ہشام اس روایت کا راوی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کا اعلان کریں (یعنی نہایت بلند آواز سے اذان دیں) اس وقت عتاب بن اسید۔ ہشام بن حارث اور ابوسفیان بن حرب صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بلالؓ نے اذان دی تو عتاب نے کہا "میرے باپ اسید کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت سے پہلے ہی مرگیا۔ اگر آج زندہ ہوتا اور یہ آواز اس کے کان میں پڑتی تو وہ ضرور ایسی سخت بات کہتا جو

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴۰۶ [2] ازلام ان تیروں کو کہتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں فال دیکھنے کے کام آتے تھے اس لفظ کی تشریح اور تفصیل کے لیے دیکھو کلیات ابی البقاء ص ۹۴ طبع عامرہ ۱۲۸۶ھ۔ لغات القرآن مرتبہ عبدالرشید نعمانی جلد اول ص ۷۵ [3] سیرۃ ابن ہشام ص ۸۴۲ [4] فتح الباری ذکر فتح مکہ۔

محمدؐ کو بہت بُری لگتی"۔

ہشام بن حارث نے کہا "اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ محمدؐ حق پر ہیں تو میں ضرور ان کی اطاعت اختیار کر لوں"۔

رہ گیا ابوسفیان! تو وہ کہنے لگا "بھائیو"! میں تو کچھ بھی نہیں کہتا۔ کیونکہ اگر میں ذرا بھی بولا تو یہ فرش کعبہ کی کنکریاں میری ساری بات محمدؐ سے کہہ دیں گی"۔ جب حضور علیہ السلام باہر تشریف لائے تو آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم تینوں نے اس وقت جو باتیں کیں وہ مجھ سے جبرائیلؑ نے بیان کر دی ہیں۔ یہ کہہ کر آپؐ نے تینوں کی گفتگو سنا دی۔ جسے سن کر تینوں حیران رہ گئے۔ اور عتاب اور ہشام نے بے اختیار ہو کر کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ بے شک خدا کے رسول ہیں کیونکہ اس وقت ہماری گفتگو میں کوئی اور شخص شریک نہ تھا۔ جس کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ اس نے جا کر ہماری باتیں آپؐ سے کہی ہیں"۔[۱]

ابن خلدون کعبے کے بتوں کے انہدام کے متعلق یہ روایت بیان کرتا ہے: "کعبہ کے اندر اور باہر اور اطراف میں جس قدر اصنام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو توڑ کر منہدم کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود بھی بہت سے بتوں کو توڑا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اُس سے آپؐ بتوں کو زمین پر گرا رہے تھے۔ کوئی بُت ایسا باقی نہ رہا جو اوندھے منہ زمین پر نہ گر پڑا ہو"۔[۲]

(ب) **مفصلات کے بتوں کی تباہی** خانہ کعبہ کے خداؤں کو تباہ اور برباد کرنے کے بعد اب مفصلات کی باری آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مقامات پر مختلف آدمیوں کو بھیج کر وہاں کے مشہور بتوں کو جنھیں آس پاس کے قبائل پوجتے تھے منہدم کرا دیا مثلاً لات۔ مناۃ۔ عزیٰ اور سواع وغیرہ۔

۱۔ عزیٰ ان میں سب سے بڑا مرتبہ عزیٰ کو حاصل تھا۔ یہ بُت مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر بمقام نخلہ نصب تھا۔ قریش۔ کنانہ اور مضر وغیرہ معزز قبائل اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بنو سلیم کی شاخ بنی شیبان اس بت کے پجاری اور محافظ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اسے مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب بُت کے پجاری نے سنا کہ خالد بن ولید اسے ڈھانے آ رہے ہیں تو اس نے یہ کام کیا کہ اپنی تلوار عزیٰ کے گلے میں ڈال دی اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "ہمارے قابلِ تعظیم معبود! میرے لیے تو اب یہاں ٹھیرنا محال ہے۔ کیونکہ خالد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لہٰذا میں تو جا رہا ہوں۔ اور یہ تلوار تیری گردن میں ڈالے جا رہا ہوں۔ جب خالد اور اس کے ساتھی تجھ تک پہنچیں تو اس تلوار سے ان کا ایسا قتل عام کیجیو کہ ان میں سے کوئی شخص بھی باقی نہ رہے"۔ یہ کہہ کر خود تو فوراً بھاگ گیا اور اپنے خدا کو خالد کے رحم پر چھوڑ گیا۔ جنھوں

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص۲۲۲۔ [۲] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم ص۱۵۸۔

پہنچ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اور بت خانہ کی عمارت بھی مسمار کر دی۔[۱]

مشرکین عرب کے نزدیک عزیٰ بڑی شان کا بت تھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ خدا سردیوں کی سرد راتیں لات کے ہاں اور گرمیوں کے گرم دن عزیٰ کے ہاں گذارتا ہے۔[۲] بھلا جس دیوتا کے ہاں خدا چھ مہینے مہمان رہے اس کی رفعت و شان کا کیا کہنا؟ یہی وجہ تھی کہ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجا لاتے تھے جو کعبہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ اس کا نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ طوف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھایا کرتے تھے۔[۳]

۲۔ منات عرب کے بُت پرستوں کے نزدیک منات کو بھی خداؤں میں بڑی حیثیت حاصل تھی۔ یہ ان گھڑا بیڈول سا پتھر تھا جو مدینہ منورہ سے سات میل پر قدید کے پاس مشلل کے مقام پر نصب تھا۔ عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کیے تھے۔ یہ بت ان سب سے زیادہ موقر اور معتبر تھا۔ قبائل ازد۔ غسان۔ اوس اور خزرج اس کا حج کیا کرتے تھے۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کے حج سے فارغ ہوتے تو یہیں آکر احرام اتارا کرتے تھے۔[۴] اس "خدائے اعظم" کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سعد بن زید الاشہلی نے توڑا۔[۵]

۳۔ سُواع قبیلہ ہذیل کا بت سُواع تھا۔ جس کے متولی بنی لحیان تھے۔ یہ ایک پتھر تھا جو ینبوع کے قریب مقام رہاط میں نصب تھا۔ اور قبیلے کے لوگ نہایت عقیدت کے ساتھ اس کا طواف کرتے تھے۔ اس کو توڑنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو بھیجا۔ جب یہ وہاں گئے تو بت خانہ کے پجاری نے ان سے پوچھا کہ "تم کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟" انھوں نے جواب دیا، "میرا نام عمرو بن عاص ہے اور مجھے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُواع کو توڑنے کے لیے بھیجا ہے۔"

پجاری نے حضرت عمرو بن عاص کا یہ فقرہ پورے غور کے ساتھ سُنا اور پھر نہایت اطمینان سے کہنے لگا، "تم میں یہ طاقت اور ہمت نہیں کہ تم سواع کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکو۔ اگر تم نے ایسا ارادہ کیا تو وہ تمھیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔ تمھیں پتہ بھی ہے یہ بڑے جاہ و جلال کا معبود ہے۔" عمرو بن عاص نے کہا "ہاں مجھے اس کے "جاہ و جلال" اور اس کی "شان و شوکت" کا خوب پتہ ہے۔ اور میں تمھیں ابھی دکھا دوں گا کہ اس میں کتنی طاقت اور قوت ہے؟"

یہ کہہ کر حضرت عمرو بن عاص نے پجاری کے دیکھتے ہی دیکھتے بت کے بہت سے ٹکڑے کر ڈالے۔ اور پھر بت کے پجاری کو مخاطب کر کے کہنے لگا، "تم نے دیکھ لیا اپنے خدا کا انجام؟"

پجاری جو نہایت حیرت کے ساتھ اس تمام ڈرامے کو دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار چلا اٹھا "میں محمد کی رسالت

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳ ۲؎ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۵۸۲ ۳؎ معارف جلد دوم ص ۷۰ ۴؎ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۲۸۳

۵؎ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص ۲۲۹

اور اس کے خدا کی وحدانیت پر ایمان لایا۔[1]

بعد کے زمانہ میں بت شکنی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی مہمیں بھیجیں وہ سب اسی سلسلے میں شامل ہیں اور ان کا بیان بھی ہم متفرق جگہ کرنے کی بجائے یہیں کیے دیتے ہیں تاکہ بت شکنی کے سارے واقعات ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔

عرب میں ہر علاقے کا خدا علیحدہ تھا۔ ہر خاندان کا معبود جدا تھا۔ ہر قبیلے کا دیوتا الگ تھا۔ غرض ع

گھر گھر نیا اک خدا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب یہ قبائل اور خاندان مسلمان ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتوں کے توڑنے اور مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اُن میں سے بعض نے تو اس حکم کو خوشی کے ساتھ قبول کر لیا اور حکم کی تعمیل میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو توڑ کر ان کا خاتمہ کر دیا۔ مگر بعض ایسے بھی تھے کہ صدیوں بت پرستی کی لعنت میں مبتلا رہنے کی وجہ سے بتوں کی عظمت و جلالت کا جاہلانہ خیال فوراً ان کے دلوں سے دور نہ ہو سکا ایسے بتخانوں کے انہدام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکابر صحابہ کو مضبوط فوجی دستوں کے ہمراہ ان بتوں اور بت خانوں کو ڈھانے اور مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمایا کیونکہ جب تک ان کو نیست و نابود نہ کیا جاتا۔ اس وقت تک ان کے تقدس کا خیال ان کے سابق پرستاروں کے دل سے دور نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ وہ اسلام پر پختہ ہو سکتے تھے۔

۴۔ لات | اس سلسلے میں سب سے دلچسپ کیفیت عرب کے مشہور بت "لات" کو توڑنے کی ہے۔ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا۔ اور وہ اس کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہونے لگے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنے بت کو توڑنے یا تڑوانے میں بڑی ہچکچاہٹ محسوس کی چنانچہ اول تو بارگاہِ نبوی میں انھوں نے یہ شرط پیش کی کہ تین سال تک اسے نہ ڈھایا جائے۔ جب یہ عرضی نامنظور ہوئی تو وہ کہنے لگے اچھا جانے دیجئے۔ ایک سال کی ہمیں مہلت دیجئے۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں اس فضول کام کے لیے کسی مہلت کی ضرورت نہیں۔" آخر گھٹتے گھٹتے وہ لوگ ایک مہینے تک آ گئے اور کہنے لگے "کم از کم ایک مہینے کی مہلت تو حضورؐ مرحمت فرما ہی دیں۔" مگر حضور علیہ السلام نے کوئی مہلت دینے سے قطعی انکار کر دیا

جب وہ لوگ پورے طور پر مایوس ہو گئے تو مجبور ہو کر انھوں نے یہ درخواست کی کہ اگر آپ اس بت خانہ کو فوراً ہی ڈھانا چاہتے ہیں تو پھر یہ کام ہم سے نہ لیں۔ بلکہ اپنے صحابہ میں سے کسی کو بت کے توڑنے اور بت خانہ کو ڈھانے کے لیے مامور فرمائیں۔"

---

[1] تاریخ طبری جلد اوّل حصہ سوم ص ۱۲۲۹ سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۴۸۳۔

ان کی اس درخواست کو حضور علیہ السلام نے منظور فرمالیا اور مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان بن حرب کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ جاکر بُت خانہ کو منہدم کردو۔[1]

۵۔ خَلَصَہ ملک یمن میں ایک بہت مشہور بت خانہ ذی الخلصہ نامی تھا۔ اس میں جو بُت رکھا ہوا تھا اس کا نام خَلَصَہ تھا اور دوس اور خثعم کے قبائل اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اس بُت خانہ کی تعظیم و تقدیس یمن میں کعبہ کے برابر کی جاتی تھی۔ اسی لیے یہ کعبہ یمانیہ کہلاتا تھا۔ یہاں کے لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے مگر توہم پرستی اور جہالت کے باعث اپنے ہاتھ سے خَلَصَہ کو مسمار کرنے اور ذی الخلصہ کو ڈھانے کے لیے تیار نہ تھے کہ ایسا کرنے سے نہ معلوم کیا غضب نازل ہو جائے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کے ایک شاہی خاندان کے ایک رکن اور قبیلہ بجیلہ کے سردار حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ خَلَصَہ کو ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ زیادہ آدمی اس مہم کے لیے اس وجہ سے ساتھ بھیجے گئے کہ ممکن ہے بعض جاہل بدو جوش میں آجائیں۔ جریر نے وہاں پہنچ کر خَلَصَہ کو مسمار کر دیا اور ذی الخلصہ کو جلا ڈالا۔ جب جریر نے ابوارطاۃ کے ہاتھ اس کی اطلاع دی تو حضورؐ نہایت خوش ہوئے اور آپ نے جریر کے حق میں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ وَاجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا (اے اللہ اسے ثابت قدم رکھ اور اسے دوسروں کو صحیح راستہ پر چلانے والا اور خود صراط مستقیم پر قائم رہنے والا انسان بنا)[2]

۶۔ ذوالکفین ذوالکفین قبیلہ دوس کا بُت تھا۔ اور وہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس کی پرستش کرتے تھے۔ جب قبیلے کی بڑی تعداد مسلمان ہو گئی تو اس قبیلے کے مشہور مبلغ اسلام حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے حضور علیہ السلام سے اس مرکزِ کفر کے انہدام کی اجازت مانگی جو حضورؐ نے دے دی۔ چنانچہ وہ کچھ دوستوں کو لے کر گئے اور بت خانے میں آگ لگا دی[3]

۷۔ فلس فلس قبیلہ طے کا بت تھا۔ اس قبیلے کا سردار عدی بن حاتم تھا۔ جو اسلامی فوجوں کے آنے پر شام بھاگ گیا۔ فلس کو توڑنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر بت خانہ کو مسمار کر دیا۔ حاتم کی بیٹی سفانہ بھائی کے بھاگ جانے کے بعد وہاں موجود تھی جسے لے کر حضرت علیؓ واپس آ گئے۔ حضور علیہ السلام نے اسے آزاد کر دیا۔

بتوں کے انہدام کے بعد اشاعت اسلام کی طرف توجہ معبودان باطلہ کا قلع قمع کرنے کے فوراً بعد آپؐ نے معبود برحق کی طرف لوگوں کو خاص طور پر توجہ دلائی۔ اور مبلغین اسلام کو مختلف قوموں اور قبیلوں کی طرف دعوتِ حق اور اشاعتِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ طبری نے صاف لکھا ہے فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعو الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۴۷، سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص۵۴۷ [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر۔ باب حرق الدور والنخیل۔ فضل الباری جلد اول ص۶۸۱ [3] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۱۴۳ [4] سیر المہاجرین حصہ دوم ص۲۳۳

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں بہت سی جمعیتیں اطراف مکہ میں دعوت واشاعت اسلام کے لیے روانہ فرمائیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی حضور علیہ السلام نے جنگ وجدل کی اجازت نہیں دی[1])

اشاعت اسلام کے وقت جنگ وپیکار کی ممانعت اسی لیے جب کوئی جمعیت تبلیغ اسلام کے لیے بھیجی جاتی تھی تو اسے خاص طور پر ہدایت کردی جاتی تھی کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں چنانچہ اسی سلسلے میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو ۳۰۰ آدمیوں کی حفاظتی جمعیت کے ساتھ بنی جذیمہ کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا تو ان کو صاف طور پر حکم دیا کہ تمہارے بھیجنے سے مقصد دعوت حق ہے نہ کہ جنگ وجہاد۔ ابن سعد کے الفاظ ہیں کہ بعثہ الی بنی جذیمہ داعیاً الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ جنگ کرنے کے لیے نہیں۔[2])

فصل دوازدہم

فتح مکہ کا عظیم الشان فائدہ

تمام عرب میں اسلام کی آزادانہ اشاعت

اسلام دشمنی میں کعبہ کی مرکزی حیثیت چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مکہ دشمنی اور عداوت میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے مکہ کی فتح متعدد عظیم الشان نتائج کی حامل ہوئی تبلیغ اسلام کے خلاف تمام سازشیں یہیں سے اٹھتی تھیں اور سارے عرب میں پھیل جاتی تھیں۔ آپ کے سخت ترین دشمن یہیں آباد تھے اور یہیں بیٹھ کر انھوں نے آپ کے خلاف تمام عرب میں آگ لگائی تھی اور آپ کی مخالفت اور دشمنی کا بیج ہر عرب کے دل میں بو دیا تھا۔ جو برابر بڑھ رہا تھا۔

۱۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے ابتدا میں آپ کی تبلیغ کی اشد ترین مخالفت کی تھی۔

۲۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے آپ کو اور آپ کے متبعین کو سخت سے سخت جسمانی تکلیفیں دی تھیں اور ہر قسم کے نقصان پہنچائے تھے۔

۳۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے آپ کے ماننے والوں کا تعاقب حبش تک کیا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۱۶۴۹ [2] سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۵۴۱ بحوالہ ابن سعد۔

۴۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے تین سال تک آپؐ کا بائیکاٹ کیے رکھا تھا۔

۵۔ یہ مکہ ہی تھا جس کے آئے دن کے ظلموں سے تنگ آکر حضور علیہ السلام کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا تھا۔

۶۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے شہر سے نکل جانے کے بعد بھی دور تک آپؐ کا تعاقب کیا تھا۔

۷۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے آٹھ سال تک ایک منٹ بھی آپؐ کو مدینہ میں آرام سے بیٹھنے نہیں دیا تھا۔

۸۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے بارہا زبردست لشکروں کے ساتھ آپؐ پر لشکر کشی کی تھی۔

۹۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے بار بار آپؐ کو زہر دلوانے اور قتل کروانے کی کوشش کی تھی

۱۰۔ یہ مکہ ہی تھا جس نے مدینہ کے یہودیوں کو ہر موقع پر آپؐ کے خلاف بھڑکایا تھا۔

۱۱۔ یہ مکہ ہی تھا جس کے فرزندوں نے تمام عرب میں پھر کر قبائل کو آپؐ کے مقابلے پر آمادہ کیا تھا۔

اسی لیے مکہ کی فتح تمام دشمنانِ حق و صداقت کے لیے پیغام موت ثابت ہوئی اور ان کی تمام سرگرمیوں اور سازشوں کا یک دم خاتمہ ہو گیا۔

فتح مکہ کا سب سے بڑا فائدہ (اسلام کی اشاعت میں آزادی)

سب سے بڑا فائدہ مکہ کی فتح سے یہ ہوا کہ تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کی راہ میں جس قدر رکاوٹیں تھیں وہ سب دور ہو گئیں اور پوری دلجمعی، پورے اطمینان اور پوری مستعدی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس کام کی سرانجام دہی میں مصروف و مشغول اور منہمک ہو گئے جس کے لیے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی مخالفت کا جو زبردست بند آپؐ کی راہ روکے کھڑا تھا۔ مکہ کی فتح سے سارے کا سارا منہدم ہو گیا۔ اور حقیقت و صداقت، وحدانیت و توحید اور رسالت و معرفت کا دریائے بیکراں نہایت روانی کے ساتھ بہنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب کو سیراب کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد اسلام کے بسرعت پھیلنے کے اسباب

وہ اسباب اور وجوہ جن کے باعث فتح مکہ کے بعد اسلام نہایت سرعت کے ساتھ تمام جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا اور کفر و شرک اور بت پرستی کی بنیادیں جڑوں سے اکھڑ گئیں حسب ذیل تھیں :۔

(۱) چونکہ کعبہ کی تقدیس کے تمام عرب قبائل قائل تھے اور قریش کعبہ کے متولی اور وارث اور قابض تھے اس لیے وہ تمام عرب میں معزز اور موقر سمجھے جاتے تھے۔ جب قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جنگ چھڑ گئی تو تمام عرب نہایت بے چینی کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنے لگا کہ دیکھیں محمدؐ اور ان کی قوم میں کون فتحیاب ہوتا ہے؟ جس کو فتح حاصل ہو گی اور جو کعبہ پر قابض ہو جائے گا ہم اسی کی اطاعت اختیار کر لیں گے کیونکہ طاقتور کا ہر کوئی ساتھی اور خوشامدی ہوتا ہے مغلوب کا مددگار و معاون کوئی نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب مکہ

فتح ہوگیا اور قریش کی تمام طاقت اور قوت ٹوٹ گئی۔ تو لوگ فاتح کا ساتھ دینے کے لیے امنڈ پڑے اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

(۲) عرب پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مکہ پر کسی طاغوتی طاقت کا قبضہ نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص قریش پر فتح نہیں پا سکتا۔ بہ الفاظ دیگر قریش پر غلبہ حضور علیہ السلام کی صداقت کی دلیل اور مکہ کی فتح اسلام کی سچائی کا ثبوت تھی۔ جب یہ دونوں چیزیں ہوگئیں تو قبائل عرب کے اسلام قبول کرنے میں کوئی روک باقی نہیں رہی۔ اور وہ نہایت کثرت کے ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہونے لگے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے:۔

وکانت العرب تلوّم باسلامھم الفتح فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ نبیٌّ صادقٌ فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر کُلُّ قومٍ باسلامھم

(یعنی عرب کے قبائل مسلمان ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ محمدؐ اور اس کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر محمدؐ اپنی قوم پر غالب آگیا تو وہ سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوگیا تو ہر قبیلہ کے لوگوں نے اسلام لانے میں جلدی کی۔[۱])

(۳) ابھی قریب کے زمانے میں جس کو ساٹھ اکسٹھ برس ہوئے تھے ایک عظیم الشان واقعہ اسی کعبہ کے متعلق ہو چکا تھا جس کو دیکھنے والے ابھی کئی لوگ زندہ موجود تھے کہ ابرہہ حاکم یمن نے کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ پر حملہ کیا مگر آسمانی عذاب کے ساتھ بُری طرح ہلاک ہوگیا۔ اس سے عربوں کو یقین ہو گیا تھا کہ کعبہ پر حملہ کر کے کوئی شخص ہلاک اور برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ پر حملہ کرنے کے بعد کچھ بھی نہ ہوا اور آپؐ نہایت آسانی کے ساتھ کعبہ پر نہ صرف قابض ہو گئے بلکہ انھوں نے ان تمام معبودوں کا بھی کامل طور پر صفایا کر دیا جو کعبہ میں بیٹھے ہوئے سارے عرب پر خدائی کر رہے تھے، جن کی عبادت اور پرستش قریش کا ہر چھوٹا بڑا کر رہا تھا۔ تو عربوں کے دل میں میخ فولاد کی طرح یہ بات بیٹھ گئی کہ محمدؐ یقیناً خدا کی طرف سے ہے۔ جبھی تو کعبہ پر حملہ کر کے برباد نہیں ہوا۔ یہ بُت جھوٹے ہیں جو سب مل کر بھی محمدؐ کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ چنانچہ مسلمان ہونے کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابوسفیان سے فرمایا کہ "اس بات کا اقرار کرو کہ بُت کوئی چیز نہیں اور ان میں کوئی طاقت اور قوت نہیں"۔ تو اس نے یہی جواب دیا کہ "اگر بتوں میں طاقت اور قوت ہوتی تو آج ہماری مدد نہ کرتے"[۲] غرض بت پرستوں کا اپنے بتوں پر سے اعتقاد کا اٹھ جانا بہت زیادہ ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا باعث ہوا۔

(۴) ہجرت سے لے کر فتح مکہ تک آٹھ برس میں مختلف مبلغین اسلام کی ان تھک کوششوں کے باعث

---

[۱] تجرید بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۳ [۲] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۶۱

عرب کے اکثر قبائل اس بات کے دل میں قائل ہو گئے تھے کہ دین اسلام سچ اور حق ہے۔ مگر انھوں نے قریش سے محبت اور مودت کا عہد اور پیمان کر لیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں قریش کی پناہ اور حفاظت انھوں نے حاصل کر لی تھی۔ لیکن جب قریش کا تمام اعزاز و اکرام ختم ہو گیا۔ اور طاقت و حکومت سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آ گئی تو پھر عرب قبائل نے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ وہ اسلام لا کر اپنے مستقبل کو محفوظ کر لیں کیونکہ مسلمانوں کے سوا اس وقت عرب میں اور کوئی طاقت ایسی نہ تھی جس کی پناہ لے کر عرب کے بعض کمزور قبائل محفوظ رہ سکتے۔ اس لیے وہ جلدی جلدی اسلام لے آئے۔

(۵) بعض قبائل اگرچہ صداقت اسلام کے معترف ہو چکے تھے۔ مگر قریش کے قہر و غضب سے ڈرتے تھے۔ لیکن جب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں مغلوب ہو گئے۔ جب کعبہ فتح ہو گیا۔ جب قریش کے خدا کعبہ میں سے نکال کر پھینک دیے گئے تو ایسے کمزور قبائل کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی اور وہ گروہ در گروہ آ کر مسلمان ہونے لگے۔

(۶) سب سے بڑی اور سب سے اہم وجہ قبائل کے بکثرت قبول اسلام کی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ ہوئی کہ مکہ فتح کرتے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے مختلف حصّوں اور علاقوں میں دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے مبلغ اور واعظ روانہ فرمائے۔ جنھوں نے ہر قبیلے کا دورہ کر کے خدائی پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ فتح مکہ کے باعث اب چونکہ اسلام ایک تسلیم شدہ مذہب بن چکا تھا۔ اور مبلغین کے ساتھ بھی کافی جمیعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتیاطاً بھیجا کرتے تھے۔ لہٰذا کسی کی مجال نہ تھی کہ واعظین اسلام کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا۔ مبلغ بلا روک ٹوک تبلیغ کرتے تھے اور سامعین اطمینان کے ساتھ ان کا وعظ سنتے تھے۔ اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم اور مبلغین کے اعلیٰ اخلاق کے باعث لوگ اسلام کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔ چونکہ اب قریش کا کوئی اثر اور دباؤ باقی نہ رہا تھا۔ لہٰذا نہایت آسانی کے ساتھ اور بغیر کسی خدشے اور اندیشے کے لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ غرض تبلیغ اسلام میں سب سے زیادہ اثر ان تبلیغی جماعتوں کا ہوا جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصد کے لیے اطراف عرب میں ہدایتیں دے کر روانہ فرمایا تھا۔ یہ تبلیغی مہمیں اس کثرت کے ساتھ عرب کے مختلف حصص اور مختلف قبائل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجیں کہ بنو اسد کے ایک وفد نے حضور نبوی میں آ کر بڑے فخر سے یہ بات کہی کہ "اگرچہ آپ نے تبلیغ کے لیے ہماری طرف اپنے آدمی نہیں بھیجے مگر ہم پھر بھی آپ پر ایمان لے آئے"[۱]

---

[۱] طبقات کبیر جزو ثالث ص۲۹

فصل سیزدہم

فتح مکہ کے بعد

یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا ایمان افروز نظارہ

قبول اسلام کے لیے بکثرت وفود کی مدینہ میں آمد

فتح مکہ کے بعد فوراً داعیانِ حق اور مبلغین اسلام کا عرب کے تمام حصوں میں سرگرم عمل ہونے کا نتیجہ نہایت خوشگوار نکلا۔ ہر طرف سے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آنے لگے۔ بکثرت قبائل نے اپنے نمائندوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر توحید خداوندی اور رسالت محمدیؐ کا اقرار کیا۔ ان نمائندوں کے آنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں باریاب ہونے کی جو کیفیت ارباب سیر نے بیان کی ہے۔ ان کا "وفود" کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

ان وفود کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق نے صرف ۱۵ وفود کا حال قلمبند کیا ہے۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی نے ۷۰ وفود کا ذکر کیا ہے۔ دمیاطی۔ مغلطائی اور زین الدین عراقی بھی ان وفود کی تعداد یہی بیان کرتے ہیں۔ مگر سیرۃ شامی کے مصنف نے مختلف کتب سیر سے انتخاب و اقتباس کرنے کے بعد ۱۰۴ وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں لیکن حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تلاش و تحقیق کے ساتھ بہت زیادہ حزم و احتیاط کے بعد ۳۴ وفود کے حالات بیان کیے ہیں۔[1]

ان وفود کی جو فتح مکہ کے بعد نہایت کثرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے دو قسمیں تھیں۔ ایک تو وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقت اور قوت سے مرعوب ہو کر آپؐ سے صلح کے طالب ہوئے اور مقررہ جزیہ پر (جو حفاظت کا معاوضہ تھا) آپؐ کی اطاعت قبول کر لی مگر اس وقت اسلام نہیں لائے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جن کے بیشتر افراد نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا اپنے نمائندوں کو تحقیق حال کے لیے مدینہ بھیجا۔ چونکہ قسم اول ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لہٰذا ہم یہاں صرف ان قبائل کا مختصر حال بیان کریں گے جو یا تو مسلمان ہو گئے تھے یا جنھوں نے اسلامی تعلیم سے مستفید ہونے کے لیے اپنے نمائندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس کے نتیجے میں تمام عرب میں اسلام کی اشاعت ہو گئی اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہا جہاں اسلام کا نام نہ پہنچ گیا ہو اور جہاں کے لوگوں نے بخوشی حضور علیہ السلام کے سامنے

---

[1] سیرۃ النبی شبلی جلد ۲ ص ۱۴۳

سر نہ جھکا دیا ہو۔ اس حالت کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا یعنی جب آ گئی اللہ کی نصرت اور مکہ فتح ہو گیا تو اے رسول تو دیکھتا ہے کہ لوگ فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں (سورۃ النصر پارہ عم)

اسلام لانے والے ان وفود کا حال ہم سیرۃ ابن ہشام۔ طبقات کبیر ابن سعد اور سیرۃ النبی شبلی جلد دوم سے انتخاب و اقتباس کے بعد بہت ہی مختصر طور پر یہاں درج کرتے ہیں ان کا بیان تاریخ اشاعت اسلام کا بہت اہم ترین باب ہے۔

۱۔ وفد بنی اسد | بنی اسد بن خزیمہ کے دس گروہ ۹ھ ہجری کی ابتدا میں، اسلام لانے کے لیے مدینہ آئے یہ وہ گروہ تھے جو قریش کی طرفداری میں بارہا مسلمانوں پر حملہ کر چکے تھے۔ اب جبکہ قریش کا دور ختم ہو گیا تو ان قبیلوں کو اسلام لانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ان کے بعض ممتاز افراد یہ تھے۔ حضرمی بن عامر۔ ضرار بن الازور۔ وابصہ بن معبد۔ قتادہ بن القائف۔ سلمہ بن حبیش۔ نقادہ بن عبد اللہ اور طلیحہ بن خویلد۔ (ان میں سے آخر الذکر وہ شخص ہے۔ جس نے حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور خالد بن ولید سے شکست کھا کر شام کو بھاگ گیا تھا۔ پھر واپس آکر مسلمان ہو گیا اور اسلام پر مرا[1]۔)

یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر بڑے فخر سے بطور احسان کہا تھا کہ اگرچہ آپ نے اپنا کوئی داعی اور مبلغ ہماری طرف نہیں بھیجا مگر ہم نہایت تاریک راتوں میں دور دراز کا سفر کر کے ایسی حالت میں آپ کے پاس اسلام قبول کرنے آئے ہیں جبکہ ہمارا سارا علاقہ سخت قحط کی مصیبت میں مبتلا ہے۔" اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے فرمایا۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (یعنی اے نبی! یہ لوگ تم پر اپنے اسلام کا احسان رکھتے ہیں۔ تو تم ان سے یہ بات کہہ دو کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ خدا کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی توفیق دی اگر تم اپنے قول میں سچے ہو[2]۔ سورۃ حجرات)

اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کی طرف اسلام کا پیغام لے کر واپس چلے گئے۔

۲۔ وفد بنو تمیم | بنی تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار نبوی میں آیا۔ یہ وفد قبیلہ کے بڑے بڑے امراء اور رؤسا

---

[1] نہایت مشہور بہادر شخص ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں جنگوں میں نہایت شجاعت کے ساتھ بہت اہم حصہ لیا۔

[2] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم صہ ۲۹۳ [3] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۴۹ ۔ طبقات کبیر جزو ثالث ص ۲۵

پر مشتمل تھا۔ اور سارے وفد میں اسّی نوّے کے قریب افراد تھے۔ ابن ہشام نے بہت نام گنائے ہیں۔ مثلاً عطارد بن حاجب۔ نعیم بن یزید۔ قیس بن حارث۔ قیس بن عاصم۔ اقرع بن حابس۔ حتات بن یزید۔ زبرقان بن بدر۔ اور عیینہ بن حصن وغیرہ۔[1]

جب یہ لوگ مسجد نبوی میں آئے تو نہ انھوں نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حضورؐ کس درجہ اور شان کے انسان ہیں اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ اس وقت آپؐ مکّہ کے فاتح اور ملک عرب کے مالک ہیں۔ بلکہ بے تحاشا آوازیں دینی اور چیخنا شروع کیا کہ "محمدؐ باہر نکلیے اور ہماری بات سنیے" اس موقع پر حضورؐ کی بجائے اگر کوئی دنیوی حکمران ہوتا تو سب اراکین وفد کو نہایت سخت سزائیں دیتا اور دربار سے نکلوا دیتا مگر حضور علیہ السلام انتہائی خاکساری کے ساتھ مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے نرمی اور ملائمت کے ساتھ پیش آئے۔ ان بیوقوفوں کے نزدیک صداقت اور سچائی کا معیار شعر و شاعری اور خطابت تھی۔ جس پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور علیہ السلام کے باہر آتے ہی کہنے لگے محمدؐ! ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ اگر تمھارے خطیب اور شاعر ہمارے خطیب اور شاعر سے جیت گئے تو ہم تمھارے پیش کردہ مذہب کو قبول کر لیں گے۔ ورنہ نہیں۔

اگرچہ مسلمان ہونے اور اسلام قبول کرنے کے لیے یہ نہایت نامعقول شرط تھی۔ حقانیت اور صداقت اور وحدانیت اور رسالت کو مفاخرت اور شعر و شاعری سے کیا تعلق! مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی تڑپ تھی کہ کسی بھی ڈھب سے سہی۔ کوئی شخص سمجھ جائے۔ اس لیے آپؐ نے جب ان لوگوں کی ایسی اوندھی سمجھ دیکھی تو محض اس خیال سے کہ ممکن ہے اسی رنگ سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ ان کی درخواست کو قبول فرما لیا جس کے بعد ان کا فصیح البیان خطیب عطارد بن حاجب کھڑا ہوا[2]۔ اور اپنے قبیلے کی تعریف و توصیف اور ان کے فضائل و محامد میں ایک بڑی زبردست تقریر کی۔ جس کا جواب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے ثابت بن قیس نے دیا۔

تقریروں کے بعد اشعار کا مقابلہ شروع ہوا۔ بنو تمیم کا قادر الکلام شاعر زبرقان بن بدر اٹھا اور اپنی قوم کی شان میں ایک نہایت پُرزور قصیدہ سنایا۔ جس پر حضور علیہ السلام نے اپنے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت سے ارشاد فرمایا کہ حسان! تم اس بات کا جواب دو۔ حسان نے نہایت فصیح و بلیغ اشعار میں اس کا جواب دیا۔

جب فریقین کی طرف سے نثر و نظم میں داد فصاحت و بلاغت دی جا چکی تو معاملہ اقرع بن حابس کے سامنے پیش ہوا۔ جس کو اسی غرض سے بنو تمیم اپنے ساتھ لائے تھے اور جو اعلیٰ درجہ کا خطیب اور بڑا مشہور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۸۱ [2] عطارد بن حاجب اتنا زبردست خطیب تھا کہ ایک مرتبہ نوشیروان شہنشاہ ایران کے دربار میں سے اُسے حسن تقریر کے صلہ میں بطور انعام ایک کمخواب کا تھان مرحمت ہوا تھا (اصابہ فی احوال الصحابہ)

شاعر تھا اور جس کے فیصلے پر ساری قوم سر تسلیم خم کر دیتی تھی اور کسی کو اس کے فیصلے پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ اپنی خطابت اور شاعری پر اس کو اس درجہ گھمنڈ اور غرور تھا کہ اس نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا ان حمدی لزین وان ذمی لشین[1] (یعنی جس کی میں تعریف کر دوں اس کی عزت بڑھ جاتی ہے اور جس کی مذمت کر دوں اسے داغ لگ جاتا ہے)

اقرع بن حابس نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا "میں اپنے باپ کی قسم کھا کر یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ محمدؐ کا خطیب اس مقابلے میں ہمارے خطیب سے بڑھ گیا۔ اور مسلمانوں کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ثابت ہوا۔ ان کا کلام ہمارے کلام سے زیادہ فصیح اور ان کی زبانیں ہمارے لوگوں کی زبانوں سے زیادہ شیریں ہیں۔

ابن ہشام لکھتا ہے کہ اس مفاخرہ اور مشاعرہ کے بعد بنی تمیم کے جس قدر لوگ وفد میں آئے تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے بہت کچھ انعام واکرام دے کر ان کو مدینہ سے رخصت کیا۔[2]

۳۔ وفد بنی عبس | بنی عبس میں سے ۹ شخص بطور وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے نام ابن سعد نے یہ لکھے ہیں۔ میسرہ بن مسروق۔ حارث بن ربیع۔ قنان بن دارم۔ بشر بن حارث۔ ہدم بن مسعدہ۔ سباع بن زید۔ ابو الحصن بن لقمان۔ عبداللہ بن مالک اور فروہ بن الحصین۔ یہ سب لوگ اسلام لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے استقامت اور خیر کی دعا مانگی۔[3]

۴۔ وفد بنی فزارہ | جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ہجری میں جنگ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو بنی فزارہ کے ۱۹ اشخاص کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اسلام قبول کیا۔ حضورؐ نے ان سے ان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ سخت قحط سالی ہے۔ اور ہم لوگ نہایت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس پر حضورؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں اتنی زبردست بارش ہوئی کہ چھ دن تک سورج نظر نہیں آیا۔[4]

۵۔ وفد مرہ | یہ وفد بھی جنگ تبوک کے بعد مدینہ میں آیا۔ رئیس وفد حارث بن عوف تھے۔ یہ وفد تیرہ ۱۳ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے بھی قحط کی شکایت کی اور ان کے لیے بھی حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اسی دن ان کے وطن میں بارش ہوئی۔ حضورؐ نے وفد کے ہر رکن کو دس دس اوقیہ چاندی بطور انعام مرحمت فرمائی۔[5]

۶۔ وفد ثعلبہ | بنو ثعلبہ کے چار آدمی فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے

---

[1] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم صفحہ ۳۰ بحوالہ اصابہ تذکرہ اقرع بن حابس [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۸۶
[3] طبقات ابن سعد جزو ثالث ص ۱۱۷ [4] طبقات کبیر جزو ثالث ص ۴۲ [5] طبقات کبیر جزو ثالث ص ۴۳

اور عرض کہ ہم اپنی قوم کے نمائندہ بن کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور ہم اور وہ سب اسلام کا اقرار کرتے ہیں حضور علیہ السلام نے چند دن تک چاروں کو مہمان رکھا اور روانگی کے وقت حضرت بلال نے ہر ایک کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی دی۔ (حضرت بلالؓ آنحضرتؐ کے خزانچی تھے) [۱]

۷۔ بنی حارث | یہ وفد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آیا۔ وفد میں کل دس آدمی تھے۔ جن کے سردار سعد ابن الحارث تھے۔ حضورؐ نے نہایت اخلاق سے ان کو ٹھہرایا۔ اور حضرت بلالؓ کو ان کی خاطر مدارات کا حکم دیا۔ یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور واپسی کے وقت ہر ایک کو حضورؐ نے انعامات دیے [۲]

۸۔ وفد کلاب | یہ ۱۳ آدمیوں کا وفد تھا جو ۹ھ میں مدینہ آیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ ہمیں خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی تبلیغ آپ کے بھیجے ہوئے مبلغ ضحاک بن سفیان نے کی اور ہم نے اسے قبول کیا اور اسلام لے آئے۔ انھوں نے ہمارے امراء سے زکوٰۃ وصول کی اور ہمارے غرباء میں بانٹ دی [۳] اب ہم حضورؐ کی خدمت میں آئے ہیں تاکہ ذاتی طور پر آپ کی بیعت کریں۔

۹۔ وفد رؤاس بن کلاب | اس قبیلہ کا ایک معزز شخص عمرو بن مالک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوا۔ اور واپس جاکر اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی۔ [۴]

۱۰۔ وفد عقیل بن کعب | اس قبیلے کے تین آدمی ربیع، مطرف، انس بطور نمائندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ حضور علیہ السلام نے ان کو مقام عقیق اس شرط پر مرحمت فرمایا کہ نماز پڑھتے رہیں۔ زکوٰۃ دیتے رہیں اور اطاعت وفرمانبرداری پر قائم رہیں۔ ان کے علاوہ اس قبیلے کے دیگر افراد بھی وقتاً فوقتاً مدینہ آتے اور اسلام قبول کرتے رہے۔ جب اس قبیلے کا ایک شخص ابو حرب بن خویلد آپ کی خدمت میں آیا اور آپ نے اس کو نہایت اچھی طرح اور بہت معقول کر تبلیغ کی۔ اس کو قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ اور اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کہا میں تیروں کے ذریعہ سے فال دیکھتا ہوں۔ اگر فال تمہارے حق میں نکلی تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ اس نے فال دیکھی۔ اور فال دین اسلام کے حق میں نکلی۔ جس پر وہ مسلمان ہوگیا۔ [۵]

۱۱۔ وفد بنی جعدہ | بنی جعدہ میں سے رقاد بن عمرو بطور وفد اپنے قبیلے کی طرف سے آئے اور مسلمان ہوگئے۔ پھر واپس جاکر اپنے قبیلے میں اسلام کو پھیلایا۔ آنحضورؐ نے مقام فلج میں انھیں ایک جائداد عطا فرمائی تھی۔ [۶]

۱۲۔ وفد بنی قشیر | غزوہ حنین کے بعد بنی قشیر کی طرف سے ثور بن عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے اور پھر اسلام کا پیغام لے کر اپنی قوم کی طرف واپس گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[۱-۲] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۷۱ [۳] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۷۱۔ [۴-۶] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۷۶

نے ان کو بطور انعام ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔ اس قبیلے میں سے فروہ بن ہبیرہ بھی ثور بن عروہ کے ساتھ ہی اسلام لائے۔[۱]

۱۳- وفد بنی البکاء | سنہ ۹ھ میں بنی البکاء کے تین آدمی بطور وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے پھر اس کے بعد اپنی قوم میں واپس چلے گئے۔ ان کے نام یہ تھے معاویہ بن ثور مع اپنے لڑکے بشر کے۔ جن کی عمر ۱۰۰ برس کی تھی۔ اور مجیع اور عبد عمرو۔ حضور علیہ السلام نے ان کی بہت اچھی طرح مہمان داری کی اور چلتے وقت ان کو انعامات عطا فرمائے۔[۲]

۱۴- بنو کنعانہ | بنی کنانہ کی طرف سے واثلہ بن الاسقع اللیثی بطور وفد مدینہ میں اس وقت پہنچے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس ضرورت سے آئے ہو؟ انھوں نے اپنا حسب نسب بتلایا اور عرض کی کہ اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے ان سے بیعت لی اور یہ واپس اپنے قبیلے میں اشاعت اسلام کے لیے چلے گئے۔ مگر پھر فوراً ہی واپس آئے اور جنگ تبوک میں شامل ہوگئے۔[۳]

۱۵- وفد بنی عبد | بنی عبد بن عدی کا وفد ایک جماعت پر مشتمل تھا جس کے بعض افراد کے نام ابن سعد نے یہ لکھے ہیں :- حارث۔ عویمر۔ حبیب۔ ربیعہ۔ خدمت نبوی میں حاضر ہوکر یہ سب لوگ اسلام لائے اور پھر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔[۴]

۱۶- وفد بنی باہلی | بنی باہلہ کے وفد دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ایک مرتبہ ان کے قاصد مطرف بن الکاہن الباہلی تھے۔ یہ دونوں خدمت نبوی میں آکر مسلمان ہوئے اور اپنی قوم کی طرف اسلام اور امن کا پیغام لے کر گئے۔[۵]

۱۷- وفد بنی سلیم | بنی سلیم کے ایک فرد قیس بن نُسَیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چند باتیں دریافت کیں۔ آپ نے نہایت اخلاق کے ساتھ ان کے جواب دیے اور اس کے بعد حضورؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ تو وہ اسلام لے آئے۔ جب وہ اپنی قوم بنی سلیم کے پاس واپس گئے تو قوم سے کہا کہ میں نے روم کا کلام۔ فارس کی باتیں۔ عرب کے اشعار۔ کاہنوں کی پیشگوئیاں اور قبیلہ حمیر کے نامور مقررین کی تقریریں سنی ہیں مگر محمدؐ کا کلام ان میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں۔ لہٰذا تم لوگ میری پیروی کرو اور سب کے سب جلدی سے اسلام لے آؤ۔ چنانچہ ان کی تبلیغ سے قبیلے کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ یہاں تک کہ ۷۰۰ آدمی اس قبیلے کے

---

[۱] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۷۷ [۲] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۷۷

[۳] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۷۸ [۵] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۷۹

آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگوں میں شامل ہوئے۔ بعض لوگ یہ تعداد ایک ہزار بتاتے ہیں۔

بنو سلیم کے اسلام لانے کی دوسری روایت ابن سعد نے یہ لکھی ہے کہ بنی سلیم نے اپنے ایک شخص قدر بن عمار کو قاصد بنا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے یہاں آکر اسلام قبول کیا اور حضورؐ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے ایک ہزار[۱] شہسواروں کو جہاد کے لیے آپؐ کی خدمت میں لائیں گے۔ انھوں نے واپس آکر نہایت زبردست طریقے سے اپنی قوم میں تبلیغ شروع کی اور بہت جلد ایک ہزار آدمی ایسے تیار کر لیے جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے سکیں۔ ابھی یہ اس لشکر کو آنحضورؐ کی خدمت میں روانہ کرنے نہیں پائے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔ اور یہ لشکر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔

اس قبیلے کے بت خانہ کے مہتمم اعلیٰ راشد بن عبدربہ نے ایک روز دیکھا کہ بت خانے کے صنم اکبر پر دو لومڑیاں پیشاب کر رہی ہیں۔ انھوں نے فوراً اس بُت کو توڑ ڈالا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ بنی سلیم میں سب سے بہتر شخص راشد ہیں[۲] (بنی سلیم کے مسلمان ہونے کے بعض واقعات فتح مکہ سے پہلے کے ہیں اور بعض بعد کے۔ ہم نے تسلسلِ بیان کی خاطر سب کو ایک ہی جگہ لکھ دیا ہے)

۱۸۔ وفد ہلال بن عامر | بنی ہلال کی ایک جماعت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائی۔ ان کے سردار عبد عوف بن اخرم تھے حضورؐ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔[۳]

۱ ۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ | اس قبیلے کے دو سردار عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عامر نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں تو میرے کیا حقوق ہوں گے؟ حضورؐ نے جواب دیا "جو سب مسلمانوں کے ہیں"۔ اس پر وہ کہنے لگا کیا آپؐ کے بعد خلافت میرے لیے ہو سکتی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "میری خلافت نہ تجھے مل سکتی ہے نہ تیری قوم کو"۔ آخر میں اس نے مطالبہ کیا کہ اچھا شہروں کی حکومت آپؐ لے لیں۔ دیہات کی حکومت مجھے دے دیں۔ حضورؐ نے اسے بھی منظور نہیں فرمایا۔ جس پر عامر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ "مجھ میں یہ طاقت ہے کہ پیادوں اور سواروں سے آپؐ پر عافیت تنگ کر دوں"!

عامر کو اس گستاخی کی سزا بہت جلد مل گئی۔ اس کی زبان اس کے حلق میں بکری کے تھن کی طرح سوج کر لٹک پڑی اور اسی میں وہ ہلاک ہو گیا۔ اربد پر بجلی گری اور اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بعد میں اس قبیلے کے لوگ خدمتِ نبوی میں آئے اور اسلام قبول کیا۔[۳] ابن خلدون لکھتا ہے کہ دراصل یہ دونوں سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا مشورہ کر کے آئے تھے۔ مگر اس پر قادر نہ ہو سکے۔[۴]

---

[۱] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۲۶ [۲] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۹ [۳] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۵۱-۵۲ [۴] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی حصہ سوم ص۲۳۸

۲۰- وفد بنی ثقیف ثقیف طائف کا نہایت نامور اور زبردست قبیلہ تھا۔ اور اپنی بہادری اور شجاعت کے لیے تمام عرب میں مشہور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اللھم اھد ثقیفاً وائت بھم یعنی اے اللہ بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو (اسلام لانے کے لیے) میرے پاس بھیج۔

حضور علیہ السلام کی اس دعا نے اپنا اعجازی اثر دکھایا۔ ابھی چند ماہ بھی اس دعا کو نہ گذرے تھے کہ بنی ثقیف مدینہ میں آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اس واقعے کی دلچسپ تفصیل یہ ہے کہ ثقیف کے دو سردار تھے عبدیالیل اور عمرو بن امیہ میں سخت دشمنی تھی۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ مگر ایک روز یکایک ایک شخص نے عبدیالیل سے جا کر کہا کہ عمرو بن امیہ باہر کھڑا انھیں بلا رہا ہے۔ عبدیالیل کو بے انتہا حیرت ہوئی کہ میرا ایسا جانی دشمن میرے پاس کیوں آیا ہے۔ تاہم وہ باہر نکلا اور عمرو سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملا۔ عمرو نے کہا "میں اس وقت ایک خاص اور اہم غرض کے لیے تمھارے پاس آیا ہوں اور وہ غرض یہ ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ محمدؐ کی طاقت اور قوت دن بدن ترقی اور عروج پر ہے۔ قریش اس سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ مکہ اس نے فتح کر لیا ہے۔ عرب کے اکثر قبائل اس کے مطیع ہو گئے ہیں۔ بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور برابر قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ باقی رہے ہم تو ظاہر ہے کہ ہم میں اس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ اور نہ ہم کسی صورت سے اس پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ محمدؐ کی اطاعت قبول کر کے اسلام کو اختیار کر لیا جائے۔ رہے ہمارے آپس کے ذاتی جھگڑے اور منافشات تو عقلمندی اور دوراندیشی یہی ہے کہ اس وقت ان کا خیال اور لحاظ نہ کیا جائے اور سب کو متفق اور متحد ہو کر پیش آمدہ مشکل کا حل سوچنا چاہیے۔ عبدیالیل نے کہا ہاں تم نے ٹھیک کہا اور میں بھی لمبے تجربے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں مجبوراً محمدؐ کی اطاعت قبول کر کے اس کا دین اختیار کرنا ہی پڑے گا۔ پس قوم سے مشورہ کر کے فوراً اس کا کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ دونوں سرداروں نے ساری قوم کے سامنے اس معاملے کو رکھا اور آخر یہ طے ہوا کہ انیس آدمیوں کا ایک گروہ محمدؐ کے پاس جا کر اپنی شرائط پیش کرے اور محمدؐ انھیں منظور کر لیں تو ان کی اطاعت اختیار کر لی جائے۔ عبدیالیل اس وفد کا سردار مقرر ہوا۔ اور سب آدمیوں کو لے کر مدینہ روانہ ہوا۔ یہ رمضان ۹ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

جب یہ وفد مدینہ کے قریب مقام ذی حرض میں پہنچا تو وہاں اس وفد کی ملاقات اتفاقاً حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ہوئی۔ جو وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ جب مغیرہ کو معلوم ہوا کہ یہ وفد اطاعت اختیار کرنے اور اسلام لانے کے لیے آیا ہے تو ان کو بے انتہا خوشی ہوئی اور وہ اونٹوں کو وفد کے پاس چھوڑ کر بھاگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دیں۔ راہ میں حضرت ابوبکر صدیق مل گئے اور انھیں روک کر پوچھنے لگے کہ ایسے بے تحاشا بھاگے ہوئے کہاں جا رہے ہو؟ جب حضرت مغیرہ نے واقعہ بیان کیا تو حضرت ابوبکر نے ان کو خدا

کی قسم دے کر کہا کہ یہ خوش خبری حضور علیہ السلام کی خدمت میں مجھے پیش کرنے دو۔ حضرت ابوبکر کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت مغیرہ نے ان کی اس بات کو مان لیا اور حضرت ابوبکر ہی نے یہ خبر حضورؐ تک پہنچائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بھی یہ اطلاع سن کر مسرور ہوئے۔[1]

ابن ہشام اور ابن سعد کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی ثقیف کی کس قدر اہمیت تھی اور اسی اہمیت کے پیش نظر ان کے اسلام لانے کی خبر مسلمانوں کے لیے کس درجہ مسرت کا باعث ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مسجد نبوی کے صحن میں ٹھیرایا۔ اور ان کے لیے خیمے نصب کرا دیے کچھ لوگ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے ہاں بھی ٹھیرائے گئے۔

صحن مسجد میں ان لوگوں کو ٹھیرانے کی غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی نمازوں میں محویت اور استغراق دیکھ کر اور ان کی دینی حالت اور اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کر کے وہ لوگ متاثر ہوں اور اسلام کی محبت ان کے دل میں پیدا ہو۔ نیز یہ کہ وقتاً فوقتاً ان کو تبلیغ بھی ہوتی رہے۔

جمعہ کے خطبے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ بات دیکھی تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ محمدؐ ہم سے تو اپنی رسالت کا اقرار لینا چاہتے ہیں مگر خطبے میں خود اپنا نام نہیں لیتے! کسی نے آنحضرتؐ سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ جس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا "میں سب سے پہلے اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں خدا کا نبی ہوں اور رسول ہوں۔ اور اس کی طرف سے خلقت کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔[2]

حضور علیہ السلام نماز عشاء کے بعد ان لوگوں کے پاس چلے جاتے اور گھنٹوں ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ قریش کے ہاتھوں مکی زندگی میں جو جو سخت تکلیفیں حضورؐ نے اٹھائی تھیں اور مدنی زندگی میں جو جو لڑائیاں آپؐ کو مجبوراً لڑنی پڑیں۔ ان کا حال بیان فرماتے اور حسب موقع تبلیغی گفتگو بھی فرماتے۔[3] یہاں تک کہ ان لوگوں نے اسلام لانے پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں یہ کہیں:-

۱- زنا ہمارے لیے جائز کر دیا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ مجرد رہتے ہیں۔ اور اس کے بغیر انھیں چارہ نہیں کہ اس طرح اپنی جنسی پیاس بجھائیں۔

۲- ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود پر ہے۔ ورنہ ہماری تمام آمدنی اور کاروبار کا ستیاناس ہو جائے گا لہٰذا سود لینے کی ہمیں اجازت دی جائے۔

۳- شراب کے ہم لوگ اتنے شدید عادی ہیں کہ کسی طرح بھی اس سے رک نہیں سکتے۔ ہمارے ہاں انگور بہت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۶۶۔ طبقات کبیر جزو ثالث صفحہ ۵۳ [2] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم صفحہ ۲۲۲ [3] ابو داؤد۔

کثرت سے ہوتے ہیں اور ان کا بیشتر حصہ شراب بنانے کے کام آتا ہے۔ شراب ہماری زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اگر شراب نہ پئیں تو کھانا ہضم نہ ہو۔ لہٰذا ازراہ کرم شراب پینے سے ہمیں نہ روکا جائے۔

مگر حضور علیہ السلام نے تینوں شرطیں نامنظور کر دیں۔ جس پر مجبور ہو کر انھوں نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں۔ مگر ہمارے معبود (لات) کے متعلق آپؐ کا کیا ارادہ ہے؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔

یہ "عجیب فقرہ" سن کر وفد کے تمام لوگوں کو بے انتہا تعجب ہوا۔ ان کے شرک بھرے دماغ میں یہ بات نہ آسکی کہ کسی انسان میں اتنی جرات ہو سکتی ہے کہ وہ لات پر انگلی بھی اٹھائے۔ انھوں نے بڑی حیرت سے کہا کہ آپؐ نے یہ کیا کہا۔ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ اس کے متعلق آپؐ کا یہ ارادہ ہے تو آپؐ کے سارے شہر کو وہ پل بھر میں غارت کر کے رکھ دے گا"

حضرت عمر فاروق پاس بیٹھے تھے۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ کہنے لگے تم لوگ کس قدر جاہل اور احمق ہو۔ لات سوائے ایک پتھر کے اور کیا ہے۔ اور ایک لات میں اسے اوندھے منہ گرایا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ کہنے "عمر! تم خاموش رہو۔ ہم تمھارے پاس نہیں آئے"

اس کے بعد انھوں نے حضور نبویؐ میں عرض کی کہ اگر لات کو منہدم ہی کرانا ہے تو آپؐ اپنے آدمی بھیج کر خود یہ کام کرائیں۔ ہم پر اس کی ذمہ داری قطعاً نہ ہو گی۔

حضور علیہ السلام نے تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا "آپؐ لوگوں کی یہ شرط مجھے منظور ہے اور میں اپنے آدمیوں کو بھیج کر اسے منہدم کرا دوں گا۔ آپ لوگوں کو اس کام کے لیے تکلیف اٹھانی نہیں پڑے گی"

اس کے بعد انھوں نے نماز کی معافی کی بھی درخواست کی۔ مگر یہ بھی حضورؐ نے نامنظور کی۔ اور فرمایا کہ اس دین میں کسی قسم کی کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔ اس پر مجبور ہو کر وہ کہنے لگے "اگرچہ اس بات کو ماننے میں ہماری بڑی ذلت ہے مگر بہر حال ہم نماز کو قبول کرتے ہیں"[1]

اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم میں دوسرے لوگوں کو مسلمان بنانے کے لیے واپس بھیج دیئے گئے۔ سفارت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بت توڑنے کے لیے روانہ فرمایا۔ ابوسفیان نے تو طائف کے قریب پہنچ کر اپنی جاگیر ذات الہرم میں قیام کیا اور مغیرہ بن شعبہ سے کہہ دیا کہ تم جا کر لات کو توڑ آؤ[2]۔

جب حضرت مغیرہ شہر میں داخل ہوئے اور طائف کی عورتوں کو پتہ لگا کہ مغیرہ اس غرض سے آئے ہیں

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ ثالث ص۱۸۱ [2] تاریخ طبری جلد اول حصہ ثالث ص۱۸۲

تو وہ چیختی چلاتی۔ دھاڑیں مارتی اور گریہ و بکا کرتی ہوئی گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں۔ وہ بڑے زور شور کے ساتھ بت کا نوحہ پڑھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں ؎

الا ابکین دُفّاع اسلمہا الرضاع لم یحسنوا المصاع

(ہم ان پست ہمت اور بزدل لوگوں پر روتی ہیں جن بدبختوں نے اپنے معبودوں کو دشمنوں کے حوالے کر دیا اور معرکہ آرائی نہ کر سکے)

حضرت مغیرہ نے عورتوں کی گریہ وزاری کی پروا نہ کی اور ایک کلہاڑے سے چند لمحوں میں بت کو توڑ کر رکھ دیا۔ اور ابو سفیان کو کہلا بھیجا کہ بت میں نے توڑ ڈالا۔ اب بت خانے کے خزانے پر تم آکر قبضہ کر لو۔ وہ فوراً آگئے جو کچھ مال بتخانے سے ملا تھا۔ وہ سب مغیرہ نے ابو سفیان کے حوالے کر دیا۔[۱]

۲۱۔ وفد بکر بن وائل | بنی بکر بن وائل کے وفد میں یہ لوگ شامل تھے۔ بشیر بن خصاصیہ۔ عبداللہ بن مرثد اور حسان بن حوط۔ یہ اسلام لاکر اپنے قبیلہ میں واپس چلے گئے۔[۲]

۲۲۔ وفد بنی تغلب | یہ وفد ۱۶ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جو خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔[۳]

۲۳۔ وفد بنی حنیفہ | یہ وفد یمامہ سے ۹ھ میں آیا اور ۱۹ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ رحال بن عنفوہ۔ سلمیٰ بن حنظلہ۔ طلق بن علی۔ حمران بن جابر۔ علی بن سنان۔ اقعس بن مسلمہ۔ زید بن عمرو۔ ان لوگوں کی بہت عمدگی کے ساتھ خاطر مدارات کی گئی۔ کبھی ان کو گوشت روٹی۔ کبھی دودھ اور روٹی اور کبھی گھی اور روٹی بہت افراط سے دی جاتی تھی۔ یہ لوگ چند روز تک ٹھیرے اور پھر مسلمان ہو کر واپس چلے گئے۔ ابی بن کعب ان کو قرآن سکھانے پر مامور کیے گئے تھے۔ روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ مسیلمہ بن حبیب اسی وفد کے ساتھ آکر مسلمان ہوا تھا۔ جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا اور مسیلمہ کذّاب کے نام سے آج تک مشہور ہے۔[۴]

۲۴۔ وفد بنی شیبان | اس وفد کے افراد نے مدینہ میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے تمام قبیلے کی طرف سے بیعت کی اور پھر واپس چلے گئے۔ اس وفد کے ایک رکن حرملہ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ مجھے کیا عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا "یہ کہ نیکی پر عمل کرو۔ اور بدی سے پرہیز کرو"۔[۵]

۲۵۔ وفد بنی طے | بنی طے یمن کا نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے رؤسا زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے۔ دونوں کے حدود مملکت الگ الگ تھے۔

۱؎ ۲؎ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم صفحہ ۴۴-۴۶۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ ثالث ص۴۸۲۔ سیرۃ ابن ہشام ص۱۲۴ ۳؎ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۲۳ ص۵۵ ۴؎ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۵۵،۵۶۔ سیرۃ ابن ہشام ص۲۶۳۔ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ثالث

۵؎ طبقات کبیر ابن سعد جلد ثالث ص۵۹

زید الخیل نہایت مشہور شاعر، اعلیٰ درجے کے خطیب اور نہایت خوش جمال شخص تھے۔ ۹ھ ہجری میں پندرہ آدمیوں کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے مع اپنے تمام ساتھیوں کے دلی صدق اور اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ حضور علیہ السلام نے وفد کے ہر ایک فرد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ سردار قبیلہ کو ساڑھے بارہ اوقیہ عطا فرمائی۔ اور ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔[1]

۲۶۔ وفد بنی تجیب یہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ۹ھ میں آیا۔ وفد میں کل ۱۳ آدمی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مرحبا کہا۔ اچھی جگہ ٹھہرایا۔ اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ خوب اچھی طرح ان کی مہمانداری کریں۔ ان کو بہت اچھی طرح انعامات دیں یہ سب لوگ اسلام لائے اور نہایت خوش خوش واپس گئے۔

جب حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت بلال ان کو انعامات تقسیم کر رہے تھے تو حضورؐ نے امیر وفد سے پوچھا کہ تمھارا کوئی آدمی ایسا تو نہیں رہا جس کو انعام نہ ملا ہو۔ انھوں نے عرض کی جی ایک لڑکا رہ گیا ہے جس کو ہم اپنے اسباب کی نگہبانی کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا اسے بھی بلاؤ۔ جب وہ لڑکا آیا۔ تو کہنے لگا۔ آپ نے میرے ساتھیوں کی ضروریات پوری کی ہیں۔ میری بھی حاجت پوری فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا میاں تمھاری کیا حاجت ہے؟ لڑکے نے جواب دیا حضورؐ میری حاجت یہ ہے کہ آپ میرے لیے خدا سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھ پر ہمیشہ اپنی رحمت نازل رکھے۔ میری مغفرت فرمائے اور مجھے دل کی امیری مرحمت فرمائے۔ حضور علیہ السلام کو اس لڑکے کی ذہانت، اس کی دین داری اور اس کے اخلاص پر تعجب ہوا۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی

جب حجۃ الوداع میں اس قبیلے کے ۱۶ آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے اس لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کی کہ "جو کچھ اللہ اسے دے دے۔ اس پر اس سے زیادہ قناعت کرنے والا ہم نے کوئی اور نہیں دیکھا" یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے آرزو کرتا ہوں کہ ہم سب کا خاتمہ اسی طرح ہو"[2]

۲۷۔ وفد بنی خولان یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مبلغین کے ذریعے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اظہار اطاعت کی غرض سے ۱۰ھ کے ماہ شعبان میں انھوں نے اپنے دس آدمیوں کو بطور وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے مدینہ آ کر خدمت نبوی میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور ان لوگوں کے قائم مقام ہو کر آپ کے پاس آئے ہیں جو اپنے مستقر پر رہ گئے ہیں۔ ہم اپنے تمام قبیلے کی طرف سے آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم ص۱۷۶ طبقات کبیر جزو ثالث ص۵۹ [2] طبقات کبیر جزو ثالث ص۹۱

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات سن کر فرمایا۔ اگر تم سب لوگ مسلمان ہو گئے ہو اور تم نے توحید اور رسالت کا اقرار کر لیا ہے تو مجھے بتاؤ کہ عم انس (بت) کس حال میں ہے[1]

ان لوگوں نے عرض کی کہ حضورؐ! عم انس کا حال تو بہت برا ہے اب نہ کوئی اس کی پوجا کرتا ہے۔ نہ اس پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ نہ اس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں نہ اس کے سامنے قربانیاں کی جاتی ہیں۔ وہ بیچارہ تو آج کل بہت ہی کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ ہم نے اُسے اس اللہ سے بدل لیا ہے جسے آپ نے پیش کیا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں گے تو ہم واپسی پر اُسے منہدم کر دیں گے۔ اور اس کی اطلاع آپ کو دے دیں گے۔

ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی کچھ باتیں دریافت فرمائیں جو حضورؐ نے اُن کو بڑے اخلاق سے بتائیں۔ پھر حکم دیا کہ ان لوگوں کو مزید دینی مسائل سکھائے جائیں اور قرآنی آیات ان کو پڑھائی جائیں۔ جب بہت حد تک ان کی دینی تعلیم مکمل ہو گئی تب ان میں سے ہر ایک کو حضورؐ نے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی دے کر رخصت کیا جب یہ لوگ اپنے مستقر پر پہنچے تو اپنا اسباب کھولنے سے پہلے سیدھے بت خانے میں پہنچے اور فوراً عم انس کو توڑ تاڑ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور بُت خانے کو ڈھا دیا۔

۲۸۔ وفد جُعفی | اس قبیلے کے دو آدمی پہلے بطور وفد مدینہ آکر مسلمان ہوئے تھے لیکن پھر مرتد ہو کر واپس ہو گئے۔ بعد ازاں تین اور آدمی بطور وفد آئے اور مسلمان ہو کر اپنے ایمان اور اخلاص میں ترقی کرتے رہے۔ ان میں سے ایک ابوسبرہ تھے جن کا نام یزید بن مالک تھا اور دو اُن کے لڑکے تھے ایک کا نام سبرہ تھا اور دوسرے کا عزیز۔ ان میں سے عزیز کا نام بدل کر آپ نے عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ ان کے فرزند خثیمہ بڑے مشہور اور فاضل تابعی گذرے ہیں۔

۲۹۔ وفد صدا | یہ وفد جو پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا ۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اور اپنی قوم کے باقی ماندہ لوگوں کی طرف سے بھی اسی وفد نے بیعت کی اس وفد کی واپسی پر سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

۳۰۔ وفد بنی مراد | اس قبیلے کی طرف سے فروہ بن مسیک المرادی بطور وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بارہ اوقیہ چاندی۔ ایک اعلیٰ درجہ کا اونٹ، عمان کا ایک جوڑا پہننے کے لیے عطا فرمایا اور مراد، مذحج اور زبید کے قبائل پر ان کو سردار مقرر کیا۔

۳۱۔ وفد زبید | عمرو بن معدی کرب قبیلہ زبید کے دس آدمیوں کے ساتھ بطور وفد مدینہ آیا۔ اور اسلام قبول کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد کے ہر فرد کو انعامات مرحمت فرمائے اور واپسی کا حکم دیا۔ آنحضورؐ کے انتقال کے بعد فتنہ ارتداد

۱؎ عم انس اس بت کا نام تھا جس کی پرستش بنی خولان کیا کرتے تھے۔ ۲؎ طبقات کبیر جزو ثالث صہ ۶۱

میں عمر بن معدی کرب بھی بہہ گیا۔ مگر پھر اسلام کی طرف رجوع کیا۔ جنگ قادسیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔[1]

۳۲۔ وفد کندہ کندہ حضر موت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر کا نام تھا۔ یہاں کندی خاندان کی حکومت تھی اور اشعث بن قیس یہاں کا بادشاہ تھا۔ سنہ ۱۰ ھ میں ۸۰ سواروں کے ساتھ (ابن سعد نے ۱۹ لکھے ہیں) بڑی شان و شوکت کے ساتھ حبرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے کندھوں پر ڈالے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے آنحضورؐ نے ان کی یہ ہیئت دیکھ کر فرمایا "کیا تم لوگ اسلام نہیں لائے؟" انھوں نے اقرار کیا تو حضور نے پوچھا "پھر یہ حریر کیسا؟" اس پر ان لوگوں نے فوراً یہ چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔

واپسی کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ہر ایک شخص کو دس دس اوقیہ چاندی انعام میں دی۔ سردار وفد اشعث کو بارہ اوقیہ مرحمت فرمائی۔[2]

۳۳۔ وفد صدف یہ وفد بھی مسلمان ہو جانے کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ وفد میں کل انیس آدمی شامل تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو بغیر سلام کے آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ اور کیا ابھی تک تمہارے پاس ہمارا کوئی مبلغ نہیں پہنچا؟ انھوں نے عرض کی کہ "ہم مسلمان ہیں اور آپؐ کے بھیجے ہوئے مبلغ کے ذریعے ہی ہم نے اسلام قبول کیا ہے" اس پر حضورؐ نے فرمایا "پھر سلام کیوں نہیں کیا؟" یہ سن کر وہ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ جواباً آپؐ نے فرمایا و علیکم السلام بیٹھ جاؤ پھر آپؐ نے ان کو فرائضِ اسلام اور اوقاتِ نماز تعلیم کیے۔[2]

(اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ضرور ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں)

۳۴۔ وفد بنی سعد ہذیم اس قبیلے کے چند آدمی اسلام لانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو کر فوراً واپس ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے آدمیوں کو آمادہ کر کے ٹھیرایا۔ اور فرمایا ابھی آپ لوگ ٹھیریں۔ اتنی جلدی واپسی کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ تین دن تک یہ وفد ٹھیرا رہا۔ اور خوب اچھی طرح ان کی خاطر مدارات کی گئی اور دعوتیں کھلائی گئیں۔ تین دن کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو حضرت بلالؓ نے ہر ایک کو جو وفد میں شامل تھا۔ چند اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔[3]

۳۵۔ وفد بلی اس قوم کا وفد ربیع الاول سنہ ۹ ھ میں مدینہ آیا۔ شیخ وفد ابو الضباب تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تبلیغ کی۔ انھوں نے چند باتیں حضور سے دریافت کیں اور پھر سب نے اسلام قبول کر کے حضورؐ کی بیعت کی۔ حضور علیہ السلام کو ان لوگوں کی خاطر داری کا خاص خیال تھا۔ کھجوروں کا ایک بوجھ حضورؐ خود اٹھا کر

---

[1] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۵۔ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۹۲ [2] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۹۴ و ۹۵ اور ابن خلدون لکھتا ہے کہ وفد میں قریباً دس آدمی تھے۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان لوگوں نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد سوم ص ۱۳۱ [3] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۱۰۵

لائے اور ان لوگوں سے فرمایا کھاؤ۔ تین دن تک حضورؐ نے ان لوگوں کو مہمان رکھا اور پھر ہر ایک فرد کو انعام دے کر رخصت کیا۔[1]

۳۶۔ وفد بہراء یہ وفد یمن سے آیا تھا اور تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے فرائض سیکھے اور چند روز قیام کر کے اپنے قبیلے میں واپس گئے۔ آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے ان کو انعامات دیئے۔[2]

۳۷۔ وفد عذرہ یہ بارہ آدمیوں کا وفد تھا جو صفر ۹ھ میں مدینہ آیا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے چند استفسارات حضورؐ سے کیے اور حضورؐ کی طرف سے تسلی بخش جواب پانے پر سب لوگ اسلام لے آئے اور چند روز بطور مہمان حضورؐ کے پاس رہ کر واپس چلے گئے تاکہ اپنے تمام قبیلے کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ آنحضورؐ نے حسب معمول ان کو انعام دینے کا حکم دیا۔

اس قوم کا دوسرا وفد زمل بن عمر العذری کی زیر سر کردگی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لا کر واپس چلا گیا۔[3]

۳۸۔ وفد سلامان یہ وفد سات آدمیوں پر مشتمل تھا اور شوال ۱۰ھ میں مدینہ آیا۔ اس تمام وفد نے خود بھی حضورؐ کی بیعت کی اور اپنی قوم کے تمام لوگوں کی طرف سے بھی بیعت کی اور اسلام کے ضروری مسائل دریافت کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ حضورؐ نے ہر شخص کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔[4]

۳۹۔ وفد بنو کلب اس قبیلے میں سے پہلے عبد عمرو اور عاصم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انھوں نے اسے قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نبیؐ صادق ہوں اور پاکیزگی کے ساتھ آیا ہوں۔ خرابی اور پوری خرابی اس شخص کی ہے جو میری تکذیب کرے۔ مجھ سے روگردانی اختیار کرے اور مجھ سے جنگ کرے اور بہتری اور پوری بہتری اس شخص کی ہے جو میری مدد اور اعانت کرے۔ مجھ پر ایمان لائے۔ میری تصدیق کرے اور میرے ہمراہ جہاد کرے۔" دونوں نے عرض کی کہ بے شک ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں۔

بعد میں اس قبیلے میں سے دو اور آدمی ربیعہ بن ابراہیم الدمشقی اور حمل بن سعدانہ بطور وفد آنحضورؐ کی خدمت میں مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپؐ نے انھیں حکم دیا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھا کرو اور زکوٰۃ اپنے حق کے موافق ادا کیا کرو۔ بعد ازاں یہ دونوں اپنے قبیلے میں واپس چلے آئے اور قبیلے کو مسلمان بنایا۔[5]

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۵-۶۶ [2] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۶ [3][4] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۷ [5] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث صفحہ ۶۸ و ۶۹

۴۰۔ وفد بنی جرم | اس قبیلے کے دو آدمی بطور وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ایک کا نام اصقع بن شریح تھا اور دوسرے کا ہودہ بن عمر۔ حضور علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی اور دونوں اسلام لے آئے۔

۴۱۔ وفد بنی ازد | بنی ازد کا وفد حسب بیان ابن سعد ۱۹ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جن کے سردار صرد بن عبداللہ الازدی تھے (ابن خلدون نے وفد کے آدمیوں کی تعداد دس لکھی ہے) یہ لوگ مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس روز تک رہے۔ پھر واپس چلے گئے۔[۲]

۴۲۔ وفد بنی جرش | اس قوم کی طرف سے دو آدمی تفتیش حال کے لیے مدینہ آئے تھے۔ جب یہ لوگ واپس اپنی قوم میں گئے اور جو کچھ مدینہ میں دیکھا تھا وہ قوم سے بیان کیا تو قوم کے معزز اشخاص نے دس آدمی مزید تحقیق کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے۔ اور وہ دسوں آدمی آنحضرتؐ کی تبلیغ سے ایمان لے آئے۔ حضورؐ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا "تم لوگ صورت کے اچھے۔ ملاقات میں سچے۔ کلام میں شیریں اور امانت میں دیانتدار ہو تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں"۔[۳]

۴۳۔ وفد بنی غسان | یہ لوگ رمضان سنہ ھجری میں مدینہ آئے۔ کل دس آدمی تھے (ابن خلدون صرف تین لکھتا ہے) ان لوگوں کا اپنا بیان ہے کہ جب ہم نے دیکھا کہ سارے عرب قبائل آپؐ کی تصدیق کر رہے ہیں تو ہم نے سوچا کہ کیا ہم ہی سب سے بڑے ہیں جو اسلام لانے میں سب سے پیچھے ہیں پس ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپؐ لائے ہیں سب سچ اور برحق ہے۔[۴]

۴۴۔ وفد بنی عامر | اسی مہینے میں بنی عامر کا وفد ۲۰ آدمیوں پر مشتمل آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کر کے اور دینی مسائل سیکھ کر اپنی قوم میں واپس گیا۔[۵]

۴۵۔ وفد بنو حارث بن کعب | یہ قبیلہ حضرت خالد بن ولید کی تبلیغ سے مسلمان ہوا تھا اور انہی کے ہمراہ اس قبیلے کے چند افراد قبیلہ کے نمائندہ بن کر ربیع الاول سنہ ھ میں مدینہ آئے۔ جب حضرت خالد نے ان لوگوں کو آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو حضورؐ نے ان کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ کون لوگ ہیں۔ بالکل ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں؟ خالد نے عرض کی کہ "حضورؐ! یہ بنی حارث بن کعب ہیں اور میں ان کو اپنے ہمراہ لایا ہوں"۔

ان لوگوں نے آگے بڑھ کر حضورؐ کو سلام کیا اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ حضورؐ نے ہر ایک شخص کو دس دس اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا اور قیس بن الحصین کو ساڑھے بارہ اوقیہ اور انہی کو آپؐ نے اس وفد

۱، ۲، ۳ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص... ۴ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص... تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی حصہ سوم ص۲۳۔ ۵ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی حصہ سوم ص۲۳۔

کا سردار بنایا۔

۴۶۔ وفد بنی ہمدان | فتح مکہ کے بعد ابھی حضورؐ وہیں مقیم تھے کہ بنی ہمدان کا ایک شخص قیس بن مالک آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوا۔ حضورؐ نے اس کو اسی کی قوم کی طرف تبلیغ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کی کوشش سے تھوڑے ہی دنوں میں سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔ آنحضرتؐ قیس کی تبلیغی خدمت سے نہایت خوش ہوئے اور آپؐ نے ان کو تین سو فرق زمین کا ایک پیمانہ ہمیشہ کے لیے مرحمت فرما دیے۔ جو ان کو باقاعدہ ملتے رہے۔ اس طرح کہ ایک سو فرق گیہوں۔ ایک سو فرق جوار اور ایک سو فرق کشمش۔ بعد میں ایک وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی ہمدان کا آیا تھا جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ہمدان کیا ہی اچھا قبیلہ ہے۔ مدد پر سبقت کرنے والا اور مصیبت پر صبر کرنے والا ہے[۱]

۴۷۔ وفد سعد العشیرہ | جب اس قبیلے نے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بُت کو جس کا نام فراض تھا۔ توڑ تاڑ کے ٹھکانے لگایا۔ اور اس کے بعد اپنے چند آدمیوں کو بطور وفد مدینہ بھیجا اور اپنے اسلام اور اطاعت کا اظہار کیا۔[۲]

۴۸۔ وفد عنس | اس قبیلے کے ایک شخص ربیعہ نام بطور وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم طمع سے آئے ہو یا خوف سے؟ انھوں نے عرض کی طمع کے متعلق تو یہ ہے کہ بخدا! اس وقت آپؐ کے قبضے میں کوئی مال نہیں جس کی کوئی طمع کرے۔ رہا خوف۔ تو اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ خدا کی قسم میں ایسے شہر میں رہتا ہوں جہاں تک آپؐ کا لشکر نہیں پہنچ سکتا لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ (آپؐ کے مبلغ کی طرف سے) مجھے عذاب آخرت کا خوف دلایا گیا جس سے واقعی میں ڈر گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اسی میں تمھاری سلامتی ہے پس میں ایمان لانے کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ واحد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے رسول ہیں اس کے بعد انھیں حضورؐ نے زاد راہ دیا اور وہ اپنے قبیلے کی طرف اس کی ہدایت کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر راستے ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔[۳]

۴۹۔ وفد داریین | داریین کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آیا جب آنحضرتؐ تبوک سے واپس آئے۔ یہ وفد دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک شخص ہانی بن حبیب نے حضورؐ کی خدمت میں شراب کی ایک مشک۔ چند گھوڑے اور ایک قیمتی ریشمی قبا جس پر سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے ہدیۃً پیش کی حضورؐ

---

[۱] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۔ [۲] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۔ [۳] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۔ [۴] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۔

علیہ السلام نے شراب کی مشک واپس کر دی اور باقی چیزیں قبول کر لیں۔ اُن میں سے ریشمی عباء حضرت عباسؓ کو دے دی جو انھوں نے ایک یہودی کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں بیچ ڈالی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تبلیغ کی اور یہ سب مسلمان ہو گئے۔ آپؐ نے اُن کے ایک سو وسق دینے کا حکم دیا۔ (وسق۔ اونٹ کا بوجھ۔ ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے)

اس وفد میں ایک شخص تمیم نامی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک عجیب درخواست پیش کی۔ اس نے کہا، جب حضورؐ کو اللہ تعالیٰ ملک شام عطا فرمائے گا تو اس کے دو گاؤں جرعا اور بیت عینون آپؐ مجھے مرحمت فرمادیں۔ حضورؐ نے فرمایا "وہ دونوں گاؤں تمھارے ہیں"۔

بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں جب ملک شام فتح ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے وہ دونوں گاؤں اسے دے دیئے۔[1]

۵۰۔ وفد الرہاویین | سنہ ۱۰ھ میں رہاویین کے پندرہ آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے یہ لوگ قبیلہ مذحج کے تھے اور مدینہ میں آکر رملہ بنت حارث کے مکان پر ٹھہرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس خود تشریف لے گئے اور بڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ ان لوگوں نے آپؐ کی باتیں توجہ کے ساتھ سنیں۔ پھر سب لوگ اسلام لے آئے۔ آپؐ نے قرآنی آیات اور فرائض کی ان کو تعلیم دی۔ روانگی کے وقت حضور علیہ السلام نے ان کو بھی اسی طرح انعام دینے کا حکم دیا جس طرح آپؐ وفود کو دیا کرتے تھے۔ یعنی سردار کو ساڑھے بارہ اوقیہ اور عام آدمیوں کو پانچ اوقیہ۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔[2]

۵۱۔ وفد غامد | یہ دس آدمیوں کا وفد تھا جو رمضان سنہ ۱۰ھ میں وارد مدینہ ہوا۔ اور خدمتِ اقدس میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ حضرت ابی بن کعب کے پاس گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کو قرآن سکھایا اور مسائل کی تعلیم دی۔ روانگی کے وقت آپؐ نے ان کو اسی طرح انعامات دیے جس طرح دوسرے لوگوں کو دیا کرتے تھے۔[3]

۵۲۔ وفد بجیلہ | ڈیڑھ سو آدمیوں پر مشتمل یہ وفد سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آیا۔ اس وفد کے سردار جریر بن عبداللہ بجلی تھے حضورؐ کی تبلیغ سے یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور بیعت کی۔

تمام قوم کی بیعت لینے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رئیس وفد جریر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنا دستِ مبارک پھیلا کر فرمایا "جریر! تم ان امور پر میری بیعت کرو۔ تمھیں اس امر کا یقین ہو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔

---

[1] طبقات کبیر از ابن سعد جزو ثالث ص۶۷۔ [2] طبقات کبیر از ابن سعد جزو ثالث ص۶۷ [3] طبقات کبیر از ابن سعد جزو ثالث ص۶۷۔

اور یہ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ نماز کو قائم کرو۔ روزے رکھا کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ مسلمانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی کرو۔ اپنے والی کی اطاعت کرو۔ اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔" جریر نے سب باتوں کا اقرار کیا تو حضورؐ نے ان سے بیعت لی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر سے پوچھا کہ "جن لوگوں کے تم نمائندہ ہو اور جنھوں نے بت پرستی کو ترک کر کے اسلام کو قبول کیا ہے۔ انھوں نے اپنے بتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" انھوں نے عرض کی کہ "یارسول اللہ! خدا تعالےٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ اذان کو مساجد اور صحراؤں میں غالب کر دیا۔ تو قبائل نے اپنے وہ بت توڑ ڈالے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔"

حضور علیہ السلام نے پوچھا "اچھا ان میں سب سے بڑے بت ذوالخلصہ کا انجام کیا ہوا؟" انھوں نے بتایا کہ فی الحال تو وہ باقی ہے۔ مگر جب ہم واپس جائیں گے تو اس کا بھی صفایا کر دیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا "ہاں جاؤ اور اسے توڑ دو اور پھر اس کی مجھے اطلاع دو۔"

پس جریر اپنی قوم کے ہمراہ روانہ ہوئے اور تھوڑے دنوں بعد واپس آکر خدمت نبوی میں عرض کی کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ہم نے اسے توڑ کر آگ میں جلا دیا اور کسی شخص نے بھی اس کام میں ہماری مزاحمت نہیں کی۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔[۱]

۵۳۔ وفد احمس قیس بن عزرۃ الاحمسی قبیلہ احمس کے ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم لوگ "احمس اللہ" (اللہ کے بہادر) ہیں۔[۲] حضور علیہ السلام نے سن کر فرمایا نہیں آج سے تم "احمس للہ" (اللہ کے لیے بہادر) ہو۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ حسب دستور ان کو انعام دے کر رخصت کرو۔[۳]

۵۴۔ ۵۵۔ وفد خثعم وعثعث قبیلہ خثعم کے چند لوگوں کے ہمراہ وفد عثعث بن زحر وانس بن مدرک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لایا سب پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ ہمیں امن کا ایک فرمان لکھ دیجئے۔ آپؐ نے لکھ دیا۔[۴]

۵۶۔ وفد حضر موت یہ شاہان حضر موت کا وفد تھا جو بنی ولیعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ حمدہ۔ مخوس۔ مشرح اور ابضعہ۔ ان سب نے لطیب خاطر اسلام قبول کیا۔[۵]

انھی ایام میں حضر موت کا ایک دوسرا زبردست اور مشہور سردار اور بادشاہ وائل بن حجر مدینہ میں آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر کہنے لگا "یارسول اللہ! میں اسلام لانے کے لیے آپ کی خدمت

۱؎ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص... ۔ ۲؎ جاہلیت میں وہ اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ ۳؎، ۴؎ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص... ۔ ۵؎ طبقات کبیر ابن سعد ذکر وفد حضر موت جزو ثالث

میں حاضر ہوا ہوں اور میرے آنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ مجھے اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔" حضورؐ نے اس کے اسلام کو قبول کیا اور اس کی استقامت کے لیے دعا فرمائی۔ لیکن ہجرت کے متعلق کچھ حکم نہ دیا۔ پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے فرمایا کہ اس کے ٹھہرانے کا انتظام حرہ میں کر دیں۔ حضرت معاویہ اس کو لے کر چلے تو اتفاق سے اُس وقت ننگے پاؤں تھے اور وائل اونٹ پر سوار تھا سورج چمک رہا تھا اور زمین تپ رہی تھی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد حضرت معاویہ کے پاؤں جلنے لگے۔ انھوں نے وائل سے کہا کہ آپ تو سوار ہیں اور میں پیدل چل رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اپنے جوتے مجھے دے دیجئے تاکہ میرے پاؤں جلنے سے محفوظ رہیں۔ وائل نے جواب دیا۔ تمہارے پہننے کے بعد یہ جوتے میرے پہننے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اگر میری رعیت کو خبر ہو گی کہ ایک ادنیٰ آدمی نے میرا جوتا پہن لیا تو وہ اس کا بہت بُرا مانیں گے۔

معاویہ نے کہا اچھا تو پھر یہ کام کرو کہ مجھے اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھالو۔ ورنہ گرم ریت میرے پاؤں کو جھلس دے گی۔ اس پر وائل کہنے لگا " تم اس قابل نہیں کہ بادشاہوں کے ساتھ ان کے اونٹ پر بیٹھے۔ میں اپنی یہ توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ البتہ تیرے ساتھ اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ امش فی ظل ناقتی کذاک بہ شرفا" (میری اونٹنی کے سایہ میں چل یہ شرف تیرے لیے کافی ہے)[1] میں تیری خاطر اپنی اونٹنی کی رفتار ہلکی کر دوں گا۔

جب حضرت معاویہ نے واپس آکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وائل کا سلوک بیان کیا تو حضور نے فرمایا یہ سب جاہلیت کا غرور ہے۔ اور وہ ابھی تک اسی میں مست ہے[2]۔

زمانے کی نیرنگی کتنی عجیب ہے۔ ایک وقت آیا کہ یہی ننگے پاؤں اور پا پیادہ معاویہ تمام دنیائے اسلام کا مطلق العنان شہنشاہ بن گیا۔ اور یہی وائل اپنے قبیلے کی طرف سے اظہار اطاعت کے لیے اس کے دربار میں حاضر ہوا تو معاویہ نے بڑی عزت کے ساتھ اسے پاس بٹھایا اور اپنے ساتھ گذشتہ سلوک کا اشارۃً تک بھی نہ کیا[3]۔

۵۷۔ وفد اشعریین اشعریین کا وفد پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے اور ان کے ہمراہ قبیلہ عک کے بھی دو آدمی بطور وفد تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر کے سفر میں تھے یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے۔ بیعت کی اور اسلام لائے[4]۔

۵۸۔ وفد عمان مبلغین اسلام کی تبلیغ کے نتیجے میں اہل عمان بھی اسلام لائے اور ایک وفد چند آدمیوں پر مشتمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ جنھوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اسلامی مسائل سمجھانے

---

[1] تاریخ ابن خلدون۔ کتاب ثانی جلد سوم ص۲۳۵ [2] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ذکر وفد حضرموت [3] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی حصہ سوم ص۲۳۵ [4] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص۹۔

قرآن کریم پڑھانے اور اس علاقے میں عام تبلیغ کرنے کے لیے اپنے کسی صحابی کو ہمارے ہاں بھیج دیجئے۔ آپ نے مدرک بن خوط کو جو مخربتہ العبدی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے ہاں مبلغ بنا کر بھیج دیا۔[۵۱]

۵۹۔ وفد اور مذحج | انہی ایام میں مذحج کا قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پندرہ آدمیوں پر مشتمل بطور وفد میں آیا۔ اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ جب یہ وفد اپنی قوم میں واپس گیا تو حضور کا حال سن کر باقی آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔[۵۲]

۶۰۔ وفد غافق | یہ وفد جلیحہ بن شجار کی ماتحتی میں مدینہ آیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کیا۔[۵۳]

۶۱۔ وفد بارق | قبیلہ بارق کا وفد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ یہیں پر سب نے بلا تامل بیعت کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں امن اور عافیت کا فرمان لکھ دیا۔[۵۴]

۶۲۔ وفد دوس | قبیلہ دوس کے ۷۰ یا ۸۰ آدمی حضرت طفیل بن عمرو الدوسی کی تبلیغ سے مسلمان ہو کر غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور کے نہایت مشہور صحابی اور حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے حضرت ابوہریرہؓ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ حضور نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ان لوگوں کو بھی حصہ عطا فرمایا۔[۵۵]

۶۳۔۶۴۔ وفد ثمالہ و لحدان | عبداللہ بن انس الثمالی اور مسیلمہ بن ہزان الحدانی اپنی اپنی قوم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔[۵۶]

۶۵۔ وفد اسلم | عمیرہ بن افصی قبیلہ اسلم کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر عرض کی کہ آپ ہمارا کوئی ایسا درجہ مقرر فرما دیجئے جس کی فضیلت عرب بھی جانیں۔ حضور نے دعا فرمائی "یا اللہ! اسلم کو سلامت رکھ اور غفار کی مغفرت فرما۔" اس کے بعد آپ نے ان کے لیے اور تمام مسلم قبائل کے لیے ایک فرمان لکھ دیا۔[۵۷]

۶۶۔ وفد جذام | رفاعہ بن زید الجذامی خیبر کی جنگ سے قبل آنحضور کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے حاضر ہوئے ایک غلام حضور کی نذر کیا اور حضور کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔ جب واپس گئے تو تمام قوم

---

۵۱ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثانی ذکر وفد عمان ۵۲ تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی حصہ سوم ص ۲۲۵ ۵۳ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۸۱ ۵۴ تا ۵۷ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۱۰۹ تا ۱۳۴

نے حق کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام لے آئی۔

اسی قبیلے میں سے بنی نفاثہ کے ایک شخص فروہ بن عمرو کو جب کسی ذریعے سے حضورؐ کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ یہ بزرگ رومیوں کی طرف سے علاقہ معان (واقع ملک شام) کے حاکم تھے لیکن جب قیصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے انھیں بلوا کر مروا ڈالا۔[1]

۶۷۔ وفد مہرہ اس وفد کا رئیس مہری بن الابیض تھا۔ یہ لوگ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ تو وفد کے سارے افراد نے اسے قبول کیا اور حضورؐ کی بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کو انعامات بھی دیے اور ان کے رئیس کو امن و عافیت کا فرمان بھی لکھ دیا۔

اس وفد کے علاوہ اس قبیلے کے ایک اور شخص زہیر بن قرضم نے بھی علیحدہ آ کر اور لمبی مسافت طے کر کے حضور علیہ السلام کی بیعت کی اور واپسی کے وقت اُسے زاد راہ بھی دیا اور سواری بھی۔[2]

۶۸۔ وفد حمیر رجب ۹ھ ہجری میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں شاہان حمیر کا ایلچی حاضر ہوا اور اس نے حارث بن عبد کلال نعیم بن عبد کلال۔ نعمان سرداران ذی رعین و معافر و ہمدان کے خطوط خدمتِ اقدس میں پیش کیے اور زرعہ ذویزن کا نامہ بھی گذرانا۔ ان سب خطوط میں ان لوگوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور اپنی وفاداری اور اطاعت کا اقرار کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہم شرک اور مشرکین سے بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اور کوئی واسطہ اور تعلق ہم نے ان لوگوں سے نہیں رکھا۔

حضور علیہ السلام نے شاہانِ حمیر کے اسلام پر خوشی کا اظہار فرمایا اور سب کے نام ایک مشترکہ مفصل والا نامہ لکھا۔ جس میں انہیں نہایت مفید ہدایتیں دی تھیں۔ اس بے نظیر تاریخی اور تبلیغی خط کا خلاصہ ہم سیرۃ ابن ہشام سے انتخاب کر کے یہاں درج کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے حارث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال اور نعمان ذو رعین اور معافر اور ہمدان (شاہان حمیر) کے نام میں سب سے پہلے اس خدا کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بعد ازاں تم کو معلوم ہو کہ تمہارا ایلچی ہمارے پاس اس وقت پہنچا جب ہم رومیوں کی جنگ سے واپس آئے۔ اور مدینہ میں تمہارے ایلچی سے ملاقات ہوئی اور تمہارے ناموں کو ہم نے ملاحظہ کیا اور تمہارے اسلام قبول کرنے اور مشرکین سے جنگ کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی۔ بیشک خدا

---

[1] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۸۱-۸۲-۸۳ [2] طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث ص ۸۳

نے اپنی ہدایت تمھارے شامل حال فرمائی۔ اب تمھیں لازم ہے کہ نیک کاموں میں سعی کرتے اور خدا اور رسول کی اطاعت میں سرگرم رہو۔ نماز دل لگا کر پڑھو اور زکوٰۃ باقاعدہ طور پر ادا کرو۔ اور جو مالِ غنیمت تمھیں حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسول کے لیے علیحدہ نکالو...... یہ خدا کا فریضہ ہے جو اس نے مسلمانوں پر قائم کیا۔ جو یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے گا۔ اس پر بھی وہی احکام نافذ ہوں گے جو مسلمانوں پر ہیں۔ مگر جو یہودی یا نصرانی اپنے مذہب پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔ ہر بالغ مرد و عورت اور آزاد و غلام پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے کپڑے یا کوئی اور چیز۔ جو یہ جزیہ ادا کر دے گا خدا اور رسول کی اس کے متعلق ذمہ داری ہوگی۔

اور زرعہ ذویزن کو معلوم ہو کہ میرے بھیجے ہوئے لوگ جب تمھارے پاس پہنچیں تو تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ یہ اشخاص معاذ بن جبل۔ عبداللہ بن زید۔ مالک بن عبادہ۔ عتبہ بن نمر اور مالک بن مرہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ ان سب کا امیر میں نے معاذ بن جبل کو مقرر کیا ہے۔ جب یہ لوگ تمھارے پاس پہنچیں تو تم زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر کے ان لوگوں کے ہاتھ میرے پاس بھیج دو۔ تم ان لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا اور ان کو اپنے سے راضی رکھنا۔

مالک بن مرہ رہاوی کو معلوم ہو کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم قوم حمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے ہو۔ اور مشرکین کو تم نے جنگ میں قتل کیا ہے۔ پس تم کو خیر و خوبی کی بشارت ہو۔ میں تم کو تمھاری قوم حمیر کے متعلق بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ تم آپس میں ایک دوسرے کی خیانت نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کرنے سے جی چرانا۔ خدا کا رسول تمھارے غنی اور تمھارے فقیر سب کا مولیٰ ہے۔ اور تم یہ بھی جان لو کہ زکوٰۃ کا مال محمدؐ پر اور محمدؐ کی اہل بیت پر حرام ہے یہ صرف غریب مسلمانوں اور مسافروں کا حق ہے۔ جو آدمی میں نے تمھاری طرف روانہ کیے ہیں یہ نیک۔ دیندار اور اہل علم ہیں۔ تم ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

ابن ہشام لکھتا ہے کہ جب معاذ بن جبل اور ان کے ساتھیوں کو آپؐ نے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو اُن کو بھی تبلیغی رنگ میں نہایت بیش بہا نصیحتیں کیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"تم وہاں پہنچ کر لوگوں کے ساتھ نرمی اور محبت کے ساتھ سلوک کرنا۔ ان سے سختی اور تشدد سے پیش نہ آنا۔ ان کو بشارت دینا۔ اپنے سے متنفر نہ کرنا۔ تم وہاں ایسے اہل کتاب سے ملو گے جو تم سے پوچھیں گے کہ جنت کی کنجی کیا ہے؟" تم انھیں یہ جواب دینا کہ "جنت کی کنجی ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی گواہی دینا"[1]

۶۹۔ وفد جیشان اس وفد کا سردار ابو وہب الجیشانی تھا جو اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ خدمت نبوی میں آیا اور کچھ باتیں حضورؐ سے دریافت کرنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ ابو وہب نے یمن کی ایک خاص شراب تبع

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صـ ۴۶۹۔

کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ بھی حرام ہے۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا اس کے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا اگر زیادہ پئیں تو ہوتا ہے کم پر نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے فرمایا جس کے زیادہ پینے سے نشہ ہوتا ہے اس کا قلیل بھی حرام ہے[1]۔

۷۰۔ وفد عبد القیس | اس وفد میں بیس آدمی آئے تھے۔ ان کے رئیس عبد اللہ بن عوف الاشج تھے۔ یہ لوگ دس دن تک مدینہ میں مقیم رہے اور قرآن کریم اور اسلامی مسائل کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب چلنے لگے تو حضور علیہ السلام نے ان سب کو انعامات دینے کا حکم دیا۔ سب سے زیادہ انعام عبد اللہ کو ملا۔ یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی[2]۔

۷۱۔ وفد النخع | یہ سب سے آخری وفد تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وسط محرم ۱۱ھ میں آیا۔ یہ وفد دو سو آدمیوں پر مشتمل تھا اور یمن سے آیا تھا۔ ان لوگوں کو یمن میں آنحضرتؐ کے مبلغ معاذ بن جبل نے مسلمان کیا تھا۔ اس سے پہلے قبیلہ نخع کے دو آدمی ارطاۃ اور ارقم بھی اپنے قوم کے مسلمان ہونے کی خبر آنحضرتؐ کے پاس لائے تھے۔ اس وفد کے آنے کے دو مہینے بعد حضور علیہ السلام کا انتقال ہو گیا[3]۔

فصل چہاردہم

نصاریٰ اور یہود میں اسلام کی اشاعت

(عہد نبوی میں)

اسلام تمام دنیا کے لیے ہے | اسلام ہر قوم و ملت۔ ہر ملک و سلطنت۔ ہر دین و مذہب اور ہر اسود و احمر کے لیے آیا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اُس کا پیغام ہر عقیدے کے افراد تک پہنچ جائے۔ عرب میں بتوں کے پوجنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور ان کے بعد یہود و نصاریٰ کی۔ اس لیے پہلے بت پرستی کے استیصال کی ضرورت تھی اور اس کے بعد یہودیت اور عیسویت کی۔

آنحضرتؐ کی دعوت بت پرستوں اور ازاں بعد یہودیوں اور عیسائیوں کو | حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں تک جس طرح حق کی دعوت اور اسلام کا پیغام پہنچایا اس کا حال سابقہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ باقی رہ گئے یہود اور نصاریٰ۔ ان تک بھی خدا کے نبیؐ نے خدا کا پیغام پورے جوش اور پورے اخلاص کے ساتھ پہنچایا۔ ان میں سے جن سعید روحوں کے نصیب میں اسلام کی دولت تھی وہ مسلمان ہو گئے اور انھوں

۱؎ طبقات کبیر ابن سعد جزو ثالث حصہ ۲ ص ۸۰ ۲؎ طبقات ابن سعد جزو ثالث ص ۵۵ ۳؎ طبقات ابن سعد جزو ثالث ص ۷۷۔

نے اس روحانی دولت کو آپس میں بانٹ لیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالے نے آسمان سے نازل کی تھی۔

آنحضرتؐ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ایک عیسائی عالم تھا

اگرچہ حضور علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ میں اسلام کی باقاعدہ اشاعت مدنی دور میں شروع کی۔ مگر دراصل اس کی بنیاد اُس وقت سے پڑ چکی تھی جب غارِ حرا میں آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ یہ پاک وحی جب ورقہ بن نوفل نے سُنی (جو اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کا چچا زاد بھائی تھا اور بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو چکا تھا۔ عبرانی زبان کا واقف اور توریت و انجیل کا عالم تھا) تو بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ وہی وحی ہے جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ یہ وہی کلام ہے جو عیسیٰؑ پر اُترا۔ تم خدا کے رسول ہو اور سچائی کے ساتھ مبعوث کیے گئے ہو۔ کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا۔ جب تم کو تمہاری قوم یہاں سے نکالے گی۔ اگر میری زندگی میں وہ وقت آیا تو میں بالیقین تمہاری امداد اور اعانت کروں گا۔ مگر یہ وقت ورقہ بن نوفل کی زندگی میں نہیں آیا۔ اور اس سے پہلے ہی اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اس روایت کے پیشِ نظر (جس کے متفق علیہ ہونے میں کوئی شک نہیں) لازماً ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ایک عیسائی عالم تھا۔

ملک حبش میں اسلام کی اشاعت

آغاز دعوت کے وقت مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ یہودی تھے اور نہ نصاریٰ۔ سارا مکہ بت پرستوں سے بھرا پڑا تھا اور سارا کعبہ پتھر کے خداؤں سے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کی توجہ فطرتاً بت پرستی کے خلاف تبلیغ پر مرکوز رہی جس کے نتیجے میں فوراً ہی شہر کا ہر فرد آپؐ کی مخالفت پر اٹھ کھڑا ہوا۔

جب پانچ برس تک نہایت خاموشی سے ظلم سہنے کے باوجود قریش کی دشمنی کم نہ ہوئی بلکہ برابر بڑھتی رہی۔ تو سخت مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ یہ عیسائی سلطنت تھی اور اس کا بادشاہ اصحمہ نہایت نیکدل۔ بیدار مغز اور منصف مزاج انسان تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور ان کی ہر طرح دلجوئی کی۔

جو مسلمان ہجرت کر کے نجاشی کے دار السلطنت اکسوم میں آئے تھے وہ یہاں امن کی جگہ پا کر خاموش نہیں بیٹھ گئے۔ بلکہ فوراً ہی انھوں نے وہاں دعوتِ حق۔ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام شروع کر دیا۔ اور برابر کرتے رہے۔ خود نجاشی کے دربار میں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ نے ایک نہایت پُر شوکت۔ پُر عظمت۔ مؤثر اور دل پذیر تبلیغی تقریر تمام پادریوں اور امرائے دولت کے سامنے کی جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

مسلمانوں کی ان تبلیغی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ خود نجاشی اس وقت مسلمان نہیں ہوا۔ مگر اس کی رعایا میں سے

متعدد افراد بلکہ بعض پادریوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور آہستہ آہستہ چالیس کے قریب عیسائی مسلمان ہو گئے۔[1]

بادشاہ حبش کا مسلمان ہونا ۶ھ ہجری میں جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کو تبلیغی خطوط بھیجے تو اصحمہ کو بھی ایک خط تحریر فرمایا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ نجاشی نے پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ فرمان نبوی کا خیر مقدم کیا۔ اور خط پڑھنے کے بعد نہایت ادب سے کہنے لگا "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ یقیناً خدا کے رسول ہیں"۔ اس کے بعد اس نے حضرت جعفر طیار کے ہاتھ پر بیعت کی۔[2] نجاشی کے قبول اسلام کی مفصل کیفیت ہم فصل ہفتم میں بیان کر چکے ہیں۔

شاہ حبش کا انتقال نجاشی شاہِ حبشہ اسلام میں سب سے پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا۔ ۹ھ ہجری میں جب اس کے انتقال کی خبر آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو مسجد نبوی میں جمع کر کے فرمایا۔ "مسلمانو! آج حبشہ سے خبر آئی ہے کہ تمہارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی پس تم اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگو"۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔[3]

مہاجرین حبشہ کی واپسی جن مظلوم مسلمانوں نے ۵ھ نبوی میں حبشہ ہجرت کی تھی وہ حضرت جعفر طیار (برادر حضرت علی) کی زیر قیادت صفر ۷ھ ہجری میں فتح خیبر کے بعد واپس مدینہ آئے اور ان کے ساتھ حضور علیہ السلام کی زیارت کے اشتیاق میں وہاں کے مقامی نو مسلم اصحاب بھی آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپؐ نے سب کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ کل ۴۳ آدمی تھے۔[4]

یہودیوں میں سے پہلا مسلمان جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو فوراً ہی یہودیوں کے ایک بڑے عالم حصین بن سلام نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا ان کا نام حصین آنحضرت نے بدل کر عبد اللہ بن سلام رکھا۔ یہودیوں میں یہ سب سے پہلے شخص تھے جو مسلمان ہوئے (صحیح بخاری)

یہودیوں میں سے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے اگرچہ مدینہ پہنچ کر حضور علیہ السلام نے یہودیوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا۔ ان کو بہت سی رعائتیں دیں۔ ان کو امن کا معاہدہ لکھ دیا۔ مگر ان کو کچھ ایسی دشمنی اور عداوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک سے تھی کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگ اسلام لائے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَوْ اٰمَنَ بِیْ عَشَرَۃٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ لَاٰمَنَ بِیَ الْیَهُوْدُ یعنی اگر مجھ پر دس یہودی بھی ایمان لے آئیں تو سارے یہودی مسلمان ہو جائیں۔[5]

---

[1] اہل کتاب صحابہ و تابعین ص۲ بحوالہ اصابہ جلد ۱ ص۱۷۔ [2] زرقانی جلد ۳ ص۳۴۶

[3] سیرۃ النبی شبلی جلد ۱ ص۵۱۸ [4] سیرۃ ابن ہشام ص۳۹۱ [5] تجرید بخاری ص۴۳

حضرت سلمان فارسی کا اسلام لانا حضرت عبداللہ بن سلام کے فوراً بعد جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ حضرت سلمان فارسی تھے۔ جو مجوسیت کو چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے اور حضور علیہ السلام کے مدینہ پہنچتے ہی عیسویت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ اگرچہ ایک یہودی کے غلام تھے۔ لیکن ان کا درجہ اسلام میں اتنا بڑا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنگِ خندق کے موقع پر فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں، یہی وہ بلند مرتبہ انسان ہیں جس کے متعلق ان کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا "سلمان کو علم اول اور علم آخر سب حاصل تھا (یعنی یہودی شریعت سے بھی پورے باخبر تھے اور اسلامی مسائل پر بھی ان کو کامل عبور تھا) اور وہ خود علم کا ایک ایسا دریا تھے جو پایابی سے ناآشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت میں سے تھے"۔[1]

عدی بن حاتم کی بیعت عیسائیوں میں سے تیسرے صاحب جنھوں نے اسلام قبول کیا وہ عرب کے مشہور فیاض شخص حاتم طائی کے فرزند عدی تھے۔ جن کے اسلام لانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کا حال ہم گذشتہ اوراق میں مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں۔

یہودیوں کی نسبت عیسائی زیادہ مسلمان ہوئے اگرچہ یہودیوں کی نسبت عرب کے عیسائیوں میں اسلام زیادہ پھیلا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے بھی زمانۂ نبوی میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے بلکہ بت پرستوں کے قبول اسلام کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل۔ قیصر روم۔ مقوقس حاکم مصر اور اصحمہ شاہِ حبش وغیرہ عیسائی بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ بہت سے عیسوی سردارانِ قبائل کو اسلام کی دعوت دی۔ اپنے مبلغ عیسائی علاقوں میں بھیجے۔ خود یہودیوں اور عیسائیوں سے بارہا تبلیغی گفتگو کی اور اس سلسلے میں اتنے ہی انہماک کے ساتھ کام کیا جس انہماک سے بت پرستی کا استیصال کیا تھا۔ مگر باوجود ہر طرح کی سعی اور کوشش کے عیسائی قبائل نے بہت کم اس طرف توجہ کی۔

عیسائیانِ نجران کی سفارت آنحضرت کی خدمت میں جتنے تبلیغی خطوط حضور علیہ السلام نے مختلف عیسائی بادشاہوں اور سرداران قبائل کو لکھے۔ ان کا حال ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اور جو کچھ ان خطوط کا نتیجہ ہوا وہ بھی لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ان تفصیلات کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ نجران کا جو عیسائی وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضورؐ نے جس طرح ان کو حق وصداقت کی طرف بلایا اس کی کیفیت جو اب تک نہیں لکھی گئی تھی ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں:۔

نجران ملک یمن میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست تھی جو اپنی زرخیزی، شادابی، صنعت وحرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن بلکہ تمام عرب میں مشہور تھی۔ عرب میں یہ مقام اس وقت عیسائیت کا مرکز تھا۔ اس عیسائی ریاست

---

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۶

کا نظم ونسق تین سرداروں کے ماتحت تھا جن کے مختلف لقب تھے۔

(۱) خارجی اور جنگی امور کے نگران کو سید کہتے تھے۔

(۲) داخلی امور کے نگران کا لقب عاقب تھا۔

(۳) جملہ دینی امور کا نگران اسقف کہلاتا تھا۔

حکومت کی طرف سے نجران میں ایک شاندار گرجا بنایا گیا تھا جو حرم کعبہ کا جواب سمجھا جاتا تھا اس کا بانی عبدالمدان نامی ایک عیسائی تھا اور گرجا کا نام اُس نے "کعبۂ نجران" رکھا تھا۔

چونکہ نجران عرب میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کی حکومت کو ایک تبلیغی خط لکھا۔ جس پر یہاں کے بڑے بڑے معززین اور شرفاء کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست گفتگو کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہوا۔ یہ ۹ھ یا ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ پورا وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جس میں بڑے بڑے سردار ۱۴ تھے۔ نجران کے تینوں حاکم سید۔ عاقب اور اُسقف بھی ہمراہ تھے۔ ابن سعد نے وفد کے معززین کے بعض نام یہ لکھے ہیں۔ عبدالمسیح۔ ابوحارثہ بن علقمہ۔ کرز بن علقمہ۔ سید و اوس فرزندان حارث۔ زید بن قیس۔ شیبہ۔ خویلد۔ خالد۔ عمرو اور عبیداللہ۔

ان لوگوں کے لیے مسجد نبوی کے صحن میں خیمے لگا دیے گئے اور یہ لوگ وہیں ٹھیرے نماز کا وقت ہوا تو ان لوگوں نے اپنے طریقے پر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہی۔ حضور علیہ السلام نے بڑی فراخدلی اور رواداری سے کام لیتے ہوئے ان کو مسجد ہی میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔

عیسائی تثلیث کے قائل تھے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور خدا سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو طرح طرح سمجھایا اور اسلام کی تبلیغ کی کبھی فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ آل عمران آیت ۵۸ (یعنی عیسیٰ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر کہا ہو جا۔ پس وہ ہو گیا) مطلب یہ ہے کہ جو بشری تقاضے حضرت عیسیٰ میں تھے۔ وہی حضرت آدم میں تھے۔ پھر عیسیٰ خدا کس طرح ہو گئے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا ہیں تو آدم کے متعلق کیا کہو گے جن کے ماں اور باپ دونوں نہیں تھے۔ کبھی کہا وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔ آل عمران آیت ۵۷ (یعنی اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا) مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ کو خدا بنانا اُن کو ان کی حد سے بڑھانا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑھانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آخر میں بڑے زور سے اور تفصیل کے ساتھ اس طرح تبلیغ کی۔

یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران آیت ۶۵)

یعنی اے محمدؐ! تم ان اہل کتاب سے یہ بات کہہ دو کہ کم از کم ایک ایسی بات میں تو تم ہم سے متفق ہو جاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آؤ اور اس امر کا اقرار کرو کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔ اگر یہ لوگ اس صداقت سے انکار کریں تو اے محمدؐ! تم یہ بات کہہ دو کہ ہم تو خدا کے فرمانبردار بندے ہیں۔"

جب اس آیت کے پیش کرنے پر بھی نصاریٰ نجران نہ مانے اور برابر کٹ حجتیاں کرتے رہے۔ تو اتمام حجت کے طور پر آخر میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے فیصلہ کے طور پر فرمایا:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران آیت ۶۱)

(یعنی اے محمدؐ! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تم کسی طرح بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور سچی بات کو نہیں مانتے تو پھر فیصلے کی آخری شکل یہی ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو لے آئیں تم اپنے بیٹوں کو لے آؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو لے آئیں تم اپنی عورتوں کو لے آؤ۔ ہم اپنی جانوں کو پیش کر دیں تم لوگ اپنی جانوں کو پیش کر دو۔ اس کے بعد گڑگڑا کر خدا کے حضور دعا مانگیں کہ یا الٰہی! وہ لوگ جو غلط عقیدہ کو اختیار کر رہے ہیں اور حق بات کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔ ان پر تیری لعنت ہو)

یہ معاملہ کا چیلنج تھا جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائی فرمان کے مطابق نجران کے عیسائی وفد کو دیا۔ اگر وہ لوگ اس چیلنج کو قبول کر لیتے اور اپنے بیٹوں۔ اپنی عورتوں اور خود اپنے نفسوں کو میدان مباہلہ میں لے آتے اور پھر دونوں فریق اتمام حجت کے بعد خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے کہ یا الٰہی! جو فریق تیرے نزدیک حق سے روگردانی اختیار کر رہا ہے اُسے ہلاک کر دے۔ تو دنیا دیکھ لیتی کہ اہل نجران کا کیا حشر ہوتا مگر اس معاملہ میں وہ لوگ بڑے ہوشیار نکلے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چیلنج منظور نہ کیا اور آپس میں کہا

لا تفعل فواللہ لئن کان نبیاً فلاعنا لانفلح نحن ولا عقبنا من بعدنا (صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب قصہ اہل نجران)

یعنی مباہلہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر محمدؐ نبی ہوئے اور ہم نے مباہلہ کیا تو پھر ہماری اور ہمارے بعد آنے والی نسل کی خیر نہیں۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ مباہلہ نہیں کرنا۔ ان میں سے دو سردار عبد المسیح (عاقب) ایہم (سید) آنحضورؐ کی خدمت میں آئے اور التجا کی کہ جو جزیہ آپؐ ہم پر مقرر کریں ہمیں منظور ہے آپؐ ایک دیانتدار شخص کو ہمارے ہمراہ بھیج دیجئے جسے ہم خراج کی رقم ادا کر دیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ کو وفد کے ساتھ کر دیا اور فرمایا ھٰذا امین ھٰذہ الامۃ (یہ میری امت کا امین ہے)[1]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قصہ اہل نجران)

بعض اور عیسائی وفود جو آنحضرت کی خدمت میں آئے

ان نجران کے علاوہ بعض اور عیسائی وفود بھی وقتاً فوقتاً آنحضور صلعم کے حضور میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے جیسے بنی اغلب۔ بنی طے اور بنی النخع وغیرہ۔ ان سب کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے حالات ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔

فصل پنجدہم

یہود و نصاریٰ کے نمایاں حضرات جو آنحضرت صلعم پر ایمان لائے

اسماء الرجال کی کتابوں میں تجرید اسماء الصحابہ۔ استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ اسد الغابہ۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ اور طبقات کبیر ابن سعد بہت مشہور اور متداول کتابیں ہیں۔ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے حالات بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد محدثین اور مورخین نے مرتب اور مدوّن کیے ہیں۔ ان کتابوں میں ان اصحاب کا تو بکثرت ذکر ہے جو زمانہ نبوی میں بت پرستوں میں سے اسلام لائے۔ مگر ان لوگوں کا جو یہودیوں اور عیسائیوں میں سے مسلمان ہوئے بہت ہی کم تذکرہ ہے۔

ان ہی مندرجہ بالا کتابوں کی بنیاد پر ہم یہاں ایک فہرست ایسے صحابہ کی ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ یقیناً ایسے اصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ مگر اسماء الرجال کی کتاب میں سے اتنے ہی آدمیوں کے نام دستیاب ہو سکے جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ا۔ وہ اصحاب جو یہودیوں میں سے اسلام لائے

(۱) حضرت اُسیدؓ بن سعید (۲) حضرت اسدؓ بن عبید (۳) حضرت اسدؓ بن کعب القرظی (۴) حضرت اُسیدؓ بن کعب القرظی (۵) حضرت ثعلبۃؓ بن سعیۃ العدلی (۶) حضرت ثعلبہؓ بن سلام (۷) حضرت ثعلبہ بن قیس (۸) حضرت ثعلبہ بن ابی مالک (۹) حضرت جبرؓ (۱۰) حضرت جبلؓ (۱۱) حضرت جبیر بحرہؓ (۱۲) حضرت رافع القرظی (۱۳) حضرت رفاعۃؓ بن السموال (۱۴) حضرت رفاعۃ القرظی (۱۵) حضرت زیدؓ بن سعنہ (۱۶) حضرت سعدؓ بن وہب (۱۷) حضرت سعنہ بن عریض (۱۸) حضرت سعید بن عامر (۱۹) حضرت سلامؓ (حضرت عبداللہ بن سلام کے بھانجے) (۲۰) حضرت سلمہؓ بن سلام (حضرت عبداللہ بن سلام کے بھائی) (۲۱) حضرت سمعانؓ بن خالد (۲۲) حضرت شمعونؓ بن یزید (۲۳) حضرت صالح القرظی (۲۴) حضرت عبداللہؓ بن سلام (۲۵) حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر (۲۶) حضرت عطیۃ القرظی (۲۷) حضرت علی بن رفاعہ (۲۸) حضرت

عمرو بن سعدی (۲۹) حضرت عمیرؓ بن امیہ (۳۰) حضرت کثیرؓ بن السائب (۳۱) حضرت کعبؓ بن سلیم (۳۲) حضرت محمدؓ بن عبداللہؓ بن سلام (۳۳) حضرت مخیریقؓ (۳۴) حضرت میمون بن یامین (۳۵) حضرت یامین بن عمیر (۳۶) حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام (۳۷) حضرت ابوسعید بن وہب (۳۸) حضرت ابومالک (۳۹) آنحضرتؐ کا ایک یہودی غلام۔

۲۔ یہودیوں میں سے آئی ہوئی صحابیات (۱) حضرت تمیمہؓ بنت وہب (۲) حضرت خالدہؓ بنت حارث۔ (۳) حضرت ریحانہ بنت شمعون (۴) ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب۔

۳۔ عیسائیوں میں سے مسلمان ہونے والے اصحاب (۱) حضرت ابرہہؓ حبشی (۲) حضرت ادریس (۳) حضرت اشرفؓ حبشی (۴) حضرت اصحمہؓ شاہ حبش (۵) حضرت بحیراؓ الحبشی (۶) حضرت بشیرؓ بن معاویہ (۷) حضرت تمامؓ حبشی (۸) حضرت تمیم الحبشی (۹) حضرت تمیم داری (۱۰) حضرت جارودؓ بن عمرو (۱۱) حضرت درید الراہبؓ حبشی (۱۲) حضرت زودبحؓ (۱۳) حضرت ذو مخمرؓ (شاہ نجاشی کے بھتیجے) (۱۴) حضرت ذو مناحبؓ حبشی (۱۵) حضرت ذو مہدمؓ (۱۶) حضرت سلمان فارسیؓ بن بوذخشان (۱۷) حضرت عامرؓ الشامی (۱۸) حضرت میمونہؓ بلقادی (۱۹) حضرت عبدالحارث بن السنیؓ (۲۰) حضرت عداسؓ (۲۱) حضرت عدیؓ بن حاتم طائی (۲۲) حضرت کرزؓ بن علقمہ (۲۳) حضرت محربؓ بن الرباب السنیؓ۔ (۲۴) حضرت مابورؓ (بچا ماریہؓ قبطیہ) (۲۵) حضرت نافع حبشی۔

۴۔ عیسائیوں میں سے مسلمان ہوجانے والی خواتین (۱) حضرت سفانہؓ (ہمشیرہ عدی بن حاتم) (۲) حضرت سیرینؓ (ہمشیرہ حضرت ماریہؓ قبطیہ) (۳) حضرت ماریہؓ قبطیہ (۴) والدہ حضرت ابوہریرہؓ۔

۵۔ وہ بزرگ جن کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے (۱) حضرت ابوہندؓ الداری (۲) حضرت احمدؓ بن عبداللہ بن سلام (۳) حضرت تبیع بن امرأۃ کعب الاحبار (۴) حضرت ذکوانؓ بن یامین (۵) حضرت سلمہؓ بن سعد (۶) حضرت سلمہؓ بن عیاض (۷) حضرت فیروز الدیلمی (۸) حضرت ابن الہیبانؓ (۹) حضرت ام المہاجرؓ الرومیہ (۱۰) حضرت ابنۃ عم صفیہ

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے علاوہ نعیم البحر کے ہاتھ پر چالیس کے قریب یہودی ایمان لائے تھے۔ مگر ان کے حالات تو کجا۔ ان کے پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔[1]

---

[1] اہل کتاب صحابہ و تابعین ص۵

فصل شانزدہم

مجوسیوں میں اسلام کی اشاعت

(آنحضرت کے عہد میں)

مجوسیوں کے عقائد عرب میں یوں تو سارے مذاہب کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ مگر وہاں سب سے زیادہ بت پرست آباد تھے۔ دوسرے درجہ پر یہود و نصاریٰ تھے۔ اور سب سے کم آتش پرست تھے جنھیں مجوسی کہتے تھے۔ جو آگ کو پوجتے اور دو خدا مانتے تھے۔ ایک نیکی اور خیر کا خدا جسے وہ یزداں کہتے تھے اور دوسرا شر اور بدی کا خالق جسے اہرمن کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یزداں کو نور اور اہرمن کو ظلمت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا۔

ان عقائد کا رد قرآن کریم میں جس جس مذہب میں جو جو غلط عقائد رائج ہو گئے تھے قرآن کریم نے ان سب کی تردید کی ہے۔ چنانچہ مجوس کے متعلق بھی قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے۔ مثلاً۔

(۱) قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورہ نحل)

(یعنی خدا فرماتا ہے کہ اے لوگو! دو خدا نہ بناؤ۔ معبود تو ایک ہی ہے اور ایک ہی ہونا چاہیئے)

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (سورہ انعام)

(یعنی تمام ستائش اور ہر تعریف کا مستحق صرف وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور ظلمت و نور کو خلق کیا۔

(۳) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں بھی یہی ارشاد ہے کہ خدا دو یا تین نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ آگے بڑی تحدی کے ساتھ فرمایا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی کوئی بھی اس خدا کا ہمسر اور مدمقابل نہیں جیساکہ مجوسیوں کے عقیدہ کے بموجب خدائے خیر کے مقابلے میں خدائے شر موجود ہے۔

مجوسیوں میں سے مسلمان ہونے والے بعض اصحاب

عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بت پرستی کے مقابلے میں یہودیت اور نصرانیت نے تو کافی عروج اور فروغ پایا۔ مگر مجوسیت نے عرب اقوام پر بہت ہی کم اثر ڈالا۔ حالانکہ بوجہ ممت یگانگت اور تعلق مجوسیت کو بت پرستی کے ساتھ ہے۔ اس کے لحاظ سے مجوسیت بت پرستی سے نسبتاً بہت قریب تھی۔ مجوسی آگ کو پوجتے تھے اور مشرک

بتوں کو۔ بات ایک ہی تھی۔ ایران کا رعب۔ دبدبہ اور اثر بھی عربوں پر خاصہ تھا۔ بلکہ یمن۔ عمان اور عرب کے متعدد ساحلی مقامات پر مجوسی حکومت کا قبضہ تھا۔ باوجود ان سب عوامل کے مجوسیت۔ جزیرہ عرب میں عام طور سے نہیں پھیلی یا بہت ہی کم پھیلی۔ کیونکہ نہ مجوسیوں میں عیسائیوں کی طرح پرجوش مبلغ تھے اور نہ خود مجوسیت کوئی تبلیغی تحریک تھی۔ اس لیے عرب میں بہت ہی کم اور خال خال اشخاص مجوسیت کے پیرو تھے اور اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر جو اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ وہ تو بہت ہی تھوڑے تھے۔

باوجود بے حد تلاش و کوشش کے مجھے بہت ہی کم نام اس سلسلے میں مل سکے۔ جن کے مختصر حالات اسماء الرجال کی کتابوں سے انتخاب و اقتباس کر کے میں یہاں درج کر رہا ہوں۔

باذان گورنر یمن۔ ان کے فرزند شہر۔ ان کے دو درباریوں بابویہ اور خر خسرہ اور امیرزادوں کے قبول اسلام کی کیفیت قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ مجوسیوں میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے جس قدر نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) اقرع بن حابس

ان کا پورا نسب یہ ہے اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع التمیمی المجاشعی الدارمی۔ یہ مولفۃ القلوب میں سے تھے۔ فتح مکہ۔ جنگ حنین اور معرکہ طائف میں حضورؐ کے ساتھ رہے۔ بعد میں بنی تمیم کے وفد کے ساتھ بھی آئے۔ عراق کی جنگوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ رہے۔ بمقام جوزجان وفات پائی ابن درید کا قول ہے کہ ان کا نام فراس اور لقب اقرع تھا۔ کیونکہ سر سے گنجے تھے۔[۱]

(۲) عطارد بن حاجب

اصابہ میں ان کا پورا نسب یہ لکھا ہے۔ عطارد بن حاجب بن زرارہ بن عدس بن زید بن عبد اللہ بن دارم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی۔ ان کی کنیت ابو عکرمہ تھی۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اصابہ میں اس طرح لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشر بن سفیان العدوی کو بنو خزاعہ کے صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس پر بنو تمیم نے انھیں منع کر دیا کہ نہ صدقات دو اور نہ زکوٰۃ ادا کرو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عیینہ بن حصن[۲] کو پچاس سواروں کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی

---

[۱] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ذکر الاقرع بن حابس۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۹۵۴۔ نیز دیکھو تجرید اسماء الصحابہ جلد اول صفحہ ۲۵۔ ابن سعد نے طبقات میں ان کا نام عیینہ بن بدر الفزاری لکھا ہے۔ دیکھو طبقات کبیر جزو ثالث صفحہ ۴۲

کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر بنو تمیم کے گیارہ مرد گیارہ عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لیے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ ان کے آنے کے بعد بنو تمیم کو اپنی اس حرکت پر بڑی ندامت ہوئی۔ اور انھوں نے اپنے معزز آدمیوں کا ایک گروہ جو اسی یا نوے[92] آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اظہار معذرت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

ان میں سے عطارد بن حاجب بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی قوم کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں بڑی لمبی چوڑی تقریر کی۔ لیکن بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں دیبا کا ایک نہایت بیش قیمت حلہ بھی ہدیتہً پیش کیا تھا جو کسریٰ نے انھیں بطور خلعت دیا تھا[1]۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتنہ ارتداد کی رَو میں یہ بھی بہہ گئے۔ مگر تھوڑے دنوں بعد دوبارہ اسلام لائے اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا[2]۔ بنی تمیم کے اس وفد کی مفصل کیفیت جس میں عطارد تھے ہم وفود کے تذکرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

(۳) حاجب بن زرارہ

عطارد انہی کے لڑکے تھے۔ انھوں نے انہی ایام میں اسلام قبول کیا تھا[3]۔

(۴) اسود

یہ بھی آتش پرست تھے اور بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ تجرید اسماء الصحابہ میں ان کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے۔ الاسود بن عبس بن اسماء بن وہب التیمی۔ انھوں نے بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا[4]۔

یہ بہت ہی مختصر فہرست ان لوگوں کی ہے جو بنی تمیم میں سے مجوسی تھے اور انھوں نے بعد میں مذہب اسلام کو اختیار کیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی محققانہ تالیف ارض القرآن جلد دوم کے صفحہ ۸۰ پر صاف طور سے لکھا ہے کہ قبیلہ تمیم میں زرارہ بن عدس اور اس کا بیٹا حاجب اور اقرع بن حابس اور اسود مذہب مجوس کے پیرو تھے (عطارد بھی حاجب کا بیٹا تھا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔)

---

[1] تجرید اسماء الصحابہ ذکر عطارد [2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی ذکر عطارد بن حاجب۔ طبقات کبیر جز و ثالث صفحہ ۲۷ [3] اصابہ ذکر حاجب بن زرارہ [4] تجرید اسماء الصحابہ جلد اول صفحہ ۲۰۔

(۵) منذر بن ساوی

اس زمانے میں بحرین کا علاقہ بھی ایران کی مجوسی حکومت کے قبضے میں تھا اور کسریٰ کی طرف سے یہاں گورنر مقرر کر کے بھیجا جایا کرتا تھا۔ ان ایام میں دربار ایران کی جانب سے منذر بن ساوی یہاں کا گورنر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت علاء بن عبداللہ حضرمی کے ہاتھ منذر کو ایک تبلیغی خط فتح مکہ کے بعد سنہ ۸ ہجری میں بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے والا نامہ کا منذر پر بہت اچھا اثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ جتنے عرب وہاں مقیم تھے وہ سب اور ان کے ساتھ کچھ مجوسی بھی مسلمان ہو گئے[1]۔

(۶) سی بخت

"ہجر" بحرین کے علاقے میں ایک علیحدہ ریاست ایران کی مجوسی حکومت کے ماتحت تھی۔ دربار ایران کی طرف سے یہاں جو حاکم تھا اس کا نام "سی بخت" تھا۔ اسے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک تبلیغی خط بھیجا تھا جس کے نتیجے میں سی بخت نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا[2]۔

(۷) ابنائے فارس

فارس کے بہت سے شریف اور رئیس زادے یمن میں جا کر بس گئے تھے۔ جو اس وقت حکومت ایران کے ماتحت تھا۔ عربی مؤرخ ان رئیس زادوں کو "ابنائے فارس" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سنہ ۱۰ ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دبر بن یخنّس کو ان امیرزادوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ دبر یمن پہنچ کر نعمان بن بزرج کے گھر اس کی بیٹیوں کے مہمان ہوئے پہلے ان کو مسلمان بنایا اور پھر وہاں بیٹھ کر فیروز دیلمی۔ مرکبود اور وہب بن منبہ وغیرہ ابنائے فارس کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔ صنعاء میں سب سے پہلے جس نے قرآن کریم حفظ کیا وہ عطاء بن مرکبود اور وہب بن منبہ تھے[3]۔

دیگر عقائد کے لوگوں میں تبلیغ اسلام

بت پرستوں۔ یہود۔ نصاریٰ اور مجوسیوں کے علاوہ جو دیگر عقائد کے پیرو عرب میں پائے جاتے تھے وہ اتنے کم تھے کہ کسی شمار میں نہیں آتے۔ پھر وہ عام طور پر یا تو بت پرستوں ہی کی ایک شاخ تھے اور یا ان میں اتنے ملے جلے تھے کہ ان کی علیحدہ حیثیت کوئی نہ تھی۔ مؤرخین اور اسماء الرجال کے

---

[1] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم ص۳۲ بحوالہ فتوح البلدان [2] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم ص۳۲ بحوالہ فتوح البلدان [3] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم ص۲۸۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص۵۴۱۔

مولفین نے بھی اپنی کتابوں میں عام طور پر اس امر کی تشریح اور تفصیل نہیں کی کہ مندکرہ بالا جاروں مذاہب کے علاوہ کس کس عقیدہ اور کس کس خیال کے لوگ اسلام لائے؟ اس لیے تصریح کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا کہ باقی مذاہب اور عقائد کے کون کون اشخاص اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ورنہ ہم ان کی بھی ایک تفصیلی فہرست آپ کے سامنے پیش کرتے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات میں عرب کے تمام باشندوں نے بت پرستی اور اجسام پرستی ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا اور باقی مذاہب کے افراد یا تو مسلمان ہو گئے یا انھوں نے اسلامی سیادت اور حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔

آنحضرتؐ کی ۲۳ سالہ تبلیغ کے حیرت انگیز نتائج

اسلام کی یہ اشاعت صرف ۲۳ برس کی قلیل مدت میں ہوئی تھی۔ اور ایک جدید مذہب کے پھیلنے کے لیے یہ مدت اتنی قلیل اور یہ عرصہ اتنا مختصر ہے کہ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال اور نظیر موجود نہیں۔ پھر کمال یہ ہے کہ راہِ تبلیغ و اشاعت میں یہ عظیم الشان اور عدیم النظیر کامیابی و کامرانی صرف ایک شخص کی ان تھک سعی و محنت کا نتیجہ ہے جس نے خدا کے گمراہ بندوں تک خدا کا پیغام پہنچانے میں حیرت انگیز معجزانہ قوت سے کام لیا اور ۲۳ برس کے تھوڑے سے عرصہ میں دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی اس نے وحشی درندوں اور خونخوار بھیڑیوں کو انسان بنایا۔ پھر انسان کو با اخلاق انسان بنایا۔ اور سب سے آخر میں با اخلاق انسانوں کو با خدا انسان بنایا۔ اپنے کام کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اس کی پاک روح فردوس بریں کی طرف پرواز کر گئی۔ خدا کے ہزاروں ہزار درود و سلام اس پر اور اس کی آل پر ہوں۔

فصل ہفدہم

آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے مُبلّغینِ اسلام

مبلغین اسلام کی چار اقسام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکی زندگی میں جن اصحاب نے تبلیغی خدمات انجام دیں ان کا تذکرہ ہم باب اول میں کر چکے ہیں۔ مدنی دور میں جن بزرگوں کو اس سعادت سے حصہ ملا وہ چار قسموں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں:۔

اوّل۔ وہ اصحاب جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف قبائل کی طرف مختلف اوقات میں تبلیغ دین اور اشاعتِ حق کے لیے روانہ فرمایا۔

دوم۔ وہ حضرات جنھوں نے بطورِ خود تبلیغی فرائض انجام دیے اور نہایت اخلاص کے ساتھ اسلام کی خدمت کی۔

سوم۔ قبائل کے وہ بعض سردار اور رؤسا جو مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد چند روز خدمت نبوی میں رہ کر دین کی تعلیم۔ دینی مسائل کی واقفیت اور تبلیغ کا طریق سیکھتے تھے اور پھر اپنے قبیلے اور قوم میں جا کر تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اپنے سارے قبیلے کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

چہارم۔ وہ فاضل اور قابل بزرگ جو قبائل اور علاقوں سے زکوٰۃ۔ صدقات اور جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس خدمت کے لیے ایسے اصحاب کو منتخب فرماتے تھے جو زہد و پارسائی اور امانت و دیانت کے ساتھ تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کے بھی اہل ہوتے تھے اور وہ جہاں محصل کے فرائض ادا کرتے تھے وہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی بجالاتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام وقت ان چاروں قسموں کے مبلغین کو وعظ و نصیحت کرنے اور ہدایات دینے میں صرف ہوتا تھا یہ مبلغین عرب کے ہر حصے میں پہنچ کر اسلام کی تبلیغ اور حق کی اشاعت اطمینان اور سہولت کے ساتھ کرتے تھے۔ اگرچہ اب تمام عرب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہو چکا تھا لیکن پھر بھی بعض اوقات مبلغ صحابہ کو راہِ تبلیغ میں سخت مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ جان سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ مگر یہ حکم کے بندے اور اسلام کے شیدائی ان تکلیفوں اور اذیتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرتے اور برابر اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ ذیل کی سطور میں ہم ان ہی نفوس مقدسہ کی تبلیغی مساعی کا بہت ہی مختصر تذکرہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جنھوں نے اپنے مقدس آقا کی ہدایات کی روشنی میں تمام جزیرہ عرب کو خدائے قدوس کے آستانہ پر جھکا دیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

ا۔ وہ مبلغین جن کو حضور نے خود تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا

اس سلسلے میں ہم سب سے اوّل ان خوش قسمت اصحاب کا ذکر کریں گے جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف علاقوں اور قبیلوں کی طرف ہدایتیں دے کر خود تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا اور وہ مندرجہ ذیل اصحاب تھے:۔

۱۔ حضرت علیؑ

جنگ خیبر میں حضرت علیؑ نے جس عدیم النظیر بہادری اور شجاعت کے ساتھ مخالفین کا کامیاب مقابلہ کیا اس سے تاریخ اسلام کا ہر طالبعلم واقف ہے۔ مگر جو نصیحت حضور علیہ السلام نے لڑائی کے لیے روانگی کے وقت حضرت علیؑ کو کی وہ وعظ و نصیحت۔ پند و موعظت اور دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو پورے طور پر واضح کرتی ہے اور یقیناً آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے علیؑ! لڑنے سے پہلے ان کو حق و صداقت کی طرف بلا اور اُن کو توحید و رسالت کی تبلیغ کر۔ خدا کی قسم! تیرے ذریعے سے اگر ایک شخص ہدایت پا جائے تو وہ تیرے حق

میں اس سے بہت زیادہ بہتر ہے کہ تو ایک سو سُرخ اونٹوں کا مالک ہو"

فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو تبلیغ اسلام کے لیے یمن کے قبیلہ ہمدان کی طرف ایک تبلیغی خط دے کر روانہ فرمایا۔ اسی دوران میں حضورؐ نے حضرت خالدؓ کو بھی اسی علاقے میں تبلیغ حق اور اشاعت اسلام کے لیے بھیجا تھا اور ان کو ہدایت کر دی تھی کہ "اگر راہ میں علیؓ سے کہیں تمہاری ملاقات ہو جائے تو پھر اس وقت علی تمہارے سردار اور امیر ہوں گے۔ جس طرح وہ کہیں اسی طرح کرنا"[۱] وہاں پہنچ کر حضرت علی نے تمام قبیلے کو جمع کیا۔ اور ان کے نام جو خط حضورؐ نے بھیجا تھا وہ انھیں پڑھ کر سنایا۔ جس پر فوراً ہی سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ نے اس کی اطلاع دربار رسالت میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدۂ شکر بجا لائے اور حضورؐ نے فرمایا۔ السلام علی همدان[۲]

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے اس لیے ربیع الاول ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو پھر یمن کے قبیلہ مذحج میں اسلام کی تبلیغ کرنے اور ان کو حق کا پیغام پہنچانے کے لیے روانہ فرمایا۔[۳]

حضور علیہ السلام کا قاعدہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد جب اپنے دعاۃ کو تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرماتے تھے تو احتیاطاً حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج بھی ان مبلغین کے ساتھ کر دیتے تھے۔ لیکن انھیں تاکید کر دی جاتی تھی کہ کسی سے بہ جبر پیش نہ آئیں اور بغیر اشد ضرورت یا اشد مجبوری کے ہرگز تلوار ہاتھ میں نہ لیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی آپؐ نے ۳۰۰ سوار کر دیے۔ اور اُن سے بہ تاکید ارشاد فرما دیا کہ جب تک وہ لوگ خود تم پر حملہ آور نہ ہوں تم ہرگز پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علی جب اس علاقے میں پہنچے تو ان کو وہاں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علیؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ لوگ بجائے نرمی سے بات سننے کے فوراً مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ تین سو آدمیوں کا مار لینا کونسی بڑی بات ہے؟ مگر وہ یہ بھول گئے کہ مقابلہ اس شخص سے ہے نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی دیر کی لڑائی میں اپنے تیس بہادر خاک و خون میں لت پت چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ کیونکہ آپ نے صرف مدافعت میں تلوار اٹھائی تھی۔ جدال و قتال آپ کا مقصد نہ تھا۔ بعد میں قبیلے والوں کو اپنی غلطی اور بیوقوفی کا احساس ہوا۔ چنانچہ ان کے معزز اصحاب خود حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خود اسلام قبول کیا اور باقی تمام قوم کی طرف سے نیابتہً اسلام کا اعلان کیا۔[۴]

مبلغین یمن میں سے حضرت علی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج کے لیے آئے۔[۵]

۱؎ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۹۶ - ۲؎ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۲۷ بحوالہ زرقانی ۳؎ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۲۱ ۴؎ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۲۵ بحوالہ ابن سعد جزو دوم ۵؎ سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص ۳۰

۲۔ حضرت خالد بن ولید

ساڑھے تین سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ (جن میں مہاجر و انصار۔ بنو سلیم اور بنو مدلج کے لوگ شامل تھے) دعوت اسلام کی غرض سے قبائل عرب کی طرف روانہ فرمایا۔ لیکن انھیں جدال و قتال کا حکم نہیں دیا۔

حضرت خالد جب فوج لے کر بنی جذیمہ[1] کے چشمہ "غمیصار" پر پہنچے تو ان لوگوں نے آپ کو دیکھ کر ہتھیار اٹھا لیے اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت خالد نے یہ دیکھ کر ان سے کہا کہ "اب ہتھیار اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ قریش نے اطاعت قبول کر لی ہے اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں[2]"۔ اس سے آگے کا سارا واقعہ ہم اسی باب کی فصل ششم میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد کو بنی حارث بن کعب کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے حسب بیان ابن اثیر ربیع الاول ۱۰ھ میں چار سو کی جمعیت کے ساتھ نجران بھیجا۔ اس قبیلے کے اسلام لانے کی کیفیت بھی ہم فصل ششم میں بیان کر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ حضرت عمرو بن حزم انصاری

حضرت عمرو بن حزم بنو نجار کے ایک انصاری تھے۔ جن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حارث کی تعلیم و تربیت اور ان کی دینی اصلاح و ہدایت کے لیے ایک ہدایت نامہ دے کر ان کے وفد کے ہمراہ بھیجا تھا۔ ہم یہ تبلیغی اور اصلاحی ہدایت نامہ فصل ششم میں پورا بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا اسے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ عمرو بن حزام اس وقت تک نجران میں بنو حارث کی تعلیم و تربیت کرتے رہے جب تک آنحضرت حیات رہے[3]۔

۴۔ حضرت عمرو بن العاص۔ ۵۔ حضرت ابو زید انصاری

فتح مکہ کے بعد پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو قبیلہ ہذیل کے بت سواع کو منہدم کرنے کے لیے مقرر فرمایا اور اس کام کی تکمیل کے بعد آپ نے عمرو بن العاص اور ابو زید انصاری کو ذی الحجہ ۸ھ میں عمان کے دو رئیسوں جیفر (یا جیفر) اور عبید کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے ایک تبلیغی خط دے کر روانہ

---

[1] بنو جذیمہ قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ تھے اور مکہ معظمہ سے ایک رات کے فاصلے پر یلملم پہاڑ کے قریب چشمہ غمیصار پر آباد تھے (طبقات کبیر جزو ثانی ص۱۰۶) یہ لوگ جذیمہ بن عامر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی نسل سے تھے (سیرۃ ابن ہشام ص۲۴۷)

[2] خالد سیف اللہ از ابو زید شبلی ص۱۴۰ اور سیرۃ ابن ہشام ص۲۴۷ [3] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص۱۳

فرمایا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا ان کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے بکثرت اہل عمان عمرو بن العاص کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ جس کے بعد حضورؐ نے ان کو عمان میں زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمادیا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک اس عہدہ پر سرفراز رہے برابر اپنے فرض منصبی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اسلام کی تبلیغ بھی کرتے رہے۔ آپ کی کوشش وسعی سے اس علاقے کے تمام باشندے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ اس علاقے کے اکثر باشندے مجوسی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ انہی کو حضرت عمرو بن العاص نے دو سال تک تبلیغ کی۔[1]

۶۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ

حضرت مغیرہ ۵ھ میں ایمان لائے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں نجران کے علاقے میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ جہاں عیسائیوں سے ان کے متعدد مباحثے ہوئے اس کے بعد ہی نجران کا وفد مدینہ آیا تھا۔[2]

۷۔ حضرت وبر بن یحنس

ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابنائے فارس میں تبلیغ اسلام کرنے کے لیے یمن بھیجا تھا۔ مجوسیوں میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں ہم ان کا ذکر کر چکے ہیں۔

۸۔ حضرت معاذ بن جبل ۹۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری

ان دونوں صحابیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کے ایک ایک ضلع میں حق کا پیغام پہنچانے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا اور چلتے وقت ان کو نہایت ہی قابل قدر اور بے حد مفید اور کارآمد تبلیغی نصیحتیں کیں بیش بہا نصیحتیں حقیقتاً اسلامی تبلیغ کی بنیاد اور جڑ ہیں۔ حضورؐ نے دونوں صحابیوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ "دیکھو لوگوں کو نرمی اور ملائمت سے سمجھانا۔ سخت گیری اور تشدد سے کام نہ لینا۔ لوگوں سے محبت سے پیش آنا۔ اپنے سے ان کو نفرت نہ دلانا۔ دونوں مل کر کام کرنا اور تبلیغی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ تم کو وہاں جاکر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہوں گے۔ پس وہاں تم اپنی تبلیغ کو آہستگی اور سہولت کے ساتھ پھیلانا جب ان کے درمیان پہنچو تو پہلے ان کو توحید کی دعوت دینا۔ پھر رسالت کی تبلیغ کرنا۔ جب وہ یہ دونوں باتیں تسلیم کرلیں تو پھر ان سے کہنا کہ خدا نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب یہ بھی وہ مان جائیں تو ان کو نرمی سے سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی گئی ہے جو تمہارے امیروں سے لے کر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی۔

---

[1] "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن [2] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص۲۹

دیکھو جب وہ لوگ زکوٰۃ دینی منظور کرلیں تو تم چن چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔"

حضرت ابو موسیٰ یمن ہی کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ ہمارے ملک میں جو اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "ہاں ہر وہ شے جو نشہ پیدا کرے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے"[1]۔

۱۰۔ حضرت منقذ بن حبان

بحرین اس وقت ایران کے ماتحت تھا اور وہاں عرب قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور باثر خاندان عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ ان میں عبدالقیس کے قبیلے میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ وہاں دو چار دن کے لیے ٹھہر گئے۔ ان کے آنے کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو حضورؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی تبلیغ کی جس کے نتیجے میں وہ مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں رہ کر قرآن مجید کی کچھ تعلیم حاصل کی۔ روانہ ہونے لگے تو حضور علیہ السلام نے ان کو ان کی قوم کے نام ایک تبلیغی خط دیا اور فرمایا کہ اپنے قبیلے میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ اپنے وطن میں پہنچ کر کچھ دنوں تو انھوں نے اپنے اسلام کو خفیہ رکھا۔ پھر اپنے خسر منذر بن عائذ کو بہت کچھ بحث مباحثہ کے بعد مسلمان کیا۔ مابعد تمام قوم کو جمع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک ان کو سنایا۔ جسے سن کر لوگوں نے قبول کیا اور قبیلے کے بہت سے افراد نے بت پرستی چھوڑ کر اسلام کو اختیار کر لیا[2]۔

۱۱۔ حضرت علاء حضرمی

ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں تبلیغ اسلام کے لیے بحرین کے ایرانی عامل منذر بن ساوی کے پاس بھیجا تھا۔ ان کا حال ہم مجوسیوں میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابو امامہ باہلی

یہ مشہور صحابی ہیں اور صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ان کے قبیلے میں دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ قبیلے نے اپنے سردار کا شاندار استقبال کیا لیکن جب حضرت ابو امامہ نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں تم کو اسلام

---

[1] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص۲۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب المغازی۔ طبری میں بھی یہ روایت موجود ہے [2] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص۳۱

کی تبلیغ کروں پس میری نصیحت مانو اور مسلمان ہو جاؤ ورنہ جہنم کی آگ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ یہ سنتے ہی سارے قبیلے کی آنکھیں پھر گئیں۔ انھوں نے پینے کے لیے پانی مانگا تو قوم کی طرف سے جواب ملا کہ اگر پیاس سے تڑپ کر مر بھی جاؤ گے تب بھی ایک قطرہ پانی کا تمھیں نہیں ملے گا۔

قوم سے یہ سخت جواب سن کر بھی حضرت ابو امامہ نے ہمت نہیں ہاری اور برابر قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ قوم کا تعصب آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا اور کچھ عرصہ بعد ان کا سارا قبیلہ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔[1]

۱۳۔ حضرت رفاعہ بن زید

حضرت رفاعہ بن زید الجذامی الضبیبی کسی مبلغ کی تحریک کے بغیر خود ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ایک غلام نذر گزرانا یہ اسلام قبول کر کے نہایت مخلص صحابی ثابت ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارکان اسلام کی کچھ تعلیم دینے کے بعد ان کو حکم دیا کہ اپنے قبیلے میں جا کر توحید و رسالت اور دین حق کی تبلیغ کرو۔ یہ فوراً تعمیل ارشاد کے لیے تیار ہو گئے۔ روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ خط لکھ کر دیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے رفاعہ بن زید کے لیے لکھا جاتا ہے میں نے اُن کو ان کی تمام قوم کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ یہ اپنے آدمیوں کو توحید اور رسالت کی تبلیغ کریں اور خدا اور رسول کی طرف بلائیں پس جو اس دعوت کو قبول کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی حمایت میں داخل ہو جائے گا اور جو کوئی انکار کرے گا اُسے سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔"

اس خط کو لے کر جب رفاعہ اپنی قوم کے پاس آئے اور حضورؐ کا خط پڑھ کر ان کو سنایا تو سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔[2]

۱۴۔ حضرت محیصہ بن مسعود

قبیلہ اوس کے فرد اور مسعود بن کعب کے لڑکے تھے ہجرت سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعد میں اپنے بڑے بھائی حویصہ کو بھی مسلمان کر لیا۔ تاسیس حکومت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدک میں مبلغ اسلام بنا کر روانہ فرمایا۔[3]

۱۵۔ حضرت عمرو بن کعب

۸ھ میں آنحضرتؐ نے عمرو بن کعب الغفاری کو پندرہ آدمیوں کے ہمراہ بنی قضاعہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر ان لوگوں نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی دعوت

---

[1] سیر الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۲۸۷ بحوالہ اصابہ جلد ۲ صـ ۲۲۱ [2] سیرۃ ابن ہشام صـ ۷۲۳۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صـ ۵۲۲
[3] سیر الانصار جلد دوم صـ ۲۰۸ بحوالہ اسد الغابہ جلد ۴ صـ ۳۳۵

کو مسترد کر دیا اور سب لوگوں کو پکڑ کر شہید کر دیا۔ بمشکل تمام عمرو بن کعب بچ سکے۔[1]

۱۶۔ حضرت مہاجر بن عبد کلال

یہ حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجے گئے تھے۔[2]

۲۔ وہ صحابہ جنھوں نے بطور خود تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دی ویسے تو قریباً سارے ہی صحابہ اپنے ملنے جلنے والوں، اپنے دوست احباب اور اپنے عزیز و اقارب کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہتے تھے اور ان کا بیشتر وقت اسی شغل میں بسر ہوتا تھا۔ مگر ان میں سے جن صحابہ کرام کے نام اور کوائف صراحت کے ساتھ اسماء الرجال کی کتب میں پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض خاص خاص اصحاب کا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حضرت عمیر بن وہب

مسلمان ہونے کے بعد عمیر کے دل میں اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ جو سچائی اور صداقت میں نے پائی ہے اس سے اپنے اہل وطن کو بھی روشناس کراؤں۔ چند دن تو انھوں نے حضور علیہ السلام کی پاک صحبت میں گذارے اور پھر خدمت نبوی میں عرض کی کہ "میری بڑی خواہش اس امر کی ہے کہ اس نعمت سے اپنے بھائیوں کو بھی بہرہ ور کروں اور مکہ پہنچ کر اسلام کی اشاعت کروں"۔ حضور علیہ السلام نے اجازت دے دی اور عمیر نے مکہ میں آکر نہایت بے خوفی اور دلیری کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کی نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور ان کی کوشش و سعی سے مکہ کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔[3]

۲۔ حضرت عمرو بن مرہ

حضرت عمرو بن مرہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن کی تعلیم اور اسلام کے احکام کا علم حضرت معاذ بن جبل سے حاصل کیا اور پھر اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے قبیلہ جہنیہ میں واپس چلے گئے۔ چند دن میں ان کی مخلصانہ کوششوں سے اُن کا پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔[4]

۳۔ حضرت فروہ بن مسیک

یہ یمن کے باشندے اور قبیلہ مراد کے معزز شخص تھے۔ شاہان کندہ کا دربار چھوڑ کر سنہ ھ میں شہنشاہ کونین

---

[1] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم ص۱۷۱۳ [2] سیرۃ النبی شبلی جلد دوم ص۲۲۳ [3] سیر صحابہ جلد دوم ص۲۳۹ بحوالہ اصابہ جلد ۵ ص۳۶ [4] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص۱۹۰ بحوالہ اصابہ جلد پنجم ذکر عمرو بن مرہ

کے آستانے پر حاضر ہو کر اسلام لائے۔ حضورؐ نے ان کو قبیلہ مراد اور مذحج کا عامل بنا کر واپس کیا۔ انھوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں بیشک اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا۔ جو لوگ آمادہ ہوں۔ انھیں مسلمان بنانا جو انکار کریں ان کے متعلق میری دوسری ہدایت کا انتظار کرنا۔ یہ وطن پہنچ کر اپنے قبیلے کی رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ [1]

۴۔ حضرت اسعد بن زرارہ

یہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے انصاری تھے اور مکہ میں جا کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے واپس مدینہ آئے تو ایمان اور اخلاص کے جوش سے دل لبریز تھا چنانچہ مدینہ آتے ہی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ سب سے پہلے ابوالہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا۔ ابوالہیثم بولے کہ تمہارے ساتھ میں بھی آنحضرتؐ کی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمانی جوش اور دینی اخلاص کو دیکھتے ہوئے انھیں بنو نجار کا نقیب مقرر فرمایا تھا۔ [2]

یہ نام مشتے از خروارے ہیں اسماء الرجال کی کتابوں میں تلاش کرنے سے سینکڑوں نام اس قسم کے مل سکتے ہیں۔

۳۔ وہ قبائلی رؤسا جنھوں نے ذوق و شوق کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں ایسے قبائلی رؤسا اور امراء کی تعداد کافی تھی جنھوں نے مبلغین اسلام کی تبلیغ سے یا خود ہی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر اپنے قبیلے یا قوم میں جا کر پوری کوشش اور سعی اس امر کی کی کہ ان کی قوم بھی اسلام لا کر اس نعمت سے متمتع ہو جس سے وہ خود فیضیاب ہوئے ہیں۔ اکثر حالتوں میں ان کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں بار آور ہوئیں اور ان کی تمام قوم نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا۔ مگر اس قسم کی دردانگیز مثالیں بھی ملتی ہیں کہ راہِ تبلیغ و ہدایت میں ان نفوس مقدسہ کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی۔ اس سلسلے کے دونوں قسموں کے سرداران قبائل کی بعض نمایاں مثالیں یہاں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں اگرچہ تلاش اور تفحص سے یہ فہرست خاصی طویل ہو سکتی ہے۔

۱۔ حضرت سعد بن معاذ

یہ قبیلہ عبدالاشہل کے رئیس اور سید الاوس کے لقب سے ملقب تھے۔ مدینہ کے خاص اکابر میں سے شمار ہوتے تھے۔ اور شہر میں ان کا بڑا اقتدار۔ اثر اور رعب تھا۔ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز تھے اور قوم ان کو بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ جب حضرت مصعب بن عمیر کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تو خود دین ہدیٰ کی تبلیغ کا بے پناہ جذبہ دل میں پیدا ہو گیا۔ مصعب کے پاس سے کلمہ شہادت پڑھ کر سیدھے اپنے قبیلے میں پہنچے۔ ان لوگوں کو ایک جگہ

---

[1] سیر الانصار جلد اول ص ۲۵ بحوالہ طبقات و اسد الغابہ [2] سیر الصحابہ جلد ہفتم ص ۲۰۲

جمع ہونے کا حکم دیا۔ اپنے سردار کا ارشاد سننے کے لیے سب لوگ دوڑتے ہوئے چلے آئے۔ جب سارا قبیلہ ان کے گرد جمع ہو گیا تو یہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا

"لوگو! بتاؤ میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں۔ تمھارے دلوں میں میری کہاں تک وقعت ہے؟"

حاضرین نے جواب دیا۔ آپ ہمارے سردار اور رئیس ہیں، آپ کی اعلیٰ لیاقتوں کے باعث ہم دل و جان سے آپ کی محبت کرتے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں آپ کی بے انتہا قدر اور منزلت ہے۔

قوم سے یہ سننے کے بعد سردار قوم نے کہا اگر تمھارے دل میں میری حقیقی وقعت ہے اور واقعی تم مجھے قابل عزت اور قابل تکریم سمجھتے ہو تو جو کچھ میں کہوں گا کیا وہ تم مانو گے؟

تمام قوم کی گردنیں جھک گئیں اور متفقہ طور پر ان کی زبانوں سے نکلا "بسر و چشم" اس پر حضرت سعد نے فرمایا "اگر یہ بات ہے تو میں تمھیں اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا ہے۔ محمدؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری منظور اور قبول کر لی ہے۔ تمھارے مردوں، تمھاری عورتوں اور تمھارے بچوں سے کلام کرنا مجھ پر اس وقت تک حرام ہے۔ جب تک تم بھی میری طرح خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کا اقرار نہ کرو۔

یہ خلاف توقع اور عجیب و غریب اطلاع معلوم کر کے سارا قبیلہ حیران اور مبہوت ہو گیا مگر سعد کی اتنی عزت اور وقعت لوگوں کے دلوں میں تھی کہ کسی ایک شخص کی بھی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ سب نے شام ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔[1]

۲۔ حضرت عروہ بن مسعود

یہ ثقیف کے رئیس اور اپنی قوم میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ ابتدا میں اسلام کے شدید دشمن اور آنحضرتؐ کے سخت مخالف تھے مگر آہستہ آہستہ یہ نفرت اور حقارت دور ہوتی گئی اور وہ وقت آ گیا جب اسلام کا یہ شدید ترین دشمن آنحضرتؐ کا مخلص خادم بن گیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد خدمتِ نبوی میں عرض کی کہ مجھے اپنی قوم سے بڑی محبت ہے میں چاہتا ہوں کہ اسلام کی جو بیش بہا نعمت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے مجھے عطا فرمائی ہے میری ساری قوم کو بھی اس سے حصہ ملے اور میرے قبیلے کا ہر شخص سچے دل سے خدائے واحد کا پرستار بن جائے پس مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر اپنی قوم کو تبلیغ کروں اور ان کو خدا کا پیغام پہنچاؤں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے اظہار اسلام سے مشتعل ہو کر تمھاری قوم تمھیں قتل نہ کر ڈالے۔"

عروہ ہنسے اور کہنے لگا حضور وہ لوگ اپنی جوان اور حسین بیویوں سے بھی زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں پھر بھلا کس طرح یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں؟ اور یہ واقعہ تھا کہ وہ اپنی قوم کے نہایت محبوب تھے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد اول۔ حصہ سوم صفحہ ۱۲۴۸

لیکن تمام امیدوں اور توقعات کے برخلاف یہ ہوا کہ جب ثقیف میں پہنچ کر عروہ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تو ساری قوم یک دم مشتعل ہو گئی اور ہر سمت سے ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ ان کا خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ

یہ بنو سعد بن بکر کے رئیس تھے اور اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر ۹ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ ان کی تبلیغ کا نہایت دلچسپ بیان حضرت ابن عباس کی زبان سے سنیئے فرماتے ہیں مدینہ سے روانہ ہو کر جب ضمام اپنی قوم کے پاس آئے تو سارے قبیلے والے نہایت اشتیاق کے ساتھ آکر ان کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کہیے محمدؐ سے کیا گفتگو ہوئی؟" انھوں نے قوم سے پہلی بات یہ کہی کہ "اے قوم! خبردار ہو جاؤ۔ لات وعزیٰ کی خدائی ختم ہو گئی۔"

بتوں کی شان میں یہ عجیب کلمہ سن کر ساری قوم لرز اٹھی۔ ان کو وہم بھی نہ تھا کہ ضمام جیسا عاقل و فرزانہ شخص اپنے خداؤں کی اس قدر توہین اور تذلیل کر سکتا ہے۔ ان کو بڑا ہی تعجب ہوا۔ اور بڑی حیرت سے انھوں نے کہا "ضمام! اپنی زبان بند کرو۔ یہ کیا واہی تباہی بکنے لگے؟ لات وعزیٰ اپنی یہ توہین کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ ان گستاخانہ کلمات کی پاداش میں کہیں وہ تمھیں برص یا جذام یا جنون میں مبتلا نہ کر دیں یا تم پر کوئی ایسی مصیبت نازل نہ کر دیں جو دھری جائے نہ اٹھائی جائے۔ جلدی سے توبہ کرو تاکہ بتوں کے غصہ سے بچے رہو۔

ضمام توحید کے نشہ میں سرشار تھے۔ وہ ان بتوں کی کیا پروا کرتے اور ان کے پرستاروں کی باتوں کو کیا وقعت دیتے۔ ہنس کر کہنے لگے "یہ بت کیا ہیں؟ محض پتھر نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ بات ہمیں اس رسول نے بتائی ہے جو خدا نے ہماری ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ خدا نے اس رسول پر اپنی کتاب نازل کی ہے جو ہدایت کا سرچشمہ اور اخلاق حسنہ کا خزانہ ہے۔ اس نے لوگوں کو گمراہی اور جہالت سے نکالنے کے لیے واضح احکامات صادر کیے ہیں۔ پس اے قوم! ہماری بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ ہم اس رسولؐ کی فوراً اطاعت اختیار کریں۔ اور اس خدا پر ایمان لے آئیں جو وہ رسول پیش کرتا ہے۔ بھائیو! میں نے تو صداقت معلوم کر لی اور میں اس رسول پر ایمان لے آیا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ پس میرا کہنا مانو اور دیر نہ کرو پس و پیش اس رسول پر ایمان لے آؤ۔ سلامت اور محفوظ رہو گے ورنہ تباہی اور بربادی یقینی ہے۔ میں اس رسول سے تمہارے لیے ساری باتیں دریافت کر آیا ہوں۔ وہ بھی جن سے تمھیں بچنا چاہیئے اور وہ بھی جو تمھیں بجا لانی چاہئیں۔"

ضمام کی اس مخلصانہ پند و موعظت اور پُر اثر دعوت و تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری قوم نے شام ہونے سے پہلے پہلے شرک سے تائب ہو کر اسلام کو اختیار کر لیا اور سارے قبیلے میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا باقی نہ رہا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔[۱]

---

[۱] تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۸۲

ان مندکرہ بالا رؤسا کے علاوہ طفیل بن عمرو دوسی۔ منقذ بن حبان اور ثمامہ بن اثال وغیرہ رؤسا کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور بکثرت ایسے امراء کا حال بھی پہلے لکھ چکے ہیں جو اپنے اپنے قبیلوں کے نمائندے بن کر بطور وفد خدمت نبوی میں آئے اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر اپنے آدمیوں کو تبلیغ کی۔

۴۔ وہ عاملین زکوٰۃ جنھوں نے تبلیغی فرائض بھی انجام دیے | جب عرب کے مختلف اقطاع اور اضلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاکمانہ اقتدار قائم ہوگیا اور ان علاقوں کے لوگ یا تو مسلمان ہوگئے اور یا انھوں نے صدر مملکتؐ کے اقتدار کو تسلیم کر کے جزیہ دینا منظور کر لیا تو حضور علیہ السلام نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات اور غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کے لیے عرب کے تمام علاقوں میں اپنے عامل روانہ فرمائے۔ مگر یہ عامل بالعموم اس لیاقت اور قابلیت کے ہوتے تھے کہ زکوٰۃ کی تحصیل کے علاوہ تبلیغی فرائض اور اشاعتی کام بھی انجام دے سکتے تھے اور دیتے تھے۔ ایسے صحابہ کی ایک مختصر فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:۔

خالد بن سعید اور مہاجر بن امیہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہر صنعاء (یمن) میں بھیجا۔ زیاد بن لبید کو حضرموت کے صدقات کی تحصیل کے واسطے روانہ کیا۔ عدی بن حاتم طائی کو بنی طے اور بنی اسد پر عامل بنایا۔ مالک بن نویرہ کو بنی حنظلہ کی تحصیل پر بھیجا۔ بنی سعد کی تحصیل کے واسطے دو شخص روانہ کیے۔ ایک طرف زبرقان بن بدر کو بھیجا اور دوسری طرف قیس بن عاصم کو۔ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجا اور علی المرتضیٰ کو اہل نجران کی زکوٰۃ اور جزیہ تحصیل کرنے کے واسطے روانہ کیا۔[۱]

ان کے علاوہ ابو موسیٰ اشعری کو حضورؐ نے زبید و عدن میں معاذ بن جبل کو جند میں اور جریر بن عبداللہ بجلی کو ذوالکلاع حمیری کی طرف روانہ فرمایا۔[۲]

فصل ہفدہم

رسولِ خداؐ بحیثیت داعیاً الی اللہ

ساری کتاب کو پڑھ کر آپ نے پورا اندازہ اس امر کا لگا لیا ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت قیمتی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس امر کے لیے کامل طور پر وقف رہا کہ خدا کا نام بلند ہو اور اس کی توحید اور تمجید دنیا میں پھیلے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا جو کام اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے سپرد کیا تھا وہ حضورؐ نے اس انہماک۔ اس شغف۔ اس مستعدی۔ اس جانکاہی اور محنت کے ساتھ انجام دیا کہ بجا آوری فرائض کی کوئی اور مثال اس سے زیادہ نمایاں۔ اس سے زیادہ درخشاں اور اس سے زیادہ روشن ہمیں تمام تاریخ عالم میں اور کوئی نظر نہیں آتی۔ سوتے۔ جاگتے۔ بیٹھے۔ اٹھتے چلتے پھرتے اللہ کے نام کی تبلیغ اور اس کے کام کی اشاعت آپ نے اپنی زندگی کا خاص الخاص نصب العین بنا لیا تھا۔ کوئی لمحہ بھی آپؐ کا خدا کے ذکر اور توحید کی تبلیغ سے خالی نہ رہتا تھا۔ تبلیغ کا پہلا حکم ملتے ہی آپؐ نے قوم کی

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۲۹۷۔ تاریخ طبری جلد اول حصہ سوم صفحہ ۵۹۹۔ [۲] سیرۃ النبی شبلی مجلد دوم صفحہ ۲۳

مخالفت کی پروا کیے بغیر سارے اہل مکہ کو پہاڑ پر جمع کیا اور خدائی پیغام ان کو سنایا۔ پھر فوراً بعد اپنے اہل عشیرہ کی دعوت کی اور اُن کے سامنے حق کو پیش کیا۔ تمام مکہ مخالفت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ پیارے عزیز جان کے دشمن بن گئے۔ ہر قسم کی تکلیفیں۔ ہر طرح کی ایذائیں آپؐ کو لوگوں نے دینی شروع کیں۔ آپؐ پر نجاست کے ٹوکرے پھینکے گئے۔ آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپؐ کا گلا گھونٹا گیا۔ آپؐ کو گالیاں دی گئیں۔ آپؐ کا مذاق اڑایا گیا۔ آپؐ کو مجنون اور پاگل۔ شاعر اور کاہن کہا گیا۔ آپؐ کے پیرووں کے گلے میں رسی ڈال کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ تپتی ریت پر لٹایا گیا۔ گرم پتھر سینے پر رکھے گئے۔ گرم لوہے سے داغا گیا۔ لاٹھیوں سے بُری طرح پیٹا گیا۔ مگر نہ حضورؐ وحدانیت کی تبلیغ سے باز آئے۔ نہ آپؐ کے پیر و صراط مستقیم سے ڈگمگائے۔ آپؐ کا بائیکاٹ کیا گیا اور تین برس تک آپؐ پر کھانا پینا حرام کر دیا گیا۔ مگر خدا کا رسول پھر بھی ثابت قدم رہا۔ اور اس پُر صعوبت وقت میں بھی برابر پناہ گاہ سے باہر نکل کر حج پر آئے ہوئے قبیلوں کو خدا کا پیغام پہنچاتا رہا۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بددل ہوا۔ نہ مایوس ہوا اور نہ ہمت ہار کر بیٹھا۔ بلکہ جب اسؐ نے دیکھا کہ اسؐ کے شہر والے خدائی پیغام کو قبول نہیں کرتے تو طائف چلا گیا۔ اور ایک ایک گھر کی کنڈی کھٹکھٹا کر ان کو توحید کی تبلیغ کی۔ شہر کے "شرفاء" نے شہر کے بدمعاشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے اتنے پتھر مارے کہ سارے جسم سے خون بہنے لگا۔ مگر کوئی بھی تکلیف آپؐ کو خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک پہنچانے سے نہ روک سکی۔ جب مکہ کے کافر اپنی تمام کوششوں کے باوجود آپؐ کو تبلیغ و اشاعت کے فرض سے باز نہ رکھ سکے تو پھر انھوں نے داعی کا خاتمہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور قریش کے منتخب بہادر تلواریں کھینچ کھینچ کر آئے اور آپؐ کے مکان کو گھیر لیا۔ اس وقت آپؐ اپنے ایک جاں نثار کو حکم خدا کے مطابق اپنے بستر پر سونے کی ہدایت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی خدا نے آپؐ کی معجزانہ طور پر مدد کی جس نے آپؐ کو رسولؐ بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن ایسی افراتفری اور خطرناک موقع پر بھی آپؐ کے پاک لبوں پر خدا ہی کا نام تھا اور آپؐ اپنے رفیقِ طریق کو پورے اطمینان قلب کے ساتھ سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ مت ان اللّٰہ معنا۔ مکہ سے مدینہ تک کا راستہ نہایت کٹھن اور بڑا پُر صعوبت تھا اور قدم قدم پر گرفتاری اور قتل کا یقینی خطرہ تھا مگر اس حالت میں بھی خدا کا یہ اولوالعزم رسول فرضِ تبلیغ سے غافل نہ رہا۔ اُمِ معبد اور بریدہ بن الحصیب کو اپنے ۷۰ ساتھیوں کے ہمراہ اسی سفر میں آپؐ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ خدائے واحد کی عبادت کے لیے خدا کا ایک گھر بنایا۔ یہ مقدس گھر آج بھی موجود ہے اور کروڑ وکروڑ آدمی اس میں اس وقت تک خدائے واحد کے آگے سربسجود ہو چکے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

مدینہ پہنچ کر بھی مکہ کے کافروں کے ظلموں اور زیادتیوں سے آپؐ کو امن نہ ملا۔ انھوں نے مدینہ کے لوگوں کو اکسایا کہ آپؐ کو شہر سے نکال دیں۔ مدینہ کے یہودیوں کو ورغلایا کہ آپؐ کو زہر دے دیں۔ خود لشکر لے لے کر بار بار آپؐ پر حملے کیے۔ تمام عرب کے قبائل کو آپؐ کے خلاف بھڑکایا۔ اور عظیم الشان فوجوں کے ساتھ آپؐ کو تباہ کر دینا چاہا مگر یہ

دنیا کا عظیم المرتبت انسان ایسے گھبرا دینے والے اوقات میں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے آقا کو اور اس کے نام کی اشاعت کو نہ بھولا۔ جب ایک ہزار مسلح بہادر ۳۱۳ نہتے اور کمزور مسلمانوں پر تلواریں کھینچے کھڑے تھے بچاؤ کی اور کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت بھی اس انسان کامل ﷺ کے منہ سے نکلا تو یہی نکلا کہ "یا الٰہی اگر آج مٹھی بھر مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو پھر زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی متنفس باقی نہیں رہے گا" اس دعا کے نتیجے میں خدا نے فرشتوں کو ساتھ آسمان سے نازل کیا اور تمام جبارانِ قریش کے سر آمنہ کے یتیم ﷺ کے پاؤں میں پڑے تھے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنگ کے میدان میں نہایت مجبوری اور نہایت کراہت کے ساتھ اترنا پڑا۔ اگر مکہ کے کافر عرب کے قبائل اور مدینہ کے یہود زبردستی آپ کو جنگ میں نہ دھکیلتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری عمر نہایت خوشی و اطمینان کے ساتھ ایک مبلغ اسلام کی حیثیت میں گزار دیتے لیکن جب جنگ کے بادل چھٹ گئے۔ کچھ مخالفین مٹ گئے۔ کچھ دشمنوں نے صلح کر لی۔ کچھ معاندوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح حضور علیہ السلام کو تھوڑا بہت امن مل گیا تو پھر آپ بدستور نہایت زور شور اور نہایت انہماک کے ساتھ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے فراغت کے فوراً بعد آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ ملکوں کے بادشاہوں قبیلوں کے سرداروں۔ علاقوں کے حاکموں اور ریاستوں کے والیوں کے نام تبلیغی خطوط لکھے اور ان کو خدا کی طرف بلایا۔ فتح مکہ کے بعد اس سلسلے کو آپ نے اور وسعت دی اور کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ چھوڑا جس میں خدائے واحد کی تبلیغ کے لیے اپنے آدمی روانہ نہ کیے ہوں۔ اس دوران میں اسلام لانے یا اسلام کے متعلق واقفیت حاصل کرنے یا باہم مناظرہ اور مباحثہ کرنے کے لیے بکثرت افراد وفود کی شکل میں اور علیحدہ علیحدہ بھی آپ کے پاس آئے۔ آپ محض خدا کا نام ان تک پہنچانے اور ان کو حق کی تبلیغ کرنے کے لیے ان تمام لوگوں سے نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ ان کی بہتر سے بہتر مہمانداری کی۔ ان کے قیام و طعام اور آرام کا خاص طور پر خیال رکھا اور روانگی کے وقت ہر ایک کو انعامات سے نوازا۔ یہ سب کچھ آپ نے محض خدا کا نام بلند کرنے کے لیے کیا۔ ورنہ آپ کا اس میں کوئی ذاتی فائدہ ہرگز نہ تھا۔ خدا کا نبی ﷺ اپنے خادموں کو دن بھر ہزاروں لاکھوں درہم تقسیم کرنے کے بعد رات کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھوکا ہی سوتا تھا۔ اور گھر کا چولہا ہفتوں آگ کی شکل نہ دیکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غذا یا ذکر الٰہی تھی یا تبلیغ دین۔ اسی میں آپ کو سکون ملتا تھا اور اسی میں آپ راحت پاتے تھے۔

خدا کے نام کی اشاعت آپ کی پاک زندگی کا ایسا ضروری جزو ہو گئی تھی کہ آپ اسے کسی وقت اور کسی لمحہ بھی نہیں بھولتے تھے۔ اور نہ خدا کا نام لیے بغیر آپ کو چین ملتا تھا۔ خدا کے ذکر کے لیے کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں ورم کر آتے تھے۔ خدا کے ذکر میں محویت آپ کو دنیا کے ہر کام سے بے نیاز کر دیتی تھی۔ آپ کی کوئی حرکت اور آپ کا کوئی کام خدا کا نام لیے بغیر اور اس سے امداد و استمداد چاہے بغیر نہ ہوتا تھا۔ ہر کام اور ہر بات میں سب سے مقدم آپ خدا کو

رکھتے تھے۔ صبح کو سو کر اٹھنے سے رات کو سونے تک جس قدر چھوٹے بڑے۔ ادنیٰ و اعلیٰ۔ معمولی اور غیر معمولی کام آپ کرتے خدا کا نام لے کر کرتے۔ ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرتے۔ ہر موقع پر خدا سے دعا مانگتے۔ یہاں تک کہ پانی پینے۔ کھانا شروع کرنے۔ کھانا ختم کرنے۔ گھر میں داخل ہونے۔ مسجد میں جانے۔ مسجد سے باہر آنے۔ وضو کرنے۔ اذان سننے۔ سفر پر روانہ ہونے۔ سفر سے واپس آنے۔ ایک دوسرے سے ملنے۔ ایک دوسرے سے جدا ہونے۔ اچھی چیز کے دیکھنے۔ بری چیز سے بچنے۔ ہر برائی اور شر سے محفوظ رہنے۔ علم حاصل کرنے۔ جہالت سے بچنے۔ بازار میں جانے۔ سودا خریدنے۔ خوش کن اطلاع ملنے۔ بری خبر سننے۔ قرض سے بچنے۔ بیماریوں سے محفوظ رہنے۔ غسل کرنے۔ جوتے پاؤں میں ڈالنے۔ نیا کپڑا پہننے اور رفع حاجت کے لیے جانے کے وقت کی دعائیں بھی کتب احادیث میں لکھی ہوئی ہیں۔

غرض آنحضورؐ نے انسان کے پیدا ہونے سے اس کے مرنے تک کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جس کے لیے دعا کی تلقین نہ کی ہو۔ اسی لیے تو کافر کہا کرتے تھے کہ "محمدؐ تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔" اور بلاشبہ ان کا یہ کہنا سو فیصدی ٹھیک تھا۔ انتہا یہ ہے کہ وفات کے وقت بھی حضور علیہ السلام کے دل میں اور حضورؐ کی زبان پر اللہ ہی کا نام تھا اور اللھم بالرفیق الاعلیٰ کہتے کہتے آپؐ کی پاک اور مقدس روح اپنے محبوب کے حضور میں حاضر ہو گئی۔ خدا کے ہزاروں ہزار درود و سلام اُس وجودِ اقدسؐ و اعلیٰؐ پر ہوں جو اپنی بعثت سے اپنے وصال تک خدا کی یاد۔ اس کے نام کی اشاعت اور اس کے دین کی تبلیغ سے غافل نہیں رہا اور جس نے اپنی تمام راحت اپنا تمام آرام۔ اپنی تمام عزت اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اشاعتِ توحید اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وقف کر دیا۔

خاتمہ

خدا کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے عہد رسالت میں اشاعت اسلام کی تاریخ تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی توفیق بخشی۔ جہاں تک میرا ناقص علم اور میری محدود واقفیت ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کی کسی زبان میں اشاعت اسلام در عہد نبوت کی کوئی تاریخ اس توضیح اور اس تشریح کے ساتھ آج تک نہیں لکھی گئی۔ مجھ سے یہ خدمت خدا نے لی۔ یہ اس کا احسان ہے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے اور میرے دوست اور احباب بھی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ نہ میرا اتنا علم تھا اور نہ میری واقفیت ایسی تھی کہ میں اس مہتم بالشان کام کو سرانجام دینے کا خیال بھی کر سکتا۔ لیکن بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے نالائق بندوں سے بھی ایسے کام لے لیا کرتا ہے جو بڑے بڑے لائق لوگ بھی نہیں کر سکتے۔

میں نے اپنی ۶۸ سالہ زندگی میں اگر کوئی کام کیا ہے تو وہ اس مقدس تاریخ کی تدوین ہے۔ ورنہ باقی کی ساری عمر تو فضول کاموں میں ضایع کی۔ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اس تاریخ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کا ایک بے حد روشن پہلو نہایت واضح طور پر عوام و خواص کے سامنے آجائے۔

میں نے اس کتاب میں اپنے پیارے آقا۔ افضل الرسل۔ خاتم النبیین۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے زیبا ایک نئی طرز اور جدید اسلوب سے دکھایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی وہ حیثیت آپ کو دکھائی ہے جو سب سے بڑی اور سب سے اہم تھی اور جس کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے خدا کرے میں اپنی سعی و کوشش اور اپنے مقصد و مدعا میں کامیاب ہوا ہوں اور میں نے دعوت و تبلیغ کے اس مجاہد اعظم کے عظیم الشان تبلیغی کارناموں کی نہایت صحیح تصویر ان اوراق میں کھینچی ہو۔

ضمیمہ نمبر ۱

اشاعتِ اسلام اور مسئلہ جہاد

اس ساری کتاب کو آپ نے اول سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لیا۔ کیا کہیں بھی آپ کو کوئی ایسا بیان یا واقعہ ملا کہ:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی شخص کو زبردستی مسلمان ہونے پر مجبور کیا ہو؟

(۲) یا آپ نے اس مقصد کے لیے کبھی جبر و سختی اور نیزہ و تلوار سے کام لیا ہو؟

(۳) یا کبھی خدا نے آپ کو ایسا حکم دیا ہو؟

(۴) یا حضور علیہ السلام نے کبھی اپنے مبلغین کو اس امر کی اجازت دی ہو؟

(۵) یا حضورؐ نے کبھی کسی ایسے فعل کو پسند کیا ہو؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مطہر زندگی کا ایک ایک واقعہ آئینے کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے اور گھر کے اندر اور گھر کے باہر کا کوئی لمحہ ہم سے چھپا ہوا نہیں۔ مگر تلاش کرنے سے بھی کسی شخص کو کوئی ایسی بات نہیں مل سکتی کہ دعوتِ اسلام اور تبلیغ دین کے سلسلے میں حضور علیہ السلام نے کبھی کسی پر ذرا سا بھی جبر کیا ہو۔ پھر نہ معلوم کس بنیاد پر یورپین مؤرخین، عیسائی مبلغین اور ہندو مصنفین آپ کی ذاتِ پاک پر یہ الزام لگانے نہیں تھکتے کہ:۔

آنحضرتؐ نے تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلایا۔

جبر و سختی سے لوگوں کو مسلمان بننے پر مجبور کیا۔

تلوار کا خوف دلا کر لوگوں سے کلمہ پڑھوایا۔

مالِ غنیمت کا لالچ دے کر عرب کے بدوؤں کو اسلام کی دعوت دی۔

شمشیر ہاتھ میں لے کر جہاد کا علم اس لیے بلند کیا کہ لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی ترغیب دیں عام طور پر غیر مسلم اصحاب نے ان غلط اعتراضات کو اس قدر اچھالا اور اس قدر ان کو شہرت دی کہ بعض سنجیدہ اصحاب کو بھی اس غلط پراپیگنڈہ کا یقین آ گیا کہ واقعی اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہے جیسا کہ سوامی شردھانند کے قتل کے موقع پر آخر دسمبر ۱۹۲۶ء میں گاندھی جی جیسے ذمہ دار لیڈر نے بار بار کہا کہ "اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے"۔[1]

---

[1] الجہاد فی الاسلام مؤلفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ص۲

ہندؤوں کے بہت بڑے مذہبی رہنما آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند تھے جنھوں نے بڑے دل آزار طریقے سے لکھا: "قرآن کا خدا اور پیغمبر دونوں لڑائی باز تھے"[1]

آریہ سماج کے مسلم پرچارک اور مشہور اپدیشک پنڈت لیکھ رام کی ضخیم کتاب "کلیات آریہ مسافر" من اولہ الی آخرہ خدا۔ آنحضرت ﷺ۔ قرآن اور اسلام پر اسی قسم کے اعتراضوں سے بھری پڑی ہے۔

کچھ انہی نمایاں اصحاب پر موقوف نہیں ہندوستان کے دیسی عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے لیکچراروں، پادریوں، واعظوں اور مصنفین و مؤلفین نے ہزاروں کتابیں مسلمانوں کی مخالفت اور اسلام کی تردید میں لکھ کر شایع کیں۔ جن میں اس بے بنیاد اعتراض کو بار بار اور تکرار کے ساتھ دہرایا کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور جہاد کا حکم محض تبلیغ اسلام کے لیے دیا گیا"

ہندوستان سے قطع نظر یورپ کے اکثر مورخین اور مصنفین بھی بڑے زور کے ساتھ یہی لکھتے رہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے سائے میں ہوئی اور جہاد کا حکم محض اس لیے دیا گیا تاکہ عوام کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

چنانچہ ہالینڈ کا نہایت مشہور و معروف مستشرق پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی اپنی کتاب SPANISH ISLAM میں لکھتا ہے کہ:

"محمد کے زمانے میں مسلمانوں کی تلوار کا خوف دور دور پھیل گیا اور اسی خوف کے نتیجے میں لوگ مجبور ہوتے کہ بنیاد دین اختیار کرلیں"[2] آگے چل کر اسی کتاب میں لکھا ہے:

"عرب کے لوگ یا تو اس خوف سے کہ کہیں اپنا مال نہ لٹ جائے یا اس شوق میں کہ دوسروں کا مال لوٹ میں آئے گا۔ اسلام کے جھنڈے کے نیچے چلے گئے"[3] حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں:

(۱) نہ اسلام نے زور اور جبر سے کسی کو مسلمان بنانے کا حکم دیا ہے۔

(۲) نہ جہاد کی غرض یہ تھی کہ اس ذریعے سے زبردستی اسلام کی اشاعت کی جائے۔

(۳) نہ اپنا مال لٹنے کے خوف اور دوسروں کا مال لوٹنے کے شوق میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

یہی ڈوزی کا قول ہے کہ "فتح مکہ کے بعد بھی جو قبیلے بت پرست رہے انھیں جلد معلوم ہوگیا کہ اب مخالفت بے سود ہے اور ایک برباد کر دینے والی جنگ کی دھمکی نے ان سے اسلام قبول کروا دیا جس کی تلقین محمدؐ کے جنرل کیے اس ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر کرتے تھے"[4]

ولیم میور لکھتا ہے "اب محمدؐ کی حیثیت اس درجے پر پہنچ گئی تھی کہ جو لوگ ان کا دین اختیار کرنے سے انکار کر رہے

---

[1] ستیارتھ پرکاش مصنفہ پنڈت دیانند مطبوعہ ۱۸۹۹ء باب ۱۴۔ دفعہ ۵۶ ص ۷۹۱ ج ۲۔ SPANISH ISLAM کتاب اول ص ۱۴۲ [3] SPANISH ISLAM کتاب اول ص ۲۱ [4] تحقیق الجہاد ص ۱

تھے۔ان پر کامیابی کے ساتھ اس کے ماننے کا دباؤ ڈال سکتے تھے۔[1]

میں ذیل میں ان متذکرہ بالا اعتراضات پر ایک تحقیقی اور تاریخی نظر ڈال کر انشاء اللہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کروں گا کہ یہ تمام اعتراضات اور الزامات غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان کا اسلام کی اشاعت اور اس کی دعوت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔یہ سارے اعتراضات یا تو غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور یا اس دشمنی اور عداوت کا نتیجہ ہیں جو صدیوں سے غیر مذاہب کے مصنفین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام سے ہے اور جس کی موجودگی میں وہ لوگ سچائی اور حقانیت کا روشن اور منور چہرہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔کیونکہ تعصب نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں اس مضمون کو دل نشین اور تسلی بخش طریقے سے روشن اور پختہ دلائل اور براہین کے ساتھ بیان کر سکوں وما توفیقی الا باللہ۔

تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں مخالفین اور معاندین کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے اور جو الزامات لگائے جاتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ تین حصوں میں محدود ہو جاتے ہیں۔

۱۔اسلام کو جبراً پھیلایا گیا۔

۲۔لالچ دے کر لوگوں کو مسلمان بنایا گیا۔

۳۔جہاد کے ذریعے قبائل کو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا۔

ذیل میں ہم انہی تین اعتراضات اور الزامات کو روایت اور درایت کی کسوٹی پر کس کر قارئین کرام کو بتائیں گے کہ اس جھوٹ میں ذرا سا بھی سچ نہیں۔

۱۔کیا اسلام کی اشاعت جبر اور سختی سے ہوئی؟

اس بحث میں ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اسلام کا خدا اپنے دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے جبر اور زبردستی کی اجازت دیتا ہے؟ تو سارا قرآن کریم پڑھ جانے کے بعد اس میں ہم ایک آیت بھی ایسی نہیں پاتے جس سے یہ مطلب نکلتا ہو کہ کسی حالت میں بھی کسی کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔زبردستی کا اسلام نہ خدا کے نزدیک کسی وقعت کے قابل ہے اور نہ رسولؐ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت ہے۔نہ اس طرح مسلمان ہونے والا خدا اور رسول کے نزدیک کسی اجر اور ثواب کا مستحق ہے۔قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مخالفین کے اس دعوے کو بڑے زور سے جھٹلا رہی ہیں کہ اسلام میں جبر اور سختی جائز ہے۔اس قسم کی تمام آیتیں ہم نے مقدمہ کتاب میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھ دی ہیں اس لیے اس موقع پر ان کے اعادے کی ضرورت نہیں۔یہاں ہم صرف یہ دکھائیں گے کہ آنحضرتؐ نے خداوند کریم کے ان ارشادات

---

[1] لائف آف محمد از سر ولیم میور ص۱۵۷ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء

برکس سختی سے عمل کیا۔

(۱) سب سے زیادہ زور انسان کا اپنے نوکر یا غلام پر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پورے طور پر اس کا دست نگر اور اس کے قابو میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے نوکر یا غلام سے جس طرح اور جتنی چاہے خدمت لے۔ اور جس طرح چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

(۲) اس کے بعد بیوی کا نمبر آتا ہے۔ وہ بھی شوہر کی محکوم اور اس کی تابع ہوتی ہے اور ہر حال میں شوہر کی مرضی اور خوشی اس کے لیے مقدم ہوتی ہے۔

(۳) پھر رشتہ دار اور عزیز ہوتے ہیں کہ ان پر بھی انسان زور ڈال کر اپنی بات منوا سکتا ہے۔ اور اکثر حالتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے رشتہ دار کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا دل چاہے یا نہ چاہے اور چاہے وہ اس سے متفق ہو یا نہ ہو۔

(۴) اس کے بعد دوست کا درجہ ہے کہ اس پر بھی آدمی اپنے تعلقات اور دوستی کے لحاظ سے زور ڈال سکتا ہے اور اس کو ایک حد تک مجبور کر سکتا ہے کہ اس کی بات مانیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قسم کے سب لوگوں سے واسطہ پڑا۔ حضرت زیدؓ آپؐ کے غلام تھے حضرت خدیجہ رضی طاہرہؓ آپؐ کی بیوی تھیں۔ حضرت علیؓ آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے جو آپؐ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپؐ ہی نے ان کی تربیت اور پرورش کی تھی اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے دوست تھے۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے تعلقات کی بنا پر آپؐ نے زور اور جبر کے ساتھ خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کو ماننے پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص نے فوراً بلا پس و پیش اور بغیر ذرہ تامل کے نہایت خوشی اور رغبت کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ اس قبولیت میں زور۔ زبردستی اور جبر کا خفیف سا شائبہ بھی نہ تھا۔

مکی زندگی کے ۱۳ برس میں جو خاصی تعداد بت پرستوں کی حضورؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی ان لوگوں پر زور اور جبر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت خود نہایت درجہ بے کسی اور بے کسی کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں آپؐ کسی پر کیا جبر کر سکتے تھے۔

مدنی زندگی میں اگرچہ بے شک حضور علیہ السلام کو سرداری اور حکومت ملی مگر کیا اس دس سالہ زندگی میں ایک شخص بھی ایسا پیش کیا جا سکتا ہے جس پر اسلام لانے کے لیے آپؐ نے جبر کیا ہو یا کسی کو جبر کرنے کا حکم دیا ہو؟ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام کی مدنی زندگی میں متعدد مواقع ایسے آئے کہ آپؐ بڑی آسانی کے ساتھ جبراً لوگوں سے اسلام کو منوا سکتے تھے مگر حضورؐ نے کبھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔

اس قسم کا سب سے پہلا موقع جنگ بدر کا تھا۔ جب کفار مکہ نے بڑے ساز و سامان اور بڑی تیاریوں کے ساتھ

آپؐ پر حملہ کیا تھا۔ مگر سخت شکست کھائی۔ اس جنگ میں قریش کے ۷۰ آدمی گرفتار ہوئے۔ اگر آپؐ چاہتے تو اُن کو مسلمان ہونے پر مجبور کر سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے اُن ۷۰ قیدیوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔ بعض کو جو امیر تھے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بعض کو اس وعدے پر آزاد کر دیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف فتنہ پردازی نہیں کریں گے۔ بعض کو اس خدمت کے بدلے میں غلامی سے نجات مل گئی کہ انصار کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ بعض کو جو نادار تھے ویسے ہی رہا کر دیا۔

اسی طرح غزوہ بنو قریظہ میں کم و بیش ۲۰۰ یہود گرفتار ہوئے۔ ان میں سے بھی کچھ کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا باقیوں کو بطور احسان رہا کر دیا۔ اور کسی ایک شخص کو بھی اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔

مذکورہ بالا ہر دو غزوات کے علاوہ غزوہ بنی مصطلق میں ۱۹۰۔ سریہ جموم میں ۱۰۔ سریہ عیص میں ۹۔ سریہ حسمی ۱۰۰۔ غزوہ حنین میں چھ ہزار۔ سریہ عیینہ بن حصین میں ۶۲ اور سریہ قطبہ بن عامر میں بہت سے لوگ گرفتار ہوئے مگر سب کے سب بغیر کچھ معاوضہ لیے چھوڑ دیے گئے اور کسی کو بھی اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا۔[1]

سب سے بڑھ کر اور سب سے عمدہ موقع جبراً مسلمان بنانے کا فتح مکہ کا وقت تھا جبکہ آپؐ نے اپنے ان شدید دشمنوں پر فتح پائی جو لگاتار ۲۱ برس تک آپؐ کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ مگر آنحضورؐ نے یہ کہہ کر سب کو معاف کر دیا کہ "جاؤ تم آزاد ہو"۔ نہ ایک پیسہ کسی سے تاوان جنگ وصول کیا اور نہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور کیا۔

آنحضورؐ کے اس اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر بعض کفار مکہ بے شک مسلمان ہو گئے۔ مگر سینکڑوں آدمی پھر بھی بت پرست رہے اور اسلام نہیں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو ان کے حال پر رہنے دیا۔ پھر جس جس پر اسلام کی حقانیت کھلتی گئی وہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اپنی خوشی سے نہ کہ جبر سے۔

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی اپنی مشہور کتاب "تحقیق الجہاد" میں لکھتے ہیں "منکرین اسلام کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا جو الزام آنحضرتؐ پر لگایا جاتا ہے وہ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ مؤرخین یورپ کا یہ غلط دعویٰ ہے کہ قرآن مجید غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کی تاکید کرتا ہے اور یہ کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔۔۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ منکروں یا اپنے دشمنوں کو۔ خواہ کسی فرد واحد کو۔ خواہ ایک جماعت کو۔ خواہ کل قبیلے کو آنحضرتؐ نے اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ قرآن مجید اور تواریخ اس الزام کو رد کرتے ہیں اور ہمیں تاریخ میں معتبر وقائع سے کہیں ایسی مثال نہیں ملتی کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی شخص کو بزور شمشیر جبراً مسلمان بنایا ہو۔ آنحضرتؐ نے مکہ اور مدینہ میں دونوں جگہ ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد صرف ترغیب و تحریص اور وعظ و نصیحت سے اپنا دین پھیلایا۔ جس کی تائید معتبر

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ ۲۱۲ تا ۲۴۲

اور مقتول شہادت سے ہوتی ہے۔[1]

ان صاف اور صریح آیات کی موجودگی میں جو ہم مقدمۂ کتاب میں بالتفصیل درج کر چکے ہیں اور ان مستند اور روشن واقعات کے ہوتے ہوئے جو ہم نے اب پیش کیے ہیں۔ برابر یہ کہے جانا کہ "نہیں صرف اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا گیا۔" اگر کھلی ہوئی ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

جو لوگ یہ اتہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگاتے ہیں کہ حضورؐ نے جبراً اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنایا۔ وہ آج تک کوئی ایک مسلمان بھی ایسا پیش نہ کر سکے جس کے متعلق تاریخی شہادت اس امر کی موجود ہو کہ اس کو جبراً مسلمان بنایا گیا تھا۔ آخر کتب سیر و رجال اور حدیث و تاریخ میں ہزارہا صحابہ کے نام اور ان کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ انہی کے درمیان ہم کو ایسے صحابہ کے نام مل جاتے جن کے متعلق تاریخی شہادت ہوتی کہ یہ ہیں وہ لوگ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبردستی مشرف بہ اسلام فرمایا۔ کیا ان موٹی موٹی تاریخوں اور ضخیم تذکروں میں آپ ایک بھی ایسا نام دکھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور قیامت تک نہیں۔ اس کے برخلاف کئی روایتیں کتب احادیث میں ایسی آتی ہیں جن میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص کو فلاں صحابی نے میدان جنگ میں اس وقت قتل کر ڈالا جبکہ اس نے صحابی کی کھینچی ہوئی تلوار دیکھ کر فوراً کہہ دیا تھا کہ "میں مسلمان ہوتا ہوں۔" اس صحابی نے اس وقت اس شخص کے اسلام کو قبول نہ کیا اور کہا "تو صداقت کی خاطر نہیں بلکہ تلوار کے ڈر سے اسلام لاتا ہے۔ تو پھر تلوار ہی سے تیرا خاتمہ کیا جاتا ہے۔" اس قسم کی دو نہایت واضح اور صاف روایتیں ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ایک مثال خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور دوسری آپؐ کے نہایت ہی چہیتے غلام حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی۔

صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ لڑائی میں ایک شخص گرفتار ہوا۔ اور قید کر دیا گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتفاقاً اُدھر سے گذر ہوا تو اس نے اس خیال سے کہ اگر میں نے اسلام کا اظہار کر دیا تو قید سے چھوٹ جاؤں گا حضورؐ کو دیکھتے ہی کہا "مجھے کیوں قید کیا۔ میں تو اسلام لاتا ہوں۔" اس پر حضور علیہ السلام نے اس کو وہی جواب دیا جو فرعون کو خدا نے اس وقت دیا تھا جب وہ دریا میں ڈوبنے لگا تھا۔ اس وقت اس نے گڑگڑا کر کہا کہ "میں موسیٰ کے رب پر ایمان لایا۔" خدا نے فرمایا "اب ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل نہایت سرکش اور نافرمان تھا۔" حضور علیہ السلام نے بھی اس قیدی سے فرمایا "تمہارا اس وقت کا ایمان قابل قبول نہیں۔ اس سے پہلے ایمان لاتے تو ٹھیک تھا۔" مگر تاہم حضورؐ نے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اپنے دو آدمیوں کے بدلے میں جو دشمن نے قید کر لیے تھے۔ اُسے آزاد کر دیا۔[2]

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ عین معرکۂ جنگ میں حضرت اسامہ نے دشمن کے ایک سپاہی پر حملہ کیا۔ جس وقت اس

---

[1] تحقیق الجہاد ص ۱۳ و ص ۱۴۔ [2] مسلم۔

نے تلوار اپنے سر پر چمکتی ہوئی دیکھی تو کہنے لگا "میں محمد کے رب پر ایمان لایا" لیکن حضرت اسامہ نے اس کے اس وقت کے ایمان کو تسلیم نہیں کیا اور اسے قتل کر ڈالا اور کہا کہ تو تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کرتا ہے لہٰذا تیرا اس وقت کا ایمان قبول نہیں کیا جا سکتا۔[1] اگرچہ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ پر بہت ناراض ہوئے کہ جب وہ اسلام کا اظہار کر رہا تھا تو تم نے اسے کیوں قتل کیا؟

یہاں یہ بات نہایت غور سے سننے کے قابل ہے کہ عہد نبوت اور زمانہ خلافت میں صرف اسلام کے اظہار پر ہی لڑائی بند نہیں ہو جاتی تھی بلکہ یہاں تک تھا کہ اگر عرب کا کوئی قبیلہ مسلمانوں کے خلاف جنگ ترک کر دیتا اور مسلمانوں کی سیاسی حکومت کو تسلیم کر لیتا تھا۔ تو ایسا شخص یا ایسا قبیلہ خواہ کفر اور شرک پر ہی قائم رہتا مگر اس کے خلاف فوراً جنگی کارروائی روک دی جاتی تھی۔

یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ غیر مسلم کے اظہار اسلام پر لڑائی بند کر دینے یا کسی قیدی کو اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد قید سے آزاد کر دینے کے معاملے کو جبر سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ اعلیٰ درجے کی سیاست نہایت دُور اندیشی اور بڑی عقلمندی کا فعل ہے۔ خود قرآن کریم نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر کفار اپنے مظالم سے باز آجائیں اور ملک میں فساد اور امن شکنی کا موجب نہ بنیں تو مسلمانوں کو فوراً ان کے خلاف جنگی کارروائی روک دینی چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

قارئین کرام معاملے کے اس پہلو پر بھی اس سلسلے میں غور فرمائیں کہ وہ عقیدہ جو زور، جبر اور سختی و تشدد کے بل پر منوایا جائے۔ اس میں محبت، جوش، خلوص اور قربانی کا مادہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر صحابہ کی زندگیاں ہمیں ان تمام اوصاف حسنہ سے مملو نظر آتی ہیں اور جو محیر العقول کارنامے انھوں نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ احکام اسلام کی فرمانبرداری، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کی اشاعت میں دکھائے وہ کسی ایسے انسان سے ہرگز ظہور میں نہیں آسکتے جو جبر سے مسلمان بنایا گیا ہو مگر اس کا دل اندر سے اسلام کو اچھا نہ سمجھتا ہو۔

اس بیان کے آخر میں ہم اٹلی کے مشہور مستشرق پروفیسر ڈاکٹر وگلیری کی کتاب An Interpretation of Islam کا ایک مختصر سا اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں جس نے اپنے دوسرے یورپین مستشرقین بھائیوں کی تحریرات کے خلاف بڑے زور سے اور نہایت واشگاف الفاظ میں اس امر سے انکار کیا ہے کہ اسلام جبر و تشدد اور شمشیر و تلوار کے ذریعے پھیلا۔ اس نہایت دلچسپ اور محققانہ کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جو شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور نے کیا ہے اور جس کا نام ہے "اسلام پر ایک نظر" اس کے صفحہ ۱۱ پر پروفیسر ڈاکٹر وگلیری لکھتے ہیں:۔

---

[1] یہ واقعہ سریہ حرقہ میں پیش آیا جو ۷ھ یا ۸ھ میں ہوا تھا۔ اس وقت حضرت اسامہ کی عمر زیادہ سے زیادہ چودہ پندرہ سال کی تھی۔ (سیر الصحابہ جلد دوم ص...)

"جو لوگ یہ کہتے ہیں اور جابجا مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ اسلام جبر و تشدد کا مذہب ہے اور بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے وہ یا تو اندھے ہیں یا جان بوجھ کر دیکھنا نہیں چاہتے۔ ان کی مراد اس الزام سے اگر یہ ہے کہ دوسرے بانیاں مذاہب کے برعکس محمدؐ نے تلوار چلائی اور فوج کشی کی۔ تاکہ مزید کامیابیاں اور فتوحات حاصل ہوں اور محمدؐ کے ماننے والوں نے بھی ان کی پیروی کی تو ہمیں کہنا چاہیئے کہ یہ درست ہے۔ لیکن ہمیں ساتھ ہی خالی الذہن ہو کر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اس پیش قدمی اور فوج کشی کے اسباب کیا تھے؟ لیکن اگر اس الزام کا منشا یہ ہے کہ مذہب کو جبراً منوانے کی خاطر ایک تباہ کن جنگ لازمی سمجھی گئی اور اسلام کی فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ غیروں پر زبردستی اپنا تسلط جمائے تو ہم اس الزام کی تردید کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم اور محمدؐ کا کردار دونوں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ الزام سراسر جھوٹا ہے"

آگے چل کر کتاب کے ص۱۳ پر یہی پروفیسر لکھتی ہے:-

"اگر ہم محمدؐ کی پیشگوئیوں پر غور کریں یا مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کو دیکھیں تو بہت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ الزام کہ اسلام بزور شمشیر منوایا گیا اور اسلام کا جلدی سے پھیل جانا تلوار کی وجہ سے تھا سراسر لغو اور بیہودہ ہے۔ قرآن صاف طور پر کہتا ہے:-

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[1] یعنی دین و مذہب کے معاملے میں کسی قسم کے زور و جبر کی اجازت نہیں۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی بالکل صاف طور پر ظاہر ہو چکی ہے جو شخص طاغوت[2] سے اعراض کرے اور اللہ پر ایمان لائے۔ یہ سمجھو کہ اس نے ایک نہایت مضبوط اور قابلِ اعتماد چیز کو بڑی مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیا اور اللہ بڑا سمیع اور علیم ہے"

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن کے الفاظ یہ ہیں: وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[3] یعنی "اے محمدؐ! تم لوگوں سے کہہ دو کہ یہ سچائی (اسلام) تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے اس سے منہ پھیر لے"

(ب) کیا مال کا لالچ دے کر لوگوں کو مسلمان بنایا گیا تھا؟

دوسرا بڑا اعتراض مخالفین اسلام کا یہ ہے کہ جب مدینہ میں جنگی فتوحات کے نتیجے میں بکثرت مال آنے لگا تو

---

[1] سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵ [2] طاغوت کے معنی ہیں "ہر وہ چیز جس کی خدا کے سوا پرستش کی جائے"

[3] سورہ کہف۔ آیت ۳۰

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو بکثرت بھیڑ، بکریاں، اونٹ اور نقدی دے کر ان کو مسلمان بنایا اور اس طرح اشاعتِ اسلام میں کوشش کی۔ مثال میں یہ معترضین اُن جدید الاسلام سردارانِ مکّہ کو پیش کرتے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جنگ حنین کے بعد ہزاروں اونٹ اور بکریاں بطور انعام مرحمت فرمائی تھیں[1] اور فتح مکہ کے بعد جب قبائل عرب کے وفود اسلام لانے کے لیے آپؐ کے پاس آنے لگے تو ان کے افراد کو بھی آپؐ نے بہت سا مال عنایت فرمایا۔[2]

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بیشک جنگ حنین کے مالِ غنیمت میں سے سردارانِ قریش کو اونٹ اور بکریاں انعام میں دی گئیں اور وفود کے لوگوں کو بھی بہت سا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تقسیم کیا گیا مگر یہ تمام مال ومنال ان کے اسلام قبول کرنے کے بہت بعد ان کو محض تالیف قلوب کے لیے دیا گیا تھا کیونکہ اسلام ابھی تک ان لوگوں کے دلوں میں پوری طرح بیٹھا نہ تھا۔ ضرورت تھی کہ ان کے ساتھ نہایت نرمی، محبت اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے تاکہ ان کی سستی دور ہو جائے اور وہ نہایت خلوص اور صدق کے ساتھ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اسلام لانے سے پہلے کسی شخص سے کہا گیا ہو کہ "یہ لو سونے چاندی کے ڈھیر اور اونٹ بکریوں کا ریوڑ اور مسلمان ہو جاؤ۔" اس قسم کی ایک مثال بھی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں ملے گی ہاں جب بغیر کسی شرط اور بغیر کسی مالی امداد یا عطیہ کی توقع کے کسی شخص یا کسی قبیلے نے اسلام قبول کیا تو پھر بیشک بعض لوگوں کو تالیف قلوبؐ کے طور پر آپؐ نے انعامات دیے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اعتراض کے قابل بات نہیں۔ آخر فوج کے افراد اور دیگر معززین کو تمغے، خطاب، زمینیں، جاگیرات، روپے اور عطیے آج بھی دیے جاتے ہیں۔ سرحدی اقوام کو انگریزی گورنمنٹ بے شمار مال و دولت انعام واکرام کے طور پر مسلسل دیتی رہتی تھی تاکہ وہ امن سے رہیں اور فتنے نہ اٹھائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی عرب کے سرکش قبائل میں مال تقسیم کر کے ان کو امن سے رہنے پر مائل کیا تو کیا برا کام کیا؟ پھر میرے ذوق کے مطابق سردارانِ قریش پر ان ہدایا، عطایا اور انعام واکرام کی بارش سے دنیا کو یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو جیسے سخت ترین دشمنانِ اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان، مال اور عزت پر بار بار اور مسلسل حملے کرنے اور آپؐ کے خلاف ہر قسم کی بدترین سازشیں کرنے میں سعی وکوشش کا کونسا دقیقہ باقی چھوڑا؟ مگر جب وہ عاجز، درماندہ، لاچار اور مجبور، مغلوب اور مطیع ہو کر آستانۂ نبوی پر حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا تو حضورؐ نے فوراً ان کی تمام دشمنیوں اور عداوتوں اور سازشوں

---

[1] ان انعامات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۹۴ تا ۲۹۵۔ [2] ان عطایا کا حال ہم وفود کے بیان میں درج کر چکے ہیں۔

کو نظر انداز کر دیا اور ان پر انعام واکرام کی بارش شروع کر دی۔ قاری حضور علیہ السلام کے اس بلند ترین اخلاق کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اسلام کے اور اپنے شدید ترین دشمن ابوسفیان اور اس کے بیٹوں کو تو حضورؐ نے تین سو اونٹ مرحمت فرما دیے مگر اپنی پیاری اور چہیتی بیٹیؓ کو ایک لونڈی بھی نہ دی جو اس معصومہؓ کی خدمت کرتی۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ابوسفیان، حکیم بن حزام، حارث بن حرث، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، علاء بن جاریہ، اقرع بن حابس، مالک بن عوف، صفوان بن امیہ، عمیر بن وہب، ہشام بن عمرو، سعید بن یربوع، عدی بن قیس وغیرہ کو تو ہزاروں اونٹ دے ڈالے۔ مگر اپنے چچیرے بھائی و داماد علیؓ اور داماد عثمانؓ اپنے خسر ابوبکرؓ اور عمرؓ کو ایک بکری کا بچہ بھی نہ دیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ مال ان لوگوں کو استمالتِ قلوب کے لیے دیا گیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و حیدرؓ کو چونکہ استمالتِ قلوب کی ضرورت نہ تھی اس لیے انہیں کچھ نہ ملا۔ نہ حضورؐ نے انہیں اس موقع پر کچھ دیا۔ نہ ان نفوس مقدسہ نے کوئی شکایت کی۔ دونوں فریق میں یہ ایمان کی کمی بیشی کے مظاہرے تھے۔

ج۔ کیا جہاد کے ذریعے لوگوں کو اسلام پر مجبور کیا گیا؟

اسلام کی اشاعت کے متعلق معاندین اسلام کا آخری اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کو جہاد کے ذریعے ترقی دی اور تلوار لوگوں کے گلے پر رکھ کر انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ چنانچہ امریکہ کے مشہور و معروف مصنف اور ادیب واشنگٹن اروِنگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو سوانح عمری لکھی ہے اس کے شروع میں حضور علیہ السلام کی ایک فرضی تصویر بھی دی ہے۔ جس کے ایک ہاتھ میں قرآن دکھایا ہے اور دوسرے میں تلوار۔ آیئے اب دیکھیں کہ اس اعتراض میں صداقت اور واقعیت کو کہاں تک دخل ہے؟ اور تعصب، عناد، بغض اور دشمنی کو کہاں تک؟

واقعہ یہ ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر اسلام کی اشاعت کی۔ نہ قرآن نے کبھی آپؐ کو ایسا حکم دیا۔ نہ اسلامی جنگوں کا یہ مقصد تھا کہ تلوار گلے پر رکھ کر اسلام کا اقرار کرایا جائے۔

اس موقع پر دل میں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے زور اور جبر کی اجازت نہیں۔ تو پھر "جہاد" کا مطلب کیا ہے اور وہ کیوں مسلمانوں پر فرض کیا گیا تھا؟ اور کن حالات میں اور کن لوگوں کے خلاف اس کی اجازت دی گئی تھی۔ ذیل کی سطور میں ہم اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے:۔

لفظ "جہاد" کا مطلب جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہم طویل بحث

میں جانا نہیں چاہتے جن حضرات کو اس مسئلہ کی تحقیق کا شوق ہو وہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام از مولوی عنایت اللہ دہلوی۔

۲۔ تحقیق الجہاد ترجمہ کریٹیکل اکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد از مولوی خواجہ غلام الحسنین پانی پتی۔ ہم سید سلیمان ندوی کی مشہور تصنیف سیرۃ النبی سے اس مسئلہ کو نہایت اختصار سے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس اختصار میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جہاد کے ہر پہلو پر روشنی پڑ جائے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی میں جہاد اور اس کی متذکرہ بالا قسموں کے متعلق بڑی لطیف بحث کی ہے۔ قارئین کرام کی دلچسپی اور ازدیاد معلومات کے لیے اس کا خلاصہ بہت مختصر الفاظ میں یہاں درج کیا جاتا ہے :۔

جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے "جہاد" کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی محنت کوشش اور سعی کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اس لفظ کے اصطلاحی معنی بھی ہیں۔ یعنی حق کی سربلندی اور سرفرازی۔ اشاعت اور ترویج اور اس کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد۔ قربانی اور سعی کو خوشی و خرمی اور بشاشتِ قلب کے ساتھ برداشت کرنا اور پورے ایثار و خلوص اور ثند ہی کے ساتھ اپنی تمام جسمانی۔ مالی اور دماغی قوتوں کو اس راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اپنی۔ اپنے اہل و عیال کی اور اپنے عزیز و اقارب کی جانوں تک کو قربان کر دینا۔ حق کے مخالفوں اور سچائی کے دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا۔ ان کی تدبیروں کو بیکار کرنا اور اُن کے حملوں کو روکنا ہی جہاد ہے۔ جو اسلام کا رکن اعظم اور بہت بڑی عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم، اس قدر ضروری اور ایسے وسیع مفہوم کو صرف "دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ" کے نہایت تنگ میدان میں محدود کر دیا۔

اس موقع پر ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنی الفاظ ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ قرآن پاک میں یہ دونوں الفاظ علیحدہ علیحدہ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے جہاد فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں سعی کرنی) اور قتال فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں لڑنا) ان دونوں لفظوں کے ایک معنی نہیں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ یعنی ہر جہاد قتال نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کی مختلف اور متعدد قسموں میں سے ایک قتال بھی ہے۔ اسی لیے قرآن نے ان دونوں لفظوں کے استعمال میں ہمیشہ فرق کیا ہے اور ایک کو دوسرے سے خلط ملط نہیں کیا۔

جہاد کی قسمیں | جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ لفظ جہاد کے معنی سعی بلیغ اور جدوجہد کے ہیں تو پھر ہر ایک

نیک کام جہاد کے تحت میں آسکتا ہے۔

۱۔ جہاد بالنفس علمائے باطن کے نزدیک جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے اور اسی کا نام "جہادِ اکبر" ہے۔ چنانچہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کے لیے اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو"۔[1]

خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون[2] (حقیقی مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس ایمان و یقین پر ثابت قدم رہے اور خدا کے راستے میں اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ سچائی پر پورے اُترنے والے ہیں) جہاد بالنفس یہ ہے کہ حق کی حمایت۔ نصرت اور امداد کے لیے ہر قسم کی تکلیف، مصیبت اور دقت، خوش خرمی اور مسرت کے ساتھ برداشت کی جائے۔ یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی جوکھوں میں ڈال دینے، جسم کو آگ میں جلائے جانے، بدن کو سولی پر لٹکائے جانے، تیر اور نیزے میں چھد جانے اور تلوار سے کٹ جانے کے لیے ہر وقت آمادہ، مستعد اور تیار رہے۔ غرض حق کی راہ میں ہر عیش و آرام، تمام اہل و عیال۔ اپنے سارے مال اور اپنی جان تک کو قربان کر دینے کا نام جہاد بالنفس ہے۔ ترمذی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا المجاھد من جاھد نفسہ (حقیقی مجاہد وہی ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے)

۲۔ جہاد بالمال مال کے ساتھ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ حق کو کامیاب بنانے اور سچائی کو سر بلند کرنے کے لیے اپنی ہر قسم کی ملکیت کو قربان، اپنی تمام دولت کو نثار اور اپنے سارے سرمایہ کو وقف کرنے کے لیے مومن ہر وقت اور ہر آن قلبی بشاشت کے ساتھ تیار رہے کیونکہ قوم کا عروج اور ملت کا استحکام اسی جہاد بالمال پر موقوف ہے۔ وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی جس نے جہاد بالمال سے اعراض کیا یا اس میں تساہل سے کام لیا۔ قرآن کریم نے بھی اس جہاد پر خاص طور سے زور دیا ہے اور شاید ہی کوئی آیت قرآن مجید کی ایسی ہو جس میں جہاد کا ذکر نہ ہو اور ساتھ ہی جہاد بالمال کا بیان نہ ہو۔ بلکہ کلام اللہ میں قریباً ہر جگہ جہاد بالمال کو دوسری قسم کے جہادوں پر مقدم رکھا گیا ہے۔

۳۔ جہاد بالعلم دنیا کا سارا شر و فساد جہالت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور مومن کا فرض ہے کہ اس کو دُور کرنے کی کوشش کرے اور یہ کوشش اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب عقل و خرد اور علم و دانش کے ہتھیاروں کے ساتھ جہالت کا مقابلہ کیا جائے اور تاریکی کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ دلائل و براہین اور نصیحت و موعظت کی تلوار پوری شدت اور پورے زور کے ساتھ حق کے مخالفوں اور تاریکی کے فرزندوں پر چلائی جائے۔ خدا تعالیٰ اس جہاد

---

[1] کنز العمال کتاب الجہاد جلد دوم صفحہ ۲۸۵۔ [2] سورہ حجرات ۲

کی تاکید ان بلیغ الفاظ میں فرماتا ہے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن[۱] (لوگوں کو نہایت پرحکمت باتوں اور دل نشین نصیحتوں کے ساتھ حق کی راہ دکھاؤ اور ان سے اس طرز سے گفتگو کرو جو بہترین ہو)

۴۔ جہاد بالقرآن | اگر انسان قرآن کو اپنا دستور العمل بنائے اور ہر ایک بات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے تو تبلیغ کے میدان میں اسے پھر کسی اور ہتھیار کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی وہ لاثانی اور بے مثل تلوار ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی بیماریوں کی فوج کو شکست دینے کے لیے عطا کی گئی اور حکم دیا گیا کہ اسی خدائی شگاف تلوار سے مخالفین کے شکوک وشبہات کے لشکروں کو پامال کرو اور یہی "جہاد کبیر" ہے۔ جیسا کہ فرمایا فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہ جھادا کبیرا[۲] (کافروں کی پرواہ نہ کر اور اس قرآن کے ذریعے ان سے جہاد کر جو بڑا جہاد ہے) مطلب آیت کا یہ ہے کہ قرآنی حقائق ومعارف اور قرآنی دلائل وبراہین کو اس کے مخالفوں، دشمنوں، مشرکوں اور کافروں کے سامنے پیش کر کے ان کو لاجواب اور قائل کرو۔

۵۔ ہر نیک کام جہاد ہے | جہاد کی مذکرہ بالا اقسام کے علاوہ ہر نیک کام اور ہر دینی فرض کی ادائیگی میں اپنی جان۔ اپنا مال اور اپنی دماغی اور جسمانی محنت کو صرف کرنے کا نام بھی اسلام میں جہاد ہے۔ عورتوں نے غزوات میں شریک ہونے کی اجازت مانگی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا "تمہارا جہاد حج ہے"[۳]۔ ایک شخص یمن سے جنگ میں شرکت کے لیے آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "تیرا جہاد ماں باپ کی خدمت ہے"[۴]۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "ظالم اور جابر بادشاہ کے سامنے آزادی اور دلیری کے ساتھ حق اور انصاف کی بات کہہ دینا بہت بڑے جہادوں میں سے ایک جہاد ہے۔ حضور علیہ السلام کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ان من اعظم الجھاد کلمة عدل عند سلطان جائر[۵]۔

۶۔ جہاد بالسیف | جہاد بالنفس (یعنی اپنے جسم اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنا) جہاد کی ان تمام اقسام پر حاوی ہے جن میں انسان کو کوئی جسمانی اور بدنی محنت کرنی پڑے۔ اس سلسلے میں جب کبھی ایسا موقع آئے کہ دین کے دشمن اسلام مٹانے کے لیے اور خدا کی عبادت سے مسلمانوں کو روکنے کے لیے تلوار ہاتھ میں لے کر مقابلے پر اتر آئیں اور مسلمانوں کی املاک۔ ان کے اموال اور ان کی جانوں پر حملہ آور ہوں۔ تو اس مجبوری کی حالت میں مومنوں کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ طاقت کا طاقت کے ساتھ اور تلوار کا تلوار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے یہ "جہاد بالنفس" کی آخری حد ہے۔ بھاری لشکروں اور مسلح فوجوں کے ساتھ مخالفین اور معاندین نے تیروں اور تلواروں کے ساتھ اسلام کو مٹانے اور اس کے متبعین کو برباد اور تباہ کرنے کے لیے جو حملے کیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[۱] نحل ۱۲۶ [۲] فرقان ۵۳ [۳] صحیح بخاری کتاب الجہاد [۴] ابوداؤد کتاب الجہاد [۵] ترمذی ابواب الفتن۔

(۱) مستشرقین کے نظریۂ جہاد پر لغو اعتراض

اس کی مدافعت اسی جہاد کے ذریعے کی۔

اہلِ یورپ اور آنحضرتؐ کی جنگی مہمات | جو لڑائیاں اور جنگیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافروں اور یہودیوں سے نہایت مجبوری اور لاچاری کی حالت میں لڑنی پڑیں۔ انھیں یورپ کے متعصب مصنفین نے لوٹ مار۔ قتل و غارت۔ قزاقی۔ ڈاکہ زنی۔ اشاعتِ توحید اور تبلیغِ اسلام کی جبریہ کوشش اور دینِ الٰہی کو زبردستی پھیلانے کا ذریعہ بتایا ہے۔ نہایت بھیانک طریقے سے ان کا غلط نقشہ اپنی کتابوں میں کھینچا ہے اور جان بوجھ کر حقائق اور واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ ان میں سے بعض آراء کے خلاصے یہاں درج کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو کہ حضرت بانیٔ اسلام علیہ السلام کی ان تبلیغی مساعی کو اہلِ یورپ نے بالعموم کس نظر سے دیکھا ہے۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ یورپ کے بعض انصاف پسند مصنفین نے عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں دیا اور انصاف اور سچائی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ان مدافعانہ مہمات کو برسرِ حق بتایا ہے اور صاف طور سے تسلیم کیا ہے کہ اسلام کے پیغمبرؐ نے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں نہ جبر اور نہ زبردستی سے کام لیا اور نہ لڑائیاں اس لیے لڑیں کہ بزور لوگوں کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور کیا جائے۔ (جیسے مسٹر آرنلڈ وغیرہ) مگر غالب اکثریت ایسے تنگ نظر مورخین کی ہے جنھوں نے تعصب اور دشمنی کی آنکھوں سے اس پیغمبرِ امنؐ کی مساعیٔ جمیلہ کو دیکھا اور ان پر سخت اور ناواجب نکتہ چینی کی۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

لندن کا پادری سٹیفنز لکھتا ہے:۔

"قرآن میں مسلمانوں کو ان لوگوں سے جو پیغمبرِ اسلام کی نبوت کو نہ مانیں لڑنے کا قطعی اور مطلق حکم موجود ہے...... ایک مسلمان کا مقصدِ حیات جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ کھلم کھلا بردآزمائی اور لڑائی میں سبقت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ جہاں ترغیب سے کام نہ چلے۔ وہاں تم لوگ اشاعتِ دین کے لیے زبردستی سے کام لو اور اس طرح دنیا میں لوٹ مار کرتے پھرو۔"[1]

باسورتھ اسمتھ کہتا ہے:۔

"...... اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ محمدؐ کو تکلیفیں دی جاتی تھیں بلکہ اب وہ وقت ہے کہ محمدؐ کو کوئی نہیں ستاتا اور وہ خود لوگوں کو آزار دیتے ہیں۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر قوموں کے سامنے یہ تین باتیں پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے

---

[1] مسیحیت اور اسلام۔ بائیبل اور قرآن از ریورنڈ۔ ڈبلیو آر ایم سٹیفنز۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء صفحات ۹۸ - ۸۹)

کوئی ایک بات قبول کر لو یا اسلام لاؤ یا جزیہ ادا کرو یا موت قبول کرو۔

مسٹر جارج سیل اپنے مشہور ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اور دعوت اور دفاعی جنگوں کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتے ہیں:-

"ہجرت سے پہلے محمدؐ نے اپنے دین کی اشاعت منصفانہ طریق سے کی۔ اس ذلت عظیم مقصد کی کامیابی کو ترغیب و تحریص سے منسوب کرنا چاہیئے نہ کہ جبر و اکراہ سے۔ کیونکہ عقبہ کی دوسری بیعت سے پہلے محمدؐ کو مذہب کے معاملے میں زبردستی سے کام لینے کی بالکل اجازت نہ تھی اور قرآن کی متعدد آیات میں آپؐ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ میرا کام صرف تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہے۔ مجھے کسی شخص پر اسلام قبول کرنے کے لیے جبر کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ محمدؐ نے اپنے اصحابؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ دین کے معاملے میں جو بھی تکلیفیں تم کو پہنچائی جائیں ان کو صبر سے برداشت کرو۔ محمدؐ نے اس نصیحت پر خود بھی سختی سے عمل کیا۔ جب اُن کو کفار کی طرف سے سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں تو آپؐ نے ان کی کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی کے ساتھ اپنے وطن سے نکل کر مدینہ چلے گئے۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم صبر اور بے نظیر تحمل تمام تر اس وجہ سے تھا کہ نبوت کے پہلے بارہ سال تک آپؐ کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا اور آپؐ کے ظالم دشمنوں کو بڑی فوقیت اور طاقت حاصل تھی کیونکہ جونہی محمدؐ اہل مدینہ کی مدد سے اس قابل ہوئے کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ فوراً انھوں نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے پیروؤں کو کافروں کے مقابلہ میں مدافعت کی اجازت دے دی ہے۔ جب آپؐ کی جمعیت بڑھ گئی تو آپؐ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے ان پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر بت پرستی کو مٹا کر دین حق کے قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے۔ آپؐ کو تجربے سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اگر جبر و تعدی سے کام نہ لیا گیا تو میرے مقاصد کی رفتار بہت سست پڑ جائے گی اور آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب کسی تحریک کے بانی صرف اپنی ذاتی طاقت پر بھروسا کرتے ہیں اور اپنی رائے منوانے کے لیے دوسروں کو مجبور کر سکتے ہیں تو ان کو شاذ و نادر ہی کوئی خطرہ پیش آتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک سیاسی مدبر نے کہا ہے کہ جن پیغمبروں نے ہتھیار اٹھائے وہ کامیاب ہوئے اور جنھوں

لہ محمد اور دین محمدی " یعنی ٹالکچر جو آر باسورتھ ایم۔ اے نے فروری و مارچ ۱۸۷۴ء میں رائل انسٹی ٹیوٹ برطانیہ عظمیٰ میں دیئے طبع دوم ص ۱۳۷ ۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء

نے نہیں اُٹھاتے وہ ناکام رہتے ہیں"[1]

مسٹر اسپرن اپنی کتاب "اسلام زیر حکومت عرب" کے صفحات ۴۶ تا ۵۴ پر لکھتے ہیں:۔

"محمدؐ کی یہ لڑائیاں دراصل معاش کا ایک ذریعہ تھیں۔ جو اہل عرب کی طبیعت کے مناسب حال ہے اور ان لڑائیوں سے ان پر کسی ذلت یا بد اخلاقی کا الزام نہیں لگتا تھا۔ یہ قزاقی کا ایک پیشہ تھا اور ایسے ہر شخص کے لیے جس کے ہاتھ میں تلوار ہو۔ کھلا ہوا تھا۔ ان کفار کو لوٹنا یقیناً ایسا کام تھا جو ان کے خیال میں خدا کی نظر میں نہایت پسندیدہ تھا۔ دین اسلام کو تلوار کا مذہب بنانے کے لیے یہ پہلا قدم تھا"

...... جنگ مقدس جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی جو بیان ہوئی۔ یہ محمدؐ کا سب سے بڑا اگر سب سے بدتر کارنمایاں تھا (نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات)...... اس عمر رسیدہ پیغمبر نے جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا آخری میراث یہی چھوڑی کہ جنگ کا ایک عام فرمان جاری کر دیا...... اہل عرب نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر جلتے ہوئے شہروں کے شعلوں اور برباد شدہ خاندانوں کی چیخ و پکار کے درمیان اپنے دین کی اشاعت کی"

پادری ای۔ ایم۔ ویری ایم۔ اے کے ایک مضمون کا اقتباس یہ ہے:[2]

"اگرچہ محمدؐ نے جب کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا تو اپنے آپ کو موسٰی کا پیرو ظاہر کیا۔ مگر جہاں تک کفار سے جنگ کرنے کا تعلق ہے ان میں باہم دگر کوئی مشابہت نہیں۔ بنی اسرائیل کو بنی کنعان کے قتل کا حکم اس حیثیت سے دیا گیا تھا کہ وہ لوگ بنی کنعان کے قتل کے لیے ایک الٰہی آلہ قرار دیے گئے تھے۔ مگر محمدؐ نے جنگ کو لوگوں کے جبراً مسلمان بنانے کا ذریعہ وسیلہ بنایا۔ پھر یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کو اجازت نہ تھی کہ بنی کنعان کو جبراً اپنے مذہب میں داخل کریں۔ مگر مسلمانوں کو اس امر کا حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بزور شمشیر دوسروں کو مسلمان بنائیں"

پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز اپنی کتاب "نوٹس آن محمڈزم" میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] جارج سیل کے ترجمہ قرآن کا دیباچہ ص ۳ [2] قرآن کی ایک مبسوط تفسیر مشمولہ ترجمہ جارج سیل و تمہید مع حواشی و اصلاح مزید از پادری ای۔ ایم۔ ویری ایم۔ اے ص ۲۳۰ مطبوعہ لندن ٹروبز اینڈ کو ۱۸۸۲ء

"جہاد کفار کے خلاف ایک مذہبی جنگ ہے جس کی تاکید محمدؐ نے قرآن میں کی ہے"[1]

ہنری کوپی کے بیان پر ہم ان آراء کو ختم کرتے ہیں وہ تاریخ اسپین میں لکھتا ہے:۔

"اپنی نبوت کے تیرھویں سال میں محمدؐ نے اس امر کا اظہار کیا کہ خدا نے محمدؐ کو نہ صرف بغرض مدافعت جنگ کرنے کی اجازت دی ہے بلکہ اپنا دین بزور شمشیر پھیلانے کی بھی اجازت دی ہے۔"

حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں "اہل عرب کی فتح سپین کی تاریخ" از ہنری کوپی جلد اول ص ۳۹۔

جنگوں کے ذریعے اشاعت اسلام کا معقولی، عقلی اور تاریخی پہلو

اس مسئلے کے منقولی پہلو پر ہم گذشتہ اوراق میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلانے اور شمشیر کے بل پر لوگوں کو مسلمان بننے پر مجبور کرنے کا حکم اور اس کی اجازت نہ کہیں قرآن میں ہے۔ نہ احادیث میں اس کے بعد ہم یہاں مسئلے کے معقولی پہلو پر بحث کریں گے اور قارئین کرام کو بتائیں گے کہ اس وقت کفار قریش نے حالات ہی ایسے پیدا کر دیے تھے کہ یہ بات ممکن ہی نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو جبر وزور سے اور ان پر فوج کشی کر کے اسلام لانے کے لیے مجبور کرتے۔ کیونکہ کفار قریش نے مسلمانوں کو خود جنگوں میں ایسی بری طرح مصروف رکھا کہ ان کو اس دوران میں ادھر ادھر دیکھنے کی مہلت اور فرصت ہی نہیں ملی اس بحث سے یہ خود بخود واضح ہوتا جائے گا کہ جہاد بالسیف کن حالات اور مواقع پر کیا گیا۔

جب مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سخت خطرے میں تھی اور قریش کے مختلف بہادروں نے تلواریں کھینچ کر آپؐ کا خاتمہ کر دینے کا عزم بالجزم کر کے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس وقت آپؐ نہایت مجبور ہو کر گھر سے نکلے اور تین دن غار میں رہنے کے بعد خفیہ طور پر ایک غیر معروف راستے سے یثرب کو روانہ ہو گئے قریش نے آپؐ کی گرفتاری کے لیے ایک سو اونٹوں کا انعام مشتہر کیا۔ مگر خدا نے آپؐ کو دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور آپؐ صحیح سلامت یثرب پہنچ گئے۔

جب اہل مکہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اہل مدینہ کے نام اس مضمون کا تحدیدی خط بھیجا:۔

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساءکم (یعنی تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ پس یا تو تم اس کا ساتھ چھوڑ دو اور اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالو یا اسے اپنے شہر سے کہیں باہر جلاوطن کر دو۔

---

[1] کتاب "نوٹس آن محمڈنزم" یعنی اسلام کے مذہبی نظام کے حالات از پادری ٹی۔ پی ہیوز ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ایس مشنری افغانان ص ۲۰۶ طبع دوم ۱۸۷۷ء

ورنہ ہم خدا کی قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ ہم اپنے سارے لشکر لے کر تم پر فوج کشی کریں گے۔ تمہارے مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے)

یہ خط قبیلہ خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی کے نام بھیجا گیا تھا۔ خط پڑھ کر اور قریش سے ڈر کر عبداللہ اور اس کے ساتھی آنحضرتؐ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں میں اس سے بڑی تشویش پھیلی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عبداللہ بن ابی سے فرمایا کہ "اگر تم نے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اس میں سراسر تمہارا نقصان ہوگا۔ کیونکہ خزرج کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس صورت میں ہم پر حملہ کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ تم اپنے ہی باپوں۔ بیٹوں۔ بھائیوں اور عزیزوں کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے۔ اور انھیں قتل کرو گے ذرا غور کرو کہ یہ سودا تمھیں کتنا مہنگا پڑے گا اور اس کے بعد بھی نہ معلوم انجام کیا ہو؟ یہ بات رئیس خزرج کی سمجھ میں آگئی اور وہ جنگ سے باز رہا۔

تاہم قریش اپنی فتنہ پردازی سے باز نہ آئے اور ادھر سے مایوس ہو کر انھوں نے ان یہودیوں کے نام خط بھیجا جو مدینہ میں آباد تھے۔ مگر اس میں بھی انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن اس خفیہ خط و کتابت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان بہت چوکس اور ہوشیار ہو گئے۔ انھیں جہاں بیرونی حملے کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ وہاں اندرونی فتنہ بھی ان کے لیے کچھ کم باعث زحمت نہ تھا۔ کیونکہ مدینہ کے یہود (جن کے ساتھ اوس اور خزرج کے منافق بھی ملے ہوئے تھے) مسلمانوں کے سخت دشمن اور مخالف تھے اور ہر وقت مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کی تدبیریں اور ترکیبیں سوچا کرتے تھے۔ اسی لیے آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتے رہتے تھے۔

بیرونی حملے کا اندیشہ اور اندرونی فتنے کا خطرہ اتنا زبردست تھا کہ مسلمان ان دنوں بہت ہی خوف زدہ اور پریشان رہتے تھے اور بہت مایوسی کی حالت میں سوچا کرتے تھے کہ نہ معلوم ہمیں کن کن مصائب اور کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور کن کن حوادث سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ خطرات اور خدشات اتنے سخت اور شدید تھے کہ ان ایام میں مسلمانوں کو اس فکر میں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی کہ نہ معلوم کب اور کس وقت مدینہ پر حملہ ہو جائے یا خود مدینہ کے یہود کب کوئی فتنہ کھڑا کر دیں۔

بیرونی خطرہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ خطرناک شکل اختیار کر گیا تھا کہ قریش مکّہ نے اپنے تجارتی قافلوں کے ذریعے اور اپنے شاعروں اور خطیبوں کو بھیج کر عرب کے تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف ایک آگ لگا دی تھی۔ اور قطعاً پتہ نہ تھا کہ کس وقت کونسا قبیلہ مدینہ پر حملہ کر دے اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کر کے رکھ دے۔ خدا تعالیٰ بدر کے زمانے میں مسلمانوں کو وہ نہایت شدید اور سخت وقت یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ[1] (اور

---

[1] انفال، آیت ۲۶

یاد کرو وہ وقت جب تم مدینہ کی زمین میں بہت قلیل تعداد میں تھے اور نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے اور ہر وقت تمہیں یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ ہمیں زبردستی پکڑ کر نہ لے جائیں) احادیث میں مسلمانوں کی اس وقت کی کمزور حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:-

لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ واوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ وقالوا اترون انا نعیش حتی نبیت آمنین مطمئنین لا نخاف الا اللہ (یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے اور انصار مدینہ نے ان سب کو پناہ دی تو تمام عرب متفق اور متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت ان کے خوف کا یہ عالم تھا کہ وہ رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے اور دن کو بھی ہر وقت مسلح رہتے تھے کہ کہیں کوئی قبیلہ بے خبری میں ان پر حملہ نہ کر دے اور ان ایام میں وہ باہم ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ دیکھئے ہم لوگ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے یا نہیں جب ہم رات کو امن اور سکون کی نیند سو سکیں گے اور خدا کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو گا) خدا را کوئی انصاف کرے کہ ایسی امید و بیم، ایسی افراتفری اور ایسی موت و زیست کی کشمکش میں مسلمانوں کو کس طرح یہ خیال آ سکتا تھا کہ لاؤ دشمنوں پر حملے کر کے اسلام پھیلاؤ۔ ان کو تو خود سر چھپانے کی جگہ نہ تھی اور ۳۲ دانتوں میں زبان بن رہے تھے۔ وہ اتنی قوت اور طاقت کہاں سے لاتے کہ لشکروں کے ساتھ مخالفین پر رعب ڈال کر ان کو مسلمان بننے پر مجبور کرتے۔ جو خود نہایت درجہ کمزور تھے وہ طاقتوروں پر حملہ کرنے کی جرأت کس طرح کر سکتے تھے؟ مگر اہل یورپ جو چاہیں کسی پر تہمت دھر دیں کوئی ان کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

مسلمانوں کا بعد کا زمانہ بھی آفات، مشکلات اور مصائب سے بھرا ہوا تھا اور صلح حدیبیہ تک چھ سال کے عرصے میں دشمنوں نے ان کو سر کھجانے کی فرصت نہ دی۔ جس کی مختصر سی تفصیل حسب ذیل ہے:-

جب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف اوس اور خزرج کو بھڑکانے اور یہود کو برانگیختہ کرنے میں (فی الحال) ناکام رہے۔ تو انھوں نے خود اپنے چیدہ اور منتخب بہادروں کا ایک مضبوط لشکر مرتب کر کے آنحضرت پر حملہ کر دیا اور بدر کے میدان میں وہ خون ریز معرکہ برپا ہوا جس میں قریش کے تمام بڑے بڑے معزز سردار مارے گئے اور سارے مکّے میں ایک کہرام مچ گیا۔ کیونکہ آج مکّہ اپنے بہترین فرزندوں سے خالی ہو گیا تھا۔

مگر اس عظیم قومی نقصان کے باوجود اہل مکّہ نے ہمت نہ ہاری اور دوبارہ طرح جمع کر کے مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور احد کے میدان میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک حکم کی خلاف ورزی

سے اس جنگ میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا۔ ۷۰ صحابہ شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔

ابھی مسلمان اپنے اُحد کے زخمیوں کے علاج سے پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ان کو یہ ہولناک اطلاع ملی کہ قبیلہ اسد کا رئیس طلیحہ بن خویلد[1] اپنے علاقے کے تمام عرب قبائل کو جمع کر کے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک فوجی دستہ بھیج کر اس فتنے کا سدِّباب کرنا پڑا۔[2]

انہی ایام میں جبکہ بنو اسد مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاریاں کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو لحیان کے لوگ اپنے سردار سفیان بن خالد کی انگیخت پر عرنہ میں ایک بڑا لشکر جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ مجبور ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بھی انسداد کرنا پڑا۔[3]

اسی سال یہ غمناک واقعہ پیش آیا کہ قبائل عضل اور قارہ کے دس بے ایمان اور دھوکے باز نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی منت سے عرض کی کہ ہمارے قبائل کے بہت سے آدمی اسلام لانے کے لیے تیار ہیں۔ آپ چند عالم اور واقف اصحاب کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ان کو اسلام کی تعلیم دیں اور مسلمان بنائیں۔ حضور علیہ السلام نے دس مخلص اور دیندار مسلمانوں کو ان کے ساتھ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر دو سو کافروں کی ایک پارٹی نے ان پر حملہ کر دیا۔ دس آدمی دو سو کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پیشتر اس کے کہ یہ المناک خبر مدینہ میں پہنچتی۔ ایک اور اس سے بھی زیادہ خطرناک واقعہ پیش آ گیا اور وہ یہ تھا کہ قبیلہ بنو عامر کا رئیس ابو براء عامری آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میرے ساتھ اپنے چند مبلغین اور واعظین کو بھیج دیں۔ تو امید ہے کہ نجد کے علاقے کے بہت سے لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ حضور کو اہل نجد پر اطمینان نہیں تھا اس لیے تامل فرمایا مگر ابو براء کے اصرار اور اس کے اطمینان دلانے اور ضمانت دینے پر آپ نے اس کے ساتھ ۷۰ واعظین اور قراء کی ایک جماعت اس علاقے میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرما دی۔ جب یہ جماعت وہاں پہنچی تو ابو براء کے بھتیجے عامر بن طفیل نے نہایت غداری کے ساتھ ان پر حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا۔ یہ جانکاہ حادثہ واقعہ بیر معونہ کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ اسلام کے بہت دردناک واقعات میں سے ہے۔[4]

مندرجہ بالا ان دونوں واقعات سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرب قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے کس درجہ شدید بغض اور دشمنی رکھتے تھے اور کتنی بے رحمی اور بے دردی سے بے گناہ

---

[1] یہ طلیحہ وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایک عظیم فتنے کا موجب ہوا۔ [2] بحوالہ ابن سعد و زرقانی۔ [3] بخاری کتاب الجہاد و کتاب المغازی۔ [4] یہ سارا واقعہ بہت مفصل طور سے بخاری۔ ابن ہشام اور ابن سعد میں موجود ہے۔

مبلغوں اور داعیانِ اسلام کو شہید کرتے تھے۔ اس معاملے میں اُن کو ہر قسم کے دغا اور فریب سے کام لینے جھوٹ بولنے اور کذب بیانی کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ وہ اس کو ملک و قوم اور مذہب کی بڑی خدمت سمجھتے تھے)

ان دونوں حادثات کے بعد یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کا قضیہ پیش آیا۔ ان کی مسلسل اور متواتر سازشوں۔ بدعنوانیوں۔ شرارتوں اور بدذاتیوں سے تنگ آکر آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجبور ہوئے کہ اُن کو مدینہ سے نکال دیں۔ شروع شروع میں آپ چشم پوشی۔ درگذر اور عفو سے کام لیتے رہے۔ لیکن جب پانی حد سے گذر گیا اور انھوں نے اپنے محلّہ میں آپ کو دھوکے سے بُلا کر قتل کر دینا چاہا اور اس کی ساری تیاریاں مکمل کرلیں تو سازش کا بھانڈا پھوٹ جانے پر آپ مجبور ہوئے کہ ان فسادیوں اور فتنہ پردازوں کے خلاف سخت قدم اٹھائیں۔[له]

اخراج بنو نضیر کے بعد آپ کو قریش کی دعوت پر غزوہ بدر الموعد کے لیے نکلنا پڑا۔ جس کے بعد غزوہ بنو مصطلق پیش آیا۔[له]

اس سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ قبائل انمار و ثعلبہ کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر سنی مجبوراً اس کے انسداد کے لیے روانہ ہوئے۔ غزوہ ذات الرقاع اسی مہم کا نام ہے۔[له]

اس کے بعد پتہ لگا کہ دومۃ الجندل میں ایک بڑی جمعیت مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے اور جنگ کے سرمایہ فراہم کرنے کا انھوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ سارے علاقے میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے نہ قافلے کو چھوڑتے ہیں نہ مسافر کو۔ اس لیے اس فتنے کے انسداد کے لیے آپ کو مجبوراً جانا پڑا۔[له]

غزوہ دومۃ الجندل کے بعد قریش کی مخالفت نے ایک بڑی خوفناک شکل اختیار کر لی وہ اب تک برابر عرب کے منتشر قبائل کو اسلام کے برخلاف برانگیختہ کر کے ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اس مرتبہ اُن کا شکار قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق تھی۔ جس نے قریش کے بہکانے سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور قبیلے کے سردار حرث بن ابی ضرار نے علاقے کے دوسرے حصّوں میں دورے کر کے بعض اور قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس لیے آپ کو اس فتنے کے انسداد کے لیے لشکر لے کر جانا پڑا۔ آپ اچانک ان لوگوں کے سروں پر پہنچ گئے جس سے وہ گھبرا گئے اور خفیف مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

اس کے بعد ہی وہ عظیم الشان لڑائی پیش آئی جس کا نام غزوۂ خندق یا جنگ احزاب ہے۔ عرب کے بہت سے قبائل نے مل کر ایک بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ جس کی تعداد ۲۴ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مدینہ پر اس عزم کے ساتھ حملہ کر دیا کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور کسی مسلمان کو زمین پر چلتا پھرتا باقی نہ چھوڑیں گے ساس سے

[له] ابو داؤد۔ کتاب الخراج۔ باب خبر النضیر اور ابن مردویہ بحوالہ زرقانی [له] یہ سارے واقعات طبقات ابن سعد سے لیے گئے ہیں۔

پہلے مسلمانوں پر اتنا سخت وقت کبھی نہیں آیا تھا اور اس کے بعد اتنی زبردست جمعیت کفار پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلے پر نہ لا سکے۔ اگر کفار اس جنگ میں کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا نام و نشان صفحہ زمین پر باقی نہ رہتا۔ ایک مہینے تک صحابہ نے محاصرے[1] کی سخت ترین تکلیف اٹھائی۔ آخر کار سراسیمہ ہو کر خود ہی بھاگ گئے۔

غزوۂ احزاب کے معاً بعد یہودیوں کے دوسرے قبیلے بنو قریظہ سے خدائی حکم کے موافق آپ کو نمٹنا پڑا۔ جن کی غداری۔ بے وفائی۔ عہد شکنی اور سازشی کارروائیوں کی انتہا ہو چکی تھی۔ وہ برملا طور پر حضور علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے اور ازواج مطہرات کے متعلق نہایت ناگوار بدزبانی کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا۔ وہ بدبخت اگر اس وقت بھی معافی مانگ لیتے اور اپنے کیے پر پشیمان ہوتے تو حضورؐ اقدس ان کو معاف کر دیتے مگر انھوں نے نہایت سرکشانہ رویہ اختیار کیا اور مارے گئے۔ تمام تفصیلات ابن سعد میں مذکور ہیں۔

غزوہ بنو قریظہ کو ابھی ڈھائی مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ نجد کے قبیلہ قُرطا کی طرف سے جو بمقام ضریہ۔ مدینہ سے سات دن کی مسافت پر واقع تھا خطرات کی اطلاع پہنچی۔ اگر فوری طور پر اس کا انسداد نہ کیا جاتا تو سخت نقصان کا موجب ہوتا۔ اس لیے حضورؐ نے محمدؐ بن مسلمہ کو کچھ جمعیت کے ساتھ اس فتنے کو روکنے کے لیے روانہ فرمایا۔

اس واقعے کے دو مہینے کے بعد آپؐ قبیلہ بنو اسد کی شرارتوں کے باعث مجبور ہوئے کہ ان کو شرارت اور فتنہ فساد سے باز رکھنے کے لیے عملی قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے عکاشہ بن محصن کو ایک جمعیت کے ساتھ اس مہم پر بھیجا۔

• انہی ایام میں حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت محمد بن مسلمہ اور اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو ذو القصّہ کی طرف اور حضرت زید بن حارث کو جموم اور عیص کی جانب تھوڑی تھوڑی جمعیت کے ساتھ روانہ فرمایا اور حضور علیہ السلام خود بنو لحیان کی طرف جانا پڑا تاکہ ان لوگوں کی معاندانہ اور مفسدانہ شرانگیزیوں کا انسداد فرمائیں اور ان کی فتنہ انگیزیوں سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اب ایک سخت وقت اور تکلیف کا سامنا اس وجہ سے ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ذاتی تبلیغ اور آپؐ کے بھیجے ہوئے مبلغین کی کوششوں کے نتیجے میں مختلف قبائل کے بہت سے لوگ اسلام کی طرف مائل تو ہو گئے۔ مگر اپنے قبیلے کے متعصب لوگوں کے مظالم اور تشدد سہنے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور اسلام قبول کرنے سے رکتے تھے۔ اس لیے ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ان کو اطمینان دلانے اور تسلی دینے کے لیے آپؐ کو اس دوران

---

[1] ابن ہشام اور ابن سعد میں اس ہولناک لڑائی کی مفصل کیفیت پڑھیں۔

ہیں مختلف دستے مسلح حالت میں مختلف مقامات پر مختلف قبائل کی طرف بھیجنے پڑے۔ ان میں سریہ دومۃ الجندل خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف کی زیر سرکردگی دومۃ الجندل کی طرف بھیجا گیا تھا۔[۱]

انہی ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدیمی دشمن اور قریش مکہ کے سردار ابوسفیان نے ایک اور کوشش حضور علیہ السلام کو قتل کرانے کی یہ کی کہ ایک بہادر اور نوجوان بدوی کو کثیر انعام واکرام کا وعدہ دے کر اس غرض سے مدینہ روانہ کیا کہ موقع ملنے پر خنجر سے محمدؐ کا کام تمام کردے۔ مگر مدینہ پہنچ کر یہ شخص پکڑا گیا اور اس کے کپڑوں سے وہ خنجر بھی برآمد ہو گیا۔ جو اس غرض کے لیے اس نے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس جرم کی سزا اگرچہ واضح طور پر قتل تھی مگر چونکہ یہ حضور علیہ السلام کا ذاتی معاملہ تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت عنایت اور مہربانی سے کام لیتے ہوئے اُسے معاف کر دیا۔ اخلاق کے اس بلند ترین نمونے کو دیکھ کر یہ شخص فوراً مسلمان ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخلص خادم ثابت ہوا۔[۲]

اس روایت سے جس کو ہم نے بہت مختصر کر کے لکھا ہے معلوم ہوا کہ اس وقت حالات ایسے نازک، سخت اور شدید تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں بھی امن وآرام اور چین اور سکھ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ چاروں طرف آپ کے دشمن پھیلے ہوئے تھے اور برابر اس تاک میں رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور کب ہم محمدؐ کا خاتمہ کریں۔

مسلمانوں کے لیے یہ دن بڑے ہی خطرناک تھے اور وہ ان ایام میں بڑی مصیبت اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اندرونی طور پر یہود اور منافقین کی سازشوں اور بیرونی طور پر قریش اور قبائل عرب کی مخالفتوں نے سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا کوئی لمحہ بھی ان کو آرام واطمینان کا نہ ملتا تھا اور ہر طرف ان کو اپنی عداوت کے شعلے بھڑکتے نظر آرہے تھے۔ دشمن اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں اور کسی قسم کا کوئی دقیقہ ان کو نقصان پہنچانے کا باقی نہ چھوڑا جائے۔ انھوں نے بار بار تجربہ کر کے دیکھ لیا تھا کہ فوجوں اور لشکروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں مسلمان بے جگری کے ساتھ لڑتے اور ہمیں شکست دے دیتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان کرنے کی یہ جدید پالیسی اختیار کی گئی کہ دھوکے اور فریب دے کر مسلمانوں کو مسلسل طور پر آہستہ آہستہ کمزور اور مضمحل کیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ان میں مزاحمت کی قوت باقی نہ رہے اور آخر میں آسانی کے ساتھ مغلوب ہو سکیں۔ اس طرح مسلمانوں کو مشکلات اور مصائب میں مشغول رکھنے سے ایک بڑا مقصد کفار کا یہ بھی تھا کہ ایسی حالت میں مسلمان تبلیغ اسلام کی طرف اپنی توجہ مبذول نہیں کر سکیں گے۔ جس کی سب سے زیادہ جلن کفار کو تھی اور جسے وہ اپنے حق میں ایک بڑی خطرناک تحریک

---

[۱] ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۷-۶۵۔ [۲] طبقات کبیر ابن سعد حصہ ثانی صفحہ ۶۸۔

سمجھتے تھے۔

اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پہلی کارروائی انھوں نے یہ کی کہ شوال ۶ھ میں قبیلہ عکل اور عرینہ کے آٹھ آدمی مدینہ آئے اور اسلام کے ساتھ اپنی دلچسپی کا اظہار کر کے مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔ نمازوں میں آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بھی شریک ہوتے تھے۔

جب ان کو اسی حالت میں کئی ماہ گذر گئے اور لوگوں کو ان کے ایمان و اخلاص پر پورا اعتماد اور اعتبار ہو گیا تو موقع پا کر انھوں نے ایک روز تنہائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ مدینہ کی آب و ہوا ہمیں موافق نہیں آئی۔ اسہال کی بھی شکایت ہو گئی اور پیچش کی بھی۔ ہمارے معدے میں ورم رہنے لگا ہے اور ہم میں سے اکثر کی تلی بڑھ گئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو مدینہ سے باہر جو آپ کی چراگاہ ہے اور جہاں آپ کے اونٹ اور بکریاں رہتی ہیں ہم چند روز کے لیے چلے جائیں۔ کیونکہ ہم جنگلی آدمی ہیں۔ کھلے میدان میں رہنے اور اونٹوں کے ساتھ عمر گزارنے کے عادی ہیں۔ وہاں کھلی ہوا میں رہنے اور اونٹوں کا دودھ بکثرت پینے کے باعث ہماری صحت ٹھیک ہو جائے گی۔[۱]

حضور علیہ السلام کی یہ چراگاہ ذی الجدر میں مدینہ سے چھ میل پر قبا کے علاقے میں عیر کے قریب تھی۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی درخواست پر ان کو اپنی چراگاہ میں جانے اور وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔

جب وہ لوگ وہاں بے فکری کے ساتھ اونٹوں کا دودھ پی کر اور کھلی ہوا میں رہ کر خوب موٹے تازے ہو گئے تو انھوں نے حضور علیہ السلام کے اس احسان اور شفقت کا یہ بدلہ دیا کہ ایک دن صبح کے وقت جب کہ اونٹ چر رہے تھے اور چرواہے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے بے خبری میں ان پر یکایک حملہ کر کے سب کو مار ڈالا اور ان کو قتل کرنے میں ایسے ظالمانہ طریقے سے کام لیا جس کی انتہا نہیں۔ پہلے تو انھیں زمین پر لٹا کر جانوروں کی طرح ذبح کیا۔ بلکہ پورا ذبح بھی نہیں کیا اور تڑپتا ہوا چھوڑ دیا۔ ان کی آنکھوں میں گرم گرم سلائیاں پھیر دیں اور ان کی زبانیں کھینچ کر ان میں جنگل کے کانٹے زور زور سے چبھو دیے تاکہ نہایت تکلیف کے ساتھ آہستہ آہستہ سسک سسک کر جان نکلے۔[۳] غرض وہ سارے چرواہے اسی ظالمانہ اور بہیمانہ حالت میں پڑے پڑے شہید ہو گئے انہی چرواہوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام یسار بھی تھا۔ اسے بھی ان بے رحموں نے اسی عذاب کے ساتھ جان سے مارا۔[۴]

جب حضور کو اس غمناک واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے فوراً حضرت کرز بن جابر الفہری کو ان کے تعاقب

---

[۱] بخاری کتاب المغازی۔ [۲] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔ [۳] طبقات کبیر ابن سعد جلد ثانی صفحہ ۶۷۔ [۴] مسلم کتاب القسامۃ۔ [۵] طبقات ابن سعد جلد ثانی صفحہ ۶۷۔

کا حکم دیا۔ سارے ڈاکو پکڑے ہوئے آئے اور اپنی سزا کو پہنچے۔[1]

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیس دودھ دینے والی اونٹنیاں الغابہ میں چرتی تھیں کہ ایک روز بے خبری کے عالم میں عیینہ بن حصن کے ایک کافر نے چالیس آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا، چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹنیوں کو لے گیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے خود ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور ان میں سے کئی کو قتل کیا۔[2]

مضمون کے آخر میں ہم ابو رافع کا حال مختصر طور پر بیان کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ اس کا نام سلام بن ابوالحقیق نضری تھا اور یہ بنی نضیر کا سردار تھا۔ اس نے جب وہ مدینہ میں تھا مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ غزوۂ خندق میں اس نے متعدد بدوی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ورغلا کر جنگ کے لیے جمع کرنے میں نہایت نمایاں حصہ لیا اور زبردست طریقے سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ بعد ازاں اس نے بنی فزارہ اور دیگر عرب قبائل کو مسلمانوں پر چھاپہ مارنے، ان کا مال و اسباب لوٹنے اور انھیں قتل کرنے پر جوش دلایا۔ وہ برابر ایسی فتنہ پردازی اور شر انگیزی میں مصروف رہتا تھا اور ہمیشہ مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں کرتا رہتا تھا۔ آخر اس کے ہاتھوں سے نہایت تنگ اور مجبور ہو کر مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو مناسب سزا دینے کے لیے روانہ کی گئی۔ جس کے ہاتھوں وہ مارا گیا۔[3]

واقعات اور مصائب کی تفصیل کہاں تک بیان کی جائے۔ ایک بہت طویل سلسلہ پہلے تیرہ سال تک اور ہجرت کے بعد چھ سال تک ان تکالیف کا برابر جاری رہا اور اس تمام عرصے میں قریش مکہ، عرب قبائل، یہود اور منافقین مدینہ کی دشمنی اور عداوت مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برابر اور متواتر بڑھتی اور ترقی کرتی رہی۔ اس دوران میں انھوں نے ہر ممکن طریقے سے آپؐ کو دکھ دینے اور تکلیفیں پہنچانے میں کوشش اور سعی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ انتہا یہ ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالص دینی اور مذہبی غرض کے ماتحت ذیقعدہ ۶ھ میں عمرہ کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حاجیوں کے لباس میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضورؐ کو خیال تھا کہ قریش اس عبادت میں مزاحم نہیں ہوں گے۔ مگر انھوں نے اس عداوت اور دشمنی کے پیش نظر جو ان کو حضور علیہ السلام کی ذات پاک سے تھی آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا۔ مگر ساتھ ہی چھ برس کی متواتر لڑائیاں بند کر کے دس سال کے لیے صلح کی بھی خواہش کی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرما لیا۔ اور قریش کے محاذ جنگ پر فی الحال خاموشی چھا گئی۔ بقول مولانا غلام رسول مہر "صلح حدیبیہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اہل مکہ تبلیغ اسلام میں مزاحمت سے دست بردار ہو گئے۔ اس مزاحمت ہی نے لڑائیوں کی شکل اختیار کر رکھی تھی۔"[4]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی ص۸۹۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ثانی ص۸۰۔ [3] تحقیق الجہاد مصنفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ص۲۲۔ [4] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول تاریخ اسلام ص۳۰ (حاشیہ)

یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قیامِ مدینہ کے ابتدائی چھ سال کے واقعات کا خلاصہ۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سارا عرصہ مسلمانوں کے لیے کس بُری طرح آفات اور مصائب سے بھرا ہوا تھا اور مدینے کی اس وقت کیسی نازک حالت تھی۔ مسلمانوں کو اس دوران میں برابر بیرونی حملوں۔ یورشوں۔ شب خون اور تاخت و تاراج کا زبردست خطرہ ہر وقت اور ہر آن لگا رہتا تھا۔ جس کا کئی مرتبہ نہایت ہولناک طریقے پر اظہار بھی ہو چکا تھا۔ اسی پر بس نہیں تھی بلکہ اندرونی طور پر منافقین ہر وقت ڈنگ مارنے کے لیے تیار رہتے تھے اور ان کے دستِ راست اور بڑے بھائی یہود مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کے شر و فساد۔ دغا و فریب اور سازش سے کام لے کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور انھیں تباہ و برباد کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے اور مسلمانوں کو برابر یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت کسی عظیم الشان فتنے کے شعلے مدینہ کے اندر سے اُٹھنے لگیں اور آن کی آن میں سارے امن کو برباد کر کے رکھ دیں۔ اس وقت مسلمانوں کو یا تو غنیم کی بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا یا جو لوگ جنگ و پیکار کے لیے جمع ہوتے تھے۔ انھیں پراگندہ اور منتشر کرنا پڑتا تھا اور یا بعض اوقات لوٹ مار کرنے والے گروہوں اور غارتگر قبائل کی شیطنت اور شرارت کا انسداد اور تدارک کرنا پڑتا تھا۔ غرض ابتدائی مدنی دَور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نہ سکون کی زندگی میسر تھی۔ نہ آرام کا سانس لینا نصیب تھا۔ اس حالت میں آپؐ ایسا وقت اور ایسا موقع کہاں سے اور کس طرح نکال سکتے تھے کہ جو سخت اور شدید ایذائیں اور تکلیفیں قریش اور دیگر قبائل کے ہاتھوں آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو پہنچی تھیں۔ اُن کا انتقام لینے کے لیے۔ اپنے عظیم نقصانات کی تلافی کرنے کے لیے۔ اپنے ملکی معاشرتی اور مذہبی حقوق کو قائم کرنے کے لیے اور لوگوں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کے لیے ان پر حملے کرتے اور اپنی بات ان سے زبردستی منواتے؟ مخالفین۔ معاندین۔ مکفرین اور مکذبین نے اس چھ سال کے عرصے میں آپؐ کو اتنی مہلت ہی کہاں دی کہ آپؐ کسی اور طرف متوجہ ہو سکتے۔ آپؐ کی ساری عمر دشمنوں کی عداوتوں اور شرارتوں کے فرو کرنے اور اُن کی مدافعت میں گذر گئی۔ جب بھی آپؐ کو ذرا سی بھی مہلت اور فرصت ملی۔ آپؐ نے اُس وقت کو امن کے ساتھ تبلیغِ اسلام اور دعوتِ حق میں خرچ کیا۔ نہ کبھی کسی پر اسلام منوانے کے لیے حملہ کیا۔ نہ کبھی کسی قبیلے پر محض اسی وجہ سے فوج کشی کی کہ وہ قبیلہ مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے بھی صاف طور پر فرما دیا لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (کافرون ۶) اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ ۲۵۶) اور فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۲۹) اور ایک جگہ یہ فرما کر اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (دہر ۳) بالکل ہی فیصلہ کر دیا۔ قرآن نہ زبردستی کے اسلام کو پسند کرتا ہے اور نہ ظاہر داری کے اسلام کو تسلیم کرتا ہے۔ دیکھیے کس سختی اور کس تشدد کے ساتھ قرآن کریم ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے والوں کے متعلق اپنی ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (توبہ ۶۸)

اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ اس آیت میں استعمال کیے جس میں فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا (نساء ۱۴۶) پس خدا تعالیٰ کے ان واضح ارشادات کی موجودگی میں یہ بات کس طرح ممکن تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی شخص کو کوئی ایسا عقیدہ ماننے پر مجبور کرتے جسے اس کا اپنا دل نہ مانتا ہو۔

آنحضرتؐ کی جنگی مہمات کے اسباب اور ان کی وجوہات

مسئلہ جہاد کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد اور یہ دکھانے کے بعد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نہ تبلیغ اسلام کے لیے تلوار چلائی۔ نہ کبھی کو زبردستی مسلمان بنایا۔ نہ توحید اور رسالت منوانے کے لیے کسی قوم اور قبیلے پر فوج کشی کی۔ نہ اس کی اجازت دی اور نہ اس فعل کو پسند فرمایا۔ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آخر پھر آپ نے تلوار کیوں چلائی؟ جنگیں کیوں کیں؟ فوجی دستے کیوں بھیجے؟ اور مختلف قبائل کے خلاف مختلف اوقات میں لشکر کشی کیوں کی؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ زمانۂ نبوی میں اسلامی جنگوں کا ایک مقصد اور ایک مدعا نہیں تھا۔ مختلف اوقات میں مختلف وجوہ سے آپؐ کو جنگ میں حصہ لینا پڑا۔

(۱) بعض جنگیں حضور علیہ السلام کو اس وقت مجبوراً لڑنی پڑیں جب دشمنوں نے محض دشمنی اور عداوت کی خاطر اور اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی کو روکنے کے لیے اپنی طاقت اور قوت کے زعم میں آنحضورؐ پر فوج کشی کی اور خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہا۔ بدر۔ اُحد اور احزاب کی جنگیں ان لڑائیوں کی واضح مثالیں ہیں۔

(۲) بعض مرتبہ کفار کے ظلموں۔ ان کی زیادتیوں اور ستم رانیوں کو روکنے کے لیے انتہائی طور پر مجبور ہو کر آپ کو تلوار ہاتھ میں لینی پڑی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا

(۳) بعض قبیلوں کو ان کی مسلسل غداری۔ بے ایمانی۔ عہد شکنی۔ سازش اور فتنہ پردازی کی سزا دینے کے لیے آنحضرتؐ کو ان کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی۔ بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور اہل خیبر وغیرہ سے اسی بنا پر لڑائیاں ہوئیں۔ ان اقوام سے جنگ کی وجوہ کے متعلق نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی نے اپنی مشہور عالم کتاب کرٹیکل اکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد میں نہایت محققانہ بحث کی ہے۔

(۴) جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سُنا کہ کوئی قبیلہ یا عرب کا کوئی علاقہ اسلام کے خلاف جنگی تیاریاں کر رہا ہے یا مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج کو جمع کر رہا ہے یا مسلمانوں کے خلاف قبائل کو مشتعل کر رہا ہے۔ تو آپؐ نے اس کی روک تھام ضروری سمجھی اور قبل اس کے کہ دشمن بالکل تیار ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو۔ آپؐ نے نہایت سرعت کے ساتھ موقع پر پہنچ کر فتنہ کا انسداد کیا یا کوئی مضبوط فوجی دستہ اس فتنہ کے تدارک کے لیے روانہ کیا۔ سریہ غطفان۔ سریہ ابو سلمہ۔ سریہ عبداللہ بن انیس۔ سریہ ذات الرقاع۔ غزوہ دومۃ الجندل۔ غزوہ

مریسیع ۔ سریہ فدک ۔ سریہ بشیر بن سعد ۔ سریہ عمرو بن العاص اور غزوہ تبوک وغیرہ ایسی ہی مہمات تھیں۔[۱]

(۵) بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس لیے بھی جنگ پر مجبور ہوئے کہ قبائل نے دعوتِ اسلام اور اشاعتِ توحید میں رکاوٹیں ڈالیں۔ ان لوگوں کو ڈرایا دھمکایا جو مسلمان ہونا چاہتے تھے یا مسلمان ہو گئے تھے اور تبلیغ اسلام میں مزاحم ہوئے طبقات کبیر ابن سعد میں ایسی متعدد مہمات کے حالات تفصیلاً درج ہیں۔[۲]

(۶) بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ جن لوگوں کو آپؐ نے تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق کے لیے مختلف قبائل کے پاس بھیجا تو ان قبائل نے ان داعیانِ اسلام اور مبلغین کو پکڑ کر مار ڈالا۔ اس لیے ان ظالم اور خونخوار قبائل کے خلاف آنحضرتؐ کو فوجیں بھیجنی پڑیں۔ مثلاً سریہ رجیع ۔ غزوہ بنی لحیان ۔ سریہ بیر معونہ ۔ سریہ ابن ابی العوجا ۔ اور سریہ کعب بن عمیر وغیرہ۔

(۷) بعض مرتبہ حضور علیہ السلام کو اس لیے بھی فوجیں بھیجنی پڑیں کہ آپؐ کے قاصدوں اور پیغام بروں کو بعض حاکموں اور قبائل کے سرداروں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ سفیر اور قاصد کا قتل کسی طرح بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا اور نہ کبھی کسی سلطنت اور حکومت نے برداشت کیا ہے۔ جنگ موتہ اسی قبیل کی لڑائی تھی۔[۳]

(۸) بعض لڑائیاں فریقین کی غلط فہمی کی بنا پر بھی برپا ہوئیں جو محض اتفاقی حادثات تھے اور ایسے حادثات ہر ملک و سلطنت میں اور ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اس بنا پر کسی فریق کو ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ ۔ سریہ خالد بن ولید متعلق بنی جذیمہ ۔ سریہ خربہ اور سریہ عمرو بن امیہ ضمری وغیرہ اسی طرز کے سریے تھے۔[۴]

(۹) لوٹ مار ۔ قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کی سزا دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بعض لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مثلاً غزوہ سفوان ۔ سریہ عرنیین ۔ غزوہ غابہ ۔ سریہ ام خرفہ اور سریہ قطن وغیرہ۔[۵]

(۱۰) امن و امان کو قائم کرنے اور شر و فساد کو روکنے کے لیے بھی بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تلوار سے کام لینا پڑا کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ مثلاً سریہ وادی القریٰ ۔ سریہ جسلی اور سریہ دومۃ الجندل وغیرہ

(۱۱) بعض مسلح جمعیتیں اس لیے بھی بھیجی گئیں کہ جو قبائل مسلمان ہو گئے اور انھوں نے جاہلیت کے سابقہ اثر کے ماتحت اپنے سابقہ معبودوں کو اپنے ہاتھ سے مسمار کرنا نہ چاہا۔ ان کے بُت توڑ دیئے جائیں اور ان کے بت خانے

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھو سیرۃ النبی شبلی جلد اوّل صفحہ ۲۰۵ تا ۵۳۲ [۲] ملاحظہ فرمائیں کتاب مذکور کی جلد دوم۔ اس مضمون کو علامہ محمد الخضری نے بھی اپنی کتاب التشریع الاسلامی میں مع آیات قرآنی بہت تفصیل سے بیان کیا ہے [۳] تفصیلات کے لیے دیکھو سیرۃ النبی شبلی جلد اوّل ص۳۲۲ [۴] تفصیلات ابن ہشام اور ابن سعد میں ملاحظہ فرمائیں۔ [۵] تفصیلات ابن ہشام اور ابن سعد میں ملاحظہ فرمائیں۔

ڈھا دیے جائیں۔ چنانچہ

۱۔ حضرت خالد بن ولید کو بتخانہ عزیٰ کو ڈھانے کے لیے۔

۲۔ حضرت عمرو بن العاص کو بتخانہ منات توڑنے کے لیے۔

۳۔ حضرت سعد بن زید اشہلی کو بتخانہ منات توڑنے کے لیے۔

۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان بن حرب کو بت خانہ لات مسمار کرنے کے لیے۔

۵۔ حضرت جریر بن عبداللہ کو بتخانہ ذی الخلصہ تباہ کرنے کے لیے۔

۶۔ حضرت طفیل بن دوسی کو بتخانہ ذی الکفین فنا کرنے کے لیے۔

۷۔ حضرت علی ابن ابی طالب کو بتخانہ فلس پیوند زمین کرنے کے لیے روانہ کیا۔

تفصیلات کے لیے طبقات کبیر جلد دوم۔ صحیح بخاری کتاب المغازی اور سیرۃ النبی شبلی جلد اول ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۲) جنگجو اور حملہ آور دشمنوں کی سرگرمیوں۔ ان کی نقل و حرکت۔ اُن کے عزائم اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی کارروائیوں سے باخبر اور ہوشیار رہنے کے لیے حضورؐ نے بعض فوجی دستے مختلف اور مختلف اطراف میں بھجوائے مثلاً سریہ سیف البحر۔ سریہ رابغ۔ سریہ ضرار۔ سریہ نخلہ اور سریہ محارب وغیرہ جن کے مفصل حالات طبقات کبیر ابن سعد کی دوسری جلد میں درج ہیں۔

(۱۳) کسی حلیف قبیلے کو جب کبھی کوئی جائز فوجی امداد اور جنگی اعانت کی ضرورت پیش آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ اور وعدہ کے مطابق ضرور اس کی فوجی مدد کی چنانچہ جب آپؐ کے حلیف بنو خزاعہ پر بنو بکر نے حملہ کیا اور اس حملہ میں قریش نے در پردہ ان کی اعانت کی تو اس ظلم کی فریاد لے کر بنو خزاعہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور مدد کی درخواست کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "خدا میری مدد نہ کرے اگر میں تمہاری مدد نہ کروں۔" یہ فرما کر فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مکہ کی فتح اسی واقعہ کا نتیجہ تھی[1]۔

(۱۴) بعض مہمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی بھی تھیں جو مذکورہ اغراض کے ماتحت بھیجی گئی تھیں۔ مثلاً وہ دفاعی بھی تھیں اور تعزیری بھی یا قیام امن کے لیے بھیجی گئی تھیں اور معاہد قبیلوں کی امداد کے لیے بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلوار اٹھانے میں حق بجانب تھے

ان تمام اغراض و مقاصد کے لیے جو اوپر بیان ہوئے تلوار اٹھانے۔ لشکر کشی کرنے اور فوجی دستے روانہ کرنے کو کوئی ذی ہوش۔ مہذب اور ترقی پسند انسان ناواجب اور نامناسب نہیں کہے گا۔ حق کی حمایت۔ مظلوم کی اعانت۔ ظلم کا تدارک۔ آزادی کے حصول اور جان و مال کی حفاظت کے لیے طاقت سے کام لینا اور شمشیر بکف رہنا۔ قومی ترقی کے لیے نہ صرف ضروری بلکہ فرض ہے اور یہی جہاد بالسیف

---

[1] تفصیلی حالات طبقات کبیر ابن سعد جلد دوم صفحہ ۹۶ تا ۱۰۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کیا۔؟

آنحضرتؐ کی تمام جنگیں مدافعانہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جنگیں ساری کی ساری دفاعی رنگ کی تھیں۔ ایک بھی جارحانہ نہیں تھی۔ آپ کو مکی زندگی میں سخت سے سخت تکلیفیں دی گئیں آپ کے ماننے والوں کو مار مار کر ادھ مؤا کر دیا گیا۔ انھیں گرمیوں میں تپتی ریت پر اور گرم پتھروں پر ڈال دیا جاتا تھا اور سردیوں میں ساری رات صحن میں کھڑا رکھا جاتا تھا اور نہایت تیز سرد پانی میں غوطے دیے جاتے تھے۔ جب بعض صحابہ بے پناہ ظلموں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو قریش نے وہاں تک بھی ان کا تعاقب کیا۔ انھوں نے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کر دیا اور تین برس تک آپ کو اور تمام بنو ہاشم کو شعبِ ابو طالب میں محصور رکھا۔ جہاں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے بھوک و پیاس کی ناقابلِ برداشت تکلیفیں اٹھائیں۔ انھوں نے آپ کو برملا گالیاں دیں۔ آپ کو بُری طرح بدنام کیا۔ آپ کے نہایت تحقیر آمیز نام رکھے۔ آپ پر گندگی پھینکی۔ آپ پر غلاظت ڈالی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے۔ پتھر مار مار کر آپ کے سارے جسم کو لہو لہان کر دیا اور بالآخر تلواریں کھینچ کھینچ کر آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو رات کی تاریکی میں مکّہ سے نکل کر ایک غار میں پناہ لینی پڑی۔

مکّے سے نکل جانے کے بعد بھی مکّے والوں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ نہایت سختی کے ساتھ آپ کا تعاقب کیا گیا۔ آپ کی گرفتاری کے لیے ۱۰۰ اونٹ کا انعام مشتہر کیا گیا۔ مدینہ کے اوس و خزرج اور یہود کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا گیا۔ تمام قبائلِ عرب کو ورغلا کر آپ کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا۔ آپ کو زہر دینے کی سازشیں کی گئیں اور بالآخر آپ کو قتل کرنے۔ آپ کے سلسلے کو نیست و نابود کرنے۔ آپ کے نام کو مٹانے اور آپ کے متبعین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے چیدہ چیدہ بہادروں کا ایک لشکر مرتب کر کے آپ پر حملہ کیا گیا۔ کمزور سے کمزور انسان بھی کیا ایسے سخت سے سخت موقعوں پر مجبور ہو کر اپنے خونی دشمنوں کے خلاف تلوار نہ اٹھاتا؟ ؎

نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود
برآرد بہ چنگال چشمِ پلنگ

جب حالات انتہائی طور پر ایسے نازک ہو گئے کہ اس وقت خاموش رہنا خودکشی کے مترادف تھا اور چپ رہنے میں اسلام اور توحید کا نام دنیا سے مٹتا تھا۔ جس کی اشاعت کرنے اور جسے قائم کرنے کے لیے حضور دنیا میں بھیجے گئے تھے اور جو آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا۔ اس وقت مجبوراً اس اشجع العرب نے خدا کا نام لے کر تلوار اٹھائی

سلہ مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں اسلامی مہمات ایک سو ایک واقع ہوئیں۔ ان میں سے ۲۷ مہمات غزوہ کہلاتی ہیں جن میں آنحضورؐ خود شریک ہوئے۔ باقی ۷۴ مہمات سریہ کہلاتی ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے کسی صحابی کو افسر مقرر فرما کر بھیجا۔ صفحہ ۳۸۷
(تحقیق الجہاد صفحہ ۲۲ بحوالہ قسطلانی جلد ۱)

اور اس شان سے اُٹھائی کہ تمام معبودانِ باطلہ کے پرستاروں میں سے ایک بھی میدان میں کھڑا نہ رہ سکا۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔

جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی انصاف ہوگا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان لوگوں کا ہم خیال نہیں ہو سکتا جو کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) "محمدؐ نے تلوار کے ذریعے سے اسلام کی اشاعت کی اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنایا" بلکہ صحیح یوں ہے کہ مسلمانوں کے دشمنوں اور مخالفوں نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لیے تلوار سے کام لیا اور زبردستی لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی اور جہاں تک ان کے بس میں تھا کوئی دقیقہ بہت وسعی کا انھوں نے اس سلسلے میں باقی نہیں چھوڑا۔ لیکن تقدیر کے نوشتے پورے ہو کر رہے اور خدا کا نور زمین پر پھیل کر رہا۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔[1]

---

[1] مسئلہ جہاد پر مزید ریسرچ کرنے اور عہد نبوی کی جنگوں کے اسباب و علل وضاحت اور تفصیل کے ساتھ معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں :-

[1] قرآن کریم۔ [2] صحاح ستہ۔ [3] سیرۃ ابن ہشام۔ [4] طبقات کبیر جلد دوم۔ [5] تاریخ طبری۔ [6] سیرۃ النبی شبلی جلد اول و دوم۔ [7] سیرۃ النبی سید سلیمان ندوی جلد پنجم۔ [8] رحمت للعالمین جلد دوم (از قاضی سلیمان منصور پوری)۔ [9] تحقیق الجہاد (از مولوی چراغ علی) [10] الجہاد فی الاسلام (از مولانا مودودی)۔ [11] دعوت اسلام آرنلڈ۔ [12] اسلام اور تلوار (از مولوی محبوب عالم)۔ [13] تاریخ فقہ اسلامی از علامہ محمد الخضری)۔ [14] جہاد فی سبیل اللہ اور [15] حقیقت جہاد (از مولانا مودودی)۔ [16] حقیقت جہاد (از مولانا امین احسن اصلاحی)۔ [17] مرآۃ الجہاد (از سید وارث حسین اور بن ضلع مونگھیر) [18] اسلام کا نظریہ جہاد (از حمید زماں صدیقی) علاوہ ازیں [19] فتاویٰ ابن تیمیہ۔ [20] ردالمختار۔ [21] فتح القدیر اور [22] عینی وغیرہ

تاریخ اشاعتِ اسلام

جلد دوم

باب اوّل

اشاعتِ اسلام در عہدِ خلفائے راشدین

فصل اوّل

حضرت ابوبکر صدیق رضی کا زمانۂ حکومت

آنحضرت صلعم کی وفات اور ارتداد کا فتنہ

حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد عرب میں ارتداد کی اتنی سخت اور تُند آندھی چلی کہ اُس نے ایمان و توحید کے پودے کو بڑا شدید نقصان پہنچایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسلام کی ترقی اور عروج کا نہ ہوتا، تو یہ نوزائیدہ پودا اُسی وقت مُرجھا کر گر پڑتا اور عرب کا ملک دوبارہ عہدِ جاہلیت کی طرف لوٹ جاتا۔ مگر خدا نے اپنے خود کاشتہ پودے کی خود حفاظت کی اور ایسے اولوالعزم، باہمت اور مستعد اشخاص کو کھڑا کر دیا جنھوں نے بڑی دلیری اور نہایت استقامت کے ساتھ اس ہولناک طوفان کا نہایت مخالف حالات کے باوجود کامیاب مقابلہ کیا اور اس تیز اور تباہ کن آندھی کو جس نے کمال سرعت کے ساتھ تمام عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اپنے قوی بازوؤں سے آن کی آن میں روک دیا اور عرب کو اُس خوف ناک گڑھے میں گرنے سے بچا لیا، جس میں نیچے سے لے کر اُوپر تک آگ ہی آگ بھری ہوئی تھی۔

اس فتنے کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی کا قول

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی جنھوں نے اس تمام فتنے کو بچشمِ خود دیکھا تھا، وہ فرماتی ہیں:

"جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، تو نفاق نے ہر طرف سر بلند کیا اور بہت سے قبائل مُرتد ہو گئے۔ انصار بھی الگ ہو گئے۔ اُس وقت میرے باپ (ابوبکر رضی) پر ایسی مصیبت نازل ہُوئی کہ اگر بلند اور مضبوط پہاڑوں پر نازل ہوتی، تو انھیں بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتی۔"[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء۔ جلال الدّین سیوطی صفحہ ۸۶

صحابہؓ کو اس فتنے کا احساس

اس فتنے کی ہولناکی کا صحابہؓ کو جس شدت سے احساس تھا، اُس کا اظہار حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے:

"بیہقی اور ابن عساکر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس خدائے برحق کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اگر ابوبکرؓ خلیفہ نہ بنتے، تو پھر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتا" اور اس فقرے کو آپ نے تین مرتبہ دُہرایا۔ اس پر صحابہؓ نے اُن سے پوچھا کہ اس فقرے کی تفصیل کیا ہے؟ جس پر حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سَو سوار دے کر اسامہؓ بن زید کو شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ جب یہ لشکر ذی خشب تک پہنچا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور مدینہ کے اردگرد کے تمام قبائل مُرتد ہو گئے۔ اس پر صحابہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ لشکر کو واپس بلا لیجیے، یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مدینہ کے گردو نواح کے لوگ تو مُرتد ہو جائیں اور اسلامی لشکر روم بھیجا جائے۔ صحابہؓ کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر صحرا کے کُتّے شہر میں گھس آئیں اور ازدواج مطہرات کے پاؤں تک بھی پہنچ جائیں، تب بھی میں اُس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہونے کا حکم دے چکے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ کو آگے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جب یہ لشکر کسی ایسے قبیلے کے پاس سے گزرتا جو مُرتد ہونا چاہتا تھا، تو وہ لوگ آپس میں کہتے کہ "اگر اہلِ مدینہ کے پاس طاقت اور قوّت نہ ہوتی تو ایسے نازک وقت میں وہ اس لشکر کو ہرگز اپنے سے جُدا نہ کرتے۔ پس روم سے جنگ ہونے تک مسلمانوں سے کچھ نہ کہو۔ بعد میں دیکھی جائے گی۔" جب مسلمان رومیوں کو شکست دے کر واپس آئے تو یہ دیکھا کہ وہ لوگ اسلام پر قائم رہے۔"[1]

اس فتنے کے متعلق اصحابِ رسولؐ کی حالت

اصحاب رسولؐ کی جو سقیم حالت اُس وقت تھی اور جس طرح وہ بے یار و مددگار رہ گئے تھے، اُس کا دردناک نقشہ مصر کا وزیرِ تعلیم اور عربی زبان کا مشہور ادیب محمد حسین ہیکل اپنی محققانہ کتاب "ابوبکر صدیق اکبرؓ" میں ان الفاظ کے ساتھ کھینچتا ہے:۔

---

[1] تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی صفحہ ۸۷

"اِدھر مدینہ میں ابوبکرؓ کی بیعت کی جا رہی تھی۔ اُدھر قبائل عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات آگ کی سی طرح تیزی سے پھیل رہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کوئی خبر اتنی تیزی سے نہیں پھیلی، جتنی تیزی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات پھیلی۔ جونہی اِس حادثے کی شہرت ہوئی، عربوں نے فوراً حکومتِ مدینہ کا جوا کندھوں سے اتارنے اور بعثتِ نبوی سے قبل کی بد دیانہ اور غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آناً فاناً عرب کے ہر قبیلے میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی۔ نفاق کا ستارہ اوج پر پہنچ گیا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی بن آئی اور چاروں طرف مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں کی حالت اُس بکری کی سی ہو گئی، جو جاڑے کی نہایت سرد اور بارش والی رات کو ایک لق و دق صحرا میں بغیر چرواہے کے رہ جائے اور اُسے سر چھپانے کو کہیں جگہ نہ مل سکے۔"[1]

سوائے مدینہ کے قریباً سارا عرب مُرتد ہو گیا

ارتداد کی آندھی اُس وقت اِس زور شور سے چلی، کفر و طغیان کا بادل ایسا گھر کر آیا اور ضلالت و گمراہی کا طوفان اس شدت کے ساتھ رونما ہوا کہ سارا عرب تاریک ہو گیا اور کہیں بھی اسلام کی روشنی باقی نہ رہی۔ صرف مدینہ کے لوگ اسلام پر قائم رہے۔ باقی ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر اِس طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ چنانچہ سیّد امیر علی اپنی تاریخِ اسلام میں لکھتے ہیں:۔

"جونہی آنحضرتؐ کے وصال کی اطلاع عرب کے دُور دراز علاقوں میں پہنچی تو بغاوتوں کی آگ بھڑک اُٹھی۔ تھوڑی مدت میں اسلام تقریباً مدینہ کی حدود میں سمٹ کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر ایک شہر کو سارے جزیرہ نما کی فوجوں سے لڑنا تھا۔"[2]

اِس ہولناک طوفان کے وقت مکّہ اور طائف کے لوگ نہایت خوش قسمت تھے کہ بال بال بچ گئے۔ ورنہ اُن کے ڈوبنے میں بھی کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔

مکّہ اور طائف کی حالت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات سُن کر دوسرے علاقوں کی مانند مکّے کے لوگوں نے بھی ارتداد کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور ہر طرف شہر میں یہی چرچے ہونے لگے تھے۔ باشندگانِ شہر کے بڑھتے ہوئے جوش کو دیکھ کر اور خطرے کا شدید احساس کر کے

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۳۷ [2] تاریخ اسلام سید امیر علی صفحہ ۴۳

اور اپنے آپ کو بغاوت اور فتنے کے انسداد کے قابل نہ پاکر عامل مکہ عتاب بن اسید روپوش ہو چکا تھا۔ حکومت کی بے بسی اور باشندگانِ شہر کی سرکشی کی حالت کو محسوس کر کے قریش کا ایک معزز اور ذی وجاہت سردار سہیل بن عمرو نہایت جرأت کے ساتھ آگے بڑھا اور باغی مجمع سے مخاطب ہو کر ایک زبردست تقریر کی، جس میں بڑی تحدی کے ساتھ کہا۔ "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بے شک ایک سخت حادثہ ہے۔ مگر حضورؐ کے انتقال سے اسلام کی قوت اور شوکت میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور آئندہ بھی یقیناً کوئی طاقت اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ پس جس شخص نے بھی جماعت کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، لوگوں کو ورغلایا، فتنہ برپا کیا اور ارتداد اختیار کیا، ہم بلا تامل اُس کی گردن اُڑا دیں گے اور اس معاملے میں ہرگز کسی کی رعایت نہیں کریں گے۔" سہیل بن عمرو کی اس ڈانٹ کا کافی اثر ہوا اور اُٹھا ہوا فتنہ دب گیا۔[1]

یہ وہی سہیل بن عمرو ہے، جو صلح حدیبیہ میں کفار کی طرف سے کمشنر معاہدہ تھا اور اسلام کا اتنا شدید دُشمن تھا کہ اپنے بیٹے ابو جندل کو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے لکڑیوں سے نہایت بیدردی کے ساتھ مار مار کر بے حال کر دیا تھا اور پھر لوہے کی بھاری بھاری ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ایک مکان میں قید کر دیا تھا۔ صلح نامہ لکھنے کے وقت اسی سہیل بن عمرو نے نام پاک محمدؐ کے ساتھ "رسول اللہ" لکھنے پر سخت اعتراض کیا تھا اور بالآخر اسے کٹوا دیا تھا۔[2]

طائف کے مشہور قبیلہ ثقیف نے بھی اس موقع پر مرتد ہونے کا ارادہ کیا۔ قریب تھا کہ سارے شہر میں ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھیں کہ یہاں کے عامل عثمان بن ابو العاص نے اپنی دور اندیشی اور بہادری کی بدولت اُن کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ اس نے خطرے کا احساس کرتے ہی فوراً شہر کے سربر آوردہ لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا۔ "اے ابنائے ثقیف! یہ واقعہ ہے کہ تم لوگ سب سے آخر میں ایمان لائے ہو۔ پس خدا کے لیے سب سے پہلے اسلام سے پھرنے والے نہ ہو۔ ورنہ دین و دنیا میں ناکام اور خائب و خاسر رہو گے۔" گورنر طائف کے اس ایک مؤثر فقرے سے ثقیف کے تمام مفسدانہ ارادے سرد پڑ گئے اور انھوں نے ارتداد کا ارادہ ترک کر دیا۔[3]

دیگر قبائل جو اسلام پر قائم رہے

جس طرح مدینہ۔ مکہ اور طائف کے لوگ اس طوفانِ بے تمیزی میں اسلام پر قائم رہے، اسی طرح مزینہ، غفار، جہینہ، بلی،

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر۔ مترجمہ شیخ محمد احمد صفحہ ۱۳۸

[2] سیرۃ النبی شبلی جلد اول صفحہ ۴۱۸، ۴۱۹

[3] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۳۹

اشجع، اسلم اور خزاعہ کے قبائل نے بھی اسلام کو ترک کر دیا۔ بحرین کا شہر جواثا بھی اس عالمگیر وبا سے محفوظ رہا۔[1] باقی سارا عرب مرتد ہو گیا اور مرکزِ اسلام میں لرزش کے آثار نمودار ہونے لگے۔[2] اس وقت عرب کی جو حالت تھی، اس کا صحیح نقشہ ابن اثیر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ تضرمت الارض نارا (زمین کو گویا آگ لگ گئی تھی)۔

فتنۂ ارتداد کے اسباب و علل

اس موقع پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ تھیں، جن کے باعث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی ہر طرف ارتداد کی آندھیاں چلنے لگیں اور لوگ اسلام اور اس کے ارکان بجالانے سے انکار کرنے لگے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے، مختلف وجوہ کے علاوہ (جن کا بیان ہم آگے کریں گے) اس کے بنیادی سبب دو تھے:۔

(۱) جو لوگ اور قبائل فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، وہ ایک بھیڑ چال کے طور پر مسلمان ہوئے۔ یعنی دوسرے لوگوں کو مسلمان ہوتے دیکھا، تو انھوں نے بھی اسلام اختیار کر لیا۔ بطور خود نہ کچھ تحقیق کی، نہ اس معاملے میں غور و فکر سے کام لیا۔

(۲) مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی شوکت، طاقت اور قوت کو دیکھ کر عربوں نے یہ سمجھ لیا کہ چونکہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی میں امن و سلامتی ہے۔

ان نومسلموں کے دلوں میں نہ نورِ ایمان داخل ہوا تھا، نہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصول و ارکان سے وہ پورے طور پر باخبر ہوئے تھے۔ نہ اسلام قبول کیے اُن کو زیادہ عرصہ گزرا تھا۔ اس لیے یہ لوگ آسانی سے ارتداد کی رَو میں بہہ گئے اور جتھوں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر انھوں نے اسلام کے خلاف مورچے سنبھال لیے۔ اگر وہ لوگ محض ارتداد اختیار کرتے اور دینِ اسلام سے منحرف ہو کر گھروں میں خاموش بیٹھ جاتے۔ تو حضرت ابوبکرؓ انھیں کچھ نہ کہتے۔ کیونکہ لا اکراہ فی الدین کا اصول اُن کے سامنے تھا۔ مگر وہ لوگ ارتداد کے ساتھ ساتھ فساد۔ فتنہ انگیزی۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کے بھی مرتکب ہوئے اور انھوں نے تلوار لے کر نہایت آزادانہ طور پر اسلامی حکومت کا مقابلہ کیا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو بھی ان کے مقابلے کے لیے تلوار سے کام لینا پڑا۔ اگر وہ لوگ پہل کر کے تلوار سے کام نہ لیتے تو حضرت ابوبکرؓ بھی اُن کے خلاف تلوار نہ اٹھاتے۔

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۲۹ — [2] تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صفحہ ۱۳۱

[3] "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۵۳

فتنہ پردازوں کی قسمیں

یہ فسادی اور فتنہ پرداز لوگ تین قسم کے تھے:۔

۱۔ منکرینِ خلافت۔ بعض بدوی قبائل ایسے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پر تو جس طرح ہو سکا راضی ہو گئے تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے بعد وہ کسی شخص کے غلبے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور مدینہ کی موجودہ حکومت کو وہ اِس بات کا حقدار نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اُن پر حکمرانی کرے۔ وہ بالکل آزادانہ بدوی زندگی کو پسند کرتے تھے، جس کے وہ صدیوں سے عادی تھے۔

۲۔ منکرینِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کو بعض قبیلے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ اور نہایت ناواجب ٹیکس[1] سمجھتے تھے اور اُسے کسی صورت سے بھی ادا کرنے کو تیار نہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انھوں نے طوعاً یا کرہاً زکوٰۃ ادا کر دی۔ مگر حضور علیہ السلام کے جانشین کو وہ ہرگز اس کا مستحق نہ سمجھتے تھے کہ وہ ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے۔

۳۔ جھوٹے نبی

کئی جھوٹے نبی پیدا ہو کر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ فتوحات اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے شوق میں ہزاروں عرب مُرتد ہو کر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے اور ملک میں ہر طرف جنگ و جدل کا بازار گرم ہو گیا۔ یہ مدعیانِ نبوّت حسب ذیل تھے:۔

(۱) طلیحہ۔ جس نے بنو اسد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۲) اسود عنسی۔ جس نے یمن میں ایک بھاری جماعت مسلمانوں کے خلاف جمع کر لی تھی۔

(۳) مسیلمہ۔ یہ جھوٹے نبیوں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا اور تاریخ اسلام میں "مسیلمہ کذاب" کے نام سے مشہور ہے۔ اِس نے یمامہ میں عَلمِ بغاوت بلند کیا تھا۔

(۴) سجاح۔ اس وقت "نبوت" کی اِس قدر ارزانی تھی کہ عورتیں بھی "نبی" بن گئی تھیں، چنانچہ سجاح نے بنو تمیم میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کافی شہرت حاصل کی۔

(۵) ذوالتاج لقیط بن مالک۔ یہ ملک عمان میں نبی بن بیٹھا تھا۔

جھوٹے نبیوں کی طاقت و قوّت اور اُن کا انجام

نبوت کے ان مدعیوں نے بہت تھوڑی مدت میں بڑی طاقت حاصل کر لی تھی۔ بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، ہزارہا کا لشکر جمع کر لیا تھا اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ بن گئے تھے۔ اُن کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر توفیقِ ایزدی شاملِ حال نہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ہرگز ان کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ اِن میں سے اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور ذوالتاج مارے گئے۔ طلیحہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور پھر مسلمان ہو گیا۔ سجاح نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۱۷

وجوہِ ارتداد مصر کے ایک مؤرّخ کی نظر میں

مصر کا نامور مؤرخ عباس محمود العقاد اپنی نہایت محققانہ کتاب "عبقریۃ خالد" میں ارتداد کے وجوہ واسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

(۱) فتنۂ ارتداد کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض نمایاں اور ممتاز قبیلے قریش کا تسلّط اور ان کی حکومت اپنے اوپر گوارا نہ کر سکتے تھے۔ مثلاً قبائل ربیعہ جن کو اپنے حسب ونسب پر نہایت غرور اور گھمنڈ تھا اور وہ دیگر قبائل عرب پر قریش کی فوقیت اور فضیلت کو نہایت ناگواری کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(۲) دوسرا بڑا سبب ارتداد کے اِس سرعت کے ساتھ پھیلنے اور جلد تر نہایت طاقت پکڑ جانے کا یہ تھا کہ قریش کا تفوق بعض دیگر قبائل کو ناگوار گزرنے کے علاوہ بدوی قبائل کو بھی شہری قبائل کی برتری اور بزرگی نہایت درجہ ناگوار گزرتی تھی اور اُن کا ہر لحظہ اسی سعی وکوشش میں بسر ہوتا تھا کہ شہری قبائل کے تسلّط سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔

(۳) تیسری وجہ اِس فتنے کے پھیلنے اور بڑھنے کی عباس محمود العقاد نے بڑی عجیب بتائی ہے۔ وہ لکھتا ہے "بعض سردارانِ قبائل کو ارتداد اختیار کرنے کی جرأت اور ہمت اس لیے بھی ہوئی کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی اور حضورؐ کی بے مثال مقبولیت کو دیکھ کر بزعمِ خود یہ خیال کر لیا کہ محمدؐ جیسا بے کس اور تہی دست انسان اگر ایسی عظیم الشان بزرگی اور اتنی شاندار کامیابی حاصل کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کر سکتا ہے اور عرب کے سرکش قبائل کی گردنیں اپنے آگے جھکا سکتا ہے اور انھیں قلیل عرصے میں زیر کر کے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اثر ورسوخ، اقتدار و طاقت اور قوت وہمت رکھتے ہوئے مرتبہ اور شان حاصل نہ کر سکیں جو محمدؐ نے حاصل کی اور کامیابی کی اس بلندی پر نہ پہنچ سکیں جس پر محمدؐ پہنچ گیا۔"

(۴) چوتھا سبب اِس فتنۂ عظمیٰ کی اشاعت کا عباس محمود کے خیال میں یہ ہے کہ "زکوٰۃ کی ادائیگی کے مطالبے نے بھی متعدد قبائل کو فتنہ انگیزی، فساد اور شورش پر آمادہ کیا۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ دراصل ایک تاوان اور جزیہ ہے جو زبردستی اُن پر عائد کر دیا گیا ہے۔

(۵) صرف زکوٰۃ پر منحصر نہیں، وہ لوگ اسلام کے بعض دیگر فرائض اور ارکان کی ادائیگی کو بھی اتنا بڑا بوجھ سمجھتے تھے جس کا اٹھانا ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مثلاً نماز میں سجدہ کرنا اور اپنی پیشانی زمین پر ٹیکنا اُن کی خودداری اور غرور کو بڑی ٹھیس پہنچاتا تھا[۱] اس لیے فتنے کے بانیوں نے لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے

---

[۱] عباس محمود العقاد نے یہ بات بڑی عجیب لکھی ہے۔ عرب کے بُت پرست ان گھڑے پتھروں کے آگے بلا تامل سجدے

(باقی اگلے صفحہ پر)

انھیں اس قسم کے تمام فرائض کی بجا آوری سے کلیتاً آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ نبی کاذب طلیحہ اسدی نے سجدہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اپنے گمراہ متبعین سے کہا تھا "خدا کو قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ تم اپنے ماتھے اس کے حضور میں رگڑو اور اس کے سامنے اپنی پیشانیوں کو خاک آلودہ کرو۔ تم خدا کا ذکر صرف کھڑے ہو کر کیا کرو۔"

(۶) ایک سبب ارتداد کا عباس محمود العقاد یہ بھی بتاتا ہے کہ "ان بدوی قبائل کے دلوں میں اسلام پورے طور پر راسخ نہیں ہوا تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کے جاہلی عادات و خصائل میں کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی ان بدوی قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کی خبر سُنی، فوراً ارتداد اختیار کر لیا۔ اس حقیقت کو راسخ العقیدہ مسلمان بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان بدوی اور جدید الاسلام قبائل کے مسلمان ہو جانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ بہت معمولی سے عذر پر بھی کسی وقت اسلام سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم بھی ان بدوی قبائل کی اندرونی ایمانی حالت کی حقیقت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اے نبی: بدوی قبائل تم سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ مگر ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ "ہم نے تابعداری اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایمان تمھارے قلوب میں پیوست نہیں ہوا)

(۷) ارتداد کے وجوہ گنواتا ہوا ساتواں سبب عباس محمود یہ لکھتا ہے کہ "ہمارے خیال میں فتنہ ارتداد کا ایک سبب اور بھی ہے جسے خاص طور پر زیر نظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کاروائیاں۔ بیرونی طاقتوں کی اس وقت کی سیاست کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس فتنے کے پیچھے یقیناً غیر ملکی سازش کام کر رہی تھی[1]

فتنے کے اس سبب کی تائید محمد حسین ہیکل بھی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "ابوبکر صدیق اکبر" میں کہتا ہے "اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قبائل عرب کی اس بغاوت اور ارتداد کے اس فتنۂ عظیمہ

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کرتے تھے۔ کسرائے ایران، قیصر روم اور شاہ حبش کے درباروں میں جاتے، تو اُن کے سامنے بلا تکلف اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیتے تھے۔ ایسے موقعوں پر ان کی خود داری اور ان کا فخر و غرور اور ان کی عزت نفس کہاں چلی جاتی تھی؟ اور کیوں اس وقت اُن کو اپنی یہ حرکتیں ناگوار نہ گزرتی تھیں؟ ساری ناگواری ان کو صرف خدا کے آگے سجدے کرنے میں کیوں ہوتی تھی؟

[1] "خالد اور ان کی شخصیت" صفحہ ۱۹۹ از عباس محمود العقاد۔

میں بیرونی ہاتھ ضرور کام کر رہا تھا۔ ایرانی اور رومی طاقتوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلام کی دعوت دی گئی، تو انھوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام کے اثر اور نفوذ کو نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے مشاہدہ کیا، جس پر انھوں نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ قبل اس کے کہ اسلام کا عظیم سیلاب اُن کی جانب بڑھے، خود عربوں میں اسلام کے خلاف نفرت اور بغض وعناد کے جذبات پیدا کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس فتنے کے بانیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں اس مقصد کے حصول کے لیے ریشہ دوانیاں اور سازشیں شروع کر دی تھیں۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد ان مفسدین کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ بغاوت، ارتداد اور فتنہ انگیزی کے شعلے بھڑکا کر تمام مسلمانوں کو نہایت نازک مرحلے سے دوچار کر دیا۔[1]

ارتداد کا سبب مستشرقین یورپ کے خیال میں

محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ "مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ فتنہ ارتداد کا اصلی باعث وہ عظیم تفاوت تھا، جو عرب کے مختلف طبقوں اور علاقوں میں ان کی طرزِ معاشرت کے متعلق پایا جاتا تھا۔ بدوی اور شہری طرزِ زندگی میں زبردست فرق تھا اور اس فرق کی موجودگی میں عربوں کو خواہ وہ بدوی ہوں یا شہری ایک متحدہ قومیت میں منسلک کر دینا آسان کام نہ تھا۔ تمام بدوی قبائل کے لیے چاہے وہ عرب کے کسی خطے میں سکونت پذیر ہوں، حاکم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا وہ تصور محال تھا جو شہریوں کے ذہنوں میں تھا۔ بدو لوگ شخصی اور انفرادی آزادی کے مقابلے میں ہر شے کو ہیچ سمجھتے تھے۔ آزادی ان کے نزدیک اس قدر بیش قیمت اور بیش بہا نعمت تھی کہ اگر وہ کبھی اسے خطرے میں دیکھتے تھے، تو زبردست سے زبردست قربانی دے کر بھی اس کی حفاظت اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور اس کوشش میں اپنا تن۔ من۔ دھن اور سا اپنے اہل وعیال تک کو بلا تکلف قربان کر دیتے تھے۔ یہی خیالات تھے جن کے باعث یمن اور بعض دوسرے علاقے مسلمانوں کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شہریوں سے اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے فتنۂ ارتداد کا کس طرح مقابلہ کیا

اس فتنۂ عظیمہ کے رونما ہونے پر حضرت ابوبکرؓ کے سامنے دو کام تھے جو ان کو انجام دینے تھے:

اوّل: باغیوں۔ سرکشوں اور فتنہ پردازوں کا استیصال۔

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۶۷ [2] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۶۶

دُوم : جو لوگ مختلف وجوہ سے اسلام کو چھوڑ چکے تھے، اُن کو دوبارہ مسلمان بنانے کی کوشش۔ اگر وہ باغی اور سرکش قبائل جنھوں نے ارتداد اختیار کر کے فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکایا تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کی تھیں، زیر کر لیے جاتے، تو ان لوگوں کو بڑی آسانی کے ساتھ دوبارہ اسلام میں داخل کیا جا سکتا تھا جنھوں نے اپنی کم فہمی کے باعث اسلام کو ترک کیا تھا اور باغیوں کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں مشغول ہو گئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گیارہ لشکر

اس غرض کی تکمیل کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ کی فوج کی واپسی کے بعد مرتدین سے لڑنے کے لیے اور فتنہ و فساد کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لیے چیدہ چیدہ بہادروں کے گیارہ لشکر مرتب فرمائے اور ہر لشکر پر ایک قابل۔ لائق اور بہادر شخص کو افسر مقرر کیا۔ پھر ان تمام لشکروں کو عرب کے اُن حصّوں میں بھیج دیا، جہاں بغاوت اور ارتداد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

ان گیارہ لشکروں کی تفصیل بتانے سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین، معاندین، مفسدین اور مدعیانِ نبوت کے مقابلے میں فوجیں بھیجتے ہوئے اِس امر کا خاص طور سے خیال رکھا کہ مرتدین کی جمعیت اور ان کی قوت و طاقت کا لحاظ رکھ کر اُن کی طرف فوجیں روانہ کی جائیں تاکہ قلتِ تعداد کے باعث کسی فوج کو ناکامی اور شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

۱۔ پہلا لشکر

سب سے اوّل حضرت سیف اللہ خالدؓ بن ولید کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مدعی نبوت طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کے لیے بنی اسد کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ طلیحہ کا قلع قمع کرنے کے بعد بطاح جا کر بنی تمیم کے سردار مالک بن نویرہ پر حملہ کرو۔ یہ دونوں یعنی بنو اسد اور بنو تمیم مدینہ کے قریب ترین مرتد قبائل تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ جنگ کی ابتدا انہی سے کی جائے۔ تاکہ ان قبائل کی شکست کا اثر دوسرے دور کے قبائل پر فوری طور سے پڑے اور وہ مایوس ہو کر آسانی اور جلدی سے زیر ہو سکیں۔ یہ دونوں نہایت زبردست اور بڑے طاقت ور قبائل تھے۔ اِن کے مقابلے کے لیے خالدؓ جیسے بے نظیر بہادر کا انتخاب حضرت ابوبکرؓ کی فرزانگی اور دور اندیشی کی اعلیٰ درجہ کی دلیل تھی۔

۲۔ دوسرا لشکر

حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو دوسرے لشکر کی سرداری سپرد کی گئی اور انھیں یمامہ جا کر بنو حنیفہ کے سردار اور سب سے زبردست اور مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے جنگ کرنے کا کام تفویض کیا گیا۔

۳۔ تیسرا لشکر شرجیل بن حسنہ کو تیسرا جھنڈا دے کر حکم دیا کہ وہ پہلے تو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں عکرمہ بن ابی جہل کی امداد کریں اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد حضر موت جاکر بنو کندہ کی سرکوبی کریں۔

عکرمہ بن ابی جہل اور شرجیل بن حسنہ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اُس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مسیلمہ چالیس ہزار کی زبردست جمعیت حضرت خالدؓ کے مقابلے پر لایا۔ مگر خالد لوہے کا بنا ہوا انسان تھا۔ اُس نے ذرا بھی پروا نہ کی اور عدیم النظیر بہادری کے ساتھ لڑ کر مسیلمہ کے لشکر کو شکست دی۔ یمامہ کا یہ کذاب نبی عین معرکہ جنگ میں وحشی (قاتل حضرت حمزہؓ) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خالد اور بنو حنیفہ کی یہ جنگ بڑی عظیم الشان تھی اور تاریخ اسلام میں خاص نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیصلہ کُن جنگ عقربا کے مقام پر ہوئی، جو یمامہ کی سرحد پر العرض کے ضلع میں قرقری کے قریب واقع ہے[1]

۴۔ چوتھا لشکر حضرت صدیقؓ نے چوتھا جھنڈا مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کے حوالے کیا اور اُن سے فرمایا کہ یمن جاکر مدعی نبوت اسود عنسی۔ عمرو بن معدی کرب زبیدی قیس بن مکشوح مرادی وغیرہ مفسدین اور مرتدین سے جنگ کریں اور جب اِن لوگوں کو اور ان کے مددگاروں کے استیصال سے فارغ ہو جائیں تو پھر کندہ اور حضرت موت جاکر اشعث بن قیس اور اس کے مرتد ساتھیوں سے لڑیں۔

۵۔ پانچواں لشکر پانچواں لشکر یمن کے مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس فوج کے سردار سوید بن مقرن تھے۔

۶۔ چھٹا لشکر حضرت ابوبکرؓ نے چھٹا جھنڈا علاء بن حضرمی کو مرحمت فرما کر انھیں حکم دیا کہ بحرین جاکر حطم بن ضبیعہ اور بنو قیس بن ثعلبہ کے مرتدین سے برسرِ پیکار ہوں۔

۷۔ ساتواں لشکر ساتویں لشکر کی کمان حذیفہ بن محصن غلفانی کے سپرد کی گئی اور انھیں حکم دیا کہ عمان جاکر وہاں کے مدعی نبوت ذو التاج لقیط بن مالک ازدی سے جنگ کریں۔

۸۔ آٹھواں لشکر حضرت ابوبکرؓ نے آٹھویں لشکر کی قیادت کے لیے عرفجہ بن ہرثمہ کو منتخب فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اہل مہرہ کے مفسدین اور مرتدین کو جاکر اسلام کی دعوت دیں اور اُن سے کہیں کہ امن و صلح کے ساتھ رہیں۔ اگر وہ تمھاری پیش کش کو قبول نہ کریں، تو پھر اُن سے جنگ کرو۔

---

[1] عقربا کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ (خالد سیف اللہ از ابو زید شلبی صفحہ ۱۷۱)

یہ تمام فوجیں اور لشکر حضرت ابوبکرؓ نے جنوبی عرب کے مختلف حصّوں کی طرف روانہ فرمائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ارتداد کا فتنہ اور مفسدین کی اکثریت انہی علاقوں میں زیادہ تھی اور نبوت کے مدعی بھی انہی علاقوں میں اپنی خودساختہ نبوت کا اعلان نہایت زور شور کے ساتھ کر رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے بڑے بڑے جرار لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کر لیے تھے۔ اس لیے لازماً ان علاقوں میں زیادہ لشکر بھیجنے کی ضرورت تھی۔ شمالی جانب صرف تین فوجیں بھیجی گئیں، کیونکہ وہاں ضرورت کم تھی۔

۹۔ نواں لشکر

حضرت عمرو بن العاص کی زیر قیادت نواں لشکر حضرت صدیقؓ نے قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا جنھوں نے اپنے علاقے میں سخت فساد مچا رکھا تھا۔

۱۰۔ دسواں لشکر

دسویں فوج معن بن حاجز سلمی کی زیر سرکردگی بنو سلیم اور بنو ہوازن کے شوریدہ سر قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ کی گئی۔

۱۱۔ گیارھواں لشکر

گیارھواں اور آخری لشکر خالد بن سعید بن عاص کی سرداری میں شام کی سرحدوں پر حضرت صدیقؓ نے روانہ فرمایا۔ تاکہ وہاں کے سرکش قبائل کو مطیع کیا جائے اور مرتدین کے شور و شر کے باعث جو بدامنی وہاں پیدا ہو رہی ہے، اُسے دُور کیا جائے [۱]۔

لشکر کشی سے قبل مرتدین کے نام حضرت ابوبکرؓ کے تبلیغی خطوط

متذکرہ بالا لشکروں کی روانگی سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بطور اتمام حجت مرتدین کو آخری موقع دینے کے لیے انھیں دوبارہ اسلام لانے اور امن سے رہنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بہت سے تبلیغی خطوط لکھوائے اور اپنے قاصدوں کے ہاتھ ان تمام علاقوں میں بھیج دیے۔ جہاں ارتداد اور فتنہ و فساد کے شعلے زور شور سے بھڑک رہے تھے۔ اس کاروائی کے علاوہ انھوں نے ان خطوط کی ایک ایک نقل لشکروں کے تمام سرداروں کو بھی دے دی اور ان سے کہہ دیا کہ جب تمھاری فوج دشمن کے سامنے جاکر خیمہ زن ہو، تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ خط مرتدین کے لشکر کو باآواز بلند سُنا دینا تاکہ ہر شخص پر ذاتی طور سے بھی اتمام حجت ہوجائے اور کسی شخص کو یہ عذر نہ رہے کہ مجھ تک اسلام کی تبلیغ نہیں پہنچی۔ ان خطوط میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور حضور کے بشیر و نذیر ہونے کا ذکر تھا اور پھر یہ لکھا تھا کہ جب وہ کام پورا ہوگیا جس کے لیے حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دے دی۔

اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے ان خطوط میں قرآن پاک کی وہ آیات درج فرمائیں، جن میں

---

[۱] ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۷۰۔ ابوبکر صدیق اکبر از عمر ابو النصر صفحہ ۷۴۔ خالد سیف اللہ از ابو زید شلبی صفحہ ۱۴۰

اشجع، اسلم اور خزاعہ کے قبائل نے بھی اسلام کو ترک نہ کیا۔ بحرین کا شہر جُواثا بھی اس عالمگیر وبا سے محفوظ رہا۔[1] باقی سارا عرب مرتد ہوگیا اور مرکزِ اسلام میں لرزش کے آثار نمودار ہونے لگے۔[2] اس وقت عرب کی جو حالت تھی، اس کا صحیح نقشہ ابن اثیر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ تضرمت الارض نارًا (زمین کو گویا آگ لگ گئی تھی)۔

فتنۂ ارتداد کے اسباب وعلل اس موقع پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ تھیں، جن کے باعث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی ہر طرف ارتداد کی آندھیاں چلنے لگیں اور لوگ اسلام اور اس کے ارکان بجالانے سے انکار کرنے لگے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے، مختلف وجوہ کے علاوہ (جن کا بیان ہم آگے کریں گے) اس کے بنیادی سبب دو تھے:-

(۱) جو لوگ اور قبائل فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، وہ ایک بھیڑ چال کے طور پر مسلمان ہوئے۔ یعنی دوسرے لوگوں کو مسلمان ہوتے دیکھا، تو انھوں نے بھی اسلام اختیار کر لیا۔ بطورِ خود نہ کچھ تحقیق کی، نہ اس معاملے میں غور وفکر سے کام لیا۔

(۲) مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی شوکت، طاقت اور قوت کو دیکھ کر عربوں نے یہ سمجھ لیا کہ چونکہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی میں امن وسلامتی ہے۔

ان لوگوں کے دلوں میں نہ نورِ ایمان داخل ہوا تھا، نہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصول وارکان سے وہ پورے طور پر باخبر ہوئے تھے۔ نہ اسلام قبول کیے اُن کو زیادہ عرصہ گزرا تھا۔ اس لیے یہ لوگ آسانی سے ارتداد کی رَو میں بہہ گئے اور جتھوں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر انھوں نے اسلام کے خلاف مورچے سنبھال لیے۔ اگر وہ لوگ محض ارتداد اختیار کرتے اور دینِ اسلام سے منحرف ہو کر گھروں میں خاموش بیٹھ جاتے۔ تو حضرت ابوبکرؓ انھیں کچھ نہ کہتے۔ کیونکہ لا اکراہ فی الدین کا اصول اُن کے سامنے تھا۔ مگر وہ لوگ ارتداد کے ساتھ ساتھ فساد۔ فتنہ انگیزی۔ قتل وغارت اور لوٹ مار کے بھی مرتکب ہوئے اور انھوں نے تلوار لے کر نہایت آزادانہ طور پر اسلامی حکومت کا مقابلہ کیا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو بھی ان کے مقابلہ کے لیے تلوار سے کام لینا پڑا۔ اگر وہ لوگ پہل کرکے تلوار سے کام نہ لیتے تو حضرت ابوبکرؓ کبھی اُن کے خلاف تلوار نہ اٹھاتے۔

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۳۹ — [2] تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صفحہ ۱۳۱

[3] "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۵۳

فتنہ پردازوں کی قسمیں

یہ فسادی اور فتنہ پرداز لوگ تین قسم کے تھے:۔

۱۔ منکرینِ خلافت۔ بعض بدوی قبائل ایسے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت پر تو جس طرح ہو سکا راضی ہو گئے تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے بعد وہ کسی شخص کے قبلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور مدینہ کی موجودہ حکومت کو وہ اس بات کا حقدار نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اُن پر حکمرانی کرے۔ وہ بالکل آزادانہ بدوی زندگی کو پسند کرتے تھے، جس کے وہ صدیوں سے عادی تھے۔

۲۔ منکرینِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کو بعض قبیلے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ اور نہایت ناواجب ٹیکس سمجھتے تھے اور اُسے کسی صورت سے بھی ادا کرنے کو تیار نہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انھوں نے طوعاً یا کرہاً زکوٰۃ ادا کر دی۔ مگر حضور علیہ السلام کے جانشین کو وہ ہرگز اس کا مستحق نہ سمجھتے تھے کہ وہ ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے۔

۳۔ جھوٹے نبی

کئی جھوٹے نبی پیدا ہو کر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ فتوحات اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے شوق میں ہزاروں عرب مُرتد ہو کر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے اور ملک میں ہر طرف جنگ وجدل کا بازار گرم ہو گیا۔ یہ مدعیانِ نبوّت حسب ذیل تھے:۔

(۱) طلیحہ۔ جس نے بنو اسد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۲) اسود عنسی۔ جس نے یمن میں ایک بھاری جماعت مسلمانوں کے خلاف جمع کر لی تھی۔

(۳) مسیلمہ۔ یہ جھوٹے نبیوں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا اور تاریخ اسلام میں "مسیلمہ کذاب" کے نام سے مشہور ہے۔ اِس نے یمامہ میں عَلَمِ بغاوت بلند کیا تھا۔

(۴) سجاح۔ اس وقت "نبوت" کی اِس قدر ارزانی تھی کہ عورتیں بھی "نبی" بن گئی تھیں چنانچہ سجاح نے بنو تمیم میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کافی شہرت حاصل کی۔

(۵) ذوالتاج لقیط بن مالک۔ یہ ملک عمان میں نبی بن بیٹھا تھا۔[۱]

جھوٹے نبیوں کی طاقت و قوّت اور اُن کا انجام

نبوت کے ان مدعیوں نے بہت تھوڑی مدّت میں بڑی طاقت حاصل کر لی تھی۔ بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، ہزارہا کا لشکر جمع کر لیا تھا اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ بن گئے تھے۔ اُن کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر توفیقِ ایزدی شاملِ حال نہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ہرگز ان کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکتے ان میں سے اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور ذوالتاج مارے گئے۔ طلیحہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور پھر مسلمان ہو گیا۔ سجاح نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

۱؎ ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۶۱

وجوہِ ارتداد مصر کے ایک مؤرّخ کی نظر میں

مصر کا نامور مؤرخ عباس محمود العقاد اپنی نہایت محققانہ کتاب "عبقریۃ خالد" میں ارتداد کے وجوہ و اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

(۱) فتنۂ ارتداد کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض نمایاں اور ممتاز قبیلے قریش کا تسلّط اور ان کی حکومت اپنے اوپر گوارا نہ کرسکتے تھے۔ مثلاً قبائل ربیعہ جن کو اپنے حسب و نسب پر نہایت غرور اور گھمنڈ تھا اور وہ دیگر قبائل عرب پر قریش کی فوقیت اور فضیلت کو نہایت ناگواری کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(۲) دُوسرا بڑا سبب ارتداد کے اِس سرعت کے ساتھ پھیلنے اور جلد تر نہایت طاقت پکڑ جانے کا یہ تھا کہ قریش کا تفوق بعض دیگر قبائل کو ناگوار گزرنے کے علاوہ بدوی قبائل کو بھی شہری قبائل کی برتری اور بزرگی نہایت درجہ ناگوار گزرتی تھی اور اُن کا ہر لحظہ اسی سعی و کوشش میں بسر ہوتا تھا کہ شہری قبائل کے تسلّط سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔

(۳) تیسری وجہ اِس فتنے کے پھیلنے اور بڑھنے کی عباس محمود العقاد نے بڑی عجیب بتائی ہے۔ وہ لکھتا ہے "بعض سردارانِ قبائل کو ارتداد اختیار کرنے کی جرأت اور ہمت اس لیے بھی ہوئی کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی اور حضورؐ کی بے مثال قبولیت کو دیکھ کر بزعمِ خود یہ خیال کر لیا کہ محمدؐ جیسا بے کس اور تہی دست انسان اگر ایسی عظیم الشان بزرگی اور اتنی شان دار کامیابی حاصل کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کرسکتا ہے اور عرب کے سرکش قبائل کی گردنیں اپنے آگے جھکا سکتا ہے اور انھیں قلیل عرصے میں زیر کر کے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اثر و رسوخ، اقتدار و طاقت اور قوت و ہمت رکھتے ہوئے وہ مرتبہ اور شان حاصل نہ کرسکیں جو محمدؐ نے حاصل کی اور کامیابی کی اس بلندی پر نہ پہنچ سکیں جس پر محمدؐ پہنچ گیا۔"

(۴) چوتھا سبب اِس فتنۂ عظمیٰ کی اشاعت کا عباس محمود کے خیال میں یہ ہے کہ "زکوٰۃ کی ادائیگی کے مطالبے نے بھی متعدد قبائل کو فتنہ انگیزی، فساد اور شورش پر آمادہ کیا۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ دراصل ایک تاوان اور جزیہ ہے جو زبردستی اُن پر عائد کر دیا گیا ہے۔

(۵) صرف زکوٰۃ پر منحصر نہیں، وہ لوگ اسلام کے بعض دیگر فرائض اور ارکان کی ادائیگی کو بھی اتنا بڑا بوجھ سمجھتے تھے جس کا اُٹھانا ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مثلاً نماز میں سجدہ کرنا اور اپنی پیشانی زمین پر ٹیکنا اُن کی خودداری اور غرور کو بڑی ٹھیس پہنچاتا تھا[1]۔ اس لیے فتنے کے بانیوں نے لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے

---

[1] عباس محمود العقاد نے یہ بات بڑی عجیب لکھی ہے۔ عرب کے بُت پرست ان گھڑے پتھروں کے آگے بلا تامل سجدے

(باقی اگلے صفحہ پر)

انھیں اس قسم کے تمام فرائض کی بجا آوری سے کلیتاً آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ نبی کاذب طلیحہ اسدی نے سجدہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اپنے گمراہ متبعین سے کہا تھا "خدا کو قطعاً اس بات کی ضرورت نہیں کہ تم اپنے ماتھے اس کے حضور میں رگڑو اور اس کے سامنے اپنی پیشانیوں کو خاک آلودہ کرو۔ تم خدا کا ذکر صرف کھڑے ہو کر کیا کرو"

(۶) ایک سبب ارتداد کا عباس محمود العقاد یہ بھی بتاتا ہے کہ "ان بدوی قبائل کے دلوں میں اسلام پورے طور پر راسخ نہیں ہوا تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کے جاہلی عادات و خصائل میں کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی ان بدوی قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کی خبر سنی، فوراً ارتداد اختیار کر لیا۔ اس حقیقت کو راسخ العقیدہ مسلمان بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان بدوی اور جدید الاسلام قبائل کے مسلمان ہو جانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ بہت معمولی سے عذر پر بھی کسی وقت اسلام سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم بھی ان بدوی قبائل کی اندرونی ایمانی حالت کی حقیقت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (اے نبی! بدوی قبائل تم سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ مگر ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ "ہم نے تابعداری اور اطاعت اختیار کر لی ہے" حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ایمان تمھارے قلوب میں پیوست نہیں ہوا)

(۷) ارتداد کے وجوہ گنواتا ہوا ساتواں سبب عباس محمود یہ لکھتا ہے کہ "ہمارے خیال میں فتنہ ارتداد کا ایک سبب اور بھی ہے جسے خاص طور پر زیر نظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ کاروائیاں۔ بیرونی طاقتوں کی اس وقت کی سیاست کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس فتنے کے پیچھے یقیناً غیر ملکی سازش کام کر رہی تھی[1]

فتنے کے اس سبب کی تائید محمد حسین ہیکل بھی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "ابوبکر صدیق اکبر" میں کہتا ہے "اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قبائل عرب کی اس بغاوت اور ارتداد کے اس فتنۂ عظیمہ

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کرتے تھے کسرائے ایران، قیصر روم اور شاہ حبش کے درباروں میں جاتے، تو اُن کے سامنے بلا تکلف اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیتے تھے۔ ایسے موقعوں پر ان کی خودداری اور ان کا فخر و غرور اور ان کی عزت نفس کہاں چلی جاتی تھی؟ اور کیوں اس وقت اُن کو اپنی یہ حرکتیں ناگوار نہ گزرتی تھیں؟ ساری ناگواری ان کو صرف خدا کے آگے سجدے کرنے میں کیوں ہوتی تھی؟

[1] "خالد اور ان کی شخصیت" صفحہ ۱۶۹ از عباس محمود العقاد۔

میں بیرونی ہاتھ ضرور کام کر رہا تھا۔ ایرانی اور رومی طاقتوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اسلام کی دعوت دی گئی، تو انھوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام کے اثر اور نفوذ کو نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے مشاہدہ کیا، جس پر انھوں نے اپنی بہتری اسی میں سمجھی کہ قبل اس کے کہ اسلام کا عظیم سیلاب اُن کی جانب بڑھے، خود عربوں میں اسلام کے خلاف نفرت اور بغض و عناد کے جذبات پیدا کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس فتنے کے بانیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں اس مقصد کے حصول کے لیے ریشہ دوانیاں اور سازشیں شروع کر دی تھیں۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد ان مفسدین کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ بغاوت، ارتداد اور فتنہ انگیزی کے شعلے بھڑکا کر تمام مسلمانوں کو نہایت نازک مرحلے سے دوچار کر دیا۔[1]

ارتداد کا سبب مستشرقین یورپ کے خیال میں

محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ "مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ فتنہ ارتداد کا اصلی باعث وہ عظیم تفاوت تھا، جو عرب کے مختلف طبقوں اور علاقوں میں ان کی طرزِ معاشرت کے متعلق پایا جاتا تھا۔ بدوی اور شہری طرزِ زندگی میں زبردست فرق تھا اور اس فرق کی موجودگی میں عربوں کو خواہ وہ بدوی ہوں یا شہری ایک متحدہ قومیت میں منسلک کر دینا آسان کام نہ تھا۔ تمام بدوی قبائل کے لیے چاہے وہ عرب کے کسی خطّے میں سکونت پذیر ہوں۔ حاکم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا وہ تصور محال تھا جو شہریوں کے ذہنوں میں تھا۔ بدو لوگ شخصی اور انفرادی آزادی کے مقابلے میں ہر شئے کو ہیچ سمجھتے تھے۔ آزادی ان کے نزدیک اس قدر بیش قیمت اور بیش بہا نعمت تھی کہ اگر وہ کبھی اسے خطرے میں دیکھتے تھے، تو زبردست سے زبردست قربانی دے کر بھی اس کی حفاظت اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور اس کوشش میں اپنا تن من دھن اور اپنے اہل و عیال تک کو بلا تکلف قربان کر دیتے تھے۔ یہی خیالات تھے جن کے باعث یمن اور بعض دوسرے علاقے مسلمانوں کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شہریوں سے اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے فتنۂ ارتداد کا کس طرح مقابلہ کیا

اِس فتنۂ عظیمہ کے رونما ہونے پر حضرت ابوبکرؓ کے سامنے دو کام تھے جو ان کو انجام دینے تھے۔

اوّل: باغیوں، سرکشوں اور فتنہ پردازوں کا استیصال۔

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۶۷ [2] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۱۶۶

دُوم: جو لوگ مختلف وجوہ سے اسلام کو چھوڑ چکے تھے، اُن کو دوبارہ مسلمان بنانے کی کوشش۔ اگر وہ باغی اور سرکش قبائل جنھوں نے ارتداد اختیار کر کے فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکایا تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کی تھیں، زیر کر لیے جاتے، تو ان لوگوں کو بڑی آسانی کے ساتھ دوبارہ اسلام میں داخل کیا جا سکتا تھا جنھوں نے اپنی کم فہمی کے باعث اسلام کو ترک کیا تھا اور باغیوں کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں مشغول ہو گئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گیارہ لشکر

اِس غرض کی تکمیل کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے اسامہ کی فوج کی واپسی کے بعد مرتدین سے لڑنے کے لیے اور فتنہ و فساد کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لیے چیدہ چیدہ بہادروں کے گیارہ لشکر مرتب فرمائے اور ہر لشکر پر ایک قابل، لائق اور بہادر شخص کو افسر مقرر کیا۔ پھر ان تمام لشکروں کو عرب کے اُن حصّوں میں بھیج دیا، جہاں بغاوت اور ارتداد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

اِن گیارہ لشکروں کی تفصیل بتانے سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین، معاندین، مفسدین اور مدعیانِ نبوت کے مقابلے میں فوجیں بھیجتے ہوئے اِس امر کا خاص طور سے خیال رکھا کہ مرتدین کی جمعیت اور ان کی قوت و طاقت کا لحاظ رکھ کر اُن کی طرف فوجیں روانہ کی جائیں تاکہ قلتِ تعداد کے باعث کسی فوج کو ناکامی اور شکست کا منہ دیکھنا نہ پڑے۔

۱۔ پہلا لشکر

سب سے اوّل حضرت سیف اللہ خالدؓ بن ولید کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ مدعی نبوت طلیحہ بن خویلد سے لڑنے کے لیے بنی اسد کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ طلیحہ کا قلع قمع کرنے کے بعد بطاح جا کر بنی تمیم کے سردار مالک بن نویرہ پر حملہ کرو۔ یہ دونوں یعنی بنو اسد اور بنو تمیم مدینہ کے قریب ترین مرتد قبائل تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ جنگ کی ابتدا انہی سے کی جائے۔ تاکہ ان قبائل کی شکست کا اثر دوسرے دور کے قبائل پر فوری طور سے پڑے اور وہ مایوس ہو کر آسانی اور جلدی سے زیر ہو سکیں۔ یہ دونوں نہایت زبردست اور بڑے طاقت ور قبائل تھے۔ اِن کے مقابلے کے لیے خالدؓ جیسے بے نظیر بہادر کا انتخاب حضرت ابوبکرؓ کی فرزانگی اور دور اندیشی کی اعلیٰ درجہ کی دلیل تھی۔

۲۔ دوسرا لشکر

حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو دوسرے لشکر کی سرداری سپرد کی گئی اور انھیں یمامہ جا کر بنو حنیفہ کے سردار اور سب سے زبردست اور مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے جنگ کرنے کا کام تفویض کیا گیا۔

۳۔ تیسرا لشکر | شرجیل بن حسنہ کو تیسرا جھنڈا دے کر حکم دیا کہ وہ پہلے تو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں عکرمہ بن ابی جہل کی امداد کریں اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد حضر موت جاکر بنو کندہ کی سرکوبی کریں۔

عکرمہ بن ابی جہل اور شرجیل بن حسنہ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اُس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ مسیلمہ چالیس ہزار کی زبردست جمعیت حضرت خالدؓ کے مقابلے پر لایا۔ مگر خالد لوہے کا بنا ہوا انسان تھا۔ اُس نے ذرا بھی پروا نہ کی اور عدیم النظیر بہادری کے ساتھ لڑ کر مسیلمہ کے لشکر کو شکست دی۔ یمامہ کا یہ کذاب نبی عین معرکہ جنگ میں وحشی (قاتل حضرت حمزہؓ) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خالد اور بنو حنیفہ کی یہ جنگ بڑی عظیم الشان تھی اور تاریخ اسلام میں خاص نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فیصلہ کُن جنگ عقربا کے مقام پر ہوئی، جو یمامہ کی سرحد پر العرض کے ضلع میں قرقری کے قریب واقع ہے۔[1]

۴۔ چوتھا لشکر | حضرت صدیقؓ نے چوتھا جھنڈا مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کے حوالے کیا اور اُن سے فرمایا کہ یمن جاکر مدعی نبوت اسود عنسی۔ عمرو بن معدی کرب زبیدی۔ قیس بن مکشوح مرادی وغیرہ مفسدین اور مرتدین سے جنگ کریں اور جب ان لوگوں کو اور ان کے مددگاروں کے استیصال سے فارغ ہو جائیں تو پھر کندہ اور حضرموت جاکر اشعث بن قیس اور اس کے مرتد ساتھیوں سے لڑیں۔

۵۔ پانچواں لشکر | پانچواں لشکر یمن کے مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس فوج کے سردار سوید بن مقرن تھے۔

۶۔ چھٹا لشکر | حضرت ابوبکر رضؓ نے چھٹا جھنڈا علاء بن حضرمی کو مرحمت فرما کر انھیں حکم دیا کہ بحرین جاکر حطم بن ضبیعہ اور بنو قیس بن ثعلبہ کے مرتدین سے برسرِ پیکار ہوں۔

۷۔ ساتواں لشکر | ساتویں لشکر کی کمان حذیفہ بن محصن غلفانی کے سپرد کی گئی اور انھیں حکم دیا کہ عمان جاکر وہاں کے مدعی نبوت ذو التاج لقیط بن مالک ازدی سے جنگ کریں۔

۸۔ آٹھواں لشکر | حضرت ابوبکر رضؓ نے آٹھویں لشکر کی قیادت کے لیے عرفجہ بن ہرثمہ کو منتخب فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اہل مہرہ کے مفسدین اور مرتدین کو جاکر اسلام کی دعوت دیں اور اُن سے کہیں کہ امن و صلح کے ساتھ رہیں۔ اگر وہ تمہاری پیش کش کو قبول نہ کریں، تو پھر اُن سے جنگ کرو۔

---

[1] عقربا کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۱۹۴ (خالد سیف اللہ از ابوزید شلبی صفحہ ۱۷۱)

یہ تمام فوجیں اور لشکر حضرت ابوبکرؓ نے جنوبی عرب کے مختلف حصّوں کی طرف روانہ فرمائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ارتداد کا فتنہ اور مفسدین کی اکثریت انہی علاقوں میں زیادہ تھی اور نبوت کے مدعی بھی انہی علاقوں میں اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان نہایت زور شور کے ساتھ کر رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے بڑے بڑے جرار لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کر لیے تھے۔ اس لیے لازماً ان علاقوں میں زیادہ لشکر بھیجنے کی ضرورت تھی۔ شمالی جانب صرف تین فوجیں بھیجی گئیں، کیونکہ وہاں ضرورت کم تھی۔

۹۔ نواں لشکر حضرت عمرو بن العاص کی زیر قیادت نواں لشکر حضرت صدیقؓ نے قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا جنھوں نے اپنے علاقے میں سخت فساد مچا رکھا تھا۔

۱۰۔ دسواں لشکر دسویں فوج معن بن حاجز سلمی کی زیر سرکردگی بنو سلیم اور بنو ہوازن کے شوریدہ سر قبائل کی سرکوبی کے لیے روانہ کی گئی۔

۱۱۔ گیارھواں لشکر گیارھواں اور آخری لشکر خالد بن سعید بن عاص کی سرداری میں شام کی سرحد پر حضرت صدیقؓ نے روانہ فرمایا۔ تاکہ وہاں کے سرکش قبائل کو مطیع کیا جائے اور مرتدین کے شور و شر کے باعث جو بدامنی وہاں پیدا ہو رہی ہے، اُسے دُور کیا جائے[1]۔

لشکر کشی سے قبل مرتدین کے نام حضرت ابوبکرؓ کے تبلیغی خطوط

متذکرہ بالا لشکروں کی روانگی سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بطور اتمام حجت مرتدین کو آخری موقع دینے کے لیے انھیں دوبارہ اسلام لانے اور امن سے رہنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بہت سے تبلیغی خطوط لکھوائے اور اپنے قاصدوں کے ہاتھ ان تمام علاقوں میں بھیج دیے۔ جہاں ارتداد اور فتنہ و فساد کے شعلے زور شور سے بھڑک رہے تھے۔ اس کارروائی کے علاوہ انھوں نے ان خطوط کی ایک ایک نقل لشکروں کے تمام سرداروں کو بھی دے دی اور ان سے کہہ دیا کہ جب تمھاری فوج دشمن کے سامنے جا کر خیمہ زن ہو، تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ خط مرتدین کے لشکر کو بآواز بلند سُنا دینا تاکہ ہر شخص پر ذاتی طور سے بھی اتمام حجت ہو جائے اور کسی شخص کو یہ عذر نہ رہے کہ مجھ تک اسلام کی تبلیغ نہیں پہنچی۔ ان خطوط میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور حضور کے بشیر و نذیر ہونے کا ذکر تھا اور پھر یہ لکھا تھا کہ جب وہ کام پورا ہو گیا جس کے لیے حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دے دی۔

اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ نے ان خطوط میں قرآن پاک کی وہ آیات درج فرمائیں، جن میں

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۲۱۔ ابوبکر صدیق اکبر از عمر ابو النصر صفحہ ۷۴۔ خالد سیف اللہ از ابو زید شلبی صفحہ ۱۴۰۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر تھا۔ ان آیات کے لکھنے سے آپ کا مقصد لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ جو اشخاص یہ کہہ رہے تھے کہ محمدؐ اگر سچے نبی ہوتے، تو کبھی نہ مرتے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ ان خطوط کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا تھا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ جنھوں نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُس کے احکام پر عمل کرنے لگے تھے۔ اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انھوں نے اپنی نادانی اور جہالت سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے۔ میں نے مہاجرین۔ انصار اور تابعین کے مشترکہ لشکر کو فلاں شخص کی قیادت میں تمھاری طرف بھیجا ہے اور اُسے حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک جنگ وجدل سے اپنا دامن بچائے جب تک تم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دے لے۔ جو شخص اُس کی بات مان لے گا اور دوبارہ اپنے اسلام کا اقرار کرے گا اور فتنہ وفساد اور بغاوت سے باز آ جائے گا اور نیک کام کرنے لگے گا۔ اُس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی امداد اور اعانت کی جائے گی۔ لیکن جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور بدستور فتنہ وفساد کی آگ کو بھڑکاتے رہیں گے۔ میں نے اپنے امرائے عساکر کو حکم دیا ہے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کی جائے اور انھیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے، ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا جائے اور کسی سے بجز اسلام اور کچھ قبول نہ کیا جائے۔ جس شخص نے ان باتوں کو مان لیا اور اسلام کو دوبارہ قبول کر لیا اور فتنہ و فساد کو چھوڑ دیا۔ یہ اُس کے لیے بہتر ہوگا۔ لیکن جس نے ایسا نہ کیا۔ وہ جانتے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکے گا۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے اس خط کو تمھارے مجمع عام میں سنا دے اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ خط سننے کے بعد جو لوگ اذان دیں اُن سے ہاتھ روک لیا جائے اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کا اسلام قبول کر لیا جائے۔" [1]

لشکروں کے سرداروں کے لیے تبلیغی نصائح

یہ تبلیغی خطوط تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مرتدین اور مفسدین کے لیے لکھے۔ ان کے علاوہ آپ نے مزید احتیاط کے لیے تمام لشکروں کے سرداروں کے لیے ایک تبلیغی ہدایت نامہ تحریر فرمایا اور اس کی

---

[1] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۲۱۰

[2] سیرۃ ابوبکر صدیق از عمر ابوالنصر صفحہ ۸۴

ایک ایک نقل ہر سردار کو دے دی گئی اور اُن کو تاکید کر دی گئی کہ ان ہدایات پر سختی سے عمل کریں۔ اس عہدنامے کی عبارت یہ تھی :۔

"یہ عہد ابوبکر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور فلاں شخص سے لیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ ان لوگوں سے لڑنے جا رہا ہے جنھوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ فلاں شخص سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ جہاں تک اُس کے امکان میں ہوگا وہ ظاہر اور پوشیدہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا۔ وہ خدا کی راہ میں ہر طرح کوشاں رہے گا۔ ان لوگوں سے خدا کے لیے لڑے گا، جو اسلام کو چھوڑ کر شیطان کے پیرو ہو گئے ہیں۔ البتہ اتمام حجت کے لیے وہ اُن کو پہلے اسلام کی طرف بلائے گا۔ اگر وہ دائرۂ اسلام میں آجائیں گے تو اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ لیکن اگر انکار کریں گے، تو اُن سے اس وقت تک برسرِ جنگ رہے گا، جب تک وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہ کر دیں۔ اگر مرتدین اسلام قبول کر لیں تو اُن تمام حقوق اور فرائض سے انھیں آگاہ کر دے گا جو اُن پر واجب ہوتے ہیں اور جو خلافت کی طرف سے اُن کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ زاں بعد جو فرائض ان کے ذمہ واجب ہوں گے وہ ان کی بجا آوری کا انتظام کرے گا اور جو حقوق اُن کے ہوں گے وہ ادا کرے گا۔ مگر ارتداد کی موجودگی میں اُن سے کسی قسم کی رعایت نہ کرے گا اور نہ اُن سے لڑنے میں پیچھے رہے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا اقرار کرے تو اُس کا یہ اقرار قبول کرلے گا اور ہر ایک نیک کام میں اس کی مدد کرے گا۔ لیکن جو شخص حالتِ ایمان کے بعد پھر اللہ تعالےٰ کے انکار پر کمر باندھ لے گا تو اُس سے لڑے گا۔ البتہ اگر وہ دوبارہ اسلام کی دعوت قبول کر لے گا تو اُس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے دل میں کوئی اور بات پوشیدہ رکھے گا، تو اللہ تعالےٰ اُس سے خود نمٹ لے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دعوت پر کان نہیں دھرے گا اور فساد پھیلائے گا۔ وہ اس کے خلاف برسرِ پیکار ہوگا اور اُس سے اسلام کے سوا اور کچھ قبول نہ کرے گا۔ جو شخص اسلام کی دعوت پر ایمان لے آئے گا، اُس کا یہ اقرار قبول کر لے گا لیکن جو شخص انکار کرے گا، اُس سے لڑے گا اور اگر اللہ تعالےٰ اسے اس مرتد پر فتح عطا فرمائے گا تو وہ اسے تلوار کے ذریعے سے ہلاک کر دے

دے گا جو مالِ غنیمت حاصل ہوگا، اسے خمس نکال کر فوج میں تقسیم کر دے گا اور خمس کو ہمارے پاس بھیج دے گا۔ اس شخص سے اس بات کا بھی عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو عجلت اور فساد سے باز رکھے گا اور کسی اجنبی کو اپنے لشکر میں داخل نہ ہونے دے گا جبکہ وہ اسے ذاتی طور پر پہچانتا ہو۔ اس احتیاط کی موجودگی میں وہ جاسوسوں کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ وہ سفر اور حضر میں مسلمانوں سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرے گا۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھے گا۔ وہ مسلمانوں کو بھی اس بات کی تاکید کرے گا کہ وہ نیک صحبت اختیار کریں اور اپنے ساتھیوں سے نرمی کا برتاؤ کریں۔" [1]

حضرت صدیق رضؓ کے بھیجے ہوئے تمام لشکروں کو زبردست کامیابی ہوئی

ان تمام لشکروں کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ارتداد اور فتنہ و فساد دُور کرنے کے لیے عرب کے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ ہر جگہ باوجود قلت تعداد کے نہایت عظیم الشان کامیابی ہوئی۔ ان لشکروں نے تمام عرب کو روند ڈالا اور ہر مُرتد، ہر دُشمنِ اسلام، ہر معاند اور ہر مدعی نبوت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ کوئی بھی دشمن مقابلے پر نہ ٹھہر سکا اور کوئی بھی فسادی تباہی سے نہ بچ سکا۔ جہاں جہاں یہ فوجیں گئیں، وہاں امن قائم ہوتا گیا اور ہزارہا مرتدین نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور فتنہ و فساد سے باز آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے نہایت قلیل عرصے میں نہایت کثیر فوجوں کو شکست دے کر انھیں دوبارہ مسلمان بنایا اور عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فتنہ و فساد کا جو طوفان بپا تھا، اُسے نہایت حیرت انگیز پامردی کے ساتھ صرف ایک سال کے عرصے میں نیست و نابود کر دیا۔

حضرت صدیق رضؓ کے بھیجے ہُوئے ان لشکروں نے جو جنگی کارنامے انجام دیئے اور جس طرح ہر ہر قبیلے میں جا کر انھیں تبلیغ کی اور دوبارہ انھیں سیدھے راستے پر لگایا، اُس کی پُوری کیفیت اگر بیان کی جائے تو یقیناً ایک کتاب بن جائے۔ لہٰذا طوالت کے خوف سے ہم اُسے چھوڑتے ہیں۔ جن صاحب کو اس موضوع سے دلچسپی ہو اور جو اس مضمون کو تفصیل و تشریح کے ساتھ مطالعہ فرمانا چاہیں، وہ عربی میں طبری اور ابن اثیر اور اُردو میں "خلفائے محمدؐ" اور "سیرت ابوبکر صدیق اکبر" ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] سیرت ابوبکر صدیق رضؓ از: عمر ابوالنصر صفحہ ۴۹ - ۵۰

صدیقی عہد کی فتوحات مرتدین سے فارغ ہونے مفسدین کا قلع قمع کرنے اور مدعیان نبوت کا خاتمہ کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے ایران کی پُرشوکت اور روم کی پرہیبت سلطنتوں کی طرف عنانِ توجہ منعطف کی۔ یہ دونوں عظیم الشان طاقتیں اس وقت کی مہذب دنیا کی مالک بنی بیٹھی تھیں۔ چونکہ عرب سے ان دونوں کی سرحدیں بالکل ملی ہوئی تھیں۔ اس لیے ہر وقت ان کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کب حملہ کر دیں۔ اس لیے سیاسی لحاظ سے ان دونوں کو ختم کر دینے کی ضرورت تھی۔ یا کم از کم اتنا کمزور کر دینے کی کہ وہ مسلمانوں کے لیے کسی خطرے کا موجب نہ رہیں۔

ایران پر حملہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شہنشاہ ایران نے اپنی طاقت اور شوکت کے زعم میں خُدا کے مقدس رسولؐ کا تبلیغی خط نہایت حقارت کے ساتھ ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیا تھا۔ اس لیے خدا کی نظر میں وہ پورے طور پر اس امر کا مستحق ہو گیا تھا کہ اسی طرح اُس کی سلطنت بھی پارہ پارہ کر دی جائے۔

پھر کسرائے ایران نے ایک حرکت یہ بھی کی تھی کہ نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کے صدر حضور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کے لیے احکام صادر کیے۔ چنانچہ اس کے آدمی حضور علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے مدینہ آئے۔ پس ضرورت تھی کہ اُسے اُس کی بد اعمالی و سرکشی، غرور و تمرد اور گستاخی و بے ادبی کی قرار واقعی سزا دی جائے۔ کیونکہ اس کی یہ حرکت مسلمانوں کے خلاف کُھلا اعلانِ جنگ تھا۔ مسلمان ہر چیز کو برداشت کر سکتے تھے۔ مگر اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہتک کو نہ برداشت کر سکتے تھے اور نہ اسے معاف کر سکتے تھے۔

رومی شہنشاہ بھی مسلمانوں کا کچھ کم دشمن نہ تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد حارث بن عمیر کو شرحبیل بن عمرو والی بلقاء نے راستہ میں سے جاتے ہوئے پکڑ کر قتل کر ڈالا، تو اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو تین ہزار کا لشکر دے کر شرحبیل کے خلاف روانہ کیا۔ جس پر قیصر روم نے بے شمار فوج کے ساتھ شرحبیل کی مدد کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔[1]

اس کے بعد قیصرِ روم نے زبردست تیاریوں کے ساتھ عرب پر حملے کا ارادہ کیا اور فوج کا دل بڑھانے کے لیے ہر سپاہی کو ایک ایک سال کی تنخواہ بھی پیشگی ادا کر دی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ مسلمان نہایت ہوشیار اور چوکس ہیں ہیں، اُسے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔[2]

جب عرب میں ارتداد کا طوفان برپا ہوا، تو سرحد پر آباد عربی قبائل کو قیصرِ روم نے مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر اُن کو فتنہ و فساد پر آمادہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف باغیوں کی کھلے طور پر اور خفیہ دونوں طرح سے مدد کی۔

---

[1] سیرۃ النبی شبلی۔ جلد اول صفحہ ۴۶۳۔ ۴۶۴

[2] سیرۃ النبی شبلی۔ جلد اول صفحہ ۵۰۹

چنانچہ تاریخ خلافت راشدہ کا مصنف صاف طور پر لکھتا ہے "اس کھلی امداد کے علاوہ جو باغیان عرب کو دی گئی۔ ایرانیوں اور عیسائیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں نے سرزمین عرب میں بغاوت پھیلانے میں بہت بڑا کام کیا بالخصوص قیصر کی عیسائی سلطنت ان باتوں میں خوب مشاق تھی۔" [۱]

جب خدا تعالیٰ نے باغیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح دی تو قیصر روم نے اس خیال سے کہ اب کہیں مسلمان مجھ پر حملہ کر کے اپنا بدلہ نہ نکالیں۔ خود ان کے خلاف ایک زبردست لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ جب قیصر کی ان جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ پہنچی، تو حضرت ابوبکرؓ نے اکابر صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے جو تقریر کی، اُس میں فرمایا "آپ لوگوں نے سُن لیا ہے کہ ہرقل ہمارے مقابلے کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طاقت اور جرأت سے کام لینا چاہیئے اور رومیوں سے نبرد آزمائی کے واسطے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوجیں شام روانہ کرنی چاہئیں" [۲]

یہ وجوہ اور اسباب تھے جن کے باعث مسلمان ایران اور روم پر حملہ کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔ عراق کا ملک سلطنت ایران سے تعلق رکھتا تھا اور شام کا ملک قیصر روم کے ماتحت تھا اور ان دونوں ملکوں کی سرحدیں عرب سے ملتی تھیں۔ اس لیے حملے کی ابتدا مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے موافق انہی دونوں ملکوں سے کی لیکن اِس امر کا خاص طور پر خیال رکھا کہ جس شہر پر بھی حملہ کیا، پہلے اُس کے باشندوں کو نہایت صاف اور واضح طور پر اسلام کی تبلیغ کی جنھوں نے اسلام قبول کر لیا، اُن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے جب حضرت ابوبکرؓ کے حکم کی تعمیل میں عراق پر حملہ کیا تو سب سے پہلے ایرانی سرحد کے سپہ سالار ہرمز کو جو تبلیغی خط لکھا، اُس میں فرمایا:

> "تم اسلام لے آؤ۔ امن میں رہو گے۔ لیکن اگر تمھیں یہ بات منظور نہ ہو تو ذمی بن کر ہماری سلطنت میں شامل ہو جاؤ اور ہماری حفاظت میں اپنی زندگی بسر کرو۔ اس صورت میں تمھیں خفیف ٹیکس دینا پڑے گا جو اس حفاظت کا معاوضہ ہوگا، جو ہم تمھاری کریں گے۔ اگر یہ پیش کش تمھیں منظور نہ ہو تو بعد میں پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس صورت میں تم اپنے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرنا۔ کیونکہ ہم اپنے ساتھ ایک ایسی فوج کو لا رہے ہیں جو موت کی اتنی دلدادہ ہے جتنی تم زندگی کے۔" [۳]

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ سلطنت میں عراق کے حسب ذیل شہر اور قصبات فتح ہوئے:۔

---

[۱] تاریخ خلافت راشدہ از محمد علی ایم اے صفحہ ۲۵ [۲] ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۴۵۷

[۳] خلفائے محمد صفحہ ۸۹۔ ابوبکر صدیق اکبر صفحہ ۴۰۲

حفیر۔ اُبلہ۔ ہرمز۔ کاظمہ حصن المرأۃ۔ مذار۔ دلجہ۔ الیس۔ امغیشیا۔ حیرہ۔ بانقیا۔ بسما۔ انبار۔ عین التمر۔ حصید۔ خنافس۔ مصیخ۔ ثنی۔ زمیل۔ رضافہ۔ رعاب اور فراض وغیرہ۔

ملک شام میں بہرا۔ اراک۔ تدمر۔ قریتین۔ حوران۔ قراقر۔ سوی۔ قصم۔ ثنیۃ العقاب۔ مرج الراہط۔ معان۔ اذرعات۔ دومۃ الجندل۔ بصرہ۔ یرموک۔ اردن۔ دمشق اور اجنادین وغیرہ فتح ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا انتقال ہوگیا۔

اسلامی فتوحات اور تبلیغ اسلام کا باہم تعلق

بظاہر فتوحات اور ملک گیری کا تعلق اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت سے کچھ نہیں۔ مگر خلفائے راشدین کے زمانے تک دونوں باتوں کا باہمی تعلق رہا کہ مسلم مجاہدین نے جس ملک۔ جس علاقے اور جس شہر و قریہ پر حملہ کیا تو اس پر قبضہ کرنے اور اسے فتح کرنے سے پہلے اُن لوگوں کو جن پر حملہ کیا گیا، ضرور ضرور اسلام کی تبلیغ کی اور ان کو مسلمان ہونے کے لیے کہا۔ اگر اُن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر وہ ان کے بھائی اور عزیز تھے اور اُن کے تمام حقوق مسلمانوں کے برابر سمجھے جاتے تھے اور کسی قسم کا کوئی فرق کسی عربی۔ یا ایرانی یا رومی میں نہیں کیا جاتا تھا۔

فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کی اشاعت اس طرح بھی بکثرت ہوئی کہ عراق اور شام کے جن جن شہروں کو صحابہؓ نے فتح کیا۔ وہاں انھوں نے ان شہروں کے باشندوں کے سامنے اخلاق اور انسانیت کے ایسے عمدہ نمونے دکھائے جس سے ایرانی اور رومی بے حد متاثر ہوئے اور اس کے نتیجے میں انھوں نے نہایت خوشی کے ساتھ اور بغیر کسی جبر یا کسی بیرونی تحریک کے خود ہی اسلام قبول کر لیا اور برابر قبول کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ پورے کا پورا ملک مسلمان ہوگیا اور مجوسی اور عیسائی ان ممالک میں آٹے میں نمک کے برابر رہ گئے۔ اپنے اعمال حسنہ کا نمونہ دکھا کر مسلمانوں نے اس حقیقت کو نہایت واضح طور پر ثابت کر دیا کہ عمل اور کردار۔ وعظ و نصیحت اور تبلیغ سے بہت زیادہ مؤثر ہتھیار ہے۔ صحابہؓ ہی کے عہد میں نہیں، بعد کے ایام میں بھی جب کبھی مسلمان مبلغین نے اس نسخے کو استعمال کیا ہمیشہ سو فیصدی مؤثر پایا۔ اس اصل کے ماتحت عراق اور ایران کے جو جو شہر حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں صحابہؓ نے فتح کیے اُن سب میں اسلام پھیل گیا اور وہاں کے باشندے نہایت کثرت کے ساتھ مسلمان ہونے لگے۔ یہاں تک کہ آخر کار ان تمام شہروں نے اسلام قبول کر لیا۔ دیکھ لو فارس کا تمام ملک جو مجوسی تھا، ایک دن آیا کہ پورے کا پورا اسلام لے آیا اور مجوسی وہاں خال خال رہ گئے۔ آج سارا ایران مسلمان ہے۔ یہی حال شام کا ہوا۔

یہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ حکومت میں اشاعتِ اسلام کا مختصر تذکرہ۔

لہ اس امر میں کافی اختلاف ہے کہ اجنادین حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا یا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں۔

فصل دوم

۲۔ حضرت عمرؓ کا دورِ سلطنت

حضرت عمرؓ اشاعتِ اسلام میں جبر اور زور کے خلاف تھے

حضرت عُمر فاروق رضؓ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے جتنا شان دار تھا۔ اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے بھی اُتنا ہی اہم ہے۔ اُن کے زمانے میں جو جو ملک فتح ہوتے گئے وہاں اسلام بھی سرعت کے ساتھ پھیلتا رہا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طاقت و قوت کے گھمنڈ اور حکومت و سلطنت کے زور پر اسلامی فوجوں نے مفتوحہ ممالک میں جبر اور سختی کے ساتھ لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔ نہ خود حضرت عمرؓ کا ایسا خیال تھا، نہ انھوں نے اپنے سپہ سالاروں کو کبھی ایسا حکم دیا۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عُمرؓ اِس بات کے سخت خلاف تھے کہ کسی شخص پر اسلام لانے کے لیے جبر کیا جائے۔ ان کا ایک غیر مسلم غلام تھا جسے وہ ہمیشہ اسلام کی تبلیغ کرتے اور مسلمان ہو جانے کی ترغیب دیتے۔ مگر وہ ہمیشہ انکار کرتا جس پر حضرت عمرؓ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ "لا اکراہ فی الدین" [۱]

یہ تو ہُوا ذاتی معاملہ۔ باقی خلافت اور امارت کے سلسلے میں غیر قوموں سے ان کی اطاعت یا صلح کے وقت جو معاہدے حضرت عمرؓ کرتے تھے ان میں صاف طور پر یہ الفاظ ہوتے تھے کہ "رعایا میں سے کسی شخص کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جائے گا"۔ چنانچہ بیت المقدس کے باشندوں سے جو صلح کا معاہدہ حضرت عمرؓ نے وہاں جا کر بذاتِ خود کیا۔ میں اُس کے ابتدائی فقرے اپنے دعوے کے ثبوت میں یہاں پیش کرتا ہوں:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھٰذا ما اعطی عبداللہ عمر امیر المومنین اھلَ ایلیا من الامان اَعطاھُم امانًا لانفسھم واموالھم ولکنائسھم وصلبانھم وسقیمھا وبریٔھا وسائر ملتھا انہ لا یسکن کنائسھم ولا تھدم ولا ینتقض منھا ولا من خیرھا ولا من صلبھم ولا من شیٔ من اموالھم ولا یکرھون علی دینھم ولا یضار احدٌ منھم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ [۲]

(یعنی میں عمرؓ ابن الخطاب خدا کا غلام اور مسلمانوں کا امیر یہ صلح نامہ اہل ایلیاء (بیت المقدس) کے لیے منظور کرتا ہوں۔ میں امان دیتا ہوں ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو۔ میں امان دیتا ہوں اُن کے گرجاؤں اور ان

---

[۱] کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

[۲] تاریخ طبری ذکر فتح بیت المقدس۔

کی صلیبوں کو اور اُن کے تندرستوں اور اُن کے بیماروں کو۔ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ مسلمان نہ اُن کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کریں گے۔ نہ اُن کو مسمار کریں گے۔ نہ اُن کی متعلقہ اشیاء، ان کے احاطوں اور ان کی وقف شدہ زمینوں کو کسی نوع کا نقصان پہنچائیں گے۔ جو مال و اسباب گرجاؤں میں ہوگا، نہ اُسے اپنے تصرف میں لائیں گے۔ نہ کسی شخص کا کوئی مال اُس سے چھینا جائے گا۔ نہ کسی آدمی پر مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا جبر کیا جائے گا۔ نہ اُن میں سے کسی شخص کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ ......" آخر میں لکھا تھا۔

شہد علیٰ ذالک خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف ومعاویۃ بن ابی سفیان وکتب وحضرۃ سنۃ ۱۵ھ

یعنی اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور ۱۵ھ ہجری میں لکھا گیا۔)[1]

فاروقی فتوحات کی وسعت

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو فتوحات ہوئیں، ان کا حدود اربعہ مصر کا وزیر تعلیم محمد حسین ہیکل اپنی کتاب عمر فاروق اعظم میں اس طرح بیان کرتا ہے :-

"حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانے میں اسلامی سلطنت کی جو بساط بچھائی تھی، وہ حضرت فاروقؓ کے عہد میں مشرق میں حدود چین سے لے کر مغرب میں برقہ سے آگے تک اور شمال میں بحر قزوین سے لے کر جنوب میں بلاد نوبہ تک وسیع ہوگئی۔ ایران۔ عراق۔ شام اور مصر کو اس سلطنت نے اپنی آغوش میں لے لیا اور تمام بلاد عرب اس میں سما گئے۔"[2]

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی فتوحات فاروقی کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تفاصیل اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

"حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲ لاکھ ۵۱ ہزار ۳۰ مربع میل تھا جس میں شام۔ مصر۔ عراق عرب۔ الجزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیا۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور مکران کے علاقے آجاتے ہیں۔ بلوچستان کا بھی کچھ حصہ شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جسے اہل عرب "روم" کہتے ہیں ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا۔ یہ تمام فتوحات حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی ہیں اور ان کی مدت دس

---

[1] الفاروق حصہ سوم صفحہ ۱۲۱-۱۲۲۔ دعوت اسلام آرنلڈ صفحہ ۱۷۔ عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل صفحہ ۲۹۹

[2] عمر فاروق اعظم صفحہ ۷۴۹

برس سے کچھ زیادہ ہے[1]

مختلف ممالک کے ان شہروں کی تعداد جو حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوئے۔ مورخین نے مع توابع و لواحق کے ایک ہزار چھتیس لکھی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کے زمانے میں مختلف ملکوں کے بڑے بڑے شہروں میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں[2]

مفتوحہ ممالک میں اسلام کی اشاعت فاروقی فتوحات کی تفاصیل بیان کرنے سے میرا مطلب یہاں یہ ہے کہ جو جو شہر اور جو جو ملک حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوئے، وہاں بکثرت اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یعنی حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان تمام علاقوں اور تمام ممالک میں اسلام پھیل گیا، جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں اشاعتِ اسلام کے اسباب

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے ان میں اسلام کی اشاعت کے کیا اسباب ہوئے؟ اور وہ کیا وجوہ تھیں جن کے باعث ان ممالک کے مجوسی۔ عیسائی۔ یہودی اور بت پرست جلد جلد مسلمان ہو گئے؟ اس اہم موضوع کے متعلق مصر کے فاضل مورخ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "عمر فاروق اعظم" میں جن قابل قدر خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا بہت ہی مختصر خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان افواج نے جن جن ملکوں کو فتح کیا۔ وہاں اسلام کا نیا پیغام غور و فکر کا موضوع بن گیا اور اس پیغام پر اولین ایمان لانے والے عربوں کی کامیابی اس امر کی دلیل ہو گئی کہ روحانی اور اجتماعی نظام حیات کی حیثیت سے یہ پیغام ایک تعمیری پیغام ہے۔

اس وقت جن ملکوں پر مسلمان حملہ آور ہوئے وہاں کے حالات نے اسلامی فکر کو ہر زبان اور ہر مجلس کا موضوعِ گفتگو بنا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس روحانی اساس پر یہ فکر مبنی تھی وہ بالکل صاف اور سادہ اور ہر اُلجھاؤ سے پاک تھی اور وہ اخلاقی نظام جو اس بنیاد پر قائم کیا گیا تھا، اتنا شاندار تھا کہ اس کی رونق نگاہوں اور دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اس کے علاوہ اسلام کا اجتماعی نظام بھی اپنی سادگی اور عمدگی کے لحاظ سے اس کے اخلاقی نظام اور اس کی روحانی اساس سے کسی طرح کم نہ تھا جب مسلمانوں نے ایران اور عراق پر قبضہ کر لیا اور جب انھوں نے شام اور مصر کو فتح کر لیا، تو ان تمام ممالک کے باشندوں کو چار و ناچار اس

[1] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲ و ۳

[2] عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام صفحہ ۴۲ بحوالہ روضۃ الاحباب

روحانی پیغام کے متعلق سوچنا پڑا جو مسلمان مجاہدین ہر قوم اور ہر ملک کے سامنے وضاحت اور تفصیل سے پیش کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اس وقت مسیحی اور مجوسی فرقوں کا اختلاف اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا جس کی وجہ سے اکثر مقامات پر لوگ طرح طرح کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے۔ یہ مظالم ایک فریق کے مذہبی عقیدے کو ڈگمگا کر اُسے اپنی راہ سے بھٹکا رہے تھے اور دوسرے فریق کے مذہبی تعصب کو بھڑکا کر اس میں اپنے عقیدے کے لیے زیادہ ایثار اور زیادہ قربانی کا جذبہ تیز کر رہے تھے۔ یہ دوسرا محرک تھا جو لوگوں کو نئے دین اور اس کی تعلیمات پر غور و فکر کی دعوت دے رہا تھا۔

مسلمان فوجی یا سپہ سالار فتح و ظفر کا پرچم اڑاتے ہوئے جس ملک میں بھی جاتے، وہاں کے کسی فرد کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انھوں نے عقیدے کی آزادی کو اپنی دعوت کی بنیاد بنا لیا تھا۔ اس بات کا قرار واقعی اثر اُن لوگوں پر بھی پڑا، جو اپنے مذہب سے چمٹے ہوئے تھے اور وہ لوگ بھی مسلمانوں کے اس طرزِ عمل سے پورے طور پر متاثر ہوئے جو اپنے عقیدے میں متزلزل ہو رہے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متذکرہ بالا دونوں گروہوں کے افراد اس نئے دین اور اس کے پرستاروں کو ایسی نظر سے دیکھنے لگے جس میں نہ نفرت تھی اور نہ عداوت۔

وہ تمام معاہدے اور صلح نامے جو مسلمانوں نے عراق۔ ایران۔ شام اور مصر کے باشندوں سے کیے، اُن میں یہ شرائط بطورِ خاص رکھی گئیں کہ نہ کوئی شخص اپنے قدیم اور آبائی مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا جائے گا اور نہ کسی قوم و مذہب کی عبادت گاہ کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ اِن حالات میں یہ بالکل فطری امر تھا کہ مفتوحہ ممالک کے باشندے نئے دین کو خاص قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان فاتحین کی دل سے تعظیم و تکریم کرتے، جنھوں نے عدل و مساوات پر اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی اور جبر و زور سے اپنے مذہب کو پھیلانا نہیں چاہا۔

مفتوحہ ممالک کے باشندوں نے نئے دین اور اس کی تعلیمات پر زیادہ غور و فکر اس لیے بھی کیا کہ مذہبی آزادی عطا کرنے والوں معاہدوں میں مسلمان ہونے اور نہ ہونے والوں کے درمیان فرق اور امتیاز کیا گیا تھا۔ یعنی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنے والوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی جان اور مال اور اپنی آزادی کی حفاظت و حمایت کے بدلے فاتحین کو جزیہ[1] ادا کریں گے۔ لیکن اسلام

---

[1] جہاد کی مانند جزیے کو بھی اسلام کے مخالفین نے ایک ہوّا بنا رکھا ہے اور وہ اسے نہایت بھیانک شکل میں پیش کرتے ہیں گویا جزیہ غیر مسلموں کے لیے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔ بہت بڑا ظلم اور ناروا زبردست

باقی اگلے صفحہ پر

قبول کرنے کی حالت میں وہ جزیے سے بری ہو جاتے تھے اور وہ مرتبے اور عزت میں وہ فاتحین اسلام کے بالکل برابر ہو جاتے تھے۔ جو مسلمانوں کا حق وہ ان کا حق اور جو مسلمانوں کا فرض وہ ان کا فرض ہوتا تھا۔ اُن کی مسلمانوں سے رشتہ داریاں ہو گئی تھیں اور وہ لڑائیوں میں مسلمانوں کے ساتھ رہ کر مالِ غنیمت حاصل کرتے تھے۔

نو مسلموں کی اس کثرت اور فاتحین کے اس مساویانہ سلوک کو دیکھ کر دوسرے لوگوں میں بھی نئے دین کے متعلق غور و فکر کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ اُن میں سے جس جس نے اس کے اصول اور نظام کو سمجھ لیا وہ بے اختیار اس کے دائرہ ایمان و اطاعت میں داخل ہو گیا۔

اسلام نے عقیدے کی آزادی اور دین کے معاملے میں زبردستی نہ کرنے کا جو اصول بنایا تھا اس کی وجہ سے عراق و ایران اور شام و مصر کے اکثر لوگوں نے نئے دین پر غور و فکر کیا اور بالآخر اس میں برضا و رغبت فوج در فوج داخل ہو گئے۔

اگر مسلمان مفتوحہ قوموں کو اسلام پر مجبور کرتے تو اس سے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچتا بلکہ مفتوحہ ممالک کی زمین ان کا وجود برداشت نہ کرتی اور وہاں کے باشندوں میں ان کے خلاف بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اپنی حکومت کے لیے جبر و استبداد کے سوا کوئی بنیاد نہ ملتی اور جو حکومت جبر و استبداد پر قائم کی جاتی ہے اُسے بالعموم بہت جلد زوال ہو جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ٹیکس تھا جس کی ادائیگی غیر مسلم رعایا بہت ہی تکلیف اور مصیبت کے ساتھ کرتی تھی اور یہ کہ غیر مسلموں سے یہ ٹیکس بڑی ذلت اور سختی سے وصول کیا جاتا تھا اور کسی حالت میں بھی معاف نہ ہوتا تھا۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ ثبوت میں ایک منصف مزاج انگریز کا بیان پڑھیے جو نہایت صفائی اور آزادی کے ساتھ جزیے کی مقدار اور اس کی تفاصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

جزیہ کی شرح عوام سے ۴۸ درم سالانہ تھی (ایک درم تین آنے ۴ پائی کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ۴۸ درم کے پانچ روپے سالانہ ہوتے) جن لوگوں کی آمدنی کم ہوتی تھی جیسے مزدور اور کسان وغیرہ ان سے ۱۲ درم (یعنی ڈھائی روپے) سالانہ لیے جاتے تھے۔ لوگوں کو اختیار تھا کہ جزیہ کی رقم خواہ نقدی یا جنس کی شکل میں ادا کریں۔ جزیہ صرف تندرست مردوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ عورتیں۔ بچے۔ بہت بوڑھے۔ نہایت غریب۔ اندھے۔ لنگڑے۔ لولے۔ دیوانے اور لاعلاج مریض جزیے سے مستثنیٰ تھے۔ پادریوں۔ راہبوں اور عبادت گاہوں کے خادموں اور محافظوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ وصول کرنے والوں کو خاص طور سے ہدایت تھی کہ جزیہ وصول نہ ہونے کی صورت میں کسی پر سختی اور تشدد نہ کریں اور نہ اسے اس جرم میں کوئی جسمانی سزا دیں۔ جزیہ حفاظت کا معاوضہ تھا۔ اگر کسی موقع پر مسلمان اپنی غیر مسلم رعایا کی حفاظت سے قاصر رہتے تو بلا تامل جزیے کی رقم واپس کر دیتے۔ (دعوت اسلام از آرنلڈ صـ۶۷)

آرنلڈ یہ بھی لکھتا ہے کہ بعض لوگ ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جزیہ عیسائیوں پر اس جرم کی پاداش میں عائد کیا گیا تھا کہ انھوں نے کیوں اسلام قبول نہ کیا؟ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ جزیہ اس حفاظت کا معاوضہ تھا جو مسلمان عیسائیوں کی کرتے تھے چنانچہ جب حیرہ کے باشندوں نے اپنے جزیہ کی رقم ادا کی تو صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ رقم ہم نے اس شرط پر دی ہے کہ مسلمان ہماری حفاظت اُن لوگوں سے کریں جو ہمیں ستائیں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کوئی اور۔ (دعوت اسلام آرنلڈ صـ۵۶)

اس کے برعکس لوگ جب کسی عقیدے کو قبول کرکے آزادی اور رضامندی کے ساتھ اس کے حلقۂ اثر میں داخل ہوجاتے ہیں تو یہ عقیدہ ان کی زندگی کا ایک جزو بن جاتا ہے اور ان کے دلوں میں تقدس کا ایک ایسا مقام حاصل کرلیتا ہے کہ وہ اس کے لیے سینہ سپر ہوجاتے ہیں اور اس کی راہ میں جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ صدر اوّل کے مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت کے دوران میں جو یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے عقیدے میں آزاد ہے اور دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ وہ تمام تر نہایت درجہ حکمت پر مبنی تھا اور اسی اصول نے اسلامی سلطنت کو وسعت اور عظمت بخشی۔

مسلمانوں نے مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو مذہبی معاملات میں آزادی کی جو ضمانت دی۔ وہ بھی اس امر کا ایک سبب تھا جس نے ایران و روم وغیرہ کو اسلام اور عربی زبان قبول کرنے پر آمادہ کیا لیکن غیر قوموں کے مسلمان ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام نے رنگ و نسل اور زبان اور رواج کے اختلاف کے باوجود مسلمانوں میں مساوات کے اصول کو سختی کے ساتھ قائم کردیا تھا اور یہ قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ پرہیزگاری کے سوا کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نیز یہ کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تا اس اخوت۔ اس حریت اور اس مساوات نے مل کر ایک ایسی فضا پیدا کردی جس نے سلطنت میں وحدت کی قوت کو دوچند کردیا اور اس کے سائے میں سلطنت کے ایک ایک جزو کی سرگرمی تیز سے تیز تر ہوگئی۔[1]

عہدِ فاروقی میں اشاعتِ اسلام کے واقعات

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کی بکثرت اشاعت کے اسباب پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد ہم یہاں بعض وہ واقعات بیان کریں گے جو خاص طور پر دورِ فاروقی سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا عہد اسلام کی اشاعت و ترویج کے لحاظ سے کس قدر عظیم بالشان تھا۔ یہ واقعات ہم نے مختلف اسلامی تاریخوں سے اخذ کرکے ایک جگہ جمع کیے ہیں۔ ہمارے قدیم عربی مؤرخوں نے کوئی کوشش اس امر کی نہیں کی کہ ہر خلیفہ اور ہر مسلمان فرمانروا کے عہد میں اشاعتِ اسلام کے متعلق جو سرکاری یا غیر سرکاری جدوجہد کی گئی ہو اس کی کیفیت بیان کریں۔ اس صورت میں ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار اس کے سوا نہ تھا کہ مختلف تاریخوں اور سوانح عمریوں کی ورق گردانی کے بعد جہاں سے جو کم یا زیادہ مواد اشاعت اسلام کے متعلق مل سکے سب کو ایک جگہ جمع کردیا جائے اور یہی ہم نے کیا۔ یقیناً اس کوشش میں بعض واقعات ہماری نظر سے رہ گئے ہوں گے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ اہم اور موٹے موٹے تبلیغی واقعات سارے اس مضمون میں آگئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے تبلیغی احکام

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ کسی لشکر کو مخالفوں کے مقابلے میں روانہ فرماتے

[1] خلاصہ بیان محمد حسین ہیکل مندرجہ "عمر فاروق اعظم" از صفحہ ۷۹۱ تا ۷۹۲

تو اس کے سردار کو خاص طور پر تاکید کرتے کہ لڑنے سے پہلے ان کے سامنے اسلام پیش کرو۔ اس سنت کو حضرت عمرؓ نے بھی اپنے تمام زمانۂ حکومت میں پورے طور پر قائم رکھا۔ چنانچہ جب بھی آپ کسی ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تو نہ صرف روانگی کے وقت بلکہ دوران جنگ میں بھی بار بار سرداران فوج کو تحریری ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے کہ خبردار بغیر اتمام حجت کے ان پر تلوار مت چلانا۔ پہلے اچھی طرح ان کو اسلام کی تبلیغ کرنا۔ اسلامی عقائد اور ان کے اصول ان کو کھول کر بتانا اور ان کو توحید اور رسالت کی طرف بلانا۔ اگر وہ کسی طرح بھی نہ مانیں اور خدائی پیغام کو قبول نہ کریں تو پھر مجبوراً ان سے جنگ کرنا۔ اس قسم کی ہدایتیں حضرت عمرؓ نے ہر موقع پر ہر سپہ سالار کو دیں اور ہر سپہ سالار نے پورے طور پر ان احکام کی تعمیل کی اور ہر ممکن طور پر اپنے مخالفین کو اسلام کی تبلیغ کی۔

شہنشاہ ایران کے دربار میں اسلام کی تبلیغ حضرت عمرؓ کے ان تبلیغی احکام کا نہایت شاندار مظاہرہ اس وقت ہوا جب یزدجرد شہنشاہ ایران نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکرِ عظیم فارس کے مشہور بہادر رستم کے زیر کمان مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کے لیے قادسیہ بھیجا۔ یہاں اسلامی فوج کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس صرف تیس ہزار فوج تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کا صرف تیس ہزار آدمی کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ انھوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں خط لکھا اور صورتِ واقعہ بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ پر توکل کرو اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرو۔ پہلے اپنے لشکر کے چند ہوش مند۔ ذی علم اور قابل آدمیوں کو بطور وفد ان کے بادشاہ کے پاس بھیجو۔ جو جا کر اسے اسلام کی تبلیغ کریں اور ہر ممکن طور پر اُسے حقانیت اور سچائی کی طرف بلائیں اگر وہ کسی طرح بھی نہ مانے تو پھر مجبوراً تلوار اٹھائیں مگر پہل نہ کریں۔

جب یہ خط حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچا تو انھوں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اپنے لشکر میں سے چودہ نامور سردار اس کام کے لیے منتخب کیے جو مختلف اوصاف کے لحاظ سے تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے وفد کے ارکان کی تفصیل علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق کے حصۂ دوم میں اس طرح لکھی ہے:۔

(۱) عطارد بن حاجب (۲) اشعث بن قیس (۳) حارث بن حسان (۴) عاصم بن عمرو (۵) عمرو بن معدی کرب (۶) مغیرہ بن شعبہ (۷) مثنیٰ بن حارثہ یہ لوگ ڈیل ڈول۔ قد و قامت۔ وجاہت اور رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں خاص شہرت کے مالک تھے (۸) نعمان بن مقرن (۹) بسر بن ابی رہم (۱۰) حملہ بن جویہ (۱۱) حنظلہ بن الربیع التمیمی۔ (۱۲) فرات بن حیان العجلی (۱۳) عدی بن سہیل اور (۱۴) مغیرہ بن زرارہ۔ یہ سات اشخاص عقل و تدبیر حزم و احتیاط اور اصابت رائے میں نہایت نمایاں حیثیت کے مالک تھے

یہ مبلغین اسلام قادسیہ سے چل کر مدائن پہنچے جو اس وقت سلطنت ایران کا پایہ تخت تھا راستے میں جدھر سے یہ لوگ گذرتے تھے تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ اگرچہ ان لوگوں کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور

ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھے۔ مگر ان کے چہروں سے بلاکی بیباکی اور دلیری ٹپک رہی تھی جس کا نہایت گہرا اثر تماشائیوں پر پڑ رہا تھا۔

یزدجرد شہنشاہ ایران کو جب ان مبلغین اسلام کے آنے کی اطلاع ہوئی اور اس سے کہا گیا کہ اسلامی فوج کے یہ چیدہ بہادر خلیفۂ عرب کا پیغام آپ کی خدمت میں لائے ہیں تو اس نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنا دربار سجایا اور ان کو باریابی کی اجازت دی۔

قبائل کے یہ معزز اور منتخب سردار جُبّے پہنے یمنی چادریں کندھوں پر ڈالے مضبوط کوڑے ہاتھوں میں لیے اور چمڑے کے موزے پاؤں میں چڑھائے ہوئے اس شان اور وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے کہ نہ صرف امرائے سلطنت کے دلوں پر ایک ہیبت طاری ہو گئی بلکہ خود یزدجرد بھی مرعوب ہو گیا۔ مگر دربار کی شان و شوکت کا ان عربی سرداروں کے دلوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور نہ وہ اس طمطراق سے کچھ مرعوب ہوئے۔ بلکہ ان کے چہروں سے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اس شان و شوکت کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

بادشاہ نے وفد کے اراکین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد یزدجرد اسلامی وفد کے قائد نعمان بن مقرن کی طرف متوجہ ہوا اور ترجمان کے ذریعے ان سے دریافت کیا کہ آپ لوگ اپنا ملک چھوڑ کر میرے ملک میں کیوں آئے ہیں؟ اور میرے پاس آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے؟

یزدجرد کے اس سوال پر نعمان بن مقرن کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا:۔

"اے بادشاہ اس بات کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہم لوگ سخت وحشی اور نہایت جاہل تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر اپنا فضل کیا اور ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنا ایک رسول ہم میں مبعوث کیا جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ نیکی کے کاموں کی طرف بلایا اور بدی کی راہوں سے بچنے کی تلقین کی۔ اس رسول نے ہمیں اس امر کا یقین دلایا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے تو ہمارا دین بھی سنور جائے گا اور ہماری دنیا بھی درست ہو جائے گی اور ہم ہر دو عالم میں کامران اور کامیاب ہو جائیں گے۔

ہم نے اس کی دعوت قبول کی اور اس کے حضور میں سر اطاعت جھکا دیا جس پر اس نبی برحق نے ہمیں حکم دیا کہ تم اس دعوت کو اپنی ہمسایہ قوموں تک بھی پہنچاؤ اور انھیں بتلاؤ کہ اسلام میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ یہ حق کو حق کی شکل میں اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس لیے اپنے پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں اپنے موجودہ خلیفہ کے ارشاد کے ماتحت ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اگر آپ نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا اور خدا کی وحدانیت اور ہمارے رسول کی رسالت پر ایمان لے آئے تو پھر ہم آپ سے مطلق تعرض نہ کریں گے اللہ کی کتاب آپ کے حوالے کریں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے جس کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ قرآنی احکام کی تعمیل کریں

اور توحید کی اشاعت میں کوشش فرمائیں۔

لیکن اگر آپ نے ہماری دعوت کو قبول نہ کیا اور اسلام نہ لائے تو پھر ایک شکل ہم آپ کے سامنے یہ رکھتے ہیں کہ آپ ہماری امان میں آجائیں۔ ہمارے دشمنوں سے قطع تعلق کریں۔ ہمارے خلاف ہر معاندانہ کارروائی سے باز رہیں۔ اس صورت میں بھی ہم آپ سے معترض نہیں ہوں گے لیکن اگر آپ کو یہ شکل بھی منظور نہیں تو فتنہ و فساد مٹانے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تلوار ہمارا اور آپ کا فیصلہ کر دے۔"

نعمان بن مقرن کی اس تقریر سے یزدجرد نے ترجمان کے ذریعے سنی۔ اسے سخت طیش آیا اور اس نے جواب دیا۔

"اے قوم عرب! اس سے پہلے ساری دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل کوئی اور قوم نہ تھی۔ اگر ہم ایک اونٹ ذبح کر کے تمھیں کھلا دیتے تھے تو تم اسی میں خوش ہو جاتے تھے اور اسی سے تمہارا سارا شور و شغب ختم ہو جایا کرتا تھا اگر تمھاری قوم کبھی ہم سے سرکشی کرتی تھی تو ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے۔ وہ تمھاری خوب اچھی طرح گوشمالی کر دیتے تھے اور تم بالکل ٹھیک ہو جایا کرتے تھے۔ یہ تھی تمھاری پہلی حالت۔ لیکن اب تمھیں یہ دن لگے کہ تم جتھے بنا کر ہمارے ملک پر حملہ آور ہوئے ہو۔ میں تمھیں نیک مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کی ہوس چھوڑ دو اور اپنے گھروں میں جا کر آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تمھیں خواب میں بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ تم ہم پر غالب آسکتے ہو۔ اگر ملک کے دو ایک کمزور مقامات پر تمھیں قبضہ مل گیا ہے تو تم اس سے دھوکا نہ کھانا کہ باقی ملک کو بھی اسی طرح فتح کر لو گے۔ اگر تمھاری روزمرہ کی ضروریات نے لوٹ مار پر تمھیں مجبور کر دیا ہے۔ تو ہمیں اپنے حالات سے مطلع کرو۔ ہم تمھاری ضروریات کا انتظام کر دیں گے اور تم پر ایسا حاکم مقرر کر دینگے جو تم سے نرم برتاؤ کرے گا۔"

بادشاہ کی یہ تقریر سن کر مغیرہ بن زرارہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا:۔

"اے بادشاہ! واقعی ہم ایسے ہی حقیر اور ذلیل تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ہم ایسے وحشی تھے کہ حشرات الارض تک کو چٹ کر جاتے اور ہر قسم کے مردار کو کھا جاتے تھے۔ اُون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین کی پشت ہمارا بچھونا۔ ہم ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور لڑ لڑ کر ختم ہو جاتے تھے ہم اپنی بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے ہماری اس زبوں حالی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک نہایت برگزیدہ رسول پیدا کیا۔ جو حسب و نسب اور اخلاق و عادات میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ شروع شروع میں ہم نے اسے جھٹلایا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے ہمارے دلوں پر اثر کرنا شروع کیا اور آخر ہم نے اسے قبول کر لیا۔ اس نے ہماری کایا پلٹ دی کیونکہ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے فرمان سے کرتا تھا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم دین اسلام کو دنیا کی تمام قوموں کے سامنے پیش کریں۔ جو اسے قبول کرے اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں۔

جو قبول نہ کرے مگر ہماری امان میں آجائے تو ہم پر اس کی حفاظت فرض ہے۔ لیکن جو دونوں باتوں سے انکار کردے اور بدستور مقابلہ پر کھڑا ہے اس کا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ پس آپ کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرکے مسلمان ہوجائیں اور اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیں۔ اگر یہ منظور نہیں تو پھر ہماری امان اور ہماری حمایت میں آجائیں اور ہماری حکومت اور ہماری سیادت کو تسلیم کرلیں۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔"

مغیرہ بن زرارہ کے یہ الفاظ تیر و نشتر بن کر یزدجرد کو لگے اور اس نے غصے سے بیتاب ہوکر کہا:۔

"اگر سفیروں اور پیغامبروں کا قتل روا ہوتا۔ تو تم میں سے ایک شخص بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہ جاسکتا۔ جاؤ مجھے تمھاری پیش کردہ کوئی بات منظور نہیں ہے تم نے اپنے خلیفہ کا پیغام مجھے دیا ہے۔ اس کے جواب میں میرا یہ پیغام اپنے سپہ سالار کو پہنچادینا کہ تمھاری سرکوبی کے لیے میں عنقریب اپنے سپہ سالار رستم کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمھیں اور تمھاری ساری فوج کو قادسیہ کی خندق میں دفن کردے گا۔"

ابھی تک یزدجرد کا غصہ فرو نہیں ہوا تھا۔ اسی حالت میں اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور جب وہ آگیا تو اس نے مسلمان سرداروں سے پوچھا کہ "تم میں سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟"

یہ دیکھ کر عاصم بن عمرو کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے "میں اپنے ساتھیوں میں سب سے معزز ہوں۔"

یزدجرد نے اسی حالتِ غیظ و غضب میں حکم دیا کہ یہ مٹی کا ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ معزز بتاتا ہے۔ اس کے بعد عاصم بن عمرو کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا "لو یہ تحفہ ہے جو میری طرف سے اپنے سپہ سالار کی خدمت میں پیش کردینا۔"

عاصم بن عمرو نے خوشی خوشی مٹی کا ٹوکرا اٹھا لیا اور یہ کہتے ہوئے مع اپنے ساتھیوں کے دربار سے نکل گئے کہ "خود شاہ ایران نے اپنی زمین ہمارے حوالے کردی۔" اور یہی بات انھوں نے قادسیہ واپس پہنچ کر اپنے سپہ سالار سے کہی کہ "ایران کی فتح مبارک ہو۔ دشمن نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی زمین ہمیں دے دی۔"

عربوں کے مقابلے کے لیے شاہ ایران کا حکم اپنے سپہ سالار رستم کے نام

حضرت سعد بن ابی وقاص نے بھی اسے نیک فال سمجھا اور بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد یزدگرد نے اپنے سپہ سالار رستم کو حکم بھیجا کہ عربوں کے مقابلے کے لیے اپنے زبردست لشکر کے ساتھ روانہ ہوجاؤ اور انھیں پیس کر رکھ دو اور ان میں سے کوئی شخص بچ کر نہ جانے پائے[1]۔

رستم کا مقابلے سے جی چرانا

مورخین لکھتے ہیں کہ ایران کا سپہ سالار رستم اگرچہ نہایت بہادر اور بڑا دلیر شخص تھا

---

[1] الفاروق حصہ دوم ص ۷۸-۷۹۔ عمر فاروق از عمر ابوالنصر ص ۱۳۱-۱۳۲۔ عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۸۸-۱۹۰۔ اشاعتِ اسلام از مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۳۳-۱۳۵۔

مگر یزدجرد کے حکم کے باوجود مسلمانوں کے مقابلے پر آنے سے کتراتا تھا۔ وہ نجوم کا عالم اور ہیئت کا ماہر تھا اور اس نے ستاروں کے اثرات کا اچھی طرح معائنہ کر کے معلوم کر رہا تھا کہ ایران کا ستارہ گردش میں ہے[1]۔ اس لیے وہ عمداً لڑائی کو طول دے رہا تھا تاکہ عرب تنگ آ کر واپس چلے جائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان فوجوں کی بہادری اور شجاعت کے جو کارنامے وہ سن چکا تھا۔ ان کی اس کے دل پر اتنی ہیبت اور دہشت بیٹھ گئی تھی کہ وہ مسلمانوں سے لڑ کر اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا نہ چاہتا تھا اس لیے باوجود یزدجرد کی سخت تاکید کے وہ جنگ سے جی چرا رہا تھا اور مختلف حیلے بہانے کر کے لڑائی کو طول دے رہا تھا۔ لیکن اپنی مرضی کے خلاف آخرکار اسے میدان میں نکلنا ہی پڑا۔ جہاں سے وہ زندہ بچ کر نہ جا سکا۔

طلیحہ کی عجیب کارروائی اور ایک بہادر شخص کا قبول اسلام

اسی دوران میں ایک بڑا عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کا انجام ایک بہادر شخص کے قبول اسلام پر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے عمرو بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اسدی اور دوسرے دو تین آدمیوں کو دشمن کی نقل و حرکت اور اس کے ارادوں کا پتہ لگانے کے لیے بطور جاسوس روانہ کیا۔ یہ لوگ جب رستم کی فوج کے قریب پہنچے تو انھوں نے دشمن کی فوج کے اندر داخل ہو کر اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنا نہ چاہا۔ بلکہ باہر سے فوج کا جائزہ لے کر واپسی کا ارادہ کیا اور تو سب لوگ واپسی پر تیار ہو گئے (کیونکہ آگے کا اقدام خطرناک تھا) مگر طلیحہ بن خویلد اسدی نے کہا کہ "میں تو فوج کے اندر گھس کر اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کی اصلی حالت دیکھ کر واپس آؤں گا"۔

ساتھیوں نے ہر چند منع کیا اور خطرات سے ڈرایا۔ مگر طلیحہ نہ مانا اور بے دھڑک اس عظیم الشان لشکر میں تنہا گھس گیا۔

طلیحہ رات بھر رستم کے لشکر میں پھرتا اور حالات معلوم کرتا رہا۔ جب صبح ہونے کے قریب ہوئی تو اس نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر سوچا کہ خالی ہاتھ کیا جاؤں دو ایک گھوڑے ہی ساتھ لیتا جاؤں۔ یہ سوچ کر اور موقع دیکھ کر اس نے دو جگہ سے دو اعلیٰ قسم کے گھوڑے کھولے اور لے کے چلا۔ فوراً ہی لشکر میں اس کی اطلاع ہو گئی اور ایک بہادر شخص نے اس کا تعاقب کیا۔ مگر طلیحہ کی تلوار نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اپنے عزیز ساتھی کو گرتے دیکھ کر ایک دوسرا بہادر آگے بڑھا۔ مگر اسے بھی طلیحہ نے موت کی ابدی نیند سلا دیا۔ اب ایک تیسرا شخص مقابلے پر آیا۔ مگر اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ دشمن اس سے بہت زیادہ قوی ہے اور وہ اس پر فتح پانے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس لیے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے اس نے طلیحہ سے امن کی درخواست

---

[1] رستم سپہ سالار ایران کی نجوم سے واقفیت پر محمد حسین ہیکل نے لمبی بحث کی ہے اور اس کو نجوم کا عالم بتایا ہے اور اس وقت کے ایرانیوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نجوم پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "عمر فاروق اعظم" صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۳

کی۔ جو طلیحہ نے قبول کی۔ ایک گھوڑے پر اسے بٹھایا۔ دوسرے پر آپ بیٹھا اور لڑتا بھڑتا لشکر سے بحفاظت نکل آیا۔
حضرت سعد کی خدمت میں پہنچ کر طلیحہ نے گھوڑے اور قیدی کو ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور لشکر کی تباہی کا جو حال رات بھر میں دیکھا تھا وہ سب بیان کر دیا۔

حضرت سعد نے قیدی سے اس کی کیفیت پوچھی تو اس نے کہا میں نے بچپن سے فوجی زندگی گذاری ہے بڑے بڑے سورماؤں کو لڑتے دیکھا ہے۔ بہت سے بہادروں کے شجاعانہ کارنامے لوگوں سے سنے ہیں۔ مگر طلیحہ جیسا دلیر آدمی میں نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ چھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک نہایت عظیم الشان لشکر میں جس کی کمان رستم جیسے زبردست سپہ سالار کے ہاتھ میں ہو۔ تن تنہا داخل ہو جانا اور پھر وہاں سے مع مالِ غنیمت کے لوٹتے بھڑتے صحیح سالم نکل آنا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ جب تک خاص طور پر آدمی بہادر اور شجاع نہ ہو۔ اس وقت تک ایسی دلیری کی جرأت ہرگز نہیں کر سکتا۔ ہمارے جن دو بہادروں کو انھوں نے آن کی آن میں قتل کر ڈالا ان میں سے ہر شخص ہم میں ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ یہی حشر میرا بھی ہوتا اگر میں ان کی اطاعت قبول نہ کر لیتا۔ اس کے بعد یہ شخص اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے مسلمان ہو گیا اور حضرت سعد نے اس کا نام مسلم رکھا۔ بعد کی تمام جنگوں میں یہ طلیحہ کے ساتھ رہا اور نہایت شجاعت کے ساتھ لڑتا رہا۔[1]

(ناظرین کو یاد ہو گا۔ یہ طلیحہ بن خویلد اسدی وہی شخص ہے جس نے دورِ صدیقی میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور بعد میں تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا)۔

رستم کے تبلیغی مذاکرات مسلمانوں سے

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ رستم مسلمانوں سے لڑنا نہ چاہتا تھا اور طرح طرح کے حیلے بہانوں سے جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اسی لیے جب وہ یزدجرد کے اصرار سے ایک فوجِ کثیر کے ساتھ پایۂ تخت مدائن سے نکلا تو جگہ جگہ ٹھہرتا ہوا۔ بہت ہی آہستہ آہستہ قادسیہ کو روانہ ہوا جہاں اس وقت مسلمانوں کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے یہ تیس چالیس میل کا فاصلہ ایک سو بیس دن میں طے کیا۔ محمد حسین ہیکل لکھتا ہے:۔

"رستم مدائن سے رخصت ہونے کے چار ماہ بعد قادسیہ پہنچا۔ یہ سست رفتاری اس نے اس لیے اختیار کی کہ مسلمان روزمرہ کی ضروریات اور غذا کی قلت سے تنگ آ کر واپس چلے جائیں یا غیر ملک میں اپنے طویل قیام سے گھبرا کر واپس ہو جائیں۔ وہ اس لیے بھی مسلمانوں کے مقابلے سے ہچکچا رہا تھا کہ اس نے ستاروں کی روشنی میں آسمان پر لکھے ہوئے اپنے ملک کے انجام کو پڑھ لیا تھا۔ اس لیے اس کا دل کسی طرح بھی نہ چاہتا تھا کہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں

---

[1] "عمر فاروق اعظم" مؤلفہ محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۹۸ "اشاعت اسلام" تالیف مولانا حبیب الرحمٰن صدر مدرس دار العلوم دیوبند ص ۱۳۸

کے مقابل پر نکلے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر مدائن میں بیٹھ کر تھوڑی تھوڑی فوجیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے قادسیہ بھیجی جائیں تو اس طرح آہستہ آہستہ ان کی طاقت کمزور اور ان کی ہمت پست ہو جائے گی اور وہ ملک چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ مگر یزدجرد کے مسلسل اور تاکیدی احکام کی تعمیل میں اسے مدائن سے نکل کر قادسیہ جانا پڑا۔[۱] (اس عرصے میں حضرت سعد نے اس لیے پیش قدمی نہ کی کہ ان کو لڑائی میں پہل کی اجازت نہ تھی اور حضرت عمرؓ کی ان کو اس باب میں خاص ہدایت تھی۔[۲]

۱۔ امیر زہرہ کی رستم کو تبلیغ فوج اسلام کے مقدمۃ الجیش کا امیر حضرت سعد نے زہرہ کو مقرر کیا تھا۔ قادسیہ پہنچ کر رستم نے زہرہ کو بلایا اور ان سے کہا "ہمارا اور عربوں کا تعلق عرصہ دراز سے قائم ہے۔ ہم نے تمہاری ہمیشہ مدد کی ہے اور تمہیں فقر و فاقہ کی مصیبت سے بچایا ہے۔ کیا اس احسان و مروت کا یہی بدلہ ہے کہ تم چند بدویوں کو لے کر ہمارے ملک پر چڑھ آئے ہو اور ہمیں برباد کرنا چاہتے ہو؟"

زہرہ نے رستم کی اس بات کا یہ جواب دیا "اے سردار عساکر فارس! بے شک ہم غریب، مفلس، جاہل اور وحشی تھے اور اپنی اس ذلیل حالت کے باعث تمہارے غلام بنے ہوئے تھے۔ مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ اللہ نے ہم کو وحشت اور جہالت سے نکال کر تہذیب اور شائستگی سے ہمکنار کیا ہے۔ خدا نے جو رسول ہم میں مبعوث کیا اس نے ہم کو پستی سے نکال کر عروج پر پہنچا دیا ہے۔ دین اسلام جو اس نبی نے ہمارے سامنے پیش کیا۔ اس کے متعلق اس نے کہہ دیا کہ جو اس کی حقیقی طور پر اطاعت کرے گا وہ دنیا اور آخرت میں بامراد ہوگا اور جو اس سے اعراض کرے گا وہ دنیا میں بھی ناکام رہے گا اور دین میں بھی۔

رستم۔ ذرا مجھے اسلام کی حقیقت اور اصلیت مختصر طور پر بتاؤ۔

زہرہ۔ اسلام کی حقیقت صرف دو لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے۔ جو صرف دو باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دوسرے محمدؐ اس کے رسول ہیں۔

رستم۔ اس کے بعد اور کیا احکام ہیں؟

زہرہ۔ کوئی لمبے چوڑے احکام نہیں۔ خدا کو ایک اور واحد لاشریک جانو۔ کسی جان دار یا بے جان شے کو اس کا شریک اور ساجھی نہ سمجھو۔ خدا کی عبادت خلوص قلب کے ساتھ کرو۔ پانچوں وقت کی نماز۔ رمضان کے روزے صاحب مقدور ہونے پر حج اور محمدؐ رسول اللہ کی پوری اطاعت۔ بس یہی معمولی احکام ہیں۔

رستم۔ اگر ہم تمہارا دین قبول کر لیں تو کیا تم ہمارا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

زہرہ۔ یقیناً۔

---

[۱] "عمر فاروق اعظم" از ہیکل صفحہ ۱۹۴ [۲] ملاحظہ فرمائیں "اشاعت اسلام" مؤلفہ مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۳۵

اس مرحلے پر گفتگو ختم ہو گئی اور زہرہ واپس چلے گئے۔

۲۔ ربعی بن عامر کی تبلیغی گفتگو رستم کے دربار میں اس کے بعد رستم نے پھر مصالحت کی کوشش کی اور حضرت سعد کو کہلا کر بھیجا کہ اپنے کسی قابل آدمی کو ہم سے گفتگو کے لیے بھیج دیجئے۔ حضرت سعد نے ربعی بن عامر کو بھیج دیا۔ رستم نے ان سے پوچھا۔

"آخر آپ لوگ اس ملک میں کیوں آئے ہیں؟ اور وہ کونسی خاص غرض تھی جس کے باعث آپ اس اقدام پر مجبور ہوئے؟"

ربعی:۔ اے فارس کی فوجوں کے سردار! ہماری خاص غرض یہاں آنے کی صرف اشاعتِ اسلام اور تبلیغ مذہب ہے آپ خدا کی وحدانیت اور محمد رسول اللہؐ کی رسالت کا اقرار کر لیں تو ہم فوراً واپس چلے جائیں گے۔ اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ ادا کر کے ہماری امان اور ہماری حفاظت میں آجائیں۔ تمام ظالمانہ قوانین کو ختم کر دیں۔ رعایا سے عدل و مساوات اور نرمی سے پیش آئیں۔ اپنے ملک میں تبلیغ کی کھلی اجازت دیں۔ ہمارے خلاف کسی سازش میں شریک نہ ہوں اور ہماری حکومت کو تسلیم کریں۔ یہ باتیں منظور نہ ہوں تو پھر یہی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ کھلے میدان میں نکل کر ہمارا مقابلہ کریں۔

یہ پیغام دے کر ربعی بن عامر تو چلے آئے مگر رستم عجیب مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی اپنی مرضی تھی کہ جس طرح بھی ہو مسلمانوں کی شرائط منظور کر کے ان سے صلح کر لی جائے۔ مگر اس کی فوج کے سرداروں کو کسی طرح یہ شرائط منظور نہ تھیں۔ نہ وہ مسلمان ہو جانا گوارا کرتے اور نہ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے محکوم بننا چاہتے تھے۔

دوسری طرف رستم نہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے جدال و قتال کی نوبت آئے کیونکہ اس صورت میں اسے صاف طور پر سلطنت فارس کی تباہی نظر آرہی تھی۔

۳۔ حذیفہ بن محصن کا تبلیغی بیان دو مرتبہ کی ناکامی کے بعد بھی رستم نے ہمت نہ ہاری اور سہ بارہ حضرت سعد کو کہلا کر بھیجا کہ ایک مرتبہ اور کسی شخص کو مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیج دیں۔ حضرت سعد نے اس دفعہ حذیفہ بن محصن کو ضروری امور سمجھا کر روانہ کیا۔ انھوں نے بھی رستم کے دربار میں پہنچ کر وہی باتیں کیں جو ان سے پہلے ربعی بن عامر کہہ گئے تھے فیصلہ کچھ نہ ہوا اور یہ واپس چلے آئے۔

۴۔ مغیرہ بن شعبہ کا نعرۂ حق رستم کے دربار میں تیسرے وفد کی ناکامی کے بعد رستم نے ایک تدبیر یہ کی کہ اپنی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کو نہایت سلیقے کے ساتھ مسلمانوں کے بالمقابل مختلف صفوں میں کھڑا کیا۔ ۳۳ نہایت خونخوار ہاتھی اس کی فوج میں تھے۔ اُن کو فوج کے آگے رکھا۔ جس سے اس کے عظیم الشان لشکر کی شکل بڑی ہیبتناک بن گئی۔ اس نمائش سے اس کی غرض یہ تھی کہ اتنی عظیم الشان فوج اور اس قدر خونخوار جنگی ہاتھیوں کو دیکھ کر مسلمان سراسیمہ اور خوفزدہ ہو جائیں گے اور نرم شرائط پر صلح کر کے واپس چلے جائیں گے۔

فوج اور ہاتھیوں کو اس طرح مسلمانوں کے بالمقابل کھڑا کر کے اس نے حضرت سعد کے پاس پھر پیغام بھیجا کہ ایک مرتبہ اور کسی مدبر اور عقلمند شخص کو میرے پاس بھیجیں جو مسلمانوں کا نقطۂ نظر نہایت واضح اور صاف طور پر ہمارے سامنے پیش کر سکے۔

اس مرتبہ حضرت سعد نے مغیرہ بن شعبہ کو رستم سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ دربار میں پہنچ کر نہایت بے باکانہ طور پر رستم کے برابر تخت پر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا اور چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا اس پر مغیرہ نے افسران دربار سے مخاطب ہو کر کہا "میں خود نہیں آیا تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں اور مہمان کے ساتھ یہ سلوک تمہیں ہرگز نہ کرنا چاہیئے تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھ جائے اور باقی تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردنیں جھکائیں۔" مترجم نے جس کا نام عبود تھا جب اس تقریر کا ترجمہ سنایا تو وہ لوگ شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے "یہ واقعی ہماری غلطی تھی جو ہم نے ایسا سلوک کیا۔" رستم بھی شرمندہ ہوا اور اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے کہنے لگا۔ "یہ چوبداروں کی غلطی تھی۔ میں نے ان کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔" اس کے بعد معاملے کی گفتگو شروع ہوئی مغیرہ بن شعبہ نے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا کچھ ذکر کیا۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت کی غرض اور غایت بیان کی اور اس کے بعد ان ہی باتوں کو دہرایا جو ان سے پہلے ان کے ساتھی بیان کر چکے تھے اور آخر میں مزاحاً یہ بھی کہا کہ اب تو ہمارے سپاہیوں نے تمہارے ہاں کی عمدہ غذاؤں اور لذیذ پھلوں اور مفرح مشروبات کا مزہ چکھ لیا ہے۔ اب وہ بھلا کب یہاں سے ٹلنے والے ہیں۔" اخیر میں مغیرہ نے کہا کہ اگر تم سب کے سب آتش پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کرنے لگو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت اور رسالت پر سچے دل سے ایمان لاؤ۔ تو ہم فوراً یہاں سے چلے جائیں گے۔

رستم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی اس تقریر کا یہ جواب دیا کہ "تمہیں پتہ بھی ہے کہ ہمارے مقابلے میں کل تک تمہاری حالت کتنی پست اور ذلیل تھی۔ تم فقر و فاقہ اور قحط سے مجبور ہو کر ہمارے پاس بھیک مانگنے آیا کرتے تھے اور ہم تمہاری حالت پر رحم کھا کر خیرات کے چند ٹکڑے تمہیں دے دیا کرتے تھے۔ جو تم خوشی اور فخر سے لے جایا کرتے تھے۔ شاید اب بھی تم اسی مصیبت میں مبتلا ہو کر یہاں آئے ہو۔ ہمیں اب بھی تمہارے ساتھ سلوک اور مروت سے پیش آنے میں کوئی تامل نہیں۔ اگر تم اب بھی خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرو تو میں تمہیں اور تمہارے امیر کو بہت کچھ مال و دولت دینے کو موجود ہوں۔ اسے لو اور واپس ہو جاؤ۔"

مغیرہ نے کہا "جو کچھ آپ نے فرمایا میں نے سن لیا۔ ہماری حالت سابق میں بے شک ایسی ہی تھی جیسی آپ نے بیان کی۔ مگر حالات پلٹتے رہتے ہیں اور واقعات بدلتے رہتے ہیں مفلسوں کو یہ امید ہوتی ہے کہ کبھی ہمارے بھی دن پھریں گے۔ منعموں کو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں ہم انقلاب کی چکی میں پس کر کوڑی کوڑی کو محتاج نہ ہو جائیں۔ آپ

لوگ خدا کی نعمت پر اگر شکر کرتے اور اپنی دولت و ثروت کا جائز استعمال کرتے تو وہ دولت قائم رہتی بلکہ ترقی کرتی مگر تم لوگوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر خدا کی نافرمانی بھی کی اور اس کی ناشکری بھی۔ اس لیے خدا نے تم پر ہمیں مسلط کیا ہے تاکہ تم کو تمھاری بداعمالی کا مزہ چکھائیں۔ ہم بے شک پست اور ذلیل تھے مگر خدا نے ہم میں ایک نبی بھیج کر ہمیں عروج، عزت اور طاقت بخشی اور اب دنیا میں کوئی حکومت ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جو طاقت مقابلے پر آئے گی شکست کھائے گی۔ اس لیے میری نصیحت یہی ہے کہ آپ لوگ غرور، تمرد اور سرکشی چھوڑ دیں اور انکساری، فروتنی اور عاجزی کے ساتھ خدا کے آستانے پر گر جائیں اور اس کے نبی کو قبول کر لیں۔ پھر آپ ہمارے بھائی ہیں۔

رستم نے مغیرہ کی تقریر سن کر کہا: "اگر تم لوگ یہاں سے نہیں جاؤ گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سب کے سب قتل کر ڈالے جاؤ گے اور تمھیں واپس اپنے گھروں میں جانا نصیب نہ ہوگا۔"

مغیرہ نے جواب دیا: "وہ لوگ اور ہوتے ہیں جو مرنے سے ڈرتے ہیں۔ ہم تو میدان جنگ میں مرنے کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم میں سے کچھ لوگ مارے بھی گئے تو اس سے تمھیں کیا فائدہ ہوگا۔ ہم میں سے جو لوگ باقی بچیں گے وہ یقیناً تم پر غالب آ جائیں گے۔"

مغیرہ بن شعبہ کے آخری جملے سے مشتعل ہو کر بہت غیظ و غضب کے ساتھ رستم نے کہا: "آفتاب کی قسم! کل تمام عربوں کو برباد کر کے رکھ دوں گا۔"

۵۔ رستم کو آخری تبلیغ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت سعد سے آکر وہ تمام گفتگو بیان کی جو رستم سے ہوئی تھی اور یہ بھی کہا کہ کل وہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ اس پر حضرت سعد نے مناسب سمجھا کہ آخری دفعہ بطور اتمام حجت اُسے اور اسلام کی دعوت دی جائے شاید وہ مان لے۔ یہ خیال کر کے اُنھوں نے تین نہایت سنجیدہ اور فہمیدہ حضرات کو رستم کے پاس بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ اسے نرمی اور محبت کے ساتھ اسلام کی دعوت دیں۔

جب یہ مبلغین اسلام رستم کے دربار میں پہنچے تو ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد انھوں نے اس سے کہا کہ ہم آپ کو اور آپ کے تمام فوجی افسروں اور آپ کے تمام لشکر کو ایک ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں جس میں آپ سب کی بھلائی اور سلامتی ہے اگر آپ ہماری دعوت کو قبول کر لیں اور اسلام لے آئیں تو آپ ہمارے بھائی بن جائیں گے۔ ہم آپ سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے۔ آپ لوگوں کا ملک آپ ہی کے پاس رہے گا اور اگر دنیا کی کوئی طاقت آپ پر حملہ آور ہوئی تو ہم آپ کی طرف سے اس کا مقابلہ کریں گے اور ہر طرح آپ کی حفاظت اور امداد کریں گے۔

پس آپ اچھی طرح سوچ لیں کہ حق کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے اور شاید فارس کی سلطنت کا خاتمہ آپ ہی کے ہاتھ سے مقدر ہو۔ اگر آپ نے اسلام کی نعمت سے کافی حصہ پا لیا تو آپ کی دنیوی سلطنت اور

عزت بھی باقی رہے گی اور دنیا آپ پر رشک کرے گی۔

رستم اگرچہ مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اور دل سے صلح کا خواہشمند تھا مگر اپنی سلطنت کا ظاہری رعب بھی پوری طرح قائم رکھنا چاہتا تھا تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ مسلمانوں کی بہادری اور شجاعت سے خائف ہے پس اس نے نہایت ظاہرداری کے ساتھ وفد سے کہا "یہ باتیں جو تم لوگوں نے کہیں۔ میں کئی مرتبہ سن چکا ہوں تم ان باتوں سے مجھے اپنے عقائد سے منحرف نہیں کر سکتے۔ نہ میں تمہاری دھمکیوں سے مرعوب ہو سکتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہماری تمہاری مثال اس لومڑی کی سی ہے جو ایک باغ میں گھس گئی تھی۔ باغ کے مالک نے خیال کیا کہ ایک لومڑی کی حقیقت ہی کیا ہے اور یہ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ مگر اس لومڑی نے یہ دیکھ کر کہ مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ آہستہ آہستہ دوسری بہت سی لومڑیوں کو بھی بلا لیا اور سب نے مل کر باغ کو اجاڑنا شروع کر دیا۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو باہر نکلنے کے راستے بند کر کے ساری لومڑیوں کو مروا ڈالا اور ایک لومڑی بھی زندہ باقی نہ بچی۔ اسی طرح شروع میں ہم نے تمہاری کچھ حقیقت نہ سمجھی اور اس بات کی پروا نہ کی کہ تم ہمیں کچھ نقصان پہنچا سکو گے۔ لیکن تم نے یہاں آکر ہاتھ پاؤں پھیلائے اور اب یہاں سے نکلنا نہیں چاہتے۔ ظاہر ہے کہ تم یہاں سے صحیح سالم واپس نہیں جا سکتے۔ تمہاری ہلاکت اور تباہی کا وقت آچکا ہے لیکن اب بھی تم عقلمندی اور دوراندیشی اختیار کرو اور لوٹ جاؤ تو ہم تم کو کھانے پینے کے لیے کچھ دے دیں گے۔

مبلغین اسلام نے رستم کی تقریر خاموشی سے سنی اور پھر جواب دیا "سپہ سالار ایران! ہماری محتاجی، تنگ دستی اور غربت کی جو کیفیت آپ نے بیان کی ہم اس سے بھی زیادہ ذلت، نکبت اور فلاکت میں مبتلا تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری سقیم حالت پر رحم کرتے ہوئے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جس نے ہماری ساری برائیوں کو دور کر دیا اور ہمیں ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی۔ نفاق و شقاق کی بجائے ہم میں اتفاق و اتحاد پیدا کیا۔ اور ہمیں خوشخبری دی کہ تم ہی دنیا کے سردار ہو گے اگر تم نے خالق کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری کی۔ ہم نے اس نبی کی باتوں کو مانا اور انہیں قبول کیا۔ پس آج ہم میں سے زیادہ باعزت کوئی نہیں۔ آپ بھی اس عزت میں ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں اگر اسلام قبول کر لیں اور خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ باقی رہ گئی وہ مثال جو آپ نے بیان کی۔ صحیح نہیں۔ درست مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے نہایت اعلیٰ درجہ کا سرسبز اور پربہار باغ لگایا۔ جس میں نہریں جاری کیں اور عالیشان محلات تعمیر کیے۔ عمارات کی حفاظت پودوں کی آبیاری اور پھلوں کی نگہداشت کے لیے اس نے چند آدمی ملازم رکھے۔ مگر یہ نوکر چاکر نہایت کام چور، عیش پسند اور سست و کاہل تھے پرتکلف محلوں میں رہ کر مرغن غذائیں کھا کر اور باغ کے میوے اور پھل بے فکری سے کھا کر یہ اور بھی غافل، بے پروا اور بدمست ہو گئے اور دن رات عیش و عشرت میں رہنے لگے۔

باغ کے مالک نے جب ان حرامخور نوکروں کی یہ حالت دیکھی تو ان کو بہت سمجھایا مگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے۔ جس پر مجبور ہو کر مالک نے ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کیا جنھوں نے ان نوکروں کو باغ سے نکال دیا اور باغ کا نئے سرے سے انتظام کیا۔

یہ حالت بالکل تمھارے حسب حال ہے۔ خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کو جس غرض کے لیے دنیا کی حکومت اور عزت، سلطنت اور طاقت، ریاست اور وجاہت عطا فرمائی تھی تم اس سے غافل رہے بجائے عدل و انصاف کے ساتھ کام کرنے کے عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ تم نے ایک خدا کی بجائے کئی خدا بنا لیے۔ بجائے توحید کے آتش پرستی میں مبتلا ہو گئے اور جو ہدایات تم کو دی گئی تھیں۔ ان میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کیا۔ جب حالات اس قدر بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس خدمت پر مامور کیا کہ تمھیں راہ راست دکھائیں اور اگر تم الٰہی پیغام کو قبول نہ کرو تو تم سے تمھاری حکومت چھین لیں۔

اس تقریر کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور وفد واپس چلا آیا۔ اب لڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تھا۔ چنانچہ تین دن تک نہایت شدید جنگ ہوتی رہی جس میں ایرانی فوج کو سخت شکست ہوئی اور سپہ سالار رستم مارا گیا۔[۱]

معرکہ یرموک میں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت

جنگ قادسیہ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی مگر اس سے بھی زیادہ شدید جنگ ان کو رومیوں سے لڑنی پڑی جس میں ان کی اپنی تعداد صرف چالیس ہزار تھی اور بالمقابل دو لاکھ چالیس ہزار رومی صف آرا تھے۔ اس جنگ کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے بعض اسے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کا واقعہ بتاتے ہیں اور بعض حضرت عمرؓ کے عہد کا۔ زمانۂ حال کے قریباً تمام یورپین اور عربی مؤرخین اس امر میں متفق ہیں کہ یہ لڑائی حضرت عمرؓ کے عہد میں واقع ہوئی۔ چنانچہ لبنان کا فاضل مؤرخ عمر ابو النصر مشہور جرمن مستشرق نولڈیکے کے حوالے سے لکھتا ہے کہ جنگ یرموک حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۲ رجب ۱۵ھ کو ہوئی۔[۲]

مصر کے نامور مورخ ہیکل اور شبلی بھی اپنی تالیفات "ابوبکر صدیق اکبرؓ" اور "خالد سیف اللہ" میں اسی خیال کی تائید کرتے ہیں۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں جو دلائل ان مصنفین نے دیے ہیں وہ پختہ اور مضبوط ہیں اور انھیں دیکھتے ہوئے لامحالہ ماننا پڑتا ہے کہ جنگ یرموک حضرت عمرؓ ہی کے عہد کا واقعہ ہے۔

ہمیں یہاں اس مشہور اور اہم تاریخی معرکے کی تفصیل بیان کرنی مطلوب نہیں کیونکہ یہ دوسرا موضوع ہے۔

---

[۱] "اشاعت اسلام" مؤلفہ مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۲۸ تا ۱۳۰۔ "عمر فاروق اعظم" صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۶۔ الفاروق از علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۷۷ تا ۸۲۔ خلفائے محمد (حالات حضرت عمرؓ) صفحہ ۳۶۔
[۲]

لیکن اس جنگ کے دوران میں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے متعلق جو واقعات پیش آئے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے رومی سپہ سالار باہان نے عساکر اسلامی کے امیر حضرت ابو عبیدہ کے پاس ایک قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اپنے کسی معتبر افسر کو ہمارے پاس بھیج دو ہم صلح کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

جس وقت یہ رومی قاصد اسلامی لشکر میں پہنچا تو شام ہو گئی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی تمام مسلمان جس ذوق و شوق سے تکبیر کہہ کر باقاعدہ صفوں میں کھڑے ہو گئے اور جس محویت جس سکون اور جس خشوع و خضوع سے انھوں نے ساری نماز ادا کی اس کا عیسائی قاصد کے دل پر نہایت گہرا اثر پڑا اور وہ نہایت ہی حیرت و استعجاب کے ساتھ اس عجیب نظارے کو دیکھتا رہا۔ جو اس کے لیے بالکل نیا تھا۔

جب نماز ختم ہو گئی تو اس نے حضرت ابو عبیدہ سے مذہب کے متعلق چند سوالات کیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ "تم لوگ حضرت عیسٰی کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟"

حضرت ابو عبیدہ نے اس کے جواب میں قرآن کریم کی یہ آیتیں اسے سنائیں:۔

يااهل الكتاب لا تغلوا في دينكم ولا تقولوا على الله الا الحق انما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وكلمته القها الى مريم وروح منه فآمنوا بالله ورسله ولا تقولوا ثلثة انتهوا خيرا لكم انما الله اله واحد سبحنه ان يكون له ولد له ما في السموت وما في الارض وكفى بالله وكيلا لن يستنكف المسيح ان يكون عبدا لله ولا الملئكة المقربون (یعنی اے عیسائیو تم اپنے دین (کے معاملے) میں غلو سے کام نہ لو اور خدا کی طرف صرف ایسی بات کو منسوب کرو جو سچ ہو۔ یقیناً مسیح عیسٰی ابن مریم خدا کا ایک رسول تھا جو اس بشارت سے پیدا ہوا تھا جو اس نے مریم پر نازل کی تھی اور وہ خدا کی طرف سے ایک رحمت تھا پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس امر سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یقیناً اللہ ہی واحد معبود ہے۔ وہ اس امر سے پاک ہے کہ اس کے بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور وہ سب کا کارساز ہے۔ مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز کسی قسم کی عار نہیں اور نہ ان فرشتوں کو جو خدا کے مقرب ہیں۔[1]

جب مترجم نے ان آیات کا ترجمہ کیا تو قاصد بے اختیار پکار اٹھا کہ "بے شک حضرت عیسٰی کے یہی اوصاف ہیں اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ تمہارا پیغمبر اپنے دعوے میں نہایت راستباز تھا۔"

---

[1] سورۂ نساء آیت ۱۷۲-۱۷۳

اتنا کہہ کر قاصد نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ قاصد اپنی فوج میں واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومی بدعہدی کا گمان نہ کریں اسے مجبور کیا کہ ضرور واپس چلا جائے۔ آپ نے اس سے کہا کہ "اگر تمہارا وہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا تو کل یہاں سے جو سفیر تمہارے سپہ سالار کے پاس جائے گا۔ اس کے ساتھ یہاں چلے آنا۔ مگر اس وقت چلے جاؤ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ایسے وقت میں جب کہ ہم اپنے دشمنوں سے برسرپیکار ہیں۔ کوئی شخص ہم پر بدعہدی یا بداخلاقی کا الزام لگائے۔"

دوسرے دن حضرت ابو عبیدہ نے حضرت خالد بن ولید کو عیسائیوں سے گفتگو کرنے کے لیے ان کے لشکر میں بھیجا۔ رومیوں نے اپنی شوکت و عظمت دکھلانے کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں۔ یہ تمام سوار سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالد بن ولید ایسی ذلت اور انتہی تحقیر کے ساتھ ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔

جب خالد بن ولید رومی سپہ سالار باہان کے خیمے کے قریب پہنچے تو باہان نے نہایت احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ہمراہ لا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔

اس کے بعد مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طور پر اپنی تقریر کی ابتدا کی۔ پہلے حضرت عیسیٰ کی بہت کچھ تعریف کی اور پھر قیصر کے متعلق بڑے فخر سے کہا کہ "ہمارا بادشاہ آج تمام دنیا میں شان اور طاقت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتا اور دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہے۔"

مترجم ابھی ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ حضرت خالد نے نہایت حقارت کے ساتھ اسے روک دیا اور فرمایا کہ "آپ لوگوں کا بادشاہ ایسا ہی ہوگا۔ مگر ہم نے جسے اپنا امیر اور سردار بنا رکھا ہے اگر اسے ایک لحہ کے لیے بادشاہی کا خیال آجائے تو ہم اسے فوراً معزول کر دیں۔"

اس کے بعد باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنی جاہ و منزلت اور دولت و ثروت کا بیان کر کے کہا "تمہاری قوم کے جو لوگ سابق میں ہمارے ملک میں وقتاً فوقتاً آ کر آباد ہوئے۔ ہم نے ان کے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کیا اور ان کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ یہاں وہ اب تک نہایت عیش کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنی موجودہ حالت سے مطمئن ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ان مراعات اور اس حسن سلوک سے تمام عرب ہمارا شکر گذار ہوگا۔ مگر اس کے برخلاف تم بجائے ہمارا احسان ماننے کے ہمارے ملک پر چڑھ آئے ہو اور چاہتے ہو کہ زبردستی ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ اگر تمہیں معلوم نہیں تو میں تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ آج سے پہلے متعدد دفعہ بارہا

نے ایران پر حملہ کر کے اسے مغلوب اور مطیع رکھنا چاہا مگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اب تم لوگوں کو جن سے زیادہ ذلیل، جاہل، وحشی اور بے سروسامان دنیا بھر میں کوئی نہیں یہ حوصلہ ہوا کہ ہم پر فوج کشی کرتے ہو گر خیر ہم تم سے درگذر کرتے ہیں اور تمہیں ایک اور موقع اپنی سلامتی کا دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر تم خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ تو ہم تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار۔ تمہارے افسران کو ایک ایک ہزار اور ہر سپاہی کو ایک ایک سو دینار دے دیں گے۔

سپہ سالار باہان اپنی تقریر ختم کر چکا۔ تو اس کا ترجمہ ترجمان کے ذریعے سے سن کر خالد بن ولید اٹھے ۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ پھر کہا: میں نے آپ کی تقریر سنی۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ آپ لوگ دولتمند ہیں۔ مالدار ہیں۔ صاحب حکومت ہیں۔ جو سلوک سرحد کے عربوں سے آپ کی حکومت نے کیا۔ وہ بھی ہمیں معلوم ہے۔ لیکن وہ آپ کی حکومت کا اُن عربوں پر کوئی احسان نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک غرض کے ساتھ متعلق تھا اور وہ تھی اس پردہ میں عیسائیت کی اشاعت۔ جس میں آپ پورے طور پر کامیاب ہوئے اور وہ سرحدی عربی قبائل عیسائی ہو گئے اور آج آپ لوگوں کے ساتھ ہو کر ہمارے مقابل پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس "احسان" کا ذکر آپ نہ کرتے تو اچھا تھا۔ ہاں آپ کا یہ فرمانا بالکل سچ ہے کہ ہم عام طور پر نہایت محتاج، تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہماری جہالت بے شک حد درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ ہمارا قوی اپنے سے کمزور کو پیس ڈالتا تھا اور اس کی فریاد کو کوئی نہ سنتا تھا۔ ہمارے مختلف قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد اور تباہ ہوتے جا رہے تھے۔ ہم نے اپنے لیے بہت سے خدا بنا رکھے تھے جنھیں ہم دن رات پوجتے تھے۔ ہم اتنے کم عقل تھے کہ خود اپنے ہاتھ سے پتھروں کو تراش کر اُن کو بتوں کی ہیئت میں تبدیل کرتے اور پھر خود ہی ان کی عبادت کرنے لگتے تھے۔ آخر خدا تعالیٰ نے ہماری حالت پر رحم فرمایا اور اپنے فضل سے ہم میں ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ جو خود ہماری قوم کا ایک فرد تھا۔ مگر ہم میں سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ نیک خصائل تھا۔ اس نے آکر ہمیں بتایا کہ یہ بُت جھوٹے معبود ہیں۔ عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے۔ جو واحد لاشریک ہے۔ نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ یہ تعلیم دے کر اس پیغمبر نے ہمیں حکم دیا کہ تم ان باتوں کو دنیا کی ہر قوم تک پہنچاؤ اور اسلام کی تبلیغ اور اشاعت تمام دنیا میں کرو۔ جو افراد۔ جو قبیلہ۔ جو قوم اور جو ملک تمہاری اس دعوت کو قبول کرے اور اسلام لے آئے۔ وہ مسلمان ہے اور تمہارا بھائی۔ اس کے وہی حقوق ہوں گے جو تمہارے ہیں۔ تم میں اور اس میں کوئی فرق اور کوئی امتیاز نہ ہو گا۔ لیکن اس دین کو جو تم پیش کرو قبول کرنا نہ چاہے۔ وہ جزیہ دے کر تمہاری حفاظت میں آجائے۔ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ تمہاری تبلیغ کو اپنے ملک میں نہ روکے اور تمہارے دشمنوں سے تمہارے خلاف کوئی ساز باز نہ کرے اس صورت میں تم پر اس کی حفاظت اور حمایت فرض ہو گی۔ اگر یہ دونوں صورتیں کسی کو منظور نہ ہوں تو پھر تلوار ہی

آخری فیصلہ کرے گی" چنانچہ اپنے نبی اکرمؐ کے حکم کی تعمیل میں ہم آپ کے سامنے بھی یہی تینوں شکلیں پیش کرتے ہیں ان میں سے جونسی شکل آپ چاہیں اختیار کرلیں۔

رومی سپہ سالار نے یہ سوچ کر مسلمانوں کو صلح کی دعوت دی تھی کہ معمولی طور پر ان کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جائے گا۔ لیکن جب اس نے خالد بن ولید کی زبانی مسلمانوں کے عزائم اور اُن کی شرطوں کی کیفیت سنی تو اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "یہ لوگ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں" غرض کوئی بات طے نہ ہوئی اور خالد بن ولید اُٹھ کر چلے آئے[1]۔

دوسری صبح رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے پر صف آرائی کی اور اپنی عظیم الشان فوجی طاقت کا اس زور شور سے مظاہرہ کیا کہ مسلمان بھی ان کی کثرت اور قوت کو دیکھ کر حیران رہ گئے جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور جنگ کی آگ پوری شدت سے بھڑک اٹھی تو یکایک رومی فوج کے قلب کا سردار جارج بن ٹھوڈورس اپنے لشکر سے نکلا اور مسلمانوں اور رومیوں کی صفوں کے درمیان پہنچ کر پکارا کہ "خالد بن ولید میرے پاس آئیں"۔

یہ سنتے ہی حضرت خالد نے گھوڑا بڑھایا اور رومی سردار کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ رومی سردار عربی جانتا تھا اور اس نے بغیر کسی ترجمان کے حضرت خالد سے گفتگو کی[2]۔

جارج حضرت خالد بن ولید سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا "اے خالد! میں آپ سے چند باتیں پوچھنی چاہتا ہوں اور اسی لیے میں نے آپ کو بلایا ہے۔ جو سوالات میں اس وقت آپ سے پوچھوں آپ مجھے ان کے صحیح صحیح جواب دیں اور جھوٹ بالکل نہ بولیں۔ کیونکہ شریف آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ نہ مجھے ناواقف جان کر دھوکا دیں کیونکہ کریم النفس انسان کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا خدا نے تمھارے پیغمبر پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری تھی جو انھوں نے تمھیں دے دی اور یہ اسی تلوار کی برکت ہے کہ تم اپنے جس مخالف کے مقابلے میں اپنی تلوار اُٹھاتے ہو اسے شکست ہو جاتی ہے؟

اس عجیب سوال کے جواب میں بہت متانت کے ساتھ حضرت خالد نے فرمایا "نہیں"

جارج۔ اگر یہ بات ہے تو پھر آپ مسلمانوں میں سیفُ اللّٰہ کے نام سے کیوں مشہور ہیں؟

خالد بن ولید۔ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

---

[1] الفاروق حصہ اول۔ باب "معرکہ یرموک"۔ [2] طبری نے اس سردار کا نام "جرجہ بن توذر" لکھا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ یہ "جارج بن ٹھوڈورس" کی تعریب ہے۔ اصل رومی نام کے لیے دیکھو تاریخ اسلام مؤلفہ شیخ عبدالوہاب نجار ص ۹۹۔

[3] خالد سیف اللہ از ابو زید شبلی ص ۲۵۷۔

علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انھوں نے ہمیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی۔ تو شروع میں ہم سب نے اُن کو خدا کا نبی ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے انکار پر اصرار کے ساتھ قائم رہے۔ لیکن پھر ہم میں سے بعض نے انھیں قبول کر لیا اور بہت سے بدستور ان کی تکذیب اور توہین کرتے رہے اور ان کو تکلیفیں دیتے رہے۔ ان انکار کرنے والوں میں مَیں بھی تھا۔ میں نے نہ صرف آپ کا انکار کیا۔ بلکہ کفر کا طرف دار ہو کر آنحضرتؐ کا مقابلہ بھی کیا۔ اس کے بعد ایک دن ایسا آیا کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے مجھے توفیق دی اور میں مکہ سے چل کر مدینہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اس کے بعد ایک موقع پر آپؐ نے میرے متعلق فرمایا کہ تم اللہ کی تلوار ہو جسے اس نے مشرکین پر نازل کیا ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں میرا نام "خالد سیف اللہ" مشہور ہو گیا۔

جارج:۔ بیشک جو کچھ تم نے بغیر اپنی بڑائی جتائے بیان کیا وہ سچ ہے۔ دوسری بات جو میں تم سے پوچھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

خالد بن ولید۔ ہم لوگ آپ لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ تم اس امر کی گواہی دو کہ "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جو کلام ان پر نازل ہوا وہ یقیناً خدا کی طرف سے تھا۔

جارج ۔ اچھا اگر کوئی شخص توحید اور رسالت کا اقرار نہ کرے اور اپنے سابقہ دین پر ہی قائم رہنا چاہے۔ تو اس کے متعلق تمھارا رویہ کیا ہو گا؟

خالد بن ولید۔ اس کے متعلق یہ صورت ہے کہ جو لوگ ہمارا مذہب قبول نہ کرنا چاہیں وہ ہماری حفاظت میں آجائیں اور جزیہ ادا کریں ہم ان کی جان اور مال کے محافظ ہوں گے۔

جارج ۔ اگر کوئی شخص نہ تمھارا دین قبول کرنا چاہے۔ نہ تمھاری حفاظت میں آنا چاہے۔ نہ تم کو جزیہ دینے کے لیے آمادہ ہو۔ تو پھر تم اس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کرو گے؟

خالد بن ولید۔ ایسا شخص ہمارا دشمن اور مخالف ہی ہو سکتا ہے اور کوئی نہیں۔ جب بھی اسے موقع ملے گا۔ ہمارے خلاف کارروائی کرے گا۔ اس لیے ہم تلوار کے ذریعے اسے دو ٹوک فیصلے کی دعوت دیں گے۔

جارج ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جو شخص تمھارا دین قبول کرے اور تمھارے پیغمبر پر ایمان لے آئے۔ اس کا تم میں کیا درجہ اور کیا مرتبہ ہو گا؟

خالد بن ولید۔ وہ ہر لحاظ سے ہمارا بھائی اور ہم رتبہ ہو گا۔ کسی قسم کا کوئی فرق اس میں اور ہم میں نہیں ہو گا۔ جو حقوق ہمارے ہیں وہی اس کے ہوں گے۔ جو فرائض خدا تعالیٰ نے ہم پر عائد کیے ہیں ان کے لحاظ سے ادنےٰ و اعلےٰ۔ اسود و احمر سب برابر اور یکساں ہیں کسی کو کسی پر کوئی بڑائی اور فوقیت حاصل نہیں ہے۔ سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔

جارج ۔ جو شخص تمہارے دین میں داخل ہو جائے اور تمہارے نبی کی رسالت کا اقرار کرلے کیا اسے وہی اجر اور وہی ثواب ملے گا جو آپ لوگوں کو ملے گا؟

خالد بن ولید ۔ بیشک اُسے وہی ثواب اور اجر ملے گا جو ہمیں ملے گا۔ بلکہ ہم سے بھی زیادہ۔

جارج ۔ وہ شخص جو بعد میں ایمان لایا کس طرح اجر اور ثواب میں تمہارے برابر ہو سکتا ہے جبکہ تم اس سے بہت پہلے ایمان لا چکے ہو اور اطاعت کا اقرار کر چکے ہو؟

خالد بن ولید ۔ بات یہ ہے کہ جب ہم لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوئے اس وقت ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات تھے۔ آپؐ پر خدا کی طرف سے برابر وحی نازل ہوتی رہتی تھی۔ آپؐ غیب کی خبریں ہمیں سناتے رہتے تھے۔ آپؐ کے معجزات اور خوارق ہم روزمرّہ مشاہدہ کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ہمارا ایمان تازہ رہتا تھا بلکہ برابر بڑھتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف تم نے نہ وہ ایمان افروز نظارے دیکھے۔ نہ رسول کی زبان سے وہ عجیب و غریب باتیں سنیں۔ نہ ان معجزات اور خوارق کا معائنہ کیا۔ اس کے باوجود اگر تم صدقِ دل سے اور خلوصِ نیت سے اسلام لے آؤ گے اور خدا کے دین کو قبول کرلو گے تو بیشک ہم سے افضل اور بہتر ہو گے۔

جارج ۔ مجھے آخر میں آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے خدا کی قسم کھا کر مجھ سے بیان کریں کہ جو کچھ آپ نے اس وقت کہا ہے وہ سب حرف بحرف سچ ہے اور آپ نے ان باتوں کے بتانے میں مجھے کوئی دھوکا تو نہیں دیا؟

خالد بن ولید ۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس وقت جو کچھ تم سے کہا ہے سب سچ کہا ہے۔ مجھے تمہارا یا کسی اور کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ میرا خدا اس امر کا گواہ ہے کہ جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا میں نے اپنے عقائد کے مطابق ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا۔ نہ جھوٹ بولا، نہ مبالغہ کیا، نہ تمہیں دھوکا دیا۔

یہ فقرہ سننے کے بعد جارج نے اپنی ڈھال الٹ دی اور اپنی تلوار میان میں کرنے کے بعد حضرت خالد سے کہنے لگا کہ اب مجھے اس بات کی تعلیم دیجئے کہ میں کس طرح آپ کے دین میں داخل ہوں؟

خالد بن ولید کا چہرہ جارج کے ان الفاظ سے مارے خوشی کے چمکنے لگا۔ وہ اسے اپنے خیمے میں لے گئے۔ اُسے کلمہ پڑھوا کر مسلمان کیا۔ پھر غسل اور وضو کے بعد اسے دو رکعت نماز پڑھائی۔

مسلمان ہونے اور نماز پڑھنے کے بعد جارج اور خالد بن ولید خیمے سے باہر آئے۔ اس عرصے میں لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر جارج رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے؎۔

؎ خالد سیف اللہ تالیف ابوزید شبلی صفحہ ۲۵۳-۲۵۷ - تاریخ طبری - حال معرکہ یرموک - اشاعت اسلام مؤلفہ مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۸۵-۸۷

جنگ یرموک کا انجام رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان نہایت شدت کے ساتھ جنگ ہوتی رہی سر، دھڑ، ہاتھ اور پاؤں کٹ کٹ کر گرتے رہے اور تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے یہاں تک کہ مورخ طبری کے قول کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ رومی مارے گئے۔ مسلمان بھی تین ہزار شہید ہوئے اور نتیجہ رومیوں کی زبردست شکست میں ظاہر ہوا۔ اس موقع پر قیصر روم نے دو لاکھ چالیس ہزار کا ایک جرار لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے قبل اتنی عظیم الشان فوج کب کسی سلطنت نے اپنے دشمن کے مقابلے میں جمع کی تھی؟ اور کب انسانوں نے جنگجو مردوں کی اتنی بھاری تعداد آنکھوں سے دیکھی تھی؟ جب قیصر کو انطاکیہ میں اس ہولناک شکست کی خبر ملی تو اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کیونکہ اس کی طاقت سے یہ بات بالکل باہر تھی کہ وہ دوبارہ مسلمانوں کے مقابل پر اتنی بڑی بھاری فوج لا سکتا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ مسلمان بہت جلد اس شہر (انطاکیہ) پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اس لیے نہایت ہی رنج و افسوس اور حزن و ملال کے ساتھ یہ کہتا ہوا قسطنطنیہ کو روانہ ہو گیا کہ "اے شام! رخصت ہونے والے شہنشاہ کا آخری سلام قبول کر۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد پھر کبھی ملاقات نہ ہو گی"۔[1]

قنسرین اور حلب کے قبائل کا اسلام لانا حضرت ابو عبیدہ امیر عساکر اسلامیہ یرموک کی فتح کے بعد واپس حمص چلے گئے اور حضرت خالد بن ولید کو قنسرین کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے قنسرین پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں نے پہلے تو مقابلہ کیا۔ لیکن جب اپنے میں لڑنے کی طاقت نہ دیکھی تو جزیہ کے وعدے پر اطاعت اختیار کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آ کر آباد ہو گیا تھا اور بڑی بڑی عالیشان عمارتیں اپنے رہنے کے لیے وہاں بنائی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم قومی کے لحاظ سے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ لیکن چند روز کے بعد اس نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ وہ بھی حضرت ابو عبیدہ کے سمجھانے سے مسلمان ہو گئے۔

قنسرین کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے حلب کا رخ کیا۔ یہاں شہر سے باہر کھلے میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔[2]

ہرمزان والی خوزستان کا مسلمان ہونا حلب کے بعد مسلمانوں نے انطاکیہ۔ قیساریہ اور الجزیرہ فتح کرنے کے بعد خوزستان پر حملہ کیا جس کا صدر مقام شوستر تھا۔ یہاں شیرویہ کے ماموں ہرمزان نے جو یزدجرد کی

[1] الفاروق حصہ اول ص۱۴۲۔ خالد سیف اللہ ص۲۷۹ [2] الفاروق حصہ اول ص۱۴۵

جانب سے اس علاقے کا گورنر تھا اور نہایت صاحبِ اقتدار سردار تھا۔ بڑی زبردست جنگی تیاریوں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور اس شرط پر اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر آمادہ ہوا کہ مجھے مدینہ بھجوا دو۔ وہاں پہنچنے کے بعد میرے متعلق جو فیصلہ عمر بن الخطاب کر دے گا۔ وہ مجھے منظور ہو گا۔

حضرت ابو عبیدہ نے اس کی یہ شرط مان لی اور حضرت انس کے ہمراہ ایک مضبوط فوجی دستے کی زیرِ حراست اُسے مدینے بھیج دیا۔

ہرمزان کی روانگی بڑی شان و شوکت کی تھی۔ دارالحکومت شوستر کے تمام بڑے بڑے رئیس اور اُس کے خاندان کے بہت سے آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو نہایت شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ مرصع تاج سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب تن کی۔ کمر سے مرصع تلوار لٹکائی۔ شاہانہ طریقے سے زیور پہنے اور شاہانِ عجم کی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔

اس کے بالمقابل اُس وقت کی دنیا کا سب سے بڑا فرمانروا اور فاتح اعظم اپنے قصرِ خلافت (مسجدِ نبوی) میں فرشِ خاک پر لیٹا ہوا تھا اور اُس وقت اُس کی آنکھ کچھ لگ گئی تھی۔ ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے اور اس کے زرق برق لباس کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ شور سے حضرت امیر المومنین کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو عجمی شان و شوکت کی مجسم تصویر سامنے کھڑی تھی اٹھ کر بیٹھ گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا "دیکھتے ہو یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں اور زمانے کا یہ انقلاب! عجم کی قوت اور طاقت ملیا میٹ ہو گئی مگر ظاہری آن بان اور نمائشی ٹیپ ٹاپ نہ گئی۔"

اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی جو تھوڑی بہت فارسی جانتے تھے۔ ہرمزان کی فردِ جرم نہایت لمبی تھی۔ اس نے سپہ سالارِ اسلام سے کئی مرتبہ معاہدے کیے اور کئی مرتبہ اُن کو توڑا۔ بار بار غداری کی اور ہر مرتبہ مکر و فریب اور دغابازی و عیاری سے کام لیا اور اسلامی افواج کے لیے اکثر بڑی مشکلات کا باعث بنا رہا۔[1] شوستر کے معرکے میں دو مسلمان سرداروں کو اس نے شہید کیا تھا۔[2] ان وجوہ سے حضرت عمرؓ کو اس پر سخت غصہ تھا اور آپؓ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر ہرمزان گرفتار ہو گیا تو ضرور اس کی گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔ جب انھوں نے اپنے اس سخت اور شدید دشمن کو اپنے سامنے کھڑا پایا تو اس کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مگر قتل کرنے سے پہلے اس کو اپنا عذر پیش کرنے کی اجازت دی اور فرمایا "ہرمزان! تم وہ ہو جس نے بار بار عہد شکنی کی۔ بار بار صلح اور عہد و پیمان کو توڑا۔ تم نے صریح طور پر ہمارے ساتھ غداری اور بے ایمانی

---

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے [2] ان دونوں مسلمانوں کے نام براء بن عازب انصاری اور مجزاۃ بن ثور تھے اور یہ دونوں معرکۂ شوستر میں اسلامی فوج کے میمنہ اور میسرہ کے سردار تھے۔

کا سلوک کیا ہے[1] کیوں نہ ان جرموں کی سزا میں تمہیں ملک الموت کے حوالے کیا جائے۔

ہرمزان نے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ "قبل اس کے کہ میں اپنی صفائی پیش کروں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قتل نہ کر ڈالا جاؤں"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ بات نہیں۔ جو کچھ تم اپنی صفائی میں کہنا چاہتے ہو۔ آزادی سے کہہ سکتے ہو کہو جو کہنا چاہتے ہو"۔

اس پر ہرمزان نے کہا "پہلے مجھے تھوڑا سا پانی پینے کے لئے دیجئے"۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا "اسے پانی دیا جائے"۔

پانی لے کر ہرمزان نے پیا نہیں بلکہ پیالہ ہاتھ میں لے کر بہت خوف کی نظروں سے حضرت عمرؓ کو دیکھا اور کہنے لگا "مجھے اندیشہ ہے کہ ادھر میں پیالہ سے منہ لگاؤں۔ اُدھر جلاد میری گردن اڑا دے۔

حضرت عمرؓ مسکرائے اور فرمایا ایسا نہیں ہوگا لا باس علیک حتّٰی تخبرنی لا باس علیک حتّٰی تشربہٗ (جب تک تو اپنی صفائی پیش نہ کرے اور جب تک تو پانی نہ پی لے۔ اس وقت تک تیرے بلئے کوئی اندیشہ نہیں)۔

حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی چالاک ہرمزان نے پانی کا وہ پیالہ جو اس کے ہاتھ میں تھا زمین پر گرا دیا اور چپکا ہو کر بیٹھ گیا۔

حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ پانی میں کچھ پڑ گیا ہوگا اس لئے اس نے پانی بہا دیا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں سے فرمایا اعیدوا علیہ ولا تجمعوا علیہ بین القتل والعطش (اس کو اور پانی دے دو۔ پیاس اور قتل دونوں کو اس کے لیے جمع نہ کرو)

ہرمزان نے کہا "میں نے پانی عمداً گرایا ہے۔ آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ جب تک تو اپنی صفائی پیش نہ کرے اور جب تک پانی نہ پی لے اس وقت تک تجھے قتل کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے پس نہ میں اپنی صفائی پیش کروں گا نہ پانی پیوں گا۔ اور آپ مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکتے"۔

حضرت عمرؓ کو ہرمزان کی اس عجیب چالاکی پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے کہا "خدا کے دشمن تو یہاں بھی دھوکا اور فریب سے باز نہ آیا۔ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

ہرمزان نے پورے اطمینان سے جواب دیا "امیر المومنین! آپ کا خیال صحیح نہیں۔ اب روئے زمین پر

---

[1] ہرمزان کی بار بار عہد شکنیوں اور غداریوں کی تفصیل طبری میں ملاحظہ فرمائیں۔ مختصر طور پر کتاب "اشاعت اسلام" مؤلفہ مولوی حبیب الرحمٰن میں بھی ان کا ذکر ہے۔

کوئی طاقت ایسی نہیں جو مجھے قتل کر سکے کیا مسلمانوں کا خلیفہ اپنے قول اور اپنے عہد کے خلاف کام کرے گا
آپ صاف طور پر مجھے امن دے چکے ہیں۔ اب کس طرح مجھے قتل کر سکتے ہیں''

حضرت انس اور دوسرے صحابہ نے بھی ہرمزان کی تائید کی اور کہا کہ جب آپ اس کے دعوے میں کو
اسے امن دے چکے ہیں تو پھر کس طرح اپنے قول کے خلاف اس کو قتل کر سکتے ہیں؟

حضرت عمرؓ حیران ہو کر ہرمزان کو دیکھنے لگے۔ یکایک ہرمزان آگے بڑھا کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اقرار کیا اور کہنے لگا " اسلام کی صداقت کا میں پہلے ہی معترف ہو چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے اختیار کی تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں تلوار کے ڈر سے مسلمان ہو گیا ہوں" اس پر حضرت عمرؓ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اُسے مدینہ میں قیام کی اجازت دے دی لہ

جبلہ بن الایہم کا اسلام اور ارتداد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جبلہ بن الایہم بادشاہ غسان کے اسلام لانے اور پھر اس کے ارتداد اختیار کرنے کا واقعہ خاص طور پر مشہور ہے۔ ہم مختصر طور پر یہاں اس کا ذکر کرتے ہیں :-

سرحدی ریاست غسان کا آخری تاجدار جبلہ بن الایہم والی حوران و بلقاء مسلمانوں کا نہایت شدید اور زبردست مخالف تھا۔ مسلمانوں کو مدینہ پر غسان کے حملے کا اس قدر یقین تھا کہ اس اندیشے سے صحابہ کرام بالعموم راتوں کو سوتے نہیں تھے۔ کیونکہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں غسانی حملہ نہ کر دیں اور ہم سوتے رہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حالت رہی۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں بھی یہ ایمان نہیں لایا لیکن جس نے یہ دیکھ کر کہ ساری دنیا اسلام کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے اور روم و ایران کی طاقتیں بھی اس کی طاقت اور شوکت کے آگے بے بس اور لاچار ہو گئی ہیں۔ یہی مناسب سمجھا کہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔ خدانہ اندیشہ ہے کہ میری سلطنت اور حکومت کے ساتھ جان اور عزت بھی جائے۔

یہ سوچ کر اس نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ میں اسلام لانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ مسلمان ہونے کے بعد میرا درجہ اور حقوق اسلام میں کیا ہوں گے؟

حضرت عمرؓ نے جواباً لکھ دیا کہ لک ما لنا و علیک ما علینا (اسلام لانے کے بعد تم ہر حال میں ہم جیسے ہو جاؤ گے۔ جو حقوق ہمارے ہیں وہی تمہارے ہوں گے) یہ جواب پا کر جبلہ نہایت شان و شوکت اور شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ اپنے مستقر سے روانہ ہوا۔ دو سو سوار زرلفت اور حریر کی سرخ اور زرد وردیاں پہنے گھوڑوں پر

لہ الفاروق حصہ اول صفحہ ۱۴۲-۱۴۳ بحوالہ عقد الفرید لابن عبد ربہ۔ باب وکیدۃ فی الحرب۔ کتاب اشاعت اسلام مؤلفہ مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۱۰۸

دیباج کی جھولیں ڈالے سجائے گئے تھے۔ ان کے علاوہ تین سو آدمی اور ہمراہ تھے۔ خود جبلہ بیش قیمت شاہانہ لباس زیب تن کیے مرصع تاج سر پر رکھے طلائی بالیاں پہنے نہایت آراستہ گھوڑے پر سواروں کے درمیان چل رہا تھا۔

جب شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ یہ جلوس مدینہ میں داخل ہوا۔ تمام شہر یہ تماشا دیکھنے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑا اور شاہِ غسان کے اسلام لانے پر سارے شہر میں نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا۔

حج کا زمانہ قریب تھا۔ حضرت عمرؓ حج کو جاتے ہوئے جبلہ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ بدقسمتی سے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ دورانِ طواف میں جبلہ کی چادر کے کونے پر (جو شانِ امارت کے لحاظ سے زمین پر گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی) ایک اعرابی کا جو بنی فزارہ سے تعلق رکھتا تھا۔ پاؤں پڑ گیا۔ شاہ غسان کی اس سے بڑی گستاخی کیا ہوسکتی تھی؟ مارے غصہ کے جبلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے ایک زور کا تھپڑ اعرابی کے رسید کیا۔

اعرابی نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو حکم دیا کہ یا تو اعرابی کو راضی کرو۔ ورنہ بدلہ میں ایک تھپڑ کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس عجیب حکم پر جبلہ حیران ہو گیا اور بڑے تعجب سے اس نے پوچھا "کیا میری اور ایک معمولی شخص کی عزت برابر ہے؟ کیا صرف ایک تھپڑ کے لئے اعرابی کے مقابلے میں غسان کے بادشاہ کو سزا دی جائے گی؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "یقیناً تمہیں سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں۔ سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔"

جبلہ نے کہا "میں تو یہ سمجھ کر مسلمان ہوا تھا کہ اسلام لانے کے بعد میری عزت، میرے وقار، میرے درجے اور میرے مرتبے میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر یہاں تو پہلی عزت بھی قائم نہ رہی۔ پھر اسلام قبول کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا "اسلامی قانون یہی ہے اور اسی پر عمل درآمد ہوگا۔ یا مدعی کو راضی کرو یا قصاص دو۔ تیسری کوئی صورت ممکن نہیں۔ قانون کی نظر میں بادشاہ اور ایک معمولی آدمی دونوں برابر ہیں۔ مجرم کو جرم کی سزا ضرور دی جائے خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی ضرور حمایت کی جائے گی۔ خواہ مظلوم کیسے ہی ادنیٰ درجے کا ہو۔"

جبلہ نے بہت سوچ کر کہا "یہ معاملہ میرے لیے بڑا اہم ہے۔ اس کے لیے رات بھر مجھے اس معاملے پر غور کرنے کی اجازت دیجیے تاکہ میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکوں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں اس کی تمہیں بے شک اجازت دی جا سکتی ہے۔ سوچ کر مجھے اپنے فیصلے سے

مطلع کرو۔"

جبلہ نے اپنے مستقر پر پہنچ کر نہایت تیزی کے ساتھ روانگی کی تیاری شروع کی اور راتوں رات مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ سے بہت دور نکل گیا۔ راستے میں کہیں نہیں ٹھہرا اور قیصر کے پاس پہنچ کر عیسائی ہو گیا۔

قیصر نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنے ہاں مہمان رکھا۔ ایک اعلیٰ درجے کا محل اس کے رہنے کے لئے اور بہت سے غلام اور باندیاں خدمت کے لئے دیں اور بیش قرار وظیفے سے اس کی مالی امداد کی۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ مر گیا۔

بہت کافی مدت کے بعد جب مدینہ سے ایک قاصد قیصر کے پاس قسطنطنیہ گیا تو وہ جبلہ سے بھی ملا۔ جبلہ اگرچہ بہت شان و شوکت کی زندگی گزار رہا تھا مگر اپنی گذشتہ کارروائی پر بے حد متاسف اور مغموم تھا۔ قاصد سے نہایت عزت و تکریم اور خاطر و مدارات سے پیش آیا۔ مدینہ کا حال اور حضرت عمرؓ کی کیفیت پوچھتا رہا اور جب قاصد چلنے لگا تو نہایت حسرت و افسوس سے اس نے چند شعر پڑھے۔ جن میں دو شعر یہ تھے۔

تَنَصَّرَتِ الْاَشْرَافُ مِنْ عَارِ لَطْمَةٍ وَمَا كَانَ فِيْهَا لَوْ صَبَرْتُ لَهَا ضَرَرٌ

فَيَا لَيْتَ اُمِّيْ لَمْ تَلِدْنِيْ وَلَيْتَنِيْ رَجَعْتُ اِلَى الْاَمْرِ الَّذِيْ قَالَ لِيْ عُمَرُ

(یعنی خاندانی شرفا تھپڑ کے خوف سے نصرانی بن گئے۔ اگر میں صبر کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرتا۔ تو کچھ بھی نقصان نہ تھا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش! میں عمرؓ کے حکم کو مان لیتا۔)[1]

معرکہ قادسیہ کے موقع پر دیلم کی فوج کا قبول اسلام حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۴ھ میں قادسیہ کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا تو چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور شاہی رسالہ (امپیریل گارڈ) کہلاتی تھی ساری کی ساری اسلام لے آئی۔[2]

جنگ جلولاء کے موقع پر اسلام کی اشاعت ۱۶ھ کے آخر میں جلولاء کے مقام پر (جو بغداد کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ہے) ایرانیوں اور مسلمانوں میں بڑے معرکے کی لڑائی ہوئی جس میں ایرانیوں کے قریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے اور تین کروڑ دینار مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے۔ یہ عراق کا آخری شہر تھا جسے فتح کرنے کے بعد تمام عراق مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ یہ مقام اتنا اہم تھا کہ اسے فتح کرنے کے لئے مسلمانوں کو ۸۰ مرتبہ حملہ کرنا پڑا۔ شہر فتح ہونے کے بعد اس کے بڑے بڑے رئیس و نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو لوگ زیادہ صاحبِ اختیار اور نامور تھے ان کے نام یہ ہیں جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسے۔ رفیل اور فیروز۔ ان رؤسا کے مسلمان ہو جانے سے انکی

---

[1] "اشاعت اسلام" مولفہ مولوی حبیب الرحمٰن صفحہ ۲۲۰۔ ۲۲۱ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰

رعایا میں خود بخود اسلام کی اشاعت ہوئی۔[1]

ایک ایرانی سردار کا مع اپنے لشکر کے مسلمان ہونا

جب فارس کا پایہ تخت مدائن مسلمانوں نے فتح کر لیا اور کسریٰ کو وہاں سے بھاگنا پڑا تو اس نے اپنے مقدمۃ الجیش کے افسر اعلیٰ کو جس کا نام سیاہ تھا حکم دیا کہ ایک بڑی فوج اپنے ہمراہ لے جا کر اصطخر کی حفاظت کرو۔ اس کی فوج میں تین سو بڑے بڑے رؤسا جو فن حرب کے ماہر اور نہایت بہادر و شجاع تھے موجود تھے۔ کسریٰ کا حکم تھا کہ تم جس شہر سے گزرو تو اس شہر میں جس قدر لڑنے والے بہادر مرد مل سکیں انھیں ہمراہ لے لینا اور اس طرح ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا۔ یہ لشکر فارس کے نہایت مشہور شہسواروں اور بہادروں کا انتخاب تھا جو بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے مدائن سے روانہ ہوا۔ تستر کے مقام پر اسلامی اور ایرانی فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ دونوں فوجوں نے علیحدہ علیحدہ اپنے ڈیرے خیمے نصب کئے اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس موقع پر ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب کئی دن دونوں فوجوں کو آمنے سامنے پڑے ہو گئے تو ایک روز یکایک برق رو کی طرح سے سپہ سالار ایران سیاہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ہم لوگ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائیں تاکہ ہر قسم کی نعمت سے ہمیں وافر حصہ ملے۔

یہ خیال آتے ہی اس نے فوج کے تمام منتخب بہادروں اور سرداروں کو مشورے کے لیے اپنے خیمے میں بلایا۔ جب سب لوگ آ گئے۔ تو اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے آپ صاحبان کو اس لیے تکلیف دی ہے۔ کہ مجھے آپ سے ایک خاص اور اہم معاملے میں ضروری مشورہ کرنا ہے۔ اور وہ معاملہ یہ ہے کہ ہم شروع سے سنتے آئے ہیں کہ ایک وقت آئے گا جب عرب اس ملک پر حملہ کریں گے اور کامیاب ہو کر تمام ملک پر قبضہ کریں گے اور اصطخر کے شاہی محل میں ان کے گھوڑے بندھیں گے۔

یہ وقت میرے علم و یقین میں آ پہنچا ہے اور عربوں کی موجودہ فتوحات اس امر کا ثبوت ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہمیں کہیں بھی فتح نہیں ہوئی اور ہر مقام پر ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس حالت میں عقل مندی و دور اندیشی اس امر کی مقتضی ہے۔ موقع اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے اور خیریت اور سلامتی اسی بات میں ہے کہ جنگ اور لڑائی کا خیال چھوڑ کر ہم عربوں کے ساتھ مل جائیں اور ان کے دین کو اختیار کر کے ان میں شامل ہو جائیں۔

یہ تاریخ کا عجیب واقعہ ہے کہ اپنے سپہ سالار کی رائے کی مخالفت فوج میں سے ایک شخص نے بھی نہیں کی نہ کسی افسر نے اور نہ کسی سپاہی نے۔ چنانچہ سپہ سالار نے باہمی مشورے سے شیرویہ کو بڑے بڑے افسروں

---

[1] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱ بحوالہ فتح البلدان ۲۶۵

کے ساتھ اسلامی فوج کے امیر حضرت ابو موسیٰ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ "ہماری ساری فوج مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ کیا ہمارے وہی حقوق ہوں گے جو تمہارے ہیں اور ہمیں مال غنیمت میں سے اتنا ہی حصہ دیا جائے گا جتنا تمہیں ملتا ہے؟"

حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا "بے شک بڑی خوشی سے آپ لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں یقیناً آپ کے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور آپ کو وہی رعائتیں اور سہولتیں میسر ہوں گی جن سے مستفید ہوتے ہیں اور آپ کی ذمہ داریاں بھی وہی ہوں گی جو ہماری ہیں۔"

اس خط و کتابت کے بعد سیاہ اور اس کی فوج کے آدمیوں کو پورا اطمینان ہو گیا اور وہ مع اپنی فوج کے مسلمان ہو گیا اور بعد کے تمام معرکوں میں اس کی فوج مسلمانوں کے دوش بدوش لڑتی رہی۔

یہ لوگ جو اپنے سپہ سالار کے کہنے سے اسلام لے آئے اساورہ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے ہر اساورہ مشہور رہے۔ ان لوگوں کے مسلمان ہو جانے پر سیابجہ، زط اور اندغار کے قبیلے بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں سندھ کی رہنے والی تھیں خسرو پرویز ان کو سندھ سے گرفتار کر کے لایا تھا۔ اور ان کو فوج میں داخل کر دیا تھا۔[1]

مصر میں اسلام کی تبلیغ اور اسکی اشاعت

مصر پر حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت عمرو بن العاص نے صرف چار ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا اور مصر کا سب سے پہلا شہر "العریش" ۱۰ ذی الحجہ ۱۸ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۶۳۹ء کو فتح کیا۔[2] اس کے بعد فرما، ام دنین، فیوم اور عین الشمس کو فتح کرتے ہوئے قلعہ بابلیون پر پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ ایک زبردست قلعہ دریائے نیل پر واقع تھا۔ اس قلعے کی دیواریں نہایت مضبوط اور اس کے برج بڑے محفوظ تھے۔ قیصر روم ہرقل کی طرف سے مصر کا حاکم مقوقس اس وقت اس قلعے میں موجود تھا۔ اس نے حضرت عمرو بن العاص کو کہلا کر بھیجا کہ "تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے ہو؟ اور ہم سے کیوں لڑنا چاہتے ہو؟ تمہاری جو حیثیت ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ تمہارے مقابلے کے لئے جو رومی لشکر تیار ہو رہا ہے وہ نہایت اعلیٰ درجے کے جنگی اسلحہ سے آراستہ ہے۔ دریائے نیل نے تمہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور اب تم ہمارے قیدی ہو۔ لیکن اس کے رومیوں کا عظیم الشان

---

[1] "اشاعت اسلام" صفحہ ۱۱۹، صفحہ ۱۱۰ "الفاروق" حصہ دوم صفحہ ۳۶ بحوالہ "فتوح البلدان" صفحہ ۳۷۳ [2] "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن [3] مسلمانوں کے مصر داخل ہوتے ہی مقوقس نے قیصر کو امدادی فوج بھیجنے کے لئے لکھا تھا۔ یہ اسی فوج کی طرف اشارہ ہے۔

لشکر کھیں گھیرے میں لے کر پیس ڈالے۔ یہ بہتر ہو گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی مصالحت ہو جائے۔ یاد رکھو اگر رومی فوجیں تمہارے مقابلے پر آ گئیں تو تمہارا جان بچا کر واپس جانا بے حد مشکل ہو گا اور اس وقت بات چیت کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس لیے تم اپنے آدمیوں میں سے کسی نہایت لائق اور سمجھدار شخص کو ہمارے پاس روانہ کرو تاکہ ہم اُس سے گفتگو کر کے کسی ایسے سمجھوتے پر پہنچ سکیں جو ہمارے لئے قابل قبول اور تمہارے لئے باعث عافیت ہو۔"

جب مقوقس کے ایلچی حضرت عمرو بن العاص کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی اور ان کو دو روز تک اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اُدھر جب قاصد مقوقس کے پاس خود واپس نہ پہنچے تو اُسے بڑی فکر پیدا ہوئی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ سفیروں کو قتل کر دیتے ہوں اور ان کے مذہب میں یہ بات جائز ہو۔"

دراصل حضرت عمرو بن العاص نے سفیروں کو اس لئے دو روز تک روکے رکھا کہ وہ لشکر میں رہ کر مسلمانوں کے طور طریق، عادات و خصائل اور ان کی حالت و کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا سکیں اور مسلمانوں کے رویے سے متاثر ہو کر اسلام کے قریب آ جائیں۔

دو روز کے بعد مقوقس کے سفیروں کو حضرت عمرو بن العاص نے جانے کی اجازت دی اور ان کے ہاتھ مقوقس کو کہلا بھیجا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ان تین شرائط پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔

(۱) یا تو تم اسلام لے آؤ۔ خدا کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرو۔ اس طرح تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہمارے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق نہیں رہے گا۔ جو حقوق ہمیں حاصل ہیں وہی تمہیں بھی حاصل ہوں گے اور جن فرائض کا بجا لانا ہم پر فرض ہے۔ وہی فرائض تم پر بھی عائد ہوں گے۔

(۲) اگر اسلام کی حقانیت اور سچائی اب تک تم پر ظاہر نہیں ہوئی اور تم مسلمان ہونا نہیں چاہتے۔ تو پھر صاف طور پر اس امر کا اقرار کرو کہ ہمارے دشمنوں اور مخالفوں سے ساز باز نہیں کرو گے۔ نہ ہمارے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں حصہ لو گے اور ہماری سیادت کو تسلیم کرو گے۔ اس صورت میں تمہاری پوری حفاظت کریں گے اور تمہیں ہر دشمن کے حملے سے بچائیں گے۔ جس کے معاوضے میں بہت ہی قلیل رقم سالانہ تمہیں دینی ہو گی جس سے حفاظتی فوج کا خرچ پورا ہو گا۔

(۳) اگر ان دونوں باتوں میں سے تمہیں کوئی صورت منظور نہ ہو تو پھر آخری چارۂ کار جنگ و حرب ہے۔ ہم نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ لڑیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ

کوئی فیصلہ کر دے۔

جب یہ ایلچی واپس مقوقس کے پاس پہنچے اور عمرو بن العاص کا پیغام اسے پہنچایا تو پہلے تو اس نے ان سے یہ پوچھا کہ تم دو دن تک کہاں رہے اور کیوں نہیں آئے؟ سفیروں نے جواب دیا کہ اسلامی سپہ سالار نے ہماری بہت تعظیم کی ہمیں بڑی اچھی طرح رکھا اور بہت عمدگی کے ساتھ ہماری مہمانداری کی ہمارے رہنے کے لئے ایک خیمہ خالی کرا دیا۔ ہمارے ساتھ بہت محبت اور ہمدردی سے پیش آیا۔ پھر ہمیں اپنے ساتھ لشکر کی سیر کرائی ان باتوں میں دیر لگ گئی۔ مگر اس عرصے میں ہم کو ان لوگوں کے اندرونی حالات معلوم کرنے کا بہت اچھا موقع مل گیا۔

مقوقس نے بہت اشتیاق سے پوچھا "جو کیفیت ان لوگوں کی تم نے دیکھی ہے مجھے سناؤ"۔ سفیروں نے کہا "ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے۔ جو موت کو زندگی سے زیادہ پسند کرتی ہے۔ انکسار اور فروتنی انھیں شان و شوکت اور فخر و غرور سے زیادہ عزیز ہے۔ اُن میں سے کسی شخص کو بھی دنیا اور اس کے ساز و سامان سے رغبت اور لگاؤ نہیں۔ وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور اپنی سواریوں کی پیٹھوں پر کھانا کھاتے ہیں۔ ان میں اور ان کے سرداروں میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں۔ وہ انھیں میں کا ایک معمولی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے امیر اور ان کے غریب ان کے آقا اور ان کے غلام سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت اور برتری نہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو اس کا نظارہ بڑا ہی عجیب ہوتا ہے۔ چھوٹا بڑا۔ ادنیٰ۔ اعلیٰ۔ امیر غریب۔ آقا اور غلام۔ افسر اور ماتحت سب مل کر ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی نماز ہاتھ پاؤں دھو کر پڑھتے ہیں اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو اسے نہایت خشوع و خضوع اور محویت و استغراق سے ادا کرتے ہیں"۔ [1]

جب سفیروں کی زبانی مقوقس نے مسلمانوں کے یہ حالات سنے تو اس کے دل پر خوف طاری ہو گیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکلا کہ "جس قوم کی حالت یہ ہو وہ یقیناً کامیاب ہو گی اور ہم اس کے مقابلے میں ضرور ناکام ہوں گے"۔ اس کے بعد اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ "مسلمانوں کی فتح میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں اور وہ یقیناً عنقریب اس تمام ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ اس لئے قبل اس کے کہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ ہمیں ہر قیمت پر ان لوگوں سے صلح کر لینی چاہیئے۔ ورنہ بعد میں سوائے پچھتانے اور افسوس کرنے کے اور کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس پر سب لوگوں نے کہا "ہاں یہ ٹھیک ہے مطلب ٹھیک ہمیں ان لوگوں سے صلح کر کے اپنے آپ کو

---

[1] اپنی یہی اسلامی حالت دکھانے کو تو حضرت عمرو بن العاص نے مقوقس کے سفیروں کو ٹھہرایا تھا۔ دراصل ان کی یہ خاموش تبلیغ تھی جس کا اثر نہایت گہرا تھا۔

محفوظ کر لینا چاہیئے۔

باشندگان شہر اور فوجی حکام کے اس متفقہ فیصلے کے بعد مقوقس نے حضرت عمرو بن العاص سے کہلا بھیجا کہ اپنے کسی آدمی کو ہمارے پاس بھیجیں تاکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی ایسی بات طے ہو جائے جس میں فریقین کا فائدہ ہو"۔

حضرت عمرو بن العاص نے دس معقول اور سمجھ دار آدمیوں کا وفد ایک مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامت کی زیر سرکردگی مقوقس سے بات چیت کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔

جب حضرت عبادہ بن صامت اپنے وفد کے ساتھ مقوقس کے دربار میں پہنچے تو وہ ان کے سیاہ رنگ اور غیر معمولی قد و قامت کو دیکھ کر بڑا گھبرایا اور خیال کیا کہ اسلامی سپہ سالار نے میری تحقیر اور تذلیل کے لئے عبادہ جیسے حبشی کو اپنا سفیر بنا کر میرے پاس بھیجا ہے۔ اس پر اس نے وفد کے افراد سے نفرت کے ساتھ کہا "اس کالے کلوٹے شخص کو میرے سامنے سے ہٹاؤ اور کسی معقول آدمی کو آگے کر دو جو گفتگو کا مناسب سلیقہ رکھتا ہو"۔

مسلمانوں نے مقوقس کے مطالبے پر کہا "یہی صاحب ہم میں علم و فضل، زہد و ورع، عقل و شعور اور پختگی خیال کے لحاظ سے سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ یہی ہمارے سردار ہیں اور درجے اور رتبے میں ہم سب سے بڑھ کر ہیں۔ ہمارے امیر نے انہی کو ہماری طرف سے بولنے کا اختیار دیا ہے۔ اور یہی ہماری نمائندگی کریں گے"۔ اس پر مقوقس کو مجبوراً حضرت عبادہ ہی سے بات چیت کرنی پڑی۔

گفتگو کی ابتدا حضرت عبادہ کی جانب سے ہوئی۔ آپ نے ترجمان کے ذریعے مقوقس سے فرمایا "اسلام کے مخالفین سے ہماری جنگ دنیوی جاہ و جلال یا مال و منال یا حکومت و سلطنت حاصل کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ ہماری تمام سعی و کوشش اور ہمت و طاقت کا محور صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے لئے امن کا حاصل کرنا ہمارا سب سے ضروری فرض ہے۔ ہمارے پاس خواہ سیم و زر اور لعل و جواہر کے ڈھیر ہوں یا ایک درہم بھی نہ ہو۔ ہمیں نہ اس کی خواہش ہوتی ہے نہ پرواہ کیونکہ روٹی کا ایک ٹکڑا جو بھوک دور کر سکے اور تھوڑا سا کپڑا جو ستر پوشی کر سکے ہمارے لیے بالکل کافی ہوتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ڈھیروں ڈھیر سونا ہو تو ہم اسے نہایت آسانی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کر دینے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ دنیوی عیش و آرام کے نہ ہم عادی ہیں اور نہ ہمیں اس کی خواہش ہے۔ ہمارے پیش نظر صرف آخرت کی آسودگی اور بھلائی ہے۔ ہمارے اللہ نے اور ہمارے رسول نے ہمیں اسی بات کی تعلیم دی ہے اور اسی امر کا ہم سے عہد لیا ہے۔ ہماری تمام کوششیں خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وقف ہیں"۔

اگرچہ مقوقس حضرت عبادہ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور اس تاثر کا اظہار اپنے گرد بیٹھے ہوئے افسران

سے ہم عنیمت آمیز پیرایہ میں اس نے حضرت عبادہؓ سے کہا:

"اے شخص! جو تم نے کہا ٹھیک ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رکھو کہ عنقریب رومیوں کا ایک لشکر جرار تمہارے مقابلے کے لئے آرہا ہے۔ جس کی تعداد۔ قوت اور طاقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا اور جو اس امر کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کس سے لڑتا ہے؟ اور کون اس کا مدِ مقابل ہے؟ تم لوگ اپنی کمزوری اور قلت کی وجہ سے ہرگز اس عظیم الشان لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم ایک مہینے سے یہاں پڑے ہوئے تکلیف اور مصیبت کا شکار ہو رہے ہو۔ نہ تم اس مضبوط قلعے کو فتح کر سکے ہو اور نہ آنے والے عظیم لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ ہم تمہاری بے سرو سامانی کی وجہ سے تم پر ترس کھاتے ہیں اور تمہارے سامنے یہ صورت پیش کرتے ہیں کہ اگر تم فوراً یہاں سے اپنے وطن کو واپس چلے جاؤ تو ہم تمہارے ہر سپاہی کو دو دو دینار تمہارے سپہ سالار کو ایک سو دینار اور تمہارے خلیفہ کو ایک ہزار دینار دے دیں گے لیکن اس پیش کش کے ساتھ یہ شرط ہے کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر وہ لشکر آگیا جس کے مقابلے کی طاقت تم میں ہرگز نہیں تو پھر تمہیں ایک درم بھی نہیں ملے گا اور تمہیں اس طاقتور فوج کے آگے اپنی گردنیں رکھ دینی پڑیں گی اور تمہارا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔"

مقوقس کی اس گفتگو میں وعدہ بھی تھا اور وعید بھی۔ ترغیب بھی تھی اور ترہیب بھی۔ حضرت عبادہؓ کے سامنے ایک معقول رقم پیش کی جا رہی تھی جو مسلمانوں کے مصر سے چلے جانے کی قیمت تھی اور اگر وہ اس پیش کش کو قبول نہ کریں تو ساتھ ہی اس زبردست رومی لشکر سے ڈرایا بھی جا رہا تھا جو مقوقس کے قول کے مطابق عنقریب آنے والا تھا۔ مگر حضرت عبادہؓ نہایت دلیر اور مضبوط انسان تھے اور ان دھمکیوں یا لالچ میں آنے والے نہ تھے جو ان کو دیا جا رہا تھا۔

انھوں نے پورے وقار اور خود اعتمادی کے ساتھ مقوقس سے کہا: "تم اپنے آپ کو، اپنی فوج کے افسروں کو اور اپنے ساتھیوں کو اس دھوکے میں نہ ڈالو کہ ہم آنے والے رومی لشکر کی قوت۔ طاقت اور کثرت سے ڈر کر ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ خوب جانے رہو ایسا کبھی نہیں ہوگا اور عزائم میں مطلق فرق نہیں آئے گا۔ اگر ہم سب کے سب خدا کی راہ میں مارے بھی گئے تو ہمیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہوگی اور اس صورت میں ہم سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح ہمیں خدا کی رضا حاصل ہو جائے گی جو ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ باقی رہ گیا قلت اور کثرت کا سوال، تو اس کے متعلق ہمارے خدا نے ہمارے رسولؐ سے کہہ دیا ہے کہ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين (یعنی کتنے ہی چھوٹے گروہ خدا کے حکم سے بڑے بڑے لشکروں پر غالب آجاتے ہیں اور خدا کی نصرت و امداد استقامت اختیار کرنے والے کے ساتھ ہوتی ہے) ہم میں سے ہر شخص صبح و شام اپنے رب سے دعا مانگتا ہے کہ وہ اسے

شہادت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو واپس اپنے وطن اور اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کا خواہش مند ہو۔ تم ان سب امور پر جو میں نے پیش کیے ہیں۔ اچھی طرح غور و خوض کر لو اور فضول باتیں چھوڑ کر ان تین صورتوں میں سے جو ہمارے امیر نے تمہیں پہلے ہی کہلا بھیجی ہیں ایک بات منظور کر لو۔ یہ حکم مجھ کو میرے امیر نے اور میرے امیر کو امیر المومنین نے دیا تھا اور یہی اس سے پہلے ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تھا۔"

اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے حضرت عبادہ نے مقوقس سے فرمایا: "اگر تم لوگ ہماری دعوت اور تبلیغ کو قبول کر کے اسلام اختیار کر لو گے تو ہم واپس چلے جائیں گے اور ہمیشہ تمہارے معاون و مددگار اور ہمدرد رہیں گے۔ اگر تم ہماری حمایت میں آجاؤ گے تو ہم تمہاری ہمیشہ حفاظت کریں گے لیکن اگر تم دونوں باتوں سے انکار کرو تو پھر ہمارا اور تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔"

اس پر مقوقس نے اصرار کیا کہ ان تین شرطوں کے سوا مسلمان کوئی اور شرط پیش کریں۔ لیکن عبادہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔

"اس آسمان کے رب تبارک کی قسم جو ہمارا پروردگار اور تمام کائنات عالم کے خالق کی قسم! ان تین شرائط کے سوا ہم کوئی اور شرط ماننے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں۔ تمہیں ان میں سے کسی ایک بات کو قبول کرنا ہوگا۔"

یہ کورا اور آخری جواب سن کر مقوقس نے اپنے لوگوں سے کہا "بتاؤ۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ اگر میری بات مانو تو سب سے بہتر امر یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ ہر طرح آرام سے رہو گے۔ اگر یہ نہیں تو پھر جزیہ منظور کر لو۔ کیونکہ تم میں ان لوگوں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ اگر آج تم مسلمانوں کی پیش کردہ شرائط قبول نہ کرو گے تو یقین رکھو کل ان سے بھی زیادہ بدتر شرائط منظور کرنی پڑیں گی۔"

مگر مقوقس کے ساتھیوں نے ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت عبادہ واپس اپنے لشکر میں چلے آئے۔ لیکن چھ مہینے کے شدید محاصرے کے بعد قلعہ بابلیون کے باشندے تنگ آگئے اور انہوں نے مجبور ہو کر جزیہ پر صلح کر لی۔[1]

گورنر دمیاط کا بیٹا اسلام کی آغوش میں مصر کے مشہور شہر دمیاط کو فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص نے مقداد بن اسود کو بھیجا۔ اس شہر کا حاکم مقوقس کا ماموں ہاموک تھا۔ اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کی اور اسلامی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ جب فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ہاموک نے اہل شہر کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ ایسی صورت

---

[1] عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل صفحہ ۱۰۹۔۱۸۸ ۔ عمرو بن العاص از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۱۲۴۔۱۲۹۔ بحوالہ فتوح مصر از عبد الحکیم اور المواعظ والاعتبار از مقریزی۔

میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس پر ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ "اے سلطان! عقل کا جوہر وہ شے ہے جس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی جا سکتی۔ جس شخص کو عقل کی دولت مل جائے اس کی کامیابی میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا اور ہلاکت کے راستے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔ ان عربوں نے ابتدا سے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا اور ان کا علم بڑی شان سے میدان ہائے جنگ میں لہراتا رہا اور کبھی کسی موقع پر بھی سرنگون نہیں ہوا۔ جس ملک اور جس علاقے کی طرف ان کی نظریں اٹھیں اسے انھوں نے فتح کیے بغیر نہ چھوڑا۔ بڑے سے بڑے جرار لشکر کو بھی ان کے مقابلے میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ ہماری فوجیں شام کے عظیم الشان لشکروں سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ جب وہ بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے تو ہم کس شمار قطار میں ہیں۔ ان واقعات کے پیش نظر میری رائے یہی ہے کہ ان سے صلح کر لینی اور ان کی اطاعت اختیار کر لینی مناسب ہے۔ اس طرح ہمیں امن حاصل ہو جائے گا۔ ہمارے آدمیوں کا خون بیکار نہیں بہے گا اور ہماری زمینیں برباد ہونے سے بچ جائیں گی۔"

اس تقریر کے سننے سے ہاموک کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے اسی وقت اس شخص کو قتل کرا دیا۔ مقتول کے بیٹے کو اپنے باپ کے یوں بے گناہ مارے جانے سے نہایت رنج ہوا۔ انتقام کی آگ اس کے سینے میں جوش مارنے لگی۔ اس کا مکان اتفاق سے شہر پناہ سے ملا ہوا تھا۔ رات ہونے پر وہ اپنے مکان کی بیرونی کھڑکی سے نکل کر اسلامی کیمپ میں پہنچا اور مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کے خفیہ راستے بتا دیے۔ مسلمانوں نے ان خفیہ راستوں کے ذریعے شہر میں داخل ہو کر فصیل شہر کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی فوج نے جو تیار کھڑی تھی شہر پر حملہ کر دیا۔

جب ہاموک کے بیٹے شطا نے دیکھا کہ اب مسلمان کوئی دم میں شہر پر قابض ہوا چاہتے ہیں اور کوئی طاقت بھی اُن کو شہر فتح کرنے سے نہیں روک سکتی تو وہ بڑی پھرتی کے ساتھ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مقداد بن اسود کے پاس پہنچا اور فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

شطا نہایت نیک دل۔ سعادت مند اور بہادر نوجوان تھا۔ باپ کو اس سے محبت تھی۔ جب اس کو بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو اس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور اس نے اسلامی لشکر کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شطا نے اپنے باپ کے لئے مقداد سے امان حاصل کر لی تھی۔

مقریزی لکھتا ہے کہ شطا نے دمیاط کی فتح کے بعد اسلامی فوج میں شامل ہو کر خوب مردانگی کے جوہر دکھائے۔ وہ اسلامی فوج کے ہمراہ برلس۔ دمیرہ اور اشموم طناح وغیرہ مقامات پر گیا اور ہر جگہ بڑی بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑتا رہا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ تنیس کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔

وہ بہت نہایت مردانگی کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس کی لاش دمیاط لا کر شہر سے باہر دفن کر دی۔[1]

مصر کے وسیع رقبہ میں اسلام کی اشاعت دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وارده سے لے کر عسقلان تک (جو شام میں داخل ہے) ہر جگہ اسلام پھیل گیا[2] چنانچہ مقریزی لکھتا ہے:۔ ولما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارة فاسلم من بها وساروا منها الی الواردة فدخل اهلها فی الاسلام وساحوا الی عسقلان (یعنی جب مسلمانوں نے دمیاط اور تنیس کو فتح کر لیا تو پھر وہ بقارہ کی طرف بڑھے۔ وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے وارده کی طرف اپنا رخ پھیرا۔ وہاں کے باشندے بھی اسلام لے آئے اور عسقلان تک اسلام پھیل گیا[3]

بلہیب کے لوگوں کا مسلمان ہونا حضرت عمرو بن العاص نے جب بلہیب خیس مینخا۔ قرطیا اور سلطیس وغیرہ بستیوں پر قبضہ کیا تو ان شہروں کے باشندوں کو رومیوں کی اعانت کرنے اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے جرم میں قیدی بنا لیا اور انھیں مدینہ روانہ کر دیا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بھیج دیا اور حضرت عمرو بن العاص کو لکھا کہ میں ان لوگوں کو جنھیں تم نے لونڈی غلام بنا کر یہاں بھیجا تھا واپس کر رہا ہوں ان کو قیدی نہ بنایا جائے بلکہ ان کو آزاد کر دیا جائے۔ مذہب کے بارے میں ان کو اختیار ہے چاہیں تو اسلام لے آئیں اور چاہیں تو اپنے سابق دین پر رہیں۔ اس نوازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خوشی اور مرضی سے بغیر کسی زور اور دباؤ کے مسلمان ہو گئے۔[4]

رئیس شطا کا قبول اسلام شطا مصر کا ایک قدیم اور مشہور شہر ہے۔ یہ عمدہ اور نفیس کپڑے کی صنعت کے لیے مشہور ہے (خانہ کعبہ کا غلاف اسی شہر سے بن کر جایا کرتا تھا) جب اسلامی فوجیں دمیاط پہنچیں تو شطا کا رئیس جو پہلے سے مسلمانوں کے حالات سن کر بہت کچھ اسلام کی طرف مائل تھا۔ دو ہزار آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر شہر سے نکلا اور اسلامی کیمپ میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔[5]

فسطاط میں مسلمانوں کی کثرت فسطاط کا مشہور تاریخی شہر جس کو حضرت عمرو بن العاص نے بسایا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ آباد ہے۔ یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہاں حضرت عمرو بن العاص نے زیادہ تر نومسلموں کو آباد کیا تھا بنو نبہ کے

---

[1] "عمرو بن العاص" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۱۸۳۔ [2] بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۱۲ [3] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۱
[4] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴ [5] عمرو بن العاص از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن صفحہ ۱۸۹ بحوالہ معجم البلدان۔ الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۱
[5] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۱ بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۱۱۲

نام سے ایک محلہ تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا معرکہ مصر میں اس خاندان کے ایک سو آدمی اسلامی فوج میں شامل تھے۔

فسطاط کا دوسرا محلہ بنو الازرق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک اور فلسطین میں سکونت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان ہو کر حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں اس خاندان کے ایک ہزار آدمی شامل تھے۔

فسطاط کا چوتھا محلہ پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف نو مسلم مجوسی آباد کیے گئے تھے۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے۔ جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے[1]۔

ہزاروں قبطیوں کے قبول اسلام کا عجیب نظارہ

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ مسلمانوں کا کوئی حریف باقی نہ رہا تھا۔ تاہم حضرت عمرو بن العاص نے بعض بہادر جرنیلوں کو فوجیں دے کر تمام ملحقہ اضلاع میں روانہ کیا۔ خارجہ بن حذافہ العدوی کو فیوم۔ اشمونین۔ اخمیم۔ بشرودات اور صعید وغیرہ مقامات کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ عمیر بن وہب الجمحی نے تونیہ۔ دمیرہ۔ وقہلہ۔ بنا اور بو صیر وغیرہ کو فتح کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے نشیبی علاقے کو مسخر کیا۔ ان تمام لڑائیوں میں نہایت کثرت کے ساتھ قبطی گرفتار ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟ جواباً حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ "ان سب کو آزاد کر دیا جائے ان کو اختیار ہے چاہیں اپنے پہلے مذہب پر قائم رہیں۔ چاہیں مسلمان ہو جائیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے تو اُن کو وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو مسلمان کو حاصل ہیں۔ وہ ہر حالت میں ہمارے بھائی ہوں گے اور ان میں اور عربیوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت عمرو بن العاص نے فرمانِ خلافت کی تعمیل اس طرح کی کہ تمام قیدیوں کو جو تعداد میں ہزاروں ہزار تھے۔ ایک جگہ جمع کیا۔ شہر کے معززاور سربرآوردہ عیسائیوں اور پادریوں کو بھی بلا لیا۔ اپنی فوج کے افسروں اور سرداروں کو بھی طلب فرمایا۔ اس طرح ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں عیسائی الگ بیٹھے اور مسلمان علیحدہ۔ دونوں کے بیچ میں قبطی قیدی تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضرت عمرو بن العاص نے فرمانِ خلافت پڑھ کر سنایا اس کے بعد عملی کارروائی شروع ہوئی۔ اسلامی سپہ سالار ایک ایک قیدی کو بلا کر پوچھتا کہ تم مسلمان ہونا چاہتے ہو یا بدستور عیسائی رہنا چاہتے ہو؟ اُن میں سے بکثرت قیدی جو مسلمانوں کے درمیان رہ کر اسلام سے بہت حد تک مانوس ہو گئے تھے مسلمان ہو گئے۔ بہت سے جو ابھی تک اسلام کی خوبیوں سے واقف نہ ہوئے تھے اپنے سابق

---

[1] الفاروق حصہ دوم صہ ۱۰۱۔ ۱۰۲ بحوالہ بلاذری صہ ۲۰۵

مذہب پر قائم رہے کسی پر کسی قسم کا جبر یا تشدد نہیں کیا گیا اور مذہب کے قبول کرنے میں ہر قیدی کو پوری آزادی دی گئی۔ قیدیوں کے اس گروہ میں سے جب کوئی قبطی اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آجاتا تھا۔ تو مسلمان نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور نہایت مسرت کا اظہار کرتے تھے اور جب کوئی قیدی عیسائی رہنا چاہتا تھا اور عیسائیوں کی طرف چلا جاتا تھا تو عیسائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ تمام قیدیوں کا اسی طرح فیصلہ ہوا۔ اور سب کے سب آزاد کر دیے گئے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنا نہ چاہا اور عیسائیوں میں جا کر بیٹھ گئے حضرت عمرو بن العاص نے ان سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کیا اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کی خوب خاطر تواضع کی تفصیلات کے لیے تاریخ طبری بیان فتح مصر ملاحظہ فرمائیں۔

عمرو بن العاص کا عمدہ سلوک اہل مصر کے اسلام کا باعث ہوا

مولانا حافظ اسلم جیراج پوری استاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ دہلی اپنی مشہور کتاب "تاریخ الامت" میں فرماتے ہیں کہ مصر میں مختلف مذاہب اور مختلف اقوام کے بہت سے لوگ آباد تھے۔ یونانی بھی تھے اور رومی بھی۔ قبطی بھی تھے اور شامی بھی۔ اسی طرح عیسائیوں کے بھی مختلف فرقے وہاں رہتے تھے۔ پھر یہودی، مشرک اور ستارہ پرست بھی تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے ان سب سے ایسا عمدہ برتاؤ اور ایسا اچھا سلوک کیا جس کی وجہ تمام ملک کے باشندے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنے سابق حکمرانوں کے مقابلے میں جدید حملہ آوروں کو بدرجہا زیادہ شفیق، مہربان اور رعایا کا ہمدرد پایا۔ اس لیے وہ لوگ نہایت خوشی اور رغبت کے ساتھ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ نہ صرف انھوں نے اپنے حملہ آوروں کا دین اختیار کر لیا بلکہ عربی اخلاق، عربی لباس، عربی طرز معاشرت اور عربی زبان کو بھی پورے طور پر اپنا لیا اور سارا ملک رفتہ رفتہ ایک ہی رنگ میں رنگا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانۂ بعد میں مصر علوم اسلامیہ اور عربی تمدن و تہذیب کا مرکز بن گیا اور زوال بغداد کے بعد سے تو حضارۃ اسلامی کا واحد علمبردار وہی رہے۔[۲]

مختصر یہ ہے کہ بقول محمد حسین ہیکل اسلام کی فتوحات جس قدر بڑھتی گئیں اسی قدر اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے اس دین قیم کے اصول دیکھے انھیں پرکھا اور اسلام کی عظمت سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آئے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ مسلمانوں کے کردار اور جنگ آزمائی و عزم امردانگی میں ان کی محیر العقول قوتوں کو دیکھ کر غیر مسلم ان سے متاثر ہوئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس اعتبار سے تو کہا جا سکتا ہے اور یہ سچ بھی ہو گا کہ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کا حلقہ اثر بھی بڑھتا اور پھیلتا رہا۔ مگر یہ خیال قطعاً غلط ہو گا کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلانے کی خواہش ان

---

۱ الفاروق حصہ اول ص۱۶۷ - ۱۶۸۔ ۲ تاریخ الامت جلد ششم صفحہ ۵۸ - ۷۰ اور تاریخ ملت جلد ہفتم ص ۲۰

فتوحات کی محرک ہوئی۔[1]

دورِ فاروقی میں اشاعتِ اسلام پر شمس العلماء مولانا شبلی کے خیالات

آخر میں ہم فاروق اعظم کے عہد میں اشاعت اسلام پر شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کے خیالات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر کے حضرت عمرؓ سے رخصت ہوتے ہیں۔ یہ قیمتی خیالات اس لحاظ سے نہایت اہم اور قابل مطالعہ ہیں کہ ان میں مولانا شبلی نے نہایت عمدگی اور کمال دل چسپی کے ساتھ تاریخ اور دلائل کی روشنی میں ان اسباب و علل کی صحیح اور سچی تصویر کھینچ دی ہے جو حضرت عمرؓ فاروق کے عہد میں اسلام کی اشاعت کا باعث ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان اسباب و علل کو پیش نظر نہ رکھا جائے اس وقت تک دورِ فاروقی میں اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ الحق کی واقعی قدر و منزلت پورے طور پر واضح اور نمایاں نہیں ہوتی۔ جناب مولانا فرماتے ہیں:

"اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کے سامنے اسلام کا جو نمونہ پیش کیا جائے وہ ایسا خوبصورت اور دلفریب ہو کہ لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچے ہوئے چلے آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت کے ساتھ اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی اور حقیقی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں وہاں کے لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کے لئے اٹھنا اور پھر تسخیر کر بھی لینا) حیرت و استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے اور ان کو دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی۔ سادگی۔ پاکیزگی۔ طہارت۔ زہد۔ عبادت۔ ہمدردی۔ یگانگت اور جوش و اخلاق کی تصویر نظر آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ پاکیزہ خصائل خود بخود لوگوں کی روحوں اور ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے اور اسلام ان کے درمیان نہایت سرعت کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ شام کی فتوحات کا مشہور واقعہ ہے کہ جب رومیوں کا سفیر جس کا نام جارج تھا حضرت ابو عبیدہ کے لشکر میں گیا۔ اور اس نے وہاں لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو وہ اس نظارہ سے اس درجہ متاثر ہوا کہ دفعتاً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح شطا کے متعلق جو مصر کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مقریزی لکھتا ہے۔ فخرج شطا فی الفین من اصحابہ و لحق بالمسلمین وقد کان قبل ذالک یحب الخیر و یمیل الی ما یسمعہ من سیرۃ اھل الاسلام[2] (یعنی شطا اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ آکر مسلمان ہو گیا۔ اس سے قبل وہ اہل اسلام کی پاکیزہ سیرت کے واقعات لوگوں سے سن کر گرویدہ ہو چکا تھا)

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو تقویت دی۔ یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی

---

[1] عمر فاروق اعظم از ہیکل صد۱۵۲ [2] مقریزی جلد اول صد۲۲۶

بڑی زبردست فوجوں کا قدم اکھڑ جاتا ہے اس وقت کی قوموں کے دل میں غیر مجوبہ یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ یقیناً تائید آسمانی شامل ہے چنانچہ یزدجرد شہنشاہ فارس نے جب خاقانِ چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیے اور حالات سن کر یہ کہا کہ "ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے" فارس کے معرکے میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو اپنے تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے۔ خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بے کار ہے[۱]۔ ابورجار فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ میں قادسیہ کی لڑائی میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عربوں نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے ان کے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں"، لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔ جب مصر پر حملہ ہوا تو سکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ "رومیوں کی سلطنت ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ[۲]"

ان باتوں کے علاوہ (حضرت عمر کے عہد میں) اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ فطرتاً جس قدر ان کا میلان ایک عربی نبی کی طرف ہو سکتا تھا۔ غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گذرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔

(حضرت عمر کے عہد میں اسلام کے بکثرت پھیلنے کی) ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے مذہبی پیشوا مسلمان ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب دمشق فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اور کون تھا حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ پر اسلام لایا[۳]۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے ظاہر ہے کہ اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے (حضرت عمرؓ کے عہد میں) نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر بھی اپنی تاریخوں میں اس ضروری امر کو مستقل عنوان کے ماتحت بیان نہیں کیا۔ اس لیے ہم (اس دور میں مسلمان ہونے والوں کی) تعداد کا صحیح اندازہ نہیں بتا سکتے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا مگر تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے[۴]

اشاعت اسلام کے علاوہ اصول مذہب کی ترویج اور قرآن کریم کی تعلیم کو مسلمانوں کے درمیان پھیلانے کی جو کوششیں حضرت عمرؓ نے کیں۔ چونکہ وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اس لیے ان کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔

---

[۱] طبری واقعات جنگ فارس [۲] مقریزی جلد اول ص۲۸۹ [۳] معجم البلدان [۴] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳

فصل سوم

۳۔ حضرت عثمانؓ کا عہدِ دولت

فتوحاتِ عثمانی خلیفہ ثالث جامع القرآن حضرت عثمانؓ بن عفان کا زمانہ یکم محرم ۲۴ ہجری سے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ تک بارہ برس رہا۔ اس عرصے میں جو فتوحات ہوئیں ان کی مختصر کیفیت حسبِ ذیل ہے۔

سعید بن عاص نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ طبرستان پر حملہ کیا۔ جس میں حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ اکابر شامل تھے۔ سخت خون ریز معرکوں کے بعد جرجان، خراسان اور طبرستان فتح ہوئے [1]۔

عبدالرحمان بن ربیعہ بحیرۂ خزر کے ساحلی علاقوں کو فتح کرتے ہوئے مقام دربند تک پہنچ گئے [2]۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف روانہ ہوئے اور مرورود تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد بلخ پر قبضہ کیا اور خوارزم تک کا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ [3]

مجاشع بن مسعود نے کرمان پہنچ کر شہر ہمید فتح کیا۔ ناں بعد سیستان کے پایۂ تخت سیرجان پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد جیرفت کو مفتوحہ ممالک میں شامل کیا۔ پھر قفص کے پہاڑوں میں خون ریز جنگ ہوئی اور فتح کے بعد کئی عرب خاندان یہاں آباد کیے گئے [4]۔

ربیع بن زیاد نے ہندوستان پر سب سے پہلا حملہ کیا۔ پہلے قلعہ زالق پر۔ پھر کرکویہ پر۔ پھر شہر راشت پر سخت معرکہ آرائی کے بعد فتح پائی۔ آگے بڑھ کر ناشرور اور شرواذ کو اسلامی مقبوضات میں شامل کیا۔ پھر زرنج کا محاصرہ کیا یہاں کے حاکم نے عرصے تک سخت مقابلہ کیا۔ مگر جب کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو صلح کا پیغام بھیجا مگر یہ کہا کہ میں خود اسلامی لشکر میں آکر صلح اور اطاعت کا اقرار لکھوں گا۔ ربیع نے یہ پیش کش منظور کی۔

اسلامی سپہ سالار نے راجہ کا استقبال بہت ہی عجیب و غریب طریقے سے کیا۔ جو تاریخ اسلام میں غالباً اپنی قسم کی اکیلی مثال ہے۔ اس نے راجے کو خوفزدہ اور مرعوب کرنے کے لیے ایک تو ترکیب یہ کی کہ تمام فوج کو ایسا

---

[1] تاریخ الامت جلد دوم صلا۔ خلفائے راشدین ص۲۱۔ [2] تاریخ الامت جلد دوم ص۱۲۵۔ [3] تاریخ الامت جلد دوم ص۱۲۵۔ [4] تاریخ سندھ ص۳۱

لباس پہننے کی ہدایت کی جو بہت ہی خوفناک تھا اور جسے دیکھ کر خواہ مخواہ دہشت اور خوف پیدا ہوتا تھا۔ دوسری تدبیر دشمن کے ہوش و حواس کھونے کی اس نے یہ کی کہ جو ہندو مقابلے میں مارے گئے تھے۔ اُن میں سے دو کی لاشیں منگوائیں۔ ایک لاش کے اوپر نہایت اطمینان کے ساتھ خود بیٹھ گیا اور دوسری لاش آڑی رکھ کر اس پر تکیہ لگالیا۔ اور پھر حکم دیا کہ راجا کو یہاں میرے پاس لے آئیں تاکہ صلح نامہ لکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسا ہیبت ناک نظارہ تھا کہ دیکھتے ہی راجا کی روح فنا ہو گئی اور اس نے ربیع کے حسب منشا صلح نامہ لکھا اور اس کے حوالے کیا اور پھر ہانپتا کانپتا فوراً واپس چلا گیا۔[1]

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے "زرنج" اور "کش" کے درمیان جتنے شہر تھے سب فتح کر لیے۔ ناں بعد رُخج اور "داون" پر قبضہ کیا۔ پھر آگے بڑھ کر "کوہ زور" کے تمام علاقے کو زیر نگین کیا۔ یہاں کے بت خانے میں ایک نہایت بیش قیمت بت نصب تھا۔ جو ٹھوس خالص سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دو نہایت قیمتی یاقوت لگے ہوئے تھے فتح کے بعد یہاں کے راجہ کو عبدالرحمٰن نے ہمراہ لیا اور بُت خانے میں پہنچ کر پہلے ایک تیز خنجر سے وہ دونوں یاقوت باہر نکالے پھر ایک ہتھوڑے کی ضرب سے اس کا ایک ہاتھ توڑ دیا۔ پھر راجہ سے مخاطب ہوا جو نہایت ہی حیران ہو کر اس تماشے کو دیکھ رہا تھا اور کہنے لگا "تم نے دیکھا اپنے اس معبود کو؟ میں نے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں مگر وہ کچھ نہ کر سکا۔ میں نے اس کا ہاتھ توڑ دیا مگر وہ کچھ بول نہ سکا۔ اب بتاؤ۔ اگر اس بت میں کسی قسم کی طاقت ہوتی تو کس طرح یہ بات ممکن تھی کہ میں اس کی آنکھیں پھوڑنے اور اس کا ہاتھ توڑنے پر قادر ہو سکتا؟ پس ثابت ہوا کہ یہ بت بے حقیقت چیز ہے۔ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ عبادت کے لائق صرف خدا کی ذات ہے۔ بُت کے متعلق یہ تماشا دکھا کر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اسلام لے آؤ اور لاکھوں خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی عبادت کرو۔ یہ یاقوت بھی اٹھا لو اور یہ سونے کا ہاتھ بھی۔ مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں اور نہ مجھے فی الحقیقت تمہارے بت سے کوئی سروکار ہے۔ میں نے تو صرف اس وجہ سے یہ کام کیا کہ بُت کی اصلی حیثیت تم پر ظاہر کر دوں۔ باقی تم جانو اور تمہارا کام۔" اس تبلیغی تقریر کا راجہ کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنے مذہب پر قائم رہا۔[2]

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کابل۔ زابلستان (غزنہ) اور قندھار کو فتح کیا۔[3]

دوسری طرف عبدالرحمٰن بن عامر نے بیست۔ اشبند ورخ۔ خواف۔ اسبرائن اور ارغیان وغیرہ کو فتح کرنے کے بعد نیشاپور پر قبضہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ بن حازم نے سرخس اور ماوراءالنہر کا تمام علاقہ فتح کیا۔[4] علاقہ ابرس بجرین کا بہت سا علاقہ اور گازرون اور قلعہ الشبوخ بھی فتح ہوا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۔ [2] تاریخ مسعودی صفحہ ۳۱۲۔ [3] خلفائے راشدین صفحہ ۲۰۱۔

مسلمانوں نے شام کا علاقہ تو عہد فاروقی ہی میں فتح کر لیا تھا۔ جو تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا اُسے عہد عثمانی میں فتح کرنے کے بعد مسلمان اناطولیہ (ٹرکی) اور آرمینیا تک پہنچ گئے۔ شمالی آرمینیا میں قوقاز تک کا علاقہ فتح ہوا اور مشرقی آرمینیا میں بحیرہ خزر تک۔ بلاد جبال (ڈرمیٹس کا کیشیا) جرزان (جارجیا) اور تفلس وغیرہ فتح ہوئے۔ عموریہ پر اسلامی جھنڈا لہرایا۔ حضرت معاویہ گورنر شام ایشیائے کوچک کے کنارے کنارے لڑتے لڑتے خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گئے ۔ لے

مسلمانوں کی بحری فتوحات کا سلسلہ حضرت عثمان رضی ہی کے عہد سے شروع ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ حضرت معاویہ گورنر شام نے حضرت عثمانؓ کی اجازت سے زبردست جنگی بیڑا تیار کر کے قبرس پر حملہ کیا۔ قبرس والوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ قیصر روم نے بھی اپنے جنگی جہازوں سے ان کی زبردست امداد کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس خون ریز معرکوں کے بعد قبرس پر قبضہ ہو سکا۔ آٹھ ہزار قیدی ہاتھ آئے ۔ سے

ایرونگ لکھتا ہے کہ معاویہ نے قبرس کی فتح کے بعد قریطش اور مالٹا پر چڑھائی کی۔ روڈس کو فتح کیا۔ روڈس میں ایک مشہور بت تھا۔ اسے توڑ ڈالا اور اس کے ٹکڑے ۹۰۰ اونٹوں پر لاد کر سکندریہ لائے اور ان سب کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہے

ایشیا کے علاوہ افریقہ میں بھی حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بکثرت فتوحات ہوئیں۔ مصر پر تو قبضہ حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں ہو گیا تھا۔ طرابلس۔ تیونس۔ الجزائر اور مراکش کے علاقے طنجہ اور بحر اوقیانوس تک حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔ نوبہ کا علاقہ بھی فتح ہوا۔ ہے برقہ اور پنٹا پولیس پر بھی قبضہ ہوا۔ لے

افریقہ میں سب سے شدید معرکہ جرجیر (گریگورس) سے پیش آیا۔ جو طرابلس سے طنجہ تک کا حاکم تھا اور مسلمانوں کے مقابلے پر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لایا تھا۔ اسلامی سپہ سالار نے پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی اور لکھا کہ اگر تم خدا کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لو۔ تو ہم فوراً یہاں سے واپس ہو جائیں گے۔ نہ صرف واپس ہو جائیں گے بلکہ ہمیشہ تمہارے ہمدرد اور معاون رہیں گے اور ہمارا تمہارا نفع نقصان ایک ہو گا۔ مگر جرجیر نے پروا نہ کی اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ہے

لے خلفائے راشدین صلا۲ ۔ سے خلفائے راشدین صـ۲۰۲ ۔ سے تحفۃ الاحباب صـ۱۲۸ ۔
ہے تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صـ۱۳۷ (حاشیہ) ہے خلفائے راشدین ورذکر فتوحات عثمانی لے انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد اول صـ۲ ے تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صـ۱۲۷

مفتوحہ ممالک میں اسلام کی اشاعت | وہ تمام شہر، علاقے اور ملک جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتح ہوئے اُن میں بہت کثرت کے ساتھ اسلام کی اشاعت ہوئی اور کابل سے لے کر اسپین تک اسلام پھیل گیا اور برابر پھیلتا رہا۔ چنانچہ لبنان کا مشہور فاضل مورخ عمر ابو النصر لکھتا ہے:۔

اس کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی لشکر اور سلطنت روما کے مابین لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ ان لڑائیوں میں سلطنت روما کے مشرقی علاقے میں سے جبال طوروس سے طنجہ تک کے سارے علاقے رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس وسیع علاقے میں مندرجہ ذیل صوبے شامل تھے۔ کیلیکیہ۔ شام۔ لبنان۔ شرق اردن۔ فلسطین۔ مصر۔ برقہ۔ مغربی طرابلس۔ تیونس۔ الجزائر اور مغرب الاقصیٰ۔ مسلمانوں نے چند ہی سال کے اندر اندر ان تمام علاقوں کی تہذیب اور اس کے تمدن کو عربی تہذیب اور تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا۔ مذکورہ بالا تمام ملکوں میں عربی زبان کو رائج کیا۔ ہر جگہ اسلام کی تبلیغ کی اور نہایت کوشش کے ساتھ اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا۔[1]

حضرت عثمان کے عہد میں اسلام کی تبلیغ اور اُس کی اشاعت کے متعلق عمر ابو النصر اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتا ہے:۔

عربی فتوحات کا ایک اہم اور زبردست اثر یہ ہوا کہ عرب کے بے شمار قبائل اور افراد نکل کر مفتوحہ علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ نے شام میں رہائش اختیار کر لی۔ کچھ مصر میں آباد ہو گئے۔ کچھ شمالی افریقہ میں جا بسے اور جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے۔ عرب کے قبائل سواحل فرات سے لے کر اطلس کے کناروں تک پھیل گئے۔ ان عربوں کا وہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں سے میل ملاپ ہو گیا اور انھوں نے ان علاقوں میں اپنے دین کی تبلیغ اور اس کی بکثرت اشاعت کر کے۔ اسلام کو ہر ملک میں پھیلا کے۔ عربی زبان کو ہر جگہ رائج کر کے۔ آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کر کے۔ نیز اقتصادی اور زراعتی امور میں اشتراک عمل کر کے ان کی طبائع کو بھی تمام تر عربی طبائع میں رنگ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام علاقوں میں سیاسی۔ عسکری۔ اقتصادی غرض ہر لحاظ سے عربیت غالب آ گئی اور اس طرح عربوں کی حکومت۔ اُن کے مذہب اور اُن کی زبان کو ان تمام ممالک میں استحکام حاصل ہو گیا۔ تاریخ ابتدائے آفرینش سے اب تک کسی ایسی قوم کی مثال پیش نہیں کر سکی جو حد درجہ قلیل التعداد مفلس و قلاش اور پرانے دقیانوسی ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے باوجود ایک بہت بڑے علاقے پر اور ایسے وسیع و عریض شہروں پر حملہ کر دے جو شہر پناہوں کے ذریعے نہایت پختہ اور مضبوط بنائے گئے ہوں۔ اسلحہ جنگ کی وہاں مطلق کمی نہ ہو اور اُن میں اتنے زبردست اور طاقتور لشکر موجود ہوں کہ فاتح قوم کی فوج اُن کے عشر عشیر بھی نہ ہو لیکن ان سب

---

[1] سیرۃ عثمان بن عفان از عمر ابو النصر ص۱۴۰

ساما نوں کے باوجود وہ قوم اپنی جملہ حریف قوموں پر غلبہ حاصل کر کے ان کو شکست دے اور ایک قلعے کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے قلعے پر قبضہ کرتی چلی جائے۔ جو علاقوں کے علاقے فتح کر کے پہلے ان میں اپنا اثر اور رسوخ قائم کرے اور پھر مفتوحہ قوم کو اپنی قومیت میں مدغم کرے۔ اپنے دین، اپنے مذہب اور اپنی زبانوں کو اُس میں پوری طرح رواج دے کر معاشرت کے کسی رشتے کو بھی اپنے اور اس کے درمیان باقی نہ رہنے دے۔" سلہ

تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب کا مؤلف لکھتا ہے کہ حبیب بن مسلمہ فہری برابر ایک سال تک آذربائیجان کے مختلف شہروں میں پھر کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ سلہ تاریخ الاصحاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان کے سپہ سالار نے کابل پر حملہ کیا تو یہاں کا راجہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا سلہ

اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں حضرت عثمان کی ذاتی کوششیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نائب اور جانشین کا سب سے ضروری اور سب سے اہم فرض دین کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت ہے۔ اس فرض کو انجام دینے کا حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ چنانچہ لڑائیوں میں جو لوگ گرفتار ہو کر آتے تھے۔ حضرت عثمانؓ خود ان کے سامنے اسلام کے محاسن اور اس کی تفصیلات بیان کر کے ان کو دین حق کی طرف مائل کرتے اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب اور دعوت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت سی رومی لونڈیاں پکڑی ہوئی مدینہ آئیں۔ حضرت عثمانؓ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپؓ خود ان لونڈیوں کے پاس تشریف لے گئے اور بہت دیر تک نرمی اور شفقت کے ساتھ اُن کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اس گروہ میں سے اسی وقت دو عورتیں کھڑی ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ ہم اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہتی ہیں۔ ہمیں بتائیں کہ مسلمان ہونے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت عثمانؓ نے کلمہ شہادت پڑھوا کر انھیں مسلمان کر لیا سلہ

فصل چہارم

۴۔ حضرت علیؓ کا عصرِ خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی بچپن ہی سے ایک پُرجوش اسلامی مجاہد کی زندگی تھی۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اعلائے کلمۃ الحق۔ ترویج احکام اسلام اور لوگوں کو نیکی و ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے میں گذار دی۔ اسلام کی خدمت

سلہ سیرۃ عثمان بن عفان از عمر ابوالنصر صـ۶۸۔ سلہ تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صـ۱۲۵ دحاشیہ سلہ تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب صـ۱۳۶۔ سلہ خلفائے راشدین صـ۲۷۶ بحوالہ ادب المفرد

اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا اور اس میں کیا شبہ ہے کہ انھوں نے یہ خدمت عمر بھر نہایت خلوص اور نہایت شوق سے ادا کی۔

اسلام کی اشاعت اور دینِ حق کی تبلیغ کے متعلق حضرت علیؓ نے جو کارنامے انجام دیے ان کی تفصیل ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ حضرت علیؓ ایک منٹ کے لیے بھی ان سے علیحدہ نہ ہوں۔ کیونکہ وہ اُن کے بہترین مشیر اور ایسے اعلیٰ درجے کے صلاحکار تھے۔ جن کی تینوں خلفاء کو ہر وقت اشد ضرورت رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ جیسے ماہر اور تجربہ کار سیاستدان نے تو صاف طور پر فرمایا کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ (یعنی اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا) خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں حضرت علیؓ ایک دن کے لیے بھی تبلیغ یا جہاد کے لیے مدینے سے باہر نہیں گئے اور خلفاء کے عہد میں مدینے میں نہ عیسائی باقی رہے تھے۔ نہ یہودی اور نہ وہاں کوئی مجوسی تھا۔ پھر وہاں اسلام کی تبلیغ حضرت علیؓ کیسے کرتے؟

حضرت عثمان ذی النورینؓ کی الم ناک شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت ہی پُر شور اور نہایت ہنگامی حالات میں خلیفہ ہوئے۔ آپؓ کا زمانۂ خلافت ۲۴ ذی الحجہ ۳۵ھ سے ۱۷ رمضان ۴۰ھ تک رہا۔ ان پونے پانچ برس میں حقیقت یہ ہے کہ ایک دن بھی آپؓ کو امن چین اور سکون و اطمینان کا نہیں ملا۔ اندرونی جھگڑے۔ ذاتی اُلجھنیں اور آپس کے قضیئے آپؓ کے تمام زمانۂ خلافت میں ایسے پے در پے اور مسلسل اُٹھتے رہے کہ انھوں نے تمام ملتِ اسلامی کا شیرازہ پراگندہ اور منتشر کر دیا۔ جو بھی قضیہ کھڑا ہوتا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ شدید اور سخت ہوتا تھا۔

اس تمام عرصے میں حضرت علیؓ نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح جھگڑے ختم ہو جائیں اور قضیے مٹ جائیں تاکہ اس کے بعد وہ اندرونی اصلاح اور بیرونی استحکام کی طرف پوری توجہ مبذول کر سکیں اور اس کے نتیجے میں ایک مثالی حکومت دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ مگر نہ جھگڑے مٹے اور نہ قضیئے ختم ہوئے بلکہ برابر بڑھتے ہی گئے۔

ظاہر ہے کہ کوئی حاکم اور کوئی فرمانروا اسی وقت اصلاحی اور تعمیری کام انجام دے سکتا ہے جب اسے سلطنت کے انتظام کی طرف سے اطمینان ہو۔ اراکین سلطنت اُس کے ساتھ پورا تعاون کریں اور اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کریں۔ مگر حضرت علیؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں نہ دم بھر کا سکون حاصل ہوا اور نہ ان کے متبعین نے اُن کے ارشادات کی کما حقہ پیروی کی بلکہ ان میں کا ایک گروہ تو خود ان کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ جس کا آپؓ کو مجبوراً قلع قمع کرنا پڑا۔ ان حالات میں ملکی اصلاح و تجدید اور اسلام کی اشاعت و ترویج کے متعلق کیا

کام ہوسکتا تھا؟ انہی وجوہ سے نہ حضرت علیؑ کے زمانے میں فتوحات ہی کا دائرہ وسیع ہوسکا۔ جن کے ذریعے سے اسلام دور ونزدیک پھیلتا۔ نہ خود اسلام کی اشاعت ہی کا کوئی باقاعدہ پروگرام تجویز ہوسکا جس کی بدولت اسلام کے متبعین میں زیادتی ہوتی۔ مگر نہایت حیرت ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ چاروں طرف سے مشکلات میں مبتلا ہونے کے باوجود انھوں نے امانت۔ دیانت اور عدل وانصاف کے خلاف کوئی کام نہ کرنا چاہا۔ وہ احکام اسلام کی اطاعت کرنے میں نہ کسی کی رعایت کرتے تھے اور نہ اس معاملے میں کسی شخصیت سے مرعوب ہوتے تھے۔ بیت المال کا ایک درہم بھی نہ خود ناجائز طور پر خرچ کرتے۔ نہ کسی کو کرنے دیتے اور اگر کبھی ایسا قصہ پیش آجاتا تو نہایت سختی سے اس کا محاسبہ کرتے۔ عمال کی نگرانی نہایت تندہی سے کرتے اور حق وانصاف کے معاملے میں کسی سے رعایت اور درگذر نہ کرتے تھے۔ خواہ کسی درجے اور کسی مرتبے کا شخص ہوتا چنانچہ ایک شکایت کی بناپر اپنے ابن عم اور گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس کو لکھتے ہیں قد بلغنی عنک امر ان کنت فعلتہ فقد اسخطت ربک وعصیت امامک واخزیت امانتک بلغنی انک جردت الارض فاخذت ما تحت یدیک فارفع الی حسابک واعلم ان حساب اللّٰہ اعظم من حساب الناس (یعنی مجھے ایک ایسے امر کی اطلاع ملی ہے کہ اگر تم نے وہ کام کیا ہے تو اپنے پروردگار کو ناراض کردیا اور اپنے امام کی نافرمانی کی اور اپنی امانت کی اہانت کی۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے زمین کو خراب کردیا جو کچھ تمھارے پاؤں کے نیچے تھا وہ لے لیا اور جو کچھ تمھارے ہاتھوں میں تھا کھالیا۔ لہٰذا تم اپنا حساب میرے سامنے پیش کرو اور یہ جان لو کہ خدا کا محاسبہ انسان کے محاسبے سے کہیں سخت ہوگا) ان کے زمانے میں بیت المال کے دروازے غربا اور مساکین یتامیٰ اور بیوگان کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ مگر غیر مستحق افراد کو ان کی بارگاہ سے ایک درہم نہ ملتا تھا۔ خواہ ان کا اپنا بھائی عقیل ہی کیوں نہ مانگے۔ وہ رعایا کی اخلاقی۔ عملی اور مذہبی نگرانی نہایت سختی سے کرتے تھے اور بے راہ روی پر سزا بھی بڑی سخت دیتے تھے۔ جس عدل وانصاف۔ جس رحم ومروت۔ جس پاکیزگی وطہارت اور جس زہد واتقا کی طرف وہ دنیا کو لے جانا چاہتے تھے۔ افسوس! دنیا نے ادھر جانا نہ چاہا اور وہ راستہ اختیار کیا جو ظلم وطغیان۔ معصیت وگناہ۔ بے ایمانی ودغابازی اور بغاوت وسرکشی کے ہولناک گڑھے کی طرف جاتا تھا ایسے پُرآشوب زمانے میں اقلیم روحانیت کا تاجدار اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا تربیت یافتہ یہ انسانؑ اگر تھوڑی سی بھی دنیاداری اختیار کرتا تو اس کا عہد یقیناً دنیوی لحاظ سے نہایت شان دار اور کامیاب وکامران ہوتا۔ مگر علیؑ نے ایک منٹ کے لیے بھی سیاسیات کے چکر میں پھنس کر ایمان وعدل اور اتقا وپرہیزگاری کے اصول کو ہاتھ سے نہ دیا اور اس کے مقابلے میں ہر تکلیف اور مصیبت کو خوشی سے برداشت کیا۔

چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جانشین اور نائب اور خلیفہ کا مقصد وحید تبلیغ دین اشاعت

مذہب اور اعلائے کلمۃ الحق تھا اور حضور علیہ السلام اسی لیے دنیا میں تشریف لائے تھے کہ خدا سے غافل بندوں کو ان کے رب کا پیغام پہنچا دیں اور دنیا کی اسلام کی طرف رہنمائی کریں۔ اس لیے عظیم رکاوٹوں اور سخت مشکلات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اشاعتِ اسلام کے کام سے حضرت علیؓ غافل نہ رہے اور اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کام آپؓ کے عہد میں بھی ہوا۔

یہ کام وہی تھا جس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو واسطہ پڑا تھا یعنی مرتدین کا استیصال اور ان لوگوں کو جو حق سے روگرداں ہو گئے تھے۔ اسلام کی طرف دعوت دے کر دوبارہ مسلمان بنانا۔ چنانچہ آپؓ کے زمانۂ خلافت میں ایران اور آرمینیا میں بعض ایسے لوگ جنھوں نے قبل ازیں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے بعض مادی اغراض اور دنیوی فوائد کے پیش نظر مرتد ہو گئے۔ نہ صرف مرتد ہوئے بلکہ نتائج سے بے پروا ہو کر اسلامی فوجوں کا مقابلہ بھی کیا اور ملک میں بدامنی اور بغاوت پھیلانے کا باعث ہوئے۔

دارالخلافہ کوفہ میں جب اس ارتداد اور ان فسادات کی خبر پہنچی تو حضرت علیؓ نے ان مرتدین اور باغیوں کے خلاف نہایت سخت فوجی قدم اٹھایا اور ان کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ طاقت پکڑ کر اسلامی حکومت کے لیے خطرے کا باعث بنیں اور علاقے کا امن ان کی ان حرکات کے باعث غارت ہو۔

حضرت علیؓ نے اس معاملے میں ذرا سی بھی نرمی نہیں برتی۔ چنانچہ آپؓ کی اس بروقت کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرتدین میں سے اکثر عیسائیوں نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور دوبارہ اسلام کے زمرے میں داخل ہو کر ہمیشہ کے لیے سچے اور پکے مسلمان بن گئے [1]

غرض اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے حضرت علیؓ کا عصرِ خلافت بالکل خالی نہیں رہا۔ کچھ نہ کچھ کام ضرور ہوا اگرچہ وہ بہت زیادہ نہ تھا، اس امر کے قوی قرائن موجود ہیں کہ اگر اندرونی مخالفتوں، آپس کے جھگڑوں، فضول قضیوں اور بے فائدہ مناقشوں کا جلد خاتمہ ہو جاتا یا یہ جھگڑے قضیے پیدا ہی نہ ہوتے تو اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے حضرت علیؓ کا دَور نہایت شاندار اور تابناک رہتا اور آج ہم فخر کے ساتھ اس کا حال ناظرین کو سناتے۔ اس بیان کے ساتھ ہم خلفائے راشدین کے دَور کو ختم کرتے ہیں۔

---

[1] خلفائے راشدین مؤلفہ حاجی معین الدین صا۔۔۔ ذکر "حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مذہبی خدمات"۔

باب دوم

بنو اُمیہ کے عہد میں اشاعتِ اسلام کی رفتار

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں اشاعتِ اسلام خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد خلافتِ رسولؐ کا مبارک دور ختم ہوگیا اور ملوکیت شروع ہوگی۔ سب سے پہلا خاندان جو میدانِ سیاست میں آیا وہ بنو اُمیہ تھے۔ جنھوں نے ۴۰ھ سے ۱۳۲ھ بمطابق ۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک دنیا کے اتنے وسیع رقبہ پر حکومت کی کہ کسی اور مسلمان حکمران خاندان کے قبضے میں بیک وقت اتنے ممالک نہیں رہے۔ اس خاندان کے بانی حضرت معاویہؓ بن ابو سفیان تھے۔ ان کے زمانۂ حکومت میں بکثرت فتوحات ہوئیں۔ بری بھی اور بحری بھی۔ بخارا (ترکستان) سے قیروان (افریقہ) تک یمن سے قسطنطنیہ تک ان کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ حجاز۔ یمن۔ شام۔ مصر۔ نوبہ۔ طرابلس۔ ٹیونس۔ الجزائر۔ مراکش۔ دوسری طرف عراق۔ آرمینیا۔ ترکستان۔ فارس۔ آذربائیجان۔ ایشیائے کوچک۔ خراسان۔ جبال۔ ماوراالنہر۔ سیستان۔ کرمان۔ سندھ کا بہت سا علاقہ ملتان تک۔ کابل۔ غزنی اور غور وغیرہ تمام علاقے ان کی سلطنت میں شامل تھے۔ بحیرہ روم میں قبرص۔ روڈس اور ارواد پر اُن کا قبضہ تھا۔[1]

ان سب علاقوں میں نہایت کثرت کے ساتھ برابر اسلام پھیلتا چلا گیا۔ جس جس شہر پہ مسلمانوں کا قبضہ ہوتا گیا۔ وہاں برابر لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ کچھ تو باہمی میل جول کے ذریعے سے۔ کچھ آپس میں بیاہ شادی کے سلسلے سے۔ کچھ مسلمانوں کے اخلاق و عادات سے متاثر ہوکر۔ کچھ مسلمانوں کی شان و شوکت اور ان کی فتوحات سے مرعوب ہوکر۔ غرض مختلف وجوہ سے اسلام کو ان تمام ممالک میں عروج حاصل ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ۔ ان تمام ممالک نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر لیا اور ان ملکوں کی تمام آبادیاں مسلمان ہوگئیں۔

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام۔ تاریخ اسلام از مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی جلد دوم۔ تاریخ الامت از اسلم جیراج پوری جلد سوم۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب۔ طبری اور سیر الصحابہ جلد ششم۔ بعد کے زمانے میں بنو امیہ کی سلطنت میں تمام سپین و پرتگال اور سندھ و پنجاب کا بہت سا حصہ بھی شامل ہوگیا تھا اور ان کی حکومت کی حدود چین سے لے کر سپین تک پھیل گئی تھیں۔ ان نو مفتوحہ ممالک میں بھی اسلام کی وسیع اشاعت ہوئی۔

بربر میں اسلام کی اشاعت حضرت معاویہ کے زمانۂ حکومت میں اگرچہ بہت سے رومی بھی مسلمان ہوئے۔ مگر اس دور میں اسلام کی سب سے زیادہ اشاعت افریقہ کی بربر قوم میں ہوئی اور بے شمار بربر اسلام لائے۔ مگر یہ لوگ سخت فتنہ انگیز، نہایت وحشی اور بے حد سرکش قسم کے لوگ تھے۔ نہ خود چین سے بیٹھتے تھے۔ نہ دوسرے کو سکون سے بیٹھنے دیتے تھے۔ جب تک کوئی مضبوط اور زبردست فوجی افسران کے سروں پر بیٹھا رہتا۔ اس وقت تک تو ٹھیک رہتے۔ جہاں حکومت کی گرفت کچھ کمزور پڑتی۔ وہیں فوراً یہ لوگ بغاوت اور سرکشی پر تیار ہو جاتے اور مرتد ہو کر ملک میں لوٹ مار مچاتے پھرتے [۱]

قیروان کی بنا بربر کی اس روش سے تنگ آکر حضرت معاویہؓ نے افریقہ میں ایک زبردست فوجی چھاونی قائم کرنی چاہی۔ تاکہ ان آئے دن کی بغاوتوں کا سدِّ باب کیا جا سکے۔ آپ نے گورنر افریقہ عقبہ بن عامر کو حکم بھیجا کہ مناسب جگہ دیکھ کر ایک وسیع شہر افریقہ میں بسائے۔ جس میں بہت معقول تعداد مسلم فوجیوں کی ہر وقت موجود رہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے باغیوں اور مرتدوں کی قرار واقعی سرکوبی کی جا سکے۔ چنانچہ عقبہ بن عامر نے ساحل بحر سے ہٹ کر ایک بڑا وسیع جنگل اس کام کے لیے منتخب کیا۔ جو بے شمار درندوں، بے حد مسموم جانوروں اور اونچے اونچے درختوں سے پٹا پڑا تھا۔ عقبہ نے اس جنگل کو بڑی مشکل سے کٹوا کر اور درندوں اور حشرات الارض سے پاک کر کے پانچ سال میں (۴۵ھ سے ۵۰ھ تک) ایک عظیم الشان شہر تعمیر کر دیا جس کا نام قیروان تھا اور جس نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی اور عروج حاصل کیا کہ تمام شمالی افریقہ کا مرکز بن گیا۔[۲] قیروان کا طول تیرہ ہزار ذراع اور عرض چھ ہزار ذراع تھا (ایک ذراع آدھ گز کا ہوتا ہے)[۳]

سردار بربر کسیلہ کا اسلام لانا قیروان کی تکمیل کے پانچ سال بعد ۵۵ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے عقبہ بن نافع فہری کو مصر اور افریقیہ کی ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ مسلمہ بن مخلد انصاری کو مقرر کیا۔[۴] یہ خود تو مصر میں رہا اور اپنے ایک غلام ابوالمہاجر کو افریقیہ کا عامل مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ ابوالمہاجر کی بربر کے ایک مشہور اور زبردست سردار کسیلہ بن لمزم البرنسی کی شہر تلمسان کے قریب بڑی خوفناک اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اگرچہ کسیلہ نے بڑی بہادری اور نہایت شجاعت کے ساتھ ابوالمہاجر کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور گرفتار ہو کر ابوالمہاجر کے سامنے پیش کیا گیا۔

قبل اس کے کہ اسلام اور مسلمانوں کے اس سخت اور شدید دشمن کو جلاد کے سپرد کیا جاتا۔ ابوالمہاجر نے

---

[۱] سیر الصحابہ جلد ششم از مولانا معین الدین احمد ندوی۔ تاریخ اسلام الاعظم گڑھ جلد دوم ص ۱۰۹۔ [۲] سیر الصحابہ جلد ششم ص ۸۴ تاریخ مراکش ترجمہ حقائق الاخبار ص ۲۲۔ [۳] تاریخ مغرب ص ۲۶۔ [۴] البیان المغرب فی اخبار المغرب از ابن العذاری مراکشی جلد اول۔

اس کو اسلام کی تبلیغ کی۔ جس پر کسیلتہ نے اسلام لانے پر اپنی آمادگی اور رضامندی کا اظہار کیا۔ یہ خونی مجرم اسلام کے اقرار کے ساتھ ہی فوراً رہا کر دیا گیا اور ابوالمہاجر نے اسے آزاد کر کے اپنا دوست اور رفیق بنا لیا۔[1]

بعد کے ایام میں کسیلتہ بن لمزم البرنسی کو بڑا عروج حاصل ہوا اور وہ عبدالملک بن مروان کے عہد تک تمام بلاد مغرب۔ باقیماندہ افریقیہ اور وہاں کے تمام مسلمانوں کا امیر رہا۔

بربر کے ارتداد اور اُن کی بغاوتوں کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ بقول ابن خلدون موسیٰ بن نصیر بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں جا کر افریقیہ کے علاقے پر پورا تسلط قائم ہوا اور بربر نے بھی مستقل طور پر اور سچے دل سے اسلام کو قبول کر لیا۔[2]

علاقہ غور کا ارتداد ارتداد کا یہ فتنہ مشرقی ممالک میں بھی پھیلا۔ چنانچہ ۴۷ھ میں غور کے باشندوں نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی۔ حضرت معاویہ نے حکم بن عمرو غفاری کو بھیج کر اس فتنہ کا تدارک کیا اور وہ لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔[3]

ولید بن عبدالملک کے زمانے میں اسلام کی اشاعت بنو اُمیہ کا چھٹا بادشاہ ابوالعباس ولید بن عبدالملک تھا جس نے ۸۶ھ/۷۰۵ء سے ۹۶ھ/۷۱۵ء تک حکومت کی ہے۔ اس کے عہد میں اسلامی قلمرو مشرق سے مغرب تک دو ڈھائی ہزار میل کی مسافت تک وسیع ہو گئی۔ ملک تاتار سے بحر ظلمات تک کے ممالک اس کے زیر نگین ہو گئے۔ اور ان سب شہروں اور ملکوں میں نہایت کثرت سے اسلام پھیل گیا۔ جہاں جہاں اس کی حکومت تھی۔ سندھ میں اسلام کی اشاعت اس کے عہد کا خاص اور مشہور واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

اپنے زمانہ عروج میں مسلمان تاجر تمام دنیا میں تجارت کرتے پھرتے تھے اور چین سے لے کر سکندریہ تک اور سکندریہ سے لے کر افریقہ کے آخری کنارے طنجہ تک اُن کی جولانگاہ تھی۔ بحیرہ روم اور بحر ہند کے تمام جزائر میں بھی اُن کی آمد و رفت تھی۔ لیکن اس وقت کے مسلمان تاجروں میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ جہاں وہ دور دراز ملکوں میں جا کر وہاں کے باشندوں کے ہاتھ اپنی اشیاء فروخت کرتے تھے۔ وہاں اُن کو اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ بیسیوں ملکوں کے سینکڑوں قبیلوں اور خاندانوں نے انہی تاجروں کے ذریعے اسلام قبول کیا۔ بحر ہند کے بہت سے جزیروں۔ جنوبی ہندوستان کے مشرقی اور ساحل کی تمام بندرگاہوں اور دیبل سومنات کھمبایت۔ بھروچ اور تھانہ کے تمام علاقوں پر ان کا تاجرانہ قبضہ تھا۔ جہاں وہ مقامی باشندوں کے ہاتھ اپنی تجارتی

---

[1] عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام ص۳۲۔ تاریخ مراکش ص۲۳۔ [2] تاریخ مغرب ص۴۷۹۔ [3] ابن اثیر جلد ۳ ص۳۸۰۔ [4] عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام ص۴۲

اشیاء قیمتاً فروخت کرتے اور روحانی تحفہ یعنی اسلام اُن کی خدمت میں مفت پیش کرتے تھے ہر جگہ سے کامیاب اور کامران ہو کر واپس آتے تھے۔

مسلمان تاجروں کا یہ بھی ایک مخصوص طریقہ تھا کہ جہاں تجارت اور تبلیغ کے لیے جاتے وہاں اپنے اہل وعیال کو بھی بالعموم اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ عرب تاجروں کی یہ عادت ایک مرتبہ ایک زبردست تاریخی انقلاب کا باعث بن گئی۔

ہوا یہ کہ جزیرہ لنکا میں جسے مسلمان "سیلان" کہتے تھے۔ ایک عرب تاجر کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیوی بچے وہاں لاوارث رہ گئے۔ لنکا کے راجہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو شہنشاہ دمشق کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا یہ موقع بہت عمدہ ہاتھ آیا۔ اُس نے فوراً متوفی سوداگر کے اہل وعیال کو کہلا بھیجا کہ آپ لوگ قطعاً فکر مند نہ ہوں میں آپ کو بہت حفاظت کے ساتھ آپ کے وطن بھجوا دوں گا۔

اس کے بعد راجہ نے چند مستعد لوگوں کی نگرانی میں ان عورتوں اور بچوں کو ایک جہاز میں سوار کرا کے دمشق روانہ کر دیا۔ بعض اور مسلم خاندان بھی جو وطن جانا چاہتے تھے اور بعض لوگ جو حج کے لیے جا رہے تھے۔ وہ سب اس جہاز میں سوار ہو گئے۔ راجہ نے خلیفہ دمشق کے لیے بعض تحفے بھی روانہ کیے اور ساتھ ہی ایک خط بھی خلیفہ کو لکھا کہ فلاں مرحوم عرب تاجر کے اہل وعیال کو میں سرکاری خرچ پر ان کے وطن بھیج رہا ہوں اور حضور کے لیے بھی چند تحفے ارسال کر رہا ہوں۔ ان کو قبول فرمائیں تو میری عزت افزائی ہو گی۔

جب لنکا سے چل کر یہ جہاز سندھ کے علاقے میں بندرگاہ دیبل (دیول) کے قریب پہنچا تو قوم مید کے بحری قزاقوں نے جہاز کو لوٹ لیا اور جتنے مسلمان مرد۔ عورتیں اور بچے ان کو جہاز میں ملے سب کو گرفتار کر کے بندرگاہ دیبل میں قید کر دیا اور مال و اسباب لے کر چل دیے۔

حجاج بن یوسف اس وقت ولید بن عبدالملک کی طرف سے اس کی تمام مشرقی سلطنت کا وائسرائے اور خلیفہ کا سپہ سالار تھا عراق۔ فارس۔ سیستان۔ کرمان۔ کابل اور ماوراء النہر وغیرہ صوبے اس کی حکومت میں شامل تھے۔ سندھ کا صوبہ بھی اس کی حدود میں تھا۔ جب اس قزاقی کی اطلاع حجاج بن یوسف کو ہوئی تو اس نے راجہ داہر کو ایک خط لکھا جو اس وقت سندھ کا نہایت طاقتور راجہ تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ "تمہاری سلطنت میں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے۔ لہٰذا قزاقوں کو گرفتار کر کے سزا دو۔ لوٹا ہوا مال واپس کرو۔ مسلمان عورتوں۔ بچوں اور مردوں کو جو قید میں فوراً رہائی دلا کر یہاں بھیج دو۔ ورنہ میں چین تک کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

راجہ داہر نے اس خط کا جواب نہایت سخت دیا۔ جس پر حجاج بن یوسف نے ولید بن عبدالملک سے اجازت

لے کر اپنے داماد محمد بن قاسم کو چھ ہزار کی فوج دے کر سندھ بھیجا۔ راجہ داہر میدان مقابلہ میں مارا گیا اور دریائے بیاس تک سندھ اور پنجاب کا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔[1] مسلم خواتین اور بچے بھی رہا ہو گئے اور بے شمار مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

محمد بن قاسم نے مفتوحہ شہروں کے باشندوں سے نہایت رحم اور مروت کا برتاؤ کیا جس سے متاثر ہو کر بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے۔ تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے بھی بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہی نو مسلموں میں سے ایک ''مولانا اسلامی'' بھی تھے۔ جنہیں محمد بن قاسم نے ایک مرتبہ اپنا سفیر بنا کر راجہ داہر کے پاس بھیجا تھا۔[2]

محمد بن قاسم کا قاعدہ تھا کہ جس شہر کو فتح کرتا تھا اور وہاں کچھ آدمی مسلمان ہو جاتے تھے تو وہاں وہ ضرور ایک مسجد بنا دیا کرتا تھا اور اس طرح اس نے سندھ کے کئی شہروں میں اسلام کی جڑیں جما دیں۔[3]

فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے سب سے بڑا اور سب سے اہم کام یہ کیا کہ سندھ کے تمام تعلقہ داروں، ٹھاکروں اور بڑے زمینداروں کے نام فرداً فرداً خطوط لکھے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی اور بت پرستی کی برائیاں اور خرابیاں واضح کیں۔ جس کے نتیجے میں اکثر لوگ اسلام لے آئے۔[4]

جب ان تبلیغی خطوط کا حال راجہ داہر کے وزیر سی ساگر کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے بعض خاص آدمیوں کو محمد بن قاسم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر آپ مجھے امن دیں تو میں آپ کے پاس آجاؤں۔ اگرچہ وزیر سی ساگر کی طرف سے متعدد مرتبہ سخت دشمنی کا اظہار ہو چکا تھا۔ مگر محمد بن قاسم نے نہایت عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کہلا بھیجا کہ بلا تامل تشریف لے آئیں اور اپنے ایک معزز افسر کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس کے ساتھ نہایت مروت اور مہربانی سے پیش آیا اور داہر کی طرح اسے اپنا وزیر بنا لیا اور کوئی کام اس سے مشورہ کیے بغیر نہ کرتا تھا اس شفقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سی ساگر نہایت صدق دلی کے ساتھ اسلامی حکومت اور اسلامی سپہ سالار کا معاون بن گیا۔[5]

محمد بن قاسم سندھ اور پنجاب کے جس شہر پر حملہ کرتا تھا۔ پہلے اس کے باشندوں کو اور اس کے فوجی افسروں کو اسلام کی تبلیغ کرتا تھا اور اس کے بعد جنگ کی ابتدا کرتا تھا۔[6]

جب محمد بن قاسم نے سندھ کے مشہور شہر برہمن آباد کو فتح کیا۔ تو یہاں کے رؤسا اور عوام کو بڑے زور سے اسلام کی

---

[1] تاریخ سلاطین اسلام ص۴۲ ہم نے بے حد اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ محمد بن قاسم کی کئی سوانح عمریاں اردو میں موجود ہیں مولانا ابوظفر ندوی نے تاریخ سندھ میں مفصل حال لکھا ہے۔ تفصیلات کے شائقین ان کتب کو ملاحظہ فرمائیں [2] تاریخ سندھ ابوظفر ص۶۱ ۔ [3] تاریخ سندھ ابوظفر ص۵۸ ۔ [4] تاریخ سندھ ابوظفر ص۸۳ ۔ [5] تاریخ سندھ ابوظفر صفحہ ۸۳-۸۴
[6] تاریخ سندھ ص۸۵

تبلیغ کی۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا [1]

اروڑ شہر فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے توحید کی تبلیغ اور بت پرستی کی تردید نہایت عجیب..... اور اچھوتے طرز سے کی۔ وہ شہر کے بڑے مندر میں گیا۔ وہاں پتھر کا بنا ہوا ایک گھوڑا نصب تھا اور اس پر پتھر کا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس مجسمہ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ محمد بن قاسم نے ہاتھ بڑھا کر ایک کنگن اُتار لیا اور پاس کھڑے ہوئے پجاری سے پوچھا کہ اس کا ایک کنگن کیا ہوا؟ پجاری نے ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ حضور نے اُتار لیا" محمد بن قاسم نے ہنس کر کہا۔ یہ تو تم کہہ رہے ہو۔ مگر تمہارے اس خدا کو جسے تم پوج رہے ہو بالکل بھی خبر نہیں کہ اس کا کنگن کس نے اُتارا؟ بھلا یہ بھی کوئی خدا ہوا جس کو نہ اتنی خبر ہے کہ کس نے اس کا کنگن اتارا؟ نہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ کنگن اُتارنے سے کسی کو روک سکے؟ یہ بُت خدا نہیں نرے پتھر ہیں اور کسی کام کے نہیں عبادت کرنے کے لائق صرف خدا کی ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جس کو نہ فنا ہے نہ زوال۔

اس تبلیغ کے بعد محمد بن قاسم نے کنگن پجاری کے ہاتھ پر رکھا اور مندر سے باہر نکل آیا [2]

محمد بن قاسم اگرچہ خود بھی اکثر فتح سندھ کے دوران میں ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دیتا رہتا تھا مگر اس کے علاوہ حجاج بن یوسف بھی اُسے خطوں میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کی ترغیب اور حکم دیتا رہتا تھا۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتا ہے...... "اپنی فتوحات کا دائرہ ہمیشہ وسیع کرتے رہو۔ اشاعت اسلام کا خاص خیال رکھو جو بڑا شہر فتح کرو۔ وہاں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد تعمیر کرو" [3]

غرض محمد بن قاسم جہاں بہترین سپہ سالار، اعلیٰ درجہ کا بہادر اور بڑا مدبر اور منتظم شخص تھا وہاں نہایت بلند پایہ مبلغ اسلام بھی تھا۔ اسی نے سب سے پہلے سندھ اور پنجاب کو اسلام کی روشنی سے منور کیا۔

صد ہزار افسوس کہ اس لائق اور قابل ۱۷ سالہ نوجوان کا انجام نہایت درجہ افسوسناک اور غم انگیز ہوا یہ برابر فتوحات کرتا اور اسلام کی تبلیغ کرتا ہوا اور کافروں کو مسلمان بناتا ہوا علاقے اور شہر فتح کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ یکایک شوال ۹۵ھ میں اُسے اپنے مربی اور سرپرست حجاج بن یوسف ثقفی کے مرنے کی خبر ملی۔ اس کے آٹھ ماہ بعد جمادی الثانی ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ جسے حجاج بن یوسف سے سخت دشمنی اور عداوت تھی۔ چونکہ وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ اس لیے تخت نشین ہونے کے بعد اس نے اس کی دشمنی کا انتقام اُس کے داماد محمد بن قاسم سے لیا۔ اُسے معزول کر کے اس کی بجائے یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ جس نے سندھ پہنچ کر محمد بن قاسم کو گرفتار کیا۔ مجرموں کی طرح ٹاٹ کے کپڑے پہنائے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں اور معاویہ بن مہلب کے ساتھ دمشق روانہ کر دیا

---

[1] تاریخ سندھ ابوظفر صفحہ ۱۰۱۔ [2] تاریخ سندھ ابوظفر صفحہ ۱۰۵۔ [3] تاریخ سندھ از سید ابوظفر صفحہ ۱۱۶

جب وہاں پہنچا تو واسط کے جیلخانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے ناقابل بیان تکلیفیں اور ایذائیں دی گئیں یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔[۱]

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کا مبارک دَور

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ۔ بنی اُمیہ کے آٹھویں فرمانروا اور نہایت نیک نام۔ عادل، رعیت پرور اور پرہیزگار انسان تھے۔ آپ کا زمانہ صرف دو سال پانچ ماہ رہا اور آپ نے ۹۹ھ/۷۱۷ء سے ۱۰۱ھ/۷۱۹ء تک حکومت کی[۲]۔ مگر اس قلیل عرصے میں آپ نے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا[۳]۔ آپ دنیائے اسلام کے پہلے اور آخری شہنشاہ ہیں جنھوں نے ملکی فتوحات اور وسعتِ سلطنت پر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کو ترجیح دی[۴] اور اپنی ساری ہمت۔ پوری کوشش اور تمام سعی اس مبارک اور نیک کام میں صرف کر دی اور اپنے تمام زمانۂ سلطنت میں پورے خلوص اور بڑے شوق کے ساتھ اس اہم اور ضروری فرض کو ادا کرتے رہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے دوران میں اگرچہ آپؒ کو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں اور نقصانات بھی برداشت کرنے پڑے مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور عالی حوصلگی کے ساتھ دونوں باتیں برداشت کیں اور پورے انہماک کے ساتھ اس کام میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ موت نے اُن کو اس فرض کی ادائیگی سے روک دیا۔

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فتح ممالک اور تسخیر بلاد کے کام کو روک کر تبلیغ اسلام کے ضروری فریضے کو جاری کیا تھا۔ مگر چونکہ سلطنت بہت وسیع تھی اور ہر طرف طاقتور دشمن پھیلے ہوئے تھے خصوصاً رومی حکومت تو ہر وقت اس فکر میں رہتی تھی کہ ذرا بھی موقع ملے تو مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اس لیے سرحدوں پر عام طور سے جنگوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور چھوٹی موٹی جھڑپیں مسلسل ہوتی رہتی تھیں۔ مگر ان جنگوں کے متعلق بھی آپ نے سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ ایک تو خود پیش قدمی نہ کریں۔ دوسرے حملہ کرنے سے پہلے مخالف فوج کو اسلام کی تبلیغ ضرور کریں۔ چنانچہ ابن سعد لکھتا ہے:۔

"صفوان بن عمرو سے مروی ہے کہ ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیزؒ کا جب وہ خلیفہ تھے فرمان آیا کہ رومیوں کے کسی قلعے پر چڑھائی نہ کی جائے اور ان کی کسی جماعت اور فوج پر ہرگز حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ تم پہلے ان لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت نہ دے لو۔ اگر وہ تمھاری دعوت کو قبول کر کے اسلام لے آئیں تو ان سے باز رہو۔ اگر انکار کریں تو ان سے اپنی اطاعت اور جزیہ کے لیے کہو۔ اگر وہ یہ بھی نہ مانیں تو پھر جنگ کرو۔"[۵]

---

[۱] تاریخ سندھ ابو ظفر ندوی صفحہ ۱۲۰ [۲] تاریخ سلاطین اسلام صفحہ ۳۲ [۳] علمائے اہل سنت آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کرتے، "عمر ثانی" کہتے اور دوسری صدی کا مجدد مانتے ہیں (تاریخ الامت جلد سوم صفحہ ۹۰) [۴] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ [۵] طبقات ابن سعد جزو ثامن صفحہ ۲۶۱۔

آپ نے اپنے تمام عمال کو یہ فرمان لکھ کر بھجوا دیا تھا کہ ہر جگہ ذمیوں میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کی جائے اُن میں سے جو ذمی اسلام کی دعوت کو قبول کرے۔ فوراً اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے اور اس کو وہ سارے حقوق دے دیے جائیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں[1] - چنانچہ اس باب میں اتنی تاکید تھی کہ حکم تھا کہ اگر کسی ذمی سے جزیے کا مال وصول ہو گیا ہے اور میزان کرنے کے لیے ترازو میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی اگر وہ شخص اسلام لے آئے تو اس کا مال فوراً اُسے واپس کر دیا جائے۔[2]

اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ ذمی جو سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے بھی اسلام لے آئے اس کا اس سال کا جزیہ چھوڑ دیا جائے اور وصول نہ کیا جائے[3]

قبطی اور بربر جب مصر میں کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو جزیہ کی مقدار لازماً بہت گھٹ گئی (کیونکہ جزیہ (حفاظت کا معمولی ٹیکس) غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور ان کے مسلمان ہونے کی حالت میں ساقط ہو جاتا تھا) اس واقعہ کے متعلق ابن سعد لکھتا ہے:-

"یعقوب بن عبدالرحمن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں والی مصر حیان بن شریح نے خط لکھا کہ یہاں ذمی لوگ نہایت کثرت کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے جزیہ میں بڑی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو آئندہ نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کیا جایا کرے تاکہ جزیہ سے بچنے کے لیے لوگ اسلام قبول نہ کیا کریں"

اس عرضداشت کا جواب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ دیا "اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داعیِ حق بنا کر بھیجا تھا اور حضور اس لیے تشریف لائے تھے کہ خدا کی مخلوق کو نیکی اور بھلائی کا راستہ دکھائیں۔ اس لیے خدا نے آپ کو نہیں بھیجا تھا کہ جزیہ وصول کریں۔ حضور اس لیے تشریف لائے تھے کہ لوگوں پر ٹیکس لگائیں پس آپ کے بعد کس کو حق حاصل ہے کہ جزیہ کو مقدم رکھے اور اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کی طرف توجہ نہ کرے۔ جب میرا یہ خط تم تک پہنچے اور تم دیکھو کہ لوگ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو ان نومسلموں سے ہرگز جزیہ وصول نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں کوئی مزید خط وکتابت نہ کی جائے۔ یہ میرا آخری حکم ہے"[4]

ایک دوسرے عامل نے بھی آپ کو یہی درخواست بھیجی کہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ اسلام لا رہے ہیں اور اسی تیزی کے ساتھ جزیہ کی رقم میں کمی پڑ رہی ہے۔ آپ نے جواب لکھا کہ اگر اس سے بھی تیزی کے ساتھ لوگ ایمان لائیں تو انھیں ہرگز نہ روکا جائے رسول اللہ بشیر اور ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار اور افسر مال بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے میں

---

[1] تاریخ اسلام از مولانا شاہ معین الدین جلد دوم ص ۲۵۳ ۔ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد جزو خامس ص ۲۶۲ ۔ [4] طبقات ابن سعد جزو خامس ص ۲۸۳ ۔

تو یہ بات پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہماری حیثیت محض کاشتکار کی رہ جائے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور کھائیں[1]

بعض ثمر فائے خراسان نے آپ کو لکھا کہ لوگ جزیہ سے بچنے کے لیے بظاہر طور پر اسلام قبول کر لیتے ہیں مگر حقیقتاً مسلمان نہیں ہوتے۔ امتحاناً یہ دیکھا جائے کہ انھوں نے اپنی ختنہ کرائیں ہیں یا نہیں؟ عمر بن عبد العزیز نے جواب لکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلقت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے آئے تھے۔ لوگوں کی ختنہ کرانے نہیں آئے تھے۔ اس لیے اس امتحان کی ضرورت نہیں جو شخص بھی کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کے اسلام کو قبول کر لیا جائے۔ اگر میں ختنہ کے ذریعے سے اُن کا امتحان لوں تو میں یقیناً ان کو اسلام سے برگشتہ کر دوں گا۔ اگر اُن لوگوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہے تو وہ خود ہی پاکی اور طہارت کی طرف آجائیں گے[2]

عبد الرحمٰن بن حسن نے اپنے والد سے روایت کی کہ عمر بن عبد العزیز نے عامل خراسان جراح بن عبد اللہ الحکمی کو حکم بھیجا کہ جو ذمی تمہارے ملک میں ہیں اُن کو فرداً فرداً بھی اور مجموعی طور پر بھی اسلام کی طرف دعوت دو شرک کی برائیاں اور بت پرستی کی خرابیاں انھیں کھول کر بتاؤ۔ خدا کی وحدانیت اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل اُن پر اچھی طرح واضح کرو۔ اگر وہ تمہارے سمجھانے سے اسلام لے آئیں تو اُن کا اسلام قبول کر لو اور اُن کا جزیہ فوراً موقوف کر دو۔ ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی پابندیاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں[3]

جراح نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور بڑی کوشش کے ساتھ اپنے علاقے کے ذمیوں میں اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں قریباً چار ہزار آدمی کفر و شرک کو چھوڑ کر خدا اور رسول کے فرمانبردار اور توحید کے علمبردار بن گئے۔[4]

ایسا ہی ایک حکم حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسمٰعیل بن عبد اللہ والی مغرب کو بھی بھیجا تھا اُن کی تبلیغ سے افریقہ کے تمام شمالی حصے میں اسلام پھیل گیا۔ چنانچہ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:۔

ثم لما كانت خلافة عمر بن عبد العزيز ولى المغرب اسمٰعيل بن عبد الله بن ابى المهاجر فسار احسن سيرة ودعى البربر الى الاسلام وكتب اليهم عمر بن عبد العزيز كتابا يدعوهم بعد الى ذلك فقرأه اسمٰعيل عليهم فى النواحى فغلب الاسلام على المغرب[5]

(یعنی جب حضرت ابن عبد العزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے اسمٰعیل بن عبد اللہ بن ابی المہاجر کو ملک مغرب کا عامل مقرر کیا

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیز از ابن جوزی صفحہ ۹۹ [2] طبقات ابن سعد جزو ثامن صفحہ ۲۸۵ [3][4] طبقات ابن سعد جزو ثامن صفحہ ۲۸۵ [5] فتوح البلدان صفحہ ۲۳۹

انھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں نہایت اخلاص اور جوش کے ساتھ کام کیا اور بہت زور شور سے اہل بربر کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے نام حکم بھیجا کہ وہ اپنے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ جس کی تعمیل میں انھوں نے مزید کوشش کی تو تمام ملک مغرب میں اسلام بہت کثرت کے ساتھ پھیل گیا۔)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہ صرف اپنے گورنروں اور عاملوں کو اسلام کی تبلیغ اور اُس کی اشاعت کے متعلق احکام اور ہدایتیں بھیجیں بلکہ خود بھی مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ اس سلسلے میں آپ نے شاہانِ ماوراء النہر میں سے کئی فرمانرواؤں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں توحید اور رسالت کی طرف بلایا چنانچہ علامہ بلاذری رقمطراز ہیں :-

کتب الی ملوک ماوراء النھر یدعوھم الی الاسلام فاسلم بعضھم[1] (یعنی انھوں نے ماوراء النہر کے بادشاہوں کو اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ اُن میں سے بعض مسلمان ہو گئے)

اسی طرح سندھ کے راجاؤں کے پاس بھی آپ نے متعدد تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ یہاں کے راجہ مہاراجہ چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اعلیٰ اخلاق اور حسن سیرت کی تعریفیں سن چکے تھے اور مسلمانوں کے اخلاق و عادات کو ایک مدت تک دیکھ چکے تھے کیونکہ سندھ کے بہت سے حصے پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس لیے ان راجاؤں میں سے جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر تبلیغی خطوط لکھے تھے کئی راجاؤں نے اسلام قبول کیا۔ مہاراجہ سندھ داہر کا لڑکا راجہ جے سنگھ بھی انہی میں سے تھا۔ بلاذری اپنی مشہور کتاب فتوح البلدان میں ان تبلیغی خطوط کے متعلق لکھتا ہے :-

فکتب الی الملوک یدعوھم الی الاسلام والطاعۃ علی ان یملکھم ولھم ما للمسلمین وعلیھم ما علیھم وقد کانت بلغتھم سیرتہ ومذھبہ فاسلم حلیشہ والملوک وتسموا باسماء العرب[2] (یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ نے سندھ کے راجاؤں کو اسلام اور اپنی اطاعت کی طرف اس شرط پر دعوت دی کہ ان کی سلطنت و حکومت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہی ان کو ملیں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں وہی ان پر عائد ہوں گی چونکہ تمام راجاؤں کو ان کی نیک عادات کا پتہ ہو چکا تھا اس لیے حلیشہ اور بعض دوسرے راجا اسلام لے آئے اور اپنا نام عربی رکھا)

تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُن کے خراسانی عامل جراح بن عبداللہ کے پاس تبت سے وفود آئے کہ ان کے ہاں داعیانِ اسلام روانہ کیے جائیں چنانچہ انھوں نے اس غرض سے سلیط بن عبداللہ کو روانہ کیا۔[3]

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۲۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶۔ [3] تاریخ یعقوبی صفحہ ۳۶۲۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز از مولوی عبدالسلام صفحہ ۱۲۹۔ ۱۳۱۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین جلد دوم صفحہ ۲۵۸۔

باب سوم

عباسیوں کے عہد میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ

بنو امیہ کے بعد بنو عباس نے ۱۳۲ھ/۷۵۰ء سے ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء تک حکومت کی۔ اس عہد میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے کام میں جو کوششیں اور مساعی ہوئیں ان کی تفصیل یہ ہے:۔

مہدی کے تبلیغی خطوط اور اُن کا اثر عباسی خاندان کا تیسرا بادشاہ ابو عبداللہ المہدی تھا جو ۱۵۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اسلام کی اشاعت میں بڑی مستعدی کا ثبوت دیا اور تخت نشین ہوتے ہی ہندوستان اور سندھ کے راجاؤں اور بعض اُن بادشاہوں کو جو حکومت بغداد کے ماتحت تھے۔ تبلیغی خطوط لکھے۔ ان خطوط میں اُس نے بڑے زور سے ان راجاؤں اور بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی اور لکھا کہ اگر آپ لوگ خدا کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے اسلام اختیار کر لیں تو اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔[1]

مہدی نے جن جن راجاؤں اور بادشاہوں کو یہ تبلیغی خطوط اپنے خاص قاصدوں کے ہاتھ بھیجے ان کے نام تو معلوم نہیں ہو سکے۔ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کی مجموعی تعداد کتنی تھی۔ مگر تاریخوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مہدی کے ان تبلیغی خطوط کے نتیجے میں پندرہ بادشاہوں اور راجاؤں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک سندھ کا راجہ تھا۔ جس کا نام راتے تھا اور دوسرا ہندوستان کا جسے "مہاراج" کہتے تھے اور جو راجہ پورس کے خاندان سے تھا۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ پشاور کا راجہ تھا۔[2]

مامون رشید اور تبلیغ اسلام خاندان عباسیہ میں مامون الرشید نہایت جاہ و جلال اور شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ اس نے بھی تبلیغ اسلام کے مقدس فریضے میں ذاتی طور پر بے حد دلچسپی لی اور اسلام کی اشاعت میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ اس نے فرغانہ اور ماوراء النہر کے ان لوگوں کو جو مسلمان نہ تھے مراحم خسروانہ سے نوازا تاکہ اُن کو اسلام کی طرف رغبت پیدا ہو۔ مامون نے اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا کہ اپنی شاہانہ سطوت سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائے اور کسی شخص پر اسلام لانے کے لیے قطعاً جبر نہ کرے۔

مامون نے سنا کہ دشمنانِ اسلام کہتے ہیں کہ اسلام کو دلیل سے نہیں بلکہ تلوار سے کامیابی حاصل ہوئی یہ

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ [2] تاریخ سندھ از سید ابوظفر صفحہ ۱۶۱

اعتراض سن کر مامون نے اس کا عملی طور سے جواب دینا چاہا۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ تمام مذاہب کے نمائندے دارالخلافہ بغداد میں آئیں۔

جب سب لوگ آ گئے تو مامون نے ایک زبردست دربارِ عام منعقد کیا۔ جس میں تمام مذاہب کے افراد کو مدعو کیا اور ایک عظیم الشان مجلس مناظرہ قائم کی۔ جس میں اوّل علمائے اسلام نے بہت پُرزور دلائل سے اس امر کو ثابت کیا کہ اسلام ہرگز تلوار کا رہین منت نہیں اور اسلام اختیار کرنے کے لیے نہ کسی پر جبر کیا گیا۔ نہ اس فعل کو جائز سمجھا گیا۔ یہ تقریر مسلمانوں کے علماء و فضلا نے اس فصاحت و بلاغت اور ایسی جامعیت کے ساتھ کی کہ دربار میں موجود تمام دوسرے مذاہب کے لوگ حیران رہ گئے۔

انہی معترضین میں فرقہ مانویہ کا سردار یزدان بخت بھی تھا۔ جو بہت عالم۔ سمجھدار اور بڑا سنجیدہ انسان تھا۔ جب اس نے مسئلہ زیرِ بحث کے متعلق مسلمان علماء کی تقریریں سنیں تو بے اختیار کہنے لگا کہ واقعی حق یہی ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ دلیل و برہان کے ذریعے اُس کی اشاعت ہوئی ہے۔

یزدان بخت کے اس اقرار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مامون الرشید نے اُسے اسلام کی طرف دعوت دی اور کوشش کی کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مگر یزدان بخت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "امیر المومنین! میں نے آپ کی تقریر بہت غور سے سُنی لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ حضور والا ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو لوگوں کو اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں"۔

مامون رشید نے یزدان بخت کی اس صاف گوئی پر قطعاً بُرا نہیں مانا نہ اپنی ناکامی پر اُسے طیش ہی آیا بلکہ جب وہ واپس جانے لگا تو مامون نے تعظیماً چند سپاہی اس کے ساتھ کر دیے۔ تاکہ وہ اُسے عزت و احترام کے ساتھ وطن تک پہنچا آئیں[1]۔

مامون کے زمانے میں کابل کے فرمانروا نے اسلام قبول کیا اور اپنا تاج مامون کی خدمت میں اظہار اطاعت کے طور پر بھیجا[2]۔

علاوہ ازیں ترکستان کے علاقہ اشروسنہ کے بادشاہ کاؤس نے بھی مامون کے پاس حاضر ہو کر اطاعت کا اقرار کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مامون نے اس کو اس کی حکومت پر بحال رکھا اور اس کے لڑکے حیدر کو اس کا ولی عہد قرار دیا[3]۔

مامون کے عہد میں فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ طبرستان کے گورنر نے دیلم پر چڑھائی کر کے بلاذر۔

---

[1] دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام از آرنلڈ ص ۹۹۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۹۔
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۷۔

شہبرزاور بعض کوہستانی علاقے فتح کیے اور بادشاہ دیلم اور کوہستانی کے علاقے کے بعض فرمانرواؤں کو مامون کی خدمت میں بھیجا۔ جو مامون کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ کریٹ اور صقلیہ پر بھی اُس کے زمانے میں قبضہ ہوا اور وہاں اسلام پھیل گیا۔ اس کے علاوہ ایشائے کوچک میں بھی کئی شہر فتح ہوئے اور وہاں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی۔[1]

تبلیغی لحاظ سے دورِ مامونی میں سب سے اہم چیز وہ نہایت عظیم الشان تاریخی خط ہے جو مامون الرشید کے ایک قریبی عزیز عبداللہ بن اسمٰعیل ہاشمی نے اپنے دوست عبدالمسیح بن اسحٰق کو لکھا۔ عبدالمسیح شریف النسب عرب تھا اور دربار مامونی میں بڑا اعزاز رکھتا تھا اور خود مامون اس کا بہت لحاظ اور پاس کرتے تھے۔ اس بے نظیر تبلیغی خط میں ہاشمی نے نہایت محبت اور دل سوزی کے ساتھ ایسے الفاظ میں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا عیسائیوں کے ساتھ کتنا عمدہ رواداری کا برتاؤ تھا۔ اپنے دوست سے درخواست کی ہے کہ وہ عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرے۔ اشاعتِ اسلام کی تاریخ میں اس تبلیغی خط کو بے مثل درجہ حاصل ہے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس عجیب اور شاندار خط کو ضرور یہاں درج کرتے۔ جن قارئین کرام کو اس کے مطالعے کا شوق ہو وہ پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کے ضمیمے میں اسے ملاحظہ فرمائیں۔ خط خاصا طویل ہے مگر ایسے دلچسپ طریقے پر اور ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ آخر تک اس کی دلچسپی کم نہیں ہوتی۔ خط پڑھ کر بے اختیار صاحب خط کے زورِ بیان کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس سے اس امر پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے کہ خط لکھنے والے کو عیسوی مذہب عیسائیوں کے عقائد اور ان کی کتب سے بہت گہری واقفیت ہے اور ساتھ ہی اپنے مذہب اور اعتقاد پر بھی اسے پورا عبور ہے۔

اس عجیب تاریخی خط کو یورپ نے کتابی شکل میں بھی چھاپ کر شایع کر دیا ہے۔ اس کا نام ہے "رسالہ عبداللہ بن اسمٰعیل الی عبدالمسیح بن اسحٰق الکندی"۔ یہ لندن میں ۱۸۸۵ء میں چھپا تھا۔

مامون کے زمانے میں ایسے آدمیوں کی بھی بڑی کثرت تھی جو حقیقی طور پر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور مادی فوائد کی طمع میں انھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر مامون ایسے آدمیوں کو خوب سمجھتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اس نے تمام اہل دربار کے سامنے ایک تقریر کی جس میں ان لوگوں کا سخت تحقیر سے ذکر کیا جنھوں نے دنیا کے نفع کی خاطر اسلام قبول کیا۔ اس نے ان کی مثال ان منافقین سے دی جنھوں نے یہ ظاہر کر کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعدار اور مطیع ہیں۔ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ لیکن جس طرح آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں کو کوئی سزا نہیں دی میں بھی ایسے لوگوں کے ساتھ خلق و مروت اور تحمل و رواداری سے پیش آؤں گا۔[2]

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں تاریخ اسلام از شاہ معین الدین جلد سوم صفحہ ۴۹ تا ۱۰۸۔ [2] دعوت اسلام ص ۹۸

مامون کی یہ درباری تقریر نقل کرنے کے بعد آرنلڈ لکھتا ہے "خلیفہ وقت کی زبان سے ایسی شکایت کا بیان ہونا بڑی وقعت اور اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ یہودیوں یا عیسائیوں میں سے مسلمان ہو جاتے تھے۔ اُن کے متعلق عام طور سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ بغیر کسی دنیوی لالچ اور طمع کے دین اسلام کو حق سمجھ کر اُسے قبول کر رہے ہیں اور اُن کا مذہب کو تبدیل کرنا خالص اور بے لوث ہے۔ اگر اس بات کا خیال ہو جاتا تھا یا یہ بات ثابت ہو جاتی تھی کہ وہ دنیا کی محبت یا سنہری روپہلی اغراض کی خاطر یا کسی غرض کے ماتحت مسلمان ہوئے ہیں تو عام لوگ ایسے اشخاص کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی ملامت کرتے تھے"[1]

مقتدر باللہ کا عہد عباسی خاندان کے اٹھارویں بادشاہ مقتدر بن معتضد (۲۹۵ھ/۹۰۸ء تا ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) کے عہد میں بیت جارمی کے نسطوری بشپ تھیوڈور نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے اس پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا گیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ مشہور عیسائی مؤرخ جس نے بشپ کے مسلمان ہونے کا حال بیان کیا ہے ضرور یہ بھی لکھتا کہ اسے جبر اور سختی سے اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔[2]

قادر باللہ کا زمانہ قادر باللہ، مقتدر کا لڑکا تھا اور اس نے ۳۸۱ھ/۹۹۱ء سے ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء تک اکتالیس سال سلطنت کی ہے۔ یہ بنی عباس کا چھبیسواں بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں ۴۰۴ھ میں الگنا ٹیئس[3] تکریت کا یعقوبی المذہب مطران۔ جو اس معزز عہدہ پر پچیس برس سے مامور تھا۔ یکایک بغداد روانہ ہوا اور قادر باللہ کے حضور میں پہنچ کر اپنی خوشی اور مرضی سے اسلام قبول کیا اور اپنا نام ابوالسلم رکھا۔[4]

متذکرہ بالا ہر دو معزز عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد آرنلڈ لکھتا ہے "حقیقت میں یہ بڑی ہی دلچسپ بات ہوتی اگر ان لوگوں کی کوئی تحریر جس میں وہ اپنی زندگی کا تذکرہ لکھ جاتے۔ باقی ہوتی۔ اس تحریر سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جاتا کہ ان دونوں شخصوں کی طبیعت میں اسلام کی طرف میلان کس طرح پیدا ہوا؟ عیسائی مؤرخ نے ان دونوں آدمیوں کے متعلق بد اخلاقی اور بدکرداری کو تبدیل مذہب کا سبب قرار دیا ہے۔ لیکن یہ الزام جس کے ثبوت میں کوئی شہادت موجود نہیں مشتبہ ہے[5] اور اس پر اشتباہ بھی اسی قسم کا ہو سکتا ہے جیسے کوئی رومن کیتھولک اپنے ہم مذہب پادری کا حال لکھے کہ اس نے پروٹسٹنٹ دین قبول کیا اور پھر اس پر طرح طرح کے بہتان باندھے"۔

آرنلڈ اس کے آگے لکھتا ہے "اس میں شبہ نہیں کہ ان دونوں بڑے عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا ذکر جو دو مخالف کلیساؤں میں معزز منصب رکھتے تھے۔ ہم تک صرف اس وجہ سے پہنچا کہ وہ اعلیٰ عہدہ دار تھے۔ لیکن جو

---

[1] دعوت اسلام از آرنلڈ صفحہ ۹۸-۹۹۔ [2] دعوت اسلام از آرنلڈ ص ۹۹ بحوالہ ابوالفرج جلد سوم ص ۲۱۶۔ [3] تمام یعقوبی بطریق اگناٹیئس کا لقب اختیار کرتے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے اس بطریق کا نام مایک بن قیقی تھا (حاشیہ دعوت اسلام ص ۹۹)

[4] دعوت اسلام از آرنلڈ ص ۱۰۰۔ [5] فی الواقع الیاس نصیبی جو معاصر مورخ تھا یعقوبی بطریق سے اس طرح کی کوئی غلطی منسوب نہیں کی (دعوت اسلام ص ۱۰۰ حاشیہ)

لوگ کم درجے کے تھے ان کا حال لکھا ہی نہ گیا۔ مگر تبدیل مذہب کی ایسی مثالیں شاذ نہ تھیں۔ ؎۱

دورِ عباسیہ میں صوفیا اور علماء کی تبلیغی کوششیں

اگرچہ بغداد کے عباسی خاندان میں ۳۷ بادشاہ ہوئے مگر اُن میں سے بیشتر فرمانروا تو عیش و عشرت میں مشغول رہے اور زیادہ مسلسل بغاوتوں اور سازشوں میں بُری طرح گھرے رہے۔ ویسے بھی اُن کو عام طور پر (سوائے دو چار بادشاہوں کے) تبلیغ اسلام کے کام سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ مگر بادشاہوں، امرائے سلطنت اور ملک کے دولت مند طبقے سے قطع نظر اُس وقت بعض ایسے محترم اور مقدس وجود بھی تھے جو لطف و سرور کے جلسوں اور لہو و لعب کی مجلسوں کو چھوڑ کر۔ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت۔ خلق اللہ کو نیکی اور بھلائی کی تلقین۔ دعوتِ حق۔ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے کام کو پوری تندہی۔ نہایت کوشش اور بڑے شوق سے انجام دے رہے تھے۔ اُس زمانے کا بغداد جہاں عیش و عشرت اور مال و دولت کا گہوارہ تھا۔ وہاں ساتھ کے ساتھ علم و عمل، صلاح و تقویٰ اور اصلاح و تجدید کا بھی مرکز تھا۔ دارالسلام بغداد کی یہ دینی رونق انہی مجاہدین اسلام کے دم سے قائم تھی جنھوں نے اس کام کو اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی کوششوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت سفیان ثوری، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت جنید بغدادی، حضرت معروف کرخی اور حضرت بشر حافی رضوان اللہ علیہم کا نام اور کام سب سے زیادہ نمایاں اور روشن ہے۔ ان محترم اصحاب کے اعلیٰ اخلاق۔ انسانی ہمدردی۔ زاہدانہ زندگی۔ بے نفسی۔ خدمتِ خلق۔ ایمان و عمل کی کیفیت اور سب سے بڑھ کر اپنا بے نظیر نمونہ ایسی چیزیں تھیں جو غیر مسلم آبادی پر بہت خاص اثر ڈالتی تھیں۔ ان کے مقدس اور بابرکت وجود سے اسلام کا وقار غیر مسلموں کے دلوں میں برابر بڑھ رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اُن کی باتیں سن کر۔ اُن کی صحبت میں بیٹھ کر اور ان کے اعمال و اخلاق کو دیکھ کر اکثر یہودی۔ عیسائی۔ مجوسی اور صابئی حضرات اپنے عقائد اور اعمال کو چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے۔ تفصیلات کے لیے تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم اور تاریخ ابن خلکان ملاحظہ فرمائیں۔ ؎۲

صوفیاء کے علاوہ اس دور کے بعض علماء نے بھی اس کام میں نہایت ذوق و شوق سے کے ساتھ عملی حصہ لیا۔ چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے کہ جب حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ) کا انتقال ہوا تو بیس ہزار عیسائی۔ یہودی اور مجوسی اُن کی تبلیغ سے مسلمان ہو چکے تھے (تاریخ ابن خلکان جلد اول ص ۴۵) اسی طرح حنبلی فرقے کے بڑے زبردست فقیہہ ابوالفرج ابن جوزی (۵۱۰ھ تا ۵۹۷ھ) جو اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور واعظ اور صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ اس امر پر فخر کیا کرتے تھے کہ بیس ہزار کے قریب غیر مسلم میری کوشش سے اس وقت تک اسلام کو قبول کر چکے ہیں۔ ؎۳

؎۱ دعوت اسلام ص ؎۲ تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول صفحہ ۱۰۵ ؎۳ دعوت اسلام صفحہ ۸۸-۸۹

دورِ عباسیہ میں اسلام کی بکثرت اشاعت کے اسباب

جب اس دور میں اس کثرت کے ساتھ غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے کہ ایک ایک عالم کے ہاتھ پر بیس بیس ہزار آدمی اسلام کی بیعت کرتے تھے تو طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کثرت کے ساتھ دوسرے غیر مذاہب اور بالخصوص عیسائیوں کے تبدیلیٔ مذہب کا باعث کیا چیز تھی؟ اور وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے غیر مسلموں میں اسلام اس وقت اس کثرت کے ساتھ پھیلا؟ آرنلڈ نے اس دلچسپ سوال کے جو جواب دیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سلطنت میں رہنے والے عیسائیوں کو اپنی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اس آزادی کا مقابلہ جس وقت مسیحی عوام اور خواص اپنی قدیمی سلطنت کی سختی و تشدد اور ظلم سے کرتے تھے تو ان کو بے اختیار اسلام کی پناہ میں آنے کا شوق پیدا ہوتا تھا تاکہ امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔

دوسری وجہ آرنلڈ نے یہ لکھی ہے کہ اس وقت بدقسمتی سے عیسائیوں کی اپنی مذہبی اور اخلاقی حالت عام طور پر بڑی خراب اور ذلیل تھی اور یہ حالت دیکھ کر عیسائیوں کا دل اپنے مذہب سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اپنے بیان کی وضاحت آرنلڈ ان دلچسپ پُر حقائق اور شاندار الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اسلامی سلطنت کے قیام سے بجائے اس کے کہ مسیحی کلیسا کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی نسطوری عیسائیوں کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب سے وہ مسلمانوں کی رعایا بنے۔ ان میں مذہبی زندگی اور دینی جوش بہت زور شور سے پیدا ہو گیا۔[1] اسلامی حکومت سے پہلے نسطوریوں کی یہ حالت تھی کہ ملک عجم میں جہاں اس فرقے کے لوگ کثرت سے رہتے تھے۔ عجمی بادشاہوں کی کبھی مہربانی اور کبھی غضب سے ان کی زندگی بڑے عذاب میں بسر ہوتی تھی اور جب عجمیوں اور رومیوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں تو ان کو سخت تکلیفیں اس بدگمانی سے پہنچتی تھیں کہ وہ مسیحی غنیم سے سازش رکھتے ہیں۔ لیکن خلفاء کے دورِ حکومت میں ان کو اپنے وطن اور ملک میں ایسی حفاظت میسر آئی کہ مسیحی مشن کے کاموں کو بھی بڑی دھوم دھام سے انھوں نے بیرونی ممالک میں جاری کیا۔ چنانچہ انھوں نے اسلامی سلطنت میں بیٹھ کر پوری بے فکری کے ساتھ چین اور ہندوستان کو اپنے مشنری روانہ کیے اور آٹھویں صدی عیسوی میں ان دونوں ملکوں میں مطران کے علاقے قائم کیے اسی صدی میں نسطوریوں نے مصر میں اپنا قدم جمایا اور اس کے بعد براعظم ایشیا کے دوسرے سرے پر اپنے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔ اگر دیگر مسیحی فرقوں سے اپنے دین کی اشاعت اور اس کی ترویج میں ایسی سرگرمیاں ظاہر نہیں ہوئیں تو اس میں مسلمانوں

---

[1] ابو صالح ص ۹۲

کا کچھ قصور نہیں۔ سلطنت اسلامیہ نے تو سب فرقوں کو کھلے طور پر مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا تھا کہ ایک عیسائی فرقہ اپنے ہم مذہب دوسرے فرقے پر ظلم نہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کے برخلاف پانچویں صدی عیسوی میں برسمس نے جو نسطوری بشپ تھا شہنشاہ فارس کے سامنے جو مجوسی تھا۔ یہ ظاہر کر کے کہ نسطورس کے عقائد جو فرقہ نسطوری کا بانی تھا عجمیوں کے ذہن سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ بادشاہ کو ترغیب دی کہ ارتھوڈوکس کلیسا کے عیسائیوں پر سخت آفت نازل کی جائے۔ چنانچہ بشپ کے بادشاہ کو بھڑکانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سات ہزار آٹھ سو قسیس بے گناہ مارے گئے۔[1]

اس واقعہ کے ایک سو پچاس برس بعد اسی طرح کا ایک ظلم فارس کے مجوسی بادشاہ نے ارتھوڈوکس عیسائیوں پر اپنے عیسائی طبیب کے اشارے سے کیا۔ یہ طبیب یعقوبی مسیحی تھا اور بادشاہ کو اس نے بہکا دیا تھا کہ ارتھوڈوکس فرقہ ہمیشہ رومی عیسائیوں کی طرف داری کرے گا۔ لیکن اہل اسلام میں جو اصول مذہبی آزادی کے تھے وہ ایسی بے انصافیوں کو روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ بلکہ یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اپنی تمام عیسائی رعایا کے ساتھ انصاف و عدل اور ایمان داری سے پیش آئیں۔ چنانچہ اس کی مثال موجود ہے۔ فتح مصر کے بعد یعقوبی فرقے کے عیسائیوں نے رومی حکام کی برطرفی کے وقت موقع پایا کہ ارتھوڈوکس عیسائیوں کے گرجاؤں پر قبضہ کر لیں۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب ان گرجاؤں کے اصلی حق دار پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنا حق ثابت کر دیا۔ تو مسلمانوں نے یہ تمام گرجے ان کو دلوا دیے۔

جب اس طرح کی مذہبی آزادی عیسائیوں کو مسلمانوں کی حکومت میں ملی تو یہ عام خیال کہ "تلوار تبدیل مذہب کا باعث ہوئی" مشکل سے قابل اطمینان معلوم ہوتا ہے اور ہم مجبور ہوتے ہیں کہ جبر و اکراہ کو نہیں بلکہ اور اسباب کو تلاش کریں جو عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا موجب ہوئے۔ اس سلسلے میں بہت سے مسیحی علماء نے کہا کہ زمانہ عروج اسلام میں مشرقی کلیسا کی اخلاقی اور روحانی ذلیل حالت نے بہت سے لوگوں کے دلوں کو مسیحی مذہب سے اچاٹ کر دیا۔ چنانچہ ڈین ملمین نے سوال کیا ہے کہ ان ملکوں میں مسیحی دنیا کی کیا حالت تھی۔ جن کو اسلام کے پہلے حملوں کا سامنا ہوا؟ اور پھر خود ہی جواب دیتا ہوا کہتا ہے کہ حالت یہ تھی کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کی مخالفت میں اور ایک مسیحی عالم دوسرے مسیحی عالم سے دینی مسائل کے اور فلسفی نکات پر مباحثہ اور مناظرہ میں مصروف تھا۔ ارتھوڈوکس نسطوری انکٹوی اور یعقوبی فرقے ایک دوسرے پر نہایت سختی کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ مذہبی مناظروں کی نسبت یہ خیال کرنا غیر مناسب نہیں ہو سکتا کہ بہت سے لوگوں نے اس بات کی جگہ کہ کل مسیحی دین کو سب کے لیے مقصد واحد قرار دے کر اس کی حمایت کرتے حریف مقابل کی تذلیل

---

[1] بینگل نے گریٹ صفحہ ۲۲۔

کو جب وہ کافروں کے جوتے کے نیچے آگیا ہوگا خوشی کی نظر سے دیکھا ہوگا۔ ان متواتر مباحثوں نے دین کی بنیاد کو ہلا ڈالا تھا۔ تعجب تو اس بات پر ہوتا اگر ان ہمیشہ کے مناظروں اور پریشان رکھنے والے جھگڑوں سے بیزار ہو کر ہزاروں آدمی توحید کے سیدھے اور صاف طور پر سمجھ میں آنے والے کلمۂ حق کی پناہ نہ ڈھونڈھتے۔ گو اس چیز کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے خریدنا ہوتا تھا۔“ اسی طرح کنان ٹیلر کہتا ہے ”اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ کیوں یہ اصلاح شدہ یہودی مذہب[1] (یعنی اسلام) اس قدر جلد افریقہ اور ایشیا میں شائع ہوگیا۔ افریقی اور شامی عیسائی علماء نے مسیح علیہ السلام کے دین کی جگہ دشوار فلسفی مسائل پیدا کر دیے۔ اپنے زمانے کی سیاہ کاریوں کا مقابلہ انھوں نے اس طرح کیا کہ تجرد کی آسمانی خوبیوں کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ ترک دنیا کو تقدس کا راستہ سمجھ لیا گیا اور میل مٹی کو رہبانی پاکیزگی کا خاصہ ٹھیرایا گیا۔ سب لوگ مشرک تھے۔ شہیدوں اور ولیوں کو پوجتے اور فرشتوں کی پرستش کرتے تھے۔ بڑے درجے کے لوگ عیش پرست اور بدراہ تھے اور اوسط درجے کے آدمی محصولوں کے بوجھ میں دبے ہوئے تھے۔ غلام ایسے تھے جن کو حال اور استقبال دونوں سے مایوسی تھی۔ گویا خدا کی جھاڑو سے اسلام نے ان زخرفات اور اوہام کے کوڑے کو جھاڑ دیا۔ اسلام ان خالی خولی مناظروں کے خلاف ایک ہنگامہ تھا۔ اسلام تجرد کے پُر زور دعوے کے مقابلے میں کہ وہ تقدس کا تاج ہے ایک مردانہ اعتراض تھا۔ اسلام نے دین کے لازمی اُصولوں کو یعنی توحید اور خدا کی بزرگی کو۔ اس کے رحم اور انصاف کو اور اس بات کو کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سب کی اطاعت یعنی توکل اور ایمان چاہتا ہے۔ سب کے سامنے پیش کیا۔ اسلام نے انسان کی ذمہ داری کا اعلان کیا۔ آنے والی زندگی کو اور انصاف کے دن کو اور سخت عذاب کو جو گناہ گاروں پر ہوگا پکار کر بتادیا۔ نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ اور سخاوت کے فرائض کا فرمان جاری کیا۔ بناوٹ کی نیکیوں اور دینی فریبوں اور منقلب اخلاقی خیالات کو اور کٹ حجتیوں کی باریک لفظی حجتوں کو اسلام نے دھکے دے کر نکال دیا۔ رہبانیت کی جگہ مردانہ روش پیدا کر دی۔ غلام کو امید بخشی۔ بنی نوع انسان کو اخوت دی اور انسانی فطرت کی اصلی شرائط کو پہچانا۔“[2]

تیسرا سبب عیسائیوں کے بکثرت اسلام قبول کرنے کا آرنلڈ یہ بتاتا ہے کہ ”محکوم عیسائی رعایا کی زندگی (بعض بادشاہوں کے عہد حکومت میں) جس نسبت سے دشوار ہوتی گئی۔ اسی نسبت سے یہ شوق بھی بڑھتا گیا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر سب مصائب سے چھٹکارا حاصل کر لیں کیونکہ جب سلطنت اسلامیہ کو روپے کی ضرورت پڑتی (اور یہ ضرورت برابر بڑھتی ہی جاتی تھی) تو محکوم رعایا پر محصول کا بوجھ اور زیادہ ہوتا

---

[1] عیسائی اور یورپین مصنف عام طور پر اسلام کو ”اصلاح شدہ یہودی مذہب“ کہتے ہیں۔ یہی خود ساختہ اصطلاح کنان ٹیلر نے یہاں استعمال کی ہے۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۸۲۔۸۵

جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ذمیوں کی حالت ناقابلِ برداشت ہوتی گئی اور اسی نسبت سے تبدیلِ مذہب کی زیادہ مثالیں وقوع میں آتی گئیں۔[1]

چوتھی بات آرنلڈ نے یہ لکھی ہے کہ "عیسائی رعایا کی کمی کا باعث ایک امر یہ ہوا کہ جو عورتیں لڑائیوں میں گرفتار ہوتی تھیں۔ وہ مسلمانوں کی حرم سراؤں میں لائی جاتی تھیں اور جو اولاد ان سے پیدا ہوتی تھی۔ وہ اپنے باپ کے مذہب پر پرورش پاتی تھی۔"[2]

پانچواں اور آخری سبب عیسائیوں میں اشاعتِ اسلام کا آرنلڈ نے یہ بتایا ہے کہ "ایک اور سبب یہ تھا کہ عیسائی غلاموں کو ان کے مہربان مسلمان آقا ہمیشہ اس بات کی ترغیب دیتے رہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے تو فوراً آزاد کر دیئے جائیں گے۔ مگر کوئی باقاعدہ کوشش اس بات کی کہ لوگوں کو جبر کے ساتھ مسلمان کیا جائے یا کوئی ظلم اور تعدی کا ایسا مستقل محکمہ دریافت نہیں ہوتا جو عیسوی مذہب کے استیصال کے لیے قائم کیا گیا ہو۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات کو بھی خلفائے اسلام اپنے جی میں ٹھان لیتے تو وہ اپنی قلمرو سے مسیحی دین کو اس طرح سے ملیامیٹ کر دیتے جیسے بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلہ نے اسلام کو ہسپانیہ سے نکال دیا تھا یا لوئی چہار دہم بادشاہ فرانس نے پروٹسٹنٹ مذہب کو اپنے ملک میں قانونی جرم قرار دیا تھا یا جس طرح ساڑھے تین سو برس تک سلطنت انگلستان نے یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ مشرقی کلیسا جس قدر ایشیا میں تھے ان کا باقی مسیحی دنیا سے بالکل قطع تعلق ہوگیا تھا اور اس میں کوئی شخص ایسا نہ ملتا تھا جو ان کی طرف داری میں انگلی تک اٹھاتا۔ کیونکہ مشرقی کلیساؤں کو اصل دین سے منحرف سمجھا جاتا تھا۔ پس ان کلیساؤں کا آج کے دن تک باقی رہنا ہی پکا اور پختہ ثبوت اس بات کا ہے کہ اسلامی حکومتوں نے ان سے عموماً مذہبی آزادی کا طریق برتا۔"[3]

---

[1] دعوت اسلام ص ۹۲ [2] دعوت اسلام ص ۹۳ ۔ [3] دعوت اسلام ص ۹۳

باب چہارم

سلجوقیوں کا قبولِ اسلام

تاریخ اسلام میں سلجوقیوں کا عہد مسلمانوں کے نہایت عروج و اقبال کا زمانہ تھا۔ سلاجقہ کے میدانِ سیاست میں آنے پر بغداد کی خلافت کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا۔ وہ وسیع و عریض عظیم الشان سلطنت جو کبھی صرف ایک خلیفہ کے زیر نگین تھی۔ اب کثیر التعداد خاندانوں میں بٹ چکی تھی۔ خلفائے فاطمہ مصر میں شہنشاہی کر رہے تھے۔ ہسپانیہ اور افریقیہ عرصہ دراز سے آزاد ہو چکے تھے۔ شام کا شمالی حصّہ اور الجزیرہ عرب سرداروں کے قبضے میں تھا۔ ایران خاندان بویہ کے مختلف شہزادوں میں منقسم ہو چکا تھا اور یہ سب آپس میں ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ جس کے باعث اسلامی شوکت و عظمت اپنے ضعف کے انتہائی درجے پر پہنچ چکی تھی۔ اس وقت اشد ضرورت تھی کہ اسلام کے پولیٹکل ضعف کو دور کرنے کے لیے کوئی باہمت گروہ کھڑا ہو۔ ترک سلجوقیوں کی بدولت یہ مدعا بخوبی حاصل ہو گیا۔ یہ ترک جو خانہ بدوش شہری زندگی کی لطافتوں سے بے خبر اور پورے وحشی تھے۔ اسلام قبول کرتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی۔ یہ مسلمانوں کی مرتی ہوئی سلطنت۔ شوکت اور عظمت میں از سرِ نو تازہ روح پھونکنے کے لیے آگے بڑھے اور فی الواقع اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران۔ الجزیرہ۔ شام اور ایشیائے کوچک پر چھا گئے۔ جس ملک نے مزاحمت کی اُسے تاخت و تاراج کر ڈالا۔ جس سلطنت سے دوچار ہوئے اُسے بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیا۔ اُن کی ان طوفانی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی ایشیا افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرہ روم تک پھر ایک فرمانروا کے قبضے میں آ گیا۔ جو اجزائے سلطنت بکھر گئے تھے وہ پھر ایک رشتے میں منسلک ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی مردہ سلطنت کو اپنی دلیرانہ کوششوں اور شجاعانہ کارناموں سے دوبارہ زندہ کر دیا۔ انھوں نے رومی سلطنت کی پیش قدمی کا فی الواقعی انسداد کیا۔ اور ان کی اولوالعزمیوں نے مسلمان جنگجوؤں کی ایسی نسل پیدا کی جن کو مذہبی جوش کے لحاظ سے گویا دیوانہ کہنا چاہیے۔ صلیبی جنگوں میں عیسائی مجاہدین کی ناکامیوں کا باعث زیادہ تر یہی سلجوق تھے۔ انہی وجوہ سے سلاجقہ کو تاریخ اسلام میں بڑا عظیم الشان رتبہ حاصل ہے۔

سلجوقی ترکوں کی اصل یہ ہے کہ افراسیاب شہنشاہ فارس کی نسل سے ایک شخص سلجوق نامی بیغو شاہ ترکستان کا سپہ سالار تھا۔ کسی بات پر ناراض ہو کر اس نے شاہ ترکستان کی ملازمت چھوڑ دی اور مسلمانوں کی سرحد سمرقند کے

علاقے جند (بخارا) میں مع اپنے قبیلے کے سکونت اختیار کی اور والیٔ ماوراءالنہر طاہر کے سمجھانے بجھانے اور تبلیغ کرنے سے مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہوتے ہی اس کا دل عجیب جوش اور ولولے سے بھر گیا۔ جند کا علاقہ ان ایام میں ترکستان کے بادشاہ کا باجگذار تھا۔ جب ترک اپنا سالانہ خراج وصول کرنے آئے تو سلجوق نے والیٔ ماوراءالنہر کی طرف سے کہہ دیا کہ جند کا علاقہ اب ہمارے قبضے میں ہے اور ہم مسلمان ہو کر کافر ترک کو ہرگز خراج نہیں دیں گے۔ اس پر شاہ ترکستان نے فوجیں بھیجیں۔ جنھیں سلجوق نے شکست دے دی۔ اسی واقعے سے سلجوق کی ناموری اور شہرت کی بنیاد پڑی۔ سلجوق کا پوتا طغرل بن میکائیل (۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ) اور طغرل کا بھتیجا الپ ارسلان (۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ) اور الپ ارسلان کا لڑکا ملک شاہ (۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ) سلجوقیوں کے نہایت نامور اور مشہور بادشاہ ہوئے ہیں۔ [۱]

---

[۱] شجرات فرمانروایان اسلام از لین پول صفحہ ۱۰۷-۱۰۵۔ تاریخ سلاطین اسلام صفحہ ۹۹-۱۰۰۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول صفحہ ۲۷۔ تاریخ انگورہ از مولوی محمد دین فوق ص ۶

باب پنجم

صلیبی لڑائیوں میں اسلام کی اشاعت
اور
سلطان صلاح الدین کی تبلیغی کوششیں

جنگ و پیکار کا وہ بے پناہ طوفان جو تمام یورپ نے متفق اور متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف اُٹھایا تھا۔ تاریخ میں کروسیڈز یا جنگ ہائے صلیبی کے نام سے مشہور ہے۔ ہمیں یہاں ہولناک جنگوں اور معرکہ آرائیوں کی تاریخ لکھنی مقصود نہیں بلکہ یورپین مصنفین کے بیانات سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ان جنگوں کے نتیجے میں مختلف اوقات میں کس قدر عیسائی اسلام کی آغوش میں آئے۔ یہ سارے واقعات آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام کے مختلف مقامات سے لیے گئے ہیں۔

"گیارھویں صدی عیسوی کے آخر (یعنی ۱۰۹۶ء) میں شام اور فلسطین کی مسیحی رعایا میں صلیبی مجاہدوں کے گروہ کے گروہ جو رومن کیتھولک مذہب رکھتے تھے شامل ہو گئے۔ یہ لوگ بیت المقدس کی ریاستوں میں جن کو انھوں نے خود قائم کیا تھا اور جن کی زندگی دو صدیوں تک تذبذب کی حالت میں رہی تھی۔ آباد ہو گئے۔ ان دو سو برسوں میں ان نو آباد عیسائیوں میں سے کبھی کبھی کچھ لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔ مثلاً جرمن اور لمبارڈیوں کا ایک گروہ جو مسیحی سردار ریجی نلڈ کی سرکردگی میں تھا۔ اصل لشکر سے علیحدہ ہو گیا اور سلجوقی فرمانروا قلیج ارسلان بن سلیمان نے اس کو ایک قلعے میں محصور کر دیا۔ اس پر ریجی نلڈ اور اس کے بعض ہمراہیوں نے یہ دھوکا دے کر کہ ہم فصیل سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔ باقی گروہ کو چھوڑ دیا اور ترکوں سے جا ملے اور ان میں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ ۱؎

دوسری جنگ صلیبی کی بدقسمت تاریخ میں ایک واقعہ اسی قسم کا اور پیش آیا۔ اوڈو ڈیل نے جو سینٹ ڈینس کا منک اور بادشاہ لوئی ہفتم کا چیپلن تھا اس واقعے کو لکھا ہے۔ اوڈو بادشاہ لوئی کے ساتھ اس صلیبی لڑائی میں گیا تھا چنانچہ وہ اپنا چشم دید واقعہ اس طرح لکھتا ہے:۔

"جب صلیبی مجاہدوں کا لشکر بڑی راستہ سے ایشیائے کوچک میں سے ہوتا ہوا بیت المقدس جانے کی

۱؎ رے گوین حصہ دوم ص۱۵۔ پہلی جنگ صلیبی کے اس واقعہ کو حجازی نے اپنی کتاب جنگ ہائے صلیبی میں مفصل لکھا ہے۔

کوشش کر رہا تھا تو فریجیا کے پہاڑی دروں میں ترکوں کے ہاتھ سے اُسے سخت شکست کھانی پڑی شکست خوردہ لشکر اطالیہ کے شہر تک جو بندرگاہ بھی تھا مشکل سے پہنچ سکا۔ جہاں پہنچ کر جن لوگوں کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ یونانی تاجروں کو منہ مانگی رقمیں دے سکے وہ تو جہاز پر بیٹھ کر انطاکیہ چلے گئے۔ لیکن بیمار اور زخمی آدمی اور مسیحی زائروں کا بڑا زبردست انبوہ اطالیہ میں رہ گیا۔ یہ سب لوگ یونانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے گئے جو ان کے دغاباز دوست تھے۔ روانگی کے وقت بادشاہ لوئی ہفتم نے یونانیوں کو اس شرط پر پانچ سو مارک (ایک مارک قریباً ساڑھے چھ روپے کا) عطا کیے کہ وہ بیماروں کی اس وقت تک نگرانی اور مرہم پٹی کریں جب تک وہ سفر کے قابل ہوں۔ لیکن جس وقت بادشاہ لوئی کا لشکر روانہ ہو گیا تو ان دغاباز یونانیوں نے زائرین کی خستہ حالت سے ترکوں کو اطلاع دے دی اور خود خاموش بیٹھ کر ان کی مصیبتوں کا تماشا دیکھنے لگے۔ قحط اور وبا اور دشمنوں کے تیروں نے ان غریب مسیحی زائرین کی چھاؤنی میں ہلاکت اور بربادی پھیلا دی۔ مگر جلد ہی ان بیماروں اور زخمی عیسائیوں کی حالت دیکھ کر مسلمانوں کو ترس آگیا اور وہ ان کو قتل کرنے کی بجائے ان کی تیمارداری اور مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے۔ مفلس اور فاقہ کش زائرین کے ساتھ مسلمان بڑی فیاضی اور ہمدردی سے پیش آئے۔ بعض مسلمانوں نے یہ کیا کہ یونانیوں میں گئے اور جو روپیہ زائروں سے اُنھوں نے زبردستی یا فریب دے کر لیا تھا۔ وہ چھین لائے اور اسے لا کر غریب عیسائی زائرین میں تقسیم کر دیا۔ غیر مذہب والوں کی ہمدردی اور اپنے ہم مذہب یونانیوں کے ظلم نے جو ان سے بیگار لیتے اور اُن کو بُری طرح مارتے تھے اور جو کچھ تھوڑا بہت سرمایہ ان کے پاس رہ گیا تھا اُس کو بھی چھین چکے تھے۔ مسیحی زائرین پر ایسا اثر ڈالا کہ اُنھوں نے نہایت خوشی اور رضامندی سے اپنے بچانے والوں کا مذہب اختیار کر لیا۔ مورخ اودو و لکھتا ہے "ہم مذہب یونانیوں سے بچ کر عیسائی زائرین کافروں (مسلمانوں) کے پاس پناہ لیتے۔ جو ان پر ترس کھاتے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ جب ترک کوچ کر کے نکلے ہوئے تو تین ہزار سے زیادہ عیسائی زائرین اُن کے ساتھ ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور الطف و مہربانی اتو فریب سے بھی بڑھ کر ظالم ہے۔ مسلمانوں نے عیسائی زائرین کو روٹی دی۔ لیکن اُن کا مذہب اُن سے چھین لیا۔ اگرچہ یہ یقینی بات ہے کہ ترکوں نے ان کے ساتھ ہمدردی بے شک کی۔ مگر اُن میں سے کسی کو بھی اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا"

✓ صلیبی لڑائیوں کے دوران میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں میل جول کا بڑھنا اور صلیبی مجاہدوں کا روز بروز اپنے مخالفوں یعنی مسلمانوں کے اخلاق اور نیکیوں کی قدر کرتے جانا ایسی باتیں تھیں جو اُن کے مذہبی خیالات پر بھی اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہیں اور اس اثر کا بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عیسائی نائٹوں کے دلوں میں بھی اسلام کی طرف میلان پیدا ہوا۔

صلح کے زمانے میں جو اکثر آتا رہتا تھا صلیبی مجاہد اور مسلمان دوستانہ طریق سے ملتے تھے اور کیا عجب

ہے اگر ان موقعوں پر مذہبی سوالات تقریر کا موضوع قرار پاتے ہوں۔ کیونکہ مذہب ہی وہ شے تھا جو صلیبیوں کو ایلیا میں لایا اور جس نے ان کو متواتر لڑائیوں میں مصروف رکھا۔ جب خود مسیحی عالموں کا یہ حال تھا کہ وہ مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے اپنے دین کا بہتر اندازہ کرنے کے قابل ہوتے تھے اور نئے طرزِ خیال نے لوگوں کے دلوں کو ڈگمگا دیا تھا۔ جس سے طرح طرح کے مذہبی شکوک شبہے پیدا ہو چلے تھے۔ تو ایسی حالت میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے ہوں۔

بارھویں صدی عیسوی میں جو صلیبی عیسائی مسلمان ہوئے اُن کی تعداد صلیبیوں کی کتب آئین میں جن کو بیت المقدس کا ضابطۂ قوانین کہا جاتا تھا۔ درج ہے۔

اگر اُن مسلمانوں کا حال دریافت ہوتا جنھوں نے ان عیسائیوں کے مسلمان کرنے میں کوشش کی تو خالی از لطف نہ ہوتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کارناموں کی کوئی یادگار نہ چھوڑی۔ اس سلسلے میں ہم صرف اس قدر جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین اعظم کو یہ مسلمان اپنا رہبر کہتے تھے۔ جس مصنف نے اس سلطان کا تذکرہ لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ سلطان اپنے مسیحی مہمانوں کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کرتا تھا اور ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ [1]

سلطان صلاح الدین کی پاکیزہ زندگی اور دلیرانہ خصائل نے اس کے ہم عصر عیسائیوں کے دلوں پر عجب افسوں کیا تھا۔ بعض مسیحی نائٹوں کو بھی سلطان سے ایسا تعلق خاطر ہوا کہ وہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ اسی طرح کی ایک مثال انگریز ٹمپلر کی ہے جس کا نام رابرٹ آف سینٹ البنز تھا۔ اس مسیحی نائٹ نے ۱۱۸۵ء میں مسیحی دین ترک کیا اور شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ [2] ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین اعظم نے فلسطین پر چڑھائی کر کے مسیحی لشکر کو معرکہ حطین میں فاش شکست دی۔ جو لوگ اس جنگ میں قید ہوئے ان میں بیت المقدس کا بادشاہ بھی تھا جس کا نام گئی تھا۔ لڑائی سے ایک رات پہلے چھ مسیحی نائٹ اپنے بادشاہ کو چھوڑ کر سلطان کے لشکر میں بھاگ آئے اور یہاں اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے۔ [3] سلطان صلاح الدین اور ریمنڈ سوم امیر طرابلس میں یہ صلاح پختہ ہو گئی تھی کہ ریمنڈ اپنے ماتحتوں کو مسیحی دین چھوڑنے کی ترغیب دیتا رہے گا۔ یہاں تک کہ پورا ملک مسلمان ہو جانے لگے۔ ریمنڈ کی دفعتاً موت کے باعث یہ تجویز عملی شکل اختیار نہ کر سکی۔ [4]

بیت المقدس کی ہزیمت اور ایلیا میں سلطان صلاح الدین کی فتوحات نے یورپ کو برانگیختہ کیا کہ تیسری صلیبی جنگ لڑی جائے۔ اس جنگ عظیم میں عکا کا حصار سب سے بڑا واقعہ ہے۔ (سنہ ۱۱۸۹-۹۱ء) مسیحی فوج نے اس لڑائی

---

۱ بہاؤالدین ص ۲۵۔ ۲ روجر ہوون جلد ۲ ص ۳۰۷۔ ۳ بینیڈکٹ آف پیٹر بارو۔ جلد دوم ص ۱۱-۱۲۔ ۴ بینیڈکٹ آف پیٹر بارو جلد ۲ ص ۲۰-۲۱ اور روجر ہوون جلد ۲ ص ۳۱۶۔

میں قحط اور وبا سے ایسی دردناک تکلیفیں اُٹھائیں کہ بہت سے عیسائی اپنا لشکر چھوڑ کر فاقے توڑنے کے لیے مسلمانوں کے لشکر میں چلے آئے۔ جہاں ان کے ساتھ سلطان نے بڑی عالی حوصلگی کے ساتھ نہایت فیاضی کا سلوک کیا۔ کچھ عرصہ بعد ان مفرور عیسائیوں میں سے بہت سے تو مسیحی لشکر میں واپس آگئے اور بہت سوں نے اپنی قسمت کا پانسا مسلمانوں کے ساتھ پھینکا۔ ان عیسائیوں میں سے بعض نے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ان لوگوں کی خدمت اختیار کی جو پہلے دشمن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اپنے نئے آقاؤں یعنی مسلمانوں سے یہ عیسائی خوش رہے اور باقی مفرور عیسائی اسلام قبول کر کے دیندار مسلمان بن گئے ۔ لہ

ان مفرور عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا حال ایک مورخ نے لکھا ہے جو رچرڈ اول بادشاہِ انگلستان کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ میں گیا تھا۔ یہ مورخ بڑے تاسف کے ساتھ کہتا ہے :-

"ہمارے بعض آدمی (جن کی قسمت کا حال بغیر افسوس کے نہیں کہا جا سکتا اور نہ سنا جا سکتا ہے) قحط کی سختی سے تنگ آگئے اور انھوں نے جسم کی نجات میں اپنی روح پر عذاب لیا۔ کیونکہ جب قحط کی مصیبت کا بڑا حصہ ختم ہو گیا تو وہ ہمیں چھوڑ کر ترکوں کے پاس بھاگ گئے اور دین سے برگشتہ ہونے میں انھوں نے مطلق تذبذب نہ کیا دنیا کی فانی زندگی کچھ دن اور آرام سے بسر کرنے کے لیے کفر کے سخت کلمے کہہ کر انھوں نے ہمیشہ کی موت کو خرید لیا۔ او تجارت گر تجارت! او شرمناک فعل! جو عذاب کی حد سے بھی بڑھ گیا۔ او احمق آدمی! مثل بے وقوف جہان کے تو اس موت سے بھاگا جس کا آنا ناگزیر ہے اور اس موت سے نہ بچا جس نے بہت جلد تجھے دبوچ لیا ۔" ٢ہ

اُس زمانے سے لے کر آئندہ زمانے تک جو عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان ہوئے اُن کا ذکر سیاحوں کی تحریروں میں جنھوں نے ایلیا اور مشرقی ملکوں میں سفر کیا ملتا ہے۔ جن مسلمانوں نے بادشاہ سینٹ لوئی کو گرفتار کیا تھا جب انھوں نے زرِ مخلصی کے لیے بادشاہ کو حلف دیا (۱۲۵۰ء) تو شرائط حلف کے مجوزہ وہ لوگ تھے جو پہلے فیسول کا رتبہ رکھتے تھے۔ لیکن اب وہ مسلمان تھے۔ ٣ہ

جس وقت اس بادشاہ کی رہائی کے لیے روپیہ دیا جا رہا تھا تو ایک اور نومسلم جو پہلے عیسائی تھا بادشاہ کے لیے ایک تحفہ لے کر آیا۔ یہ شخص فرانس کا باشندہ تھا اور پرونس میں پیدا ہوا تھا۔ یہ ۱۲۱۹ء میں بادشاہ جان برونسلی کے ساتھ دمیاط کی مہم میں آیا تھا لیکن مصر ہیں رہ پڑا اور یہاں مسلمان ہو کر ایک عورت سے شادی کر لی اور مصر میں بڑا آدمی بن گیا ۴ہ

ایلیا میں آکر مسیحی زائرین کے مسلمان ہو جانے کا خوف اس قدر بڑھ گیا تھا اور یہ بات ایسی ظاہر ہو گئی تھی کہ

لہ ابو شامہ صفحہ ۱۸ ۔ ٢ہ "زائروں کا سفرنامہ اور بادشاہ رچرڈ اول کے کارنامے" مؤلفہ ولیم سٹبز مطبوعہ لندن ۱۸۶۴ء
٣ہ جوئنول صفحہ ۲۳۸ ۔ ۴ہ جوئنول صفحہ ۲۳۸

۱۲۶۶ء کے قریب اموری دے لارڈش نے جو فرانس کے نائٹ ٹمپلروں کا سردار تھا ایک "یادداشت" لکھی اور روما کے پوپ اور فرانس اور جزیرہ سسلی افسران کلیسا (لگیٹ) سے درخواست کی کہ محتاجوں اور ضعیفوں اور ایسے لوگوں کو جو ہتھیار لگانے کے قابل نہ ہوں۔ مخالفت کی جائے کہ سمندر پار کر کے فلسطین میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ یا تو قتل ہو جاتے ہیں یا سارا سین (مسلمان) اُن کو قید کر لیتے ہیں اور یا پھر وہ مسیحی دین چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں ؎۱

۱۳۵۰ء میں جب لودلف دی سوخم نے ایلیا میں سفر کیا تو لکھا ہے کہ تین نو مسلم جو پہلے عیسائی تھے حبرون میں اس کو ملے۔ یہ لوگ مسلمان ہونے سے پہلے لندن کے کلیسا سے آئے تھے اور نائٹ وسٹفالن کے ملازم تھے۔ جس کی تو قیر سلطان صلاح الدین اور دوسرے مسلم بادشاہ بھی کرتے تھے ؎۲

سر جان ماندویل جس نے چودھویں صدی عیسوی کے وسط میں فلسطین میں سیاحت کی ہے۔ اُن عیسائیوں کا حال لکھتا ہوا جو مسلمان ہو گئے تھے کہتا ہے "نیز بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کے لوگ یا تو غربت اور افلاس کی وجہ سے یا بیوقوفی اور حماقت سے اور یا محض شرارت سے سارا سین (مسلمان) ہو جاتے ہیں"۔ ؎۳

ماندویل نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان مصر نے جس کی خدمت میں یہ کئی برس تک حاضر رہا تھا اس بات کی کوشش کی کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جائے ؎۴

ان منتشر واقعات سے جن کو ارباب تحقیق نے قلمبند کیا ہے۔ بلا شبہ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان ایام میں بہت کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہو گا۔ مگر اُس کی کوئی مسلسل تاریخ ہم تک نہیں پہنچی۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے ختم کے قریب پچیس ہزار عیسائی جو مسلمان ہو گئے تھے قاہرہ میں موجود تھے اور اسی طرح ضرور ہے کہ لیٹن کی عیسائی عملداریوں کے زوال کے بعد ایلیا میں اور نو مسلم بھی ہوں گے جو پہلے عیسائی تھے۔ لیکن اس زمانے کے مسلمان مورخوں کو سلاطین کے کارہائے عظیم اور شاہی خاندانوں کے عزل و نصب کی سرگذشتیں لکھنے کی اتنی فرصت کہاں تھی کہ معمولی درجے کے لوگوں میں جو مذہبی انقلاب ہوا اس کی طرف توجہ کرتے۔ انھوں نے عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا بھی ایسا ہی کم خیال کیا ہے جیسے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے عیسائی ہو جانے کی طرف سے بے توجہی ظاہر کی ہے۔ بس ہم مجبور ہیں کہ ان دونوں قسم کے واقعات کے متعلق علم حاصل کرنے کے لیے عیسائی مصنفوں پر بھروسا کریں۔ مگر ان عیسائیوں کا یہ حال ہے کہ اگر مسلمان عیسائی ہوا تو اُس کی کیفیت تو بڑی تفصیل اور دل سوزی سے لکھی۔ لیکن اگر عیسائی مسلمان ہوا تو ایسے واقعات کی شہادت بہت بے دلی اور اکراہ سے دی اور ساتھ ہی اس کی اغراض کو بہت بُرے رنگ میں دکھلایا۔

؎۱ ماس لاٹری (دوسری جلد ص۷۰) ؎۲ لودلف دی سوخم ص۱۰۱ ؎۳ ماندویل ص۱۲۱ ؎۴ ماندویل ص۱۳۵

یہ امکان کہ کسی عیسائی نے صدق دل کے ساتھ اُس کی سچائی پر نظر رکھتے ہوئے اسلام قبول کیا۔ ان عیسائی مصنفین کے دل میں اس کا خیال کبھی نہیں گذرا اور اگر گذرا بھی ہو تو اتنی جرأت کس کو ہوتی کہ اس کا علانیہ اعتراف کر کے مسیحی علماء کے قہر و غضب کی بجلیاں اپنے اوپر گرواتا۔

سر جان مانڈویل بھی جس نے اپنی آدھی عمر اسلامی ملکوں میں بسر کی اور اسلام پر رائے ظاہر کرنے میں تعصب کو دخل نہ دیا۔ اس کو بھی یہی کہتے بن پڑا کہ جن عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ اگر اُن کی اغراض بڑی نہ تھیں تو اُن کے بے وقوف ہونے میں تو کلام نہیں۔ اگر وہ بدمعاش اور بھوکے نہ تھے تو احمق ضرور تھے!!

باب ششم

نہایت ہولناک تاتاری فتنہ اور میدانِ تبلیغ میں مسلمانوں کا حیرت انگیز کارنامہ

تاتاریوں کا اسلامی ملکوں کو برباد کرنا ساتویں صدی ہجری میں اسلامی دنیا ایک ایسے زبردست حادثے سے دوچار ہوئی کہ اس کی کوئی نظیر اُمم سابقہ کے واقعات میں ہمیں نہیں ملتی۔ یہ تاتاری غارت گروں کا نہایت تباہ کن حملہ تھا۔ جو نہایت وحشت اور درندگی کے ساتھ انھوں نے مسلمانوں پر کیا تھا اور مور و ملخ کی طرح مشرق سے بڑھ کر تمام عالمِ اسلام پر چھا گئے تھے۔

یہ وحشی اور غارت گر اقوام ایک سیلاب عظیم کی طرح پہلے بخارا کی طرف بڑھیں اور اُسے نہس نہس کر کے رکھ دیا۔ سارے شہر میں سے کسی ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اس کے بعد سمرقند کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ نساں بعد رے۔ ہمدان۔ زنجان۔ قزوین۔ مرو۔ نیشاپور اور خوارزم کو بھی برباد اور تباہ کر کے رکھ دیا۔

ہلاکو خاں کا بغداد کو تباہ کرنا ان شہروں کے باشندوں کو ہلاک اور ان علاقوں کی عمارتوں کو مسمار کرنے اور ہر طرف خون کے دریا بہانے اور آگ لگانے کے بعد ۶۵۶ھ میں زیر سرکردگی ہلاکو خاں یہ خوفناک اور جہاں سوز وحشی دنیائے اسلام کے دار الخلافہ اور اُس زمانے کے سب سے بڑے علمی مرکز دار الاسلام بغداد میں داخل ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جو بربادی۔ جو تباہی اور جو غارت گری ان لوگوں نے بغداد میں پھیلائی اور جس بُری طرح مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ اس کا کچھ کچھ اندازہ اُن مورخین کی تاریخوں اور ان مصنفین کے بیانات سے ہوگا جنھوں نے اس دردناک حادثے کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

"بغداد میں چالیس روز تک برابر قتل و غارت کا ہولناک طوفان اپنی پوری تیزی کے ساتھ تباہی اور بربادی پھیلاتا رہا اور چالیس دن کے بعد یہ گلزار و پُربہار خطہ اور دُنیا کا بہترین پُر رونق شہر مٹی کے تودوں اور لاشوں کے ٹیلوں میں تبدیل ہو گیا۔ لاشوں کے گلنے اور سڑنے سے بدبو اتنی پھیلی کہ اس کا اثر شام تک پہنچا اس بدبو اور تعفن سے جو وبا پھیلی اس میں بھی بکثرت مخلوق ہلاک ہوئی" [1]

آرنلڈ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں لکھتا ہے "اسلامی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسی سفاکی اس قدر غارت گری اور اتنی درندگی کا نہیں ہے جس کا مقابلہ مغلوں کی یورش سے کیا جائے۔ جس طرح نہایت بلندی

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲

سے پہاڑ کی ایک چٹان زمین پر گرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح تاتاریوں کے خونخوار لشکر اسلامی ملکوں اور شہروں پر ٹوٹ پڑے۔ اُن شہروں پر جو صدہا برس سے علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا مرکز تھے۔ جب یہ خوفناک لشکر کسی ملک کو برباد کر کے رخصت ہوتے تو شاہوں کے قصور و ایوان اور عظیم الشان پُر رونق شہروں کی بجائے لوگوں کو مٹی اور پتھروں کے بڑے بڑے ٹیلے تمام اسلامی علاقوں میں پھیلے نظر آتے۔ جس وقت ہرات کے شہر سے مغلوں کے لشکر نے کوچ کیا۔ تو چالیس آدمی جو انتہائی طور پر ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ نہایت بدحواسی اور سراسیمگی کے ساتھ کھنڈروں اور ویرانوں سے نکلے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہر کی بربادی اور تباہی کو دیکھنے لگے۔ یہ چالیس آدمی وہ تھے جو ایک لاکھ کی آبادی میں سے اس لیے بچ گئے تھے کہ بھاگ بھاگ کر کونوں اور گوشوں میں چھپ رہے تھے۔ بخارا میں جو اسلامی دنیا کا نہایت مشہور شہر تھا مغلوں نے مسجدوں کے صحنوں میں اپنے گھوڑے باندھے اور ہزاروں قرآنوں کو پھاڑ پھاڑ کر آگ میں جھونک دیا۔ جن مسلمانوں کو ان قصائیوں نے بکریوں کی طرح ذبح نہیں کیا۔ اُن کو غلام بنا کر لے گئے اور شہروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ یہی حال سمرقند بلخ اور وسط ایشیا کے اُن شہروں کا ہوا جن سے اسلامی تمدن و تہذیب کی شان ظاہر ہوتی تھی اور جو علماء کا مسکن اور علم کا مخزن تھے۔ یہی مصیبت بغداد پر نازل ہوئی جو صدہا سال تک دولتِ عباسیہ کا پایہ تخت رہا۔[1]

اگر ان ہولناک واقعات اور خون آشام بیانات کے ذکر سے کسی مسلمان مورخ پر خوف طاری ہوا تو کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ ابن اثیر نے جہاں ممالک اسلامیہ پر مغلوں کے حملوں کا حال بیان کیا ہے وہاں لکھتا ہے کہ "میں کئی برس تک اس حادثۂ عظیم کے تلخ ذکر کو بیان کرنے میں پس و پیش کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس کو لکھوں یا نہ لکھوں۔ اب بھی بڑے تردد کے ساتھ میں اس کا ذکر کر رہا ہوں۔ کون ایسا شخص ہوگا جو اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کی کہانی لکھے اور اس کے لیے اس کا بیان کرنا آسان ہو۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی یا میں اس سے پہلے ہی مرجاتا اور دنیا مجھ کو بالکل بھول جاتی مگر اس دوران میں جب کہ میں اس واقعے کو بیان کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ مجھے میرے چند دوستوں نے اس کے لکھنے پر مجبور کیا۔ پھر میں نے بھی خیال کیا کہ نہ لکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔ یہ وہ حادثۂ عظمیٰ اور مصیبتِ کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ مصیبت تمام لوگوں پر اور بالخصوص مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ از آدم تا ایندم ایسا ہولناک اور درد انگیز واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا۔ تو وہ اپنے دعوے میں بالکل سچا ہوگا۔ اس لیے کہ تاریخوں میں اس واقعے کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک ایسا واقعہ نہ دیکھے گی۔ ان وحشیوں نے کسی پر رحم نہیں کھایا۔

---

[1] دعوت اسلام آرنلڈ ص ۲۳۹

انھوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیے اور شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں سے چھین کر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔[1]

اس حادثہ فاجعہ کے متعلق شیخ تاج الدین السبکی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہلاکو خاں نے بغداد کی تسخیر کے بعد مستعصم باللہ کو قید کر کے ایک خیمے میں رکھا۔ اس کے بعد مستعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی نے شہر کے علماء اور فضلاء کو کہلا بھیجا کہ آئیں اور ہلاکو اور خلیفہ کے مابین صلح نامے پر اپنی گواہیاں ثبت کر دیں"۔ اس حکم کی تعمیل میں جب وہ لوگ آ گئے تو ان سب کو پکڑ کر تہ تیغ کر دیا گیا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گروہ مختلف حیلے بہانوں سے بلایا جاتا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ سب کے آخر میں خلیفہ کے معتمدین اور دربار کے بڑے بڑے رؤسا کو بلایا گیا اور پھر ان میں سے کسی کو واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اب خلیفہ رہ گیا تھا۔ اس کے متعلق عام خیال پھیلا ہوا تھا کہ اگر اس کا خون زمین پر گرا تو دنیا ایک زلزلے میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لیے ہلاکو خاں کو اس کے ہلاک کرنے میں تامل تھا۔ اس پر ہلاکو کے مشیر علامہ نصیر الدین طوسی نے اسے مشورہ دیا کہ خلیفہ کا خون زمین پر بہے بغیر بھی اس کی جان لی جا سکتی ہے اور اس کی ترکیب یہ ہے کہ خلیفہ کو ایک دری یا کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور ٹھوکروں اور لاتوں سے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی طرح اسے ہلاک کیا گیا۔

جب یہ تاتاری درندے بغداد کے لوگوں کو قتل کرتے کرتے تھک گئے تو ہلاکو نے حکم دیا کہ ان لاشوں کو گنا جائے۔ گننے پر معلوم ہوا کہ اٹھارہ لاکھ انسانی لاشیں خاک اور خون میں پڑی ہوئی ہیں (جب کہ بغداد کی کل آبادی اس وقت ۲۵ لاکھ تھی) مسجدوں میں شراب انڈیل دی گئی اور اذان کی ممانعت کر دی گئی۔[2]

تاریخ کا عجیب ترین واقعہ مغلوں میں اسلام کی اشاعت

تاریخ کے عجیب ترین واقعات میں سے اس ناقابل تسخیر قوم کا اسلام سے مسخر ہو جانا ہے۔ مگر تاتاریوں کا ایک سال کے قلیل عرصے میں برق و باد کی طرح وسیع اسلامی سلطنت پر چھا جانا اور اسلامی ممالک کو بزور شمشیر فتح کر لینا اتنا عجیب واقعہ نہیں۔ جتنا عجیب اور حیرت انگیز معمہ یہ ہے کہ اپنے انتہائی عروج کے زمانے میں یہ نیم وحشی قوم اپنے مفتوح اور اس طرح بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی۔ وہ مسلمان جو اپنی ہر قسم کی سیاسی طاقت کھو چکے تھے اور جن کو تاتاری سخت ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بہت ہی جلد اس قابل ہو گئے کہ خونخوار بھیڑیوں اور اپنے بدترین دشمنوں کو اپنا بھائی اور اپنا ہمدرد سمجھیں۔ چنانچہ مسٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ پروفیسر مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڑھ اپنی شہرہ آفاق کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں اس واقعہ پر نہایت حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸۔ [2] طبقات الشافعیہ جلد پنجم ص ۱۱۷

"اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کی خاکستر سے پھر اُٹھا اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنھوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم اٹھا نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا۔ یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلات پیش آئیں۔ کیونکہ دوسرے دو مذہب اس بات کی سخت کوشش کر رہے تھے کہ مغلوں اور تاتاریوں کو مذہباً اپنا پیرو اور معتقد بنا لیں۔ وہ حالت بھی بڑی ہی عجیب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہو گی۔ جس وقت بدھ مت اور عیسائیت اور مذہب اسلام اس جد و جہد میں ہوں گے کہ ان وحشی مغلوں اور ظالم تاتاریوں کو جنھوں نے ان تینوں مذہبوں کے معتقدین کو پائمال کر دیا تھا۔ اپنا مطیع بنائیں [1]"

مغلوں کا پہلا مذہب اس سوال کا جواب کہ مغلوں اور تاتاریوں کا پہلا مذہب کیا تھا جسے چھوڑ کر انھوں نے اسلام کو اختیار کیا؟ پروفیسر آرنلڈ یہ دیتے ہیں:۔

"مغلوں کا مذہب "شامانی" تھا۔ جس میں اگرچہ ایک خدا کی ہستی کو تسلیم کیا جاتا تھا لیکن وہ خدائے اعظم ایسا تھا کہ نہ اس کی کوئی پرستش کرتا تھا۔ نہ اس کی کوئی عبادت بجا لاتا تھا۔ اس کام کے لیے انھوں نے اپنے بہت سے چھوٹے چھوٹے معبود بنا رکھے تھے جن کی پوجا وہ پوری عقیدت اور شوق سے کرتے تھے۔ ایسے خداؤں کی تاتاریوں میں زیادہ عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم کی جاتی تھی جن کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ معبود ہمیں تکلیف اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اُن کی ناراضگی اور اُن کی نقصان رساں قوت کو قربانیاں چڑھا کر اور ان کی پوجا پاٹ کر کے کمزور کیا جائے اور جس طرح بھی ہو خوشامد در آمد کر کے ایسے خداؤں کو راضی رکھا جائے۔ اپنے آبا و اجداد کی روحوں سے بھی وہ لوگ بہت ڈرتے تھے کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اپنی موجودہ نسل کو بُرا یا بھلا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور اُن کے بُرے اثرات کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ جوش اور زیادہ مستعدی کے ساتھ ان کی عبادت اور پرستش کی جائے۔ غرض ان علوی اور سفلی خداؤں کو راضی رکھنے کے لیے عاملوں اور ساحروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ جو مُردوں کی روحوں اور عناصر اربعہ پر ان کے خیال کے مطابق پوری قدرت رکھتے تھے۔

مغلوں کے مذہب کا مقابلہ اسلام سے غرض مغلوں اور تاتاریوں کا مذہب ایسا نہ تھا جو زیادہ مدت تک کسی ایسے مذہب کا مقابلہ کر سکتا۔ جس کے اصول اور ارکان انسانی عقل کو مطمئن کر سکتے ہوں اور جس میں مبلغین دین اور معلمان مذہب کی باقاعدہ جماعتیں موجود ہوں۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ مغلوں کو شائستہ اور مہذب قوموں سے واسطہ پڑا اور اُن کی تہذیب کو مغلوں کی طبیعت نے قبول کیا اور خانہ بدوشی کی وحشیانہ حالت سے وہ تمدن کی روشنی میں آ گئے۔

---

[1] دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۴۰-۲۴۱

بدھوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی تبلیغی کوششیں مغلوں کو اپنے مذہب میں لانے کے متعلق مغلوں کو اُن کی فتوحات کے بعد جن مہذب قوموں سے واسطہ پڑا۔ اُن میں بدھ۔ عیسائی اور مسلمان کثرت سے موجود تھے اور وہ تینوں مغلوں کو اپنے مذہب میں لانے کے لیے علیحدہ علیحدہ سخت کوشش اور سعی کر رہے تھے[1]

ان کوششوں میں اسلام کی کامیابی اور اس راہ میں سخت ترین مشکلات اسلام کے لیے ایسے وقت میں بدھ مت اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا اور مغلوں کو ان دونوں مذاہب سے بچا کر اپنا پیرو بنانا ایسا کٹھن کام تھا جس میں کامیابی بظاہر محال بلکہ ناممکن معلوم ہوتی تھی کیونکہ مغلوں کے ہلاکت خیز طوفان سے مسلمانوں کے برابر کسی نے نقصان نہ اُٹھایا تھا اور وہ اپنے ان جانی۔ مالی اور اقتصادی نقصانات کے باعث نہایت پژمردہ۔ غمگین اور مضمحل ہو رہے تھے۔ اُن کے مشہور و معروف شہر جو اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے اور جہاں ایشیا بھر کے ارباب علم و فضل آباد تھے یکسر جلا کر خاک کر دیے گئے تھے مسلمانوں کے فضلاء۔ علماء فقہا۔ درویش اور صوفی یا تو بُری طرح ذبح کر دیے گئے اور یا اُن کو غلام بنا لیا گیا تھا۔ خانان مغل اسلام کے سوا تمام مذاہب پر مہربان تھے اور اسلام سے شدید نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور ان پر ہر قسم کے ظلم نہایت بے پروائی کے ساتھ روا رکھے جاتے تھے چنانچہ چنگیز خاں نے حکم دے دیا تھا کہ جو مسلمان کسی جانور کو شرع کے مطابق ذبح کرے۔ اُسے فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ قوبلائی خاں نے اس ظالمانہ حکم کو اپنے زمانے میں اور زیادہ سخت کر دیا۔ ہر شہر و قصبہ میں "مجرموں" کا سُراغ لگانے کے لیے مخبر مقرر کیے اور مخبروں کے لیے انعامات مقرر کیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے گناہ مسلمانوں پر کامل سات برس تک ایسے بے پناہ ظلم توڑے گئے کہ اُن کے سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس زمانے میں یہ عام بات تھی کہ غلام اپنے مسلمان آقا پر شرع کے مطابق ذبیحہ کا الزام لگاتا۔ جس پر آقا کی فوراً گردن ماردی جاتی اور مخبری کے صلے میں غلام آزاد ہو جاتا۔ کیوگ خاقان کے عہد میں (۱۲۴۶ء تا ۱۲۴۸ء) جس کے وزرائے اعظم دو عیسائی تھے مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ارغون خاں نے بھی جو چوتھا ایلخان (۱۲۸۴ء تا ۱۲۹۱ء) تھا مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کیے۔ تمام سرکاری محکموں کے دروازے ان پر بند کر دیے اور پہلے سے جو مسلمان ملازم مختلف دفتروں میں کام کر رہے تھے۔ انھیں برخاست کر دیا۔[2]

مشکلات کے باوجود مغلوں کو مسلمانوں کا مسلمان کرنا باوجود ان سخت مشکلات اور شدید مظالم کے مغلوں نے آخر کار اُن ہی مسلمانوں کا مذہب قبول کیا۔ جن کو انھوں نے اپنے پاؤں میں روندا تھا۔ مگر یہ واقعہ جتنا عجیب ہے

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۱-۲۴۲۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۵-۲۴۶ بحوالہ ہوورتھ جلد اول ص۱۴۶ اور ڈی گوٹن جلد ۳ ص۲۷۶۔

اتنا ہی یہ امر حیرت انگیز ہے کہ تاریخ میں اس عظیم الشان کارنامے کی تفصیلات بہت ہی کم ملتی ہیں اور جن محترم نفوس نے یہ مقدس کام سرانجام دیا۔ ان کا تاریخ کے دفتر میں بہت ہی کم سراغ ملتا ہے اور دنیا کو اُن مخلص مبلغین اسلام کے اسم ہائے گرامی بہت کم معلوم ہیں جنھوں نے اس خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ مگر اس امر میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ اُن داعیان اسلام کا یہ احسان نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت تک رہے گا کہ انھوں نے دنیا کو وحشت و بربریت سے نجات دے کر ایک ایسی قوم کی تولیت میں دے دیا۔ جو خدائے واحد کی پرستار اور حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمبردار تھی۔ [۱]

مغلوں کے امرا اور رؤسا میں اسلام کی تبلیغ

افسوس ہے کہ تاریخ میں اُن حالات کی تفصیلات نہیں ملتیں جن حالات میں مغلوں نے اسلام قبول کیا اور اُن میں دین برحق کی اشاعت ہوئی۔ صرف چند متفرق واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں بعض نمایاں اور سرآوردہ مغلوں کے مسلمان ہونے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کی کیفیت آرنلڈ نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان کی ہے:۔

"مغلوں کے تمام علاقوں میں اور اُن کی مختلف چھوٹی بڑی ریاستوں میں ایسے مسلمان عالم دین اور مبلغین موجود تھے۔ جو مغلوں کے عوام و خواص کو سمجھا بجھا کر خفیہ طور سے مسلمان کر لیتے تھے۔ چنانچہ چنگیز خاں کے بیٹے اوگتائی خاں (۱۲۲۹ء تا ۱۲۴۱ء) کے عہد میں حاکم ایران کرگز نامی کا حال لکھا ہے کہ وہ پہلے بدھ مت کا پیرو تھا۔ پھر اُس نے یہ مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کیا [۲]

تیمور خاں کے زمانے میں خان انندا نے جو قوبلائی خان کا پوتا تھا اور چین کے صوبے کانسوہ کا حاکم تھا اسلام قبول کیا اور شہر تانگوت میں تبلیغ کر کے اس نے بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ بلکہ جو فوج اس کے ماتحت تھی۔ ان میں سے بھی اکثر افراد مسلمان ہو گئے۔ جب تیمور خاں کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے انندا خاں کو اپنے دربار میں بلایا اور بڑی کوشش اس بات کی کی کہ انندا خاں اسلام کو چھوڑ کر بدھ مذہب اختیار کر لے۔ مگر اس نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے دین اسلام کو حق سمجھ کر قبول کیا ہے۔ لالچ، طمع یا کسی اور غرض سے اختیار نہیں کیا۔ پس اس حالت میں تبدیل مذہب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اس پر ناراض ہو کر تیمور خاں نے انندا خاں کو قید خانے میں بھیج دیا۔ لیکن جب اپنے ہر دل عزیز حاکم کے قید ہونے کی خبر تانگوت کے باشندوں نے سنی۔ تو انھوں نے زبردست طریقے پر بغاوت کی تیاریاں کیں۔ جس سے ڈر کر تیمور خاں نے اسے چھوڑ دیا [۳]۔

---

[۱] دعوت اسلام ص ۲۷۶ تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول ص ۲۹۷۔ ص ۲۹۵۔ [۲] دہوسن جلد ۳ ص ۱۲۱۔
[۳] دعوت اسلام ص ۲۷۶ بحوالہ دہوسن۔ توم ۲ صفحہ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔

چنگیز خاں کی اولاد کی تفصیل یہ تو ہوئی مغلوں کے رؤسا اور امرا میں متفرق طور پر اسلام کی اشاعت اس کے بعد اب ہم بتلائیں گے کہ سلطنت کے لحاظ سے تاتاریوں میں دین حقہ کی تبلیغ اور اشاعت کس طرح ہوئی لیکن اس کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ چنگیز خاں کی اولاد میں اس کی وسیع سلطنت کس طرح تقسیم ہوئی؟ اور اس کے بعد اولاد کی مختلف شاخوں میں اسلام کس طرح پھیلا؟

چنگیز خاں کے چار بیٹے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد اُس کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو کر اُس کے چاروں بیٹوں کو ملی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) سب سے بڑا لڑکا جوجی خاں تھا۔ اس کا فرزند باتو خاں سلطنت کے مغربی حصے کا مالک ہو کر سیر اوردا کا خان ہوا۔

(۲) منجھلا بیٹا چغتائی خاں تھا جو بلاد متوسط کا فرمانروا بنا۔

(۳) سنجھلا لڑکا اوگتائی خاں بطور خاقان باپ کا جانشین ہوا اور سلطنت کا مشرقی حصہ اس کے قبضے میں آیا جس میں قوبلائی خاں نے بعد کو چین کا علاقہ بھی شامل کر لیا۔

(۴) سب سے چھوٹا لڑکا تولائی خاں تھا جسے ایران کا ملک ملا۔ ہلاکو خاں جس نے بغداد کو تباہ اور سلطنت عباسیہ کو برباد کیا۔ اسی کا بیٹا تھا۔

کچھ عرصے بعد ان چاروں بھائیوں کی سلطنتوں میں اسلام کی تبلیغ شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی۔ پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں اس تبلیغ کے جستہ جستہ حالات لکھے ہیں۔ ہم اس کتاب کے مختلف مقامات سے تاتاریوں میں تبلیغ اسلام کے متعلق واقعات اخذ انتخاب کر کے ایک تسلسل کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں:۔

۱۔ چنگیز خاں کے بڑے لڑکے جوجی خان کی شاخ میں اسلام کی اشاعت

چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں کی اولاد میں سے پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا وہ برکہ خاں تھا[۱]۔ جو ۱۲۵۶ء سے ۱۲۶۵ء تک اپنے باپ کی سلطنت کے مغربی حصے سیر اوردا کا خان رہا۔ یہ مغل بادشاہوں میں سب سے پہلا شخص ہے جو اسلام لایا۔ مختلف لوگوں سے سن کر اس کو اسلام کے متعلق حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا! اسی تلاش میں وہ ایک دن ایک کارواں میں پہنچا جو بخارا سے آیا تھا۔ اس قافلے میں دو مسلمان تاجر نہایت قابل

---

[۱] برکہ خاں کا سلسلۂ نسب یہ ہے کہ برکہ خاں۔ باتو خاں کا بیٹا اور جوجی خاں کا پوتا تھا۔ یہی جوجی خاں چنگیز خاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا (ماخوذ از شجرات فرمانروایان اسلام مرتبہ لین پول)

فاضل اور لائق تھے۔ برکہ خاں ان دونوں کو الگ لے گیا اور اسلام کے متعلق اُن سے کچھ سوالات کیے۔ ان دونوں تاجروں نے اسلام کے احکام و ارکان اور اُس کی حقانیت و صداقت کے دلائل اور براہین البتی عمدگی اور خوبی سے بیان کیے کہ بے اختیار برکہ کا دل چاہا کہ ایسے اچھے اور عمدہ مذہب کا حلقہ بگوش بن جائے۔ چنانچہ وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور نہ صرف خود مسلمان ہوا بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی بڑے زور سے اسلام لانے کی ترغیب دی اور اس کے بعد اپنے مسلمان ہوجانے کا عام اعلان کردیا۔ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے کہ علامہ نجم الدین مختار الزاہدی نے برکہ خاں کے لیے ۱۲۶۰ء میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت اور سچائی دلائل اور براہین کے ذریعے ثابت کی تھی اور اُس میں مذہبی امور کے متعلق مسلمانوں اور عیسائیوں کے مناظروں کا حال بھی قلمبند کیا تھا ۔[۱] (سینین شیذر صفحہ ۶۳۔ صفحہ ۶۴)

برکہ خاں اسلام کا نہایت پُرجوش مبلغ ثابت ہوا۔ اُس نے مسلمان ہوتے ہی اپنے افسرانِ فوج، امرائے دولت اور عام رعایا میں زور شور سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ جو شخص بھی اُس سے ملنے آتا یا وہ خود کسی سے ملتا۔ اُسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی تمام سلطنت میں اسلام پھیل گیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس سے اس کی ان بن تھی مگر مسلمان ہونے کے بعد اس نے فوراً سلطان سے مصالحت کرلی۔ سلطان کے جو سفیر برکہ خاں کے پاس آئے وہ اُن دو سو مغلوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے جو ہلاکو خاں کی فوج سے بھاگ کر سلطان مصر کے پاس چلے گئے تھے اور جہاں وہ سلطان کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے تھے۔ جب یہ سفیر واپس قاہرہ پہنچے تو انھوں نے سلطان مصر سے برکہ خاں کی دینداری اور اسلام سے محبت کی یہ کیفیت بیان کی کہ "برکہ خاں کے تمام امرائے دولت اور تمام شہزادیوں کے ہاں نماز پڑھانے کے لیے ایک ایک امام اور اذان دینے کے لیے ایک ایک مؤذن مقرر ہے اور سلطنت کے تمام شہروں میں مکتب قائم کیے گئے ہیں جن میں عام رعایا کے بچوں کو قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے"۔[۲]

جب برکہ خاں اور سلطان مصر میں اتحاد بڑھا تو برکہ خاں کی مرضی سے اس کی رعایا میں سے بکثرت مغل سلطان کے پاس مصر چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ کچھ عرصے بعد ان سب نے سلطان کی تبلیغ سے اسلام کو اختیار کرلیا اور نہایت اچھے شہری ثابت ہوئے۔[۳]

---

[۱] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۷ بحوالہ ابوالغازی۔ توم ۲۔ صفحہ ۱۸۱ [۲] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۷ بحوالہ مقریزی صفحہ ۱۸۸

[۳] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۸ بحوالہ مقریزی صفحہ ۲۲۲۔

۲۔ چنگیز خاں کے دوسرے لڑکے چغتائی خاں کی نسل میں اسلام کا پھیلنا

چنگیز خاں کے خاندان کی دوسری شاخ بلاد متوسطہ پر قابض تھی اور اس کا بانی چنگیز خاں کا دوسرا لڑکا چغتائی خاں تھا۔ تاتاریوں کی اس شاخ میں اسلام کی اشاعت اور اس کی ترویج کی کیفیت آرنلڈ اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"بلاد متوسطہ میں جو چغتائی خاں ابن چنگیز خاں اور اس کی اولاد کے حصے میں آئے تھے۔ دعوتِ اسلام کے حالات و واقعات کا پتہ کم چلتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا بادشاہ جس کو اسلام کی نعمت سے حصہ ملا۔ وہ براق خاں تھا (۱۲۶۶ء تا ۱۲۷۰ء) یہ چغتائی خاں کا پڑپوتا تھا[1]۔ تخت نشین ہونے کے دو برس بعد ۱۲۶۸ء میں اس نے مسلمان ہو کر اپنا نام غیاث الدین رکھا۔ یہ بادشاہ جب تک زندہ رہا نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتا رہا۔ اور بہت سے مغلوں کو اس نے مسلمان بنایا۔ مگر اس کی وفات کے بعد یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ اس کا جانشین مسلمان نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان غیاث الدین نے جن مغلوں کو مسلمان بنایا تھا۔ اُس کے انتقال کے بعد اُنھوں نے پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کر لیا اور چودھویں صدی عیسوی سے پہلے اس حالت کی اصلاح نہ ہو سکی۔ البتہ طرمشرین خاں جس نے ۱۳۲۲ء سے ۱۳۳۰ء تک سلطنت کی اور جو اسی خاندان کا ستر ھواں بادشاہ تھا۔ جس وقت مسلمان ہوا تو چغتائی مغلوں نے بالعموم اسلام اختیار کر لیا اور اس مرتبہ مضبوطی سے اسلام پر قائم رہے لیکن طرمشرین (یا ترما شیرین) کے جانشینوں نے مسلمانوں پر پھر ظلم و ستم کرنے شروع کر دیے۔

مسلمانوں پر ایذا دہیوں اور مظالم کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوا اور اُس علاقے میں اسلام کو ترقی اُس وقت تک ممکن نہ ہوئی۔ جب تک کاشغر کا مغل بادشاہ جس کی ریاست چغتائیہ سلطنت کے ضعف کی وجہ سے خود مختار ہو گئی تھی۔ اسلام کی حمایت اور نصرت کے لیے نہ اُٹھا۔ کاشغر کے اس بادشاہ کا نام تغلق تیمور تھا اور اس نے ۱۳۴۷ء سے لے کر ۱۳۶۳ء تک حکومت کی ہے۔ اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ شیخ جمال الدین نام اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس میدان سے گزرنے لگے جو تغلق تیمور کے شکار کے لیے مخصوص تھا۔ بادشاہ کے ملازموں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور مشکیں کس کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ تغلق تیمور نے نہایت غصے میں بھر کر اُن سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح اس بات کی جرأت ہوئی کہ بغیر اجازت کے شاہی شکار گاہ میں داخل ہو گئے؟ شیخ جمال الدین نے جواب دیا کہ "ہم اس ملک میں بالکل اجنبی ہیں اور ہمیں مطلق خبر نہ تھی کہ یہ سرکاری زمین ہے اور اس پر چلنے کی ممانعت ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو ہم ہرگز ادھر سے نہ گزرتے۔"

---

[1] سلسلۂ نسب یہ ہے۔ براق خاں ابن یسو دعا۔ ابن موتوگن ابن چغتائی خاں۔ ابن چنگیز خاں (تجلیات فرمانروایان اسلام ص ۱۷۶)

بادشاہ نے پوچھا "تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟" شیخ نے کہا "ہمارا وطن ایران ہے اور ہم وہیں سے آرہے ہیں"۔ اس پر بادشاہ بہت ترش روئی سے بولا۔ "تب تو تم لوگ بڑے ہی احمق اور ذلیل ہو، اتنے ذلیل کہ ایک کتا بھی تم سے بہتر ہے"۔ شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ "اگر دین حق ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم واقعی کتے سے بھی بدتر تھے"۔

بادشاہ یہ غیر متوقع جواب سن کر حیران رہ گیا۔ مگر اس نے اس عجیب جواب کی تفصیلات درباریوں کے سامنے شیخ سے پوچھنی نہ چاہیں اور بظاہر بے پروائی سے حکم دیا کہ قیدیوں کو حراست میں رکھا جائے اور جب ہم شکار سے واپس آئیں تو ہمارے حضور میں دوبارہ پیش کیا جائے تاکہ ان کو ان کے جرم کی مناسب سزا دی جائے۔

شکار سے واپس آکر بادشاہ نے ان کو تنہائی میں بلایا اور شیخ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "جو جواب تم نے میرے سوال کا اُس وقت دیا تھا۔ میں اُسے قطعاً نہیں سمجھا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ "دین حق" سے تمہارا کیا مطلب تھا؟"

شیخ کے لیے تبلیغ اسلام کا یہ بہترین موقع تھا جو قدرت نے خود پیدا کر دیا تھا۔ انھوں نے پہلے خدا کی توحید اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق نہایت دل نشین تقریر کی اور پھر اسلام کے دیگر ارکان اور اصول ایسی عمدگی کے ساتھ اور ایسے جوش اور روانی سے بیان کیے کہ تغلق تیمور کا پتھر دل موم سے بھی زیادہ نرم ہو گیا۔ کفر کی خرابیاں اور بت پرستی کے نقائص شیخ نے ایسے عجیب طریقے سے بیان کیے کہ بادشاہ کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ وہ اب تک تاریکی اور گناہ کی زندگی میں مبتلا تھا اور یہ کہ نجات اور اطمینان قلب کا حقیقی ذریعہ صرف اسلام ہے۔ اس پر اُس نے شیخ سے کہا "میں نے آپ کی تقریر غور سے سُنی جسے سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ واقعی آپ کا مذہب سچا ہے اور آنحضرت خدا کے رسول ہیں۔ میں آپ کے خدا پر فوراً ایمان لے آتا اور آپ کے رسول کو فوراً تسلیم کر لیتا لیکن اگر میں اس وقت اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں تو اپنی رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا۔ اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی آپ خاموش رہیں۔ جب حالات موافق ہو جائیں اور جب میں اُن تمام رکاوٹوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہو جاؤں جو اس وقت میری سدراہ ہیں اور ان تمام سیاسی اُلجھنوں کو سلجھاؤں جن میں آج کل مبتلا ہوں۔ تو اُس وقت آپ میرے پاس آئیں۔ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لوں گا اور اپنی رعایا سے کہوں گا کہ وہ بھی اس دین کو قبول کر لے۔ اس طرح میرے خیال میں اچھا اثر ہو گا اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے"۔ اس کے بعد اُس نے شیخ جمال الدین کو رہا کر دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وطن چلے آئے اور موقعے کے منتظر رہے۔

اُس وقت چغتائی حکومت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو کر بہت کمزور ہو گئی تھی۔ کئی برسوں کے بعد جا کر تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب ریاستوں کو متحد کر کے ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھ سکے۔

بادشاہ ادھر اپنی سلطنت کے استحکام میں مصروف تھا ادھر شیخ جمال الدین وطن جا کر ایسے بیمار پڑے کہ

پھر اُٹھنا نصیب نہ ہوا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے فرزند رشید الدین کو بلایا اور اُس سے کہا کہ "تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا۔ جب وہ وقت آئے تو تم اس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچا کر بےخوف وخطر اس کو یاد دلانا کہ اُس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا" چنانچہ چند سال کے بعد جب تغلق تیمور نے طاقت اور شوکت حاصل کر لی۔ تو رشید الدین اپنے والد کی وصیت پوری کرنے کے لیے اس کے پاس گیا۔ لیکن سخت کوشش کے باوجود اُسے بادشاہ کے حضور میں باریابی نصیب نہ ہوئی۔ مجبور ہو کر اُس کے ہوشیار دماغ نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دن نہایت سویرے بہت بلند آواز سے بادشاہ کے خیمے کے قریب اذان دی۔ بادشاہ کی سونے سے آنکھ کھل گئی اور اُس نے نہایت غصّے سے حکم دیا کہ اُس شخص کو گرفتار کر کے ابھی ہمارے حضور میں پیش کیا جائے جس نے بے وقت چلا کر ہماری نیند میں خلل ڈالا۔ جب رشید الدین گرفتار ہو کر سامنے آیا تو اُس نے بادشاہ سے کہا کہ میں نے یہ تدبیر آپ تک پہنچنے کی سوچی تھی جس میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد اس نے باپ کا پیغام بادشاہ کو سنایا تو بادشاہ کہنے لگا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے اور میں شیخ کا منتظر ہی تھا۔ یہ معلوم ہو کر نہایت افسوس ہوا کہ اُن کا انتقال ہو گیا اب میں تمھارے ہاتھ پر اسلام لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد اُس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی۔ اس کے زمانے میں اُن تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہو گیا جو چغتائی خان ابن چنگیز خاں کی اولاد کے تسلط میں رہے تھے[1]

۳۔ چنگیز خاں کے تیسرے لڑکے اوگتائی خان کی اولاد میں تبلیغ دین

اوگتائی خان کے عہد میں اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی اس کی مختصر کیفیت ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں لہٰذا یہاں اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۴۔ چنگیز خاں کے چوتھے لڑکے تولائی خان کے بیٹوں میں اعلائے کلمۃ الحق

تاتاری سلطنت اور چنگیز خاں کے خاندان کی چوتھی شاخ دولت ایلخانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان میں اشاعت اسلام کے متعلق آرنلڈ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ایران میں جہاں تولائی خاں کا لڑکا ہلاکو دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا۔ ترکوں میں اسلام کی اشاعت بہت آہستہ آہستہ ہوئی۔ ہلاکو خاں کا بیٹا تگودار، جو اپنے بھائی اباقا خاں کا جانشین ہوا دولت ایلخانیہ کا پہلا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ ایک ہمعہد ونیس عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ تگودار کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب پر

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۲۵۴-۲۵۶ بحوالہ ابوالغازی۔ ترجمہ ۲۔ صفحہ ۱۶۶-۱۶۸

ہوئی تھی۔ بچپن میں اُسے اصطباغ ملا تھا اور نکولس اس کا نام رکھا گیا تھا۔[۱] لیکن جب نکودار بڑا ہوا تو اس نے مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام کو اختیار کیا اور اپنا نام سلطان احمد رکھا۔ اس نے جس قدر اس سے ہو سکا اس بات کی کوشش کی کہ سارے تاتاری اسلام قبول کر لیں۔ وہ اس کام کے لیے لوگوں کو انعام واکرام سے نوازتا۔ انھیں مناصب اور عہدے دیتا اور مسلمان ہو جانے والوں سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں بہت سے تاتاری مسلمان ہو گئے۔ نکودار کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے تاتاریوں نے اس کے خلاف ایک عام بغاوت برپا کر دی اور ارغون خان نے اس پر حملہ کر دیا۔ نکودار بہت بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا اور ارغون خاں سلطنت کا مالک بن گیا۔ اس نے ۱۲۸۷ء سے ۱۲۹۱ء تک حکومت کی۔ اس کے زمانے میں پھر مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور سرکاری عہدوں اور نوکریوں سے وہ برطرف کیے گئے۔[۲]

ارغون خان کے بعد کیخاتو اور بیدو کے زمانے میں بھی مسلمانوں کی یہی حالت رہی اور یہ بادشاہ اپنے قدیم مذہب "شامان" کے پیرو رہے۔ لیکن ۱۲۹۵ء میں اس خاندان کا ساتواں بادشاہ غازان جو خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ بارعب اور پُرسطوت بادشاہ تھا مسلمان ہو گیا اور اُس نے اسلام کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا۔ غازاں نہایت خوش اعتقاد اور پُرجوش مسلمان تھا۔ مسلمان ہونے سے پہلے وہ بدھ مذہب کا پیرو تھا مگر مختلف مذاہب کی تحقیق و تفتیش کا اُسے بڑا شوق تھا اور ہر مذہب کے عالموں سے مذہبی مباحثے کیا کرتا تھا۔[۳]

بالآخر اس نے بہت تحقیق اور غور و فکر کے بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ شاہی افواج۔ اراکین دولت اور امرائے سلطنت نے بھی بادشاہ کا اتباع کیا اور بکثرت لوگ مسلمان ہو گئے۔ سلطان غازان نے زاہدوں اور عالموں میں بڑی فیاضی سے روپیہ تقسیم کیا۔ صوفیاء فقراء اور اولیائے امت کے مزارات کی زیارت کی اور بہت سی مسجدیں تعمیر کیں۔ غرض اس مغل بادشاہ نے اپنے آپ کو ہر لحاظ سے نہایت باخدا مسلمان ثابت کیا۔ مسلمان ہو کر اس نے اپنا نام محمود رکھا تھا۔ اسی لیے تاریخ میں غازان محمود کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۰۴ء میں غازان محمود کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی سلطان محمد خدابندہ کے نام سے ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اس سلطان کی ماں عیسائی تھی۔ بچپن میں اس کی تعلیم و تربیت عیسوی طریقے سے ہوئی تھی اور اس نے نکولس کے نام سے اصطباغ بھی پایا تھا۔ لیکن ماں کے مرنے پر وہ اپنی بیوی کی تبلیغ سے مسلمان ہو گیا۔

---

[۱] ہیئوم۔ اموسیو۔ توم ۲ صفحہ ۶۰۔ [۲] ڈی گوبن جلد ۳ صفحہ ۲۶۳۔ [۳] دہوسن۔ توم ۴۔ صفحہ ۳۱۵

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ "تکوئس خان یعنی سلطان محمد خدابندہ کے مسلمان ہو جانے سے مغلوں میں بڑا اثر پیدا ہوا۔"[سلہ] غرض اُس زمانے سے قلمرو ایلخانیہ میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آگیا۔[سلہ]

غرض اس طرح قریباً ساری تاتاری قوم جس نے پورے عالم اسلامی کو پامال کر کے رکھ دیا تھا اور جس کے سامنے کوئی اسلامی طاقت نہ ٹھہر سکی تھی۔ چند ہی سال کے عرصے میں اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی اور اسلام نے ایک مرتبہ دوبارہ اس امر کا ثبوت دیا کہ اُس کو اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے تسخیر کرنے کی عجیب وغریب قدرت حاصل ہے۔

داعیان اسلام کی تبلیغ سے تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ اُن میں بڑے بڑے مجاہد۔ عالم۔ فقیہہ اور بڑے باخدا انسان پیدا ہوئے۔ جنھوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی خدمت انجام دی۔

ہے عیاں آج بھی تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

[سلہ] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۵۷ [سلہ] دعوت اسلام صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۴ (خلاصہ) اور تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول صفحہ ۳۰۲

باب ہفتم

ترکوں میں اسلام کی اشاعت

ابتدا میں ترک ایک وحشی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ جو مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہ خانہ بدوش قبیلے ایشیا کے وسطی اور مشرقی علاقوں میں چارہ اور خوراک کی تلاش میں چکر لگاتے پھرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ایک سلطنت قائم کر لی۔ جو منگولیا اور چین سے لے کر بحیرہ اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت کے بانی کا نام تومین یا بومن تھا۔ جو ۵۵۲ء میں مرگیا۔ ان ترک قبائل میں ترگیش کا قبیلہ سب سے زیادہ نامور اور ممتاز تھا۔ اس قبیلہ کے سردار نے ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں اپنا لقب "خاقان" تجویز کیا۔[1]

ولید اول بن عبدالملک (۸۶ھ/۷۰۵ء تا ۹۶ھ/۷۱۵ء) پہلا اموی بادشاہ ہے جس کے زمانے میں ترک اسلام سے روشناس ہوئے۔ ولید کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے بخارا، سمرقند، خوارزم، فرغانہ، تاشقند اور کاشغر وغیرہ کے ترکی علاقوں کو فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ ترکوں کے جو بت خانے ان علاقوں میں تھے اُن کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ جو شخص بھی ان کی بے ادبی یا توہین کرے گا وہ فوراً ہلاک ہو جائے گا۔ جب قتیبہ سمرقند میں پہنچا اور اُس نے یہ سنا تو ترکوں کو دکھانے اور ان کو اُن کی غلط توہمات پر متنبہ کرنے کے لیے اُس نے سمرقند کے بُت خانوں کو آگ لگا دی۔ جب ترکوں نے دیکھا کہ اس فعل سے قتیبہ کا کچھ بھی نہ بگڑا تو بہت سے ترک اسلام لے آئے۔[2]

سلیمان بن عبدالملک کے بعد جب حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے (۹۹ھ/۷۱۷ء تا ۱۰۱ھ/۷۱۹ء) تو انھوں نے منجملہ اور ممالک کے ماوراء النہر کے ترک بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے بعض اسلام لے آئے۔ اس کے بعد آپ نے عبداللہ ابن معمر کو اسلام کی عام تبلیغ کرنے کے لیے ماوراء النہر بھیجا جس کے نتیجے میں وہاں کے بعض قبائل مسلمان ہو گئے۔[3]

بنی اُمیہ کے دسویں بادشاہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ/۷۲۴ء تا ۱۲۵ھ/۷۴۳ء) کے عہد میں ابو صیداء کی تبلیغ سے ماوراء النہر کے ترک بہت کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے۔[4]

---

[1] دعوت اسلام ص ۲۳۵۔ [2] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ قاہرہ ص ۴۳۲۔ [3] دولت عثمانیہ جلد اول ص ۲ مؤلفہ ڈاکٹر زبیر ایم اے۔ [4] دولت عثمانیہ جلد اول ص ۲۔

سمرقند اور بخارا سے جو ترکستان کے علاقے تھے خراج میں بہت سے ترک غلام ہر سال بھیجے جایا کرتے تھے۔ ان سب غلاموں نے اپنے مسلمان آقاؤں کے پاس رہ کر رفتہ رفتہ اسلام قبول کر لیا۔[1]

سب سے پہلے ابو جعفر منصور عباسی (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ / ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء) نے ترکوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ بعد میں رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آخر کار انھوں نے بڑی زبردست طاقت حاصل کر لی معتصم نے پچاس ہزار سے زیادہ ترکوں کو لا کر دار الخلافہ میں آباد کیا۔ اُس نے ان ترکوں کے لیے بغداد سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک نیا شہر بسایا جس کا نام سامرا تھا۔ رفتہ رفتہ ترکی شہزادے اور اُن کے امرا بھی ترکستان سے آ کر سامرا میں آباد ہونے لگے۔ جو بت پرست تھے یا آتش پرست۔

مسلمانوں سے میل جول اور اسلامی حکومت میں قیام کے باعث ان ترک غلاموں اور ترک فوجیوں اور ترکی امرا و شہزادوں میں بھی آہستہ آہستہ اسلام پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک زمانے کے بعد یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے ان کے مسلمان ہو جانے پر ان کے جو بت پرست بھائی بند ماوراء النہر کے علاقے میں سکونت پذیر تھے۔ اُن میں بھی اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ جب ترک سرداروں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو اُن کے جرگے اور قبیلے بھی مسلمان ہو گئے۔ چوتھی صدی (دسویں صدی مسیحی) میں بکثرت ترکوں نے اپنی خوشی سے بغیر کسی جبر اور سختی کے اسلام کو بطور مذہب اختیار کیا۔ ۳۴۹ھ (مطابق ۹۶۰ء) میں دو لاکھ ترک گھرانے مسلمان ہو گئے۔[2]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ماوراء النہر کی ایک ترکی قوم کے دس ہزار گھرانے جو بلاساغون اور کاشغر کے نواح میں اسلامی علاقوں پر چھاپے مارا کرتے تھے۔ صفر ۴۳۵ھ (ستمبر ۱۰۴۳ء) میں سب اسلام لے آئے۔[3]

خلیفہ معتصم کے بعد ترکوں کا اقتدار فوج اور حکومت میں روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کا عزل و نصب تمام تر اُن کے ہاتھ میں آ گیا۔ خلیفہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے اپنی خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم کر لیں جیسے مصر میں طولونیہ اور اخشیدیہ اور افغانستان میں دولت غزنویہ۔ گیارھویں صدی مسیحی میں ترکوں کے ایک گروہ نے خراسان میں دولتِ سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی۔ سلجوقیوں میں اشاعت اسلام کی تاریخ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ترکوں کی عثمانی سلطنت میں اسلام اُن ترکی قبائل میں جو چنگیز خاں کے حملے کے بعد اپنا وطن چھوڑ کر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ ایک بہادر ترک ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا۔ یہ لوگ اپنے وطن خراسان سے نکل کر ایشیائے کوچک میں آئے اور سلطان علاؤ الدین سلجوقی کے زیر سایہ آباد ہو گئے۔ سلطان نے ارطغرل کو مغوت کا تمام علاقہ جو دریائے سقاریہ کے کنارے پر بازنطینی سرحد کے قریب واقع تھا جاگیر میں دے دیا اور یہ

۱۔ دولت عثمانیہ جلد اول ص ۳۔ ۲۔ ابن اثیر جلد ۸ ص ۳۹۶۔ ۳۔ ابن اثیر جلد ۹ ص ۳۵۵

لوگ وہاں بڑے آرام سے رہنے لگے۔ جو اور ترک خاندان اس علاقے کے آس پاس پہلے سے آباد تھے وہ بھی ارطغرل سے مل گئے۔ اس طرح اس کی قوت روز بروز بڑھتی رہی ۶۸۷ھ (مطابق ۱۲۸۸ء) میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بڑا لڑکا عثمان اس کا جانشین ہوا۔ یہی عثمان ترکی کی عثمانی سلطنت کا بانی تھا اور اپنے خاندان میں سب سے پہلے اسی نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسی عثمان نے ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو آگے چل کر صرف ڈیڑھ سو برس میں دنیا کی زبردست طاقتوں میں شمار ہونے لگی اور تین سو برس گزرنے نہ پائے تھے کہ عثمانی سلطنت اپنی وسعت اور طاقت کے لحاظ سے اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ جس کی حکومت ایشیا، یورپ اور افریقہ کے وسیع حصوں میں قائم تھی اور اس کی ہیبت سارے یورپ پر چھائی ہوئی تھی۔

اب تک عام خیال یہی تھا کہ اس خاندان میں سب سے پہلے ارطغرل نے اسلام قبول کیا تھا مگر ۱۹۱۶ء میں مسٹر ہربرٹ گبنس کی محققانہ کتاب "فاؤنڈیشن آف دی عثمان ایمپائر" سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ نظریہ غلط تھا اور اس خاندان کا پہلا مسلمان بادشاہ عثمان تھا۔ مسٹر ہربرٹ نے اپنے دعوے کے مضبوط دلائل اپنی کتاب میں لکھے ہیں تفصیلات کے شائقین اُسے ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں بہت مختصر طور پر عثمان کے مسلمان ہونے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے:۔

"اسکی شہر" کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں "ایتربنی" میں ایک صوفی بزرگ "اَدہ بالی" رہا کرتے تھے۔ اُن کی ایک لڑکی "مال خاتون" نام تھی۔ عثمان اپنی نوجوانی کے زمانے میں اکثر اس بزرگ کے ہاں جایا کرتا تھا۔ اُس نے مال خاتون کی صورت کی دلفریبی۔ سیرت کی خوبی اور اُس کی لیاقت و سلیقے سے متاثر ہو کر "ادہ بالی" کو شادی کا پیغام دیا اور اپنا یہ عجیب و غریب خواب بھی اسے سنایا کہ "میں نے رات کو ایک چاند کو دیکھا جو ہلال بن کر آپ کے سینہ سے نکلا اور آہستہ آہستہ بدر بن کر میرے سینے میں آ گرا۔ پھر میرے پہلو سے ایک زبردست درخت نمودار ہوا جو برابر بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اُس کی شاخیں بحر و بر پر چھا گئیں۔ اس درخت کی شاخوں کو چار پہاڑ اُٹھائے ہوئے ہیں کوہ قاف کوہ بلقان۔ کوہ طور اور کوہ اٹلس۔ نیز درخت کی جڑ سے چار دریا نکلے ہوئے ہیں۔ دجلہ۔ فرات۔ نیل اور ڈینیوب۔ دفعتاً ایک تیز آندھی چلی اور اس درخت کی پتیوں کے رُخ جو شکل میں تلوار سے مشابہ تھیں۔ ایک عظیم الشان شہر کی طرف ہو گیا۔ یہ شہر دو سمندروں اور دو براعظموں کے اتصال پر واقع ہے اور ایک انگوٹھی کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ جس میں دو نیلم اور دو زمرد جڑے ہوئے ہیں۔ میں اس انگوٹھی کو پہننا چاہتا ہوں کہ یکایک میری آنکھ کھل گئی"۔

بزرگ ادہ بالی نے اس خواب میں عثمان کے شاندار مستقبل کی تعبیر کو دیکھ کر اور اسے ایک اشارۂ غیبی سمجھ کر اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ ادہ بالی کی تلقین اور تبلیغ سے عثمان اور اُس کے قبیلے کے سارے آدمی اسلام لے آئے اور عثمان کا یہ خواب آئندہ زمانے میں نہایت شان کے ساتھ پورا ہوا۔

باب ہشتم

اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت

سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں

ترک کس طرح مسلمان ہوئے؟ اس کی کیفیت آپ گذشتہ سطور میں پڑھ چکے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بتانا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد خود ترکوں نے تبلیغ اسلام میں کیا کوششیں کیں؟ اور جن ممالک کو انھوں نے فتح کیا وہاں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی؟ اور مختلف اوقات میں ان کی حکومت اور ان کے مقبوضات میں لوگوں کے مسلمان ہونے کی رفتار کیا رہی؟ اس مضمون کو پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب "دعوت اسلام" میں ۴۷ صفحات پر لکھا ہے۔ مگر اس میں نہایت کثرت کے ساتھ غیر متعلق طویل بیانات بھی ہیں جن کو اشاعت اسلام کے کام سے کوئی براہ راست تعلق نہیں۔ اس لیے اس سارے مضمون کا بہت مختصر خلاصہ نہایت احتیاط کے ساتھ مرتب کر کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یہ خلاصہ جامع ہو اور اس میں موضوع کے متعلق تمام ضروری باتیں آجائیں۔

ترکوں کا شاندار سلوک عیسائیوں کے ساتھ

ترکوں نے مسلمان ہونے کے بعد رومی سلطنت پر قابض ہو کر وہاں کی عیسائی رعایا پر مسلمان ہونے کے لیے کسی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا بلکہ ترکوں کی نئی اسلامی سلطنت نے عیسائیوں کو ایسی اعلیٰ درجے کی رعایتیں دیں اور ان کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا کہ اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دیگر مذہب اور قوم میں نظر نہیں آتی۔ بادشاہ خود یونانی کلیسا کا سرپرست بنا اور عیسائیوں پر سختی کے ساتھ شدت کی ممانعت کر دی۔ لاٹ پادری کو جو اختیارات اور مراعات خود عیسائی رومی سلطنت میں حاصل تھیں وہ ساری بحال کر دی گئیں گناڈوس بطریق کو بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے مقدس عصا مرحمت فرمایا۔ ایک ہزار دینار نقد کے طور پر دیے۔ ایک اعلیٰ درجے کا گھوڑا مع ساز و سامان عطا کیا اور اُسے اجازت دی کہ شاہانہ جلوس کے ساتھ شہر میں پھر کر اسے وسیع عدالتی اختیارات دیے۔ چنانچہ ایسے تمام مقدمات اس کی عدالت میں پیش ہوتے تھے جن میں فریقین مسیحی المذہب ہوں اور عیسائی مجسٹریٹ کو مجرموں پر جرمانے کرنے۔ انھیں قید کی سزا دینے۔ حتیٰ کہ سزائے موت کا حکم دینے کا بھی اختیار تھا۔ بطریق اس معاملے میں پورا آزاد تھا کہ وہ عیسوی فقہ اور تمام دینی مسائل کو بغیر سلطنت کی مداخلت کے طے کرے اور جس طرح چاہے عیسائیوں کی اندرونی حالت کی اصلاح کرے۔

جس کسی کو مالی مدد کی ضرورت ہو اُس کی مدد کرے۔ غرض عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی ملی ہوئی تھی اور اُن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی پوری ذمہ داری حکومت پر تھی۔ اسی اعلیٰ سلوک نے سلطنت کے تمام عیسائیوں کو اسلامی حکومت کا نہایت درجہ گرویدہ بنا دیا اور انھوں نے ہر ایک عیسائی حکومت پر مسلمانوں کی سلطنت کو ترجیح دی اور ترکوں کو اپنا نجات دہندہ تصور کیا۔[1]

عیسائی حکومت کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ

اس سے پہلے خود عیسائی حکومت میں عیسائی افسران اور احکام کا جو سلوک اپنی ہم مذہب عیسائی رعایا کے ساتھ تھا اُس کا نقشہ آرنلڈ کے قول کے مطابق ایک رومی مورخ ان الفاظ میں کھینچتا ہے ”بغیر قانون کے خوف کے ہر سلطنت ایسی ہے جیسے بے لگام گھوڑا۔ شہنشاہ قسطنطین اور اُس کے بعد میں آنے والے جانشینوں نے امرائے سلطنت کو کھلی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں رعایا پر ظلم کریں۔ ان کی عدالتوں سے انصاف اُٹھ گیا تھا اور ان کے دلوں میں شرافت باقی نہ رہی تھی۔ بیگناہوں کے آنسوؤں اور مظلوموں کے خون سے دنیا بھر گئی تھی۔ رومی سپاہی اپنے زرق برق لباس میں اینٹھتے پھرتے تھے اور اُن کو لوگوں کی فلاح و بہبود کی قطعاً پروا نہ تھی۔ رعایا کو سلطنت سے بغاوت کرکے ندامت نہ ہوتی تھی اور سپاہی کو لڑائی سے بھاگنے میں غیرت نہ آتی تھی۔ آخرکار خدا نے ان نالائق حاکموں پر اپنی بجلی گرائی اور اُن کی بجائے مسلمانوں کو ملک کا وارث بنایا جنھوں نے عدل و انصاف کے فرمان جاری کیے۔“[2]

ینی چری کا قیام اور ترکوں کی تبلیغ اسلام

باوجود کامل مذہبی آزادی دینے کے اور باوجود سختی سے اس بات کا خیال رکھنے کے کہ کسی شخص پر تبدیل مذہب کے معاملے میں جبر نہ کیا جائے۔ سلطنت عثمانیہ تبلیغ اسلام سے غافل نہ تھی۔ اس سلسلے میں پہلا عجیب اور انوکھا قدم حکومت نے یہ اٹھایا کہ وہ ہزاروں عیسائی جو جنگی قیدیوں کی صورت میں مسلمانوں کے پاس اسیر تھے اُن میں سے دس بارہ سال کے مضبوط۔ قوی اور ہونہار لڑکوں کو لے کر پہلے اُن کو قابل اور لائق معلّموں کی نگرانی میں دے دیتے۔ جو ان کو نہایت مہربانی اور شفقت کے ساتھ اسلامی اصول اور اُس کے ارکان کی تعلیم دیتے اور اُن کو لکھنا پڑھنا سکھاتے۔ جب وہ اسلام میں پختہ ہو جاتے تو اُن کو فوجی تعلیم اور عسکری تربیت دی جاتی اور ٹرینڈ ہونے کے بعد اُن کو فوج میں بھرتی کر لیا جاتا۔ اس طرح تربیت دیے ہوئے یہ نومسلم نوجوان اپنے اسلام پر بھی پختہ ہوتے (کیونکہ اُن کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوتی تھی) اور اعلیٰ درجے کے بہادر سپاہی بھی ثابت ہوتے۔ سلطان عثمان بن ارطغرل کے فرزند سلطان اورخان (۷۲۶ھ/۱۳۲۶ء تا ۷۶۱ھ/۱۳۵۹ء) نے خیرالدین پاشا کے مشورے سے اس کام کی ابتداء کی تھی۔ یہ تجربہ نہایت کامیاب رہا۔ اس سے جہاں سلطنت کو عیسائیوں کی ایک معقول تعداد کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا موقع ملتا تھا۔ وہاں ایسی مضبوط اور مستقل فوج بھی آسانی سے حکومت کو میسر ہو جاتی تھی جو مسلسل تین سو برس تک سلطنت

۱۔ دعوت اسلام ص ۱۶۲۔ ۲۔ دعوت اسلام ص ۱۶۵۔ بحوالہ کارامسین۔ جلد پنجم ص ۵۳۷۔

کی عظمت و ہیبت اور اُس کی شوکت و طاقت کا بہت شاندار ذریعہ بنی رہی۔[1]

شروع میں ایک ہزار بچے اس ٹریننگ کے لیے منتخب کیے گئے۔ انتخاب کے بعد سلطان اورخان ان بچوں کو اُس وقت کے ایک باخدا بزرگ اور مرتاض صوفی حضرت حاجی بکطاش کی خدمت میں لے گیا جو اپنے زہد و اتقا اور فضل و کمال کے باعث ملک میں مشہور تھے اور اُن سے ان بچوں کے حق میں دعائے خیر کی درخواست کی۔ حاجی صاحب محترم نے دعا کے بعد اس ننھی فوج کا نام ینی چری یعنی "لشکرِ جدید" رکھا۔ یہ نئی اور عجیب فوج پانچ قسم کے لڑکوں سے مرتب کی جایا کرتی تھی:۔

(۱) جنگ کے دوران میں جو عیسائی گرفتار ہو کر آیا کرتے تھے۔ اُن میں سے دس بارہ برس کے لڑکے انتخاب کر لیے جایا کرتے تھے۔

(۲) بعض عیسائی علاقوں سے جو سالانہ خراج وصول کیا جاتا تھا اس میں بجائے اشیاء یا نقد روپے کے نوجوان لڑکوں کی ایک خاص تعداد لی جایا کرتی تھی اور یہ دستور رومن بادشاہوں کے وقت سے چلا آتا تھا۔ مسلمانوں کے ہاں بھی شروع میں کچھ دنوں تک یہ دستور جاری رہا۔ چنانچہ خراج میں آئے ہوئے لڑکوں میں سے ہونہار لڑکوں کو مسلمان کرنے کے بعد فوج میں شامل کر لیا جاتا تھا۔

(۳) عیسائیوں کے یتیم بچوں کو جن کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا تھا مسلمان لے لیا کرتے تھے اور اُن کی پرورش اور تربیت کے بعد اُن کو اسلام سے روشناس کراتے اور پھر فوج میں شریک کر لیتے۔

(۴) عیسائی غلاموں میں سے قابل لڑکوں کو چھانٹ لیتے اور اُن کو اسلام کی تعلیم دینے کے بعد عسکری تربیت دیتے۔

(۵) غریب اور مفلس عیسائی اپنے بچوں کو بھوک اور تکلیف کی مصیبت سے بچانے کے لیے خود پیش کر دیتے اور حکومت اُن کی تربیت، پرورش اور تعلیم کے بعد اُن کو فوج میں بھرتی کر لیتی تھی۔ لیکن اس طریقے میں جبر، زور، سختی اور تشدد کبھی نہیں کیا گیا اور نہ کسی ایک لڑکے کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

عیسائی مورخ آرنلڈ اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں کریسی اور وہوسن کے حوالے سے صاف طور پر لکھتا ہے "تمام ملک مسلسل لڑائیوں کے باعث ویران ہو گیا تھا اور خاندان کے خاندان بھوک اور قحط سے مر جانے کا خوف رکھتے تھے۔ عیسائیوں کے جو بچے (مسلمان بنا کر) فوج کے لیے جاتے تھے۔ اکثر یتیم ہوتے تھے جو بغیر اس کے ضائع ہو جاتے۔ اس دستور کے متعلق یقین کیا گیا ہے کہ وہ قدیم تھا اور عیسائی شہنشاہان روم کے زمانے میں بھی جاری تھا۔ جس کو اب ترکوں نے اختیار کیا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ عیسائی لڑکوں کی مقررہ تعداد جمع کرنے میں جبر کرنے کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔ بلکہ

---

[1] تاریخ دولت عثمانیہ جلد اوّل صف ۲۰

ماں باپ خود آرزو کرتے تھے کہ اُن کے بچے ایسی خدمت پر مامور ہوں جو عموماً اُن کی ترقی کا باعث ہوتی تھی اور اس کا یقین تو والدین کو ہر صورت میں ہوتا تھا کہ ان کے بچوں کی غور و پرداخت ایسی ہوگی کہ اُن کی زندگی آرام سے بسر ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کم عمر لڑکوں کی پرورش اور تعلیم اس طرح ہوتی تھی گویا وہ سلطان کی اولاد ہیں۔ ۱؎

"تاریخ دولتِ عثمانیہ" کے مؤلف ڈاکٹر عزیز اس ینی چری کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"سلطنت عثمانیہ کی ابتدائی تین صدیوں میں جو اس کے عروج اور ترقی کا زمانہ تھا۔ ینی چری کی قوت پورے شباب پر تھی اور سلطنت کی تمام شاندار فتوحات زیادہ تر اسی فوج کے زور بازو کی رہین منت تھیں۔ جو لڑکے اس فوج کے لیے انتخاب کیے جاتے تھے پہلے انھیں ایسے ماحول میں رکھا جاتا تھا کہ وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتے جائیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں سلطان کی خاص نگرانی میں فن حرب کی تعلیم دی جاتی تھی اور اُن کی فوجی تربیت میں حد درجہ کی احتیاط برتی جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنی آئندہ فوجی زندگی میں ہر قسم کے شدائد کو آسانی سے برداشت کر لیتے تھے۔ اپنے والدین۔ اپنے وطن اور اپنے مذہب کے چھوٹنے کے بعد اُن کی تمام امیدیں سلطان کی اطاعت۔ دولت عثمانیہ کی خدمت اور اسلام کی حمایت سے وابستہ ہو جاتی تھیں اور یہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ سلطان کو ان پر پورا اعتماد ہوتا تھا اور وہ ان کو ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔" ۲؎

اس سلسلے میں ترکوں نے ایک عجیب قاعدہ یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ اس نو عمر فوج میں داخل کرنے کے بعد جو عیسائی والدین کسی وجہ سے اپنے بچوں کو واپس لینا چاہتے تھے ان کو فوراً ان کے بچے بلا تامل واپس کر دیے جاتے تھے۔ ۳؎

بقول آرنلڈ اس دستور کی منسوخی مدت دراز تک اس لیے عمل میں نہیں آئی کہ خود عیسائی رعایا نے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ۴؎ جب بڑی عمر کے عیسائی اپنی مرضی اور خوشی سے مسلمان ہو کر نہایت کثرت کے ساتھ ترکی فوج میں شامل ہونے لگے اُس وقت یہ دستور موقوف ہوا۔ ۵؎

اس فقرے کے بعد ہی آرنلڈ لکھتا ہے "ترکوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ مذہبی آزادی اور صلح کل کے طریقے ایسے برتے کہ تمام یورپ میں اس کی مثال موجود نہیں۔" ۶؎

ینی چری کے قیام کے ذریعے تبلیغ اسلام کی کیفیت بیان کرنے کے بعد اب ہم سلطنت عثمانیہ میں جس قدر اسلام کی عام اشاعت ہوئی ہے اس کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

۱؎ دعوت اسلام ص ۱۶۸ بحوالہ کریسی ص ۹۹ و ہوسن ص ۳۹۶۔ ۲؎ دولت عثمانیہ جلد اول ص ۲۸۔ ۳؎ دعوت اسلام ص ۱۶۸۔ ۴؎ دعوت اسلام ص ۱۷۱۔ ۵؎ ۶؎ دعوت اسلام ص ۱۷۳۔

سلطنتِ عثمانیہ میں اسلام کی عام اشاعت

آرنلڈ ٹرکی کی سلطنت میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ سلطان ٹرکی کی سلطنت میں اسلام ہرگز تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ ٹرکی کی سلطنت کی پہلی دو صدیاں وہ تھیں جن میں عیسائیوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔ اگرچہ ترکوں کو اسلام کی تبلیغ کا بہت جوش اور خیال تھا مگر انھوں نے عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ چنانچہ ایک عیسائی نے جو ۲۲ برس تک ترکوں کی قید میں رہا۔ یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ترکوں نے کبھی کسی شخص کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ [۱]

۱۶۶۳ء میں شبیغلر نے لکھا "ترک عیسائیوں کو جبر سے نہیں بلکہ چالاکی سے مسلمان کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دل سے مسیح کو فریب دے کر چھین لیتے ہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں ترک کسی ملک کو مسلمان کرنے کی نیت سے سختی اور تشدد استعمال نہیں کرتے لیکن اور طریقے ایسے استعمال کرتے ہیں جن سے مسیحی مذہب کی جڑیں چپ چاپ اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ ...... اب سوال یہ ہے کہ آخر عیسائی ان ملکوں سے کہاں غائب ہو گئے؟ نہ وہ ملک سے زبردستی نکالے گئے اور نہ ترکوں نے ان کو جبر اور زور سے اپنے مذہب میں داخل کیا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے مسلمان ہو گئے۔" [۲]

"ترک سمجھتے ہیں کہ سب سے بڑا احسان جو وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ کر سکتے ہیں یہ ہے کہ اس کو اسلام کی نعمت عطا کریں۔ اس کام کے لیے انھوں نے کوئی طریقہ بغیر آزمائے نہیں چھوڑا۔" [۳]

سترھویں صدی عیسوی میں ایک انگریز مسجد ایا صوفیہ کو دیکھنے کے لیے گیا تو وہاں سے واپسی پر اس نے لکھا "بعض وقت ترک اسلام کی تبلیغ کے جوش میں عیسائیوں سے بہت اخلاق کے ساتھ یہ سوال کرتے ہیں اور مجھ سے بھی جب میں مسجد ایا صوفیہ کو دیکھ رہا تھا انھوں نے پوچھا تھا کہ تم مسلمان ہو کر ہم جیسے کیوں نہیں ہو جاتے ہو۔" [۴]

اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے طامس سمتھ آگے چل کر لکھتا ہے "جب ترک کسی شخص کو مسلمان کرتے ہیں تو بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ ان کو لوگوں کی عاقبت بالخیر ہونے کا کتنا زیادہ خیال رہتا ہے اور اسی خیال نے ان کو اپنے مذہب کا اس قدر پرجوش مبلغ بنا دیا ہے۔۔ وہ نومسلم کو گھوڑے پر سوار کرتے ہیں اور بڑے جوش کے ساتھ اس کا جلوس شہر کے بازاروں میں نکالتے ہیں۔ جب انھیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ عیسائی سچے دل سے مسلمان ہوا ہے۔ طمع اور لالچ اور کسی غرض سے نہیں، تو وہ اس کی نہایت درجہ عزت کرتے ہیں اور اس کی گذر اوقات کے لیے معقول بندوبست کر دیتے ہیں۔"

---

[۱] ٹرکی سپورٹیٹیو سگلا نیو ص۱۷۔ [۲] دعوتِ اسلام ص۱۷۹ (شبیغلر فقرہ ۵۱) [۳] دوسا ص۳۵۸۔ یوسبک ص۱۹۰۔ [۴] طامس سمتھ ص۳۲۔

الاکساندر روس لکھتا ہے کہ "ترک روزانہ اپنی مسجدوں میں یہ دعا مانگتے ہیں کہ عیسائی قرآن کو ماننے لگیں اور مسلمان ہو جائیں۔ اس کوشش میں انھوں نے کوئی طریقہ۔ خوشامد۔ ترغیب اور جزا و سزا کے خوف دلانے کا باقی نہیں چھوڑا۔"

"ترکوں کا ایمان ہے کہ کسی غیر مذہب والے کو مسلمان کر لینا بہت بڑے ثواب کا موجب ہے۔ اگر کوئی ترک بہت ہی غریب ہو اور اس کے پاس صرف اتنا روپیہ ہو کہ وہ ایک نو عمر عیسائی خرید سکے تو وہ بڑی خوشی کے ساتھ اپنے اوپر تنگی برداشت کر کے وہ غلام خرید لے گا اور اس کو تعلیم و تربیت دے کر مسلمان بنا لے گا تاکہ اُسے اپنے ہم چشموں میں اس امر پر فخر کرنے کا موقع مل جائے کہ میں نے بھی ایک عیسائی کو مسلمان کیا ہے۔" ؎۱

اس زمانے میں جو عیسائی عثمانی سلطنت میں آباد تھے۔ اُن کی مذہبی حالت اس درجے خراب ہو گئی تھی اور ان کے پادری اور قسیس آپس میں ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی بُری طرح لڑتے جھگڑتے رہتے تھے کہ بقول آرنلڈ "بہت سے (شریف الطبع اور مہذب) عیسائی ایسے تھے جو کلیسا کی روحانی زندگی کی خرابی سے بیزار ہو کر توحید کی اسلامی تعلیم کو جو بہت صاف تھی اور جلد سمجھ میں آجاتی تھی تسلیم کرنے لگے۔ چنانچہ بہت کثرت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کیا جن میں عام لوگ ہی نہ تھے بلکہ ہر طبقے اور درجے کے شریف عیسائی شامل تھے۔ جن معزز عیسائیوں نے اپنی موجودہ مذہبی حالت سے بیزار ہو کر اسلام قبول کیا مسلمانوں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور اُن کو عہدے اور نوکریاں دیں تاکہ اور عیسائیوں کو بھی اُنھیں دیکھ کر مسلمان ہونے کی رغبت ہو۔" ؎۲

آرنلڈ لکھتا ہے کہ "۱۴۵۳ء سے پہلے کہ ابھی تک ترکوں کا دارالحکومت اڈریانوپل تھا سلطان ٹرکی کے دربار میں ایسے عیسائیوں کا ہجوم رہتا تھا جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان نومسلموں میں سے اکثر دولت عثمانیہ میں معزز عہدوں پر فائز تھے۔ روم کے عیسائی شہزادے اکثر مسلمان ہو گئے اور ترکوں نے بڑی خوشی سے ان کا استقبال کیا ان عیسائی شہزادوں میں سب سے پہلا شہزادہ جو ۱۱۴۰ء میں مسلمان ہوا۔ وہ جان کمنیز کا بھتیجا تھا اور اسلام لانے کے بعد اس نے سلطان مسعود والی قونیہ کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد عام عیسائیوں کے مقابلے میں معزز عیسائی اسلام قبول کرنے کی طرف زیادہ راغب تھے۔ عیسائی امراء میں سے جن لوگوں نے اس دوران میں اسلام قبول کیا۔ بہت سے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ طریبزوند کے جارج امیروطزنے جو بڑا عالم متبحر تھا اخیر عمر میں عیسائی مذہب ترک کیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح اور بڑے درجے کے عیسائیوں کے نام تاریخوں میں لکھے ہوئے ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا۔" ؎۳

؎۱ دعوت اسلام صفحہ ۱۲۵ ؎۲ دعوت اسلام صفحہ ۱۲۶ (بحوالہ ترکی سپور کینیٹ سگلاتو صفحہ ۱۷ الف
؎۳ دعوت اسلام صفحہ ۱۲۹ (ببرطزبرگ صفحہ ۹۱۶) (رکوٹ جلد اول صفحہ ۲۶۶)

ٹرکی میں رہنے والے عیسائیوں میں اشاعت اسلام کے اسباب بیان کرتا ہوا آرنلڈ کہتا ہے " سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں نہایت کثرت سے عیسائی مسلمان ہوئے۔ یہ زمانہ وہ تھا جس میں نومسلم عیسائیوں کی تعداد ہر ایک زمانہ سے بڑھی ہوئی تھی[۱]۔ کلیسا کے بڑے بڑے افسر اور عہدے دار بھی مسلمان ہو گئے۔ ان بڑے لوگوں میں سے جزیرہ رہوڈس کا مطران بھی تھا جس نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا[۲]۔ ۱۶۷۲ء میں کورنتھو کے عیسائی باشندوں میں سے ہر روز چند آدمی ضرور مسلمان ہو جاتے تھے۔ جب سلطان محمد چہارم کے فرزند مصطفٰے کے ختنے کی تقریب ہوئی تو تہوار کے زمانہ تہنیت میں دو سَو کے قریب عیسائی اسلام لائے[۳]۔

عثمانی سلطنت میں عیسائی رعایا کے اسلام قبول کرنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ اُس وقت ترکوں کی علمی اور عملی۔ اخلاقی اور مذہبی حالت نہایت اعلیٰ پایہ کی تھی۔ جس وقت شریف الطبع عیسائی اپنی قوم کی حالت کا مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ اور موازنہ کرتے تھے تو ان کو بے اختیار مسلمانوں کا مذہب اچھا معلوم ہوتا تھا اور وہ صدق دل سے اسلام قبول کر لیتے تھے۔ چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے " عیسائیوں کی سوسائٹی میں اس وقت جیسی قابل نفرت باتیں تھیں۔ اُسی طرح ترکوں کی زندگی اور اُن کی خصلتوں میں وہ خوبیاں موجود تھیں جو لوگوں کو اُن کی طرف کھینچتی تھیں[۴]" آگے چل کر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۹ پر آرنلڈ کہتا ہے " اخلاقی حیثیت سے ترکی سوسائٹی کی عمدگی کو بھی عیسائیوں کے تبدیل مذہب کا ایسا ہی سبب قرار دینا چاہیئے جیسے خاص خاص عیسائیوں کے حُبِّ جاہ کو اُن کے تبدیل مذہب کی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے "

ٹرکی کے عیسائیوں میں اشاعت اسلام کی ایک اور وجہ آرنلڈ نے یہ لکھی ہے کہ " جو بات سب سے زیادہ غور کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں عیسائیوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا مسلمانوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے اس طرح عظیم الشان تعداد میں بڑھنے دیتا؟ اگر کسی کفر و بنیاد پر مسلمانوں کا مذہب قائم ہوتا تو اُسے یہ حیرت انگیز ترقی کب نصیب ہوتی؟

یہ سوال اپنے دل سے کر کے بہت سے عیسائیوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کا دین سچا ہے جبھی تو وہ ترقی اور عروج حاصل کر رہے ہیں۔ پس وہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے[۵]۔

عیسائی غلاموں کے مسلمان ہو جانے کی نسبت آرنلڈ ان خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اکثر عیسائی غلام اپنے دل سے پوچھتے تھے " اگر خدا ایسے دین سے خوش ہوتا جس پر تو ہے (یعنی عیسائیت) تو وہ کبھی تجھ کو اس بیکسی اور غلامی کی حالت میں نہ چھوڑتا۔ لہٰذا اب خدا کی مرضی شاید یہی ہے کہ تو اپنا دین و آئین چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر نجات حاصل کر " اور اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اسلام قبول کر کے آزاد ہو جاتے تھے[۶]۔

---

[۱] تھیفلر فقرہ ۵۲۳۔ [۲] دہامر (۱) جلد ۹ صفحہ ۹۲۔ [۳] دعوت اسلام صفحہ ۱۸۳ بحوالہ سفرنامہ تھیوڈورٹ صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ لندن ۱۶۹۲ء۔ [۴] دعوت اسلام صفحہ ۱۸۷۔ [۵] دعوت اسلام صفحہ ۱۹۰۔ [۶] دعوت اسلام صفحہ ۱۹۱۔

باب نہم

وسط ایشیا کے ملکوں میں اسلام کی تبلیغ

فارس اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے فارس کا ذکر کریں گے جس کا سرکاری مذہب آتش پرستی تھا۔ مگر وہاں عیسائی۔ یہودی۔ صابی اور بدھ مت کے ماننے والے بھی خاصی تعداد میں تھے اور مذہب زردشت کے پیشوا طاقت کے زعم اور حکومت کے نشے میں اُن پر بے پناہ ظلم کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے فارس کی غیر مجوسی رعایا نہایت مصیبت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایران پر عرب کا تسلط اور مسلمانوں کا غلبہ فارس کی عام رعایا کے لیے نہایت مسرت کا باعث ہوا۔ اُنھوں نے نئی سلطنت کو اپنے حق میں نجات کا موجب سمجھا۔ چنانچہ شہروں کے عوام اور مزدور اور پیشہ ور لوگ نہایت شوق سے اسلام کی طرف بڑھے اور بڑی خوشی کے ساتھ ایسے مذہب کو قبول کر لیا۔ جس نے اُن کو زردشتیوں کی غلامی اور اُن کی سختیوں سے فوراً نجات دے دی اور تمام حقوق میں اُن کو اپنا ہمسر بنا لیا[1]۔

دوسرے مذاہب کے ساتھ زردشتیوں نے بھی اسلام کو اختیار کر لیا کیونکہ ایک تو حکومت اور سلطنت جاتے رہنے سے وہ نہایت بے دست و پا اور ذلیل و خوار ہو گئے۔ دوسرے بقول آرنلڈ، چونکہ اُن کے قدیم مذہب اور اسلام میں بہت سی باتیں مشابہ تھیں اس لیے زردشتی مذہب کو اسلام سے تبدیل کرنا اُن کو آسان معلوم ہوا[2]۔

ان دو اسباب کے علاوہ ایران کے ملک میں بکثرت اشاعت اسلام کا تیسرا بڑا سبب آرنلڈ نے حسب ذیل لکھا ہے "ان اسباب میں سے جنھوں نے ایران میں اسلام کو بہت جلد رواج دیا۔ ایک سبب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایرانیوں کی مفتوحہ قوم کو اسلام کے ساتھ ملکی اور قومی ہمدردی کی ایک اور وجہ بھی پیدا ہو گئی اور وہ یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی شہر بانو بنت یزدجرد سے ہوئی جو ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت شہر بانو کی اولاد کو ایرانیوں نے اپنے قدیم بادشاہوں اور اپنے قومی کارناموں کا وارث سمجھا اور یہی وہ خیال تھا جس نے ایران کے لوگوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کے ساتھ نہایت درجے شغف پیدا کر دیا[3]۔

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۲۲۹ - ۲۳۰ [2] اس موقع پر آرنلڈ نے بعض اُن عقائد کی تفصیل بھی بیان کی ہے جو مجوسیت اور اسلام میں مشابہ تھے۔ ملاحظہ فرمائیں دعوت اسلام صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۱ [3] دعوت اسلام ص ۲۲۳۔

آتش پرستوں میں اسلام کی اشاعت کے متعلق آرنلڈ کا مندرجہ ذیل بیان خاص طور پر نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے:۔

"زردشتیوں میں اسلام کی وسیع اشاعت تلوار کے زور سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُن لوگوں کو جو فتح ایران کے بعد اپنے قدیم مذہب زردشت سے وابستہ رہے مسلمانوں نے پوری مذہبی آزادی دی اور اُن کے آتش کدوں کے قیام کا بہت لحاظ کیا۔ خلیفہ معتصم باللہ (۲۳۳ھ تا ۲۴۷ھ) کے زمانے میں ایک مسلمان سپہ سالار کا حال لکھا ہے جس نے مسجد کے ایک امام اور مؤذن کو اس جرم پر دُرّے لگائے تھے کہ ایک شہر میں ان دونوں نے ایک آتشکدہ کو توڑ کر اس کی جگہ مسجد بنا دی تھی۔[1] فتح ایران کے تین سو برس بعد دسویں صدی مسیحی میں عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، آذربائیجان اور اُران یعنی ایران کے تمام حصّوں میں آتشکدے اور دخمے بنے ہوئے تھے۔[2] خاص فارس میں بہت کم ایسے شہر تھے جن میں آتش کدے اور ان کے پیشوایانِ مذاہب موجود نہ ہوں۔"[3] ان حقائق کو بیان کرنے کے بعد آرنلڈ کہتا ہے:۔

"جب ایسے واقعات و حالات ہمارے سامنے ہوں تو اس صورت میں ہم زردشتی مذہب کے متعلق یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان فاتحوں نے زردشتیوں کو زبردستی مسلمان کر کے اس مذہب کو غارت کر دیا۔ اہل عرب کی فتوحات کے شروع زمانے میں جن آتش پرست ایرانیوں نے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالباً بہت تھی لیکن قریب کے زمانے میں زردشتی مذہب کا پھر زندہ ہونا اور زردشتیوں میں سے کبھی کبھی لوگوں کا مسلمان ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام امن کے طریقوں سے پھیلا اور لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کیا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے خاتمے پر بلخ کے ایک امیرزادے نے جس کا نام سامان تھا۔ اسد بن عبداللہ حاکم خراسان کی تبلیغ سے زردشتی مذہب ترک کیا اور مسلمان ہو کر اپنے دوست کے نام پر اپنا نام اسد رکھا۔ یہی نومسلم امیرزادہ تھا جس سے دولت سامانیہ کا نام چلا۔ نویں صدی عیسوی کے شروع میں قابوسیہ خاندان میں کریم ابن شہریار پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا۔

دیلم ۲۷۳ھ میں نصیر الحق ابو محمدؒ کی تعلیم و تلقین سے دیلم میں بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے ۹۱۲ء میں علویہ خاندان کے بادشاہ حسن ابن علی نے جو بحیرۂ خزر کے جنوبی سواحل پر حکمران تھا اور مختلف مذاہب سے واقفیت بھی رکھتا تھا۔ طبرستان اور دیلم کے لوگوں کو جن میں کچھ بت پرست اور کچھ آتش پرست تھے۔ اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ مگر کچھ اپنے مذہب پر بھی قائم رہے۔ ۳۹۴ھ (مطابق ۱۰۰۳ء) میں دیلم کے مشہور شاعر ابوالحسن مہیار کو جو پہلے آتش پرست تھا۔ شریف الرضا نے (جو شاعری میں ابوالحسن کا استاد تھا) مسلمان کیا۔[4]

۱؎ خولسون جلد اول صفحہ ۲۸۱۔ ۲؎ مسعودی جلد ۲ صفحہ ۸۶۔ ۳؎ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۲۔ ۴؎ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۳ بحوالہ ملل و نحل۔ مسعودی اور ابن خلکان

آتش پرستوں میں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے اس قسم کے واقعات اگرچہ کم ملتے ہیں۔ لیکن اہل عرب کی فتح ایران کے ساڑھے تین سو برس بعد تک ان واقعات کا تحقیق ہونا اس امر کی صاف شہادت ہے کہ آتش پرستوں میں امن کے طریقوں سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ؎۱

بخارا اور سمرقند وسط ایشیا کے اُن ملکوں میں جو ایران کے شمال میں واقع ہیں اشاعت اسلام کے حالات اس زمانے کے جب وہاں اہل اسلام کی فتوحات شروع ہوئیں بہت کم معلوم ہیں۔ بات یہ ہے کہ وسط ایشیا کے ملکوں میں لوگ عارضی طور پر مسلمان ہو جاتے تھے اور جب اہل عرب اُن کے ملکوں سے چلے جایا کرتے تھے تو وہ خلیفۂ بغداد کی اطاعت سے منحرف ہو جاتے تھے۔ بخارا اور سمرقند میں اسلام کے ساتھ وہاں کے لوگوں کو ایسی دشمنی تھی کہ اُس تمام علاقے میں سوائے اُن لوگوں کے جو سچے دل سے مسلمان ہو گئے تھے کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ وہاں سالہا سال تک مسلمان بغیر ہتھیار باندھے مسجدوں اور عام مقامات میں نہ جا سکتے تھے۔ اُس زمانے میں وہاں سرکاری طور پر اس کام کے لیے مخبر مقرر کیے جاتے تھے کہ نومسلموں کی نقل و حرکت کی خبر رکھیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ طرح طرح کی کوششیں اس لیے بھی کی جاتی تھیں کہ لوگ بہت کثرت کے ساتھ مسلمان ہوں۔ چنانچہ اس غرض کے لیے کہ لوگ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں حکام انعامات کا اعلان کرتے تھے۔ نیز قرآن کریم کی عام اشاعت کے پیش نظر اس بات کی بھی کھلی اجازت دے دی گئی تھی کہ قرآن شریف کی عربی عبارت کے ساتھ ساتھ جو شخص چاہے وہ اس کا فارسی ترجمہ بھی پڑھ سکتا ہے اور اُسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس اجازت سے حکام کی غرض یہ تھی کہ عوام قرآن کریم کے معنی آسانی سے سمجھ سکیں اور پورے طور پر معنی سمجھ لینے کے بعد اُس کے احکام پر دل جمعی کے ساتھ عمل کر سکیں۔ ؎۲

کابل اگرچہ افغانوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اُن کے آبا و اجداد کو حضرت خالد بن ولید نے مسلمان کیا تھا مگر یہ ایسی روایت ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ صرف اتنی بات مستند کتب تواریخ میں موجود ہے کہ اس علاقے میں سب سے پہلے کابل کا راجہ مامون الرشید کے زمانے میں مسلمان ہوا تھا۔ ؎۳

ماوراء النہر ایران کے شمال میں اسلام نے جلد ترقی نہیں کی۔ ماوراء النہر کی بعض اقوام نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔ ہشام کے عہد میں ابو صیدا کے وعظ سے اکثر لوگ مسلمان ہوئے لیکن معتصم باللہ (۸۳۳ء تا ۸۴۲ء) کے زمانے سے پہلے ماوراء النہر میں اسلام عام طور پر نہ پھیل سکا۔

ترکستان جب خلفائے بغداد نے ترکوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی کرنا شروع کیا تو اگرچہ اس طریقے سے ترکی قوموں میں اسلام کے قدم جم گئے۔ لیکن دسویں صدی عیسوی کے وسط سے پہلے اُن میں زیادہ ترقی نہ ہو سکی۔ مگر بالآخر ترکی

؎۱ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۳ بحوالہ ملل و نحل مسعودی اور ابن خلکان۔ ؎۲ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۶۔ ؎۳ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۶-۷، بحوالہ بیلو صفحہ ۱۵-۱۶۔

سرداروں نے بکثرت اسلام قبول کر کے اپنے قبیلوں اور جرگوں کو مسلمان بنالیا۔ ترکستان کے خاندان ایلخانی کا بانی مسلمان ہوگیا اور اس کی قوم کے دو ہزار خاندانوں نے اس کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ ان ترکوں کا نام "ترکمان" قرار پایا۔ تاکہ اُن ترکوں میں جو مسلمان نہ تھے اور اُن میں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ باہم تمیز ہو سکے۔[1]

ایلخانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترک سردار شریک ہوئے اُن میں سلجوق نامی ایک بہادر شخص ۹۵۶ء میں قبر غیز کے پہاڑی میدانوں سے اٹھ کر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے نہایت جوش کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ جس کی تفصیلی کیفیت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مسلمان ہو کر اس قوم کی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کو پھر سنبھال لیا۔

افغانستان لیکن جب بارھویں صدی کے آخر میں یہ سلجوقی سلطنت کمزور پڑ گئی تو محمد غوری نے خراسان سے اٹھ کر شمالی ہندوستان اور مشرقی ملکوں میں اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اس وقت افغانوں میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور اُن کے ملک میں عرب کے واعظ اور ہندوستان کے نومسلم بہت کثرت سے چلے آئے جنھوں نے بڑی ہمت اور کوشش سے لوگوں کو مسلمان کرنا شروع کیا۔[1]

میر اوار دا وسط ایشیا کے مغلوں کو مسلمان کرنے میں جس شخص کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ میر اوار دا کا خان سلطان ازبک خان تھا۔ جس نے ۱۳۱۳ء سے ۱۳۴۰ء تک حکومت کی ہے۔ یہ بادشاہ اسلام کا نہایت پُرجوش مبلغ تھا اور سخت مخالفتوں کے باوجود جو اُسے پیش آئیں اس نے تبلیغ اسلام کے سلسلے کو برابر جاری رکھا۔ یہ صرف اُسی کی کوشش کا ثمرہ تھا کہ میر اوار دار کے تمام علاقے میں اسلام پھیل گیا۔

روس ازبک خاں ہی کا اثر وسط ایشیا کے ازبکستان میں پہنچا جس کا نام اس خان کے نام سے چلا اور اسی کے عہد میں غالباً اُس قوم ازبک نے اسلام قبول کیا۔ سلطان ازبک نے روس میں بھی اسلام پھیلانے کی بڑی زبردست کوشش کی۔

سلطان ازبک اور اشاعت اسلام اگرچہ سلطان ازبک کو اشاعت اسلام کا حد درجے خیال تھا لیکن اس کے باوجود اُس نے اپنی عیسائی رعایا کو پوری اور کامل آزادی دے رکھی تھی۔ نہ حکومت کی طرف سے اُن کی مذہبی رسوم میں کوئی دخل اندازی کی جاتی تھی۔ نہ اُن کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُن کو اس بات کی بھی اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کی جس طرح چاہیں اشاعت کریں۔

مذہبی آزادی کے متعلق سلطان ازبک کا ایک عجیب فرمان مسلمانوں کا جو صلح کل کا طریقہ تھا اُس کے ثبوت میں اور جو مذہبی آزادی انھوں نے غیر مذہب کو دے رکھی تھی اس کی شہادت میں جس قدر تاریخی تحریریں

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸۔ بحوالہ ہیلو صفحہ ۹۱ — [1] ہامر جلد اول ص۔

ملتی ہیں اُن میں سب سے بڑھ کر وہ فرمان ہے جو سلطان ازبک خان نے اپنے ماتحت افسروں اور حکام کے نام عیسائیوں کے مطران بطرس (میٹروپولیٹن پیٹر) کے متعلق جاری کیا تھا اور جس کا مضمون یہ تھا:-

''خدائے بزرگ کے حکم اور قدرت سے۔ اس کی رحمت و عظمت کے ساتھ ازبک کا فرمان ہمارے سرداروں کے نام خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ۔

''کسی شخص کو نہیں چاہیئے کہ کلیسا کے مطران کی کسی نہج سے توہین کرے جس کا افسر بطرس ہے۔ نہ اُس کے نوکروں اور قسیسوں کو۔ یا کسی آدمی کو نہیں چاہیئے کہ اُن کے مال و اسباب پر قبضہ کرے۔ جو شخص ایسا کریگا اور ہمارے فرمان کو توڑے گا۔ وہ خدا کے سامنے قصوروار ثابت ہو کر عذاب کا مستحق ہوگا اور ہماری طرف سے اُسے موت کی سزا ملے گی۔ مطران کو امن اور حفاظت کے ساتھ رہنے دینا چاہیئے۔ تاکہ انصاف اور اطمینانِ قلب کے ساتھ وہ اور اس کا نائب اپنے مذہبی معاملات کے انصرام میں مصروف رہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ ہم خود اور نہ ہماری اولاد۔ نہ ہماری قلمرو کے بادشاہ اور نہ ہمارے ملکوں کے صوبے عیسوی کلیسا یا مطران کے معاملات میں دست اندازی کریں گے اور نہ اُن کے شہروں میں۔ نہ اُن کی شکارگاہوں میں اور نہ اُن کی مچھلی پکڑنے کی جگہوں میں اُن کے مزاحم ہوں گے اور نہ اُن کے شہد کے چھتوں اور اُن کی زمینوں سے اور نہ اُن کے میدانوں اور جنگلوں اور قصبات اور دیگر مقامات سے۔ جو اُن کے عاملوں کے انتظام میں ہوں گے اور نہ اُن کے انگورستان سے۔ نہ اُن کی چکیوں سے اور جاڑے میں مویشیوں کے رہنے کی جگہ سے یا کلیسا کے مال و اسباب سے ہم کو کسی قسم کا تعرض ہوگا۔ مطران کے دل کو ہمیشہ پریشانی سے دور رہنے دو اور اُس کو ہمارے لیے۔ ہماری اولاد کے لیے اور ہماری قوم کے لیے اطمینانِ قلب کے ساتھ خدا سے دعا کرنے دو۔ کوئی شخص جو کلیسا کی کسی مقدس شے پر ہاتھ ڈالے گا وہ گناہ گار ہوگا اور خدا کا قہر اُس پر نازل ہوگا اور اُسے موت کی سزا ملے گی تاکہ اور لوگ اُس سے عبرت پکڑیں۔ جس وقت خراج لیا جاوے یا جس وقت ڈاک کے لیے گھوڑے کسی سے طلب کیے جائیں یا ہم فوج کے لیے رعایا میں سے آدمی بھرتی کریں تو ایسے کلیساؤں سے جو مطران بطرس کے تحت میں ہیں کچھ نہ لیا جائے اور اُن کے قسیسوں سے کچھ وصول نہ کیا جائے۔ اگر کچھ قسیسوں سے لیا جائے گا تو وہ تگنا کر کے دینا پڑے گا۔۔۔۔ اُن کے آئین اور قوانین کا۔ اُن کے گرجاؤں اور خانقاہوں کا ادب کرنا ہوگا اور جو کوئی اُن کے مذہب کو متہم کرے گا یا اُس کی توہین کرے گا وہ کسی عذر یا حیلے سے چھوڑا نہ جائے گا۔ بلکہ موت کی سزا اُس کو ملے گی۔ قسیسوں اور اُسقفوں کے بھائی اور بیٹے جو ایک ہی دسترخوان پر کھاتے اور ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوں اُن کو یہ سب حقوق حاصل ہوں گے۔''[1]

شہنشاہ روس والی میر کو دعوت اسلام | سلطان ازبک سے سالہا سال پہلے بلغاریا کے مسلمانوں نے بھی روسیوں کو مسلمان کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ دسویں صدی عیسوی میں دریائے

---

[1] کارامسین جلد ۴ صفحہ ۳۹۱-۳۹۲

والگا کے کنارے وہاں پر بلغاریا کے مسلمان آباد تھے۔ یہ لوگ اُن مسلمان تاجروں کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے جو شمالی ملکوں میں پشمینہ وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔ ان بلغاری مسلمانوں نے والدیمیر کو جو اُن کے وقت میں روس کا بُت پرست بادشاہ تھا مسلمان کرنا چاہا۔ جب اُنھوں نے بادشاہ کے سامنے اسلام کے اصول اور ارکان پیش کیے تو اُس نے شراب کی ممانعت اور ختنہ کی رسم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں سے صاف کہہ دیا کہ روسی کبھی شراب پینی نہ چھوڑیں گے کیونکہ یہی چیز اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ خوش کن مشغلہ ہے۔ سلہ

وسط ایشیا کی قوم قرغیز کا اسلام لانا

دعوت اسلام کی تاریخ میں غالباً سب سے زیادہ عجیب وغریب واقعہ وسط ایشیا کی قوم قرغیز کے اسلام لانے کا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں اس قوم میں اسلام لانے کی ترغیب تاتاری مسلمانوں کی طرف سے ہوئی جن کو روسی گورنمنٹ نے وہاں بھیجا تھا۔ قرغیز کے لوگ ۱۷۳۱ء سے سلطنت روس کے محکوم ہونے شروع ہوئے اور ایک سو بیس برس تک گورنمنٹ روس کی طرف سے تمام ملکی تحریریں تاتاری زبان میں لکھی ہوئی اُن کے پاس اس خیال سے بھیجی جاتی رہیں کہ قرغیز کی قوم اُسی نسل سے ہے جس نسل سے دریائے والگا کے تاتاری ہیں دوسری غلطی جو روسی گورنمنٹ سے ہوئی وہ یہ تھی کہ قرغیز کو روس کی گورنمنٹ نے مسلمان فرض کر لیا۔ حالانکہ اٹھارویں صدی میں قرغیز کے قریباً کل آدمی شامانی مذہب رکھتے تھے۔ جس وقت قرغیز کا ملک سلطنت روس میں شامل کیا گیا تو بجز اُن کے چند سرداروں کے کسی کو اسلام کا علم نہ تھا اور یہ سردار بھی دین اسلام سے اچھی طرح واقف نہ تھے قرغیز میں اسلام کی اشاعت کا سبب یہ ہوا کہ روسیوں نے اُن کو مسلمان سمجھ کر اُن کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو مسلمانوں کے ساتھ رکھتے تھے۔ روسیوں نے مسجدوں کی تعمیر کے لیے بڑی بڑی رقمیں اُن کے پاس بھیجیں اور اسلامی مدارس جاری کرنے کے لیے مُلّا اور معلم روانہ کیے تاکہ وہ اُن کے بچوں کو اسلامی تعلیم دیں۔ قوم کے جو بچے ان مدارس میں دینی تعلیم حاصل کرتے نہ صرف اُن کو وظیفہ دیا جاتا بلکہ اُن کے والدین کی بھی کچھ روپوں سے امداد کی جاتی تاکہ وہ اپنے بچوں کو اسلامی مدرسوں میں دینی تعلیم پانے کے لیے بھیجیں اس طرح یہ ساری قوم جس کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا آہستہ آہستہ ساری مسلمان ہو گئی۔ دنیا میں کوئی اور نظیر ایسی عجیب وغریب موجود نہیں جس میں کسی عیسائی گورنمنٹ نے اس طرح نادانستہ اسلام کی اشاعت میں حصہ لیا ہو۔ سلہ

سائبیریا

سائبیریا کے تاتاریوں میں سولھویں صدی عیسوی سے پہلے اسلام کا چرچا نہ ہو سکا اگرچہ اس زمانے میں دعاۃ اسلام اس ملک میں وقتاً فوقتاً بت پرستوں میں تبلیغ اسلام کرنے کے لیے آتے رہے۔ مگر اُن میں سے اکثر کو یہاں کے لوگوں نے پکڑ کر مار ڈالا۔ جب کوچم خاں جو چنگیز خاں کے بیٹے جوجی خاں کی نسل سے تھا سائبیریا کا خان ہوا تو اُس نے رعایا کو مسلمان کرنے میں بہت کوشش کی اور بخارا میں آدمی روانہ کیے تاکہ وہ

سلہ دعوت اسلام صفحہ ۲۰۰۔ سلہ دعوت اسلام صفحہ ۲۶۳-۲۶۴

وہاں سے مبلغین اور واعظین اسلام کی اشاعت کے لیے سائبیریا میں آئیں۔ چنانچہ لوگ آئے اور کچھ کام بھی ہوا۔ لیکن روسیوں کی فتوحات نے اس کام میں رکاوٹ ڈالی مگر وسط ایشیا کے علماء اور کازان کے مسلمان تاجر سائبیریا کے لوگوں میں بڑی سرگرمی سے اپنا مذہب شائع کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے تاتاری جو پہلے بت پرست تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

باب دہم

براعظم افریقہ میں اسلام کی اشاعت

مصر براعظم افریقہ میں اشاعتِ اسلام کی ابتدا خلفائے راشدین کے زمانے سے ہوئی جبکہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر پر حملہ کرکے اُس پر قبضہ کیا۔ اُس وقت مصر میں عیسائیوں کے دو فرقے تھے۔ ایک کلیسۂ یونان کے عیسائی اور دوسرے یعقوبی۔ چونکہ قیصر روم اول الذکر فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا اس فرقے والوں نے یعقوبی عیسائیوں پر بے انتہا ظلم کیے۔ بعض کو سخت جسمانی اذیتیں دے کر اپنے عقائد سے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا۔ بعض کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ بعض کو جلاوطن کر دیا۔ جب مسلمان یہاں آئے تو انھوں نے اس ظلم و زیادتی کا فوراً انسداد کیا اور یعقوبی عیسائیوں کو صدیوں کے ظلم سے نجات دی۔ اس مہربانی کا یعقوبی عیسائیوں پر جن کا دوسرا نام قبطی تھا بڑا گہرا اثر پڑا اور وہ کثرت کے ساتھ مسلمان ہونے لگے۔ یہ بالکل واقعہ ہے کہ قبطیوں کے مذہب کی تبدیلی نئے حکمرانوں کے جبر اور زور سے نہیں ہوئی بلکہ اس کا باعث وہ عنایت اور مہربانی کا برتاؤ تھا جو مسلمانوں نے اُن کے ساتھ کیا۔ چنانچہ عیسائی مصنف آرنلڈ صاف طور پر لکھتا ہے کہ "کوئی شہادت اس بات کی نہیں ملتی کہ عیسائیت سے برگشتہ ہو کر قبطیوں کا کثرت سے مسلمان ہو جانا اسلامی حاکموں کے جور و عقوبت کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کی فتح مصر ابھی تکمیل کو بھی نہ پہنچی تھی اور دارالسلطنت سکندریہ پر ابھی تک قبضہ نہ ہوا تھا کہ اکثر قبطیوں نے اسلام قبول کر لیا اور جو مثال ان لوگوں نے قائم کی دوسروں نے اُس کی تقلید کی۔ حضرت عثمان کے عہد میں جو جزیہ مصر سے آتا تھا اُس کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ تھی مگر چند سال بعد ہی یہ آمدنی گھٹ کر صرف پچاس لاکھ رہ گئی۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ کثرت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔ (مسلمان ہو جانے کے بعد عیسائیوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا) اس کے بعد یہ آمدنی اور بھی گھٹ کر صرف بارہ لاکھ رہ گئی اس موقع پر بڑا دلچسپ فقرہ آرنلڈ نے یہ لکھا ہے کہ "مصر کے بہت سے عیسائیوں نے مسیحی دین کو ایسی ہی بے پروائی اور عجلت سے ترک کیا جیسے چوتھی صدی عیسوی میں اسے اختیار کیا تھا۔" [۱]

مصر کے علاوہ براعظم افریقہ میں دو اور ملک ایسے تھے جن کے باشندے اُس زمانے میں عیسائی تھے۔ لہٰذا ساتھ کے ساتھ اُن میں بھی اشاعتِ اسلام کے حالات ہم مختصراً بیان کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک نوبہ کا علاقہ ہے اور دوسرا حبشہ (ابی سینیا) ہے:۔

---

[۱] دعوتِ اسلام صفحہ ۱۱

نوبہ چودھویں صدی عیسوی کے آخیر نصف حصے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ نوبہ کے باشندے اس کے زمانے تک عیسائی تھے۔ مصر کے مملوک بادشاہ ملک الناصر محمد بن قلاؤن (۹۱۰ھ تا ۷۴۱ھ / ۱۳۴۱ء) کے عہد میں نوبہ کے خاص شہر ڈنگولہ کا بادشاہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد نوبہ میں اسلام کی ترقی مسلمان تاجروں اور لوگوں کے ذریعے جو وہاں آتے جاتے رہے۔ برابر ہوتی رہی۔ بیان کیا گیا ہے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں ابن سلیم الاسوانی ایک مسلم مبلغ نے نوبہ کے سردار کو جس کا نام متقرہ تھا۔ وعظ و ہدایت کر کے مسلمان بنایا۔ مختلف زمانوں میں مختلف داعیانِ اسلام باہر سے نوبہ میں آتے اور یہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ بہت سے تاجر بھی وقتاً فوقتاً یہاں آئے اور انھوں نے یہاں کے عیسائی باشندوں کو مسلمان بنایا۔ ان مسلسل تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سترھویں صدی عیسوی کے ختم ہونے سے پہلے عیسائی مذہب نوبہ سے بالکل مفقود ہو گیا۔ نوبہ میں داعیانِ اسلام کی تبلیغی کوششوں کا تفصیلی ذکر کرتا ہوا آرنلڈ کہتا ہے۔

"نوبہ کے لوگوں کا تبدیل مذہب کرنا اُن کی اپنی رضا و رغبت سے عمل میں آیا۔ جبر اور اکراہ سے وہ لوگ کبھی اسلام قبول نہ کرتے۔" [2]

حبش (ابی سینیا) براعظم افریقہ کے جس علاقے پر اسلام کی نورانی شعاعیں سب سے پہلے پڑیں وہ حبش (ابی سینیا) کا ملک ہے۔ ۵ نبوی (۶۱۶ء) میں قریش مکہ کے ظلموں سے تنگ آکر چند صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ جہاں ان کو پورا امن مل گیا۔ اُن کی تبلیغ سے حبش کا بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا اور بعض امرائے سلطنت بھی اسلام لے آئے۔ جس کا حال ہم آنحضورؐ کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ تھی اسلام کی حبش میں ابتدا۔

بعد کے زمانوں میں پتہ نہ لگ سکا کہ داعیانِ اسلام نے حبش میں کیا تبلیغی کوششیں کیں اور اُن کا انجام کیا ہوا؟ البتہ تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ دسویں صدی مسیحی تک بعض مسلم خاندان حبش کے ساحلی شہروں میں آباد ہو گئے۔ ان میں سے بارھویں صدی میں ایک خاندان نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ اس نے بحر احمر کے ساحل کے ایک حصے پر جو سلطنت حبش کے تحت تھا قبضہ کر لیا۔ ان مسلم خاندانوں کے وہاں آباد ہونے سے حبش کے بعض لوگ مسلمان ہوئے۔

آرنلڈ لکھتا ہے کہ ۱۳۰۰ء میں ایک داعی اسلام جس کا نام ابو عبداللہ محمدؐ تھا حبش میں پہنچا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ [3]

۱۵۲۸ء سے ۱۵۴۳ء تک اول کے خود مختار بادشاہ احمد گرانگی نے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں کے

---

[1] دعوت اسلام ص۱۳۲ – [2] دعوت اسلام ص۱۲۶ – [3] دعوت اسلام ص۱۲۷۔

قبیلے کا بیٹا تھا۔ اس قبیلہ نے ترک وطن کر کے آدیوں کے ملک میں اسلام قبول کیا، ملک حبش پر چڑھائیاں کیں تو اکثر حبشی سردار اپنے متعلقین سمیت احمد کے فتحمند لشکر کے ساتھ ہو کر مسلمان ہو گئے۔

اس لشکر کشی کے نتیجے میں اگرچہ بعض اضلاع کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو جزیہ دینا مناسب سمجھا مگر ان کے علاوہ دوسرے عیسائیوں نے فاتحین کا دین قبول کر لیا۔ آرنلڈ لکھتا ہے کہ "اس موقع پر اکثر اضلاع میں عیسائی اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ اسلام قبول کرنا اس ملک میں ایک عام تحریک نظر آئی۔ مسیحی سردار جو مسلمان ہوئے انھوں نے بلا شبہ اپنی مرضی سے ایسا کیا اور اس غرض سے کہ اُن کے ماتحت بھی اُن کی تقلید کریں اُنھوں نے ہر ترغیب سے کام لیا۔ اس موقع پر حبش کے اُن عیسائیوں کی تعداد جو اپنی خوشی سے بغیر کسی جبر کے مسلمان ہوئے عورتوں اور بچوں سمیت بیس ہزار تھی ۔ لہ (تر ظہنی صلا، صلا)

سترھویں صدی عیسوی میں جو ترقی حبش میں اسلام کو ہوئی۔ اس کا اندازہ ایک سیاح اس طرح لگاتا ہے کہ "اس وقت تمام ملک میں جس قدر پیروان اسلام موجود ہیں۔ اُن کی تعداد کل آبادی کا تہائی حصہ ہے۔" ۲ے

اٹھارویں صدی میں اسلام نے اس ملک میں اس طرح ترقی کی کہ خاص خاص لوگوں نے جابجا اسلام قبول کیا۔ بقول آرنلڈ اس صدی میں حبش میں اسلام کی اشاعت کا خاص سبب یہ تھا کہ حبش کے عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان اخلاقی برتری رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک سیاح ریپل نامی لکھتا ہے کہ حبش کی سیاحت کے دوران میں اُس نے اکثر یہ بات دیکھی کہ جب کوئی منصب ایسا خالی ہوا جس کے لیے معتمد و متدین شخص کے انتخاب کی ضرورت ہوئی تو ہمیشہ ہی مسلمان منتخب ہو کر مقرر ہوا۔

آرنلڈ صاف طور پر لکھتا ہے کہ "مسلمانانِ حبش کا اخلاقی حیثیت سے عیسائی رعایا پر فوقیت رکھنا اس امر کو بین طور پر ثابت کرتا ہے کہ کس طرح مسلسل طور پر موجودہ اور گذشتہ صدی میں اسلام نے حبش کے ملک میں ترقی کی۔ حبش کے قبیلوں کے اخلاق کی خرابی نے اُن کے پادریوں کی جہالت نے اور اُن کے سرداروں کے دائمی خساروں نے اسلامی آثار کو بلا مزاحمت ملک میں اپنا کام کرنے دیا اور لوگ برابر مسلمان ہوتے چلے گئے۔ ۳ے

ترقی اسلام کے متعلق اسی قسم کی شہادت اُنیسویں صدی کے شروع زمانے میں سیاحوں کی تحریروں سے ملتی ہے جنھوں نے دیکھا کہ حبش کے اکثر عیسائی اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حبش کے نائبان سلطنت میں سے ایک نائب رس الائی نے جو بادشاہ تھیوڈور کی تخت نشینی (۱۸۵۳ء) سے پہلے کل ملک کا عملاً مالک تھا مسلمانوں پر بے حد التفات کیا۔ اگرچہ وہ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ لیکن اس نے تمام ملکی عہدے یہاں تک کہ گرجا کل مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ مسلمانوں پر اس قدر مہربان تھا اور مسلمانوں سے اس قدر رفق و مدارات سے پیش آتا تھا کہ اُس

۲ے دعوت اسلام صلا ۳ے دعوت اسلام صلا

کے زمانۂ نیابت میں حبش کے اضلاع متوسطہ کی نصف آبادی مسلمان ہو گئی اور اُس نے مسلمان ہونے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔

حبش میں مسلمانوں کی ترقی اور اُن کے عروج کے متعلق ایک عیسائی مصنف کا یہ قول بڑے غور سے پڑھنے کے قابل ہے "حبش میں مسلمانوں نے ایسی گہری جڑ پکڑی ہے کہ غیر ملکوں کی تجارت اور خود حبش کی تجارت ساری اُن کے قبضے میں ہے وہ بڑی بڑی جائدادیں رکھتے ہیں اور شہروں کی بڑی بڑی منڈیوں کے مالک ہیں۔ وہ ملک کی دیگر رعایا پر بڑا اثر اور اقتدار رکھتے ہیں"۔ ایک عیسائی مشنری ۴۲ برس تک حبش میں مقیم رہا۔ اُس نے دعاۃ اسلام کی کامیابی اور تبلیغی جوش کا بڑا معقول اندازہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اگر ایک احمد گرانگی اور پیدا ہو جائے اور اسلام کا جھنڈا بلند کرے تو یقیناً حبش کا سارا ملک مسلمان ہو جائے"۔ ؎۲

اس عیسائی مشنری نے جس کا نام ماسایا تھا اپنے بیان میں اس امر کی بھی قوی شہادت بہم پہنچائی ہے کہ حبش کے ملک میں مسلمان عورتوں نے تبلیغ اسلام میں مہتم بالشان خدمات انجام دی ہیں۔ ؎۳

افریقہ کی بت پرست اقوام میں اسلام کی تبلیغ یہاں تک تو ہم نے عیسائیوں میں تبلیغ اسلام کی کیفیت بیان کی ہے۔ اب ہم یہ دکھائیں گے کہ افریقہ کی بت پرست اقوام میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی؟ یہ سارے حالات پروفیسر آرنلڈ کی تبلیغی کتاب پریچنگ آف اسلام کے تیرھویں باب کے مختلف مقامات سے ایک خاص ترتیب کے مطابق اخذ اور انتخاب کیے گئے ہیں:۔

شمالی افریقہ کی بت پرست قوموں میں اسلام نے بہت جلد ترقی کی۔ اہل عرب بربر قوم کے فاتح تھے اور جس وقت ۷۰ھ کی اخیر لڑائی میں سپاہ بربر مسلمانوں کے مقابل پر صف آرا ہوئی تو اُس کی ملکہ "کاہنہ" نے یہ سمجھ کر کہ آج قسمت میں شکست لکھی ہے۔ اپنے بیٹوں کو عرب کے سپہ سالار کے پاس اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ وہاں پہنچ کر اسلام قبول کر لیں غرض جس وقت بربر کی قوم ملکی آزادی سے محروم ہوئی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ ۹۲ھ میں جس وقت بارہ ہزار کا لشکر طارق بن زیاد کی سرکردگی میں (جو خود بھی بربر تھا) جہازوں پر سوار ہو کر ہسپانیہ کی تسخیر کو اُٹھا تو اس لشکر میں وہ لوگ تھے جن کو اسلام قبول کیے تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا۔ ان لوگوں کی نسبت خاص طور پر لکھا گیا ہے کہ انھوں نے سچی نیت سے اسلام قبول کیا تھا۔

افریقہ کے فاتح اکبر یعنی موسیٰ بن نصیر نے تبلیغ اسلام کا شوق اس طرح ظاہر کیا کہ خلیفہ عبدالملک نے جس قدر روپیہ مختلف اوقات میں موسیٰ کے پاس بھیجا۔ وہ اُس نے ایسے غلاموں کے خریدنے میں صرف کیا جن کی صورتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بطیب خاطر اسلام قبول کر لیں گے۔ چنانچہ المکاری لکھتا ہے "فتح کے بعد جب غلام فروخت

؎۱ دعوت اسلام صفحہ ۱۳۲ ۔ ؎۲ دعوت اسلام صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ ۔ ؎۳ دعوت اسلام صفحہ ۱۳۱

بکنے جاتے تھے تو موسیٰ ایسے غلاموں کو خرید لیا کرتا تھا جن کی شکل و صورت اور بات چیت سے اس کو اس بات کا ایک حد تک اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ خوشی سے مسلمان ہو جائیں گے اور جو ظاہرا چست و چالاک معلوم ہوتے تھے۔ تعلیم و تربیت کے بعد اُن کے سامنے موسیٰ اسلام کے حقائق پیش کرتا تھا۔ اگر وہ صدق دل سے مسلمان ہو جاتے تھے تو موسیٰ اُن کو فوراً کسی کام پر تعینات کر دیتا تھا۔ جب وہ قابل اور لائق ثابت ہوتے تو آزاد کر کے فوج کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیے جاتے تھے۔"

اسمٰعیل بن عبداللہ کی نسبت جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا، یہ کہا گیا ہے کہ اُس نے نہایت کوشش اور شوق کے ساتھ بربر کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔

گیارہویں صدی عیسوی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے بربر کے بہت سے قبیلے اسلام کی طرف رجوع ہوئے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ بربر کے عیسائی قبیلوں سے لطونا قبیلے کا سردار جس وقت حج سے فارغ ہو کر واپس آیا تو شمالی افریقہ کے اسلامی شہروں میں اُس کو ایک ایسے عالم اور متقی مسلمان کی تلاش ہوئی جو اس کے ساتھ چل کر اُس کی جاہل قوم کو جو ضلالت میں مبتلا تھی، اسلام کی دعوت دے سکے۔ بہت تلاش کے بعد اس کی ملاقات ایک فاضل بزرگ عبداللہ بن یاسین سے ہوئی جن میں اس دشوار کام کو انجام دینے کی قابلیت بخوبی موجود تھی۔ بربر کے صحرائی جرگوں میں اگرچہ واعظین اسلام نویں صدی عیسوی سے پہنچے ہوئے تھے اور وہ اُن میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ مگر وہ لوگ مذہب کے کچھ ایسے زیادہ پابند نہ تھے۔ جب عبداللہ بن یاسین اُن کے پاس پہنچے تو انھوں نے یہ دیکھا کہ بربر میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اُن کو بھی اپنے مذہب سے واقفیت نہیں ہے اور وہ ایسی اوہام باطلہ اور رسوم فاسدہ میں مبتلا ہیں جن کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اُنھوں نے ہر چند ان کو تبلیغ کی اور اُن کی حالت میں اصلاح کرنی چاہی مگر وہ لوگ راہ راست پر نہ آئے۔ آخر مایوس ہو کر وہ اپنے چند مخلص مریدوں کے ساتھ دریائے سینیگال کے ایک جزیرہ میں جا رہے اور وہاں خاموشی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ اُدھر اُن کے جانے کے بعد صحرا کے لوگوں کو اس امر سے سخت پشیمانی ہوئی کہ انھوں نے اپنی شرارت سے ایسے بزرگ اور خدا رسیدہ شخص کو ناراض کر دیا۔ اس لیے وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر جزیرے میں ان کے پاس جانے لگے اور اُن سے اپنی خطا معاف کروانے لگے۔ اس طرح جب ایک ہزار آدمی اُن کے پاس جمع ہو گئے تو انھوں نے اشاعت دین کے لیے باہر نکلنے کا عزم کیا اور اپنے مریدوں سے کہا کہ "جس خدا نے رسول اکرمؐ پر وحی نازل کر کے دنیا کے لیے رحمت کا سامان کیا۔ اس کا شکر اس طرح کرنا چاہیئے کہ پیغام حق کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ لوگو! اپنی اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ خدا کا پیغام اُن تک پہنچاؤ اور اس کی مار سے اُن کو ڈراؤ اور اُن سے کہو کہ سچی بات کو قبول کریں اگر وہ انکار کریں اور گناہ کی زندگی کو نہ چھوڑیں تو ان کے خلاف خدا سے مدد مانگو اور اُن سے لڑو۔ یہاں تک خدا ہم میں اور اُن میں انصاف کر دے۔"

اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں ہر شخص اپنی قوم میں گیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ گناہ سے باز آئیں اور خدا پر ایمان لائیں لیکن کامیابی نہ ہوئی جس پر خود عبداللہ بن یٰسین خانقاہ سے نکل کر بربر کے سرداروں کے پاس اس امید میں گئے کہ وہ ان کے وعظ کو دل سے سنیں گے۔ مگر ان کو بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر انھوں نے اپنے مریدین کو جمع کر کے سنہ ۱۰۴۲ء میں بربر کے بعض قبیلوں پر جو قریب رہتے تھے حملہ کر دیا اور ان کے علاقے کو فتح کرنے کے بعد ان کو مسلمان بنا لیا۔ عبداللہ بن یٰسین کے معتقدین کا نام مرابطین رکھا گیا۔ یہ نام اسی مادہ سے بنا ہے جس سے رباط کا لفظ ہے۔ رباط سے مراد خانقاہ ہے جو دریائے سینیگال کے جزیرے میں انھوں نے بنائی تھی۔

جب عبداللہ بن یٰسین کو فتح حاصل ہوئی تو صحرا کی قوموں کو یہ جنگ و جدل کے معرکے وعظ و نصیحت کے مقابلے میں زیادہ دلکش معلوم ہوئے اور وہ خوشی خوشی ایسے مذہب کو قبول کرنے کے لیے چلے آئے جس کے معتقدین کو ایسی عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔

سنہ ۱۰۵۹ء میں عبداللہ بن یٰسین کا انتقال ہو گیا۔ لیکن جو اسلامی تحریک انھوں نے اپنی زندگی میں چلائی وہ ان کے مرنے کے بعد زندہ رہی اور بربر کے اکثر بت پرست قبیلوں نے مسلمان ہو کر اپنے ہم وطن مسلمانوں کی تعداد بڑھائی۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ قومیں صحرا سے نکل کر شمالی افریقہ میں پہنچیں اور آخرکار ہسپانیہ کی مالک بن گئیں۔

سوڈان صحرا میں شایع ہونے کے بعد اسلام کی تبلیغ سوڈان کی نگرو قوم میں شروع ہوئی۔ اس تبلیغی تحریک کی ابتدائی تاریخ تاریکی میں ہے۔ غالباً گیارھویں صدی عیسوی میں عربوں کے چند گروہ سوڈان میں آکر یہاں کی قوموں میں آباد ہو گئے۔ لیکن ان سے بھی پہلے بربر کے واعظین اسلام اور عرب کے تاجروں نے نگرو قوم میں رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ دولت مراکو کا بانی اور خاندان مرابطین کا دوسرا امیر یوسف بن تاشفین تبلیغ اسلام کی کوشش میں بہت کامیاب ہوا اور نگرو جو اس کی سلطنت میں رہتے تھے کثرت سے مسلمان ہوئے۔ بربر کے دو قبیلے یعنی لمطونہ اور جدالہ جن کی سکونت کسی قدر سوڈان کی سرحد پر اور کسی قدر ملک کے اندر تھی اشاعت اسلام کے کام میں خاص طور پر نہایت سرگرم رہے۔

نگرو کی قوموں میں اشاعتِ اسلام کے متعلق جس قدر حالات دریافت ہوئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوّل شمال کی سمت سے نگرو کے مغربی جرگوں میں اسلام کا چرچا ہوا اور پھر مغربی اطراف میں اس مذہب کو ترقی ہوئی۔ یہاں سب سے پہلے جس شخص کا مسلمان ہونے کا حال معلوم ہوا ہے وہ سونری کے شاہی خاندان سا کا پندرھواں بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کا نام ساکاسی تھا اور سنہ ۴۰۰ھ (مطابق ۱۰۰۹ء) کے قریب وہ مسلمان ہوا تھا۔ سونری کی عملداری شہر ٹمبکٹو کے جنوب مشرق میں تھی۔

بورنیو ملک سوڈان کے زیادہ مغربی اطراف میں اسلام کی ترقی گیارھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی جبکہ بورنیو کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام سلطان احمد ابن جلیل رکھا۔ بورنیو کی عملداری جھیل چاڈ کے مشرقی ساحل پر

تھی۔ اسی زمانے میں کانم کی عملداری جو جھیل چاڈ سے شمال مشرق میں واقع تھی مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہوتے ہی ایک بڑی سلطنت بن گئی۔ مشرقی سوڈان سے لے کر مصر اور نوبہ کی سرحد تک جس قدر قومیں آباد تھیں وہ سب اُس کی مطیع ہو گئیں۔

اس طریقے سے افریقہ کے مرکز تک اسلام پہنچ گیا جہاں سے وہ ہر سمت میں جلد جلد پھیلنا شروع ہوا اور یہاں اسلامی تبلیغی کوششوں کے گویا دو دریاؤں کا سنگھم ہو گیا۔ یعنی تبلیغ اسلام کا ایک دریا مغرب سے اور دوسرا شمال مشرق سے چلا اور دونوں افریقہ کے وسط میں مل گئے۔

وارفر چودھویں صدی عیسوی میں تنگور کے عرب ٹیونس سے اٹھ کر جنوب میں آباد ہوئے اور بورنو اور وادی سے گذر کر دارفر کے ملک میں پہنچ گئے۔ ان عربوں نے ایک شخص احمد نام ہونہار لائق اور قابل تھا۔ وارفر کے بادشاہ نے اس کی لیاقت سے خوش ہو کر اسے اپنا مشیر اور وزیر بنا لیا۔ احمد نے نہایت قابلیت کے ساتھ ملک کا انتظام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں تمام سرکش سرداروں کو بادشاہ کا مطیع بنا دیا۔ بادشاہ نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور چونکہ بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا اس لیے اس نے احمد کو ہی اپنا ولی عہد مقرر کیا اور بادشاہ کے انتقال کے بعد وہی دارفر کے تخت پر بیٹھا۔ اس طرح دارفر اسلامی سلطنت بن گئی۔ سلطان احمد اور اس کی اولاد نے وارفر کے باشندوں کی تہذیب و تربیت کے لیے جو کام کیے ان میں اشاعت اسلام کی کوششیں بھی شامل تھیں لیکن پورا ملک مسلمان نہ ہوا۔ سارے ملک وارفر کو مسلمان کرنے کا سہرا اسی خاندان کے بادشاہ سلیمان کے سر ہے۔ جس کا عہد حکومت ۱۵۹۶ء سے شروع ہوا۔

وادی اور باجرمی سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی سے پہلے وادی اور باجرمی کے ملکوں میں جو کارڈوفان اور جھیل چاڈ کے مابین واقع ہیں۔ اسلام شائع نہ ہو سکا۔ لیکن وادی کی عملداری جس کا بانی ۱۶۱۲ء میں عبدالکریم ہوا جب وقت مسلمان ہو گئی تو وہ اسلام کا مرکز بن گئی۔

کت سینا اور کانو سترھویں صدی عیسوی میں کت سینا اور کانو کی عملداریاں جو ہوسا کے ملک میں تھیں مسلمانوں کی حکومت میں آگئیں اور صدی کے ختم ہوتے ہوتے سوڈان کے ملک میں ہر جگہ کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

فلاجین اور تبلیغ اسلام اٹھارویں صدی عیسوی کے اخیر میں فلاجین افریقہ میں سے "شیخ عثمان وانفودیو" بڑا مصلح قوم اور مبلغ اسلام پیدا ہوا۔ اس نے فلاجین کے منتشر گروہوں اور جرگوں کو ملا کر ایک قوم بنا دیا اور اُن میں مذہب کا جوش پیدا کر کے (جس کی وجہ سے آج تک تبلیغ اسلام میں ان کی کوششیں مشہور رہیں) اُن کو ملک ہوسا کی بُت پرست قوموں سے لڑنے کے لیے لے گیا اور ملک فتح کرتا ہوا مغرب کی طرف سمندر کے کنارے تک پہنچ گیا۔ ملک سنی گامبیا اور سوڈان میں جو اسلامی عملداریاں قائم ہوئیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ عثمان نے

تبلیغ اسلام میں کیسی ہمت صرف کی۔ عثمان نے اپنی قوم کے دلوں میں اسلام کا ایسا جوش پیدا کر دیا کہ عملی جدوجہد کے لحاظ سے افریقہ کے داعیانِ اسلام میں فلاجین کو سب سے زیادہ تفوق حاصل ہے۔ اُن کی تہذیب و تعلیم نے اُن کو اس کام کے لیے اور لائق بنا دیا۔ اس تمام علاقے میں ملکی فتوحات سے اسلام کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی جس قدر کہ ان فتوحات کے بعد امن و امان کے وسائل سے دعوتِ اسلام کے کام میں فلاجین کو کامیابی حاصل ہوئی۔

افریقہ کے اس حصے میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت زیادہ تر ایسے لوگوں نے کی جنھوں نے کافروں کو مسلمان کرنے کے لیے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔ یہ تبلیغ اور اشاعت صوفیہ کے بعض مشہور خاندانوں کی وجہ سے ہوئی۔ اُنیسویں صدی میں انہی صوفیوں کی تبلیغی کوششوں سے عظیم الشان نتیجے پیدا ہوئے۔ سلسلہ قادریہ اور تجانیہ صوفیوں کے وہ سلسلے ہیں جنھوں نے ان علاقوں میں نہایت کثرت کے ساتھ اور بڑی مستعدی سے تبلیغی خدمات انجام دیں۔

ساحلِ گنی کا سلسلہ کوہستان اُنیسویں صدی کے شروع میں سلسلہ قادریہ کے ان مبلغین نے ملک سوڈان کے اُس سلسلہ کوہستان میں جو ساحلِ گنی کے متوازی چلا گیا ہے۔ اپنا تبلیغی کام شروع کیا۔ مولوی۔ ملا۔ تعویذات اور عملیات کرنے والے۔ کاتب اور معلم بن کر یہ صوفی بت پرستوں کے ملک میں آئے اور ان کے درمیان جا بجا اس طرح آباد ہو گئے۔ گویا جا بجا دائروں کے مرکز تھے۔ جہاں سے انھوں نے اپنا اسلامی اثر ہر طرف پھیلانا شروع کیا۔ یہ مسلمان بت پرستوں میں رفتہ رفتہ رسائی پیدا کرتے تھے اور ایک ایک دو دو آدمیوں کو مسلمان کر کے تھوڑے عرصے میں نومسلموں کا معقول گروہ فراہم کر لیتے تھے۔ جو نومسلم لائق ہوتے اُن کو یہ لوگ ایسے شہروں میں تحصیل علم کے لیے روانہ کر دیتے تھے جہاں سلسلہ قادریہ کے لوگ موجود ہوں۔ علم کی تحصیل سے فارغ ہو کر یہ نومسلم اپنے وطن واپس آتے تھے اور اب وہ اپنے اہل وطن کو مسلمان کرنے کے لیے بخوبی تیار ہوتے تھے۔ اس طرح سلسلہ قادریہ کے مبلغین نے افریقہ کے بت پرستوں میں تبلیغ اسلام کا نہایت باقاعدہ نظام جاری کیا۔ جس میں مذہب کی اشاعت ہمیشہ امن کے طریقوں سے ہوتی۔ لیکن سلسلہ تجانیہ نے اس کے برخلاف بذریعہ شمشیر اسلام پھیلانے سے اجتناب نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ ہوا اُن کی جہادوں کی شہرت نے تبلیغ اسلام کے ایسے واقعات کو جو مغربی افریقہ میں امن کے طریقوں سے پیش آئے۔ تاریکی میں ڈال دیا ہے۔

سنوسیوں میں تبلیغ اسلام کا جوش سنوسیوں نے بھی افریقہ میں تبلیغ اسلام کا مقدس فریضہ ادا کرنے میں خاص سعی کی۔ یہ فرقہ الجزائر کے ایک قاضی سیدی محمد ابن علی السنوسی نے ۱۸۳۷ء میں قائم کیا تھا۔ اگرچہ فرقہ سنوسیہ کا مقدم فرض یہ تھا کہ خود مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی جائے لیکن اشاعتِ اسلام کے کام میں بھی اس فرقے

کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ افریقہ کی اکثر قومیں جو بت پرست تھیں۔ جب سنوسیہ کے مبلغین پہنچے اور انھوں نے تبلیغ کی تو یہ سب قومیں سچے دل سے مسلمان ہو گئیں۔

سنوسیوں کی تبلیغ کا طریقہ یہ تھا کہ انھوں نے جگہ جگہ سکول کھولے۔ صحرا کے شاداب مقامات پر بستیاں آباد کیں اور غلاموں کو خرید کر اُن کو مسلمان کیا اور پھر تعلیم و تربیت کے بعد انہی غلاموں کو تبلیغ اسلام کے لیے ملک کے ہر گوشے میں بھیجا۔ جس کے خاطر خواہ نتیجے برآمد ہوئے۔

اشانٹی دعاۃ اسلام کی کوششوں کا دوسرا منظر افریقہ کا مغربی ساحل ہے۔ اس ساحل پر اشانٹی کے ملک میں مسلمان مبلغین نے بت پرستوں کو مسلمان کرنے میں خاص سعی سے کام لیا۔ ۱۸۲۰ء میں وہاں بہت تھوڑے سے مسلمان آباد تھے۔ لیکن وہاں ان کے دعاۃ نے ایسے طریقے اختیار کیے کہ اشانٹی میں بہت جلد جلد اسلام پھیلنے لگا۔ انھوں نے بادشاہ اشانٹی کے دربار میں اپنا رسوخ بڑھایا اور اس اثر اور رسوخ کو اسلام کی اشاعت میں استعمال کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشانٹی کے بہت سے امرا نے اسلام قبول کر لیا۔ ان امرا نے اپنے ذاتی اثر سے کام لے کر عوام کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ اس کے علاوہ وہاں مسلمانوں نے مدارس بھی قائم کیے تاکہ بت پرستوں کے اُن بچوں کو جو ان مدارس میں تعلیم پائیں اسلام کی تلقین آسانی سے کی جا سکے اور اس طرح نئی پود کے دلوں میں وہ اسلام کی جڑ کو مضبوط کر سکیں۔

افریقہ کا مغربی ساحل افریقہ کے مغربی ساحل کے اُن شہروں میں جہاں تجارت بہت ہوتی ہے زنگی قوم کے مسلمانوں نے (جن میں فلاحین۔ ماندنگو اور ہوسا کی اقوام شامل ہیں) جہاں جہاں وہ گئے اسلام کی تبلیغ میں خاص کوشش کی۔ اُن کی مہذب صورت۔ لیاقت اور قابلیت کا۔ اس علاقے کے بت پرستوں کے دلوں پر بڑا اثر ہوا اور انھوں نے اس اثر سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ان میں بڑے جوش سے اسلام کی تبلیغ شروع کی اور اُن کو سمجھایا کہ اگر ہمارے جیسا بننا چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ یہ صرف زبانی الفاظ ہی نہیں تھے۔ بلکہ جس وقت کوئی بت پرست خواہ وہ کیسا ہی کم درجہ کا اور ذلیل حالت کا آدمی ہو مسلمان ہونے کی نیت ظاہر کرتا تو مسلمان فوراً اس کو اپنی برادری میں شامل کر لیتے اور اُسے اپنے برابر کا آدمی سمجھتے۔

سینگال سے لاگوس تک اس سلوک کے نتیجے میں اسلام بہت جلد سارے علاقے میں پھیل گیا اور دریائے سینگال کے دہانے سے لاگوس کی بندرگاہ تک دو ہزار میل کی مسافت میں کوئی بڑا شہر ایسا نہ رہا جس میں ایک مسجد ان لوگوں نے نہ بنا دی ہو اور جہاں داعیان اسلام بڑے ذوق اور جوش سے تبلیغ اسلام میں مشغول نہ ہوں۔

زنجبار زنجبار کے ملک میں بھی اسلام پھیلا ہوا ہے۔ مگر وہاں مبلغین اسلام نے کس کس طرح اور کن کن زمانوں میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کی۔ اُن کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔

قوم گالا گالا کی قوم کے متعلق بھی کہ کس طرح اس نے اسلام قبول کیا۔ حالات نہیں ملتے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ یہ قوم عرب تاجروں کی تبلیغ سے مسلمان ہوئی۔ یہاں ان کو عیسائی مشنریوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ جو یورپ سے وہاں پہنچے تھے۔ ان پادریوں کی وجہ سے بیشک کچھ لوگ عیسائی ہوئے مگر عیسائیوں کو اس ملک میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ جب اُن کے مبلغ کارڈینل ماسایا کو ملک سے نکال دیا گیا تو جن لوگوں کو اس نے عیسائی بنایا تھا یا تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا یا یہ ہوا کہ نہ اُن کو خدا کا یقین رہا نہ مسیح کا۔ یہ حال تو عیسائی مشنریوں کا تھا مگر داعیانِ اسلام کو اس علاقے میں مسلسل کامیابی ہوتی رہی۔

قوم ممبیگا ممبیگا کی قوم میں بھی مسلمانوں نے اسلام کو بکثرت شایع کیا۔

سمالی لینڈ سمالی لینڈ چونکہ عرب کے قریب ہے۔ اس لیے وہ قدیم زمانے سے داعیانِ اسلام کا جولانگاہ رہا اور وہاں کثرت سے اسلام پھیلا۔

جنوبی افریقہ ملک افریقہ میں تبلیغ اسلام کے حالات کو ختم کرنے کے لیے اب صرف یہ لکھنا باقی ہے کہ اس براعظم کے جنوبی ملک یعنی کیپ کوسٹ کولونی میں اسلام کس طرح پہنچا۔ اس علاقے کے مسلمان ملایا کے مسلمانوں کی نسل سے ہیں جن کو سترھویں یا اٹھارویں صدی عیسوی میں ڈچ قوم کے لوگ اپنے ساتھ لائے۔ اس کے بعد اسلام یہاں آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ جب ہندوستان سے بعض مزدور کیپ کالونی کے ہیرے کی کانوں میں کام کرنے کے لیے افریقہ پہنچے تو انھوں نے بھی وہاں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں خاص خدمات انجام دیں۔

مذکورہ بالا تاریخی واقعات وحالات سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ افریقہ کے مختلف ملکوں میں دعوت اسلام کو امن وامان کے وسائل سے اشاعت پانے کی خصوصیت حاصل رہی۔ اگرچہ مسلمانوں نے فتوحات کے لیے بسا اوقات تلوار اُٹھائی لیکن اس سے پہلے کہ جبر واکراہ کے طریقے اختیار کیے جائیں۔ داعیان اسلام لوگوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ملکی فتوحات کے بعد واعظ اور مولوی مفتوحہ ملکوں میں اس لیے جاتے تھے کہ ناقص طریقوں سے جو تبلیغ ہوئی ہے اُس کو درجہ تکمیل تک پہنچائیں۔ یہ بات سچ ہے کہ افریقہ کے بہت سے حصوں میں اسلام کی تبلیغ اس وجہ سے آسان ہو گئی کہ مسلمانوں کو دنیوی معرکوں میں فتح ہوئی اور بت پرستوں کی حکومت کی بجائے وہاں اسلامی عمل داریاں قائم ہو گئیں۔

باب یازدہم

یورپ کے ملکوں میں تبلیغ اسلام

آج یورپ کے تمام ملکوں میں قریباً کم و بیش مسلمان پائے جاتے ہیں اور جنوبی یورپ کے بعض سمندری جزیروں میں بھی مسلمان موجود ہیں۔ مگر سب کے علیحدہ علیحدہ تبلیغی کوائف مہیا ہونے بہت دشوار ہیں کیونکہ مسلمان مؤرخوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ حکومتوں اور سلطنتوں کی تاریخ کے ساتھ اپنی تبلیغی کوششوں کا بھی کوئی تذکرہ مرتب کرتے۔ لہٰذا مجبوراً یہی کرنا پڑا کہ مختلف تاریخوں اور یادداشتوں میں اشاعت اور تبلیغ اسلام کے متعلق جو اشارے کہیں کہیں پائے جاتے ہیں ان کو مختصر طور پر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔

سپین ہم سب سے پہلے سپین کا ذکر کریں گے۔ جہاں یورپ میں سب سے پہلے اسلام پہنچا اور جہاں مسلمانوں نے قریباً آٹھ سو برس تک نہایت شان سے حکومت کی اور سارے ملک کو گلزار بنا دیا اور جہاں سے افسوس ہے کہ اب مسلمانوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ ہسپانیہ کے متعلق تبلیغ اسلام کی یہ کیفیت مسٹر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کے باب پنجم کی تلخیص ہے۔

۷۱۱ء میں اہل عرب نے ہسپانیہ (اندلس) میں اسلام کی ابتدا کی اور ۱۴۹۲ء میں سقوط اندلس کے بعد ۱۵۰۲ء میں فاتح اندلس بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابیلا کا مشترکہ فرمان جاری ہوا کہ کوئی شخص مسلمان رہ کر اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ اس عرصے کی درمیانی صدیوں میں جو زمانہ گذرا اس میں اسلامی اندلس نے یورپ کے عہد وسطیٰ کی تاریخ میں تابندہ زرین ورق لکھا۔

جب مسلمان اپنے مذہب کو ہسپانیہ میں لائے اس وقت یہاں سارے ملک میں عیسائیت کا غلبہ تھا۔ کچھ بت پرست بھی پائے جاتے تھے اور بہت سے یہودی بھی۔ غلاموں کی بھی خاصی تعداد ملک میں موجود تھی مگر کیا بت پرست کیا یہودی اور کیا غلام سب کے سب عیسائیوں کے زیر اقتدار طبقے کے پیہم مظالم سے نہایت تنگ تھے۔ ان سختیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے عیسائیوں کے جور و عقوبت سے اہل عرب کو اپنا شفیع جان کر مسلمانوں کا بڑے جوش سے خیر مقدم کیا اور جن شہروں کو اہل اسلام نے فتح کیا ان کی حفاظت کے لیے سپاہ کا کام دیا اور جن شہروں کا انھوں نے محاصرہ کیا یہودیوں نے دلی شوق کے ساتھ ان کے دروازے نئے فاتحین کے لیے کھول دیے۔

اسی طرح ہسپانیہ کے غلاموں نے عربوں کے آنے کو اپنے حق میں بہت مبارک جانا اور یہ غلام ہسپانیہ کے وہ

پہلے باشندے تھے جنھوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔

ملک میں جو بت پرست تھے اُنھوں نے بھی اسلام لانے میں غلاموں کے مثال کی اتباع کی۔

عیسائی شرفا میں سے بھی اکثر لوگ خواہ دلی اعتقاد سے خواہ کسی اور غرض سے مسلمان ہو گئے۔

متوسط اور ادنیٰ درجے کے عیسائیوں میں سے اکثر افراد ظاہر طریق پر نہیں بلکہ سچے دل سے ایسے مذہب کو ترک کرکے اسلام لے آئے جس کے پیشواؤں اور پادریوں نے علم و دین سے اُن کو جاہل رکھ کر مذہبی لحاظ سے اُن کی تربیت نہ کی تھی اور خود دنیا کمانے میں مصروف ہو کر اپنے سادہ لوح متبعین کو لوٹا تھا۔

جب یہ عیسائی مسلمان ہوئے تو اسلام کے سچے معتقد اور پُرجوش حامی بنے اور خود اُن کو اور اُن کی اولاد کو علمائے اسلام کے اُس حلقے سے ارادت رہی جو شریعت کا پابند تھا۔ زبردستی مسلمان بنانے اور تبدیل مذہب کی غرض سے سختی کرنے کا حال اُس زمانے میں جبکہ اہل عرب نے ہسپانیہ فتح کیا۔ کہیں مذکور نہیں بلکہ عیسوی مذہب کی طرف سے مسلمانوں کی بے تعصبی ہی وہ شے تھی جس نے ملک پر جلد قبضہ ہونے میں مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا کر دی۔

ہسپانیہ میں عیسوی رعایا کی طرف سے سلطنت اسلامیہ کی بے تعصبی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے ربط و اختلاط نے دونوں قوموں میں بڑی یگانگت پیدا کر دی تھی چنانچہ اس اتحاد کے نتیجے میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں اکثر شادیاں ہونے لگیں۔ اکثر عیسائی مسلمانوں جیسے نام رکھنے لگے اور اکثر مذہبی رسوم و عادات میں بھی مسلمانوں کی تقلید کرنے لگے مثلاً بہت سے عیسائی ختنہ کراتے تھے اور کھانے پینے میں بقول ایک عیسائی مصنف انھوں نے "بے اصطباغی کافروں" (یعنی مسلمانوں) کا مشرب اختیار کر لیا تھا۔ اپنی زبان کو چھوڑ کر بلکہ بھول کر انھوں نے اپنی تمام کوشش اور توجہ عربی زبان کی تحصیل کی طرف مرکوز کر دی۔ یہاں تک کہ پادریوں کو انجیل اور توریت کے احکام کو عام عیسائیوں کے لیے عربی میں ترجمہ کرنا پڑا تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔ ایک عہد نویس عیسائی مورخ بہت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ "آج ہسپانیہ میں عیسائی آبادی میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو اپنی لیٹن زبان میں اپنے دوست کو معمولی طور پر مزاج پرسی کا خط لکھ سکے۔ لیکن ایسے عیسائی بے شمار مل جائیں گے جو نہایت روانی کے ساتھ بڑی فصیح و بلیغ عربی میں اپنا ما فی الضمیر ظاہر کر سکتے ہیں وہ نہ صرف نثر لکھنے پر قادر ہیں بلکہ نظم بھی بڑی رنگین کہہ سکتے ہیں۔"

عام دنیوی رسم و رواج کی پیروی سے جو ہسپانیہ کے عیسائیوں نے عرب فاتحین کی کی۔ یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جب مسلمانوں نے اُن کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی تو عیسائی کثرت سے اسلام لا کر نومسلموں کی تعداد کے اضافے کا باعث ہوئے۔ چنانچہ اُن کی اولاد جن کو مولدین اس لحاظ سے کہتے تھے کہ وہ عربی النسل نہ تھے ایک قومی فریق کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اُن کی تعداد ہسپانیہ کی باقی آبادی سے زیادہ تھی اور نویں صدی عیسوی میں اسی فریق نے ہسپانیہ میں اہل عرب کی حکومت کو غارت کرنے کی کوشش کی۔

ہسپانیہ کے ان نومسلموں کے تفصیلی حالات کہ کس طرح وہ لوگ اسلام لائے بہت ہی کم ملتے ہیں۔ ان عیسائیوں میں سے بعض نے اُن سزاؤں سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر لیا جو اُن کو عدالت سے ملی تھیں۔ اکثر عیسائی اسلام کے اُس اثر سے متاثر ہوئے جبکہ وہ تہذیب و تمدن کی روشنی سے چمکتا تھا۔ عرب کی دلیری و شجاعت اور اُن کی جنگی و فوجی کامیابیوں نے بھی ہسپانیہ کے عیسائیوں کو اپنی طرف کھینچا۔ مسلمانوں کی زبان سیکھنے، ان کی معاشرت کی تقلید کرنے اور ان کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے کا بھی یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔

ہسپانیہ کے جو عیسائی اپنی خوشی اور رضی سے مسلمان ہوئے۔ اسلام اُن کے جسم اور روح کے ذرّے ذرّے میں سرایت کر گیا۔ اور بعد کے کسی زمانے میں بھی باوجود سخت مظالم کے اُنھوں نے اسلام سے دست کش نہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ۱۶۱۰ء میں جب مورسکی قوم کے وہ لوگ جو جلاوطن ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ ہسپانیہ سے نکالے گئے تو اس امر کے باوجود کہ پیہم ایک سو برس تک اُن پر نہایت سختی کے ساتھ حکومت کی طرف سے اس بات کا جبر ہوتا رہا کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر عیسوی مذہب اختیار کر لیں مگر وہ نہایت استقلال کے ساتھ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ چنانچہ ۱۶۱۰ء میں قریباً دس لاکھ مورسکی مسلمان اپنے قدیمی وطن اندلس سے بہت بُری طرح نکال دیے گئے اور شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں اپنے مکینوں سے خالی ہو کر ویران ہو گئے۔ یہ مورسکی مسلمان اصلی باشندگان ہسپانیہ کی اولاد تھے۔ جن کے آباؤ اجداد نے صدیوں پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ان میں عربوں کا خون کم یا بالکل نہ تھا۔ اس بات کا ثبوت وہ مکتوب ہے جو ۱۳۱۱ء میں لکھا گیا تھا اور جس میں تحریر تھا کہ دو لاکھ مسلمانوں میں سے جو اُس وقت غرناطہ کے شہر میں آباد تھے پانچ سو سے کچھ زیادہ مسلمان عربی النسل تھے۔ باقی کل یعنی چار لاکھ ۹۹ ہزار پانچسو مسلمان ہسپانیہ کے خاص نومسلم باشندوں کی اولاد تھے[1]۔

یہ بات نہایت غور اور توجہ کے بلکہ حیرت کے قابل ہے کہ ہسپانیہ میں جب اسلامی قوت و شوکت کا وہاں خاتمہ ہو چکا تھا تو اُس وقت بھی وہاں عیسائی اسلام قبول کرتے رہے۔ چنانچہ اسلامی سلطنتِ غرناطہ کے زوال کے سات برس بعد ۱۴۹۹ء میں جو واقعات پیش آئے اُن کو لکھتے ہوئے ایک مؤرخ نے تحریر کیا ہے "قوم مور کے چند عیسائیوں نے پیغمبر عرب کا دین قبول کر لیا"[2]۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں جو لوگ وقتاً فوقتاً مسلمان ہوئے اُن کی کیفیت سکاٹ نے اخبار الاندلس میں اور ڈوزی نے عبرت نامہ اندلس میں جگہ جگہ لکھی ہے۔ تفصیلات کے شائقین ان دونوں کتابوں کا ملاحظہ فرمائیں۔

فرانس اسپین سے بالکل ملا ہوا ملک فرانس کا ہے۔ جب سپین مسلمانوں نے فتح کر لیا تو وہ سپین اور فرانس کی حد فاصل کوہ پیرنیز[3] کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہو گئے اور اُن کا اولوالعزم سپہ سالار موسیٰ بن نصیر لینگے ڈوک کے

۱؎ مورگن جلد دوم صفحہ ۲۸۹۔ ۲؎ سٹرلنگ ماکس ول جلد اول صفحہ ۱۱۵۔ ۳؎ اس پہاڑ کے مختلف حصوں کے مختلف نام عربوں نے رکھے تھے۔ مثلاً جبل البرانس، جبل البرتات، جبل الفاضل اور جبل الحاجز۔

علاقے کو فتح کر کے اطالیہ کی طرف بڑھا اور تمام یورپ کو تسخیر کرنے کی تجویز کرنے لگا مگر بدقسمتی سے اسی وقت اُسے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے دمشق میں حاضر ہونے کا حکم دیا جس سے موسیٰ کے سارے ولولے دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ ورنہ آج یورپ کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا۔ اس طرح پہلی مرتبہ فرانس اسلام سے روشناس ہوا۔ موسیٰ کا یہ حملہ ۹۳ھ (مطابق ۷۱۱ء) میں ہوا تھا۔[1]

اس کے بعد مختلف اوقات میں مختلف سپہ سالار اسپین سے گذر کر فرانس پر مسلسل حملے کرتے رہے۔ جن کے نتیجے میں یہاں اسلام پھیلتا رہا۔ اس عرصے میں جنوبی اور مغربی فرانس میں لوگ مسلمان ہوتے اور عربی تمدن اور عربی زبان اختیار کرتے رہے۔ محکمہ آثار قدیمہ نے حال میں جو کھدائی جنوبی فرانس میں کی ہے اس میں ایک مسجد کے کھنڈر بھی برآمد ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں نے یہاں اُس عہد میں مسجدیں بھی تعمیر کی تھیں اور اس طرح وہاں اشاعت اسلام کی بنیاد گاڑ دی تھی۔ مگر افسوس کہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں عبدالرحمٰن الغافقی گورنر ہسپانیہ کو جنوبی فرانس میں تورز کے مقام پر فرانس کے بادشاہ چارلس مارٹل نے سخت شکست دی جس سے مسلمانوں کی پیش قدمی فرانس میں بالکل رک گئی اور ۱۴۲ھ (مطابق ۷۵۹ء) تک فرانس مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گیا۔ مگر اس زمانے کے کچھ آثار اب تک باقی ہیں جن میں مسجد کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اشیاء برآمد ہوئی ہیں۔ کچھ پرانے عربی طرز کے ہتھیار بھی دبے ہوئے نکلے ہیں جنوبی فرانس کے گرجائوں میں آج بھی ایسے پتھر لگے ہوئے ہیں جو مسجدوں کو ڈھا کر گرجائوں کی تعمیر میں استعمال کیے گئے اور جن پر اس وقت بھی عربی عبارتیں کندہ ہیں۔ یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوتی ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ وہاں قرآن کریم کا فرانسیسی ترجمہ بھی دستیاب ہوا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اُس ابتدائی دَور کے مسلمانوں نے فرانس میں تبلیغ اسلام کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔[2]

انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں فرانس نے افریقہ کے شمالی ساحل کے ملکوں الجزائر، مراکش اور ٹیونس پر قبضہ کر لیا جس کے بعد ان مفتوحہ ممالک کے مسلمان فرانس میں آنے شروع ہوتے۔ بعض مزدوروں کی حیثیت میں اور بعض تاجروں کی حیثیت سے۔ یہاں انھوں نے فرانسیسی عورتوں سے شادیاں بھی کیں اور فرانس کے باشندوں کو اسلام کی تبلیغ بھی کی جس کے نتیجے میں یہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور آج فرانس میں پانچ لاکھ کے قریب مسلمان موجود ہیں جو فرانس کے تمام شہروں اور دیہات میں پھیلے ہوئے ہیں ۱۹۲۶ء میں مسلمانوں کے لیے گورنمنٹ فرانس نے ایک عالی شان اور خوش نما مسجد بھی پیرس میں بنا دی ہے۔ جس کے مینار سے پانچوں وقت خدائے واحد کا نام پکارا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ایک مسلم ہسپتال اور ایک قبرستان بھی بنا دیا گیا ہے مسلمان وہاں مختلف کارخانوں اور دکانوں میں ملازم بھی ہیں اور اپنے طور پر تجارت کرتے ہیں اور اکثر اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں مسلمانوں کے نائٹ اسکول بھی ہیں

---

[1] تاریخ اسلام ذاکر حسین جلد اول صفحہ ۱۳۹۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد اول ص ۱۳۰ [2] روزنامہ نوائے پاکستان لاہور ۱۵ ستمبر ۱۹۵۷ء

جن میں اُن کے بچے رات کو تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تمام بڑے شہروں میں مسلمانوں نے کمرے کرائے پر لے رکھے ہیں۔ اور وہاں باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں اور ماہوار اور ہفتہ وار جلسے کرتے ہیں اپنی تنظیم کے لیے اُنھوں نے کلچرل اسلامک مجالس بھی بنا رکھی ہیں جو اُن کی مذہبی اور ثقافتی تقریبات کا انتظام کرتی ہیں۔ وہاں کی یونی ورسٹی میں عربی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ فرانسیسی ریڈیو بھی مسلمانوں سے متعلق پروگرام نشر کیا کرتا ہے۔ غرض فرانس کے مسلمانوں کی حالت ؛ علاقی۔ معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے خاصی بہتر ہے اور وہ امن و سکون کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اگرچہ فرانسیسی گورنمنٹ الجزائر میں مسلمانوں پر عرصہ دراز سے شدید مظالم کر رہی ہے اور بہت سے مجاہدین کو اب تک شہید کر چکی ہے۔ مگر اپنے ملک فرانس میں مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں دے رہی۔ [۲۵]

سسلی سپین و فرانس کے بعد ہم جزیرہ سسلی میں تبلیغ اسلام کا حال بیان کرنا چاہتے ہیں عرب مورخین اس ملک کو صقلیہ کہتے اور لکھتے ہیں جو بحیرہ روم کا نہایت مشہور جزیرہ اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور جہاں مسلمانوں نے تین سو سال تک نہایت شان کے ساتھ سلطنت کی ہے۔ مگر صد ہزار افسوس کہ آج وہاں مسلمانوں کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔

مسلمان جزیرہ صقلیہ میں پہلی مرتبہ ۲۳۱ھ (مطابق ۸۴۵ء) میں آئے اور اس کے بعد اُن کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ صقلیہ میں ایک مضبوط اور مستحکم اسلامی سلطنت قائم ہو گئی اور وہاں کے مسلمانوں نے علوم و فنون میں اس قدر ترقی کی کہ تمام یورپ نے اُن سے استفادہ کیا۔

جو مسلمان یہاں آئے سب کے سب وہ عرب کے مختلف قبائل قریش۔ کندہ۔ فہر۔ حنظلہ اور قبائل انصار اوس اور خزرج کے لوگ اور افریقہ کے وہ قدیم باشندے تھے جو اسلام لے آئے تھے۔ ان لوگوں نے یہاں مقیم رہ کر جزیرے کے باشندوں میں نہایت تندہی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ جس کے نتیجے میں اہل صقلیہ کی بہت بڑی جماعت مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئی۔ اس وقت صقلیہ میں بیشتر آبادی عیسائیوں کی تھی۔ بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔ کچھ دہریے بھی بستے تھے اور ایک خاصی تعداد بت پرستوں کی بھی پائی جاتی تھی۔ مسلمان ہونے والوں میں ان سب مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ [۲۶]

مسلمان ہو کر اہل صقلیہ نے عربوں کی زبان اور اُن کی معاشرت بھی اختیار کر لی۔ ان نو مسلموں کی تعداد میں صقلیہ میں اسلامی حکومت کے خاتمے تک برابر اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ نارمن فرمانرواؤں نے کسی غیر مسلم کے لیے

---

[۲۵] روزنامہ نوائے پاکستان لاہور مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۷ء بحوالہ اخبار ہماری آواز کانپور۔ [۲۶] تاریخ صقلیہ جلد اول ص۴۷۔ [۲۷] تاریخ صقلیہ جلد دوم ص۱۰۔

اسلام قبول کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا اور تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کا صقلیہ سے مکمل استیصال ہو گیا۔ صقلیہ میں اسلام کی اشاعت اور ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ۳۲۶ھ (مطابق ۹۳۸ء) میں صقلیہ کے ایک شہر مازرہ کی آبادی تقریباً بیالیس لاکھ تھی جن میں سے نصف کے قریب یعنی ۲۱ لاکھ آدمی مسلمان تھے۔ مساجد کی اس قدر کثرت تھی کہ ادریسی کے بیان کے مطابق صقلیہ کے قصبہ معسکر سے بیصا تک صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ اس مختصر راستہ میں دو سو مسجدیں بنی ہوئی تھیں۔[۱]

یونان یونان قدیم ترین مذہب کا حامل اور یورپ کا قدیم ترین ملک ہے۔ یہاں اسلام کو جس قدر ترقی ہوئی۔ وہ سب کی سب مبلغین اسلام کی کوششوں اور مسلمان تاجروں کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس وقت یونان میں ایک لاکھ ۶۵ ہزار کے قریب مسلمان آباد ہیں جن کی زیادہ تعداد تھوالہ۔ زانتی اور سیرس کے اضلاع میں رہائش پذیر ہے حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی آزادی اور مذہبی امور کی انجام دہی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی مسلمانوں نے مختلف مقامات پر اپنے دینی مدارس بھی قائم کر رکھے ہیں جن میں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے لیے تین کالج بھی مسلمانوں کے ہیں۔[۲]

بلغاریا بلغاریا میں اسلام کی اشاعت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہاں ۱۹۴۷ء میں دس لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد تھے اور ملک بھر میں ۱۴۶۰ اعلیٰ مدارس تھے یہاں مسلم طالب علموں کو دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ کئی سو مکتب تھے۔ یہاں مسلم بچوں کو قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا۔ ایک سو کے قریب مسجدیں تھیں مسلمانوں کے کئی روزانہ اخبارات بھی تھے۔ جو عربی زبان میں شایع ہوتے تھے۔

جب دوسری جنگ عظیم کے بعد بلغاریہ پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہو گیا تو انھوں نے یہاں کے مسلمانوں کی دینی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دے دیا اور ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک وہاں اسلام کو بالکل ختم کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مسلمانوں کو بلغاریا سے مویشیوں کی طرح ملک سے نکال دیا گیا۔ مسجدیں اور مدرسے بند کر دیے گئے۔ مسجدوں کے اماموں کو برطرف کر دیا گیا۔ جو تھوڑے سے مسلمان وہاں باقی رہ گئے ہیں۔ وہ انتہائی طور پر ذلت۔ غربت اور بیکسی کا شکار ہیں۔[۳]

یوگوسلاویہ بلغاریا کے بعد ریاستہائے بلقان میں یوگوسلاویہ وہ ملک ہے جہاں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہاں کے مسلمان سب سے زیادہ سرگرم عمل تھے۔ سرائیوو میں ایک بہت اعلیٰ درجے کا اسلامی کتب خانہ تھا۔ یہاں ۲۲ ہزار کتابیں اسلامی موضوعات کے متعلق موجود تھیں اور مقامی مسلمان ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء سے پہلے یہاں سے مسلمانوں کے ۲۲۔ اخبارات نکلتے تھے جن میں روزانہ بھی تھے اور ہفتہ وار بھی لیکن آج صرف ایک ماہنامہ جاری ہے۔ کمیونسٹوں کے اس ملک میں تسلط سے پہلے یہاں ۱۴۷ اعلیٰ دینی مدرسے

---

[۱] تاریخ صقلیہ جلد دوم ص۔ [۲] تاریخ صقلیہ جلد دوم صفحہ ۴۳۲ [۳] روزنامہ تسلیم لاہور مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۷ء

تھے۔ جن میں سے آج صرف ایک مدرسہ رہ گیا ہے۔ مکتب جہاں چھوٹے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی تھی زبردستی بند کیے جا چکے ہیں۔ شرعی عدالتیں جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتی تھیں ختم کر دی گئی ہیں ۔ ۱؎

رومانیہ ریاست رومانیہ میں بھی مختلف اوقات میں اسلام کی بہت کافی تبلیغ ہوئی تھی چنانچہ "عوامی جمہوریت" بننے سے پہلے یہاں ۴۰ ہزار مسلمان آباد تھے۔ ۲۵ مسجدیں تھیں اور بہت سے مکتب کھلے ہوئے تھے جہاں مسلم بچوں کو قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا۔ ایک اخبار بھی مسلمانوں کا شائع ہوتا تھا۔ لیکن آج یہ سب کچھ ماضی بن چکا ہے ۔ ۲؎

البانیہ البانیہ میں ملک کی دو تہائی آبادی پیدائشی مسلمان ہے مگر یہاں بھی اسلامی ثقافت کو تباہ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ سارے اسلامی اخبارات اور رسالے جو ملک میں کثرت کے ساتھ جاری تھے بند ہو چکے ہیں۔ تمام شرعی عدالتیں معطل ہو چکی ہیں اور کمیونسٹ حکومت کی اجازت اور رہنمائی کے بغیر کوئی اسلامی تحریک یا دینی سرگرمی جاری نہیں رہ سکتی ۔ ۳؎

ہنگری اور چیکو سلاویکیہ ہنگری اور چیکو سلاویکیہ کے علاقوں میں بھی اسلام کی اشاعت اور تبلیغ بکثرت ہوئی اور وہاں اسلام کو ایک غالب قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی مگر افسوس کہ آج وہاں سے اسلام کا نام و نشان مٹ چکا ہے ۔ ۴؎

سربیا سربیا کی عیسائی سلطنت ۱۳۷۱ء میں سلطنت عثمانیہ کی باجگزار بنی اور ۱۳۸۹ء میں جنگ کسووا کے بعد وہاں کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت شروع ہوئی۔ اس ملک کے بعض شریف خاندان کے افراد نے مسلمانوں کے تسلط کے بعد پاس کے عیسائی ملکوں میں وطن چھوڑ کر آباد ہونا پسند کیا۔ بلکہ خوشی خوشی مسلمان ہو گئے ۔ یہ عیسائی شرفاء مسلمان ہو کر اسلام کے نہایت پرجوش داعی ثابت ہوئے اور انھوں نے سارے ملک میں بہت شوق کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ مگر عام لوگ بہت حد تک بدستور عیسائی رہے۔ صرف سربیا قدیم میں جو آج کل البانیہ کا ایک حصہ ہے عیسائیوں نے کسی قدر کثرت کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ لیکن یہاں بھی سترھویں صدی تک اسلام کی اشاعت آہستہ آہستہ ہوئی۔ اٹھارویں صدی میں البانیہ کے بہت سے لوگ سربیا قدیم میں داخل ہوئے ان کا مذہب رومن کیتھولک تھا لیکن جب وہ آباد ہو گئے تو رفتہ رفتہ مسلمان ہوتے شروع ہوئے۔ ان کے ساتھ ساتھ بلکہ ان کو دیکھ کر سربیا قدیم کے اصلی باشندوں میں بھی اسلام کی بکثرت اشاعت ہوئی ۔ ۵؎

مانٹی نیگرو سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں مانٹی نیگرو کے بہت سے عیسائی جو سرحدی اضلاع میں آباد تھے اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے اور انھوں نے ترکی پاشاؤں کی ملازمت اختیار کر لی۔ مگر ۱۷۰۲ء میں دانیال پیٹرووچ نے جو اس علاقے کا اسقف تھا۔ عیسائیوں کے سب فرقوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اپنے مذہب کی بہتری اور

۱؎ تا ۴؎ روزنامہ تسنیم لاہور مورخہ ۴ر اپریل ۱۹۵۴ء ۔ ۵؎ دعوت اسلام صفحہ ۲۱۲ صفحہ ۲۱۶ (خلاصہ)

اور بقا کی اب یہی شکل ہے کہ جو لوگ تم میں سے مسلمان ہو گئے ہوں اُن کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ چنانچہ بڑے دن کی شام کو وہ تمام لوگ جو عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کو انہی کے بھائیوں اور ہم وطنوں نے بہت بے دردی اور شقاوت کے ساتھ قتل کر ڈالا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔ [۱]

جزائر بحیرۂ روم

ان ممالک کے علاوہ بحیرۂ روم کے بہت سے جزیروں میں معقول عرصے تک مسلمانوں کی حکومت بھی قائم رہی اور وہاں تبلیغ اسلام کے نتیجے میں بہت سے لوگ مسلمان بھی ہوئے مثلاً سردانیہ (سارڈینیا) قورسقہ (کورسیکا) ملطیہ۔ الرابب۔ قوترہ۔ نموشہ۔ غودش (گوزو) کومنہ (کومینو) مالطہ (مالٹا) قرفس (کورفو) منورقہ مجورقہ الوبیسہ۔ قبرص۔ روڈس۔ قریطش (کریت) وغیرہ۔ لیکن ان میں سے قبرص کو چھوڑ کر اب اکثر جزیروں میں ایک بھی مسلمان موجود نہیں۔

وسطی اور شمالی یورپ

یہ تو جنوبی یورپ کی کیفیت تھی۔ اس کے علاوہ وسطی اور شمالی یورپ میں بھی وقتاً فوقتاً اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء میں یورپی روس میں ۲۰ لاکھ کے قریب مسلمان آباد تھے۔ پولینڈ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۶ ہزار تھی اور ایک سو بیس مسجدیں وہاں بنی ہوئی تھیں جرمنی میں بھی تبلیغ اسلام کا کام ہوا ہے اور ہالینڈ میں بھی۔[۲] مگر اس سارے تبلیغی کام کا کوئی تفصیلی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔[۲]

انگلستان

مغربی یورپ میں انگلستان وہ نمایاں ملک ہے جہاں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جہاں کے لوگوں نے سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا۔ جہاں اسلام کے متعلق سب سے زیادہ کتابیں شایع ہوئیں اور جہاں کے انگریز مصنفین نے قرآن کریم کے متعدد تراجم شایع کیے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق گذشتہ ایک سو سال میں یہاں قریباً ۹ ہزار انگریز مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور سارے جزیرے میں کئی مسجدیں خدائے واحد کی عبادت کے لیے بن چکی ہیں۔ ایک خالص اسلامی مدرسہ اور کئی مکتب قرآن کریم کی تعلیم کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی ارکان اور اعمال بجا لانے میں پوری آزادی ہے۔ یورپ کے دوسرے ممالک میں ایسا ہوا ہے کہ دوسرے ملکوں سے وہاں مسلمان آکر مقیم ہو گئے اور انھوں نے مقامی باشندوں میں تبلیغ کر کے وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ مگر انگلستان سے زیادہ کسی یورپین ملک میں مقامی لوگ مسلمان نہیں ہوئے اور نہ کہیں نومسلموں کو ایسی آزادی اور اطمینان نصیب ہوا۔[۳]

جہاں تک علم ہے انگلستان کے مقامی لوگوں میں سب سے پہلے پروفیسر لیون ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ ایس۔ پی نے ۱۸۸۲ء میں اسلام قبول کیا اور مسلمان ہو کر اپنا نام

---

[۱] دعوت اسلام صفحہ ۲۱۸-۲۱۹۔ [۲] [۳] روزنامہ تسنیم لاہور مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء

"ہارون مصطفیٰ" رکھا۔ [1]

انیسویں صدی کے آخر میں انگلستان کے ایک اور مشہور شخص کے اسلام قبول کرنے کا حال مسٹر آرنلڈ نے اس طرح لکھا ہے "۱۸۸۸ء سے چند سال پہلے ایک انگریز سالسٹر نے جس کا نام مسٹر ولیم ہنری کیولیم ہے۔ قرآن پڑھ کر اور اسلامی دینیات کی کتابیں مطالعہ کر کے اسلام قبول کیا۔ [2] مسٹر کیولیم کو پہلی دفعہ اسلام قبول کرنے کی طرف ۱۸۸۴ء میں توجہ ہوئی۔ جبکہ وہ مراکو میں سفر کر رہے تھے۔ جہاں اُن کو مسلمانوں کا اخلاص اور ہمدردی دیکھ کر اور شراب خوری اور اُن برائیوں سے جو انگلستان کے بڑے شہروں میں عام تھیں مسلمانوں کو پاک دیکھ کر اسلام کی طرف رغبت ہوئی انگلستان واپس آکر انھوں نے عیسائیت چھوڑ دی اور اسلام کو اختیار کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے لورپول میں اسلامی مشن قائم کیا اور پانچ برس کی لگاتار محنت کے بعد مقامی طور پر تیس انگریزوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی جو اُن کو اس عرصے میں ہوئی۔ انھوں نے تبلیغ اسلام میں اپنی کوشش جاری رکھی جگہ جگہ تبلیغی لکچر دیے تبلیغی کتابیں شایع کیں۔ اشاعت اسلام کی غرض سے ایک رسالہ بھی جاری کیا گیا اور ایسے لیکچرار مقرر کیے جنھوں نے بازاروں میں گشت لگا کر تبلیغی لکچر دینے شروع کیے۔ اس تمام تبلیغی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر کیولیم کے مسلمان ہونے کے دس برس بعد انگریز نومسلموں کی تعداد ۱۳۷ ہو گئی۔

انگلستان کے اس مشن نے اسلامی ممالک میں اور خاص کر ہندوستان میں بڑا جوش پیدا کر دیا۔ جہاں انگریز نومسلموں کے متعلق ہر بات فوراً اخباروں میں چھپ جایا کرتی تھی ۱۸۹۱ء میں مسٹر کیولیم کو سلطان روم نے ملاقات کے لیے قسطنطنیہ بلایا اور اس سے تین سال بعد ۱۸۹۴ء میں سلطان نے ایک مسلمان سوداگر کو اپنی طرف سے خطاب دینے کے لیے (جس نے افریقہ کے مغربی ساحل پر آباد شدہ شہر لیگوس میں مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنائی تھی) مسٹر کیولیم کو لیگوس بھجوایا۔ [3]

انگلستان میں اسلام کی ترقی اور عروج اور سرعت کے ساتھ اُس کی اشاعت کو دیکھ کر وہاں کے نامور ادیب مسٹر برنارڈ شا نے کہا تو کہ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمام مملکت برطانیہ میں اس (بیسویں) صدی کے ختم ہونے سے پہلے محمدؐ کے دین کی کوئی اصلاح شدہ شکل اختیار کرے گی"۔ جب اُن سے کہا گیا کہ اس دعوے کا ثبوت کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ "میں ہمیشہ سے محمدؐ کے لائے ہوئے دین کی بڑی قدر کرتا ہوں کیونکہ میں اس میں ایک عجیب زندگی محسوس کرتا ہوں۔ صرف یہی ایک مذہب ہے جو یہ قوت رکھتا ہے کہ دنیا کے حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی پورے طور پر رہنمائی کر سکے۔ اسی لیے میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ یورپ کو محمدؐ کا لایا ہوا مذہب ہی عنقریب قبول کرنا پڑے گا۔ مادہ پرست طبقے نے یا تو جہالت سے یا تعصب کے باعث

---

[1] چارمز آف اسلام CHARMS OF ISLAM صفحہ 19۔ [2] مسلمان ہو کر ان صاحب نے اپنا نام "عبداللہ" رکھا چنانچہ یہ "عبداللہ کیولیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ [3] دعوت اسلام صفحہ ۴۹۶ ۔ ۴۹۷

دینِ اسلام کا نقشہ بہت بھیانک رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور انھیں شروع ہی سے یہ پڑھایا جاتا رہا ہے کہ وہ محمدؐ کی ذات اور اُن کے لائے ہوئے دین سے نفرت کیا کریں۔ یہ متعصب طبقہ اُن کو اپنے خیال میں نبی نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) دجال سمجھتا ہے۔ میں نے آپؐ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور بلا شائبہ شک میں آپؐ کو بالکل غیر معمولی آدمی اور خارق عادت انسان سمجھتا ہوں۔ آپؐ کی زندگی نہ صرف دجل اور فریب سے پاک تھی بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے نجات دہندہ تھے۔ میں اس امر کا بھی یقین کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ اگر محمدؐ جیسے انسان کی شخصیت کو موجودہ دور کا ڈکٹیٹر مان لیا جائے تو وہ موجودہ عالمگیر مسائل کا حل عمدگی اور آسانی کے ساتھ تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ اُن کی شخصیت دنیا کو ایسے طریقے سمجھا سکتی ہے جن سے دنیا کا امن (جس کی بے انتہا ضرورت ہے) بحال ہو سکے اور دنیا میں دوبارہ خوش حالی کا دور دورہ ہو۔ یورپ محمدؐ کے مسلک کی طرف رجوع کر رہا ہے اور آئندہ صدی میں اور بھی قریب ہو کر سمجھ سکے گا کہ اسی مسلک میں دنیا کے مشکل ترین مسائل کا حل موجود ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ موجودہ حالات میں خود میری قوم کے لوگ اور یورپ کے دیگر ممالک کے باشندے اسلام کے زیادہ قریب ہو گئے ہیں"۔

یہ اقتباس مسٹر برنارڈ شا کی مشہور کتاب گیٹنگ میریڈ (GETTING MARRIED) کے اس ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا[۱]۔

یورپ میں اشاعتِ اسلام کے یہ بہت ہی مختصر حالات ہیں جو بیان کیے گئے۔ ان حالات کو پھیلا کر اور بہت وضاحت کے ساتھ بھی لکھا جا سکتا تھا۔ مگر نہ اس کا موقع ہے اور نہ تفصیل کی گنجائش ہے۔ لہٰذا اسی مختصر بیان پر اکتفا کیا گیا۔

یورپ کے بعد اب ہم دوبارہ ایشیا کی طرف آتے ہیں اور چین میں اشاعتِ اسلام کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] چارمز آف اسلام (CHARMS OF ISLAM) صفحہ

بابِ دوازدہم

چین میں اسلام کی اشاعت

چین میں اسلام کا داخلہ اور اُس کی اشاعت بری اور بحری دونوں راستوں سے ہوئی مگر بحری راستے سے چین میں اسلام کے آنے کے متعلق مورخین اور مصنفین میں سخت اختلاف ہے اور یہ شدید اختلاف دو باتوں میں ہے۔ اس امر میں بھی کہ کب اور کس عہد میں اسلام چین میں داخل ہوا؟ اور اس بات میں بھی کہ اسلام کے اس سب سے پہلے مبلغ کا نام کیا تھا جو توحید کا پیغام لے کر سرزمین چین میں داخل ہوا؟

چین میں اشاعتِ اسلام کے متعلق ہمارے ماخذ

ان طول طویل تاریخی بحثوں کو جو اس مسئلے کے متعلق مصنفین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں نظر انداز کرتے ہوئے ہم نہایت احتیاط کے ساتھ چین میں اشاعت اسلام کے حالات بہت مختصر طور پر یہاں تحریر کرتے ہیں۔ ہم نے یہ مختصر مضمون مندرجہ ذیل کتابوں سے اخذ اور انتخاب کیا ہے۔ "پریچنگ آف اسلام" مولفہ آرنلڈ۔ (جس کا ترجمہ "دعوت اسلام" کے نام سے مولوی عنایت اللہ دہلوی نے کیا تھا)۔ "عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام" از ذاکر حسین جعفری۔ "تاریخ اقوام عالم" مرتبہ مرتضےٰ احمد خاں۔ "چین اور عرب کے تعلقات" پیش کردہ بدرالدین چینی۔ "تاثراتِ چین" (سفرنامہ مولانا عبدالحامد بدایونی)۔ ان مصنفین اور مؤلفین نے چین میں اشاعتِ اسلام کے مضمون کو خود چینی مصنفین، عرب مورخین، انگریز مؤلفین اور خود اپنے ذاتی مشاہدات کے بعد قلمبند کیا ہے اور ہر بات کو بڑی تحقیق اور پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ دیکھنے کے شائقین ان کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

جنوبی سمندر کے راستے مسلمانوں کا چین میں داخلہ

جنوب میں سمندر کے راستے سے مسلمانوں کے چین میں داخل ہونے کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ اُن حقوق اور افسانوں کو جو اصلی واقعات پر اضافہ ہو گئے ہیں۔ نظر انداز کرنے کے بعد یہ حالات لکھے جاتے ہیں۔

کانٹن

۶۲۸ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہاب ابن ابی کبشہ کو شہنشاہ چین کے پاس اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب یہ بحری جہاز کے ذریعے چین کی بندرگاہ کانٹن میں پہنچے تو وہاں ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور شہنشاہ کی طرف سے اُن کو اور اُن کے تمام ساتھیوں کو چین میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کی کھلی اجازت مل گئی۔ چار سال وہاں مقیم رہنے اور اشاعتِ اسلام کرنے کے بعد وہ واپس مدینے آئے۔ مگر وہ اُس وقت پہنچے جب رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لیے اُن کا دل یہاں نہ لگا اور وہ مختصر قیام کے بعد واپس کانٹن چلے آئے۔ واپسی میں وہ اپنے ساتھ اُس قرآن شریف کا ایک مکمل نسخہ بھی لائے جو حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں جمع ہوا تھا مگر کانٹن پہنچنے کے بعد وہاب ابن ابی کبشہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے اور بیمار پڑ کر انتقال کیا۔ اُن کا مزار کانٹن میں آج بھی مسلمانانِ چین کی زیارت گاہ ہے۔

چین کے ایک سفیر دبری دہ تبرسان نے ۱۸۷۸ء میں "چین کے مسلمان" نامی ایک محققانہ کتاب شائع کی اس میں صحابی کا نام وہاب ابن ابی کبشہ ہی لکھا ہے (ص۳۱۱) آرنلڈ نے اس بیان پر یہ اضافہ کیا ہے کہ وہاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ماموں تھے۔ کتاب "عرب اور چین کے قدیم تعلقات" کے مصنف چانگ شن لانگ نے ان صحابی کا نام ابن حمزہ بتایا ہے۔ بدرالدین چینی کی کتاب "چین اور عرب کے تعلقات" میں یہ نام سعد وقاص تحریر ہے۔ (ص۲۳۸) مولانا حامد بدایونی اپنی روئیداد سفر "تاثراتِ چین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مزار پر "عبدالرحمٰن وقاص" کندہ ہے" مگر خود مولانا کی تحقیق میں یہ نام "عبدالرحمٰن عکاظ" ہے۔[۲]

"تاریخ اقوام عالم" کا مصنف کسی خاص شخص کا نام نہیں بتاتا۔ بلکہ اس واقعے کے متعلق یہ عبارت لکھتا ہے۔ "پیغمبر عربؐ کے قاصد ایک تبلیغی نامہ لے کر عرب تاجروں کی معیت میں ۶۳۱ء میں چین کے شہنشاہ اعظم "تائی تسونگ" کے دربار میں پہنچے جس کی سلطنت بحرالکاہل سے لے کر بحیرۂ خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔ تائی تسونگ ان قاصدوں کے ساتھ احترام سے پیش آیا اور اُس نے عربوں کو کینٹن میں مسجد بنانے کی اجازت دے دی۔ کینٹن کی یہ مسجد آج تک موجود ہے اور چین کے پرانے ریکارڈ سے ان عرب قاصدوں کا حال ملتا ہے جو پیغمبر عربؐ کا خط لے کر گئے تھے۔" (ص۲۲۹) عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام کا مؤلف اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ شاید وہاب ابن ابی کبشہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہ بھیجا ہو بلکہ وہ خود ہی تاجرانہ حیثیت سے چین گیا ہو (ص۱۳۳)

جو مسجد کانٹن میں اسلام کے پہلے مبلغ نے بنائی تھی۔ اُس کے گرد آہستہ آہستہ عرب کے تاجروں کی بڑی بستی آباد ہو گئی۔

آرنلڈ لکھتا ہے کہ جس وقت کانٹن میں مسلمانوں کی آبادی قائم ہو گئی تو وہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھنی شروع ہو گئی۔ کچھ تو اس طرح کہ باہر سے مسلمان آئے اور کانٹن کے مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے اور کچھ اس طرح کہ مسلمانوں نے چین کی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کیں نیز چینیوں کو اسلام کی دعوت دے کر اور مسلمان بنا کر اپنی تعداد کو بڑھا لیا۔ ۷۵۸ء میں ایک اور طریقے سے مسلمانوں کی تعداد یہاں زیادہ ہو گئی۔ یعنی چار ہزار عرب سنت سنگ نامی شاہ چین کی امداد کے لیے بغداد سے آئے اور آب و ہوا کی عمدگی اور اشیائے خوردنی کی کثرت کو دیکھ کر یہیں رہ گئے۔ یہاں انھوں نے چینی

---

[۱] دعوت اسلام ص۳۲۷۔ [۲] تاثراتِ چین ص۱۲۰

عورتوں سے شادیاں کر کے چین کے اُن مسلمانوں کو پیدا کر دیا جو فطرۃً چین میں اب تک بکثرت موجود ہیں۔[1]

آرنلڈ کے خیال میں چین میں اشاعت اسلام کس طرح ہوئی

آرنلڈ کے خیال میں چین میں اسلام کی اشاعت اس طریقے سے نہیں ہوئی کہ علانیہ اسلام کا وعظ کیا گیا ہو۔ بلکہ چین کے مسلمان لوگوں کو چپکے چپکے مسلمان کرنے میں بہت ساعی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چینیوں کے مختلف گروہ رفتہ رفتہ اسلام قبول کر کے آپس میں متحد ہوتے جاتے ہیں۔

کوانگ سی

۱۷۹۰ء میں کوانگ سی کے صوبے میں قحط پڑا تو مسلمانوں نے یہ کام کیا کہ لوگوں سے اُن کے دس ہزار بچے خرید لیے۔ لوگوں نے تنگدستی اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اپنے بچوں کو مسلمانوں کے ہاتھ بیچ ڈالا اور انھوں نے اُن کو اسلام کی تعلیم دے کر مسلمان بنا لیا۔[2]

چینی مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا انفرادی شوق

تیرسان لکھتا ہے کہ اگرچہ چین کے مسلمانوں میں کوئی ضابطہ اشاعت اسلام کا موجود نہیں۔ لیکن اُن میں تبلیغ اسلام کا انفرادی شوق بے حد بڑھا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں بکثرت لوگ مسلمانوں کی قوم میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ مسلمان اس وقت کے منتظر ہیں جب تمام سلطنت چین میں ہر جگہ اسلام ہی اسلام ہوگا۔"[3]

حضرت عثمانؓ کی دعوت اسلام شاہ چین کو

سلطنت چین کے شمال مغربی ملکوں میں اسلامی مبلغین وسط ایشیا سے پہنچے بہ زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کا تھا۔ تقریب یہ ہوئی کہ فارس کے آخری ساسانی بادشاہ یزدجرد۔ کے قتل ہونے کے بعد اس کے لڑکے فیروز نے شہنشاہ چین سے عربوں کے خلاف مدد مانگی۔ شہنشاہ نے کہا "یہ تو ممکن نہیں مگر ہاں خلیفہ اسلام سے ہم تمھاری سفارش ضرور کر سکتے ہیں"۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد کو فیروز کی سفارش کے لیے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں مدینے بھیجا۔ چینی سفیر کی حضرت عثمان نے بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے ایک مبلغ کو شہنشاہ کی خدمت میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے چینی سفیر کے ساتھ روانہ کیا۔ شہنشاہ نے اس اسلامی پیغامبر کی بڑی خاطر تواضع کی اور اُس سے بہت مہربانی اور لطف کے ساتھ پیش آیا اور اس کے پیغام کو توجہ کے ساتھ سنا لیکن اسلام نہیں لایا۔ یہ واقعہ سنہ ۳۱ھ مطابق ۶۵۱ء کا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے عہد میں چین کو اسلام کی دعوت

اس کے بعد اموی بادشاہ ولید بن عبدالملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ / ۷۰۵ء تا ۷۱۵ء) کے زمانے میں حاکم خراسان قتیبہ بن مسلم نے بھی شہنشاہ چین کو ایک تبلیغی خط روانہ کیا تھا اور ایک تبلیغی وفد بھی ہبیرہ بن شمرج کنانی کی زیر قیادت اُس کے پاس بھیجا تھا۔ مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔[4]

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۳۲۲۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۳۳۳ [3] رسالہ ثمرات الفنون بیروت ۲۶ شوال ۱۳۱۱ھ صفحہ ۲ [4] تاریخ ابن خلدون

مسلم تاجروں اور مبلغین کی تبلیغ چین میں

بعد میں کئی اموی اور عباسی بادشاہوں کی طرف سے چینی شہنشاہ کے پاس تحائف اور سفیر آتے جاتے رہے اور دونوں سلطنتوں میں تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ ان تعلقات کے نتیجے کے متعلق آرنلڈ اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے "جب چین اور اسلامی حکومت میں تعلقات قائم ہو گئے اور تجارت کو ترقی ہوئی تو ضرور ہے کہ مسلمان تاجروں کی وجہ سے (جن کو اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کا بڑا شوق تھا اور جو دیگر دور دراز ملکوں مثلاً ماوراءالنہر، بخارا اور عرب سے آ کر چین میں تجارت کرتے تھے) دعوت اسلام میں بہت سہولت پیدا ہوئی ہوگی" مسلم تاجروں کے علاوہ اسلامی مبلغین بھی اس وقت بڑی کثرت سے چین میں آئے اور یہاں اسلام کی تبلیغ کی اور خاص کر شہنشاہ کی خدمت میں اسلام کو پیش کیا۔ چنانچہ ایک چینی مورخ نے لکھا ہے "ایک سو مختلف ملکوں سے جو ہمارے ملک سے تین تین ہزار میل کے فاصلے پر ہیں مغربی وحشیوں کے گروہ سیلاب کی طرح ہمارے ملک میں آ گئے ہیں۔ یہ لوگ شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مقدس کتب۔ جن کو وہ آسمانی اور الہامی کہتے ہیں شہنشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو قبول کی جاتی ہیں اور شاہی محل کے ایک مخصوص حصے میں جہاں دینی کتابوں کے ترجمے کا کام ہوتا ہے محفوظ کر دی جاتی ہیں۔ جب سے یہ اجنبی لوگ آئے ہیں۔ اس وقت سے اُن کا مذہب یہاں پھیل گیا ہے اور چینی باشندے بڑی آزادی کے ساتھ اُن کے مذہب کو قبول کر لیتے ہیں اور اُن کے پیرو بن جاتے ہیں"

شانسی

۷۴۲ء میں چین کے شمالی صوبے یعنی شانسی کے شہر میں سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر ہوئی کیونکہ وہاں کے لوگ زیادہ مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کو نماز کے لیے مسجد کی ضرورت تھی

کانسوہ

اسی کے ساتھ صوبہ کانسوہ میں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہ دونوں شہر "ہوئی ہو" قوم کی عملداری میں شامل تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں اس قوم کا خان جس کا نام ساتوک تھا مسلمان ہو گیا۔ اُس نے اور اُس کے جانشینوں نے اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔

قوم اوگر کا قبول اسلام

خان "ہوئی ہو" کی رعایا میں "اوگر" کا گروہ بھی شامل تھا۔ یہ گروہ ایک ترکی جرگہ تھا جس سے عثمانیہ ترکوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ اوگر کے گروہ سے تنگانیوں کی اصل بھی بیان کی جاتی ہے۔ تنگانی ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں نومسلم۔

اس کے علاوہ ایک بیان یہ ہے کہ تنگانی یعنی چین کے مسلمان اوگر کے گروہ سے ہیں جو چین کے شاہی خاندان کے عہد (۱۱۲۷ء تا ۱۲۸۰ء) میں دیوار چین کے قریب بسایا گیا تھا۔ جب یہ گروہ یہاں آباد ہوا تو اس نے چینی عورتوں سے شادیاں کیں۔ زمانہ مابعد میں جب اس گروہ نے اسلام قبول کیا تو اس کے ہم قوم بھی جو خاص چین میں رہتے تھے۔ مسلمان ہو گئے۔

باہر کے مسلمانوں کا چین میں جا کر آباد ہونا

مغلوں کی فتوحات کے زمانے میں شام، عرب اور ایران کے بہت

سے مسلمان چین میں آکر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ یا تو تاجروں۔ پیشہ وروں اور سپاہیوں کی حیثیت سے اس ملک میں آئے یا محض چین میں آباد ہونے کے خیال سے یا لڑائیوں میں گرفتار ہو کر چین میں پہنچ گئے۔ غرض چین میں مسلمان کثرت سے آباد ہو گئے۔ ان کو وہاں ہر طرح سے ترقی ہوئی اور چینی عورتوں سے انھوں نے شادیاں بھی کر لیں۔ جس سے ان کی نسلوں میں زبردست اضافہ ہوا۔

پیکن | پیکن میں قوبلائی خاں نے ہوئی ہو کی قوم کے لیے جس نے اسلام قبول کر لیا تھا ایک شاہی مدرسہ جاری کیا۔

یاماں | چودھویں صدی کے آخر میں ایک عہد نویس مورخ نے لکھا ہے کہ صوبہ یاماں کے کل باشندے اس کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے۔

منگولیا | شمالی چین میں بخوبی شایع ہونے کے بعد اسلام نے اپنا رخ آگے کی طرف بڑھایا اور آہستہ مگر دبا کر قدم رکھنے شروع کیے۔ یہاں اسلامی مبلغین نے بہت احتیاط کے ساتھ اشاعت اسلام کے وہ طریقے اختیار کیے۔ جو کسی دوسرے کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ مگر اس تبلیغی تحریک کا حال جو شمال سے جنوب کی طرف شروع ہوئی۔ تاریکی میں ہے لیکن مسلمانوں کی مختلف قومیں جو یہاں موجود ہیں اس تحریک کی کامیابی کا ثبوت ہیں۔ چنانچہ جنوبی منگولیا کے تمام شہروں میں۔ جہاں کی آبادی عموماً بدھ مذہب کی پیرو ہے۔ مسلمان بھی بکثرت موجود ہیں۔

چین میں آباد یہودیوں کا اسلام کو قبول کرنا | یہ واقعہ بھی خاصا دلچسپ ہے کہ چین میں رہنے والے اکثر یہودیوں نے اسلام قبول کر کے چینی مسلمانوں کی تعداد کو بڑھایا۔ یہ یہودی چین میں بہت قدیم زمانے سے آباد تھے چینی سلطنت نے انھیں نوکریاں بھی دی تھیں اور جاگیریں بھی لیکن سترھویں صدی کے خاتمے پر ان میں سے بہت سے یہودیوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی کوشش کی جس کی وجہ سے چین میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

باب ہفدہم

انڈونیشیا میں اسلام کی تبلیغ

انڈونیشیا کو پہلے جزائر شرق الہندیا مجمع الجزائر ملایا کہتے تھے۔ یہ دنیائے اسلام میں سب سے بڑی مسلم آبادی کا ملک ہے جسے ڈچ قبضے سے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو آزادی ملی جمہوریہ انڈونیشیا چھوٹے بڑے قریباً تین ہزار جزیروں کا مجموعہ ہے جن میں سات کروڑ ۸۰ لاکھ انسان آباد ہیں۔ ان میں سے سات کروڑ ۵ ۳ لاکھ مسلمان ہیں اور صرف ۴۵ لاکھ میں ہندو عیسائی اور چینی وغیرہ شامل ہیں[1]۔ اس بات کے ثبوت میں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ انڈونیشیا کا ملک بہترین طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ نہ کبھی کسی مسلم فرمانروا یا سپہ سالار نے اس ملک کو فتح کرنے اور یہاں اسلام پھیلانے کے لیے اس پر حملہ کیا نہ اسلام لانے کے بعد یہاں کے لوگوں نے اسلام پھیلانے کے لیے تلوار ہاتھ میں لی۔ صرف مسلم تاجروں۔ اولیائے امت۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے اپنی ان تھک تبلیغی مساعی سے انڈونیشیا کے تمام کفرستان کو ایک عظیم اسلامی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں صاف طور پر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "اس سے بہت پہلے کہ تاریخوں میں اسلامی اثر کے پھیلنے اور بڑھنے کا ذکر آیا ہو۔ ہجرت کی ابتدائی صدیوں میں عربی تاجروں نے ان جزیروں میں اشاعتِ اسلام کی ابتدا کی"۔[2]

ان جزائر میں اشاعت اسلام کے طریقوں کی تفصیل بیان کرتا ہوا آرنلڈ کہتا ہے "ان ہی تاجروں کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ان جزائر میں مسلمانوں کی ایسی بستیاں نظر آنے لگیں۔ جن کا ذکر زمانہ سلف کے مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھا ہے۔ یہ مسلمان تاجر جس وقت ان جزیروں میں آباد ہو گئے۔ تو انھوں نے جزیروں کی عورتوں سے شادیاں کیں اور غلام خرید کے پھر ان کو مسلمان کیا۔ ان بت پرست عورتوں اور غلاموں نے مسلمان ہو کر اہل اسلام کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کے افراد نے تبلیغی طور پر اپنی تعداد بڑھانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا"[3]

انڈونیشیا میں اشاعت اسلام کے ان طریقوں کو بیان کرنے کے بعد آرنلڈ ایک دوسرے انگریز محقق کرافورڈ کے حوالے سے لکھتا ہے:۔

"یہ طریقے تھے جن کی مدد سے مسلمانوں نے ان جزائر میں اشاعت اسلام کی سوشل اور پولیٹکل بنیاد ڈالی۔ یہ

---

[1] تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول ص ۱۔ روزنامہ امروز لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۵۷ء۔ [2] دعوت اسلام ص ۳۸۱

[3] دعوت اسلام ص ۳۸۲۔

حقیقت ہے اور اسے چھپایا نہیں جا سکتا کہ مسلمان ان جزیروں میں ملک کے فاتح بن کر نہیں آئے جیسے کہ سولھویں صدی عیسوی میں اسپین کے عیسائی یہاں داخل ہوئے تھے اور نہ مسلمانوں نے ان عیسائیوں کی طرح یہ دعویٰ کیا کہ ہم کسی زبردست قوم کے آدمی ہیں اور ہم کو اعلیٰ درجے کے حقوق حاصل ہیں۔ تاکہ ملک کے لوگوں کو ذلیل سمجھ کر ان پر ظلم کریں۔ بلکہ مسلمان صرف عام تاجروں کی حیثیت سے یہاں آئے اور اپنی بڑھی ہوئی ذہانت۔ اعلیٰ لیاقت اور بہتر تہذیب کی مدد سے اسلام کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ حکومت کے بل پر لوگوں کو آزار پہنچانا اور طاقت کے بل پر دولت جمع کرنا اُن کا مقصد نہ تھا۔"[1]

انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت کسی باقاعدہ سکیم کے ماتحت اور کسی ترتیب اور تسلسل کے ساتھ نہیں ہوئی۔ مختلف اوقات میں مختلف ممالک کے مبلغین اور تاجر یہاں کے مختلف جزیروں میں وقتاً فوقتاً آتے رہے اور ان جزائر کے باشندوں میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کرتے رہے۔ یہ مبلغین اور تاجر بھی مختلف خیال اور مختلف عقائد کے لوگ تھے اور ہر ایک نے اپنے عقیدے کے موافق اسلام کی تبلیغ کی۔[2] ذیل میں انڈونیشیا کے بعض نمایاں اور مشہور جزیروں میں اسلام کی ترویج و اشاعت کی مختصر کیفیت لکھی جاتی ہے :-

۱۔ جزیرہ سماٹرا انڈونیشیا میں سماٹرا وہ جزیرہ ہے جہاں سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت ہوئی۔ اس وقت یہاں تین قسم کے مذاہب موجود تھے۔ اوّل بدھ کے پیرو جو سب سے زیادہ تھے اور اس پاس کے جزائر میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ دوسرے ہندو جو دیوی دیوتاؤں کو پوجتے تھے تیسرے مظاہر پرست جو چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔[3] مبلغین اسلام نے ان تینوں مذاہب میں پوری کوشش کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی۔

سماٹرا میں سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ بارھویں صدی کے وسط میں ہوئی جبکہ ایک بزرگ جن کا نام شیخ عبداللہ عارف تھا۔ باہر سے یہاں اشاعت اسلام کے لیے تشریف لائے۔ اُن کو اپنی کوشش میں بڑی کامیابی ہوئی اور جزیرے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے مرید شیخ برہان الدین نے ۱۱۷۷ء میں قریباً تمام جزیرے کا تبلیغی دورہ کیا اور بہت سے بت پرستوں کو مسلمان بنایا۔ اُس وقت حضرت شیخ برہان الدین کے علاوہ دوسرے مبلغین بھی اس جزیرے میں لوگوں کی ہدایت کے لیے پہنچ گئے۔ ان میں سے "جہاں شاہ" نامی ایک مبلغ کا ذکر خاص طور سے ملایا کی تاریخوں میں آتا ہے۔ جو بعد میں یہاں کی ایک اسلامی ریاست کا بانی ہوا۔[4]

اس کے بعد اس ریاست کے ایک بادشاہ سلطان علی مغیث کے زمانے میں اسلام کو یہاں نہایت عروج حاصل ہوا اور بادشاہ نے خود اس کام میں عملی دلچسپی لی۔[5]

---

[1] کرانوروجلد دوم صفحہ ۲۶۵۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۳۸۳ و ۳۸۹۔ [3] تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول صفحہ ۲۶۶۔ [5] دعوت اسلام صفحہ ۳۸۵ سلطان علی مغیث نے اتجیہ (آچین) میں ۱۱۶۱ء سے ۱۱۸۶ء تک حکومت کی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے خود اسلام قبول کرنے کی مثال قائم کر کے اپنی رعایا کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔

چودھویں صدی عیسوی میں شریف مکہ نے چند داعیان اسلام کو تبلیغ کرنے کے لیے سماٹرا روانہ کیا۔ اس گروہ مبلغین کے امیر شیخ اسماعیل نامی ایک بزرگ تھے جنھوں نے گھر گھر اور قریہ بقریہ پھر کر توحید کا پیغام عناصر پرستوں اور بتوں کے پجاریوں تک پہنچایا اور اکثر لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ اُن کی تبلیغ سے یہاں کا راجہ مار اسیلو بھی مسلمان ہو گیا اور اپنا اسلامی نام ملک الصالح رکھا۔ ؎۱

۱۳۴۵ء میں طنجہ کا رہنے والا مشہور سیاح ابن بطوطہ سیاحت کرتا ہوا جب اس جزیرے میں پہنچا تو یہاں ملک الصالح کا بڑا لڑکا ملک الظاہر حکومت کر رہا تھا اور سماٹرا میں اسلام کو بڑی ترقی حاصل ہو گئی تھی۔ ؎۲

حضرت شیخ اسماعیل اور اُن کے ہمراہی مبلغین کو اپنی تبلیغی کوششوں میں نہایت عظیم الشان کامیابی ہوئی۔ چنانچہ چین کے ایک مورخ نے ۱۴۱۶ء میں سماٹرا کی ایک ریاست لمبری کی نسبت لکھا ہے کہ "وہاں دس ہزار خاندان ایسے ہیں جو بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں اور اپنے اسلام میں بڑے پختہ ہیں۔" ؎۳

چودھویں صدی کے آخر اور پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں داعیان اسلام کی تبلیغ سے سماٹرا کی ریاست "مینانگ کابو" میں بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ؎۴

بعد کی صدیوں میں بھی مبلغین اسلام وقتاً فوقتاً باہر سے آتے اور سماٹرا میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ جس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے اور سارے جزیرے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام پھیل گیا مثلاً ملک باتاکے باشندوں کو اچین کے مسلمانوں نے تبلیغ کر کے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا۔ سپیروک کے ضلع میں ایک بزرگ نے پچیس برس تک سارے علاقے میں پھر کر ضلع کی کل آبادی کو سوائے عیسائیوں کے مسلمان کر لیا۔ لمپانگ کے ضلع میں اسلام کا خاصا چرچا ہوا۔ بانٹن کی ریاست کے لوگ داعیان اسلام کی خاص کوششوں سے مسلمان ہو گئے اور وہاں اسلام نے بڑی ترقی کی اور گاؤں گاؤں میں مسجدیں بن گئیں۔ ؎۵

۱۶۔ جزیرہ نمائے ملایا | جزیرہ نمائے ملایا میں اسلام کی تبلیغ ریاست "ملکا" سے شروع ہوئی جو اس کے جنوب مغربی سرے پر واقع ہے۔ آرنلڈ نے ایک پرتگیزی مورخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۲۷۶ء میں عرب سے ایک اسلامی مبلغ یہاں آیا اور اُس نے ملکا کے راجہ کو مسلمان کر کے اُس کا نام محمد رکھا اور شاہ کا لفظ اس کے آگے اضافہ کر دیا۔ بادشاہ کو مسلمان کرنے کے بعد اس نے عام رعایا کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اُس کی تبلیغی مساعی کو قبولیت حاصل ہوئی اور ملکا کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

ملایا کی ریاستوں میں ریاست کیدا میں تبلیغ اسلام کی بڑی ہی دلچسپ اور پُر لطف کیفیت اس ملک کی تاریخوں

؎۱ دعوت اسلام ص ۳۸۶۔ ؎۲ دعوت اسلام ص ۳۸۷۔ ؎۳ دعوت اسلام ص ۳۸۷۔ ؎۴ دعوت اسلام ص ۳۸۹۔ ؎۵ تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول ص ۲۸۳۔

میں لکھی ہوئی ہے۔ جس کو کرامات خوش اعتقادی اور قصوں سے علیحدہ کر کے بہت مختصر طور پر ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

کیدا میں اسلام کی اشاعت ۱۱۵۰ء سے شروع ہوئی جبکہ ملک یمن کے ایک داعی اسلام شیخ عبداللہ یہاں وارد ہوئے۔ انھوں نے شہر میں آکر سب سے پہلے راجہ سے ملاقات کی اور اس سے پوچھا کہ آپ کا اور آپ کے مذہب والوں کا کیا مذہب ہے؟ راجہ نے جواب دیا کہ میرا اور میری رعایا کا وہی مذہب ہے جو بزرگوں کے وقت سے چلا آتا ہے۔" شیخ نے کہا "کیا آپ نے اسلام کا نام کبھی نہیں سنا؟ اور نہ قرآن کا جسے خدا نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب میں نازل کیا۔ جس کے بعد اور سارے مذہب باطل ہو کر ماننے کے قابل نہ رہے ہیں؟"

راجہ نے کہا "نہیں! میں نے اسلام کا نام کبھی نہیں سنا۔ نہ قرآن کا اور نہ تمھارے رسول محمدؐ کا۔ مہربانی کر کے مجھے اپنے مذہب کے متعلق بتاؤ کہ وہ کیسا ہے اور کیا تعلیم دیتا ہے؟ قرآن میں کیا لکھا ہے؟ اور اپنے رسول کے حالات بھی ہم کو بتاؤ۔ تاکہ ہم اس معاملے میں غور کریں اور اگر تمھارا مذہب ہمارے دین سے اچھا ہو تو اسے قبول کر لیں؟"

اس پر شیخ نے بہت خوبی اور عمدگی کے ساتھ اسے بت پرستی کی برائیاں اور خدا پرستی کی خوبیاں بتائیں۔ اسلام کے موٹے موٹے اصول بھی اسے تعلیم کیے اور قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی اسے بہت کچھ بتایا۔

شیخ کے کلمات کا راجہ پر ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ اسے شراب کی بڑی لت تھی اور ہر وقت مخمور رہتا تھا مگر جب شیخ نے کہا کہ "شراب مذہب اسلام میں حرام ہے اور ہمارے رسول نے اس کی سخت ممانعت کی ہے۔" تو اس نے شراب کے خُم منگوائے اور اپنے ہاتھ سے انھیں توڑ کر ساری شراب زمین پر بہا دی۔

اس کارروائی کے بعد شیخ نے کہا کہ "اسلام قبول کرنے اور خدائے واحد کو ماننے کے بعد آپ کے محل میں کوئی بت باقی نہیں رہنا چاہیے۔" راجہ نے پوجا پاٹ کے لیے ایک بت خانہ اپنے محل میں بنا رکھا تھا۔ جس میں سونے چاندی اور لکڑی پتھر کے بہت سے چھوٹے بڑے بت رکھے ہوئے تھے۔ راجہ نے شیخ سے یہ سن کر سارے بت منگوائے اور شیخ کے سامنے ڈھیر کر دیے۔ پھر شیخ نے ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا۔

پھر شیخ نے راجہ سے درخواست کی کہ آپ کے محل میں جس قدر عورتیں ہیں۔ مہربانی کر کے ان سب کو یہاں بلوا دیں۔ مجھے ان سے کچھ ضروری باتیں کہنی ہیں۔

راجہ نے سارے محل کی عورتوں کو بلا کر شیخ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جن میں رانیاں بھی تھیں اور باندیاں بھی اور دوسری مستورات بھی۔

شیخ نے ان عورتوں سے انھی کی زبان میں (جو اس نے جزیرہ میں آکر سیکھ لی تھی) ایسی نرمی اور ملائمت کے ساتھ بات کی اور مذہب اسلام کی خوبیاں ایسی دل آویزی سے بیان کیں کہ ان عورتوں کے دلوں پر بڑا اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گئیں۔

اس راجہ کے چار وزیر تھے۔ اب اس نے ان چاروں وزیروں کو بلوایا۔ وزیر دربار میں آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک درویش اور فقیر سا آدمی بڑے اطمینان کے ساتھ راجہ کے پاس تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ راجہ نے شیخ کے آنے اور اپنے اسلام لانے کا سارا قصہ وزیروں کو سنایا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو جائیں۔

جب شیخ نے اسلام کے ارکان اور اصول اُن وزیروں کو سمجھائے تو وہ چاروں بھی ایمان لے آئے۔

اب شیخ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور راجہ کی اجازت سے سارے شہر میں اس بات کا ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ رعایا کا ہر شخص فلاں میدان میں فلاں وقت حاضر ہو جائے اور اپنے ساتھ وہ تمام بُت بھی لیتا آئے جن کو وہ پوجتا ہے یا اس کے باپ دادا چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ وقت مقررہ پر تمام اہل شہر مع اپنے بتوں کے میدان میں جمع ہو گئے۔ شیخ نے ان کے سامنے ایک بہت پُرزور اور پُراثر تقریر کی اور اُن سب کو اسلام کی دعوت دی اور اُن سے کہا کہ تمہارا راجہ، تمہاری رانیاں اور سلطنت کے چاروں وزیر مسلمان ہو چکے ہیں۔ تم پر بھی واجب ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ اس پر وہ لوگ خوشی خوشی مسلمان ہو گئے۔ جس کے بعد شیخ نے اُن تمام بتوں کو جو لوگ اپنے ساتھ لائے تھے۔ توڑ کر وہیں میدان میں ڈال دیا۔

راجہ کا نام "پرمانگ مہاوانگسا" تھا۔ جو شیخ نے بدل کر مزلف شاہ رکھ دیا۔ چنانچہ وہ تاریخ میں سلطان مزلف شاہ کے نام سے مشہور ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد سلطان مزلف شاہ نے حکم دیا کہ اس کی قلمرو کے ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے اور ہر مسجد میں پانچوں وقت باقاعدہ باجماعت نماز ادا ہوا کرے۔ ہر نماز میں کم از کم چالیس آدمی ضرور حاضر ہوا کریں۔

اس کے بعد شیخ عبداللہ کچھ عرصے تک کیدا میں رہ کر وہاں کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔ ساحل اور اضلاع کیدا اور قرب و جوار کی بستیوں کے بہت سے لوگ اُن کے پاس آتے اور وہ اُن کو اسلام کے ارکان اور فرائض سکھاتے ہیں۔ [1]

مذکورہ بالا حالات کے علاوہ ملایا کی تبلیغی تاریخ میں مزید واقعات دریافت نہیں ہوئے۔ مگر یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ شیخ عبداللہ کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مبلغین اسلام اس علاقے میں آتے اور تبلیغ کرتے رہے۔ کیونکہ اکثر داعیان اسلام کی قبریں اس جزیرہ نما کے مختلف شہروں میں موجود ہیں اور مقامی مسلمان ان کی زیارت کو جایا کرتے ہیں۔ [2]

۱۴۔ جزیرہ جاوا جزیرہ جاوا میں تبلیغ اسلام کی ابتدا اسی جزیرے کے ایک شخص نے بارھویں صدی عیسوی کے خاتمے کے قریب کی۔ پجاجران کے راجہ نے جس کی سلطنت جاوا کے مغربی حصے میں تھی اپنے بعد دو لڑکے چھوڑے۔ بڑا لڑکا اگرچہ تخت کا

---

[1] ترجمہ تاریخ کیدا مترجمہ لفٹننٹ کرنل لو۔ جلد سوم صفحہ ۲۶۷ تا ۲۷۷۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۳۹۱ تا ۳۹۵

کا وارث تھا۔ لیکن اُس نے والیٔ ریاست ہونے کی بجائے ایک تاجر ہونا پسند کیا۔ اُس نے سلطنت چھوٹے بھائی کے حوالے کی اور خود تاجر بن کر ہندوستان کو روانہ ہوا۔ اس کا چھوٹا بھائی "پربو منڈگ سری" کے نام سے ۱۱۹۰ء میں پجاجرن کے تخت پر بیٹھا۔ بڑا بھائی جو سوداگر ہو گیا تھا۔ اثنائے سفر میں چند مسلم تاجروں سے ملا اور اُن کی تعلیم و تلقین سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنا نام "حاجی پروا" رکھا۔ کچھ دنوں بعد یہ واپس آیا اور اپنے بھائی کو تبلیغ کر کے مسلمان بنا لینا چاہا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ [1]

چودھویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں دعوت اسلام کی ایک تحریک کے بانی حضرت مولانا ملک ابراہیم تھے جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور چند مسلمان مبلغین کے ساتھ تبلیغ اسلام کی نیت سے جاوا تشریف لائے اور شہر گریسیک میں قیام فرما کر تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں وعظ و تلقین کے ذریعے نو مسلموں کی ایک معقول تعداد پیدا کر لی۔ [2] اس علاقے میں ۲۱ سال تک اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ کرنے کے بعد ۱۴۱۹ء میں آپ کا انتقال ہوا اور گریسیک میں دفن ہوئے۔ یہ جاوا کے سب سے پہلے ولی شمار کیے جاتے ہیں۔ [3]

اسی زمانے میں ریاست چمپا کے راجہ کی بیٹی نے ایک عرب سے شادی کر لی۔ جو ریاست میں تبلیغ کے لیے گیا تھا۔ نکاح کے بعد راجہ کی بیٹی نے اسلام قبول کر لیا۔ تھوڑے دنوں بعد اُن کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام "رُدن رحمت" رکھا گیا۔ اس کے باپ نے اُسے بڑی محنت اور کوشش کے ساتھ دین کا علم سکھایا تاکہ وہ بڑا ہو کر اسلام کا مبلغ بنے۔ اسی بہتر تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ نہایت فاضل اور بڑا متقی۔ پرہیزگار انسان ہوا۔ اہل جاوا اُس کو اولیائے عظام میں سے سمجھتے ہیں اور نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ اُس کے مزار کی زیارت کرتے ہیں۔

جب علم و حکمت اور عقل و دانش حاصل کرنے کے بعد رون رحمت جوان ہوا تو ماں باپ نے اسے جس مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔ وہ اس کے سپرد کیا اور ایک تبلیغی خط دے کر سب سے پہلے اُسے مجاپہت کے راجہ کے پاس روانہ کیا۔ جو رشتہ میں رون رحمت کا خالو ہوتا تھا۔ راستے میں جو جو مقامات آتے گئے۔ وہاں کے لوگوں کو رون رحمت تبلیغ کرتا اور اسلام کی دعوت دیتا چلا گیا۔ اُس کی پہلی منزل پالم بنگ میں ہوئی۔ جہاں وہ دو مہینے تک یہاں کے راجہ "اریادامر" کا مہمان رہا اور اس عرصے میں برابر اُسے تبلیغ کرتا رہا۔ رون رحمت کے سمجھانے سے وہ اسلام کا قائل تو ہو گیا۔ مگر اپنی رعایا کی ناراضگی کے خوف سے اُسے اتنی جرأت نہ ہوئی کہ علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کرتا۔ لیکن ذاتی طور پر اُس نے اپنے لڑکوں کی تربیت ایک مسلمان کے طور پر کی۔

اس کے بعد رون رحمت یہاں سے رخصت ہو کر گریسیک کے شہر میں آیا جہاں اس وقت حضرت شیخ جمادی الکبریٰ علی عرب سے آ کر تبلیغ اسلام کا فرض ادا کر رہے تھے اور بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت شیخ نے

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۳۹۶۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۳۹۸۔ [3] دعوت اسلام صفحہ ۳۹۹

نے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ردن رحمت کا استقبال کیا اور اُسے یہ خوش خبری دی کہ "مشرقی جاوا میں جس ولی اللہ کے آنے کی مدت سے خبر تھی وہ تم ہی ہو۔ پس اپنے فرض کو پہچانو اور خدا کے دین کی اشاعت اور اس کی تبلیغ میں اپنی زندگی وقف کردو۔ یقین جانو اس جزیرے میں اب بت پرستی اور عناصر پرستی کے زوال کا وقت بہت ہی قریب آگیا ہے۔ تم نے ذرا بھی کوشش کی تو ہزارہا لوگ بتوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن جائیں گے۔" ردن رحمت نے شیخ بزرگ کی یہ نصیحت بہت توجہ کے ساتھ اور اپنی تمام عمر تبلیغ اسلام میں صرف کردی۔

حضرت شیخ سے رخصت ہوکر ردن رحمت اپنے خالو راجہ مجاپہت کے پاس پہنچا اور اس کو والد کا تبلیغی خط دیا۔ راجہ اور رانی دونوں نے اگرچہ خود اسلام قبول نہیں کیا مگر ردن رحمت کی خوب آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی اور اُسے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور کچھ دنوں کے بعد اُسے شہر امپل کا حاکم مقرر کرکے بھیج دیا جو جاوا کے مشرقی ساحل پر گریسک سے جنوب کی طرف واقع تھا۔ اُس نے ردن رحمت کو اس امر کی کھلی اجازت دے دی کہ اپنے علاقے میں جس طرح چاہے اسلام کی تبلیغ کرے اور لوگوں کو مسلمان بنائے۔

ردن رحمت نے امپل میں قیام کے بعد اس سارے علاقے میں نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کردی اور امپل کا شہر جزیرہ جاوا میں اسلام کا زبردست مرکز بن گیا۔ دین حق کی ترویج اور اشاعت میں ردن رحمت کی سرگرمی کی شہرت بہت دُور دُور تک پھیل گئی۔ تو ایک اور مبلغ اسلام جن کا اسم گرامی مولانا اسحاق تھا۔ امپل میں آئے تاکہ تبلیغ اسلام کے کام میں ردن رحمت کی امداد کریں۔ ردن رحمت نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کو بالم بنگن کی ریاست میں اشاعت اسلام کے لیے بھیج دیا۔ یہ ریاست جزیرہ جاوا کے مشرقی گوشے میں تھی۔

اس کے علاوہ ردن رحمت نے ایک اور مبلغ شیخ خلیفہ حسین کو جزیرہ مدورا میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ چنانچہ مدورا پہنچ کر خلیفہ نے بہت جوش اور اخلاص کے ساتھ کام کیا اور جزیرے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ اس نے وہاں ایک مسجد بھی بنائی۔

مولانا اسحاق جن کو ردن رحمت نے بالم بنگن کی ریاست میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا جب وہاں پہنچے تو اتفاقاً راجہ کی بیٹی سخت بیمار ہوگئی۔ راجہ نے ہر چند علاج کیے مگر اُسے شفا نہ ہوئی۔ مولانا اسحاق طب جانتے تھے۔ انھوں نے راجہ سے کہا کہ میں انشاء اللہ دوا اور دعا سے شہزادی کو اچھا کردوں گا۔ بشرطیکہ راجہ اس بات کا وعدہ کرے کہ اگر شہزادی کو صحت ہوگئی تو وہ مسلمان ہوجائے گا۔" راجہ نے اس بات کو منظور کرلیا اور مولانا اسحٰق نے شہزادی کا علاج شروع کیا اور خدا کے فضل سے اُسے صحت ہوگئی۔ راجہ نے اس شکریے میں شہزادی کی شادی مولانا اسحاق سے کردی۔ مگر خود مسلمان نہ ہوا۔ البتہ شادی کے بعد شہزادی نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

شادی کے کچھ عرصے بعد ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رشن پاتا تھا۔ یہ بڑا ہو کر اسلام کا نہایت مشہور مبلغ ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ روشن رحمت نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی تھی۔ اس لیے روشن رحمت کے انتقال کے بعد یہی امپل اور گریسک کا حاکم مقرر ہوا۔ حاکم مقرر ہونے کے بعد اس نے گریسک سے بہت سے لوگوں کو تبلیغ اسلام کے لیے دوسرے علاقوں میں بھیجا۔ انہی میں روشن رحمت کے دو لڑکے بھی تھے۔ جنھوں نے جاوا کے شمال مشرقی ساحل کے مقامات میں اسلام کی تبلیغ کر کے بڑی شہرت اور نیک نامی حاصل کی اور آج تک جزیرہ میں اُن کا نام عزت اور عقیدت سے لیا جاتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دی تھی۔

یہ حال ہم نے جاوا کے شمال مشرقی ساحل کا بیان کیا ہے۔ مغربی صوبجات جاوا میں اُنھی ایام میں شیخ نورالدین ابراہیم تبلیغ اسلام میں سعی بلیغ کر رہے تھے۔ یہ بزرگ مدت تک مجمع الجزائر میں سیر و سیاحت اور تبلیغ اسلام کے بعد ۱۴۱۲ء میں جربون میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں کے زمانۂ قیام میں انھوں نے ایک عورت کا علاج کیا جس کو برص کا مرض تھا اور طبیب اُسے لاعلاج قرار دے چکے تھے۔ خدا کی قدرت سے اُسے شفا ہو گئی۔ اس اتفاقی واقعے سے اُن کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ عوام کے دلوں میں یہی واقعہ ان کی سچائی اور صداقت کا ثبوت بن گیا اور ہزارہا لوگ بڑی عقیدت سے اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ امرا اور رؤسا نے اُن کی مخالفت کی لیکن جب دیکھا کہ عوام اپنے جوش اور عقیدت میں اُن کی بات نہیں مانیں گے۔ تو اُن لوگوں نے اپنی خیر اسی بات میں سمجھی کہ مسلمان ہو جائیں تاکہ عوام کی ملامت کا ہدف نہ بنیں۔ چنانچہ غربا کے علاوہ بہت سے امرا نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

جربون میں قیام کے بعد مولانا نورالدین نے اپنے فرزند حسن الدین کو بانٹن میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ کیا۔ بانٹن جزیرہ جاوا کا مغربی صوبہ اور ریاست پجاجرن کے ماتحت تھا۔ حسن الدین کو یہاں بڑی کامیابی ہوئی اور جو لوگ ان کی تبلیغ سے اسلام لائے اُن میں سے آٹھ سو بُت پرست ایسے تھے جو سادھو بن کر دنیا کو ترک کر چکے تھے۔ بانٹن کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ حسن الدین نے لوگوں کو صرف وعظ و نصیحت سے مسلمان کیا۔ تلوار کے زور پر اس نے اپنے مذہب کی کبھی اشاعت نہیں کی۔

جب وسیع تبلیغ کے نتیجے میں جاوا میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی تو انھوں نے ہندوؤں سے جزیرے کی سلطنت چھین کر اپنے قبضے میں لانی چاہی اور سارے جزیرے میں ہندوؤں کے خلاف بغاوتیں برپا کر دیں جن میں ہندوؤں کو شکست ہوئی اور جاوا میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اس کے بعد اگرچہ صدہا برس تک جزیرے کے بہت سے باشندے بت پرست رہے۔ لیکن آج کل سوائے چند آدمیوں کے جزیرے کے سب

لوگ مسلمان ہیں

جس زمانے میں جاوا کے مسلمان ہندوؤں کی سلطنت کے بالمقابل اپنی حکومت جزیرہ میں قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں ملایا کے دیگر جزیروں میں داعیانِ اسلام نے وعظ و نصیحت کے ذریعے سے ایسا انقلاب پیدا کیا جس میں جنگ و جدل اور سرکشی و بغاوت کی قطعاً ضرورت نہ تھی اور یہ مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت میں ایسے سرگرم ہوئے کہ انھوں نے جزائر کے ہزارہا آدمیوں کو رفتہ رفتہ مسلمان کر لیا۔

۴۔ جزائر ملوکا | جزائر ملوکا میں اسلام کی ابتدا پندرھویں صدی عیسوی سے ہوئی۔ تیدور کے بُت پرست بادشاہ "سیر لی لیجاتو" نے ایک عرب شیخ منصور نامی کی تبلیغ اور ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ اس کے اسلام لانے کے بعد اس کی رعایا میں سے بھی اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔ منصور نے بادشاہ کا نام سلطان جمال الدین رکھا اور بادشاہ کے بڑے بیٹے کا نام جو اس کے بعد تخت کا مالک ہوا شیخ منصور کے نام پر منصور رکھا گیا۔

جزیرہ ترناتی کا بادشاہ ۱۴۹۵ء میں اسلام قبول کرنے کے لیے گریسیک (جاوا) گیا اس کے بعد جزیرہ ترناتی میں اسلام کی بتدریج اشاعت ہوئی۔ جب پرتگیزوں نے ترناتی پر قبضہ کیا تو وہاں اسلام کی ترقی بڑی سُست پڑ گئی۔ کیونکہ پرتگیزوں نے اسلام کی تبلیغ کو روک کر جزیرے کے بُت پرست باشندوں میں عیسائیت کو فروغ دینا چاہا اور ترناتی کے اسلامی مبلغ کو جو اس وقت وہاں تبلیغ اسلام کر رہا تھا جزیرے سے نکال دیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد وہاں عیسائیوں کے خلاف سخت ہنگامے برپا ہوئے جن میں بہت سے عیسائی مارے گئے اور بہت سے دیسی باشندوں نے عیسائیت کو ترک کر دیا۔ عیسائیوں اور عیسویت سے یہاں کے بت پرست باشندوں کو ایسی سخت نفرت پیدا ہوئی کہ اُن ایام میں مغربی جزیروں سے جو متعدد مسلمان مبلغین اس جزیرے میں اشاعت اسلام کی غرض سے وارد ہوئے تو یہاں کے بت پرست باشندوں نے عیسائیوں کے بالمقابل ان مسلمان مبلغین کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی۔

ترناتی اور تیدور کے بعد ملوکا کے دیگر جزائر میں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی مگر یہ اشاعت کچھ زمانے تک صرف ساحلی علاقوں تک محدود رہی۔ اندرونی حصّوں میں الفر کی قوم آباد تھی۔ جو کچھ عرصے کے بعد مسلمان ہو گئی۔ اسی طرح اس جزیرے میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا۔

۵۔ جزیرہ بورنیو | شروع شروع میں جزیرہ بورنیو میں اسلام کی اشاعت ساحل کے علاقوں تک محدود رہی حالانکہ یہاں اسلام کے پھیلنے کی ابتدا سولھویں صدی عیسوی کے شروع سے ہو چکی تھی۔ اسی زمانے میں اوّل

بنجر ماسین کی سلطنت میں اسلام پھیلا۔ یہاں اسلام کی اشاعت ریاست وامک کے لوگوں نے کی۔ بنجر ماسین میں ایک بغاوت ہوئی۔ راجہ کے پاس فوج کافی نہ تھی اس لیے اس نے ریاست وامک کے سلطان سے امداد کی درخواست کی۔ سلطان نے بہت سی فوج امداد کے لیے بھیجی۔ جس نے یہاں آکر فوراً بغاوت کو فرو کر دیا۔ مگر وہ لوگ ریاست سے جلدی واپس نہ گئے۔ بلکہ تمام جزیرے میں منتشر ہوکر انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور اُس وقت تک واپس نہ گئے۔ جب تک وعظ و نصیحت سے جزیرے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان نہ کر لیا۔

جب ۱۵۲۱ء میں سپین کے لوگ برونی کے شہر میں پہنچے (جو بورنیو کے شمال مغربی ساحل پر آباد تھا) تو معلوم ہوا کہ برونی کا بادشاہ مسلمان ہے اور رعایا میں سے بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

۱۵۵۰ء میں بورنیو کے مغربی ساحل پر سکدانا کے شہر میں اہل عرب نے اپنے مذہب کی تبلیغ کی اور اکثر لوگوں کو مسلمان بنایا۔ اُن کی یہ تبلیغ ۱۵۹۰ء تک مسلسل چالیس سال رہی۔ جس کے نتیجے میں جزیرے کے بیشتر حصے نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ ۱۶۰۰ء میں یہاں کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔ جس کے بعد یہ ایک اسلامی سلطنت بن گئی۔

ریاست سکدانا میں جب اسلام کو ترقی ہوئی۔ تو مکہ معظمہ سے ایک عرب شیخ اس جزیرے میں آئے۔ جن کا نام شمس الدین تھا اور جو شریف مکہ کا ایک خط سلطان سکدانا کے نام لائے تھے۔ جس میں اُسے سلطان محمد صفی الدین کا خطاب دیا گیا تھا۔ اس بادشاہ نے ۱۶۷۷ء میں انتقال کیا۔ یہ اس خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا جو اسلام لایا۔

جزیرہ بورنیو کے شمالی حصے میں زیدان نامی ایک قوم آباد تھی۔ جس نے ۱۶۶۲ء کے بعد اسلام قبول کیا اسی طرح جزیرے کے مغربی حصے میں دیاک قوم کے جو چھوٹے چھوٹے گروہ رہتے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔

۶۔ جزیرہ سیلیبس: اس جزیرے میں اسلام کی اشاعت بہت آہستہ آہستہ ہوئی اور ساحل سے شروع ہوکر جزیرے کے وسط تک پہنچی۔ سیلیبس کے باشندوں میں صرف مہذب قوموں نے (جن کا نام مکاسر اور بوگی وغیرہ ہیں) اسلام قبول کیا۔

مکاسر کی قوم بت پرست تھی۔ اُس کے اسلام لانے کا واقعہ آرنلڈ نے بڑا عجیب لکھا ہے ۱۶۰۳ء میں اس قوم نے ملاکا کے عیسائی گورنر اور اچین کی مسلمان ملکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے اپنے مناد اور واعظ ہمارے ہاں بھیجیں اور فیصلہ یہ کیا کہ جس مذہب کے مبلغ پہلے آجائیں گے اُسی کا مذہب اختیار کر لیا جائے۔ چونکہ اسلام کے مبلغ پہلے پہنچے لہٰذا ساری قوم مسلمان ہو گئی اور بہت پختگی کے ساتھ اسلام پر قائم رہی۔ عیسائی بعد میں پہنچے مگر انھوں نے اُن کو صاف جواب دے دیا۔

سیلیبس کی بوگی قوم میں اسلام کی اشاعت بتدریج اور دیر میں ہوئی۔ لیکن جس وقت یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

تو ان میں عربوں کی مانند چستی اور چالاکی اور جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ چونکہ یہ لوگ مجمع الجزائر کے ہر ایک حصے میں پھیلے ہوئے تھے لہٰذا ان کی وجہ سے ان تمام علاقوں کے بت پرستوں میں اسلام کی خاصی اشاعت ہوئی۔ انھوں نے جزائر کے ان عیسائیوں کو بھی مسلمان کر لیا جنھوں نے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا۔

اسی زمانے میں چند مسلمان تاجروں نے جن کے ساتھ بوگی قوم کے مسلمان شامل تھے ریاست بولانگ مانگندو کے جنوبی ساحل پر اسلام کی وسیع تبلیغ کی اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔ مسلمان ہونے کے بعد مانگندو کے دو مسلمان سوداگر جن کے نام باگس اور تووبکو اس تھے ریاست کے باقی حصوں میں اسلام کی اشاعت کے لیے روانہ ہوئے۔ انھوں نے اسلام کی تبلیغ کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اول تو بہت سے غلاموں کو مسلمان بنایا اور اس کے بعد عورتوں میں تبلیغ کر کے اُن کو اسلام کا مطیع کیا اور بیشتر عورتوں سے خود شادیاں کر لیں۔ ان عورتوں نے مسلمان ہو کر اپنے عزیزوں کو اسلام کی ترغیب دی اور پھر ان لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کو مسلمان بنایا۔ اسی طرح یہ سلسلہ پھیلتا گیا۔

۷۔ جزیرہ سمباوا جزائر سلیبس سے جزیرہ سمباوا میں جو اس کے قریب واقع ہے مکاسر کے واعظوں کی تعلیم و تلقین سے (جنھوں نے ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۰ء تک اس جزیرے میں دعوت اور وعظ کا سلسلہ جاری رکھا) اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اب اس جزیرے کے جس قدر مہذب باشندے ہیں اُن کا مذہب اسلام ہے۔ یہ لوگ مجمع الجزائر کے دیگر مسلمانوں کی نسبت زیادہ متقی اور زیادہ متشرع ہیں۔

۸۔ جزیرہ لمبوک لمبوک کا جزیرہ سمباوا کے قریب ہے۔ یہاں اسلام کی اشاعت بوگی قوم کے واعظانِ اسلام کے ذریعے سے ہوئی۔ آرنلڈ تسلیم کرتا ہے کہ "لمبوک کے باشندوں کا اسلام لانا نہایت پرامن طریقوں سے وقوع میں آیا۔"

۹۔ جزیرہ مندانو یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ یہاں اسلام کی ابتدا کس وقت سے ہوئی لیکن جب ۱۵۲۱ء میں اہل چین یہاں آئے تو وہاں اُس وقت مسلمان موجود تھے۔ جو مہذب اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ کپتان فورسیٹ نے ۱۷۷۵ء میں لکھا کہ "عربوں کو جزیرہ مندانو میں آئے ہوئے تین سو برس گذرے۔ عربوں کا سب سے پہلا مناد اور واعظ جو یہاں آیا اور اُس نے یہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کی۔ اور یہاں کے باشندوں کو مسلمان بنایا۔ اُس کا مقبرہ آج تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور یہاں کے لوگ جزیرے میں آنے والے ہر سیاح کو اُس کی زیارت کراتے ہیں۔ یہ مقبرہ کیا ہے۔ سنگ مرجان کے ہزاروں ٹکڑوں کا ایک ڈھیر ہے۔"

۱۰۔ جزائر زولو | اسلام کی اشاعت اور اُس کی ترویج کے متعلق جزائر زولو کے باشندوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ مدت ہوئی ایک عرب تاجر جس کا نام سید علی تھا، مکہ معظمہ سے زولو کے جزیروں میں آیا اور وعظ و نصیحت کے بعد یہاں کی نصف آبادی کو مسلمان کر لیا۔ اس عرب مبلغ کے آنے سے پہلے یہاں کے سارے باشندے بُت پرست تھے۔

جب سید علی نے آدھی آبادی کو مسلمان کر لیا۔ تو انھوں نے اظہار شکر کے طور پر اُسی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ چنانچہ سات برس تک اس نے نہایت نیک نامی اور عدل و انصاف کے ساتھ یہاں حکومت کی۔ اُس کا مزار آج تک زولو میں زیارت گاہ عوام ہے۔

سید علی کے بعد اس کا بیٹا زولو کے تخت پر بیٹھا اور اُس کے بعد اُس کا لڑکا سلطنت کا وارث ہوا۔ اُس کے عہد میں ایک اور داعی اسلام مکہ شریف سے زولو میں تبلیغ اسلام کے لیے آئے اور انھوں نے باقی آدھی بت پرست آبادی کو بھی وعظ و نصیحت کے ذریعے مسلمان بنا لیا۔

۱۱۔ نیوگنی | مجمع الجزائر کی مہذب قوموں میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اسلام بکثرت شایع ہوا۔ لیکن ادنیٰ قسم کے لوگوں میں اُس کو استحکام نہ ہوا۔ ان ادنیٰ قوموں میں جزائر نیوگنی کی پاپون قوم ہے اور جزائر واگیو، مسول، واگیما، اور سلاوتی کی قومیں ہیں۔ یہ سب کی سب جزیرہ نیوگنی سے شمال مغرب کی سمت میں واقع ہیں۔ سولھویں صدی عیسوی میں یہ سب جزیرے سلطان باتجان کی حکومت میں تھے۔ باتجان کے راجاؤں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اُس نے مسلمان ہو کر اپنا نام سلطان زین العابدین رکھا۔ پرتگیزوں کے بیان کے مطابق یہ بادشاہ ۱۵۲۱ء میں باتجان میں حکومت کرتا تھا۔ باتجان کے مسلمان بادشاہوں کی ترغیب اور تبلیغ سے قوم پاپون کے امیروں اور رئیسوں نے بھی جو واگیو، مسول، واگیما اور سلاوتی کے جزیروں میں سردار سمجھے جاتے تھے اسلام قبول کیا۔

۱۶۰۶ء میں نیوگنی کے مغربی ساحل یعنی جزیرہ نمائے اونن میں مسلمان تاجروں نے اپنے مذہب کی اشاعت کی اور بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا۔

پاپون قوم میں ایک شخص امام ذاکر کی تبلیغی کوششوں کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ شخص جزیرہ سیلام کے قریب کسی جزیرے سے ۱۸۵۶ء میں جزیرہ ادی میں آیا۔ یہ جزیرہ نمائے اونن کے مغرب میں ہے اور یہاں پوری تندہی اور خلوص کے ساتھ مقامی لوگوں کو اسلام کی تلقین کی۔ یہ جزیرے کے اکثر لوگوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو گیا اور جب مسلمانوں کی تعداد یہاں معقول ہو گئی تو اپنے وطن واپس چلا گیا۔

جزیرہ آدی کے قریب کائی کے جزیرے ہیں۔ یہاں کی پاپون قوم میں بھی تبلیغ اسلام کی خاص کوشش کی گئی اور

اکثر لوگ اسلام لے آئے۔ مدورا۔ جاوا اور بالی کے عرب تاجروں نے بھی یہاں اسلام کی اشاعت کی اور بقول آرنلڈ " لوگوں کو مسلمان بنانے میں کوئی بھی طریقہ بغیر آزمائے نہ چھوڑا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اس قوم میں سے جو آدمی بھی مسلمان ہوتا تھا اس کو دو سو فلورن کی قیمت کے تحفے دیے جاتے تھے اور جب کوئی سردار مسلمان ہوتا تھا اُس کو ایک ہزار فلورن ملتے تھے۔

انڈونیشیا کے جزائر میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جس قدر کام ہوا ہے۔ یہ اُس کی بہت ہی مختصر سی رپورٹ ہے۔ انڈونیشیا میں تبلیغ کے سارے حالات کتب تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول مرتبہ نور احمد صاحب قادری اور بیشتر مسٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام سے لیے گئے ہیں۔ مسٹر آرنلڈ نے یہ حالات بڑی تحقیق۔ کاوش اور تلاش کے بعد۔ یورپین مورخین کی کتابوں۔ یورپ کے سیاحوں کے بیانوں۔ انڈونیشیا میں تبلیغ کرنے والے پادریوں کی تحریروں اور انڈونیشیا کے ولندیزیوں اور پرتگیزوں کے حاکموں اور افسروں کی رپورٹوں سے اخذ و انتخاب کر کے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ انہی میں وہ بیانات بھی آ گئے ہیں جو خود انڈونیشیا کے مورخوں نے اپنی تاریخوں میں تبلیغ اسلام کے متعلق لکھے ہیں۔ ان سب سے اس امر کی کافی شہادت ملتی ہے کہ انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت پُر امن طریقوں سے ہوئی۔ اگرچہ بعض اوقات یہاں کے پُر جوش نو مسلموں نے اپنے اختیار کردہ دین کو پھیلانے اور اس کی اشاعت کرنے میں سختی سے بھی کام لینا چاہا۔ مگر یا تو اُن کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ خود ہی اس سے باز آ گئے اور یا پھر ان کو اپنی اس ناجائز کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور مجبور ہو کر انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔

انڈونیشیا میں اشاعتِ اسلام کا کام اگرچہ مبلغین۔ معلمین۔ واعظین۔ فقہا۔ علما اور حاجیوں نے بھی بہت زیادہ کیا۔ مگر یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ دعوتِ اسلام کے مقدس کام میں اس قدر حیرت انگیز کامیابی بیشتر مسلمان تاجروں اور سوداگروں کی محنت و کوشش اور خلوص کے باعث ہوئی۔ ان لوگوں نے ان جزائر کی زبان سیکھ کر اور یہاں کے باشندوں کی معاشرت اختیار کر کے اُن کے دلوں کو تسخیر کیا اور اُن میں دین اسلام کو اس طرح بتدریج پھیلایا کہ یہاں کی جن عورتوں سے نکاح کیا یا جو لوگ تجارت میں ان کے شریک یا نوکر رہے۔ سب سے پہلے اُن کو مسلمان کیا اور بجائے اس کے کہ غرور اور فخر ظاہر کر کے ملک کے لوگوں پر اپنی برتری ظاہر کرتے وہ اُن لوگوں میں بالکل مل جل گئے اور بڑی نرمی اور محبت سے اُن کو تبلیغ کرتے رہے۔ بکل نے بالکل سچ کہا کہ " داعیانِ اسلام بہت مدبر ہوتے ہیں "[1]

[1] دعوت اسلام صفحہ ۳۴۲۔

باب چہاردہم

امریکہ میں اسلام

امریکہ میں اسلام کی تبلیغ اور اُس کی اشاعت کے جو حالات اور واقعات اس وقت تک معلوم ہوئے ہیں۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم میں تو وہ لوگ شامل ہیں جو تبلیغ و ہدایت۔ وعظ و نصیحت۔ باہمی میل جول۔ آپس کے تعلقات یا مطالعہ کتب کے بعد مسلمان ہو گئے۔ دوسری قسم میں وہ مسلمان داخل ہیں۔ جو بیرونی ملکوں سے آ کر امریکہ میں آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ اُن کی نسل اور آبادی بڑھ کر امریکہ میں مسلمانوں کی ترقی اور عروج کا موجب ہوئی۔ ذیل میں ہم دونوں قسموں کا بہت مختصر حال لکھتے ہیں۔

امریکہ کے رہنے والے جو اصحاب بطور خود اسلام کی نعمت سے متمتع ہوتے۔ اُن میں جہاں تک اب تک معلوم ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نارمن نام ایک عیسائی پادری نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ فرقہ متھوڈسٹ کا ایک عیسائی پادری تھا۔ جو بطور مبلغ امریکہ سے سلطنت عثمانیہ کے مرکزی شہر قسطنطنیہ میں ترکوں کو عیسائی بنانے اور عیسویت کی تعلیم دینے کے لیے گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر جب وہ وہاں کے مسلم اراکین اور علماء و فضلاء سے ملا اور اُن کی صحبت سے مستفید ہوا۔ تو آخرکار وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس وقت مذہب اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو خدا تک پہنچنے کا صحیح اور سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے عیسائیت کو چھوڑ کر راہِ حق کو اختیار کیا اور شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جب کچھ مدت کے بعد وہ واپس اپنے وطن میں آیا۔ تو اُس نے یہاں پہنچ کر اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور ساری عمر امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کر کے یہاں کے لوگوں کو مسلمان بناتا رہا۔ (یہ بیان فرانس کے مشہور پروفیسر زبان اردو گارسن ڈتاسی کی کتاب "ہندوستان کی زبان اور ادب" مطبوعہ پیرس ۱۸۶۶ء کے صفحہ ۹۲ سے ماخوذ ہے۔)

اس کے بعد دوسرا شخص جو امریکہ میں مسلمان ہوا۔ وہ مسٹر الگزنڈر رسل وب تھے۔ جو امریکہ کے شہر ہڈسن (علاقہ نیویارک) میں ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ طبیعت شروع ہی سے مذہبی واقع ہوئی تھی۔ اس لیے تعلیم سے فراغت کے بعد ایک گرجا میں پادری کے فرائض انجام دینے لگے۔ مگر جلد ہی اُن کی طبیعت عیسویت کے موجودہ مسائل اور اعتقادات سے اکتا گئی اور انھوں نے گرجا کی ملازمت سے استعفےٰ دے کر بطور خود مذاہب عالم کی تحقیقات شروع کی۔ اس سلسلے میں بدھ مذہب اور برہمن مت کا عرصے تک خوب مطالعہ کیا۔

زرتشت اور کنفیوشسس کی تعلیمات بھی پڑھیں اور اسلام کے متعلق بھی کتابیں دیکھیں۔ اسی دوران میں اُن کو صوبجات متحدہ امریکہ کے پریزیڈنٹ نے حکومت کا سفیر بنا کر فلپائن میں بھیج دیا۔ جہاں آکر انھوں نے اسلام قبول کیا[1] اور ملازمت سے مستعفی ہو کر تبلیغ اسلام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ بمبئی کے ایک صاحب بدرالدین عبداللہ تور سے انھوں نے خط وکتابت شروع کی۔ جدّہ کے ایک دولت مند سوداگر حاجی عبداللہ عرب سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے امریکہ میں اشاعت اسلام کا کام شروع کرنے کے لیے ایک کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا۔[2] جس کے بعد یہ مزید چندہ جمع کرنے کے لیے ۱۸۹۳ء میں ہندوستان آئے اور بمبئی۔ مدراس۔ حیدرآباد دکن اور لاہور میں اشاعت اسلام کے متعلق لکچر دینے کے بعد نیویارک کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے ایک اسلامی مشن قائم کیا اور ایک اخبار "مسلم ورلڈ" کے ذریعے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت شروع کی۔ اسی دوران میں انھوں نے اسلام پر کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور "اسلام کے بنیادی عقائد" تھی۔[3] اُن کے ہندوستان کے وُرود کے متعلق اس وقت کے ایک اخبار نے حسب ذیل نوٹ لکھا تھا۔

"امریکہ میں ایک شخص مسٹر الگزینڈر وب کتب کے مطالعے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ ۱۸۹۳ء میں یہ ہندوستان آیا اور مختلف مقامات پر اس نے لکچر دیے۔ لاہور بھی آیا اور اسلامیہ کالج میں بڑا زبردست لکچر دیا۔ ہزارہا روپیہ مسلمانان ہندوستان نے اسے تبلیغ اسلام کے لیے دیا۔ یہ پھر واپس نیویارک چلا گیا اور وہاں سے اس نے ایک اعلےٰ درجے کا مطبع قائم کرنے اور ایک اسلامی اخبار نکالنے کا اعلان بڑے زور شور سے کیا۔ یہ بھی کہا کہ مطبع سے اسلام کی حمایت اور تبلیغ میں زبردست لٹریچر شایع ہوگا۔ علیگڑھ سے سر سید نے کلکتہ سے جسٹس امیر علی نے۔ حیدرآباد دکن سے نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی نے اس کو بڑی زبردست امداد دینے کا وعدہ کیا۔ نیویارک میں ایک مسجد بھی بنانے کا اس کا ارادہ تھا۔ مگر کوئی بھی تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی۔"[4]

جو لکچر اشاعت اسلام کے متعلق مسٹر وب نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں دیے تھے۔ وہ اُن کے ایک دوست مولوی حسن علی نے اُنھی ایام میں جمع کر کے کتابی شکل میں شایع کر دیے تھے مسٹر وب کا انتقال ۱۹۱۶ء میں ہوا۔[5]

جب سے مسٹر وب نے اپنا تبلیغی کام امریکہ میں شروع کیا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک تبلیغی

---

[1] مجدد اعظم جلد اول ص ۱۴۲، ۱۴۳۔ [2] دعوت اسلام ص ۴۹۷۔ [3] روزنامہ نوائے وقت اکتوبر ۱۹۵۴ء۔ دعوت اسلام ص ۴۹۷۔ [4] اخبار "وفادار" لاہور۔ مورخہ یکم مئی ۱۸۹۳ء۔ [5] نوائے وقت اکتوبر ۱۹۵۴ء۔

مساعی۔ ذاتی مطالعہ اور آپس میں تعلقات قائم ہو جانے کے نتیجے میں تین ہزار کے قریب امریکی باشندے دائرہ اسلام کے آغوش میں آ چکے ہیں۔ ۱؎

اس کے بعد ہم ان مسلمانوں کا کچھ حال بیان کریں گے جو خود یا اُن کے آباؤ اجداد دوسرے ملکوں سے آکر امریکہ میں آباد ہو گئے اور آج امریکہ میں فارغ البالی۔ آرام اور اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں:۔

باہر سے آکر کتنے مسلمان امریکہ میں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں۔ اس کا بالکل صحیح اور ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امریکہ میں مردم شماری کے وقت مذہب کی وضاحت نہیں ہوتی۔ البتہ ریاست ہائے متحدہ اور کینیڈا میں مسلم انجمنوں کی فیڈریشن کا تازہ ترین تخمینہ یہ ہے کہ اب امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار سے بڑھ کر ساٹھ ہزار تک ہو گئی ہے۔ مگر اس کے برخلاف ٹائمز میگزین کے ایک حالیہ شمارے میں امریکہ کے مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی گئی ہے۔ ۲؎

بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے سولھویں صدی میں مصر کا ایک مسلمان نصیر الدین نامی امریکہ آکر نیویارک کے علاقے ہڈسن میں آباد ہوا تھا۔ وہ کافی خوش حال تھا۔ مگر اُسے ریڈ انڈین قبیلے کے لوگوں نے آگ میں زندہ جلا دیا۔ کیونکہ اس نے سردار قبیلے کی ایک لڑکی کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا تھا۔

یہ تو ایک واحد مثال تھی۔ مگر امریکہ میں باہر سے مسلمان آبادکاروں کی باقاعدہ اور مسلسل آمد انیسویں صدی نصف آخر سے شروع ہوئی۔ جبکہ امریکی گورنمنٹ نے صحرائی علاقے میں اونٹوں کی نشوونما کے متعلق ایک سکیم پر عمل کیا اور اس غرض کے لیے تجربے کے طور پر کچھ اونٹ عرب سے منگوائے۔ ان اونٹوں کی نگہداشت کے لیے ان کے ساتھ ان کے رکھوالے کو بھی لانا پڑا۔ جس کا نام حاجی علی تھا اور جو امریکہ میں "ہی جولی" کے نام سے مشہور ہوا۔ اُس نے یہاں اپنے قدم جما کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی امریکہ میں بلوا لیا اور اس طرح امریکہ میں بیرونی مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ چل پڑا۔ جو اب بڑھ کر ایک لاکھ کی تعداد تک پہنچ چکا ہے۔

مسلمان تقریباً ہر اسلامی ملک سے امریکہ میں آکر آباد ہوئے۔ ان ملکوں میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے علاقے بھی شامل ہیں اور وسطی یورپ اور مشرقی یورپ کے باشندے بھی۔ وسط ایشیا کے تاتاری اور ترک بھی یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں اور جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان بھی۔ ۳؎

یہ تو علاقے وار تقسیم تھی۔ ذیل میں اُن ملکوں کی فہرست دی جاتی ہے جن سے وہاں کے مسلم باشندے امریکہ میں آکر آباد ہوئے۔ فلسطین۔ یوگوسلاویہ۔ البانیہ۔ ترکی۔ پاکستان۔ عراق۔ ایران۔ مصر۔ شام۔ لبنان۔ ٹری بنڈاڈ

۱؎ نوائے وقت ۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء۔ ۲؎ امریکی شعبہ اطلاعات کا ماہوار رسالہ "سیر بین" کراچی جلد ۱۱ شمارہ ۱۲ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۲۶۔ ۳؎ "سیر بین" کراچی بابت جنوری ۱۹۵۵ء ص ۱۰۔

کا کینشیا وغیرہ۔

باہر سے آئے ہوئے یہ مسلمان امریکہ کے مختلف شہروں اور اس کی مختلف ریاستوں میں بسے ہوئے ہیں سب سے زیادہ مسلمان ڈیٹرائٹ میں آباد ہیں۔ یہ شہر امریکہ میں موٹر سازی کی صنعت کا مرکز ہے۔ اس میں آج کل پندرہ ہزار کے قریب مسلمان رہتے ہیں۔ ان کے پیشے اور کام مختلف ہیں۔ بعض ڈاکٹر ہیں۔ بعض وکیل۔ بہت سے آدمی دوکانیں کرتے ہیں اور بہت سے مختلف کاروبار میں مصروف ہیں۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد فورڈ کے موٹروں کے کارخانے میں کام کرتی ہے۔ یہ لوگ آج سے چالیس سال پیشتر موٹر سازی کی ترقی پذیر صنعت میں بحیثیت مزدور کام کرنے کے لیے یہاں آگئے تھے۔ اب انھوں نے اپنے گھر بنا لیے ہیں۔ اور ان کی نئی نسل یا تو یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہی ہے یا طرح طرح کے پیشے اور ملازمتیں اختیار کر رہی ہے۔ ڈیٹرائٹ میں انھوں نے اپنی تین مسجدیں بنائی ہوئی ہیں۔ ایک امریکن مسلم سوسائٹی کی مسجد ہے۔ دوسری مسجد کا نام مسجد ہاشمیہ ہے۔ یہ دونوں مسجدیں ڈیربورن میں ہیں۔ جو ڈیٹرائٹ کی مغربی سمت میں ہے۔ تیسری مسجد البانوی مسلمانوں کی سوسائٹی کی ہے اور ڈیٹرائٹ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ [1]

ڈیٹرائٹ کے علاوہ تقریباً تین ہزار مسلمان شہر نیویارک کے علاقے میں ہیں۔ ڈھائی ہزار شکاگو میں۔ اور ڈیڑھ ہزار ٹولیڈو (اوہایو) میں رہتے ہیں۔ ڈیڑھ سو مسلمان سیڈار ریپڈس (آئیووا) اور چھ سو سیکرامنٹو (کیلیفورنیا) کے علاقے میں آباد ہیں۔ [2]

نیویارک میں مسلمانوں کی سرگرمیوں کا محور "امریکن مسلم سوسائٹی" ہے۔ جس کے زیر اہتمام بروکلن (نیویارک) کے محلے میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ انجمن کے معتمد ایک بہت مخلص انسان عبدالمومن شاکر مصری ہیں۔ جو وہاں کے نوجوانوں اور بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور عربی زبان کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس علاقے میں بہت سے حبشی مسلمان بھی آباد ہیں جو مسلمانوں کی تبلیغی مساعی کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو ٹری نیڈاڈ سے ہجرت کر کے یہاں آ بسے ہیں۔ نیویارک میں ایک چھوٹی سی مسلم انجمن اور بھی ہے جس کا نام "جمعیت الاسلام" ہے۔ یہ اُن ترکوں اور تاتاریوں نے اپنی تنظیم کے لیے قائم کی ہے جو وسط ایشیا میں اشتراکی استبداد کے مسلط ہو جانے کے بعد امریکہ آئے تھے۔ [3]

ہندوستان کے اُس علاقے سے جو اب پاکستان کہلاتا ہے۔ جو مسلمان امریکہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ ان میں سے جو مسلمان نیویارک میں رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی قومی مذہبی

---

[1] "سیرین" کراچی بابت دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۷۶۔ [2] سیرین جنوری ۱۹۵۹ء۔ [3] روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۵۸ء بحوالہ "سیرین" کراچی۔

اور اجتماعی سرگرمیوں کے لیے ایک لیگ قائم کر رکھی ہے۔ جس کا دفتر ۸۰ کلفٹن سٹریٹ۔ ڈاؤن ٹاؤن نیویارک میں ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۴۷ء میں رکھی گئی تھی۔ آج کل اس کے تین سو ممبر ہیں۔ یہ ایک مقامی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم۔ اُن کی اخلاقی تربیت۔ اُن کی مذہبی تقریبات اور انتقال کے بعد اُن کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرتی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں نے ۱۹۴۳ء میں بھی مسلم لیگ کے نام سے ایک تنظیمی جماعت قائم کی تھی۔

اگرچہ نیویارک میں مقیم اکثر مسلمان۔ مختلف کارخانوں میں مزدور کلرک اور منیجر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں مگر پاکستانی مسلمانوں کی بیشتر تعداد زراعت میں مشغول ہے۔ ان میں سے بعض مسلمانوں کی زرعی املاک ایک لاکھ ڈالر سے بھی زیادہ مالیت کی ہیں۔ کیلیفورنیا میں مسلمانوں کے ۹ ہوٹل اور کپڑے کی تین بڑی دوکانیں بڑی کامیابی سے چل رہی ہیں مسلمانوں کو منظم اور متحد رکھنے کے لیے یہاں دو انجمنیں بھی بنی ہوئی ہیں۔

عرب ممالک سے جو لوگ امریکہ میں گئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے وہاں سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات بھی نکال رکھے ہیں جو عربی زبان میں شایع ہوتے ہیں اور بارہ سے زائد مسجدیں بھی بنائی ہوئی ہیں۔ ان مساجد میں ریاست ہائے متحدہ کے دارالحکومت واشنگٹن کی عالی شان مسجد خاص طور سے ذکر کے قابل ہے۔ جس کے ساتھ ایک دارالعلوم بھی ہے۔ یہ عمارت امریکہ میں ”اسلامی مرکز“ ہے اور بارہ اسلامی ممالک نے اس کی تعمیر اور تیاری میں حصّہ لیا ہے۔ امریکہ کے سرکاری رسالہ ”سیر بین“ میں اس کی تعمیر کی کیفیت حسب ذیل شایع ہوئی تھی۔

”واشنگٹن کا ”اسلامی مرکز“ آزاد دنیا کے مسلمانوں کے عزم اور اتحاد کی ایک بے نظیر مثال ہے اور دس سال سے زیادہ باہمی تعاون کے بعد اب مکمل ہوا ہے۔

یہ ”اسلامی مرکز“ واشنگٹن کی سب سے زیادہ خوش نما سڑک میساچوسٹس ایوینیو پر واقع ہے۔ یہیں سفراء کے قیام کے لیے خوبصورت مکانات بنے ہوئے ہیں ”اسلامی مرکز“ کے ارد گرد وسیع لان ہیں جن میں سایہ دار درخت اور سدا بہار پودے اس کی خوبصورتی اور حُسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔

”اسلامی مرکز“ کی عمارت بارھویں صدی عیسوی کے اسلامی فن تعمیر کا ایک بہت ہی خوبصورت نمونہ ہے۔ یہ عمارت سفید ایلاباما پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ جس کے وسط میں مسجد واقع ہے۔ مسجد کے اِدھر اُدھر دو بازو کی عمارتیں ہیں۔ ایک مسقف راستہ جو ستونوں پر قائم ہے مسجد کو ان دونوں بازوؤں سے ملاتا ہے۔ شمالی بازو میں کمرۂ درس کی تمام سہولتیں ہیں۔ ایک کتب خانہ ہے اور ایک عجائب خانہ۔ جنوبی سمت کے بازو میں مسجد کے انتظامی عملے کے سکونتی حصّے شامل ہیں۔ مسجد کے وسطی دروازے پر آسمانی رنگ کی پچکاری

میں قرآن کریم کی یہ آیت نہایت خوش نمائی کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔ فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ ؎۱

اس وسطی صحن میں جس کے چاروں طرف ستونوں پر چھتیں قائم ہیں سُرخ سنگِ مرمر کا فوارہ چلتا رہتا ہے۔ اس مسجد میں پانچ سو نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اسلامی ممالک کی دوسری مساجد کے مقابلے میں اگرچہ یہ مسجد چھوٹی ہے مگر اپنی تعمیری تفصیلات کی تکمیل اور اپنے مجموعی حسن کے لحاظ سے نہایت اثر انگیز اور قابلِ یادگار مقامِ عبادت ہے۔ اس کا ایک ہی مینار ہے۔ جس کی بلندی ۱۶۰ فٹ ہے۔

مسجد کے لیے شاہِ ایران نے گیارہ اعلیٰ درجے کے قالین ہدیۃً دیے ہیں اور پوری مسجد میں ان کا فرش ہے۔ ترکی حکومت نے سات ہزار سلجوقی وضع کے ٹائل دیے جو دیواروں پر زمین سے چھ فٹ بلندی تک لگے ہوئے ہیں اور انہی نے مسجد کی پوری محراب کو زینت دی گئی ہے۔

سبز رنگ کے سنگ مرمر کے ستونوں پر پلاسٹر کی منقش محرابیں ہیں۔ یہ مسجد کے بلند وسطی گنبد تک چلی جاتی ہیں اور یہیں وہ بالائی دریچہ ہے جس سے مسجد میں روشنی آتی ہے۔

مسجد میں محراب کے پاس لکڑی کا ایک نہایت خوبصورت منقش منبر رکھا ہوا ہے۔ جس پر ہاتھی دانت کا نفیس کام ہوا ہے۔ اس کے اوپر چھت میں ایک نہایت ہی خوشنما فانوس لٹک رہا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مصر کی جانب سے ہدیہ ہیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے سفراء متعینہ واشنگٹن اور امریکہ کے مسلمان جن کے قائد "اے جوزف ہاورڈ" تھے۔ اس غرض سے جمع ہوئے کہ ریاست ہائے متحدہ کے دارالحکومت میں مسلمانوں کی عبادت گاہ اور دارالعلوم تعمیر کرنے کے مسئلے پر تبادلۂ خیالات کریں۔ اس جلسے میں یہ بات قرار پائی کہ واشنگٹن فاؤنڈیشن انسٹی ٹیوٹ قائم کی جائے جس کا نام بعد میں "اسلامی مرکز" قرار پایا۔

اس اسلامی مرکز کے اراکین بارہ اسلامی ممالک ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ پاکستان۔ افغانستان۔ مصر۔ انڈونیشیا۔ ایران۔ عراق۔ اردن۔ لیبیا۔ سعودی عرب۔ شام۔ ترکی اور یمن۔

ان ملکوں کے سامان اور روپے کی مدد سے اس منصوبے نے خیال سے حقیقت کی صورت اختیار کی۔ میساچوسٹس ایونیو میں بیلمانٹ روڈ پر تیس ہزار مربع فٹ کا ایک قطعۂ زمین خریدا گیا۔ مصری وزارتِ اوقاف سے اس اسلامی مرکز کی تعمیر کے لیے ایسے نقشے بنوائے گئے جو بالکل اسلامی طرزِ تعمیر کے مطابق ہوں۔ اس

؎۱ یہ اٹھارویں پارہ میں سورۂ نور کے پانچویں رکوع کی دوسری آیت ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جن گھروں میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اور جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے اللہ ان گھروں کو عزت دے گا۔

کے بعد یہ نقشے ایس۔ پورٹر اینڈ سنز کو جو واشنگٹن میں ایک تعمیری کمپنی ہے بھیج دیے گئے۔ اس کمپنی نے اسلامی مرکز" کی تعمیر کی ذمہ داری لی۔

اس کی تعمیر اور تیاری اے جوزف ہاور کی نگرانی میں ہوئی جنھوں نے اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں لیا بلکہ اسلامی مرکز کو بڑے عطیات اپنے پاس سے دیے۔ انہی میں سے ایک وہ فوارہ ہے جو صحن میں لگا ہوا ہے۔

"اسلامی مرکز" کی تعمیر اور اس کے اخراجات میں جو مسلم ممالک شریک ہیں ان کے نمائندے واشنگٹن میں مرکز کی مجلس نظماء میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بعض سربرآوردہ امریکی مسلمان اور غیر مسلم شہری اس بورڈ کے رکن ہیں۔

اگرچہ تعمیر میں خصوصی توجہ اور اہتمام کی وجہ سے مسجد کے اندرونی حصے کی تکمیل میں دیر ہوگئی۔ تاہم اس "اسلامی مرکز" کی بہت سی سرگرمیاں بہت پہلے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ وہ حصہ جو مسجد کی کرسی پر مشتمل ہے تین سال پہلے مکمل ہو گیا تھا۔ مسجد کے ساتھ ایک لکچر ہال کی بنیاد بھی ڈالی گئی تھی۔ جس میں تین سو آدمیوں سے زیادہ کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ مسجد کی تکمیل سے قبل اسی حصے میں نمازیں ادا ہوتی رہیں اور ریاست ہائے متحدہ اور مشرق وسطیٰ کے بیسیوں فاضلوں نے اس میں تقریریں کیں۔

۱۹۵۶ء سے "اسلامی مرکز" میں عربی کی ہفتہ وار کلاسیں کھل گئی ہیں اور وہ مسلمان بچے جو واشنگٹن کے علاقے میں رہتے ہیں۔ وہاں باقاعدہ مذہبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان سرگرمیوں کے علاوہ مرکز کے موجودہ ناظم ڈاکٹر محمد البعاؔ اور اُن کے مددگار حسنی جابور نے تمام ریاست ہائے متحدہ کے مسلم اجتماعات میں تقریریں کیں اور بہت سے آنے والوں کا اسلامی مرکز میں خیر مقدم کیا۔ گذشتہ چند سالوں کے اندر جن ممتاز آنے والوں نے مرکز کو دیکھا ہے۔ اُن میں جلال بایار سابق صدر ترکیہ۔ شاہ ایران محمد رضا شاہ اور انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو شامل ہیں۔

ان کے علاوہ کئی ہزار مسلم اور غیر مسلم اصحاب اسلامی مرکز کو دیکھنے کے لیے آئے۔ مسجد کی تکمیل سے قبل بھی اس مرکز کو دیکھنے کے لیے ایک ہزار آدمی سے زیادہ ہر مہینے آتے رہے اور اب تو یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے [1]

یہ تو ریاست ہائے متحدہ میں تبلیغ اسلام کی کیفیت تھی۔ اس کے بعد اب ہم جنوبی امریکہ میں اسلام کے اثر اور نفوذ کا کچھ حال لکھتے ہیں۔

جنوبی امریکہ بہت سی چھوٹی بڑی جمہوریتوں کا مجموعہ ہے جن میں سے برازیل۔ ارجنٹائن اور چلّی خاص طور سے مشہور ہیں۔ اس بات کو پچاس برس سے زیادہ گذر چکے ہیں جب فلسطین اور شام و لبنان سے عرب یہاں آکر آباد ہوئے جن کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی اور اب پانچ لاکھ کی تعداد میں سارے جنوبی امریکہ کے ممالک میں پھیلے ہوئے

---

[1] رسالہ "سیرین" کراچی جلد ۹ نمبر ۱۳ موزخہ ۵ جولائی ۱۹۵۷ء صفحہ

ہیں۔ یہ عرب آپس میں بہت متحد اور منظم ہیں اور اپنے معاملات کو انجام دینے کے لیے انھوں نے دو انجمنیں بنائی ہوئی ہیں جن کا صدر دفتر چلی کے دارالحکومت سینٹیاگو میں ہے۔ یہ لوگ یہاں مالی لحاظ سے بڑے خوشحال ہیں کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے انھوں نے قائم کر رکھے ہیں جن میں نہایت عمدہ قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔ ارجنٹائن کے دارالحکومت بوئنس آئرس میں عمدہ ریشم کے زبردست کارخانے کے مالک ہیں۔ برازیل میں انھوں نے زراعت میں بہت کافی ترقی کی ہے اور آہستہ آہستہ بڑی وسیع اراضی کے مالک بن گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں بعض لکھ پتی اور کروڑ پتی ہیں۔ یہی عرب جس وقت ابتدا میں یہاں آئے تو بہت ہی ادنیٰ حالت میں تھے۔ نہ کھانے کو خوراک تھی نہ رہنے کو ٹھکانا تھا مگر محنت کوشش۔ ہمت اور استقلال کی بدولت وہی تہیدست عرب آج امیر الامراء بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی۔ معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہاں کے عربوں کا درجہ نہایت ممتاز ہے۔ ان عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی اور مذہبی روایات کو زندہ رکھا ہے۔ قرآن کریم۔ دینیات اور عربی زبان کی تعلیم باقاعدہ طور پر اپنے بچوں کو دیتے ہیں۔ عربی زبان کے اخبارات بھی انھوں نے جاری کر رکھے ہیں۔

جنوبی امریکہ کے شمال مشرق میں ایک ڈچ کالونی سرینام ہے۔ وہاں آج سے ۷۵ سال پہلے ہندوستان کے بہت سے مسلمان جا کر آباد ہوئے۔ جو اس وقت بھی نہایت منظم اور متحد ہیں۔ اُن کی تعداد ۱۵ ہزار ہے اور جو مسجد انھوں نے یہاں بنائی ہے وہ حسن و نفاست میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ۲۸ جون ۱۹۵۷ء کو اس میں پہلی مرتبہ نماز جمعہ بڑی شان سے ادا کی گئی۔[۱]



۱۔ روزنامہ تسنیم لاہور مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۷ء

باب پانزدہم

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت

ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کی تاریخ طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اگر اُسے مفصل بیان کیا جائے تو کئی سو صفحات میں آئے۔ لیکن اس کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ پہلے ہی باوجود بہت مختصر لکھنے کے کتاب کے صفحات اندازے سے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا مجبوراً ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ جو مختصر ہونے کے ساتھ ایک حد تک جامع بھی ہے اور وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ ہندوستان کے ہر صوبے اور اُس کے ہر حصے میں وقتاً فوقتاً جس قدر تبلیغ ہوئی ہے اُس کی تفصیل علاقہ وار علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی۔ اس مضمون کو اس طرح لکھا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے اشاعت اسلام کے جو جو ذریعے استعمال کیے اُن کو ایک ترتیب اور تسلسل کے ساتھ گروہ وار تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ مضمون بہت مختصر ہو گیا۔ مگر اس کی جامعیت اور دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ امید ہے اس ترتیب کو ناظرین پسند فرمائیں گے۔

تبلیغ اسلام کے مختلف ذریعے اور طریقے

وہ ذریعے اور طریقے جو مسلمانوں نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ اور اُس کی اشاعت کے لیے استعمال کیے ہمارے علم اور ہماری واقفیت کے مطابق حسبِ ذیل تھے۔

۱۔ تبلیغ اسلام بذریعہ فقرا اور صوفیا

ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت جس قدر فقرا۔ صوفیا۔ مبلغین اور داعیانِ اسلام کے ذریعے سے ہوئی ہے اتنی کسی اور ذریعے سے نہیں ہوئی۔ اس مقدس گروہ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی۔ جس سے وہ دشمنوں کو اپنے سامنے جھکا سکتے۔ نہ دنیوی شان و شوکت۔ جاہ و حشمت اور حکومت و سلطنت تھی۔ جس سے وہ اپنے مخالفوں کو مرعوب کر سکتے۔ اُن کا کام نہایت مسکینی اور غربت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ تھا اور اس میں ان کو زبردست کامیابی ہوئی۔ ان میں سے چند بزرگوں کے حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) دوسری صدی ہجری میں چند داعیانِ اسلام نے ہندوستان میں دین اسلام کی اشاعت اور ترویج

میں جو کوشش کی۔ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بزرگ شیخ شریف ابن ملک اپنے بھائی ملک ابن دینار اور بھتیجے ملک ابن حبیب اور چند دیگر ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ آدم کی زیارت کے لیے جزیرہ سیلون کو جاتے تھے۔ راستہ میں کرانگا نور میں اُترے۔ اُن کے آنے کی خبر جب ملیبار کے راجہ کو ہوئی تو اُس نے ان سب لوگوں کو بلایا۔ جب وہ لوگ آئے تو راجہ اُن سے بڑی خاطر مدارات سے پیش آیا۔ شیخ شریف کو راجہ کے اس لطف و کرم سے جرأت ہوئی اور انھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات راجہ کو سنائے اور اسلام کے ارکان اور اس کی حقیقت راجہ کو سمجھائی۔ نیز معجزہ شق القمر کی کیفیت اُسے سنائی۔ اس تمام تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا یقین پیدا ہو گیا۔ آپؐ کی محبت سے اُس کا سینہ منور ہوا اور وہ آپؐ پر صدق دل سے ایمان لے آیا۔

راجہ کے مسلمان ہو جانے کے بعد جب شیخ شریف اُس سے رخصت ہونے لگے تو اُس نے بہت اصرار کے ساتھ ان سے کہا کہ قلعہ آدم کی زیارت سے فارغ ہو کر آپ اپنے ہمراہیوں سمیت کرانگانور کو واپس آئیں۔ میں آپ کے ساتھ مکہ معظمہ کا حج کرنے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کرنے کے لیے ضرور عرب چلوں گا۔ راجہ نے اُن کو یہ بھی سمجھا دیا کہ میرے اس ارادے کو ملیبار کے کسی آدمی پر ظاہر نہ کریں۔ [1]

جب شیخ شریف اور اُن کے ساتھی زیارت حرمین شریف سے فارغ ہو کر دوبارہ کرانگانور میں آئے تو راجہ اُن لوگوں کے ہمراہ جہاز پر سوار ہو کر عرب روانہ ہو گیا اور سلطنت کا انتظام اپنے ایک نائب کے سپرد کر گیا۔ مکہ اور مدینہ میں کچھ مدت رہنے کے بعد اس نے اس نیت سے وطن واپس آنے کا ارادہ کیا کہ وہاں چل کر خوب تبلیغ اسلام کروں گا اور جابجا مسجدیں بنواؤں گا۔ مگر راستہ میں وہ بیمار ہوا۔ اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔ نزع کی حالت میں اس نے اپنے رفیقوں کو وصیت کی کہ ملیبار میں دین حق کی تبلیغ کا جو مصمم ارادہ کیا تھا اس کا التوا ہرگز نہ ہو اور تم لوگ وہاں گھر گھر پھر کر لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچانا۔ اس مطلب کے لیے ایک پُرزور اور تاکیدی خط بھی اپنے نائب کے نام لکھ کر اس نے شیخ شریف کو دے دیا۔

شیخ شریف اور اُن کے ساتھی اس خط کو لے کر کرانگا نور میں آئے اور راجہ کے نائب کے سامنے اُسے پیش کیا۔

نائب نے خط پڑھ کر زمین کے چند قطعات اور دو چار باغ شیخ شریف اور اُن کے ساتھیوں کو دے دیے تاکہ وہ اُن میں سکونت اختیار کریں اور باغات کی آمدنی سے اپنا گذارہ کریں۔ اُس نے اُن کو تمام سلطنت میں پھر کر تبلیغ کرنے اور ہر جگہ مسجدیں بنانے کی بھی اجازت دے دی۔

---

[1] تحفۃ المجاہدین صفحہ ۴۹-۵۰

(۲) ملک ابن دینار نے تو کرانگانور میں اپنے مکانات اور ایک مسجد بنا کر وہیں مستقل سکونت کا ارادہ کر لیا۔ اور مقامی طور پر اشاعت اسلام میں مصروف ہو گیا۔

(۳) ملک ابن جیب جو ابن دینار کا بھتیجا تھا کچھ دن بعد ملک میں اسلام کی تبلیغ کرنے اور ہر جگہ مسجدیں بنانے کے لیے کرانگانور سے روانہ ہو گیا۔ وہ پہلے شہر کولن میں پہنچا اور وہاں اپنے اہل و عیال کے رہنے کا بندوبست کر کے اور ایک مسجد بنا کر ہو بائی مراوی کے شہر کو روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے کچھ لوگوں کو مسلمان کیا اور مسجد تعمیر کر کے بانگور۔ منگلور اور کنجر کوٹ کے شہروں میں پہنچا اور یہاں جہاں گیا تبلیغ کرنے اور لوگوں کو مسلمان بنانے کے بعد وہاں مسجدیں بناتا چلا گیا۔ اس کے بعد واپس ہو بائی مراوی آیا اور تین مہینے تک یہاں رہ کر تبلیغ کرتا رہا۔ پھر یہاں سے روانہ ہو کر زراقتن۔ درماقتن۔ فندریہ اور شالیات کے شہروں میں گیا اور ان سب شہروں میں تبلیغ کے بعد مسجدیں تعمیر کیں۔ شالیات میں اس نے پانچ مہینے قیام کر کے تبلیغ کی اور اس کے بعد اپنے چچا ملک ابن دینار کے پاس کرانگانور میں آیا۔ تاکہ نئے راجہ سے مل کر تعمیر شدہ مسجدوں کے اوقاف وغیرہ کا بندوبست کرے۔ راجہ سے فرمان وغیرہ لے کر اس نے پھر ایک وسیع دورہ کیا اور تمام مسجدوں کا معقول انتظام کرنے کے بعد کرانگانور میں واپس آیا۔ اب اس کا دل خدا کی رحمت اور اس کے فضل کا شکر گزار تھا۔ کیونکہ اس کی ان تھک کوششوں کے نتیجے میں اس سرزمین پر اسلام کا نور پھیل گیا تھا۔ جہاں پہلے نہایت کثرت سے بت پرستی ہو رہی تھی۔

اس کے بعد ملک ابن دینار اور ملک ابن جیب اپنے متعلقین اور ساتھیوں کو لے کر کولن کے شہر میں چلے آئے۔ یہاں ملک ابن جیب نے تو مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لیکن ملک ابن دینار اپنے وطن خراسان روانہ ہو گیا۔ بعد میں ابن جیب نے اپنے لڑکوں کو تو کولن میں آباد کر دیا اور خود بیوی کو لے کر کرانگانور میں چلا آیا اور یہاں دونوں کا انتقال ہو گیا۔ [1]

(۴) لاہور کے مشہور و معروف بزرگ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا بھی اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں بڑا حصہ ہے۔ آپ حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے تھے اور قریہ ہجویر (علاقہ غزنی) میں ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ تحصیل علم کے بعد آپ کے پیر حضرت ابو الفضل محمد بن الحسنؒ نے آپ کو حکم دیا کہ "تم جاؤ۔ اپنی زندگی کو نشر حق۔ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے لیے وقف کر دو۔ ہندوستان کا تمام ملک کفر و شرک سے بھرا پڑا ہے تم لاہور جاؤ اور اس کو اپنا مستقر بنا کر بتوں کے پرستاروں کو خدا کے بندے بنانے کا کام شروع کر دو۔ تمہیں اس راہ میں مشکلات بھی پیش آئیں گی اور تکالیف بھی پہنچیں گی۔ مگر ہر تکلیف اور ہر مشکل

---

[1] تحفۃ المجاہدین ص۵۳۔ ص۵۵

کو خوشی کے ساتھ سہنا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے آگے کسی بات کی پروا نہ کرنا۔ تم خدا کے دین کو اونچا کرو۔ خدا تمہارے نام کو اونچا کرے گا۔ تم سرزمین ہند کے روحانی مردوں کو زندہ کرو۔ خدا انہیں ابدی زندگی بخشے گا۔ تم خدا کے نام کو زندہ کرو۔ خدا تمہارا نام قیامت تک زندہ رکھے گا۔

حضرت داتا گنج بخش اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں بغیر کسی ظاہری سامان کے پا پیادہ سفر پر روانہ ہو گئے اور لاہور پہنچ کر نہایت تندہی کے ساتھ اس کام میں مصروف ہو گئے جس کے لیے انھیں یہاں بھیجا گیا تھا۔

اس وقت لاہور کا سارا علاقہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہ حضرت علیؒ ہجویری کا طفیل تھا کہ لاہور سے توحید کی شعاعوں نے بلند ہو کر سارے پنجاب کو منور کر دیا اور آپ کے وعظ اور آپ کی تبلیغ سے بکثرت ہندو ایمان لائے اور بتوں کے آگے سر جھکانے والے خدائے واحد کے پرستار بن گئے۔

جو لوگ حضرت کی نصیحت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے اُن میں رائے راجو کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ شخص سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا حاکم تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے اسے "شیخ ہندی" کا خطاب دیا اور اب یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

مسلمان ہو کر شیخ ہندی نے اپنے ایمان و اخلاص میں اس قدر ترقی کی کہ ۴۶۵ھ؍۱۰۷۲ء میں اپنے مرشد کے انتقال کے بعد ہی آپ کی مسند رشد و ہدایت پر بیٹھے اور آپ کے سجادہ نشین قرار پائے۔ آپ زندگی بھر اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مقدور بھر کوشش کرتے رہے اور اپنے مرشد کی تعلیم اور اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہے اور یہ سلسلہ ان کے خاندان میں قائم رہا۔[1]

(۵) حضرت داتا گنج بخش کے بعد پنجاب میں حضرت سلطان سخی سرورؒ وہ بزرگ ہوئے ہیں جنھوں نے اس علاقے میں ایسی نرمی اور محبت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کی کہ علاقے کے جو سکھ اور ہندو مسلمان نہیں بھی ہوئے وہ بھی اُن کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہو کر اُن کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ شیخ محمد اکرام اُن کا تذکرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "پنجاب میں شاید ہی کوئی مسلمان اہل اللہ ایسا ہو گا جس کے اس کثرت سے ہندو معتقد ہوں۔ آپ کے ہندو معتقدوں کو "سلطانی" کہتے ہیں اور جالندھر دوآبہ کے تمام زراعت پیشہ جاٹ ہندو جو سکھ نہیں ہو گئے۔ "سلطانی" ہیں"۔ حضرت سلطان سخی سرور ۵۷۷ھ؍۱۱۸۱ء میں شہید ہوئے۔ مزار شاہ کوٹ کے قریب ہے۔[2]

---

[1] روزنامہ امروز لاہور مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۳ء۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۹۶۰ء۔

[2] آب کوثر صفحہ ۹۲۔۹۳۔

(۶) لاہور کے ایک اور بزرگ حضرت سید احمد توختہ ترمذی بھی تبلیغ اسلام میں خاص شہرت رکھتے ہیں جنھوں نے اپنے وطن ترمذ سے آکر لاہور کے محلہ چہل بیبیاں میں سکونت اختیار کی اور "ہزار ہا طالبانِ حق را بحق رسانید و خلق کثیر از اں پیر روشن ضمیر بہرہ مند دنیا و آخرت شد" آپ کی وفات ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۵ء میں ہوئی۔ [1]

ان مشائخ کے علاوہ اور بہت سے ولی اور فقیر پنجاب میں تبلیغ اور اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ جن کے ناموں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان کی تبلیغی کوششوں کا ذکر اختصار کے پیش نظر چھوڑنا پڑا۔

(۷) اب ہم ایک ایسے اولالعزم۔ باہمت اور پُرجوش مبلغ اسلام کا ذکر کرنے لگے ہیں جو واقعی اسم بامسمیٰ تھا۔ یعنی سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ۔ ان کی تبلیغی کوششوں کا بیان آرنلڈ اس طرح کرتا ہے:۔

"ہندوستان کے مشہور و معروف اولیائے کرام میں سے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمت ہیں۔ جنھوں نے ملک راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت کی اور ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء [2] میں اجمیر میں انتقال کیا۔ یہ بزرگ سجستان کے رہنے والے تھے (جو ایران کے مشرق میں ہے) مشہور ہے کہ خواجہ صاحب جب مدینہ منورہ کی زیارت کو جا رہے تھے تو آپ کو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا حکم ملا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد کیا ہے۔ جا اور اجمیر میں [3] سکونت اختیار کر۔ خدا کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے ارادتمندوں کے تقدس سے اس سرزمین پر پھیل جائے گا"

خواجہ صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور اجمیر میں آئے۔ جہاں کا راجہ ہندو تھا اور جہاں ہر طرف بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچتے ہی جس ہندو کو اُنھوں نے سب سے پہلے مسلمان کیا۔ وہ ایک جوگی تھا جو راجہ کا گرو تھا۔ رفتہ رفتہ بہت سے لوگ خواجہ صاحب کے معتقد ہو گئے اور انھوں نے بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اب خواجہ صاحب کی شہرت سب طرف پھیل گئی اور اجمیر میں ہندوؤں کے گروہ کے گروہ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگے [4]۔ مشہور ہے کہ جس وقت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستے میں ۷۰۰ ہندوؤں کو انھوں نے مسلمان کیا"۔ [5]

حضرت خواجہ صاحب کی تبلیغی کامیابی کے متعلق صاحب سیر الاولیاء رقمطراز ہیں:۔

---

[1] آب کوثر ص ۹۵۔ [2] بعض تذکروں میں سال وفات ۶۳۳ھ لکھا ہے [3] اُس زمانے میں اجمیر کی دہلی سے بھی زیادہ قدر و عزت تھی کیونکہ ہندوستان کا مہاراجہ رائے پتھورا اجمیر میں رہتا تھا (آب کوثر ص ۲۲۵) [4] تاریخ ہند ایلیٹ جلد دوم ص ۲۴۸۔ [5] دعوت اسلام ص ۲۹۸۔

"آپ کے آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں کفر اور بت پرستی کا رواج تھا اور یہاں کا ہر شخص پتھر ڈھیلے۔ درخت۔ چوپاؤں۔ گائے اور اس کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور مضبوط ہو رہے تھے ۔

ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر — ہمہ غافل از حکم دین و شریعت

نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر — نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ

مگر خواجہ صاحب کے ہند میں تشریف لانے سے جو کہ اہل یقین کے آفتاب اور درحقیقت معین الدین تھے اس ولایت کی کفر کی تاریکی نورِ اسلام سے منور ہو گئی"۔ ۱؎

(۸) حضرت میر سید حسین خنگ سوار ایک شیعہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین کے ہمعصروں میں سے تھے۔ جو سلطان محمد غوری کی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور حضرت خواجہ صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ یہ اسلام کے بہت پُرجوش مبلغ تھے۔ مگر جس کو مسلمان بناتے اُسے حضرت خواجہ صاحب کے پاس لا کر بیعت کراتے۔ اس طرح بکثرت ہندوؤں کو آپ نے خلعتِ اسلام سے شرف یاب کیا۔ آپ کے جوشِ تبلیغ کو دیکھ کر ہندو آپ کے دشمن بن گئے اور ایک روز موقع پا کر ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ پر حملہ کر کے شہید کر دیا۔ آپ کا مزار تاراگڑھ کی پہاڑی پر ہے۔ ۲؎

(۹) حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر بڑے پایہ کے ولی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے وعظ اور آپ کی نصیحتوں سے نہ صرف مسلمان پکے مسلمان بنے بلکہ آپ کی تبلیغ سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانے میں وہاں کا ایک جوگی سمبوناتھ بڑا مہاتما اور خدا رسیدہ سمجھا جاتا تھا اور اُس علاقے کے ہندو اُس کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ مگر جب اُس کی آپ سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کی صحبت اور آپ کے کلمات سے اس درجے متاثر ہوا کہ قدموں میں گر پڑا اور اپنے بہت سے چیلوں کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔ ۳؎

پاک پٹن کے اطراف میں جس قدر مسلمان بستے ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد کو حضرت بابا صاحب ہی نے مسلمان بنایا تھا۔ ۴؎ آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۶۶۴ھ۔ بعض نے ۶۶۰ھ۔ بعض نے ۶۷۰ھ۔ بعض نے ۶۸۶ھ اور بعض نے ۶۹۰ھ لکھی ہے۔ عمر شریف ۹۳ برس کی ہوئی۔ مزار اجودھن میں اب تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ۵؎

۱؎ آب کوثر صفحہ ۲۲۷ بحوالہ سیر الاولیاء صفحہ ۴۷ ۔ ۲؎ آب کوثر صفحہ ۲۳۵ ۔ ۳؎ راحت القلوب صفحہ ۲۸ ۔ ۴؎ بزم صوفیہ صفحہ ۱۷۱-۱۷۲ ۔ ۵؎ بزم صوفیہ صفحہ ۱۴۰

اسلام کے ان چند مشہور خادموں کے علاوہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی۔ اودھ۔ پنجاب اور گجرات میں اسلام کے نور سے لوگوں کو مستفید کیا۔ حضرت اخی شیخ سراج الدین نے بنگال۔ بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں۔ حضرت خواجہ برہان الدین غریب نواز نے دکن میں اسلام کی تبلیغ کر کے لوگوں کو مسلمان بنایا حضرت شاہ شرف بو علی قلندر نے پانی پت کے علاقے میں بہت سے غیر مسلموں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری کے ہاتھ پر بہت سے غیر مسلم اسلام لائے۔ بہاولپور کے آٹھ پورے قبیلے اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ہاتھ پر ایک ہندو جوگی اپنے پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ اسلام لایا۔[1]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا یہ تبلیغی کارنامہ خاص طور سے نہایت شاندار ہے کہ آپ نے اپنے مخلص مریدین اور فاضل معتقدین کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں اسلام کی اشاعت کے لیے روانہ فرمایا اور آپ کے مقرر کردہ ان تمام شاگردوں نے نہایت تندہی اور نہایت ذوق و شوق اور پورے خلوص کے ساتھ اپنے مرشد کے احکام کی تعمیل کر کے ہندوستان کے مختلف حصّوں میں تبلیغی فرائض انجام دیے۔[2]

"بزم صوفیہ" اور "آب کوثر" میں اُن تمام داعیانِ اسلام کے نام اور حالات لکھے ہوئے ہیں جن کو حضرت خواجہ صاحب نے اشاعت اسلام کے لیے وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا۔ تفصیلات کے شائقین ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

تصوف کے مشہور سلسلوں یعنی چشتیہ۔ سہروردیہ۔ قادریہ اور نقشبندیہ کے بیسیوں بزرگوں نے تبلیغ حق اور اشاعت اسلام میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے تبلیغی حالات آب کوثر اور خزینۃ الاصفیا میں مفصل لکھے ہوئے ہیں۔

جن میں سے چند نام ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردی۔ حضرت شیخ جلال تبریزی حضرت شاہ جلال یمنی۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح۔ حضرت لال شہباز قلندر۔ حضرت سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری۔ حضرت حاکم شاہ۔ حضرت سید راجو قتال وغیرہ۔

پنجاب۔ سندھ۔ گجرات۔ بنگال اور دکن میں اسلام کی جس قدر اشاعت ہوئی۔ وہ بھی مقدس

---

[1] ہم نے یہاں بہت ہی مختصر اشارے کیے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے مفصل تبلیغی کارناموں کے لیے "بزم صوفیہ" ملاحظہ فرمائیں۔ [2] آب کوثر ص ۲۸۵۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے کی "آب کوثر" کے لائق مؤلف نے اپنی قابل قدر کتاب میں ان تمام صوبوں میں تبلیغ اسلام کی تاریخ بڑی خوبی اور نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

ان متذکرہ بالا علاقوں میں جن صوفیا اور فقرا کے ذریعے اسلام پھیلا اُن میں سے بعض نام اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ کچھ بزرگوں کے اسم ہائے گرامی نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ علاء الدین علاء الحق بنگالی لاہوری۔ قطب العالم شیخ نور الحق۔ شیخ رفیقۃ الدین۔ شیخ حسام الدین مانکپوری۔ شیخ شمس الدین طاہر۔ شاہ کاکو۔ شیخ جلال مجرد سلہٹی۔ سید موسیٰ دراق الحسنی۔ شیخ جمال الدین اچی۔ شیخ الاسلام شیخ سراج الدین۔ مولانا محمد طاہر پٹنی۔ قاضی عبد الوہاب۔ شیخ احمد کھٹو گنج بخش۔ بابا ریحان مشہور بوہرہ فاضل محمد علی پیر پرواز۔ حاجی ناصر عراقی۔ خواجہ اسحٰق۔ مولانا میاں۔ قاضی نور الدین الملقب بہ حضور۔ بالو چشتی۔ شیخ عبد اللطیف داول شاہ۔ سید یوسف الدین قادری۔ نور شاہ الملقب بہ نور ست گرد۔ شاہ شمس سبزواری۔ پیر صدر الدین۔ سید کبیر الدین حسن۔ سید امام الدین۔ عبد اللہ یمنی۔ سیدی احمد۔ طبل عالم سید مظہر ولی۔ سید ابراہیم شہید۔ بابا فخر الدین قادری۔ سید عبد القادر ولی ناگوری۔ خواجہ علاؤ الدین الحسینی۔ حضرت حیات قلندر عرف بابا بڈھن۔ پیر مہری۔ حاجی رومی بیجاپوری۔ شیخ صوفی سرمست اسد الاولیا۔ بابا شرف الدین عراقی۔ شیخ منتخب الدین۔ سید بندہ نواز گیسو دراز۔

ہندوستان کے صوبوں اور علاقوں میں غالباً سب سے زیادہ جوش اور اخلاص کے ساتھ صوفیائے کرام اور فقرائے عظام نے کشمیر میں تبلیغ کی۔ شروع میں وہاں ایک شخص بھی مسلمان نہیں تھا۔ مگر ان داعیانِ اسلام کے وعظ و نصیحت اور تبلیغ و اشاعت دین کا یہ حیرت انگیز نتیجہ ہوا کہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق وادیٔ کشمیر کی کل آبادی ۱۴ لاکھ ۶۴ ہزار ایک سو چونتیس افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں سے ۱۳ لاکھ ۶۹ ہزار چھ سو پچیس افراد مسلمان تھے۔

نئی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اسلام کا سب سے پہلا مبلغ جو اشاعت دین کے لیے کشمیر میں داخل ہوا جہیم بن سامہ تھا جو علافیوں کے ساتھ عراق سے ہندوستان آیا اور والیٔ سندھ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ کے ہمراہ کشمیر پہنچا۔ کشمیر میں جہیم بن سامہ کی تبلیغ سے جے سیہ نے اسلام قبول کیا اور سندھ واپس چلا گیا۔ مگر جہیم بن سامہ نے کشمیر میں مستقل قیام کر کے یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنانا شروع کیا اور مختلف مقامات پر مسجدیں بھی بنائیں۔ جہیم بن سامہ کشمیر میں ۹۳ھ بمطابق ۷۱۲ء میں آیا تھا۔ اُس وقت یہاں راجہ للتادتیہ مکتاپیدا کی حکومت تھی۔ [1]

---

[1] "کشمیر میں اسلام" مؤلفہ محمد اسد اللہ قریشی صفحہ ۱۳ بحوالہ فتوح البلدان باب دوم

کشمیر میں تبلیغ اسلام

اسی زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سلیط بن عبداللہ الحنفی کو تھنت اور کشمیر میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔[1]

اس کے بعد کشمیر میں تبلیغ اسلام کی اشاعت کا نیا دور آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) سے اُس وقت شروع ہوا جب کشمیر کے راجہ رینچن کو دو مبلغین اسلام شاہ میر اور حضرت سید عبدالرحمن الملقب بہ سید بلال عرف حضرت بلبل شاہ نے یکے بعد دیگرے تبلیغ کی اور اُسے مسلمان بنانے میں کامیاب ہو گئے مسلمان ہو کر اس نے اپنا نام صدر الدین رکھا اور یہی کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ ہے۔ اس نے ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء سے ۷۲۷ھ ۱۳۲۸ء تک دو سال ۷ ماہ حکومت کی۔

راجہ کے مسلمان ہونے کے بعد اُس کے وزیر اور سپہ سالار نے بھی اسلام قبول کر لیا جب عام رعایا نے یہ حال دیکھا تو ان میں سے اکثر لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس طرح کشمیر کے دس ہزار آدمیوں نے بت پرستی کو ترک کر کے توحید کو اختیار کیا۔

بعد کے زمانے میں جس بزرگ کو اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں سب سے زیادہ کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی۔ وہ امیر کبیر سید علی ہمدانی تھے۔ جو ایران کے شہر ہمدان میں ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو پیدا ہوئے اور تحصیل علوم کے بعد اکتیس سال تک تمام دنیائے اسلام کی سیاحت اور تبلیغ اسلام کے بعد اپنے سات سو مریدین کے ہمراہ بعہد سلطان شہاب الدین ۷۷۴ھ ۱۳۷۲ء میں کشمیر آئے اور نہایت باقاعدہ طور پر کشمیر کے طول اور عرض میں تبلیغی نظام قائم کر کے اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے کشمیر کے بہت سے شہروں میں مسجدیں تعمیر کیں، مدارس قائم کیے اور ہر شہر میں معلمین اور مبلغین کی ایک جماعت مقرر فرمائی۔

۷۸۳ھ میں آپ نے گلگت اور لداخ میں تبلیغ اسلام کا پروگرام بنایا اور بہت سے فقراء اور صوفیا کو ہمراہ لے کر وہاں تشریف لے گئے اور دو سال تک اُس تمام علاقے میں دورہ کر کے اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ ۵ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو بمقام کنار (کافرستان) آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے مریدین نے آپ کے جنازے کو ختلان میں لے جا کر دفن کیا۔ یہ شہر آج کل روس کی حکومت میں شامل ہے اور اس قصبے کا موجودہ نام ستالن آباد ہے۔

جن مبلغین اور داعیان اسلام نے آپ کی زیر نگرانی کشمیر میں تبلیغی فرائض انجام دیے اُن میں سے بعض اصحاب کے نام یہ ہیں:-

میر حسین سمنانی۔ سید جمال الدین۔ سید کمال الدین۔ سید جمال الدین علائی۔ سید فیروز۔ سید محمد کاظم

---

[1] کشمیر میں اسلام مولفہ محمد اسداللہ قریشی بحوالہ تاریخ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۔

ملقب بہ سید قاضی - سید رکن الدین - سید فخر الدین - شیخ محمد قریشی - سید مراد - سید عبداللہ - شیخ احمد قریشی حاجی محمد - شیخ سلیمان -

ان بزرگوں نے حضرت شاہ ہمدان کی ہدایت کے مطابق کشمیر کے مختلف مقامات کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ہر جگہ ایک خانقاہ قائم کی۔ اس کے ساتھ مسجد اور مدرسہ بھی بنایا اور لنگر خانے بھی جابجا جاری کیے۔ ہر خانقاہ میں ایسے مبلغین کی جماعتیں تیار کی جاتی تھیں جو دیہات میں جا کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کرتی تھیں۔

ان مبلغین کے علاوہ شاہ ہمدان کے بھانجے سید احمد اندرابی اور اُن کی اولاد نے بھی کشمیر میں بہت کافی طور پر اسلام کی تبلیغ کی اور ہزاروں ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ ان کی اولاد میں سے جن بزرگوں نے اسلام کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا اور جگہ جگہ پھر کر تبلیغ کی اُن میں سے نہایت نمایاں اصحاب کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں:-

سید محمد اندرابی - سید محمد ابراہیم اندرابی - سید شمس الدین - سید محمد میرک اندرابی - سید محمد طاہر - سید محمد افضل - قطب العالم سید محمد عنایت اللہ اندرابی - حاجی سید عتیق اللہ شہید اندرابی - سید کمال الدین اندرابی -

سادات اندرابیہ کے علاوہ سید علی ہمدانی کے فرزند میر محمد ہمدانی نے بھی اپنے والد محترم کے انتقال کے بعد تبلیغ اسلام میں خاص کوشش کی۔ آپ کا بڑا تبلیغی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے سلطان سکندر کے ہندو وزیر اعظم سنہا بٹ اور اُس کے سارے خاندان کو مشرف بہ اسلام کیا اور اس کا نام سیف الدین رکھا۔ آپ ۲۲ سال تک برابر کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ ۸۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

ان کے بعد جن بزرگوں نے کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اُن میں سے بعض کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

بابا یاسمین - شیخ نور الدین - بابا نصر الدین - بابا بام دین - سید احمد کرمانی - سید محمد حصاری - بابا زین الدین - بابا لطیف الدین - شیخ شکور الدین - شیخ حنیف الدین - شاہ ولی بخاری - بابا سعید -

اسی زمانے میں ایک صاحب میر شمس الدین عراق سے آئے۔ آپ نے نہایت شد و مد کے ساتھ تبلیغ شروع کی اور ۲۴ ہزار ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔

شیخ حمزہ مخدوم نے خواجہ طاہر سہروردی کے ساتھ مل کر کشمیر میں نہایت مستعدی کے ساتھ تبلیغی خدمات انجام دیں اور جگہ جگہ مسجدیں اور مدرسے بنائے۔

شیخ حمزہ کے بعد جن بزرگوں نے تبلیغ اسلام میں نام پیدا کیا وہ شاہ فرید الدین قادری ہیں۔ جو اپنے وطن

بغداد کو خیرباد کہہ کر تبلیغ کے شوق میں پہلے سندھ آئے اور پھر دہلی گئے۔ دہلی سے کشتواڑ (کشمیر) آئے اور یہاں اشاعتِ اسلام میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ اخیار الدین نے بھی تحصیل علم کے بعد اپنی عمر تبلیغ اسلام میں بسر کر دی۔

میر عبدالرشید بیہقی کی کوشش سے ایک فاضل برہمن نے مسلمان ہو کر اپنا نام شیخ عبداللہ رکھا۔ کشمیر کے موجودہ لیڈر شیخ عبداللہ ان کے پوتے کے پوتے ہیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے وقتاً فوقتاً کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ ان میں سے بعض کے نام نیچے لکھ کر کشمیر میں تبلیغ اسلام کے مضمون کو ختم کیا جاتا ہے:۔

ملا حیلی نقشبندی مجددی۔ خواجہ معین الدین نقشبندی۔ خواجہ داؤد کشمیری۔ شیخ محمد امین ڈار۔ شیخ محمد مراد۔ خواجہ عبداللہ ملخی۔ خواجہ نورالدین بخاری۔ خواجہ عبدالسلام۔ شیخ محمد صادق قلندر۔ خواجہ محمد اعظم مولف تاریخ اعظمی۔ شیخ بہاءالدین گنج بخش۔ شیخ نورالدین ولی۔ شیخ جلال الدین۔ شیخ محمد امین۔ بابا قدس۔ بابا ولی۔ شیخ محمد یعقوب۔ میر محمد۔ سید محمد یوسف۔ مولانا محمد کمال (اُستاد حضرت مجدد الف ثانی) شیخ محمد حبیب اللہ۔ شیخ محمد شریف۔ شاہ نعمت اللہ کشمیری۔ شاہ محمد قاسم حقانی۔ خواجہ زین الدین کشمیری۔ شیخ بابا علی کشمیری۔

کشمیر کے متعلق یہ مضمون "کشمیر میں اسلام" مؤلفہ محمد اسد اللہ قریشی۔ الحاج پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مقالہ "کشمیر میں تبلیغ اسلام" مندرجہ رسالہ حقیقت اسلام بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۵۸ء اور "اسلام اور کشمیر" مؤلفہ خواجہ الف دین وکیل کیمبل پور سے اخذ و انتخاب کر کے لکھا گیا ہے۔ جو صاحب اس مضمون پر ریسرچ کرنا چاہیں۔ وہ تذکرہ بالا مقالوں کے علاوہ دعوت اسلام۔ نگارستان کشمیر۔ گلزار کشمیر۔ تاریخ اعظمی۔ تاریخ کشمیر از منشی محمد دین فوق۔ تاریخ بڈشاہی۔ حدائق الحنفیہ۔ کتاب الہند بیرونی اور خزینۃ الاصفیا کا مطالعہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں KASHMIR مؤلفہ ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کا مطالعہ بھی ناظرین کی ازدیاد معلومات کا باعث ہوگا۔

۲۔ تاجروں اور سوداگروں کے ذریعے تبلیغ

عرب تاجروں کا ہندوستان سے تجارتی تعلق بہت قدیم زمانے سے قائم تھا۔ اسلام کے بعد اس تعلق میں بڑی ہمہ گیری پیدا ہو گئی اور نہایت کثرت کے ساتھ مسلم تاجر ہندوستان کے ہر حصے اور ہر علاقے میں دورہ کرنے لگے۔

ان سوداگروں کے ذریعے بھی ہندوستان میں بکثرت اسلام کی اشاعت ہوئی۔ مسلمان تاجروں نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے چار طریقے استعمال کیے:۔

(۱) جن تاجروں نے دینیات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور اسلام کے ارکان اور اس کے فرائض اور واجبات

کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اُنھوں نے جب بھی ان کو موقع لگا۔ ہندستان کے راجاؤں اور عام رعایا کے سامنے نہایت واضح طور پر خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو پیش کیا اور ہر بات دلائل اور براہین کے ساتھ سمجھائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی صاف صاف سیدھی باتیں یہاں کے لوگوں اور ان کے راجاؤں کے دلوں میں اثر کر گئیں اور انھوں نے اس وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آرنلڈ نے نہایت صاف طور پر مسلمان تاجروں کے اس ذریعۂ تبلیغ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"تعجب ہوتا اگر یہ عربی تاجر جو بت پرستوں کے شہروں میں جا بجا پھیلے ہوئے تھے تبلیغ اسلام میں وہی ہمت اور جوش صرف نہ کرتے جو دیگر مسلمان تاجروں نے دوسرے ملکوں میں صرف کیا تھا۔ ایسے ہی تاجروں کی ہدایت اور تلقین سے سماکی قوم نے اسلام قبول کیا جو ۱۰۵۳ھ سے ۱۵۲۱ء تک سندھ پر حکمران رہی۔ اس قوم کے ایک بادشاہ جام زند ابن بابنیہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کا زمانہ ایسے امن و امان کا تھا کہ نہ کبھی اس کو میدانِ جنگ میں سوار ہو کر جانا پڑا اور نہ کوئی دشمن اُس سے میدان جیت سکا[1]۔ اس بادشاہ کا عہد عدل و انصاف اور اسلام کی ترقی کے اعتبار سے مشہور تھا۔[2]"

ایک اور نہایت دلچسپ واقعہ مسلمان تاجروں کی تبلیغ کا بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں یہ لکھا ہے:۔

"کشمیر، کابل اور ملتان کے بیچ میں ہندوستان کا ایک علاقہ "عسیفان" کے نام سے مشہور تھا۔ اس علاقے کے لوگ ایک بت کو پوجا کرتے تھے جس کے لیے انھوں نے ایک مندر بنایا تھا۔ ایک دفعہ وہاں کے راجہ کا بیٹا بیمار ہوا۔ راجہ نے اس مندر کے پجاریوں کو بُلا کر کہا کہ دیوتا سے دعا مانگو کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے۔ پجاری یہ سن کر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد راجہ کے پاس آئے اور کہا "ہم نے مورتی سے پرارتھنا کی تھی وہ قبول ہو گئی ہے اور مورتی نے کہا ہے کہ راج کمار جلدی اچھا ہو جائے گا۔" راجہ خوش ہو گیا اور اس نے پجاریوں کو بہت کچھ انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔ لیکن زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ اُس کا بیٹا مر گیا۔ اس پر راجہ نے مندر کو مسمار کر دیا۔ بت کو توڑ ڈالا اور پجاریوں کو قتل کرا دیا اور مسلمان تاجروں کو اپنے پاس بُلایا جنھوں نے راجہ کو توحید کا یقین دلایا۔ جس پر راجہ فوراً ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔"

آرنلڈ اس واقعے کو فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶ سے نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے لکھتا ہے کہ "اسی طرح اور مسلمان تاجر بھی جن کے گروہ ہندوستان کے بُت پرست شہروں میں تجارت کرتے پھرتے تھے اکثر تبلیغ اسلام کا باعث ہو جاتے تھے۔"

---

[1] تاریخ ہند ایلیٹ جلد اول صفحہ ۲۷۳۔ [2] دعوت اسلام صفحہ ۲۸۹-۲۹۰

(۲) اُس وقت کے مسلمان تاجروں نے کھلی تبلیغ کے علاوہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا ایک یہ بھی طریقہ اختیار کیا کہ بہت سے تاجر عرب۔ایران اور عراق سے آکر ہندوستان کے ساحلی شہروں اور متصلہ جزیروں میں مستقل طور پر مقیم ہوگئے اور یہاں ہندو عورتوں سے شادیاں کرلیں۔چونکہ یہ تاجر مالی لحاظ سے دولت مند جسمانی لحاظ سے تندرست اور مذہبی لحاظ سے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔اس لیے بڑی آسانی سے ہندوؤں نے اپنی بیٹیاں انھیں دے دیں اور اس طرح بقول آرنلڈ "انھوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے راستہ صاف کرلیا۔"[۱] کیونکہ اس قسم کی قریباً تمام عورتوں نے شادی ہونے کے بعد اسلام قبول کرلیا اور اُن سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ مذہب کی پابند اور دین کی مبلغ ثابت ہوئی۔ہندوستان کے قریب کے جزائر لکادیپ اور مالدیپ وغیرہ میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر اسی طریقے سے ہوئی۔ان جزائر میں مسلمان تاجروں کی آمد کا سلسلہ کم وبیش تین سو برس تک جاری رہا۔جس کے نتیجے میں جزائر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام پھیل گیا اور آخر ۱۲۰۰ء میں ان جزائر کے راجہ نے بھی اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام سلطان محمد شنورازہ رکھا۔یہ ان جزائر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔"[۲]

"اس کے علاوہ آرنلڈ لکھتا ہے کہ عرب کے تاجر مغربی ساحل ہند پر بہت قدیم زمانے سے آمد ورفت رکھتے تھے۔دسویں صدی عیسوی میں یہ عرب تاجر کونکان کے شہروں میں کثرت سے آباد ہوگئے اور وہاں کی عورتوں سے نکاح کرکے اپنے دین وآئین کے ساتھ ان شہروں میں آباد رہے۔"[۳]

(۳) جو عرب تاجر اتنی دینی دستگاہ اور اس قدر مذہبی واقفیت نہ رکھتے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں کو بطور خود تبلیغ کرسکیں۔انھوں نے اسلام کی اشاعت کا اس ملک میں ایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ اپنے ساتھ عراق وایران اور عرب سے ایسے مبلغین اور واعظین کو اپنے خرچ پر لائے جو یہاں کے لوگوں کے سامنے دلائل اور براہین کے ساتھ اسلام کو پیش کرسکتے تھے[۴] اور اس طرح بالواسطہ اشاعتِ دین کا باعث ہوئے۔چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"عرب کے تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ واعظ بھی ملک میں داخل ہوئے تاکہ اسلام کو ترقی دیں اور تعلیم وتلقین سے کافروں کو راہِ راست پر لائیں۔"[۵]

(۴) عرب وعراق کے تاجروں اور دیگر ممالک اسلامیہ کے سوداگروں نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا چوتھا طریقہ یہ اختیار کیا کہ بہت ایثار اور بڑے خلوص سے کام لے کر اور نہایت قربانی کرکے تبلیغ حق

---

[۱] دعوت اسلام ص۲۸۵۔ [۲] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان اور دعوت اسلام ص۲۸۵۔ [۳] دعوت اسلام ص۲۸۶ بحوالہ مسعودی ص۲/۸۵۔ [۴] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان ص۲۱۔ [۵] دعوت اسلام ص۲۸۶۔

اور اشاعت اسلام کی خاطر اپنے وطن اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مع اہل و عیال ہندوستان آئے اور کسی شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ اپنے اہل و عیال کی رہائش کا مستقل انتظام کرنے کے بعد تجارت کا مال لیتے اور اندرون ملک کا وسیع دورہ لگاتے۔ جس شہر میں جاتے اپنا مال فروخت کرنے کے ساتھ وہاں کے لوگوں کو تبلیغ بھی کرتے۔ آٹھ دس مہینے کے بعد واپس گھر آتے۔ دو چار مہینے بیوی بچوں میں دل بہلاتے اور پھر نکل جاتے۔ اس طرح انھوں نے ہندوستان کے تمام صوبوں اور علاقوں میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلا دیا۔[1] چنانچہ ایلیٹ نے صاف طور پر تصریح کی ہے:

"دسویں اور بارھویں صدی عیسوی کے عرب جغرافیہ دانوں نے ہندوستان کے اُن شہروں کے نام لکھے ہیں جو ساحل پر یا ملک کے اندر واقع تھے اور جہاں مسلمانوں نے مسجدیں بنائی تھیں اور جہاں وہ ہندو راجاؤں کی سرپرستی میں رہتے تھے بلکہ اپنے آئین و قوانین کے ساتھ وہاں آباد رہنے کی راجاؤں نے اُن کو اجازت دے رکھی تھی۔"[2]

اس حقیقت کا ہمیں صاف طور پر اعتراف کرنا چاہیے کہ اس وقت کے راجاؤں کا سلوک ان عرب تاجروں سے باوجود یہ جاننے کے کہ ان کا عرب سے چل کر یہاں آنے اور آباد ہونے کا سب سے بڑا مقصد تبلیغ اسلام ہے) نہایت فیاضانہ اور روادارانہ تھا۔ انھوں نے نہ ان کو کسی قسم کی تکلیف دی اور نہ ان کی تبلیغ پر کوئی پابندی عائد کی۔ بلکہ انھوں نے بالعموم ان عرب تاجروں سے محبت اور نرمی کا سلوک کیا اور ہمیشہ اُن کے ساتھ نرمی اور آشتی سے پیش آئے۔ آرنلڈ اس تمام لطف و نوازش کی وجہ یہ بتاتا ہے:-

"یہاں کے راجاؤں نے تجارت کا بازار گرم رکھنے کے خیال سے اور ملک کی ترقی کو جو مسلمان سوداگروں کی بود و باش کا نتیجہ تھی، مدنظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور سرپرستی میں لیا اور یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ راجاؤں نے کسی طرح کی مزاحمت اُن کاموں میں نہ کی جو مسلمان تاجر دعوت اسلام کے لیے بڑی سرگرمی سے اختیار کرتے تھے۔"[3]

اس ملک میں مسلمان تاجروں کی مستقل رہائش کے نتیجے میں ایک مرتبہ تو ایسا عظیم الشان واقعہ رونما ہوا جس نے ہندوستان کی قسمت کو پلٹ کر رکھ دیا اور سارے ملک کی بادشاہت ہندو راجاؤں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمان بادشاہوں کے پاس چلی گئی۔ اس کی کیفیت ہم اپنی تاریخ اسلام کے عہد بنی امیہ میں اسلام کی اشاعت کا حال لکھتے ہوئے بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ اس واقعے کو نہایت مفصل اور مکمل طور پر دیکھنا ہو تو مولوی ابوظفر ندوی کی محققانہ کتاب "تاریخ سندھ" مطالعہ فرمائیں۔ "تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان" میں بھی یہ واقعہ مفصل لکھا گیا ہے۔ ہمارا اشارہ یہاں محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے ہے۔ اس نے ملک بھی فتح کیا اور

---

[1] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان صفحہ ۱۲ [2] تاریخ ہند ایلیٹ جلد اول صفحہ ۲ [3] دعوت اسلام صفحہ ۲۸۰-۲۸۱

27/9/3.29

اسلام کی تبلیغ بھی کی۔

۴۔ مسلمان سیاحوں کے ذریعے تبلیغ اسلام

مسلمان سیاحوں کے ذریعے بھی ہندوستان میں اشاعت اسلام کے کام کو بڑی تقویت پہنچی۔ انھوں نے ہندوستان کے طول اور عرض میں پھر کر خدائے واحد کا پیغام بتوں کے پوجنے والوں کو پہنچایا اور اُن کو مسلمان بنایا۔ جو مسلمان وقتاً فوقتاً ہندوستان میں آتے رہے اُن سب نے اسلامی تبلیغ کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور خدا نے وعظ و نصیحت کا جو فرض ہر مسلمان پر عائد کیا تھا۔ اُس کے ادا کرنے میں وہ غافل نہیں رہے۔

ان مسلمان سیاحوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام میں کوشش اور سعی کی اور بہت بڑے رقبے میں اسلام کی اشاعت اور ترویج کے لیے سفر کیے وہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھے جن کی تبلیغ کی مختصر کیفیت ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

آپ کا نام سید جلال الدین مخدوم بخاری اور بے حد سیاحت کے باعث لقب جہانیاں جہاں گشت ہے۔ آپ سید جلال الدین منیر شاہ بخاری کے پوتے سید احمد کبیر کے فرزند۔ راجو قتال کے بھائی۔ سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری کے شاگرد، شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح اور حضرت شاہ چراغ دہلوی کے مرید تھے۔ ۱۴ شعبان ۷۰۷ھ مطابق ۸ فروری ۱۳۰۸ء کو آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ آپ کی عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گذرا۔ عرب، مصر، شام، عراق، بلخ و بخارا وغیرہ کی خوب سیاحت کی۔ دو برس تک مدینہ منورہ میں رہ کر علم کی تحصیل کی۔ اس عرصے میں آپ نے ۳۶ حج کیے اور دنیائے اسلام کے بے شمار بزرگوں سے فیض پایا۔ سلطان محمد تغلق آپ کا مرید اور معتقد تھا اور بے انتہا آپ کا ادب کرتا تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر نہایت شدت سے عمل کرتے تھے اور غیر شرعی امور پر بڑی سختی سے ملامت کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات کا نام "جامع العلوم" ہے۔ جس کا اردو ترجمہ دو جلد میں الدر المنظوم فی ملفوظ المخدوم کے نام سے چھپا ہے۔ اُس میں آپ کے ہاتھ پر متعدد ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے ایک جگہ گجرات کے ایک راجپوت (مولی الاسلام) کا بیان ہے جو حضرت کے ہاتھ پر اسلام لایا اور آپ نے اُسے تعلیم دے کر ارشاد فرمایا کہ اب جاؤ اور اپنے گھر والوں اور قوم کے لوگوں کو مسلمان بناؤ۔[۱] آپ کے متعلق آرنلڈ لکھتا ہے:۔

"چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک اور داعی اسلام جنھوں نے صوبہ گجرات (بمبئی) میں تبلیغ کے لیے کوشش کی شیخ جلال تھے۔ جو مخدوم جہاں کے نام سے زیادہ تر مشہور ہیں۔ یہ بزرگ گجرات میں آکر سکونت پذیر

---

[۱] آب کوثر ص۲۱۱ اور قاموس المشاہیر جلد دوم ص۲۹۔ [۲] دعوت اسلام ص۱۹۳ بحوالہ بمبئی گزیٹیر جلد ۹ ص۲۱۔

ہو گئے اور بہت سے ہندوؤں کو انھوں نے اور اُن کی اولاد نے مسلمان کیا۔[1]

مغربی پنجاب کے جن قبیلوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بہاولپور کے سرکاری گزیٹیر میں اُن کی فہرست درج ہے۔ ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے اور ان میں کھرل راجپوتوں کا مشہور اور بڑا قبیلہ بھی شامل ہے۔[2]

آپ نے کاٹھیاواڑ کے علاقے منگرول میں بھی ایک صاحب سید سکندر کو تبلیغ اور ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کی کارروائی بابت ۱۹۴۶ء۔

۷۴۸ھ (مطابق ۱۳۴۷ء) میں آپ تبلیغ اسلام کی غرض سے کشمیر تشریف لے گئے اور جگہ جگہ پھر کر اسلام کی اشاعت کی۔ آپ کی تشریف آوری سے کشمیر میں تبلیغ اسلام کی تحریک کو بڑی تقویت پہنچی۔[3]

۸۷ برس کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ مطابق ۳ فروری ۱۳۸۴ء کو بروز چہار شنبہ آپ نے وفات پائی مزار ملتان میں ہے۔[4]

۴۔ تبلیغ بذریعہ مُسلم سلاطین

اگرچہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے بے شمار دوسرے محکموں کی طرح کبھی کوئی تبلیغ اسلام اور اشاعت مذہب کا محکمہ قائم نہیں کیا اور ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ بالعموم اس ذکر سے خالی ہے۔ مگر اس میں شُبہ نہیں کہ ہند کے مسلم فرمانرواؤں میں سے بعض دیندار بادشاہوں نے متفرق طور پر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں شوق اور دلچسپی کے ساتھ کافی حصّہ لیا۔ خصوصاً اُن مسلم فرمانرواؤں نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے متعلق بڑی کوششیں کیں جو خود ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ مختلف بادشاہوں اور حاکموں نے جو مختلف طریقے تبلیغ اسلام کے اختیار کیے اُن کی مجموعی کیفیت ذیل میں لکھی جاتی ہے :۔

(۱) تبلیغ اسلام کے کام میں ذاتی دلچسپی لے کر اور زبانی طور پر وعظ و نصیحت کر کے مسلمان سرداروں اور حاکموں نے ہندوستان کے ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ چنانچہ جب محمدؐ بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو اس نے یہاں کے بعض راجاؤں کو خود تبلیغ کی جس سے متاثر ہو کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض لوگوں سے ایسی مہربانی کے ساتھ پیش آیا کہ وہ اسلام اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بعض راجے اُس کے عفو و رحم کا حال کر سن کر

---

[1] دعوت اسلام صفحہ ۲۹۳ بحوالہ بمبئی گزیٹیر جلد ۷ ص ۷۱۔ [2] آب کوثر ص ۳۱۸۔ [3] مضمون "کشمیر میں تبلیغ اسلام" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی مندرجہ رسالہ حقیقت اسلام مارچ ۱۹۵۰ء۔ [4] قاموس المشاہیر جلد دوم ص ۲۹۔

خود مسلمان ہو گئے۔ مولوی عبدالحلیم شرر اور مولوی ابوظفر ندوی نے جو سندھ کی تاریخیں لکھی ہیں۔ اُن میں یہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

سلطان محمد غوری کے وعظ و نصیحت اور کوشش سے گکھڑوں نے جو شمالی پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں پھیلے ہوئے تھے اسلام قبول کیا۔ جب اُن کا سردار لڑائی میں قید ہو کر بادشاہ کے سامنے آیا تو سلطان نے اُسے اسلام کی دعوت دی۔ جس پر وہ مسلمان ہو گیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر گکھڑ قوم کی سرداری اُسے ہی بخش دی اور اُسے ہدایت کی کہ اپنی قوم کو مسلمان بنانے میں پوری کوشش کرے۔ [۱]

سلطان محمود بیگرہ والئ گجرات کے عہد میں ہندوؤں نے بہت کثرت سے اسلام قبول کیا۔ اُس کی خاص کوششوں سے بوہرہ قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے یہ بہت مشہور تجارت پیشہ قوم ہے جو پہلے ہندو تھی اور اب شیعہ مذہب رکھتی ہے۔ [۲]

(۲) اپنی رعایا کے نام تبلیغی خطوط لکھ کر بھی مسلمان بادشاہوں نے اسلام کی اشاعت کی ہے۔ چنانچہ جب دمشق میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مسند خلافت پر بیٹھے تو آپ نے ہندوستان کے کئی راجوں اور راجکماروں کو مؤثر تبلیغی خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ جن میں سے کئی مسلمان ہو گئے۔ [۳]

(۳) بعض مسلم سلاطین ہندوستان میں ایسے بھی ہوئے ہیں۔ جنھوں نے پبلک اعلانات جاری کر کے یہاں کے ہندوؤں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ فیروز شاہ تغلق خود لکھتا ہے:۔

"میں نے کافروں کو مسلمان کرنا ہی چاہا۔ اس لیے اشتہار دے دیا کہ جو ہندو مسلمان ہو گا۔ وہ جزیہ سے معاف کیا جائے گا۔ جب یہ اشتہار ہندوؤں نے دیکھا تو بہت سے گروہ کے گروہ آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ چاروں طرف سے ہندو روز مرہ آتے ہیں اور اسلام اختیار کر کے جزیے سے بری ہو جاتے ہیں۔ اُن کو تحفے دیے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔" [۴]

(۴) ہندوؤں کے ساتھ مہربانی سے پیش آ کر اور اپنا نیک نمونہ دکھا کر بھی ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کو اس بات کی ترغیب دلائی کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی سے اسلام قبول کر لیں اور سچے اور پکے مسلمان بن جائیں۔ اس ضمن میں آرنلڈ نے صوبہ اودھ کے گزیٹر کے حوالے سے ایک عجیب حکایت بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

---

[۱] دعوت اسلام ص ۲۷۴۔ [۲] دعوت اسلام ص ۲۷۱۔ [۳] ایلیٹ کی تاریخ ہند جلد اوّل صفحہ ۴۲۷، ۱۸۵۔ [۴] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم ص ۳۳۳ بحوالہ تاریخ فیروز شاہی۔ ایلیٹ نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور آرنلڈ نے بھی۔ ملاحظہ فرمائیں تاریخ ہند ایلیٹ جلد سوم ص ۳۸۶ اور دعوت اسلام ص ۲۷۵۔

"صوبہ اودھ میں بجگوتی راجپوتوں کا مسلمان خاندان سب سے زیادہ معزز ہے اور ملک اودھ کے مسلمان تعلقداروں کی فہرست میں اوّل درجہ رکھتا ہے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ تلوک چند ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں مسلمان ہوا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ہمایوں نے تلوک چند کی بیوی کے حسن و جمال کا شہرہ سُنا اور جب وہ کسی میلے میں گئی ہوئی تھی تو اُسے پکڑوا منگوایا۔ لیکن جب وہ بادشاہ کے سامنے حاضر کی گئی تو بادشاہ کو اپنی حرکت پر سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ اُس نے اُسی وقت تلوک چند کو طلب کیا۔ تلوک چند کو اُمید نہ تھی کہ پھر بیوی کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی۔ مگر جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیوی سے ملا تو خاوند اور بیوی نے خدا تعالےٰ کے شکریے میں اسلام قبول کیا۔ جس نے بادشاہ کے دل میں ایسی فیاضی اور نیکی ڈالی تھی۔ لہ

(۵) ہندوستان کے بادشاہوں نے اپنی ہندو رعایا کو خلعت و انعام دے کر۔ عطیات و تحائف مرحمت کر کے۔ جاگیریں اور مال و منال عطا کر کے بھی اس بات کا موقع دیا کہ وہ لوگ اسلام کو قبول کریں چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ اپنی کتاب تاریخ ہندوستان جلد ہشتم صفحہ ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"عالمگیر اورنگ زیب نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک ہندو کو بھی زبردستی مسلمان نہیں کیا۔ مگر اُس کے عہد کی تاثیر ہی ایسی تھی کہ دارالخلافے اور اُس کے اطراف میں اہل ہنود مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ جو بھی ہندو مسلمان ہوتا اس کو مہام شرعیہ کے ناظم شہنشاہ کی بارگاہ میں لاتے اور کلمہ طیبہ کی تلقین کرتے۔ بادشاہ اس کو خلعت و انعام اور نقود دیتا اور بقدر حال اُس کے عطایا سے نوازش کرتا۔ جو ممتاز ہنود مسلمان ہوتے وہ بلاواسطہ بادشاہ کے پاس آتے اور بادشاہ اُن کو خود اپنی زبان سے کلمہ طیبہ پڑھواتا اور پھر خلعت و انعامات سے اُن کو فائز کرتا۔"

واضح رہے کہ یہ وہی اورنگ زیب ہے جس پر نہایت زور شور سے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ تعصب کا دیوتا تھا اور اس نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے میں کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ روزانہ جب تک سوا من جینو نہ توڑ لیتا تھا۔ کھانا نہیں کھاتا تھا۔ لیکن منصف مزاج غیر مسلم اور یورپین مورخ صاف طور پر اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر نے مذہبی معاملات میں اپنی ہندو رعایا پر کسی قسم کی سختی نہیں کی۔ چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے "اورنگ زیب کے عہد کی کتب تواریخ میں جہاں تک مجھ کو پتہ چلا ہے زبردستی مسلمان بنانے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔" لہ

لہ دعوت اسلام صـ۲۸۶ بحوالہ گزیٹیر صوبہ اودھ جلد اوّل صـ۱۶۶ لہ دعوت اسلام صـ۲۷۵

ایک دوسرا انگریز مورخ تاریخ فرشتہ کے حوالے سے لکھتا ہے "ترقی دین کے جوش میں اورنگ زیب نے نومسلموں کے ساتھ کھلے ہاتھوں سے بے شک فیاضی کی۔ لیکن اُس نے غیر مذاہب کے لوگوں پر مذہبی امور میں سختیاں نہیں کیں"۔ لہ

ہند کے مسلم سلاطین کا یہ عام قاعدہ رہا کہ منجملہ دیگر فرائض سلطنت ادا کرنے کے وہ اس بات کا بھی باقاعدہ التزام رکھتے تھے کہ جو ہندو اُن کے پاس اپنی مرضی اور خوشی سے مسلمان ہونے کے لیے آتا۔ وہ اُسے خود کلمہ پڑھواتے اور نقد و جنس سے اُس کی امداد کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ کی طرف سے جو اوقات اس کام کے لیے مقرر تھے اُن میں اکثر بہت کثرت کے ساتھ ہندو آتے اور مسلمان ہونے کے بعد علیٰ قدر حیثیت انعامات سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے چنانچہ مولانا ذکاء اللہ اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم کے صـ۸۵ـ پر لکھتے ہیں:۔

"اس وقت ہند میں دستور تھا کہ جو ہندو اسلام لانا چاہتا۔ وہ بادشاہ کے روبرو جاتا۔ بادشاہ اُس کے درجے اور رتبے کے موافق اُس کو لباس فاخرہ۔ سونے کے کنٹھے اور کڑے بطور انعام دیتا"۔

(۶) دلائل اور بحث مباحثہ کے ذریعے بھی ہندوستان کے ذی علم بادشاہوں نے ہندوؤں تک کلمہ حق پہنچایا ہے۔ چنانچہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر اپنی کتاب "تزک جہانگیری" میں ہندو پنڈتوں سے اپنے ایک مذہبی مناظرہ کا حال اس طرح لکھتا ہے:۔

"ایک دن میں نے پنڈتوں سے پوچھا کہ اگر تمہارے مذہب کا منتہا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مقدس نے مختلف پیکروں میں حلول کیا ہے تو یہ بات ارباب عقل کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ خدا تعالیٰ جو تمام تعینات سے مجرد ہے۔ صاحبِ طول و عرض و عمق ہو جاتا ہے اور اگر ان اجسام میں نور الٰہی کے ظہور سے مراد ہے تو وہ سب موجودات میں مساوی ہے اور ان دس پیکروں سے مختص نہیں ہے جن کے متعلق تم کہتے ہو کہ اُن میں پرماتما نے حلول کیا۔ اگر کسی صفت کا اثبات مراد ہے تو اس صورت میں بھی تخصیص درست نہیں۔ کیونکہ ہر مذہب میں صاحبانِ معجزہ و کرامات موجود ہیں اور وہ اپنے اپنے زمانہ میں دانش و فراست میں نہایت ممتاز رہے ہیں۔

غرض بہت بحث مباحثہ اور رد و بدل کے بعد یہ پنڈت اس خدا کے معترف ہوئے جو جسم و شکل اور زمان و مکان کی قید سے منزہ اور بالا ہے۔ ہندوؤں نے کہا کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم

لہ تاریخ ہندوستان از انگریز ڈار جلد اول صـ۱۷۱ـ مطبوعہ لندن ۱۸۱۲ء۔

ذات مجرد کے ادراک اور شعور میں ناقص ہیں۔ چونکہ صورت کے بغیر خدا کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم نے ان دس پیکروں کو اپنی شناخت اور معرفت کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ تم ان پیکروں میں سے معبود برحق تک پہنچنے کا مقصد ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔" [۱]

(۷) ہمیں اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کے دورِ فتوحات میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ مسلمان فاتحین کے ڈر سے اور اپنی جانیں اور مال اور سلطنت بچانے کے لیے بعض ہندو راجاؤں نے مع اپنی فوج اور لشکر کے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح مقابلے سے پہلے ہی سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اگرچہ حملہ آور فاتحین ہندو راجاؤں کی اس غرض کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ کیوں یہ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ لیکن سب کچھ جاننے کے باوجود انھوں نے ان ہندو راجاؤں کا اسلام قبول کر لیا اور اظہارِ اسلام کے بعد ان کو ان کی ریاستیں بخش دیں۔ مثال میں سلطان محمود غزنوی کا وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو بلند شہر پر حملے کے وقت اسے پیش آیا اور جسے ایلیٹ نے اپنی تاریخِ ہند کی دوسری جلد کے صفحہ ۴۲ پر درج کیا ہے۔ وہ محمود کے ایک وزیر کی زبانی لکھتا ہے کہ ۴۰۹ھ میں سلطان محمود برنا (بلند شہر) کے قلعے پر پہنچا۔ جو ہردت کی ریاست میں تھا۔ ہردت وہاں کا راجہ تھا۔ جو ہندی زبان میں بادشاہ کے مرادف ہے۔ جس وقت ہردت نے اس مہم کا حال سنا جس کے لڑنے والے خدا کی امان میں سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور فرشتے ان کے گرد تھے تو ہردت نہایت پریشان ہوا۔ اس کے پیر اکھڑ گئے اور جان کا خوف اس پر طاری ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ اب جان اس طرح بچ سکتی ہے کہ اسلام قبول کرے۔ کیونکہ خدا کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اور سزا کا تازیانہ بلند ہو چکا تھا۔ پس وہ دس ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر قلعے سے باہر آیا اور سب نے اسلام قبول کرنے کی نیت ظاہر کی اور بت پرستی کو چھوڑ دیا۔" [۲]

۵۔ بذریعہ تحقیق و تلاش اور بعد مطالعہ و غور اسلام کی ترقی

بعض ایسی مثالیں بھی ہمیں ہندوستان میں ملتی ہیں کہ بعض انصاف پسند اور عقلمند راجاؤں نے اس ملک میں اسلام کا چرچا ہونے پر بطور خود اس امر کی تحقیق کی کہ کونسا مذہب سچا ہے آیا ہندو دھرم یا دینِ اسلام؟ اور اس تحقیق و تلاش کے نتیجے میں وہ بالآخر مسلمان ہو گئے۔ بعض گذشتہ صدی میں چھپنے والی کتابیں

---

[۱] تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد ششم صفحہ ۲۵ [۲] دعوتِ اسلام صفحہ ۲۷۳

عام ہو گئی تھیں اور مسلمان بھی ہند کے تمام صوبوں میں پھیل گئے تھے۔ بعض نیک فطرت اہل ہنود کو اس بات کی ٹوہ ہوئی کہ دونوں مذہبوں کا موازنہ اور مقابلہ کیا جائے اور جو مذہب بہتر ثابت ہو اُس کی پیروی کی جائے۔ اس کے لیے وہ ہندو پنڈتوں اور مسلمان علماء سے ملے اور ہر دو مذاہب کی کتابیں بھی دیکھیں۔ جس کے بعد اُنھوں نے اسلام کو اختیار کر لیا۔ دونوں مثالوں کا ایک ایک واقعہ نمونے کے طور پر ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

بنگال کا ایک راجہ کنس نامی بڑا عادل، منصف مزاج اور بے تعصب تھا۔ اُس کے ملک میں مسلمان بھی بکثرت آباد تھے مگر وہ کسی سے تعرض نہ کرتا تھا اور ہر ایک کو اُس نے پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اس لیے مسلمان بھی اُس کی حکومت کو اتنا ہی پسند کرتے تھے جتنا ہندو۔[1] اس کا بیٹا جٹ مل تحقیقی اور فلسفیانہ طبیعت لے کر پیدا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتا رہتا اور جو بات خود سمجھ میں نہ آتی وہ پنڈتوں سے پوچھتا۔ ایک عرصے کے بحث مباحثہ اور غور و فکر کے بعد اُس نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کر لینا چاہیئے۔

ولیعہدِ سلطنت ابھی تبدیل مذہب کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اُس کے باپ کنس کا دس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۴۰۷ء میں انتقال ہو گیا اور جٹ مل تخت پر بیٹھا۔ مگر اس بہادر اور منصف مزاج راجے نے اپنی ہندو رعایا کو دھوکا دینا نہ چاہا۔ اُس نے ایک بڑا دربار کیا۔ جس میں ملک کے تمام معززین کو شرکت کی دعوت دی۔ اپنے خاندان کے بھی سب لوگوں کو بلایا۔ اعیانِ سلطنت اور اراکین دولت کو بھی طلب کیا اور دربار میں صاف طور پر اس امر کا اقرار کیا کہ میں نے بہت تحقیق اور تلاش کے بعد اپنے لیے مذہب اسلام کو پسند کیا ہے۔ اگر تمھیں یہ بات ناگوار ہے تو میں بڑی خوشی سے اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں تخت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔

یہ گفتگو سن کر تمام اہل دربار نے بغیر کسی اختلاف کے یہ کہا کہ آپ جو مذہب چاہیں اختیار کریں ہم بہر حال آپ ہی کو اپنا بادشاہ مانیں گے اور آپ کی اطاعت کریں گے۔

ہندو رعایا کے اس متفقہ فیصلے کے بعد جٹ مل نے بہت سے مسلم معززین اور مسلمان علماء کو دربار میں بلوایا۔ تاکہ جس وقت سرِ دربار وہ ہندو مت کو چھوڑ کر مذہب اسلام کو اختیار کرے تو یہ سب اس کے گواہ رہیں۔

اس کے بعد سب لوگوں کی موجودگی میں اُس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہونے کے بعد اپنا نام جلال الدین

---

[1] دعوت اسلام ص ۲۹۳

محمد شاہ رکھا۔

بنگالہ کا یہ نومسلم راجہ مذہب میں بڑا پرجوش تھا۔ جب تک زندہ رہا بہت شوق کے ساتھ اپنے جدید مذہب کی ترویج و اشاعت کرتا رہا۔ چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے کہ "اس کے زمانے میں نہایت کثرت سے ہندو مسلمان ہوئے"۔ [1]

قبول اسلام کی دوسری مثال جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں گذشتہ صدی سے تعلق رکھتی ہے جس کی کیفیت مختصراً حسب ذیل ہے:۔

ریاست پٹیالہ کے ایک قصبہ پائل میں کوٹے مل ایک برہمن رہا کرتا تھا۔ اچھا کھاتا پیتا اور خوش حال شخص تھا۔ اس کے ایک ہی لڑکا تھا۔ . . . . جسے اس نے نہایت ناز و نعم سے پالا اور دنیوی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی بہت اچھی دلائی۔ لڑکے کا ذہن عمدہ اور حافظہ قوی تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک ودوان پنڈت بن گیا۔ اسلام کا نام اس کے کان میں پڑ چکا تھا۔ لہٰذا بچپن ہی سے اسے یہ چٹیک لگ گئی کہ کم از کم تحقیق تو کرنی چاہیئے کہ کونسا مذہب سچا ہے۔ بڑے ہو کر اور علم حاصل کرکے یہ شوق اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ اب اس نوجوان کا سارا وقت ہندو پنڈتوں، مسلمان عالموں اور عیسائی پادریوں سے بحث مباحثوں اور ہر مذہب کی کتابوں کے مطالعے میں بسر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ایک لمبی تحقیق کے بعد اس پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سب دینوں میں مذہب اسلام ہی سچا دین ہے۔ اس پر اس نے نتائج اور عواقب کا خیال کیے بغیر اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ یہ اعلان اس کی قوات۔ برادری اور گھر والوں کے لیے ایک بم کا گولہ ثابت ہوا۔ سب لوگ یک دم بھڑک اٹھے اور اسے طرح طرح کی ایذائیں اور تکلیفیں دینی شروع کیں۔ مگر کوئی بھی تکلیف اسے اپنے نئے دین سے پھیر نہ سکی اور وہ نہایت استقلال کے ساتھ اسلام پر قائم رہا۔ مسلمان ہو کر اس نے اپنا نام محمد عبید اللہ رکھا۔

مولوی عبید اللہ جہاں سنسکرت کے عالم تھے وہاں عربی کے بھی فاضل تھے۔ انھوں نے متعدد کتابیں ہندوؤں اور عیسائیوں کی تردید میں لکھی ہیں[2] تبلیغ اسلام کا بھی ان کو نہایت شوق تھا چنانچہ آرنلڈ لکھتا ہے کہ "پٹیالہ میں مولوی عبید اللہ نے جو پہلے بڑے عالم اور فاضل برہمن تھے اپنے تئیں بڑا کامیاب اسلامی مبلغ ثابت کیا اور باوجود ان مشکلات اور دشمنوں کے جو ان کے رشتے داروں نے ان کے کام میں پیدا کیے۔ تبلیغ اسلام میں ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ پٹیالہ کا ایک پورا محلہ ان لوگوں سے آباد ہوگیا۔ جن کو مولوی عبید اللہ نے مسلمان کیا تھا"۔ [3]

---

[1] دعوت اسلام ص ۲۹۷۔ [2] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان صفحہ ۹۰۔ [3] دعوت اسلام ص ۲۹۹۔

۱۴۔ اشاعتِ اسلام بذریعہ اُصولِ مساوات

مسلمانوں کا بے نظیر اُصولِ مساوات بھی ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا بڑا ذریعہ ثابت ہوا۔ ہندؤوں میں ذات پات کی تفریق اتنی عام ہے اور اونچی ذات کے ہندؤوں کا ادنےٰ ذات کے ہندوؤں کو ذلیل اور حقیر سمجھنے کا جذبہ اس قدر شدید ہے کہ اُس سے بیزار ہو کر بہت سے ہندوؤں نے اسلام کو اختیار کر لیا اور ہر زمانے میں اس قسم کے ہندوؤں کی معقول تعداد مسلمان ہوتی رہی جن کو ہندوؤں نے یا تو ذات سے خارج کر دیا تھا یا وہ ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے تھے۔ اس کا اعتراف نہایت حسرت کے ساتھ خود ہندوؤں کو بھی ہے۔ چنانچہ مہاشہ سنت رام بی۔ اے نے ایک مرتبہ بڑے درد سے لکھا:-

> "اسلام کروڑوں اچھوتوں اور شودروں کے لیے خدا کی رحمت ثابت ہوا کیونکہ وہ اُن کو اسلامی مساوات کا پورا حق دیتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہو گئے۔" [1]

تبلیغ اسلام کے اس ذریعے کے متعلق مسٹر آرنلڈ کا بیان بھی غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

> "سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کو غیر معمولی طور پر بڑھایا؟ اس کا جواب ہندوؤں کی سوشل کیفیت کو دیکھنے سے ملتا ہے۔ اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں کو نہایت ذلیل اور خوار سمجھتے ہیں۔ جب اس امر کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات سے خارج نہیں ہو سکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کی آزادی ملتی ہے تو اس وقت اسلام کے حقیقی فوائد دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بنگال کے بہت سے جلاہے جنھیں ہندوؤں نے ناپاک سمجھا۔ اس ذلیل حالت سے چھٹکارا پانے کے لیے مسلمان ہو گئے۔" [2]

سر ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر اپنے ایک مضمون "ہندوستان کے مذہب" مندرجہ اخبار ٹائمز فروری ۱۸۸۸ء میں لکھتے ہیں:

> "داعیانِ اسلام جب بنگال میں پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اُٹھا رہے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے۔ ان لوگوں

---

[1] روزنامہ پرتاپ لاہور مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۸ء۔ [2] دعوت اسلام ص ۳۵

کے نزدیک (جن میں مفلس مچھلیاں پکڑنے والے۔ شکاری۔ قزاق اور ادنیٰ اقوام کے کاشتکار تھے) اسلام ایک اوتار تھا جو اُن کے لیے آکاش سے اترا تھا۔ وہ حکمران قوم کا مذہب تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے جو سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل اور خوار سمجھتے تھے۔ اس لیے ہندو نو مسلم اور اس کی اولاد ہمیشہ کے لیے مسلمان ہو جاتی تھی۔ اس طرح اسلام ہندوستان کے ایسے شاداب اور زرخیز خطے میں پھیل گیا جو بڑی سے بڑی اور جلد سے جلد بڑھنے والی آبادی کو اپنی پیداوار سے پرورش کر سکتا ہے۔ جنوبی بنگال میں اسلام کو مستقل کامیابی جبر و اکراہ کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ اسلام ہر شخص سے خود مخاطب ہوا اور مفلسوں میں سے لاکھوں کو اپنا پیرو بنا لیا۔"[1]

۷۔ اسلامی تبلیغ پر مسلمانوں کے تمدن کا اثر

جب مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو اُن کے شاندار تمدن۔ اُن کی اعلیٰ تہذیب اور اُن کے پسندیدہ طرز معاشرت کے باعث یہاں کے ہندوؤں کے دل بے اختیار ان کی طرف کھنچنے لگے جتنا زیادہ اس ملک کے ہندوؤں کو مسلم حملہ آوروں سے سابقہ پڑا۔ اتنا ہی وہ اُن کے اخلاق کے شیدا اور ان کے خصائل کے گرویدہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر یہی سبب اُن میں سے بہتوں کے قبول اسلام کا ہوا۔

تبلیغ اسلام کے اس نہایت مؤثر ذریعے کی تشریح کرتے ہوئے آرنلڈ لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کا علم ادب پڑھنے اور اُن کی صحبت میں بیٹھنے سے ہندوؤں کے دلوں پر اسلام کا ایسا اثر پڑا جسے وہ دور نہیں کر سکے۔ شاہان مغلیہ نے جس راستے سے کشمیر میں آمد و رفت رکھی اس کے کناروں پر ایسے راجہ اب تک موجود ہیں جن کے بزرگوں نے مسلمانوں کی تہذیب سے متاثر ہو کر بہت سے اسلامی طریقے اختیار کر لیے تھے۔ اگر سلطنت تیموریہ سلامت رہتی تو یہ تمام راجہ کبھی کے مسلمان ہو گئے ہوتے۔ یہ ہندو لوگ مسلمان درویشوں اور پیروں کی صرف ظاہری تعظیم نہیں کرتے بلکہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے انھوں نے مسلمان معلم اور اتالیق مقرر کر رکھے ہیں۔ انھوں نے اپنی معاشرت میں بہت سی اسلامی رسوم داخل کر لی ہیں۔ چنانچہ وہ شرع اسلامی کے مطابق جانور ذبح کرتے ہیں۔ اسلامی مجالس میں پورے ذوق کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور ایسے موقعوں پر اسلامی لباس استعمال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں مسلمانوں کی طرح عبادت کرتے ہیں

---

[1] دعوت اسلام ص۲۹۵

حتیٰ کہ وہاں مسلمانوں کی طرح عبادت کرتے ہیں۔ درگاہوں پر عرس کے وقت ہندو اور مسلمان زائروں کی تعداد قریباً مساوی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ اگر کسی ہندو کے ہاں اولاد نہیں ہوتی اور وہ دیوی دیوتاؤں سے اولاد بخشنے کے لیے دعائیں مانگتا ہے تو ساتھ ہی اس خیال سے کہ جہاں ہزاروں دیوتاؤں سے دعائیں مانگتا ہوں وہاں اگر مسلمانوں کے خدا سے بھی التجا کرلوں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ دوسرے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ دعا مانگنے میں کوئی خدا رہ نہ جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے خدا سے بھی گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے۔ چنانچہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب کسی ہندو کے ہاں مسلمانوں کے خدا سے دعا مانگنے کے بعد بیٹا پیدا ہو گیا ہے تو سارا گاؤں کا گاؤں یہ عجیب کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا ہے۔"[1]

۸۔ اشاعتِ اسلام بذریعہ ازدواجی تعلقات

ایک ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی اور استحکام کا مسلمانوں نے یہ بھی استعمال کیا کہ یہاں آنے کے بعد نہایت کثرت کے ساتھ ہندی عورتوں سے شادیاں کیں اور یہ طریقہ ان سب مسلمانوں نے اختیار کیا جو وقتاً فوقتاً ہندوستان میں آئے خواہ وہ تاجر تھے یا سیاح۔ صوفیاء تھے یا فقراء۔ مبلغین تھے یا مصلحین۔ عوام تھے یا خواص۔ امیر تھے یا غریب۔ فوجی سردار تھے یا فرمانروا غرض مسلمانوں کے ہر طبقے نے ہندوستان کی عورتوں سے شادیاں کر کے اپنی تعداد۔ اپنے اثر اور اپنی طاقت کو بڑھایا بیشتر حالات میں ایسی عورتیں بیاہ ہونے کے فوراً بعد یا کچھ دیر میں مسلمان ہو گئیں۔ جو تھوڑی بہت ایسی تھیں کہ مسلمان نہ ہوئیں۔ ان کی اولاد ضرور پکی مسلمان ہوئی۔ کیونکہ اس اولاد نے (خواہ وہ لڑکے تھے یا لڑکیاں) کلی طور پر مسلم ماحول میں پرورش پائی۔

اس ذریعے سے مسلمان ہندوستان میں سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں ہو گئے اور ان کی تعداد میں برابر معقول ترقی ہوتی گئی۔

ان ازدواجی تعلقات سے مسلمانوں کو علاوہ مذہبی ترقی کے ایک [illegible] یہ پہنچا کہ جن ہندو خاندانوں میں انھوں نے شادیاں کیں۔ وہ لوگ اپنی بیٹی کی خاطر اپنے مسلم دامادوں کے ہمدرد اور معاون بن گئے اور مشکل کے وقت ان کے کام آئے۔

اس ملک میں مسلمانوں کی ترقی کا یہ طریقہ اس وقت سے شروع ہوا جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ

---

[1] دعوتِ اسلام ص[illegible] و ص[illegible]

کیا تھا۔ یا جب جنوبی ہند کے ساحلوں پر مسلمان تاجروں نے اپنے ڈیرے ڈالے تھے اور آخر وقت تک برابر جاری رہا۔

۹۔ تبلیغِ اسلام بذریعہ مباحثات و مناظرات

گذشتہ انیسویں صدی عیسوی میں جب کہ ہندوستان میں جگہ جگہ چھاپے خانے جاری ہو گئے تھے اور ان میں کتابیں۔ اخبارات اور رسالے چھپنے لگے تھے۔ واعظانِ اسلام نے نہایت کثرت کے ساتھ عیسائیوں اور ہندوؤں سے مذہبی مناظرات کا ڈول ڈالا۔ اسلام کی اشاعت اور اس کی تبلیغ کا یہ نیا ذریعہ تھا جو مسلمانوں نے ہندوستان میں استعمال کیا۔ اس دوران میں مسلمانوں نے بحث مباحثہ کی چار صورتیں اختیار کیں۔

(۱) تقریری مناظرے۔ ان میں فریقین کے مناظر ایک دوسرے کے بالمقابل بیٹھ جاتے۔ زبانی مناظرہ ہوتا اور دونوں طرف کے ہزارہا شائقین اسے دلچسپی کے ساتھ سنتے۔

(۲) تحریری مباحثے۔ ان کی شکل یہ تھی کہ فریقین آمنے سامنے بیٹھ جاتے۔ سوال کرنے اور جواب دینے کا وقت مقرر ہو جاتا۔ ایک فریق پرچہ پر سوال لکھتا اور مجمعِ عام میں سنا کر دوسرے فریق کے حوالے کر دیتا اس کا مناظر مقررہ وقت میں جواب لکھتا اور مجمع عام میں سنا کر پہلے فریق کے مناظر کو دے دیتا۔ یہ تحریری مناظرے کئی کئی ہفتے اور بعض اوقات دو دو ماہ تک جاری رہتے اور بعد میں مکمل روئداد میں کتابی شکل میں شایع ہوتیں۔

(۳) تیسری صورت یہ تھی کہ مناظرانہ رنگ کی کتابیں ایک طرف سے شایع ہوتیں اور ان کا جواب بھی کتابی شکل میں دوسری طرف سے دیا جاتا۔

(۴) ایسے اخبارات اور رسائل بھی ملک کے ہر حصّے سے نکلتے تھے جن میں مختلف مباحث پر ملک کے قابل اور لائق مناظر مضامین لکھتے رہتے تھے اور مخالف فریق کے اخبار میں اُن کے جواب دیے جاتے تھے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

اس قسم کے مباحثوں اور مناظروں کی انیسویں صدی میں نہایت کثرت رہی اور ہزارہا کتابیں اور رسالے مختلف مذاہب کے عالموں کی طرف سے دوسرے مذاہب کے ابطال اور تردید میں شایع ہوگئے جن کا شمار محال ہے۔ بیسویں صدی میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس زور اور شدت کے ساتھ نہیں۔

اس دوران میں اسلام کے بالمقابل ہندوستان میں دو مذہبوں کے پیرو تھے۔ ایک آریہ سماجی اور دوسرے

اور دوسرے عیسائی۔ اس وقت ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں عیسائیوں کے باقاعدہ مشن قائم تھے (جو اب بھی اکثر مقامات پر موجود ہیں) اور اُن کے مناد اپنے گرجوں اور پبلک مقامات پر نہایت زور شور کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور اسلام کی تردید کیا کرتے تھے۔ آریہ سماج کی شاخیں بھی تمام شہروں میں قائم تھیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف تقریریں کرنے اور تحریریں شایع کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے تھے۔ اسلام کے واعظین اور مبلغین اور مناظرین کو دونوں مذاہب کا بیک وقت مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور وہ بڑی کامیابی سے اپنا فرض ادا کرتے تھے۔ مگر اب اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں کا بازار سرد پڑ گیا ہے۔

۱۔ بعض اتفاقی واقعات کے ذریعے اشاعت اسلام

جو جو ذریعے اور طریقے اپنے مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کے ہندوستان میں مسلمانوں نے وقتاً فوقتاً استعمال کیے جہاں تک ہمیں اُن کا علم ہو سکا۔ اُن کی تفصیل ہم نے گذشتہ صفحات میں بیان کر دی ہے لیکن ان کے علاوہ بعض ایسے اتفاقی واقعات بھی یہاں مختلف اوقات میں پیش آتے رہے۔ جن سے یہاں کے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اگرچہ ایسے متفرق واقعات کی بہت سی مثالیں ہندوستان کی تاریخ میں موجود ہیں مگر یہاں ہم اُن میں سے چند کا ذکر کریں گے۔

(۱) ہندوستان کے مختلف شہروں میں کبھی کبھی ایسا بھی واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقام پر سکونت رکھنے اور باہم تعلقات قائم ہونے کے بعد کسی ہندو نے کسی مسلمان عورت سے نکاح کی درخواست کی۔ تو اُس عورت کے ورثاء نے اس شرط پر اس درخواست کو منظور کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ شخص مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور ماں باپ نے لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا۔ ایسا غرض کا اسلام اگرچہ پختہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ اُن کی اولادیں بہت پختگی کے ساتھ اسلام پر قائم ہو جاتی تھیں۔

(۲) کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی مسلمان رئیس نے جس کی اولاد نہیں تھی۔ بہت معقول رقم دے کر کسی ہندو سے اُس کا چھوٹا بچہ لے کر اسے اپنا متبنّیٰ بنا لیا اور مسلمانی طریقے پر اس کی تعلیم و تربیت کی۔ ظاہر ہے کہ بچہ بڑا ہو کر مسلمان ہوگا۔ پھر آگے اس کی نسل میں جتنے افراد ہوں گے سب کا مذہب اسلام ہوگا اور یہ سلسلہ اسی طرح پھیلتا بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایک پورا قبیلہ اور گروہ بن جائے گا۔

ادارہ ۵ دعوت اسلام ص ۳۰۰

(۳) ایسے واقعات بھی تاریخ میں پڑھنے میں آئے ہیں کہ کسی ہندو کو کسی قصور پر اُس کی برادری نے ذات سے خارج کر کے اُس کا حقہ پانی بند کر دیا۔ تو اُس نے آزادی اور بے فکری کی زندگی بسر کرنے کے خیال سے فوراً کسی قریبی مسجد میں جا کر مع بیوی بچوں کے اسلام اختیار کر لیا اور اس طرح اس کو ایک نئی برادری مل گئی جو اس کی پوری ہمدرد تھی۔ چنانچہ مسٹر آرنلڈ لکھتے ہیں "اس طرح کی بہت سی مثالیں ہندوستان کے ہر صوبے کی تاریخ سے ملتی ہیں اگر کوئی ہندو کسی طرح سے ذات سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے عزیز و اقارب اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیتے ہیں تو اُسے قدرتی طور پر ایسے مذہب کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے جو ہر شخص کو بلا امتیاز اپنے میں شامل کر لیتا ہے۔ اس طریقے سے جو ہندو مسلمان ہوئے ہیں۔ اُن کو اسلام کے ساتھ جس قدر جوشِ عقیدت ہو۔ کم ہے۔ [۱]

(۴) بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ہندو لاوارث مر گیا۔ اُس کے پسماندگان کی پرورش اور نگہداشت محلے کے باہمت اور نیک دل مسلمانوں نے کی۔ اس لطف و مہربانی کو دیکھ کر اس قسم کے اکثر لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ [۲]

(۵) ایسے واقعات بھی ہمیں تاریخ ہند کے مطالعے سے معلوم ہوئے ہیں کہ قحط کے دنوں میں مفلس اور غریب ہندو والدین اپنے بچوں کو سڑک پر لٹا کر یا چبوتروں پر سُلا کر یا گلی میں تنہا چھوڑ کر چل دیتے اور مسلمان ان ستم رسیدہ بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے بچے بڑے ہو کر مسلمان ہوتے تھے۔ [۳]

(۶) قحط کے ایام کا دوسرا منظر یہ تھا کہ جب کبھی اس قسم کا سخت وقت ہندوستان پر آتا تو دولتمند مسلمان کثیر تعداد میں ہندوؤں سے اُن کے بچے خرید لیتے اور ہندو اس خیال سے خوشی خوشی دے دیتے کہ مسلمانوں کے ہاں یہ بچے کم از کم زندہ تو رہیں گے۔ ان قحط زدہ بچوں کی تعلیم و تربیت مسلمان اسلامی طریقے پر کرتے تھے اور بڑے ہو کر یہ بچے نہ صرف مسلمان ہوتے تھے بلکہ اُن کی نسلوں میں اسلام جڑ پکڑ جاتا تھا۔ [۴]

(۷) بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ چمار۔ موچی۔ لوہار۔ بڑھئی۔ جلاہے اور کاشتکار جو مسلمان زمینداروں کے ملازم یا دست نگر ہوتے تھے یا اُن کے دیہات میں رہتے تھے۔ اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے اور نسبتاً زیادہ آرام سے رہنے کے لیے مسلمان ہو جاتے تھے۔ [۵]

---

[۱] دعوتِ اسلام صفحہ ۲۵۲ ۔ [۲] آرنلڈ صفحہ ۲۵۳ ۔ [۳] دعوتِ اسلام صفحہ ۲۵۳ ۔ [۴] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان صفحہ ۴۲ [۵] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان صفحہ ۴۷ ۔

(۸) بعض اوقات اچانک ایسے غیر معمولی واقعات پیش آجاتے تھے جن کے باعث ہندوؤں کی بڑی تعداد یک دم مسلمان ہوجاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ صوبہ بمبئی کے ضلع خاندیس میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہوا۔ وہاں ہندوؤں لوہاروں کے تقریباً دو سو آدمی ایک گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز ایک پادری کا اُدھر سے گذر ہوا۔ اُن سے بات چیت کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان سب لوہاروں کو بڑی آسانی سے عیسائی بنایا جاسکتا ہے پس وہ وہیں ٹھیر گیا اور بہت خفیہ طور پر بڑی ہوشیاری کے ساتھ اُن میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اُن سے کہا کہ "خداوند یسوع مسیح ہی دنیا کا نجات دہندہ ہے جو بے گناہ ہو کر ہم گناہ گاروں کے لیے پھانسی پر چڑھا اور اس طرح تین دن مُردوں میں رہ کر پھر جی اُٹھا اور خدا کے داہنے ہاتھ جا بیٹھا" ان پڑھ لوہاروں نے بھلا ایسی باتیں کب سنی تھیں، بڑے متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے گناہ دھونے کی یہ آسان تدبیر سوچی کہ بپتسمہ لے کر عیسائی ہوجائیں۔ پادری صاحب بھی نہایت خوش تھے کہ محنت ٹھکانے لگی اور مشن کے سامنے اپنی کارگذاری دکھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ مگر عین لب بام پہنچ کر کمند ٹوٹ گئی اور پادری صاحب کی ساری امیدیں خواب پریشاں ہو کر رہ گئیں۔ قصہ یہ ہوا کہ عین موقع پر جب کہ لوہار عیسائی ہونے کے لیے بالکل تیار تھے اور اصطباغ کی تاریخ بھی مقرر ہوچکی تھی۔ ایک صاحب سید صفدر علی نام۔ نصیر آباد کے رہنے والے اس گاؤں میں اچانک چلے آئے۔ انھوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ گاؤں کا گاؤں عیسائی ہونے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ تو بڑے گھبرائے۔ آدمی مذہب سے واقف اور ہوشیار تھے۔ بغیر ایک منٹ ضایع کیے چودھری کے پاس پہنچے اور اس کی سمجھ کے موافق اُس کے سامنے اسلام اور عیسائیت کا موازنہ ایسی خوبی سے پیش کیا کہ بے چارہ چودھری حیران رہ گیا اور کہنے لگا "مولوی جی! ہمیں تو ان باتوں کی خبر نہیں تھی۔ اچھا ہوا کہ آپ وقت پر آگئے ورنہ ہم کبھی کے عیسائی ہوچکے ہوتے اب ہم آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں"

اس کے بعد چودھری نے فوراً سارے گاؤں والوں اکٹھا کیا۔ جن کے سامنے سید صاحب نے دوبارہ بڑی عام فہم اور دل نشین تقریر کی اور عیسائیت کی حقیقت ان کو کھول کر بتائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسی محفل میں سارے گاؤں والوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور پادری صاحب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ [1]

(۹) اپنے مذہب کو پھیلانے اور بڑے لوگوں کو تبلیغ کرنے میں مسلمان واعظین اور مبلغین نے بعض اوقات نہایت خفیہ اور مخفی طریقوں سے بھی کام لیا۔ اس سلسلے میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو شروع سے آخر تک بہت ہی پُراسرار اور عجیب و غریب ہے۔

---

[1] تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان ص۲۶۶ بحوالہ بمبئی گزیٹر جلد ۱۲ ص۱۸۵۔

کون نہیں جانتا کہ بمبئی کے بوہرے اپنے تمول، اپنی تجارت اور اپنی دولت مندی کے باعث ہندوستان میں مشہور ہیں۔ یہ لوگ صوبہ بمبئی میں آباد ہیں۔ پہلے سارے کے سارے ہندو تھے۔ اب سب کے سب شیعہ ہیں۔ اُن میں اسلام کس طرح پھیلا؟ یہی ہمیں آج بیان کرنا ہے۔

چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک شیعہ واعظ مُلّا علی نام نے اس قوم میں اسلام پھیلانے کا ارادہ کیا۔ ان صاحب کے ہوشیار دماغ نے اس تبلیغی کام کو انجام دینے کا جو پروگرام بنایا وہ دنیا بھر سے نرالا تھا۔ اُنھوں نے سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ اس قوم میں سب سے زیادہ معزز اور مقدس کون شخص ہے؟ اُنھیں بتایا گیا کہ ہمارا گرُو سب سے زیادہ قابلِ تعظیم ہے اور ساری قوم بلا چون وچرا ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتی ہے۔

اس پر مولانا ملا علی نے جُبّہ وعمامہ کو خیر باد کہا۔ ڈاڑھی صفا چٹ کی۔ گیروا کپڑے زیب تن کیے۔ ترسول کندھے پر رکھا۔ کشکول ہاتھ میں پکڑا۔ اور اس ہیئت سے گرُو کی خدمت میں پہنچ کر اُن کے پاؤں دبانے لگے۔

گرُو جی نے اجنبی جان کر پوچھا "بچہ! تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟" ملا علی بولے "مہاراج! بڑی دور سے چلا آرہا ہوں۔ آپ کا شہرہ سنا تھا۔ چرنوں کے چھونے کی آرزو تھی آج پوری ہوئی۔ اب میں آپ کے قدم چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

گرُو جی ایسے مخلص چیلے کو پاکر بڑے خوش ہوئے۔ مولانا کو اپنے پاس رہنے کی اجازت دی اور اُن کے قیام و طعام کا بھی انتظام کرادیا۔

اب مولانا علی ہر وقت گرُو جی کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور بہت ہی جلد گرُو جی کے بڑے معتمد بن گئے۔ وہ کوئی کام اُن سے پوچھے بغیر نہ کرتے۔

جب اسی طرح سالہاسال گذر گئے اور گرُو جی کو اپنے "چیلے" پر مکمل اعتماد ہوگیا تو ایک روز موقع دیکھ کر تنہائی میں گرُو جی سے کہنے لگے "مہاراج! آپ کا سیوک آپ کی خدمت میں ایک ضروری بات عرض کرنی چاہتا ہے۔" گرُو جی بولے "شوق سے کہو جو کہنا چاہتے ہو۔"

اجازت پاکر مولانا نے اسلام کی خوبیاں اور بُت پرستی کی برائیاں ایسے عجیب اور دل نشین طریقے سے بیان کیں کہ گرُو جی حیران رہ گئے اور کہنے لگے "بچہ! آج تو تو نے ایسی عجیب باتیں کہی ہیں جو ہم نے تیرے منہ سے پہلے کبھی نہیں سنیں۔"

ملّا علی نے عرض کی "گرُو مہاراج! میں دراصل مسلمان ہوں اور صرف آپ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے میں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے ورنہ کہاں میں۔ کہاں بُت پرستی۔"

ملا علی نے ایسی خوبصورتی کے ساتھ گرُو جی کی خدمت میں اسلام پیش کیا تھا کہ ساری باتیں دل کو لگتی

نفس اور بُت پرستی کی برائی ایسی خوبی سے بیان کی تھی کہ اُس سے نفرت پیدا ہوتی تھی اس کا اثر گرو جی کے قلب پر فوراً ہوا اور انھوں نے مُلّا علی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اُن کے خاص خاص چیلے جو گُرو جی کے ساتھ رہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گرو جی کے سمجھانے سے وہ بھی مسلمان ہو گئے مگر ان سب نومسلموں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ کیونکہ اُن کو خوف تھا کہ اگر راجہ کے وزیر کو خبر ہو گئی۔ جو بڑا ظالم اور سخت گیر تھا تو ہم سب کو اسی وقت قتل کرا دے گا۔

لیکن کسی نہ کسی طرح یہ خبر وزیر تک پہنچ گئی اور وہ نہایت غصے میں بھرا ہوا تحقیق حال کے لیے خود گرو جی کے پاس آیا۔ لیکن یہاں گرو جی اور ملا علی نے مل کر اسے ایسی نرمی اور ملائمت سے سمجھایا کہ وزیر اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ مگر کہنے لگا کہ میرے اسلام کی خبر راجہ کو نہ ہو۔ اگر اُسے خبر ہو گئی تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

لیکن ہوا یہ کہ وزیر کا اسلام بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔ جب راجہ کو یہ قصہ وزیر کے ایک دشمن نے جا کر سنایا۔ تو راجہ اس کے تصدیق کے لیے خود وزیر کے گھر پر گیا۔ وزیر اُس وقت اتفاق سے نماز پڑھ رہا تھا کیونکہ ملا علی نے مسلمان کرتے وقت اُسے سمجھا دیا تھا کہ ہر مسلمان پر نماز کی ادائیگی فرض ہے اور رکوع کی حالت میں تھا۔ راجہ کے آنے پر فوراً اُس نے جھک کر بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس طرح دیکھنا شروع کیا گویا کسی کی تلاش میں ہے۔ اتفاقاً اُسی وقت ایک سانپ ایک کونے میں سے نکلا۔ راجہ وزیر کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ یہ اپنی عبادت کر رہا ہے۔ مگر سانپ کے نظر آنے پر اُس نے خیال کیا کہ وزیر جھک کر سانپ کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کے بعد راجہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ واقعہ کیا ہے؟ وزیر نے عرض کی کہ اس بات کا جواب گرو جی مہاراج کے سامنے چل کر دوں گا۔ وہاں تشریف لے چلیں۔ چنانچہ دونوں گرو جی کے پاس پہنچے اور ملا علی نے راجہ کو بدستور ایسی عمدگی کے ساتھ تبلیغ کی کہ راجہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ مگر جو ریت شروع سے چلی آ رہی تھی۔ یہاں بھی قائم رہی یعنی راجہ نے وزیر سے کہا کہ "اگر میں نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا تو میری ساری رعایا فوراً بگڑ جائے گی اور مجھے سلطنت سنبھالنی مشکل ہو جائے گی۔ ممکن ہے تخت و تاج سے ہاتھ دھونے پڑیں بلکہ شاید جان سے بھی۔ اس لیے تم میرے مسلمان ہونے کا ذکر کسی سے نہ کرنا"۔ چنانچہ جب تک راجہ زندہ رہا۔ اسے اپنے اسلام کے اظہار کی توفیق نہ ملی۔ البتہ مرتے ہوئے اس نے وزیر کو وصیت کی کہ میری ارتھی کو جلایا نہ جائے بلکہ دفن کیا جائے۔

راجہ کے انتقال کے بعد ارکین سلطنت نے وزیر سے راجہ کی اس عجیب وصیت کی وجہ پوچھی تو چونکہ اب راجہ مر چکا تھا اس لیے وزیر نے جو اصلی بات تھی وہ صاف صاف کہہ دی مگر یہ اب بھی نہ بتایا کہ میں اور گرو جی اور اُن کے چند چیلے بھی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ لیکن بعد میں اس قوم میں اسلام ایسا پھیلا کہ سب مسلمان ہو گئے

بھی ہو رہے ہیں۔ سلہ

(۱۰) ایک دفعہ ایک عجیب اتفاق سے چار سو ہندو یکدم مسلمان ہو گئے۔ اس کا قصہ مولانا ذکاءاللہ نے اپنی تاریخ ہندوستان کی ساتویں جلد صفحہ ۱۷۶ پر اس طرح لکھا ہے۔

شاہجہان بادشاہ اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۰۴۳ھ (مطابق ۱۶۳۴ء) میں کشمیر کی سیاحت کو گیا۔ واپسی میں جب گجرات پہنچا تو وہاں کے مسلمانوں نے اس کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یہاں بڑا اندھیر ہو رہا ہے۔ بہت سے ہندو ساہو کاروں نے مسلمان عورتوں کو زبردستی اپنے گھروں میں ڈال رکھا ہے۔ شہر کی اکثر مسجدوں کو ڈھا دیا ہے اور قرآن کریم کی بے حرمتی کی ہے۔ خدا کے لیے ہمارا انصاف کیا جائے۔" بادشاہ نے اس شکایت پر شیخ محمود گجراتی کو مقرر کیا کہ تحقیقات کر کے رپورٹ کریں۔ جب تحقیقات پر تینوں باتیں صحیح ثابت ہوئیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ جو مسلمان عورتیں ہندوؤں کے قبضے میں ہیں۔ اگر وہ ہندو اسلام قبول کریں تب تو وہ عورتیں اُن ہی کے پاس چھوڑ دی جائیں اور اُن کے دوبارہ نکاح پڑھوا دیے جائیں۔ اگر وہ ہندو اسلام قبول نہ کریں تو اُن مسلمان عورتوں کو اُن کے قبضے سے نکال لیا جائے اور اُن کے نکاح مسلمانوں سے کر دیے جائیں۔ جو مسجدیں ہندوؤں نے ڈھائی ہیں وہ ان ہی کے خرچ سے دوبارہ بنوا دی جائیں مگر جو ہندو قرآن کریم کی بے حرمتی کے واقعی مرتکب ہوئے ہیں اُن کی گردنیں مار دی جائیں۔

یہ حکم سن کر وہ ہندو جن کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں بڑے گھبرائے۔ نہ وہ اُن عورتوں کو چھوڑ سکتے تھے کیونکہ اُن سے اولادیں ہو گئی تھیں۔ نہ اُن کو اپنے ہاں رکھ سکتے تھے اور نہ اُن عورتوں کو ہندو ہونے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اس لیے نہایت مجبور ہو کر انھوں نے یہی راہ اختیار کی کہ جلدی جلدی مسلمان ہونا شروع کیا کیونکہ صرف اسی طرح وہ عورتیں ان کے ہاں رہ سکتی تھیں۔ شمار کیا تو معلوم ہوا کہ چار سو ہندو اس طرح اپنی بیویوں کی خاطر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان کے ذکر کے ساتھ میں اشاعت اسلام کی اس تاریخ کو ختم کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ میری اس حقیر خدمت کو اپنے فضل و رحم سے قبول فرمائے اور میری اس تالیف کو جو میں نے نہایت تلاش اور عرق ریزی سے لکھی ہے ناظرین کرام کے لیے سودمند اور نفع رساں بنائے۔

حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے جا سکتے تھے مگر اندازے کے خلاف پہلے ہی کتاب کا حجم زیادہ ہو گیا ہے اس لیے مجھے جا بجا نہایت اختصار سے کام لینا پڑا۔

خاکسار محمد اسمٰعیل پانی پتی

سلہ تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان صفحہ ۷ بحوالہ مجالس المومنین مصنفہ نوراللہ شوشتری

ماخذ تاریخ اشاعت اسلام

متعلق باب اول و دوم اور ضمیمہ

۱۔ قرآن کریم

۲۔ شمائل مترجم مولوی نذیر احمد دہلوی مطبوعہ ۱۳۱۶ھ

۳۔ تجرید بخاری از علامہ حسین بن مبارک زبیدی۔

۴۔ سیرۃ ابن ہشام از علامہ ابو محمد عبدالملک بن محمد بن ہشام مترجمہ سید یٰسین علی نظامی حسنی۔

۵۔ تاریخ طبری تالیف ابی جعفر محمد بن جریر طبری مترجمہ مولوی سید ابراہیم ایم۔اے جلد اول حصہ سوم۔

۶۔ تاریخ کامل ابن اثیر مترجمہ مولوی عبدالغفور خاں جلد ششم۔

۷۔ طبقات کبیر از محمد بن سعد کاتب الواقدی مترجمہ مولانا عبداللہ عماری جلد اول و دوم و سوم۔

۸۔ تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی۔ مترجمہ مولانا محمد شبیر صدیقی۔

۹۔ سیرۃ النبی جلد اول و دوم از علامہ شبلی نعمانی۔

۱۰۔ سیرۃ النبی جلد پنجم از سید سلیمان ندوی۔

۱۱۔ رحمت للعالمین جلد اول و دوم از قاضی سلیمان منصور پوری۔

۱۲ خلاصۃ الکلام فی تاریخ الانام از ذاکر حسین۔

۱۳۔ حیات محمد از محمد حسین ہیکل ترجمہ ابو یحییٰ محمد امام خاں۔

۱۴۔ اسوۃ الرسول از خان بہادر سید اولاد حیدر فوق بلگرامی جلد دوم۔

۱۵۔ خلفائے راشدین از حاجی معین الدین۔

۱۶۔ تذکرہ مہاجرین جلد اول و دوم از شاہ معین الدین۔

۱۷۔ سیر الانصار جلد اول و دوم از مولانا سید احمد انصاری۔

۱۸۔ سیر الصحابہ جلد ششم و ہفتم از شاہ معین الدین۔

۱۹۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین از مولانا مجیب اللہ ندوی۔
۲۰۔ عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام از ذاکر حسین۔
۲۱۔ تاریخ ملت حصہ دوم از قاضی زین العابدین۔
۲۲۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا جلد اول و دوم از منشی محبوب عالم۔
۲۳۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول از ولیم۔ ایل۔ لنگر مترجمہ مولوی غلام رسول مہر
۲۴۔ عبرت نامہ اندلس ترجمہ سپینش اسلام مؤلفہ رائن ہارٹ ڈوزی مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی۔
۲۵۔ العتیق از مولوی عبدالحفیظ۔
۲۶۔ ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل مترجمہ شیخ محمد احمد۔
۲۷۔ الفاروق از شبلی نعمانی۔
۲۸۔ عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل مترجمہ حکیم حبیب اشعر
۲۹۔ سیر الصحابیات از سعید انصاری۔
۳۰۔ خدیجہؓ از بنتینہ توفیق مصری مترجمہ شیخ محمد احمد۔
۳۱۔ خالدؓ سیف اللہ۔ از ابو زید شلبی مترجمہ شیخ محمد احمد۔
۳۲۔ عمرو بن العاص از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن قاہرہ۔ مترجمہ شیخ محمد احمد۔
۳۳۔ تذکرۃ المعیاد از حکیم محمد سردار خان نشاط۔
۳۴۔ السیاست الاسلامیہ فی عہد النبوہ از عبدالمتعال الصعیدی مترجمہ شیخ محمد احمد۔
۳۵۔ تاریخ اہل زمانہ از حضرت مولوی خواجہ غلام الحسنین پانی پتی۔
۳۶۔ تحقیق الجہاد۔ ترجمہ کریٹیکل اکسپوزیشن آف دی پاپولر جہاد مؤلفہ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی۔ مترجمہ حضرت استاذی المحترم مولوی خواجہ غلام الحسنین مرحوم پانی پتی۔
۳۷۔ الجہاد فی الاسلام از مولوی ابوالاعلیٰ مودودی۔
۳۸۔ تاریخ فقہ اسلامی۔ ترجمہ تاریخ التشریع الاسلامی از علامہ محمد الخضری مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی۔
۳۹۔ دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام مؤلفہ پروفیسر آرنلڈ مترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی۔
۴۰۔ لغات القرآن جلد اول از مولوی عبدالرشید نعمانی۔
۴۱۔ المنجد از الاب الفاضل لوئیس معلوف الیسوعی طبع بیروت ۱۹۳۷ء
۴۲۔ تسہیل العربیہ از مولانا محمد حی مطبوعہ ۱۹۳۳ء

۴۳۔ معجم العربیہ از ولیم ٹامس ورڈ بات مطبوعہ ۱۹۳۶ء
۴۴۔ جامع اللغات جلد دوم و چہارم از خواجہ عبدالمجید۔
۴۵۔ بیان اللسان از زین العابدین سجاد میرٹھی مطبوعہ

از عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تا آخر

۱۔ سیرۃ النبی جلد اول از شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی
۲۔ چارمتر آف اسلام۔
۳۔ تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی۔
۴۔ ابوبکر صدیق اکبر از محمد حسین ہیکل۔
۵۔ تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب از ذاکر حسین۔
۶۔ تاریخ خلافت راشدہ از محمد علی ایم۔اے۔
۷۔ خلفائے محمد از محمد ابوالنصر
۸۔ اشاعت اسلام از مولانا حبیب الرحمن صدر مدرس مدرسہ دیوبند۔
۹۔ عمرو بن العاص از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔
۱۰۔ خالد از ابوزید شبلی۔
۱۱۔ خالد اور اُن کی شخصیت از عباس محمود العقاد۔
۱۲۔ سیرۃ ابن ہشام
۱۳۔ تاریخ اسلام از سید امیر علی۔
۱۴۔ صحیح بخاری پارہ ۱۷۔
۱۵۔ الفاروق از مولانا شبلی۔
۱۶۔ عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل۔
۱۷۔ دعوت اسلام از ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ۔
۱۸۔ عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام از ذاکر حسین۔
۱۹۔ تاریخ مصر از مفتی انتظام اللہ شہابی۔
۲۰۔ تاریخ الامت جلد دوم تا ششم از مولانا اسلم جیراجپوری۔

۲۱۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول از ولیم۔ ایل لینگر

۲۲۔ خلفائے راشدین از حاجی معین الدین۔

۲۳۔ علمائے اسلام از نیاز فتحپوری۔

۲۴۔ تاریخ اسلام جلد دوم، سوم، چہارم از شاہ معین الدین احمد

۲۵۔ سیر الصحابہ جلد ششم از شاہ معین الدین۔

۲۶۔ سیرۃ عمر بن عبد العزیز از مولانا عبد السلام ندوی۔

۲۷۔ النظم الاسلامیہ از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔

۲۸۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب از علامہ ابن العذاری۔

۲۹۔ تاریخ دعوت و عزیمت، جلد اول و دوم از سید ابو الحسن علی۔

۳۰۔ حقائق الاخبار (تاریخ مراکش) از کرنل اسماعیل ملک۔

۳۱۔ تاریخ سندھ از سید ابو ظفر ندوی۔

۳۲۔ شجرات فرمانروایان اسلام۔ لین پول۔

۳۳۔ تاریخ انگورہ از منشی محمد دین فوق۔

۳۴۔ چین و عرب کے تعلقات از بدر الدین چینی۔

۳۵۔ تاثرات چین مرتبہ مولانا عبد الحامد بدایونی۔

۳۶۔ تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول از نور احمد قادری۔

۳۷۔ مجدد اعظم از ڈاکٹر بشارت احمد۔

۳۸۔ آب کوثر از شیخ محمد اکرام ایم۔ اے۔

۳۹۔ تاریخ تبلیغ اسلام در ہندوستان۔

۴۰۔ قاموس المشاہیر جلد دوم از نظامی بدایونی۔

۴۱۔ تاریخ ہندوستان (عہد اسلامیہ) از مولانا ذکاء اللہ۔

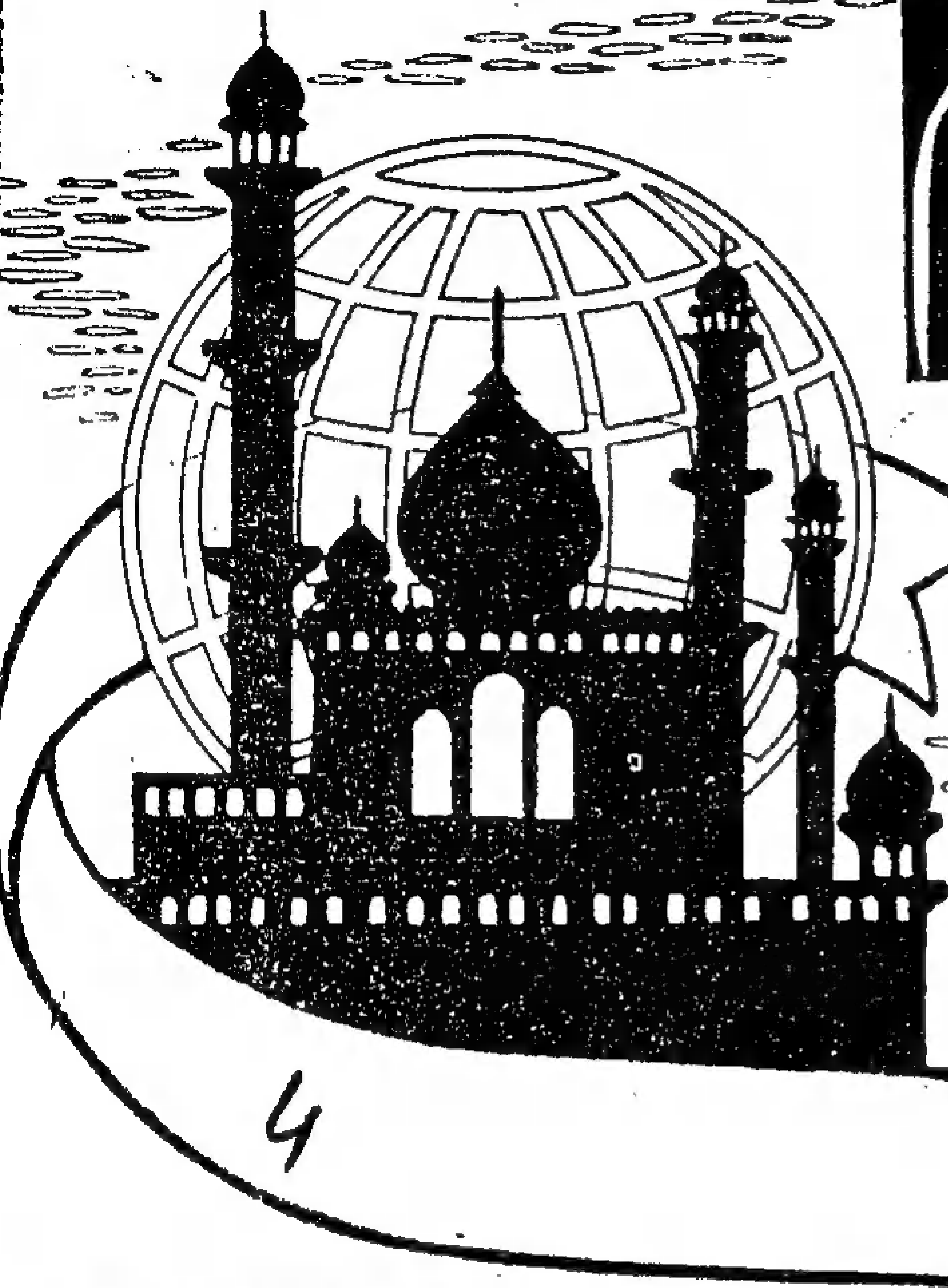
۴۲۔ کشمیر میں اسلام از محمد اسد اللہ قریشی۔

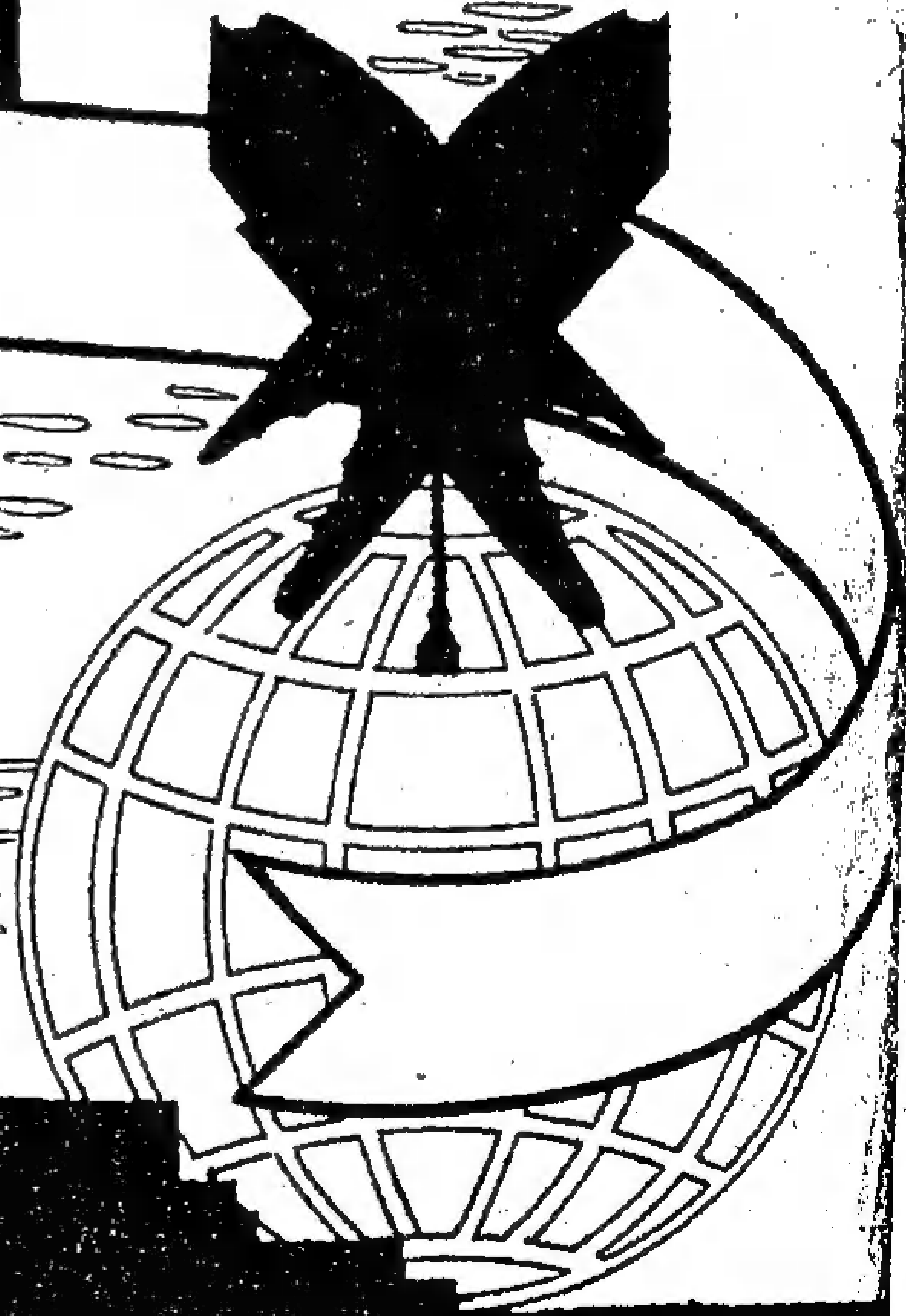
۴۳۔ اسلام اور کشمیر از خواجہ الف دین وکیل کیمبل پور۔

۴۴۔ کشمیر میں تبلیغ اسلام (مضمون مندرجہ رسالہ حقیقت اسلام بابت مارچ و اپریل ۱۹۵۰ء) از پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔

تاریخ
ناعتِ اسلام

نبوی ۔ دورِ صحابہؓ اور عہدِ سلاطین میں
تِ اسلام کی مفصل اور مستند تاریخ





شیخ محمد اسماعیل پانی



خ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز ۔ لاہور ۔ پشاور ۔ حیدرآباد ۔ کراچ